باسمہٖ تعالیٰ

اضافہ واصلاح شدہ مدلل ومفصل ایڈیشن

# وساوِس

# اور

# حقائق

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اصلاح وتزکیہ

# وساوِس اور حقائق

قرآن وسنت، فقہاء ومحدثین اوراہلُ السنۃ والجماعۃ کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں وسوسوں کی حقیقت اوران کے احکام، وسوسوں کی اقسام وانواع، وسوسوں کے گناہ ہونے نہ ہونے کا حکم، وسوسوں پرعمل اوران کی تصدیق کے نتائج ونقصانات، وہم اور مالیخولیا کی بیماری کی حقیقت اوراس سے متعلق واقعات، ایمان، گناہ، ناپاکی، حرمت، طہارت، استنجاء، وضو، غسل، نماز، طلاق اور خواب وغیرہ سے متعلق وسوسوں پر تفصیلی کلام، پاکی وناپاکی اور حلت وحرمت سے متعلق اہم اصول اور مسائل، اورناپاک چیز کو پاک کرنے کی سہل وآسان صورتیں، وسوسوں کے ضرر ونقصان سے حفاظت کا طریقہ۔

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: وساوِس اور حقائق

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ اپریل 2008ء۔ طباعتِ دوم: ربیع الاول ۱۴۳۵ھ۔ جنوری 2014ء

صفحات: ۷۲۸

## ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270

ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255

کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861

مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196

مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112

ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929

ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020

مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559

مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔ فون: 0321-5180613

ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513

مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856

کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929

مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130

تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634

مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701

مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716

مکتبۃ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919

اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628

اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536

الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248

Idara Ghufran

# فہرست


| شمار نمبر | مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | تمہید (از مؤلف) | ۱۹ |
| ۲ | (باب نمبر۱) وسوسوں کے حقائق اور ان کے نتائج | ۲۳ |
| ۳ | (فصل نمبر۱) وسوسہ کی حقیقت | ۲۴ |
| ۴ | وسوسہ اور تورع، شک اور یقین میں فرق | ۲۵ |
| ۵ | (فصل نمبر۲) شیطانی، نفسانی اور انسانی وساوس | ۲۹ |
| ۶ | (۱)......شیطانی وساوس | ؍؍ |
| ۷ | (۲)......نفسانی وساوس | ۲۴ |
| ۸ | (۳)......انسانی وساوس | ۳۶ |
| ۹ | (فصل نمبر۳) وسوسوں سے کوئی بری نہیں | ۳۸ |


Idara Ghufran

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰ | (فصل نمبر۴) وسوسوں کی آمد کا ایمان وتقوے کے خلاف نہ ہونا | ۴۵ |
| ۱۱ | حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ | // |
| ۱۲ | متقی لوگوں کو وسوسہ | // |
| ۱۳ | وسوسوں کا آنا اور ان کو بُرا سمجھنا صریح وخالص ایمان ہے | ۴۶ |
| ۱۴ | (فصل نمبر۵) شیطان کے زور کا وسوسوں تک محدود ہونا | ۵۵ |
| ۱۵ | شیطان کا زور، وسوسوں کے ذریعہ جھوٹے وعدہ تک | // |
| ۱۶ | شیطان کا وعدہ، دھوکہ پر مبنی اور ضعیف ہے | ۵۶ |
| ۱۷ | مومنوں اور اللہ پر توکل رکھنے والوں پر شیطان کا قابو نہیں | ۵۷ |
| ۱۸ | اللہ کے مخصوص بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا | // |
| ۱۹ | اللہ نے شیطان کے مکر کو وسوسہ تک محدود کر دیا | ۵۹ |
| ۲۰ | شیطان کا وسوسوں پر گزارہ کرنا | ۶۰ |
| ۲۱ | (فصل نمبر۶) ایمان دل کے اندر، وساوِس دل کے باہر | ۶۲ |
| ۲۲ | (فصل نمبر۷) وسوسوں پر کلام وعمل سے پہلے مؤاخذہ و پکڑ نہ ہونا | ۶۷ |
| ۲۳ | کسی نفس کو وسعت سے زیادہ اور وسوسہ کا مکلّف نہیں کیا گیا | // |


www.idaraghufran.org

| | | |
|---|---|---|
| ۲۴ | وسوسہ، عمل وکلام سے پہلے معاف ہے | ۷۰ |
| ۲۵ | خیر کے ارادہ پر نیکی اور شر کے ارادہ پر معافی | ۷۲ |
| ۲۶ | اختیاری وسوسہ پر مؤاخذہ وعدمِ مؤاخذہ کی تحقیق | ۸۰ |
| ۲۷ | (فصل نمبر۸) **وسوسوں پر عمل یا کھود کرید، تقویٰ و نیکی نہیں** | ۸۸ |
| ۲۸ | وسوسوں پر عمل کی ممانعت | ۹۰ |
| ۲۹ | خشیت اتنی ہو کہ جو گناہوں سے روک دے | ۹۱ |
| ۳۰ | تین مرتبہ سے زیادہ اعضائے وضو کو دھونا برا ہے | // |
| ۳۱ | قربِ قیامت میں پاکی میں غلو کرنے والی قوم کا پیدا ہونا | ۹۲ |
| ۳۲ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، زیادہ خشیت وتقوے والا ہے | ۹۴ |
| ۳۳ | دین کے معاملہ میں سختی وغلو کا نقصان | ۹۵ |
| ۳۴ | اپنے آپ پر تشدُّد کرنے کا نقصان | ۹۸ |
| ۳۵ | عبادت میں زیادہ جدوجہد اور غلو کا نقصان | ۹۹ |
| ۳۶ | اللہ کے دین میں آسانی ونرمی کا حکم | ۱۰۰ |
| ۳۷ | کھود کرید، کثرتِ سوال اور قیل وقال کی برائی | ۱۰۴ |
| ۳۸ | (فصل نمبر۹) **وسوسوں سے جنون ومایوسی کا پیدا ہونا** | ۱۱۴ |
| ۳۹ | شیطانی وسوسوں سے پناہ کا حکم جو کہ جنون کا سبب ہیں | // |
| ۴۰ | رنج وغم اور حادثہ کے وقت وسوسوں کا غلبہ اور مالیخولیا | ۱۱۶ |


Idara Ghufran

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱ | وسوسوں سے وہم (Illusion) اور مالیخولیا (Melancholia) ہو جانا | ۱۱۹ |
| ۴۲ | وسوسوں کی وجہ سے مایوسی کا پیدا ہو جانا | ۱۲۵ |
| ۴۳ | اللہ، بندے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا | ۱۲۶ |
| ۴۴ | اللہ، عمل کرنے والوں کو راہِ ہدایت عطا فرماتا ہے | // |
| ۴۵ | اللہ کی رحمت کی وسعت | ۱۲۷ |
| ۴۶ | اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی ممانعت | ۱۲۹ |
| ۴۷ | اللہ سے حسنِ ظن کی حالت میں ملنے کا حکم | // |
| ۴۸ | اللہ کے بندہ پر مہربان ہونے کی کیفیت | ۱۳۱ |
| ۴۹ | گناہوں کے بعد توبہ واستغفار کی فضیلت | ۱۳۳ |
| ۵۰ | (فصل نمبر ۱۰) **وہم و مالیخولیا سے متعلق چند واقعات** | ۱۳۷ |
| ۵۱ | بدن شیشہ کا ہو جانے کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۳۹ |
| ۵۲ | بیت الخلاء میں ''اللہ'' لکھا ہوا وہم ہونے سے متعلق واقعہ | // |
| ۵۳ | گائے کے گوشت کے تکّے کھانے کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۴۱ |
| ۵۴ | بار بار خارش کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ | ۱۴۴ |
| ۵۵ | سر نہ ہونے کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ | ۱۴۷ |
| ۵۶ | گدھا بن جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ | ۱۴۸ |
| ۵۷ | سر کا مٹکا ٹوٹنے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ | ۱۵۰ |
| ۵۸ | گائے بن جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ | ۱۵۲ |
| ۵۹ | سوتے وقت حلق میں سانپ گھس جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ | ۱۵۴ |


www.idaraghufran.org

| | | |
|---|---|---|
| ۶۰ | کافر و مرتد ہوجانے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۵۵ |
| ۶۱ | طلاق واقع ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۵۶ |
| ۶۲ | کسی بھی کام سے تین طلاق کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۶۲ |
| ۶۳ | وضو، غسل واجب ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | // |
| ۶۴ | ہر چیز کے ناپاک ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۶۴ |
| ۶۵ | کپڑا پاک کرنے میں غلو کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۶۵ |
| ۶۶ | ہاتھوں کے ناپاک ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۶۶ |
| ۶۷ | بچوں کے تبدیل ہوجانے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۶۷ |
| ۶۸ | مالیخولیا سے متاثر دو بھائیوں کے متعلق واقعہ | ۱۶۹ |
| ۶۹ | رات کو جنات سے ہم کلامی کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۷۲ |
| ۷۰ | جمعدار کی وجہ سے گھر کی ناپاکی کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۷۴ |
| ۷۱ | عملیات کے نتیجہ میں وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۷۵ |
| ۷۲ | بیوی کے حرام ہوجانے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۷۶ |
| ۷۳ | بات بات میں بیوی کو طلاق کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ | ۱۷۷ |
| ۷۴ | نقش و نگار کو تصویر یا لکھائی سمجھنے کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۷۹ |
| ۷۵ | بار بار فوت ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ | ۱۸۱ |
| ۷۶ | بازاری اشیاء کو حرام سمجھنے کے وہم سے متعلق واقعہ | ۱۸۲ |
| ۷۷ | دن میں سوکر، رات کو جاگ کر وساوس میں مبتلا ہونے کا واقعہ | ۱۸۴ |
| ۷۸ | وسوسوں کی وجہ سے بآوازِ بلند قرائت کا واقعہ | ۱۸۵ |
| ۷۹ | بیت الخلاء میں تادیر بیٹھ کر مالیخولیا ہونے کا واقعہ | ۱۸۶ |


IdaraGhufran

| | | |
|---|---|---|
| ۸۰ | عصر کے بعد سونے سے مالیخولیا ہونے کے متعلق واقعہ | ۱۸۷ |
| ۸۱ | فاسد و بادی غذاؤں کی وجہ سے وہمی بن جانے کا واقعہ | ۱۸۹ |
| ۸۲ | دماغی محنت و تنگ ماحول کی وجہ سے مالیخولیا ہونے کا واقعہ | // |
| ۸۳ | حاضرات کے تخیُّل سے متعلق واقعہ | ۱۹۱ |
| ۸۴ | چمڑے کے موزوں پر مسح کے شبہ سے متعلق واقعہ | ۱۹۲ |
| ۸۵ | (باب نمبر۲) **وسوسوں کی اقسام اور اُن کے احکام** | ۱۹۵ |
| ۸۶ | ایمان و عقائد کے بارے میں وسوسے | // |
| ۸۷ | گناہ و فسق و فجور کے تقاضوں کے وسوسے | ۱۹۶ |
| ۸۸ | فضول و مہمل وسوسے | ۱۹۷ |
| ۸۹ | (فصل نمبر۱) **ایمان و عقائد کے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۱۹۹ |
| ۹۰ | ایمان اور اطمینانِ قلب | // |
| ۹۱ | ایمان کے خلاف وساوِس، صاف و خالص ایمان کی دلیل ہیں | ۲۰۲ |
| ۹۲ | ربّ تعالیٰ کے مخلوق ہونے کا وسوسہ | ۲۰۴ |
| ۹۳ | ایمان کے خلاف وسوسہ پر، اللہ اکبر اور الحمدلِلّٰہ کا ذکر | ۲۰۶ |
| ۹۴ | ایمان کے خلاف وساوِس سے متعلق چند ارشادات | ۲۰۸ |
| ۹۵ | ایمان و عقائد کے متعلق وسوسہ اور شک میں فرق | ۲۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۶ | (فصل نمبر ۲) **گناہ وزنا وغیرہ کے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۲۱۹ |
| ۹۷ | گناہ کے وسوسہ وارادہ پر معافی | // |
| ۹۸ | اچانک نظر پڑنے پر ہٹا لینے اور دوبارہ نظر نہ ڈالنے کا حکم | ۲۲۰ |
| ۹۹ | خوبصورت عورت پر نظر پڑنے کے بعد ایک عمدہ علاج | ۲۲۲ |
| ۱۰۰ | (فصل نمبر ۳) **ریاکاری اور تکبر کے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۲۲۸ |
| ۱۰۱ | نیک عمل سے خوشی کا ہونا، ایمان کی علامت ہے | // |
| ۱۰۲ | اللہ کی نعمت پر شکر بھی کبر وتکبر نہیں | ۲۳۰ |
| ۱۰۳ | اچھی نعمت ولباس وغیرہ کے پسند کرنے اور کبر میں فرق | ۲۳۲ |
| ۱۰۴ | اللہ کو بندہ پر اپنی نعمت کا اظہار اور جمال پسند ہے | ۲۳۷ |
| ۱۰۵ | ریا و دِکھلاوے کے وسوسہ سے متعلق چند ارشادات | ۲۴۱ |
| ۱۰۶ | (فصل نمبر ۴) **بدگمانی کے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۲۴۷ |
| ۱۰۷ | شیطان کا بدگمانی کے وسوسے ڈالنا | // |
| ۱۰۸ | قرآن وسنت میں بدگمانی کی ممانعت | ۲۴۹ |
| ۱۰۹ | اللہ سے حُسنِ ظن کا حکم | ۲۵۱ |
| ۱۱۰ | اللہ کا برتاؤ، بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہے | ۲۵۲ |


www.idaraghufran.org

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۱ | (فصل نمبر۵)<br>**حرمت ونجاست کے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۲۵۵ |
| ۱۱۲ | حرام، حلال اور مسکوت عنہ کا حکم | ۲۵۸ |
| ۱۱۳ | کھانے یا پینے کو بلا دلیل حرام نہ سمجھنا | ۲۶۳ |
| ۱۱۴ | مسلمان کے ذبیحہ میں حلال ہونا اصل ہے | ۲۶۶ |
| ۱۱۵ | مشتبہ ومشکوک چیز سے بچنے کا حکم | ۲۶۹ |
| ۱۱۶ | شک کے مقابلہ میں یقین کو ترجیح حاصل ہوتی ہے | ۲۷۷ |
| ۱۱۷ | حرمت ونجاست سے متعلق شک کی اقسام اور اُن کے احکام | ۲۸۲ |
| ۱۱۸ | چیزوں کے اندر پاک وحلال ہونا اصل ہے | ۲۸۷ |
| ۱۱۹ | (فصل نمبر۶)<br>**پانی کی نجاست سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۲۹۹ |
| ۱۲۰ | پانی کے اندر پاک ہونا اصل ہے | // |
| ۱۲۱ | پانی سے مخلوق کی پیدائش | ۳۰۰ |
| ۱۲۲ | بارش وبرفباری اور زمین کے پانی کے پاک ہونے کا ثبوت | ۳۰۱ |
| ۱۲۳ | کم پانی کے ناپاک ہونے اور کم وزیادہ پانی کی تحقیق | ۳۱۷ |
| ۱۲۴ | پانی کے پاک ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں | ۳۲۶ |
| ۱۲۵ | بیتُ الخلاء کے پانی یا لوٹے کو ناپاک سمجھنا | ۳۲۹ |
| ۱۲۶ | ناپاک پانی کو چالو یا زیادہ کرکے پاک کرنے کا طریقہ | ۳۳۱ |
| ۱۲۷ | استعمال شدہ پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کا حکم | ۳۳۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۸ | (فصل نمبر ۷) **زمین کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۳۵۲ |
| ۱۲۹ | مٹی سے انسان کی پیدائش | // |
| ۱۳۰ | زمین انسان کا گہوارہ | ۳۵۴ |
| ۱۳۱ | زمین سے انسانی معیشت کی وابستگی | ۳۵۸ |
| ۱۳۲ | زمین پاکیزہ اور بہت پاک ہے | // |
| ۱۳۳ | زمین کی جنس اور اس کے اجزاء بھی پاک ہیں | ۳۵۹ |
| ۱۳۴ | راستہ کے پانی اور کیچڑ کے ناپاک ہونے کا وسوسہ | ۳۶۲ |
| ۱۳۵ | ناپاک زمین وفرش کو پاک کرنے کا طریقہ | ۳۷۶ |
| ۱۳۶ | ناپاک مٹی تندور اور گارا جلنے سے پاک ہوجاتا ہے | ۳۸۰ |
| ۱۳۷ | پاک شدہ زمین کے تر ہونے سے ناپاکی عود نہیں کرتی | ۳۸۱ |
| ۱۳۸ | (فصل نمبر ۸) **نباتات کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۳۸۳ |
| ۱۳۹ | نباتات میں اصل پاک وحلال ہونا ہے | // |
| ۱۴۰ | پھلوں اور میووں کے پاک وحلال ہونے کا ثبوت | ۳۸۴ |
| ۱۴۱ | کھیتی وغلہ جات کے پاک وحلال ہونے کا ثبوت | ۳۸۵ |
| ۱۴۲ | نباتات وچارہ کے پاک وحلال ہونے کا ثبوت | ۳۸۷ |
| ۱۴۳ | ناپاک نباتات کو پاک کرنے کا طریقہ | ۳۸۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۴ | (فصل نمبر ۹)<br>**جسم، لباس وطعام کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۳۹۰ |
| ۱۴۵ | بنی آدم کی کرامت وشرافت | // |
| ۱۴۶ | منہ کے لعاب اور پس خوردہ کے پاک ہونے کا ثبوت | ۳۹۱ |
| ۱۴۷ | بلغم کے پاک ہونے کا ثبوت | ۳۹۲ |
| ۱۴۸ | جنابت کی حالت میں جسم کی ظاہری پاکی کا ثبوت | ۳۹۴ |
| ۱۴۹ | حیض کی حالت میں جسم کی ظاہری پاکی کا ثبوت | ۳۹۷ |
| ۱۵۰ | حیض، احتلام یا صحبت والے لباس میں نماز پڑھنا | ۴۰۲ |
| ۱۵۱ | غیر مسلم کا جسم بھی فی نفسہٖ پاک ہے | ۴۱۰ |
| ۱۵۲ | غیر مسلم کا برتن اور کھانا بھی فی نفسہٖ پاک ہے | ۴۱۱ |
| ۱۵۳ | غیر مسلموں کا لباس بھی فی نفسہٖ پاک ہے | ۴۲۰ |
| ۱۵۴ | مباح چیزوں میں کھود کرید و تعمّق مناسب نہیں | ۴۲۵ |
| ۱۵۵ | غیر مسلم واہلِ کتاب کے ذبیحہ اور گوشت کا حکم | ۴۳۹ |
| ۱۵۶ | جانوروں کے جسم کے پاک ہونے کا حکم | ۴۴۳ |
| ۱۵۷ | جانور کی کھال کے لباس ودیگر اشیاء کے پاک ہونے کا حکم | ۴۴۵ |
| ۱۵۸ | پاک چیز کے میلے ہونے سے ناپاکی کا وسوسہ | ۴۵۰ |
| ۱۵۹ | ناپاک اشیاء کو پاک کرنے کا طریقہ | ۴۵۱ |
| ۱۶۰ | چمڑے، جوتے اور ٹھوس چیز کو پاک کرنے کا طریقہ | ۴۷۱ |
| ۱۶۱ | سٹیل، لوہے، وغیرہ صیقل چیز کو پاک کرنے کا طریقہ | ۴۷۶ |
| ۱۶۲ | گھی، دودھ وغیرہ مائع چیزوں کو پاک کرنے کا طریقہ | ۴۷۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۳ | انقلاب یا استحالہ سے پاک ہونے کا حکم | ۴۸۲ |
| ۱۶۴ | (فصل نمبر ۱۰) نا پاک وحرام اشیاء سے متعلق چند مسائل | ۴۸۴ |
| ۱۶۵ | مسئلہ نمبر ۱:......نجاست ونا پاکی کی حقیقت | ″ |
| ۱۶۶ | مسئلہ نمبر ۲:......نجاستِ حکمیہ اور نجاستِ حقیقیہ یا عینیہ | ۴۸۵ |
| ۱۶۷ | مسئلہ نمبر ۳:......نجاستِ حکمیہ کی قسمیں | ″ |
| ۱۶۸ | مسئلہ نمبر ۴:......نجاستِ حقیقیہ یا عینیہ کی قسمیں (ہلکی اور سخت نجاست) | ″ |
| ۱۶۹ | مسئلہ نمبر ۵:......سخت وہلکی نجاست کی حقیقت | ۴۸۶ |
| ۱۷۰ | مسئلہ نمبر ۶:......انسان وجانوروں کے پیشاب، پاخانہ کی پاکی ناپاکی کا حکم | ۴۹۲ |
| ۱۷۱ | مسئلہ نمبر ۷:......شیر خوار بچے کے پیشاب کی پاکی ناپاکی کا حکم | ۴۹۵ |
| ۱۷۲ | مسئلہ نمبر ۸:......انسان وجانوروں کے پس خوردہ کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۴۹۶ |
| ۱۷۳ | مسئلہ نمبر ۹:......جانوروں کے پسینہ کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۰۴ |
| ۱۷۴ | مسئلہ نمبر ۱۰:......جانور کے بالوں کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۰۷ |
| ۱۷۵ | مسئلہ نمبر ۱۱:......جانور کی ہڈیوں کی پاکی ناپاکی کا حکم | ۵۰۹ |
| ۱۷۶ | مسئلہ نمبر ۱۲:......دودھ کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۰ |
| ۱۷۷ | مسئلہ نمبر ۱۳:......مذی، ودی اور منی کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۱ |
| ۱۷۸ | مسئلہ نمبر ۱۴:......خون کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۳ |
| ۱۷۹ | مسئلہ نمبر ۱۵:......قی کے پاک یا ناپاک ہونے کا حکم | ۵۱۴ |
| ۱۸۰ | مسئلہ نمبر ۱۶:......بچہ کے منہ سے نکلنے والے دودھ کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۱ | مسئلہ نمبر۱۷:......جانور کی شرمگاہ اور انڈہ کی رطوبت کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۶ |
| ۱۸۲ | مسئلہ نمبر۱۸:......شراب کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۱۷ |
| ۱۸۳ | مسئلہ نمبر۱۹:......معاف شُدہ نجاستیں | // |
| ۱۸۴ | مسئلہ نمبر۲۰:...... پانی کے حلال وحرام جانوروں کی تفصیل | ۵۲۵ |
| ۱۸۵ | مسئلہ نمبر۲۱:......مخصوص چوپاؤں اور مویشیوں کا حکم | ۵۲۸ |
| ۱۸۶ | مسئلہ نمبر۲۲:......خرگوش (Rabbit) کا حکم | ۵۳۰ |
| ۱۸۷ | مسئلہ نمبر۲۳:......شکاری درندوں (Beastwarse) کا حکم | // |
| ۱۸۸ | مسئلہ نمبر۲۴:......غیر شکاری وحشی (Wild) جانوروں کا حکم | ۵۳۱ |
| ۱۸۹ | مسئلہ نمبر۲۵:......شکاری پرندوں (Bird of prey) کا حکم | ۵۳۲ |
| ۱۹۰ | مسئلہ نمبر۲۶:......غیر شکاری، نجاست خور پرندوں کا حکم | // |
| ۱۹۱ | مسئلہ نمبر۲۷:......عام پرندوں (Birds) کا حکم | ۵۳۳ |
| ۱۹۲ | مسئلہ نمبر۲۸:......گھوڑے (Horse) کا حکم | ۵۳۵ |
| ۱۹۳ | مسئلہ نمبر۲۹:......گدھے (Donkey) کا حکم | ۵۳۶ |
| ۱۹۴ | مسئلہ نمبر۳۰:......خنزیر (Pig) کا حکم | // |
| ۱۹۵ | مسئلہ نمبر۳۱:......ٹڈی (Locust) کا حکم | ۵۳۷ |
| ۱۹۶ | مسئلہ نمبر۳۲:......گوہ (Iguana) کا حکم | // |
| ۱۹۷ | مسئلہ نمبر۳۳:......مختلف اشیاء کے کیڑوں (Ants) کا حکم | ۵۳۸ |
| ۱۹۸ | مسئلہ نمبر۳۴:......بقیہ حشرات کا حکم | ۵۳۹ |
| ۱۹۹ | مسئلہ نمبر۳۵:......خچر اور دو مختلف جانوروں کے ملاپ سے پیدا شُدہ کا حکم | // |
| ۲۰۰ | مسئلہ نمبر۳۶:......جلّالہ (یعنی نجاست کھانے کے عادی) جانور کا حکم | ۵۴۱ |
| ۲۰۱ | مسئلہ نمبر۳۷:......ناپاک پانی اور کھاد وغیرہ سے کھیتی کو سیراب کرنے کا حکم | ۵۴۳ |


Idara Ghufran

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۳ | مسئلہ نمبر ۳۸:...... جانوروں کو نجس و ناپاک چیز کھلانے کا حکم | ۵۴۴ |
| ۲۰۴ | مسئلہ نمبر ۳۹:...... ناپاک چیز سے مَس ہونے والی چیز کی پاکی یا ناپاکی کا حکم | ۵۴۵ |
| ۲۰۵ | (فصل نمبر ۱۱) استنجاء سے متعلق وسوسوں کا حکم | ۵۴۷ |
| ۲۰۶ | طہارت میں غلو کرنے والے لوگوں کی برائی | ۵۴۸ |
| ۲۰۷ | پانی سے استنجاء کا احادیث وروایات اور سنت سے ثبوت | ۵۵۰ |
| ۲۰۸ | قرآن میں پانی سے استنجاء کرنے والوں کی تعریف | ۵۵۷ |
| ۲۰۹ | پانی یا ڈھیلے سے استنجاء کا حکم | ۵۷۹ |
| ۲۱۰ | وضو سے پہلے دوبارہ یا خروجِ ریح پر استنجاء کرنا | ۵۸۴ |
| ۲۱۱ | استنجاء کے بعد قطرہ برآمد ہونے کے وسوسہ کا مستحب علاج | ۵۸۵ |
| ۲۱۲ | خلاصۂ کلام | ۵۹۳ |
| ۲۱۳ | مسجد کے قریب بیت الخلاء میں استنجاء کا حکم | ۵۹۵ |
| ۲۱۴ | (فصل نمبر ۱۲) وضو کرنے سے متعلق وسوسوں کا حکم | ۵۹۷ |
| ۲۱۵ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مُد پانی سے وضو کرنا | // |
| ۲۱۶ | اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونے کا ثبوت | ۵۹۸ |
| ۲۱۷ | اعضائے وضو کو دو دو مرتبہ دھونے کا ثبوت | ۵۹۹ |
| ۲۱۸ | اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ دھونے کا ثبوت | ۶۰۰ |
| ۲۱۹ | تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کی بُرائی | ۶۰۳ |
| ۲۲۰ | زائد پانی کے استعمال اور اسراف کی بُرائی | ۶۰۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۱ | اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونے کے بعد شک کا اعتبار نہیں | ۶۰۸ |
| ۲۲۲ | کسی عضو کو دھونے، نہ دھونے میں شک کا حکم | ۶۱۰ |
| ۲۲۳ | وضو کے لئے بیٹھنے، مگر وضو کرنے میں شک کا حکم | ۶۱۳ |
| ۲۲۴ | وضو ہونے نہ ہونے میں شک کا حکم | ۶۱۴ |
| ۲۲۵ | وضو کے دوران گھنی ڈاڑھی کو دھونے میں غلو | ۶۱۵ |
| ۲۲۶ | (فصل نمبر۱۳) غسل کرنے سے متعلق وسوسوں کا حکم | ۶۱۸ |
| ۲۲۷ | بیتُ الخلاء سے متصل وضو یا غسل خانہ میں وضو یا غسل کا حکم | ۶۲۵ |
| ۲۲۸ | (فصل نمبر۱۴) وضو ٹوٹنے سے متعلق وسوسوں کا حکم | ۶۲۶ |
| ۲۲۹ | وضو ٹوٹنے میں شک وشبہ کا اعتبار نہیں | ۶۲۷ |
| ۲۳۰ | شیطان کا خروجِ ریح یا قطرہ کا وسوسہ ڈالنا | ۶۳۰ |
| ۲۳۱ | پیشاب کے راستہ سے خارج شُدہ ریح کا حکم | ۶۳۸ |
| ۲۳۲ | منہ سے خون نکلنے کے شک کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا وسوسہ | ۶۳۹ |
| ۲۳۳ | (فصل نمبر۱۵) تیمّم اور زخم پر مسح سے متعلق وسوسوں کا حکم | ۶۴۳ |
| ۲۳۴ | قرآن مجید سے تیمّم کا ثبوت | // |
| ۲۳۵ | احادیث سے تیمّم کا ثبوت | ۶۴۴ |
| ۲۳۶ | تیمّم سے متعلق چند مسائل | ۶۴۸ |


Idara Ghufran

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۷ | مسئلہ نمبر ۱:......وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کب جائز ہے؟ | ۶۴۸ |
| ۲۳۸ | مسئلہ نمبر ۲:......سردی کی وجہ سے تیمّم کا حکم | ۶۴۹ |
| ۲۳۹ | مسئلہ نمبر ۳:......قید وحبس کی وجہ سے تیمّم کا حکم | ۶۵۰ |
| ۲۴۰ | مسئلہ نمبر ۴:......اگر پانی صرف اپنی ضرورت کے بقدر ہو تو تیمّم کا حکم؟ | // |
| ۲۴۱ | مسئلہ نمبر ۵:......تیمّم پاک مٹی سے کرنے کا حکم | // |
| ۲۴۲ | مسئلہ نمبر ۶:......مٹی کی جنس والی چیزوں سے تیمّم کا حکم | ۶۵۱ |
| ۲۴۳ | مسئلہ نمبر ۷:......تیمّم کا طریقہ | ۶۵۲ |
| ۲۴۴ | زخم یا پٹی پر مسح کا جواز | ۶۵۴ |
| ۲۴۵ | تیمّم یا زخم پر مسح کرنے والے کی امامت | // |
| ۲۴۶ | (فصل نمبر ۱۶) **نماز سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۶۵۶ |
| ۲۴۷ | شیطان کا نماز میں وسوسے ڈال کر بھول پیدا کرنا | // |
| ۲۴۸ | نماز کی قرائت وغیرہ میں شیطانی وسوسہ اور اس کا علاج | ۶۵۷ |
| ۲۴۹ | شیطان کا نماز میں وضو ٹوٹنے کا وسوسہ ڈالنا | ۶۵۹ |
| ۲۵۰ | نماز میں آنے والے وسوسوں پر کان نہ دھرے جائیں | ۶۶۰ |
| ۲۵۱ | توجہ وخشوع والی نماز کی فضیلت | ۶۶۱ |
| ۲۵۲ | نماز میں خیر کا ارادہ وتفکُّر مُضر نہیں | ۶۶۹ |
| ۲۵۳ | نماز کی رکعتوں میں شک ہوجانے کی صورت میں حکم | ۶۷۷ |
| ۲۵۴ | وسوسوں کی خاطر بآوازِ بلند یا مکرر الفاظ کی قرائت کرنا | ۶۸۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۵ | قبلہ کے رُخ اور سمت کے غلط ہونے کے متعلق وسوسہ | ۶۸۷ |
| ۲۵۶ | نماز کی نیت کرنے اور نماز میں ناپاک جگہ کپڑا لگنے کا وسوسہ | ۶۹۱ |
| ۲۵۷ | (فصل نمبر ۱۷)<br>**طلاق و بیوی کے حرام ہونے سے متعلق وسوسوں کا حکم** | ۶۹۴ |
| ۲۵۸ | ابلیس کا زوجین میں تفریق کی کوشش کرنا | // |
| ۲۵۹ | طلاق کے تلفظ سے پہلے طلاق نہ ہونے کا حکم | ۶۹۵ |
| ۲۶۰ | ابلیس کا طلاق کے بعد نکاح پر اظہارِ افسوس | ۶۹۷ |
| ۲۶۱ | طلاق دینے میں شک پیدا ہونے کا شرعی حکم | ۷۰۱ |
| ۲۶۲ | بعض اور چیزوں کی وجہ سے نکاح ختم ہونے کا وسوسہ | ۷۰۲ |
| ۲۶۳ | (فصل نمبر ۱۸)<br>**خواب کی وجہ سے وسوسوں کا حکم** | ۷۰۴ |
| ۲۶۴ | (خاتمہ بالخیر)<br>**وسوسوں کے ضَرَر سے حفاظت کا طریقہ** | ۷۱۰ |
| ۲۶۵ | وسوسوں کے آنے پر تعوذ پڑھنا اور تھتکارنا | // |
| ۲۶۶ | وسوسوں کو برا سمجھنے پر خوش ہونا اور اللہ کی حمد کرنا | ۷۱۵ |
| ۲۶۷ | غفلت اور فضول رہنے سے پرہیز کرنا | ۷۱۸ |
| ۲۶۸ | وساوس کی بہتات اور وہم و مالیخولیا کا طبی علاج | ۷۲۵ |
| ۲۶۹ | **خلاصۂ کلام** | ۷۲۷ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تمہید

(از مؤلف)

یہ اللہ ربُّ العزت کا بہت بڑا فضل وکرم اور انعام واحسان ہے کہ اُس ذات پاک کی طرف سے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دینِ اسلام عطا فرمایا گیا، اس کی تعلیمات ہر طرح سے معتدل اور ہر قسم کی افراط وتفریط (Ups and Downs) سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی جامع اور کامل ہیں کہ انسان کے دل ودماغ اور دھیان وخیال میں آنے والے بے آواز اور خاموش تصورات اور نفسانی وشیطانی سرگوشیوں پر بھی حاوی اور محیط (Contained) ہیں۔

اور نہ صرف یہ کہ حاوی ومحیط ہیں بلکہ پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ شریعتِ مطہرہ نے ان کے متعلق قیمتی ہدایات بیان فرمائی ہیں، اور یہ خود ایک مستقل دلیل ہے کہ دینِ اسلام کا یہ مستحکم (Firm) اور جامع وکامل (Collective & Perfect) نظام انسانوں کے خالق ومالک، اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا ترتیب وتشکیل (Arranged) دیا ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ خالق ومالک سے زیادہ اپنی مخلوق ومملوک چیزوں کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟ خالق ومالک تو اپنی مخلوق ومملوک کی ہر ہر نقل وحرکت اور ظاہر وباطن سے واقف ہوتا ہے۔

انسان کے دل ودماغ میں آنے والی کونسی بات اچھی ہے اور کونسی بری؟ انسان کی توجہ ودھیان کے کونسے پہلو میں خیر ہے اور کونسے پہلو میں شر ہے؟ اس کے تصور وخیال میں بسنے اور سمانے والی کونسی چیز بھلی ہے اور کونسی بری؟ ان سب پہلوؤں پر شریعتِ مطہرہ کی قیمتی ہدایات وتعلیمات اور احکامات موجود ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے شریعتِ مطہرہ کی بیان فرمودہ ان ہدایات وتعلیمات اور احکامات سے آگاہی حاصل نہیں کی جاتی، جس کے نتیجہ میں خیر کو شر اور شر کو خیر، اچھے کو بُرا، اور برے کو اچھا

سمجھ کر اور بعض اوقات اسی کے مطابق عمل کر کے اپنی آخرت کو تو خراب کیا ہی جاتا ہے، دنیا کو بھی تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی اور اس طرح خسر الدنیا والآخرۃ، یعنی دنیا و آخرت کی تباہی و خسران کا مصداق بنا جاتا ہے۔

یہ معاملہ وساوس و خیالات اور توھُّمات کے بارے میں آج کثرت سے پیش آ رہا ہے۔

کہ آج بہت سے لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کو عجیب و غریب طرح کے اور گندے وگھناؤنے قسم کے وسوسے آتے ہیں، جن کو وہ زبان سے بیان کرنے سے بھی قاصر ہیں اور یہ کہ وہ ان وسوسوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں، مگر کسی طرح بھی ان وسوسوں سے نجات نہیں ملتی، لہٰذا انہیں کوئی ایسا حل یا وظیفہ و عمل وغیرہ بتا دیا جائے، جس سے انہیں ہمیشہ کے لئے اِن گندے خیالات اور برے وسوسوں سے نجات حاصل ہو جائے۔

بعض اوقات کوئی خیال یا وسوسہ کسی انسان کے دل و دماغ میں ایسا بیٹھ جاتا ہے کہ انسان اس کو اپنے طور پر کسی تدبیر سے دل، دماغ سے نکالنے اور بھگانے کی ہزار کوششیں اور لاکھ تدبیریں کرے، مگر سب بیکار، اس کو بھگانے کی جتنی کوشش کی جاتی ہے اتنا ہی اس وسوسہ کا زور اور بڑھتا چلا جاتا ہے اور ''مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی'' والی مثال صادق آتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک مرحلہ پر انسان اچھا خاصا وہمی اور شکی یا مالیخولیا (Melancholia) کا مریض بلکہ ایک طرح کا مجنون و پاگل بن جاتا ہے، اسی طرح کے وسوسوں کی وجہ سے ایک بہت بڑا طبقہ آج پریشانی میں مبتلا ہے، اور دین کی صحیح سمجھ و فہم نہ ہونے کے باعث اپنے طور پر ان کی گتھی سلجھانے میں مشغول ہے لیکن بقول کسے ؎

فلسفی کو خدا کبھی ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے مگر سرا ملتا نہیں

یہ اُدھیڑ بُن ختم تو کیا ہوتی، مزید پروان چڑھتی اور ترقی پکڑتی رہتی ہے۔

یاد رکھئے کہ وسوسوں کا معاملہ جب ترقی کرتا ہے تو وہم (Illusion یا Delusion) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور جب مزید ترقی کرتا ہے تو مالیخولیا کی خطرناک قسم میں داخل ہو جاتا ہے، جس کے بعد دماغی معاملہ بہت سنگین صورتِ حال اختیار کر لیتا ہے، اس مرحلہ

پر بعض لوگ خودکشی کا ارتکاب بھی کر بیٹھتے ہیں، یا پھر مجنونوں اور پاگلوں والی حرکات وسکنات میں مبتلا ہو کر شرفِ انسانیت کھو بیٹھتے ہیں، اور ایک شخص کی وجہ سے نہ جانے کتنے متعلقہ افراد الجھن (Anxiety) وپریشانی اور ٹینشن (Tension) و ڈپریشن (Depression) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بعض خواتین وحضرات کمزور نفسیات کے مالک ہوتے ہیں، یا کسی وجہ سے ان میں خوداعتمادی اور قوتِ فیصلہ کی کمی پیدا ہو جاتی ہے، ایسے خواتین وحضرات وسوسوں کی وجہ سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں، ایسے حضرات کو جب کبھی کوئی خلافِ طبیعت واقعہ وحادثہ یا رنج وغم کا سانحہ پیش آتا ہے، یا پھر کسی پریشانی کی وجہ سے طبیعت میں الجھن وانتشار پیدا ہوتا ہے، اس وقت وسوسوں کا غلبہ زیادہ زور پکڑ لیتا ہے، ایسے وقت ان لوگوں پر ''کریلا اور نیم چڑھا'' کی مثال صادق آتی ہے، اور اگر ایسے لوگوں کا بروقت مناسب نفسیاتی اعتماد بحال نہ کیا جائے، تو اس کے نتیجہ میں مریض کا تو جو کچھ حال ہوگا وہ اپنی جگہ ہے، مگر اس کی وجہ سے پورا گھر اور خاندان اچھا خاصا ٹینشن (Tension) کا مریض بن سکتا ہے۔

اوپر سے ایسے وقت نااہل ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاوہ، مختلف عاملوں، پیروں، فقیروں کی طرف سے آسیب، جنّات وغیرہ چڑھ جانے یا جادو کے اثرات ہونے کی تشخیص سارے گھر کو پریشان کر دیتی اور ایک طرح سے اس مرض وبیماری کو گویا کہ لاعلاج بنا دیتی ہے۔

جسمانی معالجوں (وڈاکٹروں) کے پاس جب کسی ایسے وہمی کو لے جایا جاتا ہے تو وہ بعض اوقات نشہ آور دوائیوں کا سہارا لیتے ہیں، اور بعض اوقات اتنی تیز دوائیاں دیتے ہیں کہ مریض کے دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب معاملہ اس سے بھی حل نہیں ہوتا تو بجلی کے کرنٹ (Current) کے جھٹکے لگا کر مریض کی قوتِ یادداشت کو ختم کرنے کا اقدام کیا جاتا ہے، جس سے اگر مرض ختم بھی ہو جائے تو بھی مریض کی کئی صلاحیتیں واستعدادیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

اور عام روحانی معالج (مشائخ اور صوفیاء) ذکر ووظائف تجویز کر کے وساوس واوہام کا علاج

کرتے ہیں، لیکن اذکار و وظائف کی مناسبت نہ ہونے یا کثرتِ ذکر و وظائف اور ان کے نتیجہ میں دماغ میں گرمی و خشکی پیدا ہونے کے باعث مرض میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس لئے آج کل وساوس و خیالات سے پریشان زدہ افراد کی حالت کو دیکھتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع کو شرعی و طبی نقطۂ نظر سے منقح اور واضح (Clear) کیا جائے۔

اسی غرض سے بندہ نے اس سلسلہ میں پہلے ایک مختصر سا مضمون تحریر کیا تھا، بعد میں محسوس کیا کہ اس موضوع کو ابھی مزید واضح کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ مختلف اقسام و انواع کے وساوس و اوھام میں مبتلا لوگوں کے لئے مفید ہو جائے اور کسی ایک نوعیت تک مسئلہ محدود نہ رہے۔

اس لئے اس موضوع کو شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں مزید وسعت دے کر اور طبی اصول و قواعد کو پیشِ نظر رکھ کر منضبط کرنے کی کوشش کی گئی، جس کے نتیجہ میں بحمد اللہ تعالیٰ یہ مضمون کچھ وسیع ہو کر اصولی و جزوی انداز میں ہر قسم کے وساوس و اوھام میں مبتلا لوگوں کے لئے شرعی و طبی اعتبار سے مزید نافع ہو گیا۔

یہ مضمون ''وساوس اور ان کا علاج'' کے عنوان سے اس سے پہلے بھی کتابی شکل میں ایک مرتبہ شائع ہو چکا ہے، اب اس کی دوسری مرتبہ اشاعت کے موقع پر بندہ نے اس مکمل مضمون کی نظرِ ثانی کی، اور قرآن و سنت کی مزید تعلیمات کو اس میں شامل اور غیر مفید محسوس ہونے والے مواد کو حذف کیا، جس کی وجہ سے یہ مضمون پہلے کے مقابلہ میں غیر معمولی مفصل مگر مفید تر ہو گیا، اور اب اس کو ''وساوِس اور حقائق'' کے نام سے موسوم کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائیں، اور قارئین و سامعین خصوصاً وساوس و اوھام اور ٹینشن (Tension) سے پریشان حال خواتین و حضرات کے لئے نفع بخش بنائیں۔

آمین. یا ربَّ العالمین. محمد رضوان

مؤرخہ ۲۱/صفر المظفر/۱۴۳۵ھ بمطابق 25/دسمبر/2013ء بروز بدھ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(باب نمبر ۱)

# وسوسوں کے حقائق اور ان کے نتائج

شریعتِ مطہرہ نے وسوسوں کی حقیقت، وسوسوں کی صورتیں اور وسوسوں کے نتائج پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اور وسوسوں کی حقیقت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ، وسوسوں کی صورتوں اور شکلوں پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور اسی کے ساتھ مومن بندوں کو وسوسوں کے اچھے اور برے نتائج سے آگاہ کر کے انتہائی مفید ردِ عمل کی نشاندہی فرمائی ہے، جس کو اختیار کرنے کی برکت سے مومن بندہ کا دل و دماغ شیطانی، نفسانی وانسانی ہرطرح کے وسوسوں سے بچ کر پرسکون رہتا ہے، اور دماغی و ذہنی تشویش و پریشانی اور ٹینشن (Tension) سے محفوظ رہتا ہے، اور انسان کی دبی ہوئی صلاحیتوں و استعدادوں میں ابھار ونکھار پیدا ہوتا ہے، اور اس کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں طرح طرح کی پریشانیوں اور تشویشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض اوقات بندہ جنون و پاگل پن میں مبتلا ہو کر شرفِ انسانیت کھو بیٹھتا ہے، اور مالیخولیا وغیرہ کے جنونی امراض کا شکار ہو جاتا ہے، جس کے متعلق سینکڑوں واقعات پائے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے پہلے باب میں الگ الگ فصلوں کے ضمن میں وسوسوں کے حقائق اور ان کے نتائج، نیز متعلقہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے باب میں وسوسوں کی اقسام اور ان کے احکام کا ذکر کیا جائے گا، اور پھر ان شاء اللہ تعالیٰ آخر میں خاتمہ کے اندر وسوسوں کے ضرر سے حفاظت پر کلام کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور حق کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(فصل نمبر۱)

# وسوسہ کی حقیقت

لغت میں وسوسہ کے معنیٰ خفیہ آواز کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں وسوسہ، نفس یا شیطان یا کسی انسان کی طرف سے کسی غیر مفید یعنی فضول و مہمل یا مُضر یعنی نقصان دہ چیز کی کھٹک پیدا ہونے کو کہا جاتا ہے۔ [۱]

وسوسہ بعض اوقات تقویٰ، تورُّع اور احتیاط کی شکل میں دینی رنگ کا بھی ہوتا ہے۔

اور وسوسہ ترقی کر کے بعض اوقات عقل پر بھی غلبہ حاصل کر لیتا ہے، جس سے وہم، جنون اور مالیخولیا وغیرہ کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ [۲]

---

[۱] چنانچہ تفسیرِ مظہری میں ہے کہ:

الوسوسة حديث النفس والشيطان بما لا نفع فيه كذا فى القاموس قال البغوى الوسوسة حديث يلقيه الشيطان فى قلبه وأصله صوت الحلى والهمس الخفى يعنى فعل الوسوسة (التفسير المظهرى، سورة الاعراف، تحت رقم الآية ۲۰)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جو امرِ منکر (یعنی بری بات) بلا اختیارِ قلب (ودل) پر وارد ہو جاوے (یعنی آ جائے) میں اسی کو وسوسہ سمجھتا ہوں، مگر چونکہ بلا اختیار ہے اس لئے مضر (ونقصان دہ) نہیں (کمالاتِ اشرفیہ ص ۴۴۳، الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۲۶۸)

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

خطرے (وسوسہ) کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے (التکشف بحوالہ معارف حکیم الامت ص ۷۶۹)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ وسوسہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وسوسہ کے معنیٰ ہیں ”شیطان کا اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف ایسے مخفی اور پوشیدہ کلام کے ذریعہ بلانا کہ اس کا مفہوم تو انسان کے دل میں آ جائے مگر اس کی آواز سنائی نہ دے (معارف القرآن ج ۸ ص ۸۵۲ بتغیر)

[۲] الوسوسة والوسواس لغة :الصوت الخفى من ريح ونحوه.

والوسوسة والوسواس -بالكسر -حديث النفس .قال الله تعالى :(ولقد خلقنا الإنسان ونعلم ما توسوس به نفسه . وحديث الرجل صاحبه بصوت خفى، وقال الفراء :وسوس الرجل إذا اختلط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# وسوسہ اور تورع، شک اور یقین میں فرق

احتیاط یا تقویٰ وتورُّع، وسوسہ سے الگ چیز ہے۔

چنانچہ احتیاط تو ایک سے زیادہ پہلوؤں میں سے مضبوط چیز یا پہلو کو اختیار کرنے کا نام ہے، اس لئے احتیاط یقینی چیز پر مبنی ہوتی ہے، اور وسوسہ غیر واقعی چیز سے پیدا ہوتا ہے۔

اور تورُّع، شبہات والی چیزوں سے بچنے کا نام ہے۔

پس احتیاط اور تورُّع تو کئی چیزوں میں شرعی اعتبار سے پسندیدہ عمل ہے، جس کو اختیار کرنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے، جبکہ وسوسہ بُری چیز ہے، جس پر عمل کرنا ثواب کا کام نہیں، بلکہ بُرا اور گناہ کا کام ہونے کے علاوہ پریشانی اور بیماری کا بھی باعث ہے۔ [۱]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كلامه ودهش، ومن ذلك ما روى عن عثمان رضى الله عنه أنه قال " :أن رجالا من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم حين توفى النبى صلى الله عليه وسلم حزنوا عليه، حتى كاد بعضهم يوسوس، قال عثمان :وكنت منهم "يريد أنه اختلط كلامه ودهش لموته صلى الله عليه وسلم .ورجل موسوس إذا غلبت عليه الوسوسة .والوسواس -بفتح الواو -الشيطان يوسوس بصدر الرجل، ويوسوس إليه .

والوسوسة فى الاصطلاح يستعملها الفقهاء بمعان:

الأول :الوسوسة :بمعنى حديث النفس، وهو ما يقع فيها من التردد هل يفعل أو لا يفعل .

الثانى :الوسوسة بمعنى ما يلقيه الشيطان فى روع الإنسان.

الثالث :الوسوسة وهى ما يقع فى النفس مما ينشأ من المبالغة فى الاحتياط والتورع حتى إنه ليفعل الشىء ، ثم تغلبه نفسه فيعتقد أنه لم يفعله فيعيده مرارا وتكرارا، وقد يصل إلى حد أن يكون الشخص مغلوبا على عقله.

الرابع :الموسوس هو المصاب فى عقله إذا تكلم بغير نظام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص۱۴۷ ، مادة وسوسة، تعريف الوسوسة )

[۱] الاحتياط لغة :هو طلب الأحظ والأخذ بأوثق الوجوه .

والاحتياط فى الاصطلاح هو الأخذ بالثقة فيما يحتمل وجهين .

والصلة بين الوسوسة والاحتياط التباين؛ لأن الاحتياط مبناه على الثقة، والوسوسة ناشئة عن التردد.

ب -الورع:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور شک کا لفظ یقین کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، جس کی عربی میں جمع شکوک آتی ہے۔
اور شک کے معنیٰ کسی چیز میں تردُّد ہونے کے آتے ہیں، جس میں یقین والی کیفیت نہ پائی جائے، اور اس میں علم اور جہل کے دونوں پہلو برابر ہوں۔ [1]
اور وہم بھی وسوسہ کے درجہ کی چیز ہوتی ہے۔ [2]
وہم کا لفظ اس حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو اپنے مدِّ مقابل حالت میں شک سے

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

-الورع فی اللغة :الكف، من ورع يرع ورعا :تحرج وتوقى عن المحارم ثم استعير للكف عن الحلال المباح .
والورع فی الاصطلاح هو اجتناب الشبهات .
والصلة بين الورع والوسوسة أن الورع محمود شرعا، والوسوسة مذمومة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص۱۴۷،ماده وسوسة)
والأصل فی هذا الباب :أن الوسواس لا يدخل فی حكم الشبهات المأمور باجتنابها(عمدة القاری، ج ۱۱ ص ۱۷۲، كتاب البيوع، باب من لم ير الوساوس ونحوها من المشبهات)

[1] پھر خواہ تردُّد ہونے کے دونوں پہلو برابر درجے کے ہوں، یا اُن میں سے کسی ایک پہلو کی طرف رُجحان ہو، دونوں حالتوں پر شک کا اطلاق کیا جاتا ہے، البتہ بعض اوقات دونوں حالتوں کے احکام میں فرق بھی ہوتا ہے۔
اور اُصولیین کے نزدیک شک اُس حالت کے ساتھ خاص ہے، جس میں دونوں پہلو برابر درجے کے ہوں۔
الشک لغة :نقيض اليقين وجمعه شكوک .يقال شک فی الأمر وتشكک إذا تردد فيه بين شيئين، سواء استوى طرفاه أو رجح أحدهما على الآخر.
قال الله تعالى :(فإن كنت فی شک مما أنزلنا إليک ) أی غير مستيقن، وهو يعم حالتی الاستواء والرجحان .وفی الحديث الشريف :نحن أحق بالشک من إبراهيم قيل :إن مناسبته ترجع إلى وقت نزول قوله تعالى :(وإذ قال إبراهيم رب أرنی كيف تحيی الموتى قال أولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبی ) . حيث قال قوم -إذ ذاک -شک إبراهيم ولم يشک نبينا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم -تواضعا منه وتقديما لإبراهيم على نفسه :-نحن أحق بالشک من إبراهيم أی أنا لم أشک مع أننی دونه فكيف يشک هو؟
والشک فی اصطلاح الفقهاء :استعمل فی حالتی الاستواء والرجحان على النحو الذی استعملت فيه هذه الكلمة لغة فقالوا :من شک فی الصلاة، ومن شک فی الطلاق، أی من لم يستيقن، بقطع النظر عن استواء الجانبين أو رجحان أحدهما .ومع هذا فقد فرقوا بين الحالتين فی جزئيات كثيرة.
والشک فی اصطلاح الأصوليين :هو استواء الطرفين المتقابلين لوجود أمارتين متكافئتين فی الطرفين أو لعدم الأمارة فيهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۶ ص ۱۸۴، مادة " شک ")

[2] الوهم المعنى به الوسوسة (مرقاة، كتاب الايمان، باب فی الوسوسة)

کمزور حالت کہلاتی ہے، یعنی جب تردُّد کی دو حالتوں میں سے ایک حالت اپنی مدِّ مقابل حالت کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف ہو، تو اس کو وہم کہا جاتا ہے، جو کہ ظن کے مقابلہ میں مرجوح ومغلوب پہلو ہوتا ہے۔ [1]

شک کے مقابلہ میں یقین کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس میں تردُّد والی کیفیت نہیں پائی جاتی، بلکہ ثبوت اور وضاحت والی کیفیت پائی جاتی ہے، اور یقین کے معنیٰ کسی چیز کا پختہ علم ہونے اور شک نہ ہونے کے آتے ہیں۔

اور ظن کا لفظ اُس حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو یقین سے تو نیچے درجہ کی حالت ہو، لیکن اُس پہلو کی طرف رُجحان پایا جائے۔ [2]

---

[1] د -الوهم -:الوهم مصدر وهم وهو عند الأصوليين طرف المرجوح من طرفي الشک .وهو ما عبر عنه الحموی -نقلا عن متأخری الأصوليين -حيث قال :الوهم تجويز أمرين أحدهما أضعف من الآخر .والمتأكد أنه لا يرتقي لإحداث اشتباه " .إذ لا عبرة للتوهم ."وبناء على ذلک ذکر الفقهاء أنه لا يثبت حکم شرعی استنادا على وهم، ولا يجوز تأخير الشيء الثابت بصورة قطعية بوهم طارء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ ص۱۸۵، ۱۸۶، مادة " شک ")

[2] اور بعض حضرات نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ جب تک دو پہلوؤں میں سے ایک کو دوسرے پر تقویت وترجیح حاصل ہو، لیکن اس میں سے راجح کو اختیار اور مرجوح کو رَد نہ کیا جائے، اس وقت تک وہ ظن کہلاتا ہے، پس ظن، دراصل شک کے دو پہلوؤں میں سے راجح صفت والا پہلو ہوتا ہے، اور جب ان میں سے ایک پر قلب رسوخ حاصل کرلے، اور دوسرے کو رد کردے، تو اس کو غالب گمان یا غالب رائے کہا جاتا ہے۔

البتہ بعض اوقات ظن کا لفظ یقینی حالت کے لئے اور بعض اوقات شک والی حالت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اور ایک حالت اشتباہ کی کہلاتی ہے، جس میں کسی ایک چیز یا ایک پہلو کا، دوسری چیز یا دوسرے پہلو پر اختلاط اور التباس ہوجاتا ہے، اور اس حالت کا سبب بعض صورتوں میں شک ہوتا ہے، یعنی شک کی وجہ سے کسی چیز میں اشتباہ ہوجاتا ہے، اور بعض صورتوں میں شک کا سبب اشتباہ ہوتا ہے، یعنی اشتباہ کی وجہ سے کسی چیز میں شک پیدا ہوجاتا ہے۔

الألفاظ ذات الصلة:

أ -اليقين:اليقين مصدر يقن الأمر ييقن إذا ثبت ووضح، ويستعمل متعديا بنفسه وبالياء ، ويطلق -لغة -على العلم الحاصل عن نظر واستدلال ولهذا لا يسمى علم الله يقينا .وهو عند علماء الأصول :الاعتقاد الجازم المطابق للواقع الثابت .فاليقين ضد الشک .فيقال شک وتيقن ولا يقال شک وعلم لأن العلم اعتقاد الشيء على ما هو به على سبيل الثقة.

ب -الاشتباه -:الاشتباه هو مصدر اشتبه، يقال :اشتبه الشيئان وتشابها، إذا أشبه كل واحد منهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وسوسہ یا وہم، شک سے بھی کمزور درجہ کی چیز ہے، جس پر کوئی حکمِ شرعی مرتَّب نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس پر ثواب حاصل ہو، یا اس کو یقین کا درجہ دیا جائے۔
شک کی اقسام، اور اُن کے احکام کا کچھ تفصیلی ذکر اگلے باب میں ''حرمت ونجاست سے متعلق وسوسوں کے حکم'' کے بیان میں آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الآخر، كما يقال :اشتبه عليه الأمر أى اختلط والتبس لسبب من الأسباب أهمها الشک، فالعلاقة بينهما -إذا -سببية حيث يعد الشک سببا هاما من أسباب الاشتباه .كما قد يكون الاشتباه سببا للشک .

ج -الظن:الظن مصدر ظن من باب قتل وهو خلاف اليقين، ويطلق عند الأصوليين على الطرف الراجح من الطرفين .وقد يستعمل مجازا بمعنى اليقين كقوله تعالى :(الذين يظنون أنهم ملاقو ربهم ) وقد تقدم أن الفقهاء لا يفرقون غالبا بين الظن والشک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ ص۱۸۵، ۱۸۶، مادة " شک " )

الشک فى اللغة خلاف اليقين واليقين العلم وزوال الشک قاله الجوهرى وغيره وفى اصطلاح الفقهاء الشک فيه ما يستوى فيه طرف العلم والجهل وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لا يميل إلى أحدهما فإذا قوى أحدهما وترجح على الآخر ولم يأخذ بما ترجح ولم يطرح الآخر فهو ظن وإذا عقد القلب على أحدهما وترک الآخر فهو أكبر الظن وغالب الرأى ويقال الشک ما استوى فيه طرفا العلم والجهل فإذا ترجح أحدهما على الآخر فالطرف الراجح ظن والطرف المرجوح وهم(عمدة القارى ،باب لا يتوضأ من الشک حتى يستيقن)

الشک فى اللغة خلاف اليقين، وفى الاصطلاح الشک :ما يستوى فيه طرف العلم والجهل، وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لا يميل إلى أحدهما، فاذا قوى أحدهما وترجح على الآخر، ولم يأخذ بما رجح ولم يطرح الآخر فهو الظن، وإذا عقد القلب على أحدهما وترک الآخر فهو أكبر الظن، وغالب الرأى، فيكون الظن أحد طرفى الشک بصفة الرجحان(عمدة القارى ،باب التوجه نحو القبلة حيث كان)

وقال الطيبى :الظن لما كان واسطة بين اليقين والشک، استعمل تارة بمعنى اليقين، وذلک إن ظهرت أماراته، وبمعنى الشک إذا ضعفت علاماته، وعلى المعنى الأول قوله تعالى :(الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم) أى :يوقنون وعلى المعنى الثانى قوله تعالى :(وظنوا أنهم إلينا لا يرجعون)(مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات،باب ذكر الله عز وجل والتقرب إليه)

(فصل نمبر۲)

# شیطانی، نفسانی اور انسانی وساوِس

وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے، اور نفس کی طرف سے بھی اور بعض اوقات کسی انسان کی طرف سے بھی وسوسہ پیدا ہوسکتا ہے، یعنی بعض اوقات کسی وسوسہ کا سبب، انسان بھی بن جاتا ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## (۱)......شیطانی وساوِس

بہت سے بلکہ اکثر وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، جن کے بارے میں قرآن وسنت میں ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ** (سورة الأعراف، رقم الآية ۲۰)

ترجمہ: پھر شیطان نے ان دونوں (یعنی آدم اور ان کی بیوی) کو وسوسہ ڈالا (سورہ اعراف)

اور سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ** (سورة طٰه، رقم الآية ۱۲۰)

ترجمہ: پھر شیطان نے اس (آدم) کی طرف وسوسہ ڈالا (سورہ طٰہٰ)

مذکورہ آیات میں وسوسہ کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ**

بِالصَّلَاةِ أَحَالَ لَهُ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ صَوْتَهُ . فَإِذَا سَكَتَ رَجَعَ فَوَسْوَسَ فَإِذَا سَمِعَ الْإِقَامَةَ ذَهَبَ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ صَوْتَهُ فَإِذَا سَكَتَ رَجَعَ فَوَسْوَسَ (مسلم، رقم الحديث ٣٨٩ "١٦" كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان جب نماز کے لئے اذان کی آواز سنتا ہے تو ریح خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے، یہاں تک کہ وہ اذان کی آواز نہیں سنتا، پھر جب مؤذن (اذان دے کر) خاموش ہوجاتا ہے، تو شیطان واپس لوٹ آتا ہے، پھر وسوسہ ڈالتا ہے، پھر جب شیطان، اقامت سنتا ہے، تو چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اقامت کی آواز نہیں سنتا، پھر جب (اقامت کہنے والا) خاموش ہوجاتا ہے، تو شیطان واپس لوٹ آتا ہے، پھر وسوسہ ڈالتا ہے (مسلم)

اس حدیث میں وسوسہ کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (إن الشيطان) فى رواية مسلم إن إبليس وهو نص صريح فى أن المراد بالشيطان هنا إبليس ولا اتجاه لترديد أمير المؤمنين فى الحديث :الحافظ ابن حجر بقوله المراد بالشيطان إبليس أو جنس الشيطان لأنه الشيطان الأكبر كما قاله الحافظ العراقى (إذا سمع النداء بالصلاة) أى الأذان لها (حال) قال فى المصباح حال حولا من باب قال إذا مضى ومنه قيل للعام ولو لم يمض حول لأنه سيمضى وقال الزمخشرى رحمه الله :حال عن مكانه يحول (له) أى حالة كونه له وفى رواية حوله بحاء مهملة أى ذهب هاربا كذا فى نسخة المؤلف وفى نسخ أحال بالهمزة (ضراط) حقيقى يشغل نفسه به عن سماع الأذان والجملة حال وإن لم تكن بواو اكتفاء بالضمير كما فى (اهبطوا بعضكم لبعض عدو) (حتى) أى كى (لا يسمع صوته) أى صوت المؤذن بالتأذين لما اشتمل عليه من قواعد الدين وإظهار شرائع الإسلام والقول بأن المراد حتى لا يشهد للمؤذن بما سمعه إذا استشهد يوم القيامة اعترضوه (فإذا سكت) أى فرغ المؤذن من الأذان (رجع) الشيطان (فوسوس) للمصلين والوسوسة كلام خفى يلقيه فى القلب وإنما يجىء عند الصلاة مع ما فيها من القرآن لأن غالبها سر ومناجاة فله تطرق على إفسادها على فاعلها وإفساد خضوعه بخلاف الأذان فإنه يرى اتفاق كل المؤذنين على الإعلام وعموم الرحمة لهم مع يأسه من رد ما أعلنوا به عليهم ويذكر عصيانه ومخالفته فلا يملك الحدث (فإذا سمع الإقامة) للصلاة (ذهب) أى وله ضراط وتركه اكتفاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمارہ بن ابی حسن انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَةِ الَّتِیْ يُوَسْوِسُ بِهَا الشَّيْطَانُ فِیْ أَنْفُسِنَا، أَنْ يَّسْقُطَ أَحَدُنَا مِنْ عِنْدِ الثُّرَيَّا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ وَجَدْتُمْ؟ ذٰلِکَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ** (السنة لابن ابی عاصم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے چند لوگوں نے رسول

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بذكره فيما قبله فيشغل نفسه به لثقل الأذان والإقامة عليه (حتى لا) أى لئلا (يسمع صوته فإذا سكت) المقيم (رجع) الشيطان (فوسوس) إليهم وفيه فضل الأذان والإقامة إذ لولاه لما تأذى منهما الشيطان وحقارة الشيطان وهوائه على أهل الإيمان ولو ناصبوه واستعدوا له لأعيوه تعبا وأبعدوه هربا لأنه إذا حصل له من الأذان ما ذكر وهو بلا قصد له فكيف بمن قصده واستعد له بيد أن الأكابر لا يبالون به لعدم السلطان له عليهم فهو يروض نفسه على ضرهم فلا يقدر ويضر نفسه كالفراش بأمن النار فيلم بها فتحرقه قال أبو زرعة والظاهر أن هربه إنما يكون من أذان شرعى مستجمع للشروط واقع بمحله أريد به الإعلام بالصلاة فلا أثر لمجرد صورته وقال الغزالى :قوت الشيطان الشهوات فمن كان قلبه خاليا عنها انزجر عنه بمجرد كرم الله كما لو وقف عليك كلب جائع وليس عندك ما يؤكل فبمجرد أن تقول له اخسأ اندفع وإن كان عندك ذلك هجم ولم يندفع بمجرد الكلام فالشهوة إذا غلبت على القلب تدفع حقيقة الذكر إلى حواشى القلب ولم يتمكن من سوء يداه فيستقر الشيطان فيه والقلوب الخالية من الهوى والشهوات يطرقها الشيطان لا للشهوات بل لخلوها بالغفلة عن الذكر فإذا عاد إلى الذكر خنس الشيطان وإن كنت تقول الحديث ورد مطلقا بأن الذكر والصلاة يطرد الشيطان ولم تفهم أن أكثر عمومات الشرع مخصوصة بشروط يعرفها علماء الدين فانظر لنفسك فليس الخبر كالمعاينة وتأمل أن منتهى ذكرك صلاتك فراقب قلبك وانظر كيف يجاذبه الشيطان إلى الأسواق وحساب المعاملين وكيف يمر بك فى أودية الدنيا ومهالكها حتى إنك لا تتذكر ما نسيت من فضول الدنيا إلا فى صلاتك ولا يزدحم الشيطان على قلبك إلا فيها والصلاة محك القلوب وكما أن الله تعالى قال (ادعونى أستجب لكم) وأنت تدعو فلا يستجيب فكذا تذكر الله ولا يهرب الشيطان عنك لفقد الشروط فى الذكر والدعاء (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٢٠٢٨)

[1] رقم الحديث ٦٥٩، ج ١ ص ٢٩٦، باب فى الوسوسة فى أمر الرب عز وجل.
قال الالبانى فى ظلال الجنة: صحيح بشواهده .

Idara Ghufran

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وسوسہ کے بارے میں سوال کیا، جو شیطان ہمارے نفسوں میں ڈالتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ثریا (ستارہ) سے گر جائے، یہ زیادہ پسند ہے، اس کے مقابلہ میں کہ وہ وسوسہ کو زبان پر لائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو یہ چیز حاصل ہوگئی ہے؟ یہ تو صریح (اور کھلا وصاف) ایمان ہے

(السنۃ لابنِ ابی عاصم)

اس حدیث میں بھی نفس کے اندر وسوسہ پیدا ہونے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت علی بن حسین سے روایت ہے کہ:

أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُهُ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ، فِي الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً مِّنَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ مَعَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْلِبُهَا، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ، الَّذِيْ عِنْدَ مَسْكَنِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَفَذَا، فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ قَالَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا مَا قَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ ابْنِ آدَمَ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يَّقْذِفَ فِيْ قُلُوْبِكُمَا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ صفیہ بنتِ حُیَی نے ان کو خبر دی کہ وہ رسول اللہ

---

[1] رقم الحدیث ۶۲۱۹، کتاب الادب، باب التکبیر والتسبیح عند التعجب.

www.idaraghufran.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں تھے، زیارت کرنے کے لیے آئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ دیر رات کے وقت گفتگو کی، پھر واپس لوٹنے کے لیے کھڑی ہوئیں، تو ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ جب مسجد کے اس دروازہ پر پہنچیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب تھا، تو دو انصاری شخص ان کے قریب سے گزرے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا پھر تیزی سے چلنے لگے، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی معمول کی رفتار پر چلو، یہ صفیہ بنتِ حیی ہیں (یعنی میری زوجہ ہیں، اور کوئی اجنبی عورت نہیں ہیں) ان دونوں شخصوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ''سبحان اللہ'' ان دونوں کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی (کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ ہم آپ پر بدگمانی کریں گے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان ابنِ آدم کے خون والی جگہ (جہاں جہاں کہ جسم میں خون ہے) چلتا ہے، اور مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی تہمت (و بدگمانی کا وسوسہ) نہ ڈال دے (بخاری)

اس سلسلہ کی بعض روایات میں تھوڑے بہت الفاظ کا فرق آیا ہے۔ [1]

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن على بن الحسين: كان النبى صلى الله عليه وسلم فى المسجد وعنده أزواجه فرحن، فقال لصفية بنت حيى لا تعجلى حتى أنصرف معك، وكان بيتها فى دار أسامة، فخرج النبى صلى الله عليه وسلم معها، فلقيه رجلان من الأنصار فنظرا إلى النبى صلى الله عليه وسلم، ثم أجازا، وقال لهما النبى صلى الله عليه وسلم: تعاليا إنها صفية بنت حيى، قالا: سبحان الله يا رسول الله، قال: إن الشيطان يجرى من الإنسان مجرى الدم، وإنى خشيت أن يلقى فى أنفسكما شيئا(بخارى،رقم الحديث ٢٠٣٨)

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: إِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اِبْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ**

(ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۷۱۹، کتاب السنة، باب فی ذراری المسلمین)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان ابنِ آدم کے خون جاری ہونے کی جگہ میں چلتا ہے (اور وسوسے ڈالتا ہے) (ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور شیطان، انسان کے خون جاری ہونے کی جگہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ جاگتے ہوئے مختلف قسم کے وساوس ڈالتا ہے، اور سوتے ہوئے بُرے خواب دکھانے پر بھی اسی وجہ سے قادر ہوجاتا ہے۔ [1]

## (۲)......نفسانی وساوِس

بعض وساوس نفسانی کہلاتے ہیں، جو انسان کے نفس کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔

---

[1] (إن الشيطان) أى كيده (يجرى من ابن آدم) أى فيه (مجرى الدم) فى العروق المشتملة على جميع البدن قال القاضى :وهذا إما مصدر أى يجرى مثل جريان الدم فى أنه لا يحس بجريه كالدم فى الأعضاء ووجه الشبه شدة الاتصال فهو كناية عن تمكنه من الوسوسة أو ظرف ليجرى ومن الإنسان حال منه أن يجرى مجرى الدم كائنا من الإنسان أو بدل بعض من الإنسان أى يجرى فى الإنسان حيث يجرى فيه الدم انتهى .وقال الطيبى :عدى يجرى بمن على تضمنه معنى التمكن أى يتمكن من الإنسان فى جريانه فى عروقه مجرى الدم وقوله مجرى الدم يجوز كونه مصدرا ميميا وكونه اسم مكان وعلى الأول فهو تشبيه شبه كيد الشيطان وجريان وسوسته فى الإنسان بجريان دمه وعروقه وجميع أعضائه والمعنى أنه يتمكن من إغوائه وإضلاله تمكنا تاما ويتصرف فيه تصرفا لا مزيد عليه وعلى الثانى يجوز كونه حقيقة فإنه تعالى قادر على أن يخلق أجساما لطيفة تسرى فى بدن الإنسان به سريان الدم فيه فإن الشياطين مخلوقة من نار السموم والإنسان من صلصال وحمأ مسنون والصلصال فيه نارية وبه يتمكن من الجرى فى أعضائه بدليل خبر البخارى معلقا الشيطان جائم على قلب ابن آدم فإذا ذكر الله خنس وإذا غفل وسوس ويجوز كونه مجازا يعنى أن كيد الشيطان ووسوسته تجرى فى الإنسان حيث يجرى منه الدم من عروقه والشيطان إنما يستحوذ على النفوس وينفث وساوسه فى قلوب الأخيار بوسطة النفس الأمارة بالسوء ومركبها الدم ومنشأ قواها منه فعلاجه سد المجارى بالجوع والصوم لأنه يقمع الهوى والشهوات التى هى أسلحة الشيطان (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۰۲۶)

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ قٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** (سورة قٓ، رقم الآية ١٦)

ترجمہ: اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم اس کی جان کی رَگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں (سورہ قٓ)

مذکورہ آیت میں وسوسہ کی نسبت، انسان کے نفس کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض وسوسے انسان کے نفس کی طرف سے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ وَحَدَّثَتْ بِهٖ أَنْفُسُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ** (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عز وجل نے میری امت سے ان چیزوں کو معاف کر دیا ہے، جن کا وسوسہ اور جن پر گفتگو ان کے نفس کرتے ہیں، جب تک کہ امت اس کے مطابق عمل نہ کرے، یا اس کے مطابق کلام نہ کرے (نسائی، مسند احمد، طحاوی)

اس حدیث میں وسوسہ کی نسبت انسان کے نفس کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ نفس کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۳۴۳۴، کتاب الطلاق، باب من طلق فی نفسه، مسند احمد، رقم الحدیث ۷۴۷۰.

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

اور اس سے پہلے معلوم ہو چکا کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ [1]

## (۳)......انسانی وساوِس

وسوسہ کا سبب بعض اوقات نفس وشیطان کے علاوہ کوئی انسان بھی بن جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ ناس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. إِلٰهِ النَّاسِ. مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ** (سورة الناس، رقم الآية ١ الیٰ ٦)

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نفس وشیطان کے وسوسے میں اکثری فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
اگر ایک ہی معصیت (وگناہ) کا تقاضا (اور وسوسہ) نفس میں بار بار پیدا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ خطرہ (اور وسوسہ) نفسانی ہے اور اگر ہر مرتبہ مختلف قسم کے گناہوں کا تقاضا اور خطرہ (اور وسوسہ) دل میں پیدا ہو تو وہ خطرہ (اور وسوسہ) شیطانی سمجھا جائے، کیونکہ نفس کا خطرہ (اور وسوسہ) اپنی خواہشِ شہوت ولذت پورا کرنے پر مبنی ہوتا ہے، اس کو مکرر پیش کرتا رہتا ہے اور شیطان کی غرض تو صرف یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے۔
ایک گناہ کے خطرہ (اور وسوسہ) کو اس نے دفع کر دیا تو وہ دوسرے گناہ کا خیال (اور وسوسہ) پیدا کر دیتا ہے اور جو خطرات (اور وساوس) عقائد کے متعلق ہوں وہ سب محض شیطانی ہوتے ہیں'' (مجالس حکیم الامت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ص ۱۲۰، ۱۲۱)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ:
''نفس اور شیطان کے گناہ کرانے میں اکثری فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تقاضا (وسوسہ) ہو تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تقاضا (وسوسہ) ہو پھر اس سے رُک جانے کے بعد دوسرے کا، تو یہ شیطان کی جانب سے ہے کیونکہ شیطان کو تو مقصود صرف گناہ کرانا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو، اور خود شیطان کو اُس میں کوئی حظ (لذّت) نہیں تاکہ کسی معیَّن گناہ پر اصرار ہو، بخلاف نفس کے کہ نفس کو اس میں حظ (مزہ) ہوتا ہے۔
اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ نفس مہیج (گناہ کی طرف کھینچنے والا) ہے، شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دَعَوْتُکُم سے پتہ چلتا ہے اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے کیونکہ شیطان کو بھی اسی نفس ہی نے گمراہ کیا۔
اور فرمایا علاج کلی یہ ہے کہ معاصی (گناہوں) میں نفس میں جو تقاضا ہوتا ہے اس تقاضا پر عمل نہ کرے''
(الکلام الحسن حصہ اول ص ۵۶)

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں، جو لوگوں کا بادشاہ ہے، جو لوگوں کا معبود ہے، وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو ہٹ ہٹ کر آنے والا ہے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنوں (یعنی شیطانوں) اور انسانوں میں سے (سورہ ناس)

جنات سے مراد، شیطان ہیں، شیطان بھی جنات کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے علاوہ انسان بھی وسوسہ کا سبب بن جاتا ہے، یعنی کسی انسان کا کوئی بُرا قول یا فعل دوسرے انسان کے نفس میں برائی کا خیال وتصور یا وسوسہ پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ [۱]

خلاصہ یہ کہ وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے، اور نفس کی طرف سے بھی، اور دوسرے انسان کی طرف سے بھی، یعنی وسوسہ کا سبب شیطان بھی ہوتا ہے، اور خود انسان کا اپنا نفس بھی، اور دوسرا کوئی انسان بھی، لیکن عموماً اور اکثر وبیشتر وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور عموماً نفس میں وسوسہ بھی شیطان ڈالا کرتا ہے، اور دوسرے انسان کے بُرے قول یا فعل کا سبب بھی شیطان بنا کرتا ہے۔ [۲]

اس لئے اکثر وبیشتر احادیث میں وسوسوں کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[۱] (من الجنة والناس) بيان للشيطان الموسوس أنه جنى وإنسى كقوله تعالى شياطين الإنس والجن أو من الجنة بيان له والناس عطف على الوسواس وعلى كل يشتمل شر لبيد وبناته المذكورين واعترض الأول بأن الناس لا يوسوس فى صدورهم الناس إنما يوسوس فى صدورهم الجن وأجيب بأن الناس يوسوسون أيضا بمعنى يليق بهم فى الظاهر ثم تصل وسوستهم إلى القلب وتثبت فيه بالطريق المؤدى إلى ذلك والله تعالى أعلم(تفسير الجلالين، سورة الناس)

[۲] جس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے۔

أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوسوسة التى يوسوس بها الشيطان فى أنفسنا (السنة لابن ابى عاصم،رقم الحديث ٦٥٩)

(فصل نمبر۳)

# وسوسوں سے کوئی بری نہیں

احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ ہر انسان کو آسکتا ہے، اور پیدائش ہی سے اس کے ساتھ وسوسہ کا سلسلہ موجود ہوتا ہے، اس لئے وسوسہ خواہ عام مؤمن بندہ کو آئے، یا متقی وپرہیز گار بندہ کو، اسے اس وسوسہ سے گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَا مِنْکُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ بِہٖ قَرِیْنُہٗ مِنَ الْجِنِّ، وَقَرِیْنُہٗ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ، قَالُوْا : وَإِیَّاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : وَإِیَّایَ، وَلٰکِنَّ اللّٰہَ أَعَانَنِیْ عَلَیْہِ، فَلَا یَأْمُرُنِیْ إِلَّا بِحَقٍّ (مسند أحمد، رقم الحدیث ۳۶۴۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جنّ (یعنی شیطان) میں سے بھی ایک قرین (ومعاوِن) مقرر کیا گیا ہے (جو انسان کو برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے) اور فرشتوں میں سے بھی ایک قرین (ومعاوِن) مقرر کیا گیا ہے (جو انسان کو اچھائی کی طرف متوجہ کرتا ہے) صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی (یہ دونوں قسم کے قرین ومعاوِن مقرر کئے گئے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی مقرر کئے گئے ہیں، لیکن اللہ نے مجھے اُس (جنّ وشیطان کے قرین ومعاوِن) پر غلبہ عطاء فرمادیا ہے، تو (اب) وہ مجھ کو حق بات کا ہی حکم کرتا ہے (مسند احمد)

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان کی طرف سے اور رحمان کی طرف سے قرین اور معاوِن مقرر کیے گئے ہیں، جو اپنے اپنے کاموں کی طرف انسان کو متوجہ کرتے ہیں، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی قرین پر غلبہ عطاء فرما دیا تھا، جو آپ کو برائی کا حکم نہیں فرما سکتا تھا۔

شیطان کے قرین اور معاوِن کا کام برائی کی دعوت دینا اور برے وسوسے ڈالنا ہے، اور رحمان کے قرین اور معاوِن (یعنی فرشتے) کا کام اچھائی کی دعوت دینا اور برے کام سے روکنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ ہر انسان کو آ سکتا ہے، اور اس سے کسی انسان کا بری ہونا مشکل ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی بعض روایات میں اس مضمون کی مزید تفصیل وتشریح آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ، وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ

---

[1] (وعن ابن مسعود) : رضى الله عنه (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(ما منكم من أحد) : ما نافية، ومن زائدة لاستغراق النفى لجميع الأفراد، ومن فى منكم تبعيضية أى :ما أحد منكم (إلا وقد وكل به) : على بناء المجهول لأن فاعله معلوم من التوكيل بمعنى التسليط (قرينه من الجن) أى :صاحبه منهم ليأمره بالشر، واسمه الوسواس، وهو ولد يولد لإبليس حين يولد لبنى آدم ولد، وقوله :(وقرينه من الملائكة) أى :ليأمره بالخير، واسمه الملهم، وليس هذا فى المصابيح، لكن ذكره الحميدى فى كتابه، والصغانى فى المشارق عن مسلم، كذا نقله الطيبى . وذكر ابن الملك فى شرح المصابيح .وفى رواية :قد وكل به قرينه من الجن، وقرينه من الملائكة رواه ابن مسعود اهـ .فصاحب المشكاة اختار هذه الرواية الجامعة، والله أعلم(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان،باب فى الوسوسة)

www.idaraghufran.org

الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، ثُمَّ قَرَأَ (اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ) الآيَةَ (سنن الترمذی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان پر شیطان (کے وسوسہ) کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور فرشتے کا بھی، پس شیطان (کے وسوسہ) کا اثر تو شر وبرائی کا وعدہ اور حق کی تکذیب کرنا ہوتا ہے، جبکہ فرشتے کا اثر بھلائی کا وعدہ اور حق بات کی تصدیق کرنا ہوتا ہے، پس جو شخص اپنے اندر یہ (فرشتے اور خیر کا اثر) پائے تو جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، پس وہ اللہ کی تعریف (وشکر) بیان کرے، اور جو کوئی دوسرا (یعنی شیطان اور شر کا) اثر (اور وسوسہ) پائے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے (یعنی اعوذ باللہ پڑھے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دلیل وثبوت کے طور پر) یہ آیت پڑھی کہ:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ.

یعنی شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے (ترمذی، ابنِ حبان)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح سند سے مروی روایات سے ہوتی ہے، جو اگرچہ موقوف ہیں، لیکن ان کو مرفوع احادیث کا حکم حاصل ہے۔ ۲

---

۱ رقم الحديث ۲۹۸۸، ابواب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۹۹۷.

۲ قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب وهو حديث ابی الاحوص لانعرفه مرفوعا الا من حديث ابی الاحوص.

وفی حاشية ابنِ حبان: عطاء بن السائب: اختلط، وأبو الأحوص -وهو سلامة بن سليم- سمع منه بعد الاختلاط، وباقی رجاله ثقات. وأخرجه الترمذی (۲۹۸۸) فی التفسير: باب ومن سورة البقرة، والطبری فی التفسير ۸۸/۳، والنسائی فی التفسير من الكبرى كما فی "التحفة ۱۳۹/۷" عن هناد بن السری، بهذا الإسناد. وقال الترمذی: هذا حديث حسن غريب، وهو حديث أبی الأحوص لا نعرفه مرفوعاً إلا من حديث أبی الأحوص.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چنانچہ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ:

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ قَوْلِهٖ : (اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ) قَالَ : إِنَّ لِلْمَلَكِ لَمَّةً، وَلِلشَّيْطَانِ لَمَّةً؛ فَلَمَّةُ الْمَلَكِ؛ إِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَهَا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ؛ وَلَمَّةُ الشَّيْطَانِ: إِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَهَا فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** (تفسير الطبرى) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ:

**اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَا ءِ.**

یعنی ’’شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے‘‘

کے بارے میں فرمایا کہ ایک فرشتہ کی طرف سے اثر ہوتا ہے، اور دوسرا شیطان کی طرف سے (وسوسہ کا) اثر ہوتا ہے، پس فرشتے کا اثر خیر (وبھلائی) کا وعدہ کرنا اور حق بات کی تصدیق کرنا ہوتا ہے، تو جو یہ اثر پائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کا شکر کرے، اور شیطان کا اثر شر کا وعدہ کرنا اور حق کی تکذیب کرنا ہوتا ہے، تو جو یہ اثر (اور وسوسہ) پائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے پناہ طلب کرے (طبری)

اور حضرت عامر بن عبدہ سے روایت ہے کہ:

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : لِابْنِ آدَمَ لَمَّتَانِ: لَمَّةٌ مِّنَ الْمَلَكِ، وَلَمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ، فَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ، وَتَصْدِيْقٌ**

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأخرجه الطبرى ۳/۸۸ و ۸۹ من طريق ابن علية، وعمرو بن قيس الملائى، وحماد بن سلمة، ثلاثتهم عن عطاء ، به، موقوفاً على ابن مسعود.

وأخرجه الطبرى أيضا ۳/۸۸ من طريق عبد الرزاق، عن معمر، عن الزهرى، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن عبد الله بن مسعود من قوله .وهذا إسناد صحيح، وقد أعل بالوقف، وأجيب بأن له حكم الرفع لأنه لا يعلم بالرأى ولا يدخله القياس.

[1] ج۵، ص۷، القول فى تأويل قوله تعالى: الشيطان يعدكم الفقر، سورة البقرة.

www.idaraghufran.org

بِالْحَقِّ، وَتَطْيِيبٌ بِالنَّفْسِ، وَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ، فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ، وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ، وَتَخْبِيثٌ بِالنَّفْسِ (الزهد والرقائق لابن المبارک) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابنِ آدم کے لئے دو قسم کے اثرات ہوتے ہیں، ایک فرشتہ کی طرف سے اثر ہوتا ہے، اور دوسرے شیطان کی طرف سے (وسوسہ کا) اثر ہوتا ہے، پس فرشتے کا اثر خیر (وبھلائی) کا وعدہ کرنا اور حق بات کی تصدیق کرنا اور نفس کو پاکیزہ وخوشگوار بنانا ہوتا ہے، اور شیطان (کے وسوسہ) کا اثر شر کا وعدہ کرنا اور حق کی تکذیب کرنا اور نفس کو خبیث بنانا ہوتا ہے (الزہد والرقائق)

اور ابنِ عون سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: هُمَا لَمَّتَانِ: لَمَّةٌ مِّنَ الْمَلَكِ، وَلَمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا كَانَ لَمَّةُ الْمَلَكِ فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَاشْكُرْهُ، وَإِذَا كَانَ لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَتَعَوَّذْ (الزهد والرقائق لابن المبارک) [2]

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی حضرت) ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ (ہر انسان پر) دو قسم کے اثرات ہوتے ہیں، ایک اثر فرشتہ کی طرف سے ہوتا ہے (جو خیر وبھلائی کا ہوتا ہے) اور ایک اثر شیطان کی طرف سے (وسوسہ کا) ہوتا ہے (جو شر وبُرائی کا ہوتا ہے) پس جب فرشتے کی طرف سے (اچھائی وبھلائی اور خیر کا) اثر ہو، تو اللہ کی تعریف اور اس کا شکر کرے، اور جب شیطان کی طرف سے (برائی اور شر کے وسوسہ کا) اثر ہو، تو تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) پڑھے (الزہد والرقائق)

اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: (الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ) قَالَ: اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، فَإِذَا سَهَا وَغَفَلَ وَسْوَسَ، وَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ

---

[1] رقم الحديث ۱۴۳۵، ج ۱ ص ۵۰۳، باب فضل ذكر الله عزوجل.

[2] رقم الحديث ۱۴۳۷، ج ۱ ص ۵۰۳، باب فضل ذكر الله عزوجل.

Idara Ghufran

(مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول ’’الواس الخناس‘‘ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ شیطان ابنِ آدم کے دل پر براجمان ہے، پھر جب ابنِ آدم (اللہ کو) بھولتا ہے، اور غفلت اختیار کرتا ہے، تو وہ (شیطان) وسوسہ ڈالتا ہے، اور جب ابنِ آدم اللہ کو یاد کرتا ہے، تو وہ (شیطان) ہٹ جاتا ہے (ابنِ ابی شیبہ، الزہد، حاکم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابنِ آدم کے دل پر شیطان سوار ہے، جو غفلت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے۔

بہر حال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کو مختلف اوقات میں فرشتہ کی طرف سے بھلائی کا داعیہ وتقاضا اور شیطان کی طرف سے بُرائی کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، وہ الگ بات ہے کہ تعوّذ پڑھنے اور اللہ کو یاد کرنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

اس لئے وسوسہ سے کوئی انسان بری نہیں، اور جب وسوسہ سے کوئی انسان بری نہیں، تو وسوسہ یا وسوسے آنے پر کسی انسان کو خواہ وہ عام مسلمان ہو یا متقی و پرہیز گار اور نیکوکار ہو، گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہئے، اور اپنی اس حالت کو ایمان کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٥٩١٩، كتاب الزهد، زهد الصحابة رضى الله عنهم، كلام ابنِ عباس رضى الله عنه، الزهد لابى داوٗد، رقم الحديث ٣٣٧، الاحاديث المختارة لابى عبدالله ضياء الدين محمد بن عبدالواحد المقدسى ، رقم الحديث ٣٩٣، مستدرك حاكم، رقم الحديث ٣٩٩١.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

[2] (وعن ابن مسعود رضى الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(إن للشيطان) أى :إبليس، أو بعض جنده (لمة) : اللمة بالفتح من الإلمام، ومعناه النزول، والقرب، والإصابة، والمراد بها ما يقع فى القلب بواسطة الشيطان، أو الملك (بابن آدم) أى :بهذا الجنس فالمراد به الإنسان (وللملك لمة) : فلمة الشيطان تسمى وسوسة، ولمة الملك إلهاما (فأما لمة الشيطان فإيعاد بالشر) : كالكفر، والفسق، والظلم (وتكذيب بالحق) أى :فى حق الله، أو حق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جن کا درجہ اس امت میں بہت عظیم اور ان کا ایمان بڑا قوی ہے، ان کو بھی مختلف قسم کے وسوسے آئے، جو انہیں سخت ناگوار معلوم ہوئے، اور ان کے متعلق انہوں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت بھی کی، جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وسوسوں کو ایمان کے خلاف قرار دینے کے بجائے، کُھلے، صاف اور واضح ایمان کی دلیل ونشانی قرار دیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخلق، أو بالأمر الثابت كالتوحيد، والنبوة، والبعث، والقيامة، والنار، والجنة (وأما لمة الملك فإيعاد بالخير) : كالصلاة، والصوم (وتصديق بالحق) : ككتب الله، ورسله، والإيعاد فى اللمتين من باب الإفعال، والوعيد فى الاشتقاق كالوعد(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان،باب فى الوسوسة)

الخواطر إن كانت تدعو إلى الرذائل فهى وسوسة، وإن كانت إلى الفضائل فهى إلهام، والأصح أنه ليس بحجة من غير المعصوم؛ لأنه لا ثقة بخواطره (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ۱۳۵، باب فى الوسوسة)

الوسوسة الشيطانية هى الخواطر المحركة للرغبة فى الشر، والأمر بالفحشاء ، والتخويف عند الهم بالخير.

وفى الحديث :إن للشيطان لمة بابن آدم وللملك لمة، فأما لمة الشيطان فإيعاد بالشر وتكذيب بالحق، وأما لمة الملك فإيعاد بالخير وتصديق بالحق، فمن وجد ذلك فليعلم أنه من الله فليحمد الله، ومن وجد الأخرى فليتعوذ بالله من الشيطان الرجيم .ثم قرأ (الشيطان يعدكم الفقر ويأمركم بالفحشاء ) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص ۱۴۹ ،مادة وسوسة)

(فصل نمبر۴)

# وسوسوں کی آمد کا ایمان وتقوے کے خلاف نہ ہونا

گزشتہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوچکی کہ وسوسے ہر شخص، مرد وعورت، بچے اور بوڑھے، عام مسلمان ومتقی سب کو آسکتے ہیں، اور وسوسوں سے کسی شخص کا بَری ہونا مشکل ہے۔

اور قرآن وسنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسوں کا آنا نہ تو ایمان کے خلاف ہے اور نہ ہی تقویٰ کے خلاف ہے، ایک مؤمن اللہ والے، متقی اور پرہیزگار بندے کو بھی وسوسہ آسکتا ہے اور عین وسوسہ کے وقت بھی وہ اللہ والا اور متقی وپرہیزگار ہی رہتا ہے۔

بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس کا آنا اور ان کو برا سمجھنا صریح اور خالص ایمان کی دلیل ونشانی ہے۔

آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ

قرآن مجید کی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (سورة الأعراف، رقم الآية ۲۰)

ترجمہ: پھر شیطان نے ان دونوں (یعنی آدم اور ان کی بیوی) کو وسوسہ ڈالا (سورہ اعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی پیدا ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا ہوا۔

## متقی لوگوں کو وسوسہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَامَسَّهُمْ طَـائِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَكَّرُوْافَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ** (سورة الاعراف، رقم الآية ٢٠١)

**ترجمہ: بے شک جو لوگ متقی ہیں، جب ان کو شیطان کی جماعت کی طرف سے کوئی کھٹک (وسوسہ کی) پہنچتی ہے تو وہ ذکر کرتے ہیں، سو یکا یک ان کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں** (سورہ اعراف)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے وسوسے ڈالنے کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وسوسے متقی لوگوں کو بھی آ سکتے ہیں، لہٰذا مؤمن بلکہ نیک صالح اور متقی بندہ کو شیطانی وسوسوں کے آنے سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ [1]

## وسوسوں کا آنا اور ان کو بُرا سمجھنا صریح وخالص ایمان ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَةِ قَالَ تِلْكَ مَحْضُ الْاِيْمَانِ** (مسلم) [2]

**ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے** (مسلم، طبرانی)

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:
اس (آیت) سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کا آنا خلافِ تقویٰ (تقویٰ کے خلاف) نہیں، بلکہ متقی کو بھی وسوسہ آ سکتا ہے، اور وہ (شخص) اس (وسوسہ) کے ساتھ بھی متقی رہتا ہے، اس میں بڑی تسلی ہے اہلِ سلوک (یعنی دین پر عمل کرنے اور اپنی اصلاح چاہنے والوں) کے لئے۔ پس وسوسہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے (بصائرِ حکیم الامت ص ۳۲۳)

[2] رقم الحديث ١٣٣ "٢١١" كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة فى الإيمان وما يقوله من وجدها، المعجم الكبير للطبرانى ،رقم الحديث ١٠٠٢٤ .
قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح، وشيخ الطبرانى ثقة .والله أعلم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٠)

Idara Ghufran

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْہُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا یَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ وَقَدْ وَجَدْتُّمُوْہُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے دلوں میں ایسی باتیں (وسوسوں کی شکل میں) آتی ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کو ہم بڑی (بُری) بات سمجھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو صریح (واضح اور صاف یا کھلے) ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (مسلم، ابوداؤد)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالْحَدِیْثِ لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ ذَالِکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (مسند احمد رقم الحدیث ۹۱۵۶) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے نفس میں (وسوسوں کی شکل میں) ایسی باتیں آتی ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کو میں آسمان سے گرنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو صریح (اور واضح، کھلے اور

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۲ "۲۰۹" کتاب الایمان، باب بیان الوسوسة فی الإیمان وما یقوله من وجدها، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۵۱۱۱.

[2] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، وهذا إسناد قوی، وهو علی شرط مسلم.

Idara Ghufran

صاف) ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ:

**أَنَّهُمْ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَجِدُ فِيْ أَنْفُسِنَا شَيْئًا لَأَنْ يَّكُوْنَ أَحَدُنَا حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ: ذَاكَ مَحْضُ الْإِيْمَانِ** (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۱۴۶، كتاب الايمان، باب التكليف) [1]

ترجمہ: لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک ہم اپنے نفسوں میں ایسی چیز (اور وسوسے) پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو جل کر کوئلہ ہونا گوارا ہے، اس بات کے مقابلہ میں کہ وہ اس (وسوسہ) کو زبان پر لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے (ابنِ حبان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الشَّيْءَ لَوْ خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّتَكَلَّمَ قَالَ: ذَاكَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ** (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جس کو ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اگر وہ آسمان سے گر جائے اور اس کو پرندے اُچک لیں تو اس کو یہ بات زیادہ پسند ہے، مگر اُن وسوسوں کو زبان پر لانا پسند نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو صریح (اور صاف، واضح، اور کھلے) ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (ابنِ حبان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

---

[1] في حاشية ابن حبان: إسناده حسن.

[2] رقم الحديث ۱۴۹، كتاب الايمان، باب التكليف.
في حاشية ابنِ حبان: اسناده صحيح.

شَكَوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَجِدُوْنَ مِنَ الْوَسْوَسَةِ وَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَنَجِدُ شَيْئًا لَوْاَنَّ اَحَدَنَا خَرَّمِنَ السَّمَآءِ كَانَ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ مَحْضُ الْاِيْمَانِ (مسنداحمد، رقم الحديث ۲۴۷۵۲) [1]

ترجمہ: لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اندر پائے جانے والے وسوسوں کے متعلق شکایت کی، اورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اُن کو زبان سے ادا کرنا پسند نہیں کرتا، مگراس کے مقابلے میں آسمان سے گرجانا پسند کرتا ہے،تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان ( کی دلیل وعلامت ) ہے (مسنداحمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالُوْايَارَسُوْلَ اللهِ!أَرَأَيْتَ اَحَدُنَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ بِالشَّيْئِ الَّذِىْ لَاَنْ يَّخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَيَنْقَطِعَ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ مَحْضُ الْاِيْمَانِ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [2]

ترجمہ: لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا آپ کو خبر بھی ہے کہ ہم میں سے بعض لوگوں کے نفس میں ایسی چیزوں کے وسوسے آتے ہیں کہ اُن کو زبان سے ادا کرنا پسند نہیں، مگر اس کے مقابلے میں آسمان سے گرجانا اور فوت ہوجانا پسند ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو خالص

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ۴۱۲۸، ج۷ص ۱۵۶، تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزى، رقم الحديث ۷۸۴.

قال الهيثمى: رواه ابى يعلىٰ ورجاله رجال الصحيح إلا يزيد بن أبان الرقاشى(مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۳۳، ۳۴، تحت رقم الحديث ۸۵)

www.idaraghufran.org

ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (ابویعلیٰ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَجِدُفِیْ نَفْسِی الشَّیْئَ اَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ ،فَقَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ**

(المعجم الصغیر للطبرانی،رقم الحدیث ۱۰۹۰،ج۲ص ۳۹۰، باب المیم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے نفس میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ مجھے ان کو زبان پر لانے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہوجانا گوارا ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صریح (اور صاف وکھلے) ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے (طبرانی)

حضرت عمارہ بن ابی حسن انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَۃِ الَّتِیْ یُوَسْوِسُ بِھَا الشَّیْطَانُ فِیْ أَنْفُسِنَا، أَنْ یَّسْقُطَ أَحَدُنَا مِنْ عِنْدِ الثُّرَیَّا أَحَبُّ إِلَیْہِ مِنْ أَنْ یَّتَکَلَّمَ بِہٖ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَدْ وَجَدْتُمْ؟ ذٰلِکَ صَرِیْحُ الْإِیْمَانِ** (السنة لابن ابی عاصم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے چندلوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وسوسہ کے بارے میں سوال کیا جو شیطان ہمارے نفسوں میں ڈالتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ثریا (ستارہ) سے گر جائے، یہ زیادہ پسند ہے،اس کے مقابلہ میں کہ وہ اس وسوسہ کو زبان پر لائے،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] قال الھیثمی:رواہ الطبرانی فی الصغیر، ورجالہ رجال الصحیح خلا شیخ الطبرانی منتصر(مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۳۴، تحت رقم الحدیث ۸۸)

[2] رقم الحدیث ۶۵۹،باب فی الوسوسة فی أمر الرب عز وجل.
قال الالبانی فی ظلال الجنة:صحیح بشواھدہ .

www.idaraghufran.org

وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ چیز حاصل ہوگئی ہے؟ یہ تو صریح (کھلے وصاف) ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے (السنۃ لابنِ ابی عاصم)

جلیل القدر تابعی حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اَشْيَاءَ يُوَسْوِسُ بِهَا الشَّيْطَانُ فِيْ صُدُوْرِنَا ، لَاَنْ يَّخِرَّ اَحَدُنَا مِنَ الثُّرَيَّا اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّبُوْحَ بِهٖ ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَوَقَدْ وَجَدْتُّمْ ذٰلِكَ؟ اِنَّ الشَّيْطَانَ يُرِيْدُ الْعَبْدَ فِيْمَا دُوْنَ ذٰلِكَ، فَاِذَا عُصِمَ مِنْهُ اَلْقَاهُ فِيْمَا هُنَالِكَ، وَذٰلِكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ (جامع معمر بن راشد، الملحق بالمصنف لعبدالرزاق، رقم الحديث ۲۰۴۳۹، باب اليقين والوسوسة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ کو معلوم ہے کہ شیطان ہمارے دلوں میں بعض ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہمیں ثریا (ستارے) سے نیچے گرنا پسند ہے مگر ان کو ظاہر کرنا (اور زبان پر لانا) پسند نہیں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا واقعی تم کو اس قسم کے وسوسے آتے ہیں؟ بے شک شیطان بندے کو اس سے بھی زیادہ تنزلی (یعنی کفر وشرک) میں ڈالنا چاہتا ہے، پس جب بندہ اس (کفر وشرک) سے محفوظ ہوجاتا ہے، تو وہ (یعنی شیطان) وسوسے ڈالنے پر اکتفا کرتا ہے، اور یہ تو صریح (واضح، صاف اور کھلے) ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (عبدالرزاق)

اس طرح کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن عمارة بن أبي حسن المازني، عن عمه: أن الناس، سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوسوسة التي يجدها أحدهم، لأن يسقط من عند الثريا أحب إليه من أن يتكلم به؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذاک صريح الإيمان، إن الشيطان يأتي العبد فيما دون ذلک، فإذا عصم منه وقع فيما هنالک (السنن الكبرىٰ للنسائي، رقم الحديث ۱۰۴۳۹؛ شعب الايمان للبيهقي، رقم الحديث ۳۳۷)

مذکورہ احادیث اور روایات سے ثابت ہوا کہ ایمان واسلام کے خلاف گندے ترین وسوسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آئے ہیں، اور اُن کو یہ آنے والے وسوسے اتنے گندے اور بُرے معلوم ہوئے کہ انہوں نے ان کو زبان پر لانا بھی گوارا نہیں کیا، اور اس کے مقابلہ میں جل کر کوئلہ ہوجانا، ثریا (ستارہ) سے گِر کر مَر جانا، آسمان سے گِر جانا، وغیرہ گوارا کیا، جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو اتنا برا سمجھتے ہو تو یہ بالکل واضح، صاف اور خالص ایمان کی دلیل ونشانی ہے۔ [1]

معلوم ہوا کہ کفر اور گناہ کے وسوسے جبکہ ان کو بُرا سمجھا جائے، ایمان اور تقوے کی نشانی اور دلیل ہیں۔

اور کفر وشرک کے وسوسے ایمان کے اور گناہ کے وسوسے تقوے کے خلاف ہرگز بھی نہیں ہیں، اور یہ وسوسے خواہ اللہ یا اس کے رسول کے خلاف آئیں، یا قبر وحشر، جنت وجہنم کے خلاف آئیں، یا فرشتوں اور دوسرے ایمانی عقائد کے خلاف آئیں، اور خواہ نماز وقرآن کے خلاف آئیں، یا کسی اور چیز کے متعلق آئیں، اور خواہ نماز وتلاوت کے دوران آئیں یا کسی اور وقت میں آئیں، بہرحال یہ ایمان کے لئے مُضر ونقصان دہ نہیں ہیں۔

لہٰذا مؤمن بندے کو اس طرح کے وسوسوں سے پریشان ہونے اور اپنے آپ کو غمگین کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور خوش ہونے کی ضرورت ہے کہ کفر وشرک اور گناہ کے وسوسہ اور خیال کو وہ بُرا سمجھ رہا ہے۔

---

[1] معناه استعظامكم الكلام به هو صريح الإيمان فإن استعظام هذا وشدة الخوف منه ومن النطق به فضلا عن اعتقاده إنما يكون لمن استكمل الإيمان استكمالا محققا وانتفت عنه الريبة والشكوك واعلم أن الرواية الثانية وإن لم يكن فيها ذكر الاستعظام فهو مراد وهى مختصرة من الرواية الأولى ولهذا قدم مسلم رحمه الله الرواية الأولى وقيل معناه أن الشيطان إنما يوسوس لمن أيس من إغوائه فينكد عليه بالوسوسة لعجزه عن إغوائه وأما الكافر فإنه يأتيه من حيث شاء ولا يقتصر فى حقه على الوسوسة بل يتلاعب به كيف أراد فعلى هذا معنى الحديث سبب الوسوسة محض الإيمان أو الوسوسة علامة محض الإيمان(شرح النووى علىٰ مسلم،ج۲ ص۱۵۴، كتاب الايمان،باب بيان الوسوسة فى الإيمان وما يقوله من وجدها)

واقعہ یہ ہے کہ شیطان، ایمان کا ڈاکو ہے جو وہیں ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے جہاں ایمان کی دولت ہو؛ اور یہ ڈاکو اسی شخص پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے، جو ایمان کی دولت و نعمت کے راستہ پر سفر کر رہا ہو، اس لیے ایمان کے خلاف وسوسوں کا آنا ایمان کی دولت ہونے کی دلیل و نشانی ہوا۔

ایمان سے محروم کرنے اور گناہ کرانے کے لئے شیطان وسوسے ڈالنا چاہتا ہے، جس میں وہ مؤمن بندے کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوتا۔

کافروں کو تو وسوسہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس تو ایمان کی یہ دولت ہے ہی نہیں اور وہ تو پہلے سے ہی کفر اور شرک کے عقائد رکھتے ہیں۔

اسی وجہ سے جب بعض بزرگوں سے معلوم کیا گیا کہ یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں وسوسے نہیں آتے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ سچ کہتے ہیں، شیطان اس ویران گھر میں آ کر کیا کرے گا، جس میں ایمان کی دولت کا وجود ہی نہ ہو۔ [1]

---

[1] چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ومن الوساوس ما يكون من خواطر الكفر والنفاق، فيتألم لها قلب المؤمن تألما شديدا، كما قال الصحابة :يا رسول الله، إن أحدنا ليجد فى نفسه ما لأن يخر من السماء أحب إليه من أن يتكلم به، فقال :أوجدتموه؟ ، قالوا :نعم، قال :ذلک صريح الإيمان .وفى لفظ :إن أحدنا ليجد فى نفسه ما يتعاظم أن يتكلم به، فقال :الحمد لله الذى رد كيده إلى الوسوسة .قال كثير من العلماء :فكراهة ذلک وبغضه، وفرار القلب منه، هو صريح الإيمان، والحمد لله الذى كان غاية كيد الشيطان الوسوسة، فإن شيطان الجن إذا غلب وسوس، وشيطان الإنس إذا غلب كذب، والوسواس يعرض لكل من توجه إلى الله تعالى بذكر أو غيره، لا بد له من ذلک، فينبغى للعبد أن يثبت ويصبر، ويلازم ما هو فيه من الذكر والصلاة، ولا يضجر، فإنه بملازمة ذلک ينصرف عنه كيد الشيطان، (إن كيد الشيطان كان ضعيفا)وكلما أراد العبد توجها إلى الله تعالى بقلبه جاء من الوسواس أمور أخرى، فإن الشيطان بمنزلة قاطع الطريق، كلما أراد العبد يسير إلى الله تعالى أراد قطع الطريق عليه؛ ولهذا قيل لبعض السلف :إن اليهود والنصارى يقولون :لا نوسوس، فقال :صدقوا، وما يصنع الشيطان بالبيت الخراب(الفتاوىٰ الكبرىٰ، ج۲ ص۲۲۳، وص۲۲۴، كتاب الصلاة،مسألة الوسواس فى الصلاة)

سب سے زیادہ پریشان کُن وسوسے وہ سمجھے جاتے ہیں جو ایمان کے خلاف ہوں، یعنی توحید ورسالت، قبر وحشر اور آخرت وغیرہ جیسی ایمانی باتوں کے خلاف محسوس ہوں اور باقی دوسری قسم کے وسوسے ان سے نیچے کے اور کمزور شمار ہوتے ہیں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے خلاف اس قسم کے وسوسوں کو برا سمجھنے اور ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں واضح، صاف اور خالص ایمان قرار دیا ہے۔

لہٰذا جب یہ بڑی قسم کے وسوسے بھی ایمان کے خلاف نہیں ہیں، تو اس سے نیچے کے وسوسے کس طرح ایمان کے خلاف قرار دیئے جاسکتے ہیں، جبکہ ان کو اچھا نہ سمجھا جائے، اور ان کے مطابق عمل نہ کیا جائے، بلکہ ان کو بُرا سمجھا جائے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خشوع کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا، یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا، یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے، اور خیال کا لانا اختیاری ہے، پس خشوع کے یہ معنیٰ ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے، رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی (خلاف) نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہوجانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوَجَدۡتُمُوۡہُ قَالُوۡا نَعَمۡ قَالَ ذٰلِکَ صَرِیۡحُ الۡاِیۡمَانِ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو پایا ہے یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے۔

اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے، جہاں مال ومتاع ہو، اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاعِ ایمان ہو، مولانا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

دیو آید سوئے انساں بہرِ شر ... پیش تو ناید کہ از دیوے بتر

''شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے، تیرے پاس نہ آئے گا کہ شیطان سے بدتر ہے''

شیطان بڑا استاد ہے، اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا، جو خود شیطان بن گیا ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا، ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی کی فکر میں رہتا ہے، اپنی دُھن کا پکّا ہے، ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے، ہم لوگوں کو تو اس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہئے تھا (وعظ حقیقتِ احسان صفحہ ۲۱، خطباتِ حکیم الامت جلد ۲۹، صفحہ ۳۸۶)

(فصل نمبر۵)

# شیطان کے زور کا وسوسوں تک محدود ہونا

مؤمن اور صالح بندہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شیطان، درحقیقت انسان کو بہکانے کے لئے وسوسہ سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا، اور اگر شیطان کی طرف سے پیدا کیے ہوئے وسوسوں پر عمل نہ کیا جائے، اوران کی تصدیق نہ کی جائے، اور اللہ پر توکل وبھروسہ رکھا جائے، تو اس سے مؤمن بندہ کو کچھ نقصان نہیں ہوتا، بلکہ اُلٹا فائدہ اور ثواب ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## شیطان کا زور، وسوسوں کے ذریعہ جھوٹے وعدہ تک

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ** (سورة ابراهيم، رقم الآية ۲۲)

ترجمہ: اور شیطان (انسانوں سے) کہے گا جب (قیامت کے دن) فیصلہ ہوجائے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے (بھی) تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ہے، اور مجھے (دنیا میں) تم پر کسی قسم کا زور نہیں تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (وسوسہ کے ذریعہ) دعوت دی تھی، سو تم نے میری دعوت قبول کی، اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو (سورہ

ابراہیم)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر شیطان کا زور وسوسوں کی شکل میں صرف جھوٹے وعدہ اور دعوت تک محدود ہے، وہ وسوسوں کی شکل میں دعوت اور جھوٹے وعدہ سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔

## شیطان کا وعدہ، دھوکہ پر مبنی اور ضعیف ہے

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (سورالنساء، رقم الآية ۱۲۰)

ترجمہ: (شیطان) ان سے وعدہ کرتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے دھوکہ کے سوا کچھ وعدہ نہیں کرتا (سورہ نساء)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان کا کام وسوسوں کے ذریعہ سے صرف جھوٹے وعدہ کرنا اور آرزوئیں دلانا ہے، اور بس۔

اور سورہ نساء ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (سورة النساء، رقم الآية ۷۶)

ترجمہ: بے شک شیطان کا مکر بہت کمزور ہوتا ہے (سورہ نساء)

شیطان کا مکر کمزور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف وسوسہ ڈالنے پر قادر ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا مکر وسوسوں تک محدود ہے، اور فی نفسہٖ ضعیف و کمزور ہے، جس کے حملہ سے مؤمن بندہ کو بچنا بہت آسان ہے۔ [1]

---

[1] ثم شجعهم بقوله إِنَّ كَيْدَ اى مكر الشَّيْطانِ كانَ ضَعِيفاً. فانه لا يقدر الّا على الوسوسة(التفسير المظهرى، سورة النساء، تحت رقم الآية ۷۶)

## مومنوں اور اللہ پر توکل رکھنے والوں پر شیطان کا قابو نہیں

قرآن مجید کی سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (سورة النحل، رقم الآيات ۹۹ و ۱۰۰)

ترجمہ: یقیناً اس (شیطان) کا قابو اُن لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل (وبھروسہ) رکھتے ہیں، بس اس کا قابو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں (سورہ نحل)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنوں اور اللہ پر توکل وبھروسہ رکھنے والوں پر شیطان کا بَس نہیں چلتا، اور شیطان کو ایسی قوت حاصل نہیں کہ وہ مؤمن کو شر وبرائی پر مجبور وبے اختیار کردے، بندہ، شیطان کو دوست بنا کر اور شرک اپنا کر خود اپنے اختیار وقدرت کو شیطانی وسوسوں سے متأثر ہو کر استعمال کرے، تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

## اللہ کے مخصوص بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا

سورہ حجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِىْ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِىْ لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ إِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ (سورة الحجر، رقم الآيات ۳۶، الیٰ ۴۲)

ترجمہ: اس (شیطان) نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے اُٹھائے جانے والے (یعنی قیامت کے) دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے، جواب ملا کہ تجھے مہلت دے دی گئی ہے، مقرر وقت (یعنی قیامت) کے دن تک، اس (شیطان) نے کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس وجہ سے میں ضرور ان کے لیے زمین میں (شر و بُرائی کو) مزین کروں گا اور ضرور اِن سب کو گمراہ کروں گا، مگر جو اُن میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں، فرمایا یہ راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے، بے شک میرے ان بندوں پر تجھ کو قابو نہیں، مگر جنہوں نے گمراہوں میں سے تیری اتباع کی (سورہ حجر)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا وسوسے ڈال کر گمراہ کرنے کا اثر اللہ کے مخصوص بندوں پر نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ کی طرف جانے والا راستہ سیدھا ہے، جس سے مؤمن بندہ کو بہکانا آسان نہیں، اور گزشتہ آیت سے معلوم ہو چکا کہ جن پر شیطان کا قابو نہیں، وہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھنے والے بندے ہیں۔

اور سورہ صٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِىْ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (سورة ص، رقم الآية ۷۹، الیٰ ۸۳)

ترجمہ: اس (شیطان) نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے اُٹھائے جانے والے (یعنی قیامت کے) دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے، جواب ملا کہ پس تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے، مقرر وقت (یعنی قیامت) کے دن تک، اس (شیطان) نے کہا کہ تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا، مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (سورہ ص)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے مخصوص اور اللہ پر توکل وبھروسہ رکھنے والے بندوں پر شیطان کے وسوسے ڈالنے اور بہکانے کا اثر نہیں ہوتا۔

## اللہ نے شیطان کے مکر کو وسوسہ تک محدود کر دیا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَحَدَنَا يَجِدُ فِيْ نَفْسِهٖ يُعَرِّضُ بِالشَّيْئِ لَاَنْ يَّكُوْنَ حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ كَيْدَهٗ اِلَى الْوَسْوَسَةِ** (ابو داؤد) [1]

ترجمہ: ایک آدمی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے دل میں ایسی باتیں محسوس کرتا ہے کہ وہ ان باتوں کو پیش کرنے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہو جائے۔

(اس کے جواب میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر:

سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر کو صرف وسوسہ تک محدود کر دیا (ابوداؤد، ابن حبان، بیہقی، مسند حمید)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے مکر کو وسوسہ تک محدود رہنے پر اللہ تعالیٰ کی بار بار بڑائی بیان فرما کر شکر ادا کیا۔

جس سے واضح ہوا کہ شیطان کے مکر کا وسوسہ تک محدود رہنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور

---

[1] رقم الحدیث ۵۱۱۲، ابواب النوم، باب فی رد الوسوسة، واللفظ لهٗ؛ صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۱۴۷، شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث ۳۳۵، مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث ۷۰۱.

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحیح علی شرطهما.

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی تدبیر بڑی کمزور ہے، جس پر مؤمن بندے کو خوش ہونا اور اللہ کا شکرادا کرنا چاہیئے۔

اس طرح کی حدیث کو اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [۱]

## شیطان کا وسوسوں پر گزارہ کرنا

حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اَشْیَاءَ یُوَسْوِسُ بِھَا الشَّیْطَانُ فِیْ صُدُوْرِنَا ، لَاَنْ یَّخِرَّ اَحَدُنَا مِنَ الثُّرَیَّا اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّبُوْحَ بِہٖ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَوَقَدْ وَجَدْتُّمْ ذٰلِکَ؟ اِنَّ الشَّیْطَانَ یُرِیْدُ الْعَبْدَ فِیْمَادُوْنَ ذٰلِکَ ، فَاِذَاعَصِمَ مِنْہُ اَلْقَاہُ فِیْمَا ھُنَالِکَ، وَذٰلِکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ** (جامع معمر بن راشد) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ کو معلوم ہے کہ شیطان ہمارے دلوں میں بعض ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہمیں ثریا (ستارے) سے نیچے گرنا پسند ہے مگر ان کو ظاہر کرنا (اور زبان پر لانا) پسند نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا واقعی تم کو اس قسم کے وسوسے آتے ہیں؟ بے شک شیطان

---

[۱] عن ابن عباس، أنهم قالوا :يا رسول الله إنا نحدث أنفسنا بالشیء لأن یکون أحدنا حممة أحب إلیه من أن یتکلم به؟ قال:فقال أحدهما " :الحمد لله الذی لم یقدر منکم إلا علی الوسوسة "وقال :الآخر: الحمد لله الذی رد أمره إلی الوسوسة (مسنداحمد، رقم الحدیث ٣١٦١)

فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

[۲] الملحق بالمصنف لعبدالرزاق،رقم الحدیث ٢٠٤٣٩،باب الیقین والوسوسة.

Idara Ghufran

بندے کو اس سے بھی زیادہ تنزلی (یعنی کفر وشرک) میں ڈالنا چاہتا ہے، پس جب بندہ اس (کفر وشرک) سے محفوظ ہوجاتا ہے، تو وہ (شیطان) وسوسے ڈالنے پر اکتفا کرتا ہے، اور یہ صریح (واضح، صاف اور کھلے) ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (جامع معمر بن راشد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان کا اصل مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ کفر وشرک وغیرہ میں مبتلا ہوجائے، اور جب بندہ پر اس کا بس نہیں چلتا، تو وہ وسوسہ ڈال کر اپنا گزارہ کرتا، اور اپنی گاڑی چلاتا ہے، اس لئے وسوسہ شیطان کا کمزور حربہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مؤمن بندہ پر شیطان کا بس اور اختیار صرف وسوسہ تک چلتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ شیطان کے مکر اور اس کی چال کو صرف وسوسہ تک محدود کردیا ہے۔

جب تک مومن بندہ شیطان کے وسوسہ کو قبول نہ کرے اور اللہ پر توکل وبھروسہ رکھتے ہوئے اس کو برا سمجھے، اور اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر رکھے، تو وہ مؤمن بندہ کے لئے ہرگز مضر اور نقصان دہ نہیں، اور اسی لئے وسوسہ آنے پر اللہ کو یاد کرنا اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور ہرگز بھی پریشان اور غمگین نہیں ہوناچاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر۶)

# ایمان دل کے اندر، وساوِس دل کے باہر

جب یہ معلوم ہوگیا کہ کفر اور گناہ کے وسوسوں کا آنا ایمان وتقوے کے خلاف نہیں، بلکہ ان کو بُرا سمجھنا خالص وصریح ایمان کی دلیل ونشانی ہے، اور یہ وساوس شیطان ونفس کی طرف سے ہوتے ہیں، اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور حقیقی تقویٰ دل کے اندر ہوتا ہے، تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایمان وتقویٰ تو مؤمن بندہ کے دل کے اندر ہوتا ہے، اور ایمان وتقوے کے خلاف آنے والے وساوس مؤمن بندہ کے دل کے اندر نہیں ہوتے بلکہ مؤمن بندہ کے دل کے باہر ہوتے ہیں۔

اس لیے جو وسوسے مؤمن بندہ کے دل میں آئیں اگرچہ یہ محسوس ہو کہ یہ وسوسے میرے دل کے اندر ہیں، تب بھی گھبرائے نہیں اور پریشان نہ ہو، بلکہ یہی سمجھے کہ دل کے اندر تو اللہ پر ایمان ویقین اور اللہ کا خوف ہے، اور یہ وسوسے دل سے باہر ہیں، کیونکہ یہ سب کچھ شیطان کی بکواس ہے، اور اسی دل کے اندر ایمان ہونے کی وجہ سے دل اس طرح کے وسوسوں کو بُرا اور غلط سمجھتا ہے، اور ان وسوسوں کا دل کے اندر محسوس ہونا ایسا ہے، جیسا کہ شیشہ کے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شیشہ کے اندر ہے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

> بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسے قلب (ودل) ہی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں (حالانکہ) یہ بات نہیں ہوتی، بلکہ ہوتے تو (دل کے) باہر ہی ہیں، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ (دل کے) اندر ہیں، اور جب قلب (ودل) میں عقائدِ حقہ مرکوز (یعنی صحیح عقائد جمے ہوئے) ہیں، تو ان کے خلاف خود قلب (ودل) سے

کیوں پیدا ہوگا، خارج (وباہر) ہی سے آوے گا، یعنی بالقاءِ شیطان (یعنی شیطان کے ڈالنے سے) جس طرح کسی شیشہ پر مکھی بیٹھی ہوتو ہوتی تو وہ شیشہ کے اوپر ہی ہے، لیکن عکس (پڑنے) کی وجہ سے دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے (کمالاتِ اشرفیہ ص ۳۳۰)

مطلب یہ ہے کہ یہ وسوسے مؤمن کے دل کے اندر ''جہاں ایمان ہے'' وہاں سے نہیں پیدا ہوتے اور وہاں سے نہیں اٹھتے، بلکہ دل کے باہر سے پیدا ہوتے اور اٹھتے ہیں۔

البتہ محسوس ایسا ہوتا ہے جیسا کہ دل کے اندر سے اٹھ رہے ہیں جو شیطانی چال ہے، جیسا کہ شیشے کے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شیشے کے اندر ہے، جبکہ وہ ہوتی شیشہ سے باہر ہے۔

بندۂ مؤمن کے دل کے اندر تو ایمان، توحید ورسالت کے عقائد بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ مؤمن کو جب ایمان کے خلاف ایسے برے خیالات اور وسوسے آتے ہیں تو اس کو ان سے الجھن اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ان کو سخت برا سمجھتا اور ان سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ پریشانی اور ان کو برا سمجھنا اور ان کو دُور کرنے، بھگانے اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا، یہ سب کچھ دل کے اندر ایمان کے ہونے کی وجہ سے ہے، اور اسی وجہ سے احادیث میں اس طرح کے وسوسوں کو ایمان کی دلیل وعلامت اور نشانی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ مختلف احادیث میں گزرا۔

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وہ (وسوسہ) قلب (ودل) کے اندر نہیں، گو (اگرچہ) معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے قلب (ودل) کے اندر ہی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھی ہے اور اس کا عکس آئینہ میں پڑتا ہو، اس لئے اندر مکھی نظر آتی ہے، حالانکہ اندر نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایسے غیر اختیاری وساوس قلب (ودل) کے اندر نہیں ہوتے، قلب (ودل) میں تو ذکر ومحبت خدا کی ہوتی ہے، اور وسوسہ قلب (ودل) کے باہر ہے، اہلُ اللہ کے قلب (ودل) میں اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اس لئے سالک (یعنی دین پر چلنے والے) کو قلب (ودل) قوی رکھنا چاہئے اور کام میں لگے رہنا چاہئے (وعظ ’’الصلوٰۃ ص۲۹،۳۰)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ وسوسے آتے ہیں قلب (ودل) میں، میں نے کہا کہ وہ اندر نہیں ہوتے، بلکہ (دل کے) باہر ہوتے ہیں، کیونکہ اندر تو صرف (ایمان والے) عقائد ہوتے ہیں۔

اور میں نے یہ مثال بیان کی کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھے، تو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندر ہے، مگر حقیقت میں وہ اندر نہیں ہوتی، باہر ہوتی ہے، مگر جو (شخص) حقیقت سے بے خبر ہے وہ یہی سمجھے گا کہ اندر ہے، باقی تکلیف میں خیال کو بہت بڑا دخل ہے (کہ بُرا خیال تکلیف کا سبب بن جایا کرتا ہے) مگر خیالی ایذاؤں (اور تکلیفوں) کا علاج خیال ہی سے ہوتا ہے، خیال کو بدل دینے سے بڑی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔

بس یہ خیال کیا کرو کہ وساوس قلب (ودل) کے اندر نہیں، باہر ہیں، اور اگر اندر ہی فرض (وتسلیم) کرلیا جائے تو یہ مت سمجھو کہ وساوس باہر سے اندر آرہے ہیں، بلکہ یہ سمجھو کہ اندر سے باہر نکل رہے ہیں، اس لئے کہ نکلنے کے وقت بھی تو گھر کے دروازہ پر ہجوم (اور رَش) نظر آتا ہے (اسی طرح ان وسوسوں کے ہجوم کو سمجھ لو) اور اصل علاج تو یہ ہے کہ چاہے آرہے ہوں، یا جارہے ہوں، ان کی طرف التفات (وتوجہ) ہی نہ کرو، نہ جلباً (لانے کے لئے) نہ سلباً (دور کرنے کے لئے)

Idara Ghufran

(الافاضات الیومیہ ج۹ ص ۳۷۹،۳۸۰)

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ وسوسے دل کے اندر نہیں ہوتے، بلکہ دل کے باہر ہوتے ہیں، اور دل کے اندر ایمان ہوتا ہے، اس لئے وسوسوں کے آنے سے اپنے ایمان کو ضائع، خراب اور کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔

ایک مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

تم یہ مت سمجھو کہ وسوسہ کے ساتھ تم خود تکلم (وکلام) کر رہے ہو بلکہ دراصل ابلیس (وشیطان) تکلم (وکلام) کر رہا ہے، تم تو صرف اس کی بات کو سُن رہے ہو اور سماعِ کفر (یعنی کفر کی بات سن لینا) مضر (ونقصان دہ) نہیں، ہاں تکلم (یعنی خود کلام کرنا) جرم ہے، پس تم پر کوئی جرم عائد نہیں (وعظ ''التیسیر للتیسیر ص ۲۰)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ:

یہ خاکسار حافظِ قرآن شریف ہے، معلوم نہیں میرے سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے کہ ہر وقت شانِ خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دُشنام (وگالیاں) خفیہ طور سے نکلتی ہیں، دوسرا آدمی نہیں سنتا ہے، یہ کمترین اس کے دفع کے واسطے قرآن شریف واستغفار ودرود شریف، ذکرِ جہر وخفی کرتا رہتا ہے، پھر بھی یہ حالت ہے کہ شانِ خدا ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دشنام (وگالیاں) نکلتی رہتی ہیں اس واسطے عرض ہے کہ اس کے دفع (اور دُور ہونے) کے واسطے کوئی ایسی تدبیر اللہ کے واسطے فرمائی جاوے تاکہ دارین (یعنی دنیا وآخرت) میں میرے واسطے بہبودی (وکامیابی) ہو جاوے ورنہ میرے لئے بڑی خرابی ہے۔

حضرت حکیم الامت نے اس سوال کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ:

وہ دشنام (وگالیاں) تم نہیں دیتے ہو بلکہ شیطان دیتا ہے جس کو تمہارا قلب (ودل) سنتا ہے پس اس کا گناہ اسی شیطان کو ہوگا، تم کو کچھ اندیشہ (اور ڈر) نہ ہونا

چاہئے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بدون (اور بغیر) تمہارے اختیار کے تمہارے کان سے......منہ لگا کر بُری بُری باتیں بکنے لگے، اور تمہارے ہٹانے سے نہ ہٹے، تو تم کو کیا گناہ ہوگا؟

بالکل بے فکر رہو، ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ہوتا، اور جب بے فکر ہو جاؤ گے، تو یہ وسوسے خود رفع (اور دُور) ہو جاویں گے، اور (ان کی) فکر سے اور سوچ سے پریشانی بڑھے گی، اس کا یہی علاج ہے کہ کچھ پرواہ اور اس کا کچھ خیال نہ کرو (امداد الفتاوٰی، ج۵ص۱۴۰)

معلوم ہوا کہ وسوسوں کے نتیجہ میں جو ایمان واسلام وغیرہ کے خلاف گندی گندی باتیں دل ودماغ میں محسوس ہوتی ہیں، وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں، اور یہ سب کچھ شیطان کے عقیدے ونظریے کی ترجمانی کرتی ہیں، مؤمن بندے کو ان کو اپنا عقیدہ ونظریہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن بندہ کو جو وساوس، بُرے خیالات اور گندی سوچیں آتی ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں، اور درحقیقت وہ مؤمن بندہ کے اپنے دل سے پیدا نہیں ہوتیں، دل کے اندر ایمان ہوتا ہے، اور یہ وسوسے دل سے باہر ہوتے ہیں۔

لہٰذا جب گندے وسوسے پیدا ہوں اور انہیں برا سمجھا جائے تو یہ خیال کرنا کہ یہ وسوسے میرے دل سے پیدا ہو رہے ہیں اور میرے ایمان کے کمزور ہونے یا عقائد کے پختہ نہ ہونے کی علامت ہے، یہ غلط ہے، اس غلط خیال کو دل سے نکال کر مطمئن اور پُرسکون ہو جانا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر ۷)

# وسوسوں پر کلام وعمل سے پہلے مؤاخذہ وپکڑ نہ ہونا

جو گندے خیالات اور بُرے وساوس اختیار کے بغیر آتے ہیں، شرعی نقطۂ نظر سے اُن پر بندوں کی پکڑ اور مؤاخذہ نہیں ہے، کیونکہ غیر اختیاری چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مکلّف نہیں فرمایا، اور وسوسے عمل وکلام سے پہلے معاف ہیں۔

آگے قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## کسی نفس کو وسعت سے زیادہ اور وسوسہ کا مکلّف نہیں کیا گیا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا" (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ مکلّف نہیں کرتا کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق ہی (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نفس وجاندار کو اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ کا مکلّف وذمہ دار نہیں بنایا جاتا۔

اور وسوسوں کا آنا، انسان کی وسعت وطاقت اور اختیار کے بغیر ہوتا ہے، لہٰذا وسوسوں کا بھی انسان کو مکلّف نہیں کیا گیا، اور ان پر مؤاخذہ مقرر نہیں کیا گیا۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت وسوسوں کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی۔

چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلۡتُ عَلَی ابۡنِ عَبَّاسٍ، فَقُلۡتُ: یَا أَبَا عَبَّاسٍ، کُنۡتُ عِنۡدَ ابۡنِ عُمَرَ، فَقَرَأَ ھٰذِہِ الۡآیَۃَ فَبَکٰی، قَالَ: أَیَّۃُ آیَۃٍ؟ قُلۡتُ (إِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡ أَنۡفُسِکُمۡ أَوۡ

تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ)قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ حِيْنَ أُنْزِلَتْ، غَمَّتْ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَمًّا شَدِيْدًا، وَغَاظَتْهُمْ غَيْظًا شَدِيْدًا، يَعْنِيْ، وَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلَكْنَا، إِنْ كُنَّا نُؤَاخَذُ بِمَا تَكَلَّمْنَا، وَبِمَا نَعْمَلُ، فَأَمَّا قُلُوْبُنَا فَلَيْسَتْ بِأَيْدِيْنَا،فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُوْلُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا،قَالُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا، قَالَ: فَنَسَخَتْهَا هٰذِهِ الْآيَةُ (آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ)إِلٰى (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ) فَتُجُوِّزَ لَهُمْ عَنْ حَدِيْثِ النَّفْسِ، وَأُخِذُوْا بِالْأَعْمَالِ(مسند احمد، رقم الحديث ٣٠٧٠) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابو العباس! میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، وہ یہ آیت پڑھ کر رونے لگے، حضرت ابنِ عباس نے معلوم کیا کہ کون سی آیت؟ میں نے عرض کیا کہ (سورہ بقرہ کی) یہ آیت کہ:

”إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ“

”اگر تم ان چیزوں کو ظاہر کرو، جو تمہارے نفسوں میں ہیں، یا ان کو چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا“

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، تو صحابۂ کرام پر شدید غم و پریشانی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی، اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم ہلاک ہوگئے، اگر ہماری باتوں اور ہمارے اعمال پر ہمارا مؤاخذہ ہو، تو خیر، لیکن جو باتیں (اور وسوسے و خیالات) ہمارے دلوں میں ہیں،

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

تو وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہیں؟ تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ تم یہ کہو کہ ہم نے (اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو) سن لیا اور مان لیا، صحابۂ کرام نے یہی کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مذکورہ آیت کو (اس کے بعد والی) مندرجہ ذیل آیات نے منسوخ کردیا کہ:

” آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ سے لے کر لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ “ تک۔

اور نفس میں پیدا ہونے والی باتوں (اور وسوسوں) سے درگذر کردیا گیا، اور اعمال پر مؤاخذہ رکھا گیا (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے جن آیات کو وسوسوں کی معافی کا سبب قرار دیا، وہ مع ترجمہ کے درجِ ذیل ہیں:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (سورة البقرة، رقم الآيات ٢٨٥، ٢٨٦)

ترجمہ: رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف نازل کی گئی، اس کے رب کی طرف سے، اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب ایمان لائے، اللہ پر اور اس کے

فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ مکلّف نہیں کرتا کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ کا، جو نفس نیکی کرے وہ اس کے لئے ہے، اور وہ جو برائی کرے اس کا وبال اسی پر ہے، اے ہمارے رب نہ پکڑ کرنا ہماری اگر ہم بھول گئے ہوں یا ہم نے خطا کی ہو، اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ بھی نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہماری مغفرت فرما، اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مالک ہے، پس ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما (سورہ بقرہ)

معلوم ہوا کہ آنے والے وسوسوں پر اللہ کی جانب سے مؤاخذہ وپکڑ نہیں، کیونکہ وہ انسان کی وسعت واختیار سے باہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ایسی چیزوں کا مکلّف نہیں کیا جاتا، جو انسان کی وسعت اور اختیار سے باہر ہوں، البتہ جو چیزیں، اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، ان پر مؤاخذہ وپکڑ ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ عملی چیزیں وسوسوں سے بالکل الگ اور جدا ہیں۔

## وسوسہ، عمل وکلام سے پہلے معاف ہے

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وسوسوں کے متعلق عمل یا کلام نہ کیا جائے، اس وقت تک وہ معاف ہیں، اور ان پر مؤاخذہ وپکڑ نہیں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِيْ مَا

وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی علیہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے دل کے وسوسوں کو معاف کردیا ہے جب تک کہ وہ (ان وسوسوں کے مطابق) عمل یا کلام نہ کریں (بخاری)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ أَنْفُسَهَا، مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا، أَوْ يَعْمَلُوْا بِهٖ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے جوان کے نفسوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ ان کا کلام نہ کریں یا جب تک کہ ان پر عمل نہ کریں، معاف کردیا ہے (مسلم)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُجُوِّزَ لِأُمَّتِيْ عَمَّا حَدَّثَتْ فِيْ أَنْفُسِهَا، أَوْ وَسْوَسَتْ بِهٖ أَنْفُسُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ، أَوْ تَكَلَّمْ بِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۷۴۷۰) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لئے اُن چیزوں کو معاف کردیا گیا ہے، جو اُن کے نفسوں میں پیدا ہوتی ہیں، یا جن چیزوں کے اُن کے نفس میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں، جب تک کہ وہ اُن چیزوں کے مطابق عمل نہ کریں، یا کلام نہ کریں (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ وسوسہ پر جب تک عمل نہ کیا جائے (اگر اس وسوسہ

---

[1] رقم الحديث ۲۵۲۸، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان فى العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله.

[2] رقم الحديث ۱۲۷ "۲۰۱" كتاب الايمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب، إذا لم تستقر.

[3] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

کا تعلق عمل سے ہو) اور جب تک اس کے مطابق زبان سے کلام نہ کیا جائے (اگر اس وسوسہ کا تعلق قول اور زبان سے ہو) اس وقت تک اللہ کی طرف سے مؤاخذہ، گرفت و پکڑ نہیں ہوتی، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زبان سے بات اور اعضاء سے عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

## خیر کے ارادہ پر نیکی اور شَر کے ارادہ پر معافی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِىْ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبْتُهَا لَهٗ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا، لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے، اور بعد میں اس نیکی پر عمل نہیں کرتا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں، پھر اگر وہ اُس ارادہ کے مطابق عمل بھی کرلیتا ہے، تو میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں، سات سو گنا تک۔

اور جب وہ بُرائی (وگناہ کا کام کرنے) کا ارادہ کرتا ہے، اور اُس بُرائی پر عمل نہیں کرتا، تو میں اس کے لئے (بُرائی کو) نہیں لکھتا، پھر اگر وہ اُس بُرائی پر عمل کرلیتا ہے، تو میں اس کے لئے ایک بُرائی کو ہی لکھتا ہوں (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کے کام کو کرنے کا صرف ارادہ کرنے پر ایک نیکی لکھ دی جاتی

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۸ ''۲۰۴'' کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، الخ.
اور آگے حضرت ابوہریرہ کی ہی حدیث میں ''اراد'' کے الفاظ آتے ہیں، جن سے اس بات کو تقویت حاصل ہوتی ہے، کہ مندرجہ بالا روایات میں ''هم'' سے مراد ''اراد'' ہے۔ واللہ اعلم

Idara Ghufran

ہے، اور جب ارادہ کے مطابق اس نیکی پر کوئی عمل بھی کرتا ہے، تو اس کا اجر وثواب دس گنا اضافہ سے لے کر سات سو گنا اضافہ تک لکھ دیا جاتا ہے، اور یہ اضافہ ہر شخص کے عمل کے معیار اور شان کے مطابق ہوتا ہے، جو شخص عمل جتنے اخلاص کے ساتھ اور عمدہ طریقہ پر کرتا ہے، اتنا ہی ثواب زیادہ لکھا جاتا ہے۔

اور اس کے برعکس بُرائی وگناہ کے کام کو کرنے کا ارادہ کرنے پر بُرائی نہیں لکھی جاتی، اور اگر بُرائی پر عمل کرتا ہے، تو صرف ایک ہی بُرائی لکھی جاتی ہے۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہے۔

بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بُرائی وگناہ کے کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اور دل میں اُس کی طلب اور حرص بھی محسوس کرتا ہے، مگر اس گناہ پر عمل نہیں کرتا، اور اس سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے، تو اس پر بھی ایک نیکی حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، فِيۡمَا يَرۡوِيۡ عَنۡ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الۡحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ، فَمَنۡ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمۡ يَعۡمَلۡهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنۡدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنۡ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنۡدَهٗ عَشۡرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبۡعِ مِائَةِ ضِعۡفٍ إِلٰى أَضۡعَافٍ كَثِيۡرَةٍ، وَمَنۡ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمۡ يَعۡمَلۡهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنۡدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنۡ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَيِّئَةً وَاحِدَةً**

(بخاری)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کی طرف سے روایت بیان فرمائی کہ بے شک اللہ نیکیوں اور بُرائیوں کو لکھتا ہے، پھر اس کی وضاحت فرمائی

---

[1] رقم الحديث ۶۴۹۱، كتاب الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، مسلم، رقم الحديث ۲۰۷ "۱۳۱"، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، وإذا هم بسيئة لم تكتب.

کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کے لئے اللہ اپنے یہاں ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے، پھر اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق اُس پر عمل بھی کر لیتا ہے، تو اس کے لئے اللہ اپنے یہاں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے، سات سو گنا تک بڑھا چڑھا کر اور جو شخص بُرائی (و گناہ کے کام کو کرنے) کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کے لئے اللہ اپنے یہاں ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے، پھر اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق اس پر عمل بھی کر لیتا ہے، تو اس کے لئے اللہ ایک گناہ کو ہی لکھتا ہے (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ: إِذَا أَرَادَ عَبْدِىْ أَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً، فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِىْ فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ** (بخاری)[1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ (فرشتوں سے یہ) فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ یہ ارادہ کرے کہ وہ برا (یعنی گناہ والا) عمل کرے گا، تو تم اس کو نہ لکھو، یہاں تک کہ وہ اس برے (گناہ والے) عمل کو نہ کر لے، پھر اگر وہ اس برے (و گناہ والے) عمل کو کر لے، تو تم اس کے مثل ہی گناہ لکھو، اور اگر وہ اس برے (و گناہ والے) عمل کو (جس کو کرنے کا اس نے ارادہ کیا ہے) میری (خشیت یا رضا) کی وجہ سے چھوڑ دے، تو تم اس کے لئے ایک نیکی لکھ لو، اور جب وہ کسی نیک عمل کا ارادہ کرے، پھر اس نیک عمل کو نہ کرے، تو تم اس کے لئے ایک

[1] رقم الحديث ۷۵۰۱، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى يريدون أن يبدلوا كلام الله.

نیکی لکھ لو، اور جب وہ نیک عمل کرلے، تو اس کے لئے دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب لکھ لو (بخاری)

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِیْ بِأَنْ یَّعْمَلَ حَسَنَةً، فَأَنَا أَکْتُبُھَا لَہٗ حَسَنَةً مَا لَمْ یَعْمَلْ، فَإِذَا عَمِلَھَا، فَأَنَا أَکْتُبُھَا بِعَشْرِ أَمْثَالِھَا، وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ یَّعْمَلَ سَیِّئَةً، فَأَنَا أَغْفِرُھَا لَہٗ مَا لَمْ یَعْمَلْھَا، فَإِذَا عَمِلَھَا، فَأَنَا أَکْتُبُھَا لَہٗ بِمِثْلِھَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَالَتِ الْمَلَائِکَةُ: رَبِّ، ذَاکَ عَبْدُکَ یُرِیْدُ أَنْ یَّعْمَلَ سَیِّئَةً، وَھُوَ أَبْصَرُ بِہٖ، فَقَالَ: أُرْقُبُوْہُ فَإِنْ عَمِلَھَا فَاکْتُبُوْھَا لَہٗ بِمِثْلِھَا، وَإِنْ تَرَکَھَا فَاکْتُبُوْھَا لَہٗ حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَکَھَا مِنْ جَرَّایَ. وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُکُمْ إِسْلَامَہٗ، فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُھَا تُکْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِھَا إِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَکُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُھَا تُکْتَبُ بِمِثْلِھَا حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ** (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی نیکی پر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں، جب تک کہ وہ اُس پر عمل نہ کرے، پھر جب وہ اُس پر عمل کر لیتا ہے، تو میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں۔

اور جب وہ بُرائی (اور گناہ کے کام) پر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو میں اس کو اس وقت تک معاف رکھتا ہوں، جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے، پھر جب وہ اس پر

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۹ "۲۰۵" کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة کتبت، وإذا هم بسیئة لم تکتب.

عمل کر لیتا ہے، تو میں اس کے لئے اس کے مثل ہی (ایک بُرائی) لکھتا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! یہ آپ کا بندہ بُرائی پر عمل کا ارادہ کر رہا ہے، حالانکہ اللہ کو اس کے ارادہ کا اچھی طرح علم ہے، تو اللہ فرماتا ہے کہ تم اس کا انتظار کرو، اگر وہ اس پر عمل کر لے، تو تم اس کے لئے اسی کے مثل (ایک بُرائی) اور اگر وہ اُس کو چھوڑ دے (یعنی اُس بُرائی پر عمل نہ کرے) تو اس کے لئے ایک نیکی لکھو، کیونکہ اس نے اس بُرائی کو صرف میری وجہ سے چھوڑا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے اسلام کو اچھا بنا لے، تو ہر نیکی جو وہ کرتا ہے، دس گنا اضافہ سے سات سو گنا اضافہ تک لکھی جاتی ہے، اور ہر بُرائی جس کو وہ کرتا ہے، اس کے مثل ہی لکھی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کر لے (مسلم)

اس سے ملتی جلتی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نیک کام کرنے کا دل میں ارادہ کرے، مثلاً یہ کہ وہ کل فلاں ضرورت مند کا تعاون کرے گا، تو صرف اس ارادہ پر عمل کرنے سے پہلے ایک اجر وثواب لکھ دیا جاتا ہے، اور اگر گناہ کے کام کو کرنے کا ارادہ کرے، مثلاً یہ کہ وہ کل فلاں شخص پر ظلم یا زنا کرے گا، تو اس گناہ کا عملی ارتکاب کرنے سے پہلے اس پر گناہ نہیں لکھا جاتا،

---

[1] عن خريم بن فاتک الأسدى، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :الناس أربعة، والأعمال ستة، فالناس موسع عليه فى الدنيا والآخرة، وموسع له فى الدنيا مقتور عليه فى الآخرة، ومقتور عليه فى الدنيا موسع عليه فى الآخرة، وشقى فى الدنيا والآخرة . والأعمال موجبتان، ومثل بمثل، وعشرة أضعاف، وسبع مائة ضعف .فالموجبتان :من مات مسلما مؤمنا لا يشرک بالله شيئا فوجبت له الجنة، ومن مات كافرا وجبت له النار، ومن هم بحسنة فلم يعملها، فعلم الله أنه قد أشعرها قلبه، وحرص عليها، كتبت له حسنة، ومن هم بسيئة لم تكتب عليه، ومن عملها كتبت واحدة ولم تضاعف عليه، ومن عمل حسنة كانت له بعشر أمثالها، ومن أنفق نفقة فى سبيل الله كانت له بسبع مائة ضعف (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۰۳۵)

فى حاشية مسند احمد:إسناده حسن.

**پھر اگر وہ اس گناہ کے عملی ارتکاب کا ارادہ ترک کر دے، اور اس گناہ کو اختیار نہ کرے، تو اس پر ایک اجر و ثواب بھی لکھا جاتا ہے۔ ۱؎**

---

۱؎ پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر ارادہ کئے ہوئے اس گناہ کو اللہ کے خوف سے ترک کیا جائے، یا لوگوں کے خوف سے، یا کسی بھی بناء پر اس کو کرنے سے عاجز آ جانے کی وجہ سے، بہرحال اس کے ترک کرنے پر ثواب لکھا جاتا ہے۔
جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس گناہ کو ترک کرنے پر ثواب کا حاصل ہونا، اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جبکہ اللہ کے خوف یا اس کی رضا کی خاطر ہو، اور وہ اس گناہ کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذهب جمهور العلماء إلى أن من هم بسيئة ولم يعملها كتبت له حسنة كاملة، إذا كان قد تركها لأجل الله تعالى، لقول النبى صلى الله عليه وسلم فى الحديث السابق :ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة، فإن هو هم بها فعملها كتبها الله له عنده سيئة واحدة.
وهل يثاب التارك عن السيئة التى هم بها بمجرد الترك أم بشرط أن يتركها لمخافة الله سبحانه وتعالى؟ اختلف الفقهاء فى ذلك.
فقال بعضهم :يثاب عليه لمجرد ترك ما هم به من السيئة، سواء كان ذلك لخوف من الله أو لخوف من الناس، أو لعجز عن الإتيان به لسبب من الأسباب، كمن يمشى مثلا إلى امرأة ليزنى بها، فيجد الباب مغلقا ويتعسر عليه فتحه، ومثله من تمكن من الزنا فلم ينتشر، أو طرقه ما يخاف من أذاه عاجلا، وذلك لظاهر الأحاديث الواردة فى ذلك.
ومنها قوله عز وجل فى الحديث القدسى :ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة . . .الحديث " قال ابن حجر العسقلانى فى شرح قوله " :حسنة كاملة "المراد بالكمال عظم القدر، لا التضعيف إلى العشرة، وظاهر الإطلاق كتابة الحسنة بمجرد الترك، ولأن ترك المعصية كف عن الشر والكف عن الشر خير، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :على كل مسلم صدقة . . .ثم ذكر خصالا، ثم قالوا :فإن لم يفعل، قال :فليمسك عن الشر فإنه له صدقة.
وذهب بعض الفقهاء إلى أنه يشترط لكتابة الحسنة لمن ترك ما هم به من سيئة أن يتركها لمخافة الله وطلب رضائه، فأما إذا ترك السيئة مكرها على تركها أو عاجزا عنها فلا تكتب له حسنة، واستدلوا بأدلة منها:
-قول النبى صلى الله عليه وسلم :قالت الملائكة :رب ذاك عبدك يريد أن يعمل سيئة -وهو أبصر به -فقال :ارقبوه، فإن عملها فاكتبوها له بمثلها، وإن تركها فاكتبوها له حسنة إنما تركها من جراى.
قول الله عز وجل فى الحديث القدسى :إذا أراد عبدى أن يعمل سيئة فلا تكتبوها عليه حتى يعملها، فإن عملها فاكتبوها بمثلها، وإن تركها من أجلى فاكتبوها له حسنة .
قال الخطابى :محل كتابة الحسنة على الترك أن يكون التارك قد قدر على الفعل ثم تركه؛ لأن الإنسان لا يسمى تاركا إلا مع القدرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲ ص ۳۰۲،۳۰۳،مادة "هم")

www.idaraghufran.org

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی گناہ ایسا ہو کہ اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو، جیسا کہ زنا کرنا، لیکن اس پر اپنے اختیار سے دل کے ذریعہ لطف اندوز ہوا جائے، مثلاً دل ہی دل میں کسی اجنبی عورت سے زنا کرنے کا تصور قائم کر کے لذت حاصل کی جائے، تو اس پر بھی گناہ ہوتا ہے، اگر چہ وہ گناہ صغیرہ کیوں نہ شمار ہوتا ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ وسوسہ یا صرف گناہ کرنے کا ارادہ نہیں رہتا، بلکہ دل کا عمل بن جاتا ہے، اور جس گناہ کا دل کے عمل سے تعلق ہو، اس پر مؤاخذہ و گناہ ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدْرَكَ ذٰلِكَ لاَ مَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ** (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے ابنِ آدم پر اس کے زنا کے حصہ کو لکھ دیا ہے، جس (کے خمیازہ) کو وہ (توبہ یا نیک عمل نہ کرے تو) ہر حال میں پائے گا، پس آنکھ کا زنا (شہوت کے ساتھ ناجائز چیز کو) دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا (شہوت پرستی کی بات کا) بولنا ہے، اور نفس کا زنا تمنا اور شہوت کرنا ہے، اور شرم گاہ ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے (بخاری)

اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا، مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الِاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ،**

---

[1] رقم الحديث ۶۲۴۳، كتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج.

**وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى، وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرَجُ وَيُكَذِّبُهُ** (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم پر اس کے زنا کے حصہ کو لکھ دیا جاتا ہے، جس (کے خمیازہ) کو وہ (توبہ یا نیک عمل نہ کرے تو) ہر حال میں پائے گا، پس آنکھوں کا زنا (شہوت کے ساتھ ناجائز چیز کو) دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا (شہوت کی باتوں کا) سننا ہے، اور زبان کا زنا (شہوت پرستی کی بات کا) بولنا ہے، اور ہاتھ کا زنا (شہوت والی چیز کو) پکڑنا (وچھونا) ہے، اور پیر کا زنا (شہوت والے کام کی طرف) چلنا ہے، اور دل کا زنا خواہش اور تمنا کرنا ہے، اور شرم گاہ ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے (مسلم)

کئی محدثین واہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ شرم گاہ کا زنا تو حقیقی زنا ہے، جو کہ کبیرہ گناہ میں داخل ہے، اور یہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا، اور مندرجہ بالا حدیث میں مذکور دوسرے اعضاء مثلاً دل وغیرہ کا زنا، حقیقی زنا نہیں ہے، اس لئے وہ صغیرہ گناہ میں داخل ہے، جو کہ توبہ کے علاوہ نیک اعمال کے ذریعہ سے بھی معاف ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۶۵۷ "۲۱" كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره.

[2] واما قول بن عباس ما رأيت شيئا أشبه باللمم مما قال أبو هريرة فمعناه تفسير قوله تعالى الذين يجتنبون كبائر الإثم والفواحش إلا اللمم إن ربك واسع المغفرة ومعنى الآية والله أعلم الذين يجتنبون المعاصى غير اللمم يغفر لهم اللمم كما فى قوله تعالى إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم فمعنى الآيتين أن اجتناب الكبائر يسقط الصغائر وهى اللمم وفسره بن عباس بما فى هذا الحديث من النظر واللمس ونحوهما وهو كما قال هذا هو الصحيح فى تفسير اللمم وقيل أن يلم بالشىء ولا يفعله وقيل الميل إلى الذنب ولا يصر عليه وقيل غير ذلك مما ليس بظاهر واصل اللمم والالمام الميل إلى الشىء وطلبه من غير مداومة والله اعلم(شرح النووى على مسلم، ج۱۶ ص ۲۰۶، كتاب القدر، باب قدر على بن آدم حظه من الزنى وغيره)

(والنفس تمنى ذلك وتشتهيه) فهذا كله يسمى زنا لأنه من دواعى الزنا الفرج، وقال المهلب: كل ما كتبه الله عز وجل على ابن آدم فهو سابق فى علم الله لا بد أن يدركه المكتوب، وأن الإنسان لا يملك دفع ذلك عن نفسه، غير أن الله تعالى تفضل على عباده وجعل ذلك لمما وصغائر لا يطالب بها عباده إذا لم يكن للفرج تصديق لها، فإذا صدق الفرج كان ذلك من الكبائر (عمدة القارى للعينى، ج۲۲ ص ۲۴۰، باب زنا الجوارح دون الفرج)

# اختیاری وسوسہ پر مؤاخذہ وعدمِ مؤاخذہ کی تحقیق

بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ نفس میں جو بات سب سے پہلے کھٹکتی ہے، وہ اول وہلہ کا وسوسہ ہوتا ہے، جس پر کوئی پکڑ ومؤاخذہ نہیں۔

پھر اس کے بعد اس اول وہلہ والی چیز اور وسوسہ میں اس کام کو کرنے نہ کرنے کا تردُّد اور تذبذب پیدا ہوتا ہے، اور کسی ایک حالت کا ٹھہراؤ نہیں ہوتا، وسوسہ کے اس دوسرے درجہ پر بھی کوئی مؤاخذہ وپکڑ نہیں، پھر اس کے بعد اس تردد وتذبذب والی حالت میں کسی ایک طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس کا عزمِ مصمّم یا پختہ ارادہ نہیں ہوتا، اس کو عربی میں ''ھـــم'' کہا جاتا ہے، اور وسوسہ وخیال کے اس تیسرے درجہ پر بھی مؤاخذہ وپکڑ نہیں۔

پھر اس کے بعد اس کے کرنے کا پختہ ارادہ یا عزمِ مصمّم ہو جاتا ہے، تو اگر یہ حالت کسی ایسے عمل کے بارے میں ہو، جو خالص دل کا عمل ہے، جیسا کہ عقائد، یا اخلاق تو یہ قابلِ مؤاخذہ ہوتا ہے، اور اگر وہ اعضاء وجوارح کا عمل ہو، جیسا کہ زنا، چوری وغیرہ اس میں ایک قول یہ ہے کہ عزمِ مصمم اور پختہ ارادہ پر تو مؤاخذہ ہوتا ہے، اور عزمِ مصمم وپختہ ارادہ نہ ہو، تو مؤاخذہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاف ہوتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عزمِ مصمم اور پختہ ارادہ ہونے پر بھی مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] ج -العقاب على الهم المقرون بالعزم:

اختلف الفقهاء فى العقاب على الهم المقرون بالعزم على المعصية.

قال ابن حجر العسقلانى : قسم بعضهم ما يقع فى النفس أقساما:

أضعفها :أن يخطر له ثم يذهب فى الحال، وهذا من الوسوسة، وهو معفو عنه، وهو دون التردد.

وفوقه :أن يتردد فيه، فيهم به ثم ينفر عنه فيتركه، ثم يهم به ثم يترك كذلك، ولا يستمر على قصده وهذا هو التردد، فيعفى عنه أيضا.

وفوقه :أن يميل إليه ولا ينفر منه لكن لا يصمم على فعله، وهذا هو الهم، فيعفى عنه أيضا.

وفوقه :أن يميل إليه ولا ينفر منه بل يصمم على فعله، فهذا هو العزم، وهو منتهى الهم، وهو على قسمين:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اختیاری وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا تو معاف ہے، لیکن زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القسم الأول :أن يكون من أعمال القلوب صرفا، كالشك فى الوحدانية أو النبوة أو البعث، فهذا كفر ويعاقب عليه جزما.

ودونه المعصية التى لا تصل إلى الكفر، كمن يحب ما يبغض الله، ويبغض ما يحبه الله تعالى، ويحب للمسلم الأذى بغير موجب لذلك، فهذا يأثم.

ويلتحق به الكبر والعجب والبغي والمكر والحسد، وفى بعض هذا خلاف، فعن الحسن البصرى رحمه الله :أن سوء الظن بالمسلم وحسده معفو عنه، وحملوه على ما يقع فى النفس مما لا يقدر على دفعه، لكن من يقع له ذلك مأمور بمجاهدته النفس على تركه.

القسم الثانى :أن يكون من أعمال الجوارح كالزنا والسرقة، فهو الذى وقع فيه النزاع:

فذهب كثير من العلماء إلى المؤاخذة بالعزم المصمم .وسأل ابن المبارك سفيان الثورى :أيؤاخذ العبد بما يهم به؟

قال :إذا جزم بذلك، واستدل كثير منهم بقوله تعالى :( ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم) )

وحملوا حديث أبى هريرة رضى الله عنه :إن الله تجاوز لأمتى عما حدثت به أنفسها ما لم تعمل به أو تكلم ونحوه من الأحاديث على الخطرات.

ثم افترق هؤلاء فقالت طائفة :يعاقب عليه صاحبه فى الدنيا خاصة بنحو الهم والغم، وقالت طائفة: بل يعاقب عليه يوم القيامة، لكن بالعتاب لا بالعذاب، وهذا قول ابن جريج والربيع بن أنس وطائفة، ونسب ذلك إلى ابن عباس رضى الله عنه أيضا.

واستدلوا بحديث النجوى وهو :أن رجلا سأل ابن عمر رضى الله عنه :كيف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى النجوى؟

قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :إن الله يدنى المؤمن فيضع عليه كنفه ويستره، فيقول :أتعرف ذنب كذا؟ أتعرف ذنب كذا؟ فيقول :نعم أى رب، حتى إذا قرره بذنوبه ورأى فى نفسه أنه هلك.

قال :سترتها عليك فى الدنيا وأنا أغفرها لك اليوم، فيعطى كتاب حسناته، وأما الكافر والمنافقون فيقول الأشهاد :هؤلاء الذين كذبوا على ربهم، ألا لعنة الله على الظالمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲ ص۳۰۴ الیٰ ۳۰۶،مادة ”هم“)

ونقل ابن حجر عن بعضهم أن العزم على المعصية يقسم إلى قسمين:

الأول :أن يكون من الاعتقاديات وأعمال القلوب صرفا، كالشك فى الوحدانية أو النبوة أو البعث، فهذا كفر، يعاقب عليه جزما.

والثانى :أن يكون من أعمال الجوارح كالزنا والسرقة، فهو الذى وقع فيه الخلاف، فذهب بعضهم إلى عدم المؤاخذة بذلك أصلا، وذهب كثير من العلماء إلى المؤاخذة بالعزم المصمم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ ص۹۰،مادة ”عزم“)

www.idaraghufran.org

## دیر تک اپنے اختیار سے اس کو باقی رکھنا معاف نہیں۔ ۱؎

۱؎ چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ایک درجہ ایسا ہے کہ شروع ہوتا ہے غیر اختیاری سے اور منجر (کھینچ کر لے جانے والا) ہوجاتا ہے اختیاری کی طرف، اس طرح سے کہ اگر اس کے حدوث پر تنبیہ اور اس کے اختیاری ہونے کا احساس ہو تو اس کو روک سکتا تھا، مگر ذہول کے سبب اس کے حدوث پر تنبہ اور اس کے اختیاری ہونے کی طرف التفات (خیال) نہیں ہوا، پس یہ درجہ فی نفسہٖ اختیاری تھا، اور امم سابقہ (پہلی اُمتیں) اس کی مکلّف تھیں کہ دورانِ وسوسہ میں اس کا استحضار رکھیں کہ یہ درجہ تو پیدا نہیں ہوگیا، اور بفور پیدا ہونے کے اس کو دفع کریں مگر یہ امت اس کی اس لئے مکلّف نہیں ہوئی کہ اس میں دشواری تھی، پس جس طرح دوسرے اصر واغلال (یعنی سخت ومشکل کاموں) کا ان کو مکلّف نہیں کیا گیا، اسی طرح اس درجہ کا بھی ان کو مکلّف نہیں کیا گیا، لیکن اگر تنبہ ہوگیا تو اس کا بھی مکلّف ہوجائے گا، باقی جس وسوسہ کو ابتداء ہی سے عمداً (جان بوجھ کر) قلب (دل) میں لاوے اور قصداً ہی اس کو باقی رکھے اس پر مواخذہ ہونا صحیح وصریح نصوص (قرآن وحدیث میں صاف طور پر) میں وارد (موجود) ہے (امداد الفتاویٰ ج۵ ص ۲۳۶ و ۲۳۷، کتاب الصلوٰۃ)

خطرات ووساوس میں دو درجے ہیں ایک درجہ حدوث (ابتدائی درجہ میں وسوسے پیدا ہونے) کا ہے وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقا (یعنی پیدا ہونے کے بعد ان کے کچھ دیر قائم رہنے) کا ہے۔

یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے مثلاً کسی اجنبیہ کا دل میں بلاقصد خیال آگیا یہ تو غیر اختیاری ہوا۔

مگر اس وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے اور یہ بقا (باقی رہنا) کبھی قصیر (تھوڑی دیر) ہوتا ہے کبھی طویل (کچھ لمبا) اور یہ بقاء (باقی رہنا) اکثر ہوتا ہی ہے کیونکہ وسوسہ کا ایسا وقوع نادر (اور بہت کم) ہی ہے کہ حدوث (پیدا ہونے) کے ساتھ ہی فنا ہوجائے زیادہ یہی ہے کہ وسوسہ کچھ دیر کو ضرور باقی رہتا ہے مگر انسان کو اکثر بقاءِ قصیر (تھوڑی دیر قائم رہنے) کا احساس کم ہوتا ہے۔

بقاءِ طویل (زیادہ دیر تک باقی رہنے) ہی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ابتداء میں اس کو اس پر التفات (خیال) نہیں ہوتا کہ وسوسہ درجۂ حدوث سے تجاوز کر کے درجۂ بقاء (یعنی پیدا ہونے کے درجہ سے آگے بڑھ کر باقی رہنے کا درجہ) حاصل کر چکا ہے، جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ درجۂ حدوث (پیدا ہونے کے درجہ) پر تو کسی سے مؤاخذہ (وپکڑ) نہیں کیونکہ وہ تو من کل وجہٍ (ہر اعتبار سے) غیر اختیاری ہے۔ اور تیسرے درجہ پر سب سے مؤاخذہ ہے یعنی بقاءِ طویل پر کیونکہ وہ من کل وجہٍ (ہر اعتبار سے) اختیاری ہے۔

اب ایک درجہ بیچ کا ہے، یعنی جبکہ وسوسہ بقاءِ قصیر (یعنی تھوڑی دیر باقی رہنے والا) ہو۔

یہ امتِ محمدیہ سے عفو (معاف) ہے اور پہلی امتوں سے اس پر مؤاخذہ تھا کیونکہ یہ درجہ فی نفسہٖ اختیاری ہے اس لئے محلِ مؤاخذہ ہونے کے قابل ہے مگر مشابہ غیر اختیاری کے ہے اس لئے امتِ محمدیہ سے اس کے متعلق مؤاخذہ مرتفع (معاف) ہوگیا (وعظ ''الفصل والانفصال''، صفحہ ۳۹؛ خطبات حکیم الامت جلد ۲۱ صفحہ ۱۹۷)

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وسوسہ کے اختیاری یا غیر اختیاری ہونے میں انسان کو فرق کرنا اور فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں بھی اس کو غیر اختیاری وسوسہ قرار دیا جائے گا، کیونکہ جب کسی چیز پر یقین نہ ہو تو شک کو ترجیح اور شک کا فائدہ ہوا کرتا ہے۔ [1]

اور جیسا کہ اجمالاً پہلے گزرا کہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک جو وساوس عملی چیزوں سے متعلق ہوں، وہ بہرحال اس امت سے معاف ہیں، خواہ وہ قصداً دیر تک باقی رہیں۔

چنانچہ امامِ کبیر شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی متوفی ۷۴۳ ہجری، مشکاۃ کی شرح میں وسوسہ سے متعلق حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَلْوَسْوَسَةُ ضَرُورِيَّةٌ، وَاخْتِيَارِيَّةٌ.

فَالضَّرُورِيَّةُ: مَا يَجْرِیْ فِی الصَّدْرِ مِنَ الْخَوَاطِرِ ابْتِدَاءً، وَلَا يَقْدِرُ الْإِنْسَانُ عَلٰی دَفْعِهٖ، فَهُوَ مَعْفُوٌّ عَنْ جَمِيْعِ الْأُمَمِ، قَالَ اللهُ تَعَالٰی: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.

وَالْاِخْتِيَارِيَّةُ: هِیَ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْقَلْبِ، وَتَسْتَمِرُّ، وَهُوَ يَقْصِدُ، اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ، وَيَتَلَذَّذُ مِنْهُ كَمَا يَجْرِیْ فِیْ قَلْبِهٖ حُبُّ امْرَأَةٍ، وَيَدُوْمُ عَلَيْهِ، وَيَقْصِدُ الْوُصُوْلَ إِلَيْهَا، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعَاصِیْ، فَهٰذَا النَّوْعُ عَفَا اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَاصَّةً تَشْرِيْفًا، وَتَكْرِيْمًا لِنَبِيِّنَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے اسی طرح کا ایک سوال کیا گیا، جس کا حضرت نے جواب تحریر فرمایا، وہ سوال اور جواب ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے.......... کہ خیالاتِ فاسدہ (بُرے خیالات) کا آنا مضر نہیں لانا مضر ہے، بعض دفعہ ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خود آئے ہیں یا میں لایا ہوں، ملتبس (اور خلط ملط) حالت ہوجاتی ہے کوئی معیار بتلایا دیا جاوے جس سے ایسی حالت میں فرق بیّن (واضح) طور پر سمجھ لیا کروں؟

جواب: معیار کی حاجت نہیں جب آمد اور آورد (آنے اور لانے) میں شک ہے اور ادنیٰ درجہ (یعنی آنا، نہ کہ لانا) یقینی ہے الیقین لایزول بالشک (یقین شک سے ختم نہیں ہوتا) اس کو آمد (خود بخود آنا) ہی سمجھنا چاہیئے (بوادر النوادر ص ۸۲)

Idara Ghufran

وَالسَّلَامُ ، وَأُمَّتِهٖ، وَإِلَيْهِ يَنْظُرُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى (رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا) وَأَمَّا الْعَقَائِدُ الْفَاسِدَةُ، وَمَسَاوِءُ الْأَخْلَاقِ، وَمَا يَنْضَمُّ إِلٰى ذٰلِكَ فَإِنَّهَا بِمَعْزِلٍ عَنِ الدُّخُوْلِ فِيْ جُمْلَةِ مَا وَسْوَسَتْ بِهِ الصُّدُوْرُ (شرح الطیبی) [1]

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہئے کہ وسوسہ ایک تو ضروری (یعنی غیر اختیاری) ہوتا ہے، اور ایک اختیاری ہوتا ہے۔

پس ضروری (یعنی غیر اختیاری) وسوسہ وہ ہے، جو سینے میں اول وہلے میں کھٹک کے طور پر جاری ہو، اور انسان اس کے دور کرنے پر قادِر نہ ہو، پس یہ وسوسہ تو سب امتوں سے معاف کردیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ نے کسی نفس کو صرف اس کی وسعت کے مطابق ہی مکلّف کیا ہے''۔

اور اختیاری وسوسہ وہ ہے، جو دل میں جاری ہو، اور برقرار رہے، اور وہ شخص اس پر عمل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا قصد کرے، جیسا کہ کسی کے دل میں کسی عورت کی محبت جاری ہوجائے، اور وہ محبت ٹھہر جائے، اور وہ شخص اس عورت کی طرف پہنچنے (اور اس سے ملنے) کا قصد کرے (لیکن اس ارادہ سے زیادہ اور کوئی اقدام نہ کرے) اور اس کے جیسے دوسرے گناہوں کو کرنے کا قصد کرے، پس اس نوعیت کے وسوسہ کو اللہ نے خاص اس امت سے معاف فرمادیا ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی شرافت واکرام کی خاطر، اور اسی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اشارہ ہے کہ ''اور ہمارے اوپر اس طرح کا بوجھ مت ڈالئے، جو آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا''۔

جہاں تک فاسد (وبرے) عقائد اور برے اخلاق (مثلاً حسد، بُغض، کینہ وغیرہ)

---

[1] ج۲ص۵۱۶، کتاب الإیمان، باب فی الوسوسة، الفصل الاول، مطبوعة: مکتبة نزار المصطفیٰ الباز، المکة المکرمة، الریاض.

www.idaraghufran.org

اوران میں شامل چیزوں کا تعلق ہے، تو یہ (برے عقائد اور اخلاق) سینوں کے وسوسوں کے مذکورہ حکم میں داخل نہیں ہیں (بلکہ ان پر مؤاخذہ اور پکڑ ہے) (شرح الطیبی)

علامہ طیبی کے اس کلام کو مشکاۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے، اوراس کو درست قرار دیا ہے۔

اوراس کی دلیل دیتے ہوئے صاحبِ مرقاۃ نے فرمایا کہ:

وَهُوَ كَلَامٌ حَسَنٌ، وَلِهٰذَا قَيَّدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ (مَا لَمْ تَعْمَلْ، أَوْ تَتَكَلَّمْ) إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ وَسْوَسَةَ الْأَعْمَالِ، وَالْأَقْوَالِ مَعْفُوَّةٌ قَبْلَ اِرْتِكَابِهَا، وَأَمَّا الْوَسْوَسَةُ الَّتِيْ لَا تَعَلُّقَ لَهَا بِالْعَمَلِ، وَالْكَلَامِ مِنَ الْأَخْلَاقِ، وَالْعَقَائِدِ فَهِيَ ذُنُوْبٌ بِالْإِسْتِقْرَارِ (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ١٣٦، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة)

ترجمہ: اور یہ (طیبی کا) عمدہ کلام ہے، اوراسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قید اپنے اس قول سے لگائی کہ جب تک کہ عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے، جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ اعمال اور اقوال والے وسوسے، عمل کرنے سے پہلے معاف ہیں، اور جن وسوسوں کا تعلق عمل اور کلام سے نہیں ہے (بلکہ دل سے ہے) مثلاً اخلاق اور عقائد، تو ان کو دل میں (اپنے اختیار سے) باقی رکھنا گناہ ہے (مرقاۃ) [1]

---

[1] صاحبِ مشکاۃ کی مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے، جس میں علامہ طیبی کے کلام کا اقتباس بھی مذکور ہے۔

فالصواب ما قاله الطيبي من أن الوسوسة ضرورية، واختيارية، فالضرورية :ما يجري في الصدور من الخواطر ابتداء، ولا يقدر الإنسان على دفعه، فهو معفو عن جميع الأمم، والاختيارية :هي التي تجري في القلب، وتستمر، وهو يقصد، ويعمل به، ويتلذذ منه كما يجري في قلبه حب امرأة، ويدوم عليه، ويقصد الوصول إليها، وما أشبه ذلك من المعاصي، فهذا النوع عفا الله عن هذه الأمة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جس وسوسہ پر مؤاخذہ نہیں، ایسا وسوسہ اگر نماز میں آئے، تو بھی گناہ نہیں، وہ الگ بات ہے کہ نماز کو دل کی توجہ کے ساتھ پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، مگر غیر اختیاری وسوسہ وہاں بھی نقصان دہ نہیں، جس کی تفصیل ''نماز سے متعلق وسوسوں کے حکم'' میں آتی ہے۔

اور جب خود سے آنے والے وسوسوں پر مؤاخذہ نہیں تو ان وسوسوں کو ختم اور دور کرنے کے علاج معالجہ کی طرف متوجہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ ایسے وسوسوں کو ختم کرنے کے درپے ہونا نقصان دہ ہے، کیونکہ یہ ایک طرح سے وسوسوں کی طرف اپنے قصد وارادہ سے متوجہ ہونا ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خاصة تعظيما، وتكريما لنبينا -عليه الصلاة والسلام -، وأمته، وإليه ينظر قوله تعالى :(ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا)وأما العقائد الفاسدة، ومساوء الأخلاق، وما ينضم إلى ذلك فإنها بمعزل عن الدخول فى جملة ما وسوست به الصدور اهـ.

وهو كلام حسن .ولهذا قيده النبى -صلى الله عليه وسلم -بقوله :(ما لم تعمل، أو تتكلم) إشارة إلى أن وسوسة الأعمال، والأقوال معفوة قبل ارتكابها، وأما الوسوسة التى لا تعلق لها بالعمل، والكلام من الأخلاق، والعقائد فهى ذنوب بالاستقرار (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ۱۳۵، ۱۳۶، كتاب الإيمان،باب فى الوسوسة)

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ وساوس کے دفع (دور کرنے) کی طرف اگر توجہ رہے اس میں کوئی ضرر (ونقصان) تو نہیں، فرمایا وسوسہ سے قلب (ودل) کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک مستقل وسوسہ ہے بلکہ اس (وسوسہ) سے بھی زیادہ مضر ہے اس لئے کہ پہلے جو وساوس قلب (ودل) میں آ رہے تھے وہ تو محلِ تفصیل (یعنی تفصیل طلب) ہیں کہ آیا اختیار سے آ رہے ہیں یا بدون (بغیر) اختیار کے اور اس کی طرف دفع کے لئے متوجہ ہونا قصد سے ہے، گو دفع (وُور کرنے) ہی کا قصد ہو، مگر توجہ بقصد تو ہوئی اس لئے ضرر رساں ہوا۔ اس کی مثال بجلی کی تار کی سی ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگائے گا تب بھی وہ لپٹے گا، اس فکر ہی میں نہ پڑنا چاہئے۔ مثلاً کسی کے قلب (ودل) میں کفر کا وسوسہ آئے اور وہ اس کے دفع (وُدور کرنے) کی فکر کرے یہ تدبیر نافع (فائدہ مند) نہ ہوگی، بلکہ اس وقت توجہ الی اللہ (اللہ کی طرف توجہ) کی تجدید (وتازگی) کردے یا توجہ الی القرآن (یعنی قرآن مجید کی طرف توجہ) کرلے یا توجہ الی الشیخ (یعنی اپنے پیر اور شیخ کی طرف توجہ) کرلے یہ تدبیر ان شاء اللہ نافع (وفائدہ مند) ہوگی (الافاضات الیومیہ جلد ا صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور خیر واچھی چیز کا خیال وارادہ بہرحال گناہ اور قابلِ مؤاخذہ چیز نہیں، کیونکہ وہ وسوسہ کے مفہوم سے خارج ہے، بلکہ اس پر ایک نیکی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

بلکہ ایسا خیال وارادہ اگر نماز میں پیدا ہو تو وہ بھی مضِر نہیں، جبکہ نماز کے ظاہری ارکان واعمال ٹھیک ادا ہو جائیں، جس کی تفصیل آگے نماز سے متعلق وسوسوں کے بیان میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

دوسری غلطی اس سے اشد (یعنی زیادہ شدید) یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے، اس میں کاوِش زیادہ کرنے لگتا ہے، اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلاً (بالکل) نہ آنے پائے، اور اس کے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے، حتی کہ نوبت کلال وملال (اُکتاہٹ اور ملامت) کی پیش آتی ہے، جس کا نتیجہ وہی یاس (ومایوسی) کے بعد ترک کر دینا ہے۔

سو اس لئے ضرورت ہے ترکِ کاوِش (یعنی کدوکاوش چھوڑ دینے) کی، بس سرسری معتدل (درمیانی) توجہ کافی ہے، اگر اس توجہ کے ساتھ دوسرا کوئی خطرہ (وسوسہ) آ جاوے وہ غیر اختیاری ہوگا، اور مضر (ونقصان دہ) نہ ہوگا، جیسے کسی خاص صفحے میں سے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں (نظر کے گوشے) بلاقصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں، مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی۔

ایک غلطی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا یا بلاقصد، سو یہ فیصلہ محض بے کار ہے، اگر فرضاً (بالفرض) یہی تحقیق ہو جاوے کہ قصداً آ گیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام (وازالہ) ہو نہیں سکتا، آئندہ کے لئے ہی تدارک (اور حل) کیا جائے گا۔

سو اگر اس فیصلہ کے بدون (بغیر) بھی اس تدارک (اور حل) میں مشغول ہو جاوے تو کیا ضرر (ونقصان) ہے؟ اور وہ تدارک بفور تنبہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی (یعنی جو علاج شروع میں بتلایا گیا کہ اپنی توجہ کسی اچھی چیز کی طرف کر لے، اس کی فوراً تجدید کرنا ہے) (بوادرُ النوادر ص۸۰۹، رسالہ التخفیف فی الاختیار الضعیف)

(فصل نمبر ۸)

# وسوسوں پر عمل یا کھود کرید، تقویٰ و نیکی نہیں

پہلے گزر چکا ہے کہ وسوسوں اور بُرے خیالوں پر جب تک عمل نہ کیا جائے، اُس وقت تک اُن پر مؤاخذہ نہیں ہوتا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وسوسوں پر عمل کیا جائے، تو پھر ان پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔

بہت سے لوگ وسوسوں پر اس لئے عمل کرتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ تقویٰ و تورع پیدا ہو، اور احتیاط ملحوظ رہے، خاص طور پر پاکی، ناپاکی، وضو، غسل اور نماز وغیرہ کے مسائل میں احتیاط کی خاطر وسوسوں پر عمل کرتے ہیں۔

اور پھر اس کے نتیجہ میں طرح طرح کی مشقتیں، تکلیفیں اور مجاہدے برداشت کرتے ہیں، اور بعض اوقات مجاہدہ کرتے کرتے عاجز آ جاتے ہیں، یا صحت خراب کر بیٹھتے ہیں، اور پھر کسی کام کے بھی نہیں رہتے۔

چنانچہ اس طرح کے وسوسوں میں مبتلا لوگ کئی کئی مرتبہ استنجاء، وضو اور غسل کرتے ہیں، اور نماز کو بھی بار بار دوہراتے ہیں، جس کے نتیجہ میں وقت بھی غیر معمولی خرچ ہوتا ہے، اور پانی کا بھی بیش بہا استعمال ہوتا ہے، اور پھر ایک مرحلہ پر پہنچ کر اور تنگ آ کر پاکی ناپاکی اور نماز وغیرہ، سب کو ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں، یا پھر جنون اور پاگل پن کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ بار بار ایمان اور نکاح ضائع ہونے کے متعلق کھود کرید اور سوالات کرتے ہیں، اور کسی مرحلہ پر انہیں سکون نہیں ملتا۔

حالانکہ تقویٰ و پرہیز گاری یا احتیاط کے عنوان سے وسوسوں کے تقاضہ اور داعیہ پر عمل کرنا نیکی اور خیر یا احتیاط و تورُّع میں داخل نہیں، بلکہ شر اور بُرائی میں داخل ہے۔

اور احتیاط وتورع وسوسہ سے الگ چیز ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

[1] وقال الرافعی، من أصحابنا :هذا هو الصواب، وأما ما يخرج إلى باب الوسوسة من تجويز الأمر البعيد فهذا ليس من المشتبهات المطلوب اجتنابها، وقد ذكر العلماء له أمثلة؛ فقالوا :هو ما يقتضيه تجويز أمر بعيد كترك النكاح من نساء بلد كبير خوفا أن يكون له فيها محرم، وترک استعمال ماء فی فلاة لجواز عروض النجاسة، أو غسل ثوب مخافة طرؤ نجاسة عليه لم يشاهدها، إلى غير ذلک مما يشبهه، فهذا ليس من الورع .وقال القرطبی :الورع فی مثل هذا وسوسة شيطانية، إذ ليس فيها من معنى الشبهة شیء ، وسبب الوقوع فی ذلک عدم العلم بالمقاصد الشرعية .قلت :من ذلک ما ذكره الشيخ الإمام عبد الله بن يوسف الجوينی، والد إمام الحرمين، فحكى عن قوم أنهما لا يلبسون ثيابا جددا حتى يغسلوها، لما فيها ممن يعانی قصر الثياب، ودقها وتجفيفها، وإلقائها وهی رطبة على الأرض النجسة، ومباشرتها بما يغلب على الظن نجاسته من غير أن يغسل بعد ذلک، فاشتد نكيره عليهم، وقال :هذه طريقة الخوارج الحرورية، أبلاهم الله، تعالى بالغلق فی غير موضع القلق، وبالتهاون فی موضع الاحتياط، وفاعل ذلک معترض على أفعال النبی صلى الله عليه وسلم والصحابة، والتابعين، فانهم كانوا يلبسون الثياب الجدد قبل غسلها، وحال الثياب فی أعصارهم، كحالها فی أعصارنا، ولو أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بغسلها ما خفی، لأنه مما تعم به البلوى، وذكر أيضا :أن قوما يغسلون أفواههم إذا أكلوا الخبز خوفا من روث الثيران عند الدياس، فإنها تقيم أياما فی المداسة، ولا يكاد يخلو طحين عن ذلک .قال الشيخ :هذا غلو وخروج عن عادة السلف، وما روى أحد من الصحابة والتابعين أنهم رأوا غسل الفم من ذلک .فإن قيل :كيف قال النبی، عليه الصلاة والسلام، فی التمرة التی وجدها فی بيته :لولا إنی أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها؟ ودخول الصدقة بيت النبی، عليه الصلاة والسلام، بعيد لأنها كانت محرمة عليه .وأجيب عنه :أن ما توقعه النبی، عليه الصلاة والسلام، لم يكن بعيدا، لانهم كانوا يأتون بالصدقات إلى المسجد، وتوقع أن يكون صبی أو من لا يعقل أدخل التمرة البيت، فاتقى ذلک لقربه.

قوله :(لا يعلمها كثير من الناس) ای :لا يعلم المشتبهات كثير من الناس، أراد :لا يعلم حكمها، وجاء ذلک مفسرا فی رواية الترمذی :(وهی لا يدری كثير من الناس أمن الحلال هی أم من الحرام؟) وقال الخطابی :معنى مشتبهات :أی تشتبه على بعض الناس دون بعض، لا أنها فی نفسها مشتبهة على كل الناس لا بيان لها، بل العلماء يعرفونها، لأن الله تعالى جعل عليها دلائل يعرفها بها أهل العلم، ولهذا قال، عليه السلام :(لا يعلمها كثير من الناس) ولم يقل :لا يعلمها كل الناس، أو أحد منهم، وقال بعض العلماء :معرفة حكمها ممكن، لكن للقليل من الناس وهم :المجتهدون، فالمشتبهات على هذا فی حق غيرهم، وقد يقع لهم حيث لا يظهر لهم ترجيح لأحد اللفظين .قوله: (استبرأ) أی :طلب البراء ة فی دينه من النقص، وعرضه من الطعن فيه .قوله :(لدينه) إشارة إلى ما يتعلق بالله تعالى، وقوله :وعرضه، إشارة الى ما يتعلق بالناس، أو ذاک اشارة إلى ما يتعلق بالشرع، وهذا إلى المروء ة .فان قلت :لم قدم العرض على الدين؟ قلت :القصد هو ذكرهما جميعا من غير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

# وسوسوں پر عمل کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے دل کے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ وہ عمل یا گفتگو نہ کریں (بخاری)

اس طرح کی کئی روایات پہلے گزر چکی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسوں پر جب تک عمل نہ کیا جائے، اُس وقت تک وہ معاف ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسوسوں پر عمل یا ان کے مطابق کلام کرنا ممنوع ہے۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نظر إلى الترتيب، لأن الواو لا تدل على الترتيب على ما عرف في موضعه، وأما تقديم :العرض، فيمكن أن يكون لأجل تعلقه بالناس المقتضى لمزيد الاهتمام به .قوله :(ومن وقع في الشبهات) قال الخطابى :كل شيء أشبه الحلال من وجه، والحرام من وجه فهو شبهة .وقال غيره :هذا يكون لأحد وجهين :أحدهما :إذا عود نفسه عدم التحرر مما يشتبه أثر ذلك في استهانته، فوقع في الحرام مع العلم به .والثانى :أنه إذا تعاطى الشبهات وقع في الحرام في نفس الأمر، وقد قيل بدل الوجه الثاني :إن من أكثر وقوع الشبهات أظلم قلبه عليه لفقدان نور العلم والورع، فيقع في الحرام ولا يشعر به، وقال ابن بطال :وفيه دليل أن من لم يتق الشبهات المختلف فيها، وانتهك حرمتها، فقد أوجد السبيل على عرضه فيما رواه واشهد به .قلت :حاصل ما ذكر العلماء ههنا في تفسير الشبهات أربعة أشياء .تعارض الادلة، واختلاف العلماء، وقسم المكروه والمباح .وقد قيل : المكروه عقبة بين الحل والحرام، فمن استكثر من المكروه تطرق إلى الحرام، والمباح عقبة بينه وبين المكروه، فمن استكثر منه تطرق إلى المكروه، ويعضد هذا ما رواه ابن حبان من طريق ذكر مسلم أسنادها ولم يسبق لفظها، فيها من الزيادة(عمدة القارى للعينى، ج ا ص ۳۰۱، باب فضل من استبرأ لدينه)

[1] رقم الحديث ۲۵۲۸، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله.

www.idaraghufran.org

## خشیت اتنی ہو کہ جو گناہوں سے روک دے

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهٖ: اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ (ترمذی، رقم الحدیث ۳۵۰۲، ابواب الدعوات)

ترجمہ: بہت کم ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اُٹھتے وقت اپنے اصحاب کے لئے یہ دعاء نہ کرتے ہوں کہ اے اللہ! ہمارے درمیان اپنی اتنی خشیت تقسیم فرمادیجئے، جو ہمارے اور آپ کی نافرمانیوں (وگناہوں) کے درمیان حائل بن جائے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی خشیت اور خوف اتنا ہونا چاہئے کہ جو انسان کو گناہوں سے روک دے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو چیز گناہ میں داخل نہ ہو، وسوسوں کی خاطر اُس کو گناہ سمجھنا اور اس سے گناہ کی طرح خوف کرنا، اس سے خارج ہے، اور وسوسوں کی بناء پر خواہ مخواہ کی چیزوں سے ڈرنا بھی اُس خوف اور خشیت میں داخل نہیں، جو شرعاً مطلوب ہے۔

## تین مرتبہ سے زیادہ اعضائے وضو کو دھونا برا ہے

اسی وجہ سے احادیث میں تین مرتبہ سے زائد وضو کے اعضاء دھونے کو بُرے فعل، زیادتی اور ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ؟ فَأَرَاهُ ثَلَاثًا، ثَلَاثًا قَالَ: هٰذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ، وَتَعَدّٰى، وَظَلَمَ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۶۶۸۴)[1]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح، وهذا إسناد حسن.

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، جو وضو کے بارے میں سوال کر رہا تھا، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین مرتبہ وضو کے اعضاء دھو کر دِکھلائے، اور فرمایا کہ یہ وضو ہے، پس جس نے اس پر زیادتی کی، تو اس نے بُرا کام کیا، اور زیادتی کی اور ظلم کیا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ جو کام شریعت سے جس طرح ثابت ہو، اُس پر وسوسوں کی وجہ سے تقویٰ یا احتیاط کی خاطر زیادتی کرنا کارِ خیر میں داخل نہیں۔

اسی وجہ سے وسوسوں کی وجہ سے اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا بھی بُرا کام، زیادتی اور ظلم میں داخل ہے۔ [1]

## قربِ قیامت میں پاکی میں غلو کرنے والی قوم کا پیدا ہونا

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ (سنن ابی داوٗد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت میں عنقریب ایسی قوم ہوگی، جو پاکی اور دعاء میں حد سے تجاوز (اور غلو) کرے گی (ابوداؤد)

اور ابنِ حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] الشک بعد التثلیث لا وجه له، وإن وقع بعده فلا نهاية له وهو الوسوسة، ولهذا أخذ ابن المبارک بظاهره فقال :لا آمن إذا زاد على الثلاث أن يأثم .وقال أحمد وإسحاق :لا يزيد عليها إلا مبتلى أى بالجنون لمظنة أنه بالزيادة يحتاط لدينه .قال ابن حجر :ولقد شاهدنا من الموسوسين من يغسل يده فوق المئين، وهو مع ذلک يعتقد أن حدثه هو اليقين(مرقاة المفاتيح،کتاب الطهارة،باب سنن الوضوء )

[2] رقم الحديث ٩٦، كتاب الطهارة، باب الاسراف فى الماء.
قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية سنن ابى داوٗد)

www.idaraghufran.org

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الدُّعَاءِ وَالطُّهُوْرِ (صحيح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آخری زمانہ میں ایسی قوم ہوگی، جو دعاء اور پاکی میں حد سے تجاوز (اور غلو) کرے گی (ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ قربِ قیامت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو پاکی اور دعاء کے معاملہ میں شریعت اور سنت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر حد سے تجاوز اور غلو سے کام لیں گے، مثلاً دعاء غیر شرعی طریقہ پر کریں گے، یا دعاء کو رسمی انداز میں اختیار کریں گے، یا دعاء میں لفاظی اور تکلف و تصنع سے کام لیں گے۔

اور پاکی کے معاملہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اکتفاء نہیں کریں گے، بلکہ اس میں کمیت یا کیفیت کے ساتھ اضافہ کریں گے، جو کہ فضول خرچی میں داخل ہو کر گناہ ہے، اور شیطان کی طرف سے وسوسہ کی پیروی میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٦٧٦٣، كتاب التاريخ،باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما يكون فى أمته من الفتن والحوادث.

فى حاشية ابنِ حبان:إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] قوله " :يعتدون "من الاعتداء ، وهو التجاوز عن الحد .وقال ابن الأثير :ومعنى يعتدون فى الدعاء :هو الخروج فيه عن الوضع الشرعى والسنة المأثورة ."

وأما الاعتداء فى الطهور أن يسرف فى الماء ، بأن يكثر صبه أو يزيد فى الأعداد، والطهور يحتمل فيه وجهان :ضم الطاء بمعنى الفعل، ويكون المعنى :يعتدون فى نفس الطهور بأن يزيدوا فى أعداده، وذلك إما من الإسراف وهو حرام، وإما من الوسوسة وهى من الشيطان .وفتحها بمعنى المطهر ويكون المعنى :يعتدون فى الماء ، بأن يكثروا صبه وسكبه.

وأخرجه ابن ماجه مقتصرا منه على الدعاء .وأخرجه الحاكم فى "مستدركه " عن أبى بكر بن إسحاق، عن محمد بن أيوب، عن موسى بن إسماعيل،وأشار إلى صحته .وأخرجه البيهقى فى " سننه "عنه، وابن حبان فى "صحيحه "، وصححه النووى فى "شرحه ."

فإن قلت :الجريرى مشهور بالاختلاط، اختلط أيام الطاعون، وذلك عام اثنتين وثلاثين ومائة قلنا : أبو داود إمام عظيم الشأن، وسكت على هذا، فدل على كونه مأخوذا عن الجريرى قبل الاختلاط، وأيضا فإن حماد بن سلمة إمام ورع من شيوخ الإسلام، فلا يعتقد أنه يحدث عنه بشىء سمعه منه بعد الاختلاط(شرح ابى داوٗد للعينى، ج ا ص ٢٦٦،٢٦٧، باب الاسراف فى الوضوء)

# نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، زیادہ خشیت وتقوے والا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيْهِ، وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ، فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ أَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً** (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کیا، جس میں (اللہ کی طرف سے) رخصت وگنجائش موجود تھی، اور ایک قوم نے اس کام سے اجتناب وپرہیز کیا، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو ایسی چیز سے اجتناب وپرہیز کرتے ہیں، جس کو میں کرتا ہوں، پس اللہ کی قسم میں ان لوگوں کے مقابلہ میں اللہ کا زیادہ علم رکھتا ہوں، اور اللہ کی زیادہ خشیت (وخوف) رکھتا ہوں (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ جب نبی بلکہ افضل نبی ہونے کے باوجود میں نے رخصت وگنجائش والے کام کو اختیار کیا، تو دوسروں کا اس کو نظر انداز کرنا اور اس کام سے پرہیز کرنے کو نیکی سمجھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

وسوسوں کی خاطر شریعت وسنت سے ثابت شدہ حکم پر مطمئن نہ ہونے والے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر غور کرنا چاہیے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۳۰۱، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمق والتنازع فى العلم والغلو فى الدين والبدع.

[2] أى: هذا باب فى بيان ما يكره من التعمق وهو التشدد فى الأمر حتى يتجاوز الحد فيه. قوله:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# دین کے معاملہ میں سختی وغلو کا نقصان

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلَيْكُمْ هَدْيًا قَاصِدًا، فَإِنَّهُ مَنْ يُشَادُّ هٰذَا الدِّيْنَ يَغْلِبْهُ** (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۳۰۵۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر سیدھے (اور غیر مشقت والے) راستے اور میانہ روی (واعتدال) کو اختیار کرو، کیونکہ جو شخص دین کے معاملے میں سختی (وغلو) کرتا ہے، اس پر دین غلبہ حاصل کرلیتا ہے (اور وہ خود دین سے مغلوب ہوجاتا ہے) (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ اعتدال والا راستہ اختیار کرنا چاہئے، جس میں بے جا مشقت اور غلو نہ ہو، کیونکہ جو شخص اعتدال کو چھوڑ دیتا ہے، اور اپنی طاقت سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت وکلفت میں ڈالتا ہے، تو اس کو دین پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور یہ طرزِ عمل فرائض اور واجبات میں تقصیر وکوتاہی اور اپنی صحت وتن درستی میں فساد وبگاڑ، بلکہ بعض اوقات دماغی توازن

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتنازع في العلم، أى :التجادل فيه يعنى عند الاختلاف فى الحكم إذا لم يتضح الدليل فيه .قوله: والغلو، بضم الغين المعجمة واللام وتشديد الواو وهو التجاوز فى الحد، قاله الكرمانى .قلت: الغلو فوق التعمق وهو من غلا فى الشيء يغلو غلوا، وغلا فى السعر يغلو غلاء ، وورد النهى عنه صريحا فيما أخرجه النسائى وابن ماجه والحاكم من طريق أبى العالية عن ابن عباس، قال :قال رسول الله فذكر حديثا وفيه :وإياكم والغلو فى الدين فإنما أهلك من قبلكم الغلو فى الدين، وهو مثل البحث فى الربوبية حتى يحصل نزغة من نزغات الشيطان فيؤدى إلى الخروج عن الحق، والذين غلوا فى الفكرة آل بهم الأمر إلى أن جعلوا آلهة ثلاثة، تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا، قوله :والبدع جمع بدعة وهى ما لم يكن له أصل فى الكتاب والسنة، وقيل :إظهار شيء لم يكن فى عهد رسول الله ولا فى زمن الصحابة، رضى الله تعالى عنهم(عمدة القارى.باب ما يكره من التعمق والتنازع فى العلم والعلو فى الدين والبدع)

[1] فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

خراب ہو کر سب کچھ چھوٹ چھاٹ جانے اور کسی کام کا نہ رہنے کا باعث بنتا ہے۔ [۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا، وَأَبْشِرُوْا، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ (بخاری) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین یُسر والا (اور سہل وآسان) ہے، اور جو شخص بھی دین میں سختی کرتا ہے، تو دین اس پر غالب آ جاتا ہے، لہٰذا تم میانہ روی اختیار کرو اور قریب رہو اور (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے مدد حاصل کرو (بخاری)

مطلب اس حدیث کا بھی وہی ہے کہ دین میں یُسر اور آسانی ہے، اور عُسر وتنگی نہیں ہے، اور جو شخص یُسر وآسانی کو چھوڑ کر عُسر وتنگی کو اختیار کرتا ہے، تو دین اس پر غالب آ جاتا ہے، یعنی اس کے لئے دین پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جبکہ دین پر عمل کرنا سہل وآسان ہے۔

پس وسوسوں کی زَد میں آ کر شریعت وسنت کے بتلائے ہوئے آسان راستہ کو چھوڑنا، اور اس

---

[۱] (عليكم هديا قاصدا) أى طريقا معتدلا غير شاق (عليكم هديا قاصدا عليكم هديا قاصدا) يعنى الزموا القصد فى العمل وهو استقامة الطريق أو الأخذ بالأمر الذى لا غلو فيه ولا تقصير (فإنه) أى الشأن (من يشاد هذا الدين يغلبه) أى من يقاومه ويقاويه ويكلف نفسه من العبادات فوق طاقته يؤدى به ذلك إلى التقصير فى العمل وترك الواجبات.

(حم ك هق عن بريدة) قال :خرجت ذات يوم أمشى فإذا أنا برسول الله صلى الله عليه وسلم يمشى فأخذ بيدى فانطلقنا جميعا فإذا برجل يصلى يكثر من الركوع والسجود فقال :أترى هذا مرائى قلت :الله ورسوله أعلم فأرسل يده وطبق بين يديه ثلاث مرات يرفع يديه ويضربهما ويقول عليكم إلخ قال الحاكم :صحيح وأقره الذهبى وقال الهيثمى :رجاله موثقون وقال ابن حجر فى تخريج المختصر :إسناد أحمد حسن(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۵۸۴)

[۲] رقم الحديث ۳۹، كتاب الايمان، باب الدين يسر.

کے مقابلہ میں تنگی و مشقت والا راستہ اختیار کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ** (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۵۱) [2]

ترجمہ: اور تم دین میں غلو پیدا کرنے سے بچو، پس تم سے پہلے لوگ دین میں غلو

---

[1] (إن الدين) بكسر الدال (يسر) أى دين الإسلام ذو يسر نقيض العسر أو هو يسر مبالغة لشدة اليسر وكثرته كأنه نفسه بالنسبة للأديان قبله لرفع الإصر عن الأمة (ولن يشاد) أى يقاوم (الدين أحد إلا غلبه)أى لا يتعمق أحد فى العبادة ويترك الرفق كالرهبان فى الصوامع إلا عجز فغلب عليه العبد من العجز والمعبود من عظم الأمر وليس المراد ترك طلب الأكمل فى العبادة فإنه محمود بل منع الإفراط المؤدى للملال وأعلم أن لفظة أحد ثابتة فى خط المؤلف وهى ساقطة فى جمهور نسخ البخارى قال ابن حجر فى روايتنا بإسقاط الفاعل وثبت فى رواية ابن السكن وفى رواية الأصيلى وعليه فالدين منصوب وأما على رواية الجمهور فروى بنصبه على المفعولية وأضمر الفاعل للعلم به وروى برفعه وبناء يشاد لما لم يسم فاعله ذكره فى المطالع ورده النووى بأن أكثر الروايات بالنصب وجمع بأنه بالنسبة لرواية المغاربة والمشارقة (فسددوا) الزموا السداد وهو الصواب بلا إفراط وبلا تفريط (وقاربوا) بموحدة تحتية لا بنون أى لا تبلغوا النهاية بل تقربوا منها (وأبشروا) بهمزة قطع قال الكرمانى :وجاء فى لغة أبشروا بضم الشين من البشر بمعنى الإبشار أى أبشروا بالثواب على العمل الدائم وإن قل وأبهم المبشر به تعظيما وتفخيما (واستعينوا بالغدوة والروحة) بفتح أولهما أى واستعينوا على مداومة العبادة بإيقاعها فى وقت النشاط كأول النهار وبعد الزوال وأصل الغدوة السير أول النهار والروحة السير بعد الزوال (وشىء من الدلجة) بضم وسكون قال الزركشى والكرمانى كذا الرواية ويجوز فتحهما لغة أى واستعينوا عليها بإيقاعها آخر الليل أو والليل كله بدليل تعبيره بالتبعيض وهذه أطيب أوقات المسافر لأن المصطفى صلى الله عليه وسلم خاطب مسافرا فنبهه على أوقات نشاطه وحسن هذه الاستعارة أن الدنيا بالحقيقة دار نقلة للآخرة وهذه الأوقات أروح ما يكون فيها البدن للعبد بعض الشراح وقال البيضاوى الروحة والغدوة والدلجة استعير بها عن الصلاة فى هذه الأوقات لأنها سلوك وانتقال من العادة إلى العبادة ومن الطبيعة إلى الشريعة ومن الغيبة إلى الحضور وقال الكرمانى كأن المصطفى صلى الله عليه وسلم يخاطب مسافرا انقطع طريقه إلى مقصده فنبهه إلى أوقات نشاطه التى ترك فيها عمله لأن هذه أوقات المسافر على الحقيقة فالدنيا دار نقلة وطريق إلى الآخرة فنبه الأمة على اغتنام أوقات فرضهم(خ ن) فى الإيمان (عن أبى هريرة) قال جمع هذا الحديث من جوامع الكلم(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۹۶۹)

[2] فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے (مسند احمد)

دین میں غلو وحد سے تجاوز کرنا یا انتہاء پسندی سے کام لینا ہر اعتبار سے منع ہے، خواہ عقائد میں ہو یا عبادات اور معاملات میں یا پھر معاشرت اور اخلاق میں، اور خواہ وسوسوں کی وجہ سے ہو، یا کسی اور وجہ سے۔ [1]

## اپنے آپ پر تشدُّد کرنے کا نقصان

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيْدِهِمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ، وَسَتَجِدُوْنَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارَاتِ (الاحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير للبخارى) [2]

---

[1] (إياكم والغلو فى الدين) أى التشديد فيه ومجاوزة الحد والبحث عن غوامض الأشياء والكشف عن عللها وغوامض متعبداتها (فإنما هلك من كان قبلكم) من الأمم (بالغلو فى الدين) والسعيد من اتعظ بغيره وهذا قاله غداة العقبة وأمرهم بمثل حصى الخذف قال ابن تيمية :قوله إياكم والغلو فى الدين عام فى جميع أنواع الغلو فى الاعتقادات والأعمال والغلو مجاوزة الحد بأن يزاد فى مدح الشىء أو ذمه على ما يستحق ونحو ذلك والنصارى أكثر غلوا فى الاعتقاد والعمل من سائر الطوائف وإياهم نهى الله عن الغلو فى القرآن بقوله تعالى :(لا تغلوا فى دينكم) وسبب هذا الأمر العام رمى الجمار وهو داخل فيه مثل الرمى بالحجارة الكبار على أنه أبلغ من الصغار ثم علله بقوله بما يقتضى أن مجانبة هديهم مطلقا أبعد عن الوقوع فيما به هلكوا وأن المشارك لهم فى بعض هديهم يخاف عليه الهلاك(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۹۰۹)

[2] رقم الحديث ۶۲۶؛ المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۵۵۵۱؛ المعجم الاوسط، رقم الحديث ۳۰۷۸؛ شعب الايمان، رقم الحديث ۳۶۰۱.

قال الالبانى: أخرجه البخارى فى "التاريخ :وقال لنا عبد الله بن صالح :حدثنى أبو شُريح :سمع سهل بن أبى أمامة بن سهل بن حُنَيفٍ عن أبيه عن جده عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال ... فذكره ومن هذا الوجه :أخرجه ابن قانع فى ترجمة سهل من "المعجم "، والطبرانى فى "المعجم الكبير "و"الأوسط ، والبيهقى فى "شعب الإيمان. قلت :وهذا إسناد جيد بما بعده، رجاله ثقات رجال مسلم؛ غير عبد الله بن صالح، فهو من شيوخ البخارى كما ترى (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۱۲۴)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر تشدُّد اور سختی نہ کرو، بس تم سے پہلے لوگ اپنے آپ پر تشدُّد اور سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوچکے ہیں، اور تم اُن کی باقیات (اور آثارِ قدیمہ) کو اُن کے عبادت خانوں اور گھروں کی شکل میں دیکھتے ہو (تاریخ کبیر للبخاری؛ طبرانی؛ بیہقی)

مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے، جو وسوسوں کی وجہ سے عبادت اور اعمال میں تشدد و سختی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اور پھر بعض اوقات جسمانی صحت و تن درستی سے محروم ہوجاتے ہیں، یا عقلِ انسانی کو کھو بیٹھتے ہیں، جس پر شرفِ انسانی کا دارومدار ہے، اور بعض اوقات وسوسوں کے نتیجہ میں خودکشی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، یا بیمار و کمزور ہوکر ہلاکت میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اور اگر ہلاکت میں بھی مبتلا نہ ہوں، تو شریعت و سنت کے بتلائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نیا راستہ اختیار کرکے روحانی طور پر ہلاک ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس طرح کے تشدُّد و غلو سے حفاظت فرمائے۔ [1]

## عبادت میں زیادہ جدوجہد اور غلو کا نقصان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ يَجْتَهِدُوْنَ فِي الْعِبَادَةِ اِجْتِهَادًا شَدِيْدًا، فَقَالَ: تِلْكَ ضَرَاوَةُ الْإِسْلَامِ وَشِرَّتُهُ، وَلِكُلِّ ضَرَاوَةٍ شِرَّةٌ، وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ.**

---

[1] (وعن أنس) رضی الله عنه (أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كان يقول): فيه إشارة إلى التكرار والاستمرار (لا تشددوا على أنفسكم) أى: بالأعمال الشاقة كصوم الدهر وإحياء الليل كله واعتزال النساء لئلا تضعفوا عن العبادة وأداء الحقوق والفرائض (فيشدد الله عليكم): بالنصب جواب النهى أى: يفرضها عليكم فتقعوا فى الشدة، أو بأن يفوت عليكم بعض ما وجب عليكم بسبب ضعفكم من تحمل المشاق كذا قاله الشراح (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى اقْتِصَادٍ وَسُنَّةٍ فَلِأُمٍّ مَا هُوَ، وَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى الْمَعَاصِي، فَذٰلِكَ الْهَالِكُ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۵۳۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جو عبادت میں شدید جد وجہد (ومحنت) کیا کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اسلام کا جھاگ اور اس کی تیزی ہے، اور ہر جھاگ کی تیزی ہوتی ہے اور ہر تیزی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، پس جس تیزی کا اختتام وانقطاع میانہ روی اور سنت کے مطابق ہو، تو مقصد پورا ہو گیا اور جس کا اختتام وانقطاع معاصی اور گناہوں کی طرف ہوا، تو وہ شخص ہلاک ہو گیا (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ سنت والے عمل میں اگرچہ جوش نظر نہ آئے، تب بھی وہ ہدایت والا کام ہوتا ہے، جیسا کہ عبادت کے ساتھ ساتھ آرام اور نیند کرنا اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا، اور جو کام سنت کے مقابلہ میں ہو، تو وہ ضلالت وگمراہی والا کام ہوتا ہے، اگرچہ اس میں کتنا ہی جوش اور جذبہ کیوں نہ نظر آئے، جیسا کہ جسم اور جان اور بیوی بچوں وغیرہ کے حقوق ضائع کر کے شدید محنت وجد وجہد کرنا یا رات بھر عبادت میں مشغول رہنا، یا جوش وجذبہ کے ساتھ چند دن عبادت کر کے بعد میں گناہوں میں ڈوب جانا۔

وسوسوں کی وجہ سے شریعت وسنت والے راستہ کو چھوڑ کر جوش وجذبہ کو اختیار کرنا اور بے جا محنت ومشقت اور مجاہدہ کو اختیار کرنا بھی اس میں داخل ہے، جس کا اختتام بُرا ہوتا ہے۔

## اللہ کے دین میں آسانی ونرمی کا حکم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟

---

[1] في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن

قَالَ: اَلْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ (مسنداحمد، رقم الحديث ۲۱۰۷) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ تمام دینوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب دین کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درست (وسیدھا) اور سہل (مسند احمد)

جب اللہ کو سب سے محبوب دین وہ ہے، جو سیدھا اور سہل ہو تو وسوسوں کی خاطر سیدھے اور سہل راستہ کو چھوڑ کر ٹیڑھا اور تنگی ومشقت والا راستہ اختیار کرنا ظاہر ہے کہ اللہ کو پسند نہیں۔

حضرت ابو عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَنْتَظِرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ رَجُلٌ يَقْطُرُ رَأْسُهُ، مِنْ وُضُوْءٍ أَوْ غُسْلٍ، فَصَلّٰى، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، جَعَلَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَهُ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَعَلَيْنَا حَرَجٌ فِيْ كَذَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ دِيْنَ اللّٰهِ فِيْ يُسْرٍ، ثَلَاثًا يَقُوْلُهَا

(مسنداحمد، رقم الحديث ۲۰۶۶۹، مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ۶۸۶۳) [۲]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، اتنے میں ایک آدمی نکلا، جس کے سر سے وضو یا غسل کا پانی ٹپک رہا تھا، پھر اس نے نماز پڑھی، جب اس نے نماز مکمل کرلی، تو لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے اوپر اس طرح کرنے میں حرج ہے؟ (کہ آدمی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے وضو یا غسل کا پانی ٹپک رہا ہو) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اے لوگو! بے شک اللہ کے دین میں یسر وسہولت ہے، تین مرتبہ آپ یہی فرماتے رہے (مسند احمد، ابو یعلیٰ)

---

[۱] فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۲] فى حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

وفى حاشية مسند ابى يعلىٰ: اسناده حسن.

www.idaraghufran.org

جب اللہ کے دین میں یُسر اور سہولت ہے، تو اس کو چھوڑ کر وساوس میں مبتلا لوگوں کا مشکل اور تنگی میں پڑنا، مثلاً وضو یا غسل وغیرہ سے ٹپکنے والے پانی وغیرہ کو ناپاک سمجھنا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟

حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلَغَہُ أَنَّ رَجُلًا فِی الْمَسْجِدِ یُطِیْلُ الصَّلَاۃَ فَأَتَاہُ فَأَخَذَ بِمَنْکِبِہٖ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ رَضِیَ لِھٰذِہِ الْأُمَّۃِ الْیُسْرَ وَکَرِہَ لَھَا الْعُسْرَ قَالَھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَإِنَّ ھٰذَا أَخَذَ بِالْعُسْرِ وَتَرَکَ الْیُسْرَ وَنَشَلَہُ نَشْلًا فَمَا رُئِیَ بَعْدَ ذٰلِکَ (مسند الحارث، رقم الحدیث ۲۳۷، کتاب الصلاۃ، باب النھی عن أن یتکلف من العبادۃ ما یثقل علیہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی مسجد میں بہت لمبی نماز پڑھتا ہے، تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پھر اس کے مونڈھے کو پکڑا، پھر فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لئے یُسر (سہولت وآسانی) کو پسند کرتا ہے، اور اس امت کے لئے عُسر (وتنگی) کو ناپسند کرتا ہے، یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اور اس آدمی نے عُسر (وتنگی) کو اختیار کیا ہے، اور یُسر (سہولت وآسانی) کو چھوڑ دیا ہے، جس نے اس کو کمزور کردیا، پس اس کے بعد اس شخص کو (اس طرح مسجد میں لمبی نماز پڑھتے ہوئے) نہیں دیکھا گیا (مسند الحارث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی نماز پڑھنے والے کو تنگی اختیار کرنے اور آسانی کو چھوڑنے سے تعبیر فرمایا، اور اس طرزِ عمل کو ناپسندیدہ قرار دیا، وسوسوں میں مبتلا لوگ بھی نماز میں اسی طرح کا تکلف اختیار کرتے ہیں، وسوسوں کی وجہ سے نیت، قرائت اور اذکار وغیرہ کئی کئی

مرتبہ ادا کرتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل دین میں غلو اور بے جا سختی میں داخل ہے۔ [1]

---

[1] وصف حال بعض أهل الوسوسة:

قال أبو محمد الجويني الشافعي :من الذين يعتريهم الوسواس من يركب رأسه، ويجاوز حدود الأصول، وقد رأيت منهم من يكرر تحريمته للمكتوبة حتى يشرف وقتها على الانقضاء ، أو تفوته الجمعة مع الإمام، أو ركعة منها .وإذا تعاطى الماء للطهارة أسرف منه قلة أو قلالا

وقال ابن الجوزى :وبعض الموسوسين يغسل الثوب الطاهر مرارا، وربما لمسه مسلم فيغسله. ومنهم من يغسل ثيابه فى دجلة، لا يرى غسلها فى البيت يجزء.

قال :وما كانت الصحابة تعمل هذا، بل قد صلوا فى ثياب فارس لما فتحوها، واستعملوا أكسيتهم، والشريعة سمحة سليمة من هذه الآفات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص ۱۵۲ ،مادة وسوسة)

الشبهة التى تؤدى إلى الوسوسة وكشفها :تنشأ الشبهة المؤدية إلى الوسوسة من التصور الخاطء لمعنى الاحتياط واتقاء الشبهات المفهوم من ظاهر قول النبى صلى الله عليه وسلم :دع ما يريبك إلى ما لا يريبك . وقوله:من اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه .

وقد جرت كثير من مسائل الفقه على قاعدة الاحتياط، فظن الموسوسون أن ما هم فيه من أمر الوسوسة داخل فى قاعدة الاحتياط، ورأوا أن ذلك خير من التفريط، كمن لا يبالى كيف يتوضأ، ولا بأى ماء توضأ، ولا بأى مكان صلى، ولا يبالى ما أصاب ثوبه، فيحمل الأمور كلها على الطهارة، ورأوا أن الاستقصاء والتشديد والاجتهاد فى الاحتياط خير من ذلك .

وقال ابن القيم فى معرض كشف شبهات أهل الوسوسة :إن الصراط المستقيم الذى أمرنا باتباعه هو قصد السبيل، وما خرج عنه فهو من السبل الجائرة، فالميزان الذى يعرف به الاستقامة والجور هو ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، وقد قال صلى الله عليه وسلم :إياكم والغلو فى الدين، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين ، ونهى النبى صلى الله عليه وسلم عن التشديد فى الدين .

وأهل الوسواس شددوا على أنفسهم فشدد عليهم حتى استحكم ذلك فيهم وصار صفة لازمة لهم. فمن أراد التخلص من هذه البلية فليستشعر أن الحق فى اتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قوله وفعله، وليعزم على سلوك طريقته عزيمة من لا يشك أنه على الصراط المستقيم، وأن ما خالفه فهو من تسويل إبليس ووسوسته، ولينظر فى أحوال السلف فليقتد بهم .

ففى مسألة الإسراف فى ماء الوضوء والغسل قد كان النبى صلى الله عليه وسلم يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد .

وعن عبد الله بن مغفل قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :سيكون فى هذه الأمة قوم يعتدون فى الطهور والدعاء وورد فى حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال :جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه وسلم يسأله عن الوضوء ، فأراه الوضوء ثلاثا ثلاثا ثم قال :هكذا الوضوء ، فمن زاد على هذا فقد أساء وتعدى وظلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص ۱۵۳ و ۱۵۴ ،مادة وسوسة)

Idara Ghufran

# کھود کرید، کثرتِ سوال اور قیل وقال کی برائی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَنْ يَّبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: هٰذَا اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ** (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ دریافت کرتے رہیں گے (کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا، اور فلاں چیز کو کس نے پیدا) یہاں تک کہ کہیں گے کہ اللہ تو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ لوگ بے جا سوالات اور کھود کرید کریں گے، اور اس میں بہت زیادہ آگے بڑھ جائیں گے، وسوسوں کے نتیجہ میں بھی کھود کرید کرنے سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتّٰى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ : أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوْا فِيْهِ** (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے اور ہم تقدیر پر منازعت (اور بحث ومباحثہ) کررہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، گویا کہ آپ کے رخساروں پر انار

---

[1] رقم الحدیث ۷۲۹۶، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من کثرة السؤال وتکلف ما لا یعنیه.

[2] رقم الحدیث ۲۱۳۳، ابواب القدر، باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر.
قال الترمذی: وفی الباب عن عمر، وعائشة، وانس هذا حدیث غریب.

(کا رَس) نچوڑ دیا گیا ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو اس چیز (یعنی تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ) کا حکم دیا گیا ہے؟ یا کیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں (کہ تمہیں ان بحثوں میں لگاؤں) تم لوگوں سے پہلے کی قومیں اس میں منازعت (اور بحث ومباحثہ) کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں، میں تم لوگوں کو عہد دیتا ہوں کہ اس میں آئندہ تنازع (اور بحث وتکرار) نہ کرنا (ترمذی)

کھود کرید ویسے ہی منع ہے، خاص طور پر تقدیر کے معاملہ میں تو بے جا بحث مباحثہ اور کھود کرید سے پرہیز کرنا چاہئے، جیسا کہ وسوسوں کے پجاری کرتے ہیں۔

بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ کو ہر بات کا پہلے سے علم تھا، اور اس علم کی روشنی میں اللہ نے ہر بات لکھ دی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ کون شخص اپنے اختیار وارادہ سے اچھا یا بُرا عمل کرے گا، اور اس کی اس طرح سے جزاء وسزاء پائے گا، اور بس۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (بخاری)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی جب تک میں تمہیں کسی چیز کا حکم نہ دوں، یا کسی چیز سے منع نہ کروں، تم ایسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو) تم سے پہلے کی قومیں کثرتِ سوال اور انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہوگئیں، جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو اور تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے (بخاری)

[1] رقم الحديث ۷۲۸۸، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

www.idaraghufran.org

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا، مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں عظیم ترین جرم کے اعتبار سے وہ شخص ہے کہ جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو کہ حرام نہیں کی گئی تھی، پھر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اس کو حرام کر دیا گیا (بخاری)

جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حرام نہ کیا گیا ہو، وہ حلال ہے، پھر اس کے متعلق حلال وحرام ہونے کا سوال کرنا اتنا برا ہے کہ بعض اوقات سوال کرنے کی وجہ سے ہی وہ چیز حرام ہو جاتی ہے، اور اس سوال کو کرنے والا شخص بدترین جرم کا مرتکب ہے۔

اس میں وسوسوں میں مبتلا لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے کہ انہیں بلا دلیل کسی چیز کے ناجائز وحرام ہونے کا شبہ نہیں کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس میں کھود کرید اور اس کے متعلق سوالات کرنا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ قُلْتُ : نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ

---

[1] رقم الحديث ٧٢٨٩، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه ، مسند احمد، رقم الحديث ١٥٢٠ .
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

شَيْءٍ فَدَعُوهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کرو، تو ایک آدمی نے کہا کہ کیا اے اللہ کے رسول! ہر سال؟ (حج فرض کر دیا گیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (اللہ کے حکم سے) ہر سال حج فرض ہو جاتا اور پھر تمہیں اس (کو نبھانے) کی استطاعت (وقدرت) نہ ہوتی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز سے میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی جس چیز کے بارے میں کوئی حکم نہ دوں) اس سے تم بھی مجھے چھوڑ دو (یعنی تم بھی ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کرو) کیونکہ بس تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال کرنے اور نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، پس جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں، تو اس پر اپنی استطاعت (وقدرت) کے مطابق عمل کرو، اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو (مسلم)

معلوم ہوا کہ بلاوجہ کے سوالات، اچھی بات نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے، وسوسوں میں مبتلا لوگ جو بلاوجہ کی چیزوں میں سوالات اور کھود کرید کرتے ہیں، اور خواہ مخواہ کے نکتے نکال کر سوالات کرتے اور تانے بانے جوڑتے ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيْلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ (بخاری) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تمہارے

---

[1] رقم الحديث ۱۳۳۷ ''۴۱۲''كتاب الحج،باب فرض الحج مرة فى العمر.

[2] رقم الحديث ۱۴۷۷،كتاب الزكاة،باب قول الله تعالى:لا يسألون الناس إلحافا وكم الغنى.

لیے تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے، ایک قیل وقال (اور فضول بحث مباحثہ) کرنے کو، اور دوسرے مال ضائع کرنے کو، اور تیسرے کثرت سے سوال کرنے کو (بخاری)

معلوم ہوا کہ قیل وقال، بلاوجہ کے سوال اور کھود کرید کرنا اللہ کو ناپسند ہے، اور وسوسوں میں مبتلا لوگ، اس طرح کے سوالات، اللہ کو راضی کرنے اور ناراضگی سے بچنے کی خاطر کرتے ہیں، جس کا غلط ہونا ثابت ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تم سے تین چیزوں سے راضی ہوتا ہے، اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے، پس تم سے اس سے راضی ہوتا ہے کہ ایک تو تم اس کی عبادت کرو، دوسرے اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور تیسرے یہ کہ اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لو، اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور تم سے ان تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے، ایک تو قیل وقال (یعنی فضول بحث ومباحثہ اور غپ شپ) کو، اور دوسرے کثرت سے سوال کرنے کو، اور تیسرے مال ضائع کرنے کو (مسلم)

بعض اور روایات میں بھی یہ مضمون تھوڑے بہت فرق کے ساتھ آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٧١٥ "١٠" كتاب الاقضية، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهى عن منع وهات، وهو الامتناع من أداء حق لزمه، أو طلب ما لا يستحقه.

[2] عن أبى هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال " :آمركم بثلاث، وأنهاكم عن ثلاث :آمركم أن تعبدوا الله، ولا تشركوا به شيئا، وتعتصموا بحبل الله جميعا، ولا تتفرقوا، وتطيعوا لمن ولاه الله أمركم، وأنهاكم عن قيل وقال، وكثرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ سوال اور اس سے بڑھ کر لایعنی سوال اور قیل وقال یعنی فضول بحث ومباحثہ سے اللہ راضی نہیں ہوتا، بلکہ اس کو ناپسند فرماتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ وسوسوں کی خاطر اس طرح کی حرکات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انہیں اس طرزِ عمل سے پرہیز کرنا چاہیے، اور اپنے قیمتی اوقات کو کار آمد کاموں اور باتوں میں مشغول کر کے دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرنی چاہیے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ جب گندے خیالات اور بُرے وسوسے آئیں تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے اور

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السؤال، وإضاعة المال"(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۵۶۰)

فی حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :إن الله كره لكم ثلاثا، ورضى لكم ثلاثا :رضى لكم أن تعبدوه، ولا تشركوا به شيئا، وأن تعتصموا بحبل الله جميعا، وأن تنصحوا لولاة الأمر، وكره لكم قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السؤال (مسند أحمد، رقم الحديث ۸۳۳۴)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[1] (وكره لكم قيل) كذا (وقال) فلان كذا مما يتحدث به من فضول الكلام فهما إما مصدران أتى بهما للتأكيد وحذف التنوين لإرادة المضاف إليه المحذوف أى كره لكم قيل وقال ما لا فائدة فيه أو ماضيان ونبه به على وجوب تجنب التبرع بنقل الأخبار لما فيه من هتك الأستار وكشف الأسرار وذلك ليس من دأب الأخيار ومن حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه والله سبحانه ستار والستر لا يحصل مع كثرة نقل الأخبار ودل على إرادة النهى عن الإكثار عطفه قال على قيل وهو من حسن الاعتبار والقول بأن المراد الأقوال الواقعة فى الدين كأن تقول قال أهل السنة كذا والحكماء ولا يبين الأقوى أو بقيل الجواب وقال الابتداء بعيد ويخص من هذا النقل لضرورة أو حاجة سيما إذا كان عن ثقة (وكثرة السؤال) عن أحوال الناس أو عن ما لا يعنى فربما كره المسؤول الجواب فيؤدى لسكوته فيجر للحقد والضغائن أو يلجئه إلى الكذب قالوا ومنه أين كنت أو المراد السؤال عن المسائل العلمية امتحانا وإظهارا للمراء وادعاء وفخرا ولا يحمل على سؤال الناس من أموالهم لكراهته وإن قل (وإضاعة المال) صرفه فى غير حله وبذله فى غير وجهه المأذون فيه شرعا أو تعريضه للفساد والله لا يحب المفسدين أو السرف فى إنفاقه بالتوسع فى لذيذ المطاعم والمشارب ونفيس الملابس والمراكب وتمويه السقوف ونحو ذلك لما ينشأ عنه من غلظ الطبع وقسوة القلب المبعدة عن الرب أما فى طاعة فعبادة وقد نهى سبحانه عن التبذير وأرشد إلى حسن التدبير (ولا تجعل يدك مغلولة إلى عنقك) ولا يخفى ما فى هذا الحديث من المحسنات اللفظية باعتبار نسجها على أحسن منوال وكثرة معانيها مع ما فى اللفظ من الإقلال (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۷۲۶)

www.idaraghufran.org

اپنے ارادہ سے ان کے بارے میں منفی یا مثبت رائے قائم کرکے کوئی تدبیر نہ کی جائے، اور ان میں کھود کرید نہ کی جائے، اور ان کے متعلق سوالات اور چہ میگوئیاں بھی نہ کی جائیں، بلکہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے کام میں اپنے آپ کو مصروف و مشغول رکھا جائے، کیونکہ اگر اِن خیالات اور وسوسوں کو اچھا سمجھا گیا تو بھی نقصان ہے اور برا سمجھ کر ان کو ہٹانے اور دور کرنے کی کوشش کی گئی تو بھی نقصان ہے۔

گندے خیالات اور برے وسوسوں کی مثال بجلی کے کرنٹ کی طرح ہے کہ اگر کہیں راستے میں بجلی کے کرنٹ والی تار پڑی ہو تو اس کو ہٹانے کے لئے ہاتھ پاؤں لگانا بھی نقصان دہ ہے اور اس کے اوپر سے پاؤں رکھ کر گزرنا بھی نقصان دہ ہے، اس کا اصل حل یہی ہے کہ انسان کسی اور طرف سے گزر کر جائے۔

لہٰذا اصل طریقہ یہ ہے کہ نہ تو اپنے اختیار سے وساوس اور خیالات کو لائے اور خود سے آجائیں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ یہ گندے وسوسے اور برے خیالات نفس و شیطان کی جانب سے ہیں، جو کہ انسان کے دشمن ہیں اور دشمن کو نہ تو خود منہ لگنا چاہئے اور نہ ہی دشمن کو منہ لگانا چاہئے۔

ساری خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان ان خیالات اور وساوس کی طرف اپنی توجہ کرلیتا ہے، جبکہ دل ودماغ میں اچھے خیالات بھی آتے رہیں گے اور برے بھی، کیونکہ یہ سرکاری سڑک اور راستہ ہے جس سے مؤمن و کافر، متقی و نیک اور فاسق و فاجر اور امیر وغریب، کالے، گورے، شہری و دیہاتی ہر ایک کا گزر ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وساوس کی طرف التفات (توجہ) نہ کریں، نہ جلباً، نہ سلباً (یعنی نہ لانے کے لئے نہ بھگانے کے لئے) کیونکہ (وسوسوں کی طرف) التفات (توجہ کرنا) ایسا ہے جیسے بجلی کے تار کو ہاتھ لگانا، چاہے دفع (دور کرنے) کے واسطے ہو یا اپنی طرف کھینچنے کے لئے، ہر صورت میں وہ پکڑ لیتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ وساوس کی طرف فکر کیوں؟ اگر سڑک پر چمار بھنگی بھی چل رہے ہیں اور آپ بھی گزر رہے ہیں تو آپ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب گندے خیالات اور برے وسوسے آئیں اس وقت انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے اور ان خیالوں اور وسوسوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو، مثل مشہور ہے کہ ’’کتا بھونک رہا ہے اور گاڑی چل رہی ہے‘‘ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کتا بھونک رہا ہو اور کوئی شخص گاڑی میں سفر کر رہا ہو تو اسے چاہئے کہ کتے کو اپنے بھونکنے کا کام کرنے دے اور خود سفر جاری رکھے، نہ تو کتے کو بھونکنے سے روکے اور نہ خود وہاں رکے، بلکہ اپنے کام سے کام رکھے، کیونکہ کتے کو بھونکنے سے روکنے یا کتے کے پاس رکنے میں کتا اور زیادہ بھونکتا اور لپٹتا ہے، اور درحقیقت خیالات اور وساوس کو اگر کوئی ہٹانا چاہے تو یہ بھی دراصل ان کی طرف متوجہ ہونا ہی ہے، کیونکہ ان کو ہٹانے کے لئے بھی ان کو سوچنا اور ان کی طرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔

ے انہیں بھولنے کی ہے بے سود کوشش اُنہیں بھولنا ہے اُنہیں یاد کرنا

یاد رکھئے! کہ سوتے ہوئے خوابوں اور جاگتے ہوئے خیالوں پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا، لہٰذا ان پر کامیابی اور ناکامی کا دارومدار نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ یہ دراصل احوال ہیں، اعمال نہیں اور کامیابی کا دارومدار احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔

احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ گندے خیالوں اور برے وسوسوں کا آنا جبکہ ان کو غلط اور برا بھی سمجھا جائے صاف اور واضح ایمان ہونے کی نشانی ہے۔

اور جب خود بخود گندے وسوسوں کا آنا اور ان کو برا سمجھنا ایمان کی واضح نشانی ہے تو وسوسوں

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

کا کیا حرج ہے اگر سڑک خالی ہونے کی فکر میں کھڑے رہے تو کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے‘‘ (کمالاتِ اشرفیہ ص ۴۰۹)

اگر سارے جہاں کے خطرات (اور وسوسے) ہمارے قلب (دل) میں رہیں مگر ان کے اقتضاء (تقاضے) پر عمل نہ ہو نیز وہ ہمارے لائے ہوئے نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ............ یہ صوفی چاہتے ہیں کہ تمام سڑکیں صاف ہو جائیں جب ہم چلیں۔

باقی ہم غریب لوگ تو غریب آدمی بھنگی چماروں سب میں ملے جلے جارہے ہیں مگر گاڑی کے وقت ان شاء اللہ اسٹیشن پر سب ایک ہی جگہ جمع ہونگے (الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۳۳۷)

**کو بار بار سوچنا، ان کی بال میں سے کھال نکالنا، اور پھر مختلف زاویوں سے ان کے بارے میں رائے قائم کرنا اور ان کے بارے میں بار بار سوال کرنا بہت خطرناک معاملہ ہے، کیونکہ اس طرح کے وسوسوں میں کھود کرید اور سوالات کرنا بھی ایک طرح سے وسوسوں پر عمل کرنا ہے، جو دین سے دُوری، دماغ میں فتور و بگاڑ کا باعث ہے۔ ؎۱**

---

؎۱ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے اور وسوسہ اور خیالات کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے، بڑے بڑے خیالات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض (و پریشان) ہو، اُلجھے، بزرگوں ہی کو آتے ہیں، فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے، اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیبِ قلب (یعنی دل کی بیماری کے روحانی معالج) کی صحبت نہیں نصیب ہوئی، اگر کوئی جاننے والا مل جاتا تو کہہ دیتا کہ اگر وسوسے آتے ہیں تو آنے دو، کچھ پرواہ نہ کرو، قلب (دل) کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے، اس پر حاکم، رئیس اور ادنیٰ چمار دونوں گزرتے چلے جاتے ہیں۔ بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں درمیاں شاں برزخ لا یبغیاں

بحرِ تلخ اور بحرِ شیریں (کڑوے اور میٹھے پانی کے دریا) دونوں برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مختلط، اور مشتبہ (یعنی باہم ملنے جُلنے) نہیں ہونے پاتے۔

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے، کتا بھونکا کرے اور التفات (خیال) نہ کیا جائے تو آپ (اور خود بخود ہی) چپ ہو جاتا ہے، اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے تو اور زیادہ غصہ کر کر کے بھونکتا ہے، اسی طرح وساوسِ شیطانی کی طرف التفات (توجہ) ہی نہ کرے، کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے، اور اس کا خیال رکھتا ہے، اس کے سامنے آ موجود ہوتا ہے، وسوسے پر جو غمگین ہوگا، وہ سخت پریشان ہوگا، بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہئے، کہ الحمدللہ دولتِ ایمان موجود ہے، اگر آدمی میں قوت، توکل اور اعتماد علی اللہ (اللہ پر بھروسہ) کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں قصداً خیال کا لانا بے شک منافیٔ خشوع اور حضورِ قلب کے ہے (یعنی اپنے اختیار سے غلط خیال لانا خشوع اور دل کی یکسوئی کے خلاف ہے) اب اس تقریر سے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ خشوع اور حضورِ قلب (دل کو حاضر کرنا) اختیاری ہے، اور نہایت آسان ہے، لیکن تاہم جب تک طریق نہ معلوم ہو اور اس پر عمل نہ کیا جاوے کامیابی نہیں ہو سکتی، کپڑا سینا آسان ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ کیسے کپڑا سیتے ہیں، لیکن سینا جب ہی آ سکتا ہے کہ کسی درزی سے طریق سیکھا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، اسی طرح حضورِ قلب (دل کی حاضری) کا حال ہے، اُس طریقے کا سمجھنا ایک مقدمہ (اور قاعدہ) پر موقوف ہے (وہ یہ ہے کہ) یہ مسئلہ عقلی ہے کہ:

"اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَّاحِدٍ"

(نفس ایک آن میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال پریشان کن خیالات اور گندے وساوس کے نقصانات سے بچنے کا آسان حل یہی ہے کہ ان کی طرف دھیان نہ دیا جائے اور ان کو سوچا نہ جائے اور پہلے سے ذہن میں ان کا خوف اور ڈر نہ بٹھایا جائے کہ کہیں وسوسہ نہ آجائے، کیونکہ اگر انسان اپنے اوپر بے جا کسی چیز کا خوف مسلط کرلیتا ہے تو وہ چیز انسان کے اوپر اثر انداز ہوجایا کرتی ہے اور پھر ترقی کر کے وہم اور مالیخولیا بن جاتا ہے۔

اور وسوسوں میں کھود کرید کرنے اور ان کے متعلق مختلف زاویوں سے رائے قائم کرنے اور دوسروں سے سوالات کرنے سے بھی یہی حال ہوتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یعنی پوری توجہ ایک ہی چیز کی طرف ہوا کرتی ہے، ایک آن (ایک وقت) میں اگر دو چیزیں خیال میں ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ دونوں میں سے کسی کی طرف بھی پوری توجہ نہیں، یا دو چیزیں نظر آتی ہوں تو توجہ کامل (یعنی پوری توجہ) دونوں میں سے کسی کی طرف بھی نہیں جس چیز کو آدمی گھورتا ہے اسی کی طرف دیکھنے میں توجہ ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ طریقہ یہی ہے کہ ایک خیال رکھے تو دوسرے خیالات خود دفع ہوجائیں گے اور کوئی خیال نہ آئے گا کیونکہ اگر یہ کوشش کی جاوے کہ ایک ایک کر کے خیالات دفع (وُدور) کیے جاویں تو سخت دشواری پیش آئے گی اور دفع (وُدور) ہوجانا ناممکن ہوجائے گا، کیونکہ اول تو دیکھی ہوئی چیزیں انسان کی بکثرت ہیں۔ پھر علاوہ اس کے انسانی قوتِ متفکرہ یا متخیلہ (یعنی فکر وخیال کرنے والی قوت) ان کو ترکیب دے دے کر بے تعداد فرضی صورتیں اختراع (یعنی گھڑا) کیا کرتی ہے۔ مثلاً آپ نے دوسر کا آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا لیکن یہ قوتِ متفکرہ (انسان کی فکری قوت) ایک دھڑ اور دوسر کو جوڑ کر خیالی صورت بنا کر سامنے کھڑا کر دیتی ہے اور انسان کو معلوم ہونے لگتا ہے کہ دوسر کا آدمی ایسا ہوسکتا ہے۔

بہر حال ایک ایک خیال کو دفع کرنا بہت دشوار اور بڑی ہی مصیبت ہے، کبھی بھول کر بھی خیالات دفع کرنے کے پیچھے مت پڑو، پس اس کا طریقہ یہی ہے کہ کسی نیک چیز کی طرف دھیان لگا دو، اس دھیان کے باندھتے ہی سارے خیالات خود بخود ہٹ جائیں گے، بعض سالکین (دین کے راستے پر چلنے والوں) نے ناواقفی کے باعث ہجومِ وساوس (وسوسوں کی بھرمار) سے پریشان ہوکر خودکشی کرلی ہے، یہ کیوں؟

اس لیے کہ یا تو ان کو شیخ (صحیح رہبر) نہیں ملا، یا شیخ کی تعلیم کی قدر نہیں کی (وعظ حقیقتِ احسان صفحہ ۲۱ تا ۲۴، خطبات حکیم الامت جلد ۲۹، صفحہ ۳۸۶)

(فصل نمبر ۹)

# وسوسوں سے جنون ومایوسی کا پیدا ہونا

اگر کوئی شخص وسوسوں کے آنے پر مذکورہ تفصیل کے مطابق عمل نہ کرے، اور وہ وسوسوں کی طرف متوجہ ہوا کرے، ان میں کھود کرید کیا کرے، ان کو بار بار سوچا کرے، اور ان کے متعلق بار بار سوالات کیا کرے، تو یہ اس کے لئے جنون، پاگل پن ومالیخولیا کا ذریعہ اور اللہ سے اپنی مغفرت اور اپنی اصلاح سے مایوسی کا سبب بن جاتا ہے۔

آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## شیطانی وسوسوں سے پناہ کا حکم جو کہ جنون کا سبب ہیں

سورہ مؤمنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۹۷)

ترجمہ: اور آپ کہئے کہ اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں (سورہ مؤمنون)

اس آیت میں شیطان کے وسوسوں کے لئے ''ہمزات'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور احادیث میں شیطانی ہمزات یا وسوسوں کو جنون و پاگل پن کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، وَهَمْزِهٖ، وَنَفْخِهٖ، وَنَفْثِهٖ قَالَ: هَمْزُهٗ: اَلْمُوْتَةُ، وَنَفْثُهٗ: اَلشِّعْرُ، وَنَفْخُهٗ: اَلْکِبْرُ (سنن ابن ماجه) [1]

---

[1] رقم الحديث ۸۰۸، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب الاستعاذة فى الصلاة، مسند احمد، رقم الحديث ۳۸۲۸، مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ۵۳۸۰.

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد محتمل للتحسين.

وقال حسين سليم أسد: رجاله ثقات (حاشية ابى يعلىٰ)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کے ذریعے سے شیطانِ رجیم سے پناہ چاہتا ہوں، اس کے وسوسہ سے اور اس کی پھونک (یعنی ہوا) سے اور اس کی جھاڑ پھونک سے۔

(پھر) فرمایا کہ شیطان کا وسوسہ تو جنون ہے اور شیطان کی جھاڑ پھونک، شعر وشاعری ہے اور شیطان کی پھونک (یعنی ہوا) کبر ہے (ابن ماجہ)

اس قسم کی احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو سعید خدری، اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [۱]

معلوم ہوا کہ شیطان، وسوسہ کے ذریعہ سے انسان کو جنون و پاگل پن تک پہنچا دیتا ہے، جس کو

---

[۱] عن عائشة ،كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :تعوذوا بالله من الشيطان الرجيم، من همزه ونفخه ونفثه "قالوا :يا رسول الله، وما همزه ونفخه ونفثه؟ قال " :أما همزه، فهذه الموتة التى تأخذ بنى آدم، وأما نفخه فالكبر، وأما نفثه فالشعر (مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۲۲۷)

فى حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

عن نافع بن جبير بن مطعم، عن أبيه، قال :سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول فى التطوع " :الله أكبر كبيرا -ثلاث مرار -والحمد لله كثيرا -ثلاث مرار -وسبحان الله بكرة وأصيلا -ثلاث مرار -اللهم إنى أعوذ بك من الشيطان الرجيم، من همزه ونفثه ونفخه "قلت :يا رسول الله، ما همزه ونفثه ونفخه؟ قال " :أما همزه فالموتة التى تأخذ ابن آدم، وأما نفخه الكبر، ونفثه الشعر (مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۷۳۹)

فى حاشية مسند احمد: حديث حسن لغيره.

عن أبى سعيد الخدرى، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة بالليل كبر، ثم يقول :سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك، ثم يقول :الله أكبر كبيرا، ثم يقول :أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم، من همزه ونفخه ونفثه، :وفى الباب عن على، وعائشة، وعبد الله بن مسعود، وجابر، وجبير بن مطعم، وابن عمر، وحديث أبى سعيد أشهر حديث فى هذا الباب، وقد أخذ قوم من أهل العلم بهذا الحديث وأما أكثر أهل العلم، فقالوا :إنما يروى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول :سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك وهكذا روى عن عمر بن الخطاب، وعبد الله بن مسعود والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من التابعين، وغيرهم وقد تكلم فى إسناد حديث أبى سعيد، كان يحيى بن سعيد يتكلم فى على بن على الرفاعى"، وقال أحمد :لا يصح هذا الحديث (سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۴۲)

آج کل کی زبان میں ''مالیخولیا'' کہا جاتا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

## رنج وغم اور حادثہ کے وقت وسوسوں کا غلبہ اور مالیخولیا

خاص طور پر جب کوئی رنج وغم کا حادثہ پیش آجائے، اس وقت شیطان کو وسوسوں کے ذریعہ سے جنون اور پاگل پنے یا مالیخولیا میں مبتلا کرنے کا زیادہ بہتر موقع میسر آتا ہے، کیونکہ اس وقت انسان کے دل ودماغ پر ایک طرح سے اس کا اختیار اور تسلط کمزور پڑ جاتا ہے، ایسی حالت میں شیطان کا دل ودماغ کو وسوسوں کے ذریعہ سے متاثر کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِنُوا عَلَيْهِ، حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ، قَالَ عُثْمَانُ: وَكُنْتُ مِنْهُمْ، فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِي ظِلِّ أُطُمٍ مِنَ الْآطَامِ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ، فَلَمْ أَشْعُرْ أَنَّهُ مَرَّ وَلَا سَلَّمَ، فَانْطَلَقَ عُمَرُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ لَهُ: مَا يُعْجِبُكَ أَنِّي مَرَرْتُ عَلٰى عُثْمَانَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ**

---

[1] قوله " :وهمزه الموتة "بضم الميم، وسكون الواو، وفتح التاء المثناة من فوق :وهى الجنون، وسماه همزا لأنه جعل من النخس والغمز، ومعدل عنه وإلا فالأشبه أن همزه ما يوسوس به قال الله تعالى :(وقل رب أعوذ بك من همزات الشياطين)وهمزاته خطراته التى يخطرها بقلب الإنسان، وهى جمع المرة من الهمز(شرح ابو داود للعينى، ج۳، ص ۳۷۲، باب :ما يستفتح به الصلاة من الدعاء )

(أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، من نفخه) : بدل اشتمال أى :من كبره المؤدى إلى كفره (ونفثه)، أى :سحره (وهمزه) ، أى :وسوسته، قال الطيبى :النفخ كناية عن الكبر، كان الشيطان ينفخ فيه بالوسوسة فيعظمه فى عينه ويحقر الناس عنده، والنفث عبارة عن الشعر؛ لأنه ينفثه الإنسان من فيه كالرقية اهـ، وقيل " :من نفخه "، أى :تكبره يعنى :مما يأمر الناس به من التكبر، "ونفثه "مما يأمر الناس بإنشاء الشعر المذموم مما فيه هجر مسلم أو كفر أو فسق، "وهمزه "، أى :من جعله أحدا مجنونا بنخسه وغمزه(مرقاة المفاتيح، ج۲، ص ۳۷۹، باب ما يقرأ بعد التكبير)

**السَّلامَ؟ وَأَقْبَلَ هُوَ وَأَبُوْبَكْرٍ فِيْ وِلايَةِ أَبِيْ بَكْرٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا، ثُمَّ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ : جَاءَ نِيْ أَخُوْكَ عُمَرُ، فَذَكَرَ أَنَّهُ مَرَّ عَلَيْكَ، فَسَلَّمَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلامَ، فَمَا الَّذِيْ حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ قَالَ : قُلْتُ: مَا فَعَلْتُ، فَقَالَ عُمَرُ : بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ، وَلٰكِنَّهَا عُبِّيَّتُكُمْ يَا بَنِيْ أُمَيَّةَ، قَالَ : قُلْتُ: وَاللّٰهِ مَاشَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ بِيْ، وَلَا سَلَّمْتَ** (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بہت سے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بہت غمگین ہوئے، یہاں تک کہ بعضوں کو مختلف وسوسے آنے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی انہیں (بہت زیادہ غمگین اور مختلف وسوسوں میں مبتلا ہونے والے) لوگوں میں سے تھا، اس دوران کہ میں اونچے مکانوں میں سے ایک مکان کے سائے میں بیٹھا تھا کہ میرے قریب سے عمر رضی اللہ عنہ گزرے، انہوں نے مجھے سلام کیا، تو مجھے ان کے گزرنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور ان سے جا کر کہا کہ آپ کو یہ بات تعجب خیز محسوس ہوگی، کہ میں عثمان کے قریب سے گزرا، اور میں نے انہیں سلام کیا، مگر انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا (اس واقعہ کے بعد) حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے، اور ان دونوں نے مجھے سلام کیا، پھر حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ آپ کے بھائی (یعنی) عمر میرے پاس آئے ہیں، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ آپ کے پاس سے گزرے، اور سلام کیا، اور آپ

---

[1] رقم الحديث ۲۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فی حاشية مسند احمد: المرفوع منه صحيح بشواهده ، رجاله ثقات رجال الشيخين غير الرجل الذى روى عنه الزهرى ، ووصف الزهرى له بأنه من أهل الفقه.

نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر نے فرمایا کہ اللہ کی قسم آپ نے ایسا کیا ہے، لیکن یہ تمہارا حصہ ہے، اے بنوامیہ (یعنی تمہیں میرے آنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا) حضرت عثمان نے فرمایا کہ اللہ کی قسم مجھے آپ کے قریب سے گزرنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا (مسند احمد)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رنج وغم وغیرہ کا حادثہ وسانحہ پیش آنے پر بعض اوقات انسان پر وسوسوں کا غلبہ ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات ہوش وحواس بھی متاثر ہوجاتے ہیں، اور بعض اوقات عبادت وغیرہ میں بھی خلل واقع ہوجاتا ہے۔

اسی وجہ سے بہت سے ماہرین نے مالیخولیا کی بیماری کومزاجی اضطرابات یعنی مزاج میں پیدا ہونے والے اضطرابات (Mood disorders) میں شمار کیا ہے۔

اور موجودہ علمِ نفسیات میں مالیخولیا کو کبیرا کتنابی اضطرابات (Major depressive disorder) میں شمار کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بلاقصد تو وسوسۂ زنا کیا کفر وشرک کے وساوس بھی مضر نہیں پس وساوسِ غیراختیاریہ (یعنی غیراختیاری وسوسوں) سے بالکل مطمئن رہو، واللہ ان سے کچھ بھی ضرر (ونقصان) نہیں ہوتا۔

میں اس مسئلہ کو تاکید وتوضیح (اور وضاحت) کے ساتھ اس لئے بیان کررہا ہوں کہ بہت لوگ اس کے نہ جاننے کی وجہ سے پریشانی اور وہم میں مبتلا ہیں اور اس میں عوام کو زیادہ ابتلاء نہیں، زیادہ وساوس کے وہم میں آپ اتقیاء (متقیوں) کو مبتلاء دیکھیں گے، کیونکہ شیطان اپنے وقت کو خراب نہیں کرتا، وہ بڑا جنٹلمین ہے کہ وہ بے ضابطہ اپنے وقت کو فضول ضائع نہیں کرتا بلکہ ضابطہ سے کام کرتا ہے، تو جن سے وہ گناہ بھی آسانی سے کراسکتا ہے ان کو وہ وسوسے کیوں ڈالے، اور خوانخواہ القائے وساوس (وساوس کے ڈالنے) میں اپنا وقت کیوں برباد کرے، ہاں جن سے گناہ بلاواسطہ نہیں کراسکتا اور وہ یہ اتقیاء (متقی اور پرہیزگار) ہیں ان سے اگر وہ (شیطان) زنا یا چوری کرانا چاہے تو جانتا ہے کہ وہ فوراً اس سے متوحش (وپریشان) ہوں گے اور کبھی اس فعل پر جرأت نہ کریں گے ان کو وہ عبادت کے وقت وساوس میں مبتلا کرتا اور اس طرح پریشان کرتا ہے، تاکہ وساوس سے گھبرا کر یہ عبادات کو ترک کردیں چنانچہ بہت سے اتقیاء (متقیوں) کو اس نے وساوس کے چکر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# وسوسوں سے وہم (Illusion) اور مالیخولیا (Melancholia) ہو جانا

طبی اعتبار سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ وسوسہ درحقیقت، وہم (Illusion) مالیخولیا (Melancholia) اور جنون (Madness) وغیرہ کا سبب بن جاتا ہے، خاص طور پر جب کوئی شخص وسوسوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور ان وسوسوں کی اُدھیڑ بُن میں اپنے دماغ کو ایک مدت تک اُلجھائے رکھتا ہے تو پھر یہ ''وہم'' کی بیماری کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور وہم کی صورت میں غلط چیز کا ذہن پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ [1]

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

میں ڈال کر عبادات وذکر سے معطل کر دیا کیونکہ ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ویسے بیٹھے رہیں تو ایک وسوسہ بھی پاس نہیں آتا اور جہاں نماز وذکر میں مشغول ہوئے معاً (فوراً) وساوس کفر وشرک ومعاصی (گناہوں) کے آنا شروع ہوئے۔

پھر چونکہ وہ محقق نہ تھے اس لئے گھبرا گئے، اور نماز وذکر کو چھوڑ بیٹھے اور شیطان اپنے مقصود میں کامیاب ہوگیا، مگر جو محقق ہیں وہ اس سے نہیں گھبراتے کیونکہ ان کی نظر قرآن وحدیث پر ہے اور عمل بالقرآن (قرآن پر عمل کرنا) ان کی طبیعتِ ثانیہ ہوگئی ہے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان کا ظہور ہے کَانَ خُلُقُہٗ اَلْقُرآن وہ تو وساوس آنے کے وقت کہتے ہیں اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ کہ خدا کا شکر ہے کہ دشمن کی سب چالیں ختم ہو کر وسوسہ ہی پر رہ گئیں وہ ان وساوس سے نہیں گھبراتا بلکہ شیطان سے کہتا ہے کہ آ جتنے وسوسے ڈال سکے ڈال دے، میرا کچھ ضرر (اور نقصان) نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسہ سے خوش ہونا چاہئے تاکہ شیطان تمہاری خوشی کو دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کے لئے وسوسہ ڈالتا ہے، پھر جب دیکھے گا کہ اس کو تو الٹی خوشی ہے بھاگ جائے گا۔

لیکن میں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ وساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے وساوس دفع ہو جائیں گے کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفعِ وساوس (یعنی وسوسے دور اور ختم کرنے) کے لئے تدبیر کر رہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا۔

بس اس کا تو سہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی پرواہ ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے (وعظ الرغبۃ المرغوبۃ والطلبۃ المطلوبۃ ص ۴۳)

[1] الوھم من خطرات القلب والجمع اوھام وللقلب وھم وتوھم الشیٔ تخیله وتمثله کان فی الوجود أو لم یکن وقال توھمت الشیٔ وتفرستُه وتوسمته وتبینته معنی واحد (لسان العرب، ج ۱۲، ص ۶۴۳، باب وھم)

اور وہم بڑھتے بڑھتے مالیخولیا بن جاتا ہے۔ ۱؎

یہ وہم کی بیماری بھی ایسی خبیث ہے کہ ''اللہ معاف کرے'' بعض اوقات اس کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی ہی اجیرن ہوجاتی ہے، وہم کے بارے میں تو کہاوت مشہور ہے کہ:

''وہم کی دوا تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں ہے''

جس کا مطلب یہ ہے کہ وہم ایسی چیز ہے کہ اس کی دوا بڑے بڑے حکیموں سے ملنا بھی ممکن نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوا تو بیماری کے لئے ہوا کرتی ہے اور وہم بنیادی طور پر کوئی بیماری نہیں ہے، اس لئے اس کی دوا ملنا بھی ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ صحت مندی اور تندرستی کو بیماری سمجھنے کی کوئی دوا نہیں ہوا کرتی، اس کا علاج تو یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی سوچ کی اصلاح کرے اور اپنے ذہن کے زاویہ کو تبدیل کرے اور اپنے دماغ میں بیٹھی ہوئی غلط سوچ سے اپنے آپ کو بچائے۔

اس بات کو ہمارے بچپن کے ایک واقعہ سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ:

بچپن میں جس جگہ کمرے میں چارپائی پر ہم سوتے تھے وہ جگہ دیوار کے بالکل قریب تھی اور دیوار بھی کچھ ہموار نہیں تھی، کچھ سفیدی بھی جگہ جگہ سے اتری ہوئی تھی، رات کو جب ہم سونے کے لئے لیٹتے تو روزانہ اس دیوار کو دیر تک غور سے دیکھتے رہتے، اور اپنے ذہن اور خیالات میں دیوار پر اُبھرے اور پڑے ہوئے نشانات کے بارے میں مختلف زاویوں سے تصورات قائم کرتے رہتے کہ یہ انسان ہے، یہ بچہ ہے، یہ کتا ہے، اور یہ بلی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح ہمارے ذہن پر ان چیزوں کے بارے میں ایک نقش قائم ہوگیا تھا، جو روزانہ وہاں لیٹتے ہی ذہن میں تازہ ہوجاتا تھا، لیکن کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ جس وقت ذہن میں بیٹھے ہوئے پرانے تصورات سے توجہ ہٹی ہوئی ہوتی اور ان نقوش

---

۱؎ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
''وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہوجاتا ہے'' (وعظ دستور سہارنپور ص ۲۳)

Idara Ghufran

کے بارے میں پوری تفصیل یاد نہ ہوتی تو بڑی مشکل سے تانے بانے جوڑ کر کسی طرح اس پہلے تصور اور زاویہ کی بحالی ہوتی اوراس کے باوجود بھی تمام شقوں اورکوائف کے جمع ہونے میں دشواری پیش آتی۔

وقت گزرتا گیا، جب کچھ سمجھداری پیدا ہوگئی تو سارا گورکھ دھندا سمجھ آ گیا اور گویا کہ آج کل کی زبان میں ڈراپ سین ہوگیا، اب یہ بات سمجھ آئی کہ یہ سب کچھ وہمیاتی اور نفسیاتی چکر تھا اور حقیقت میں نہ کوئی انسان تھا نہ کوئی بچہ اور نہ کوئی جانور، گویا کہ:

''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا''

والی بات تھی۔

اسی طرح آج بھی بعض لوگ کبھی چاند میں، کبھی کسی کپڑے وغیرہ میں بیٹھے بیٹھے مختلف تخیلات وتصورات قائم کرلیتے ہیں، اور پھر لوگوں میں اس کی تشہیر وتبلیغ کردیتے ہیں کہ چاند میں یا فلاں چیز میں فلاں تصویر ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر وسوسوں کی طرف توجہ کی جائے اوران کو اہمیت دی جائے تو سوچ فرضی چیزوں کو گھڑ لیتی ہے، اور اگر اس غلط سوچ کی اصلاح نہ ہو، تو انسان وہمی دنیا میں چلا جاتا ہے اور حقیقی دنیا سے کنارہ کش ہوجاتا ہے، جیسا کہ آنے والے واقعات سے بھی معلوم ہوگا۔

اور بالآخر وسوسہ ترقی کرکے وہم اور وہم ترقی کرکے مالیخولیا (Melancholia) کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ [1]

---

[1] اطباء نے اس مرض کا اصل نام ''مالن خولیا'' قرار دیا ہے، جس میں لام کے بعد ''یا'' کے بجائے ''نون'' ہے؛ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح اسباب جلد اول صفحہ ۹۷؛ تالیف: علامہ حکیم کبیر الدین صاحب۔

مگر ہماری بول چال میں یہ بیماری کیونکہ مالیخولیا کے نام سے مشہور ہے، اس لیے ہم نے اپنے مضمون میں اسی تلفظ کو اختیار کیا ہے۔

www.idaraghufran.org

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مالیخولیا کی ابتداء وسوسہ سے ہوتی ہے، اور وسوسہ کی شدت یا بہتات مالیخولیا میں مبتلا کر دیتی ہے، اسی کو احادیث میں جنون سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مالیخولیا بنیادی طور پر ایک دماغی مرض ہے، جس میں وہم کی بہتات ہوتی ہے، مریض کا گمان اور اُس کی سوچ وفکر بگڑ جاتی ہے۔

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم مالیخولیا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس بیماری کا مریض انسانیت کا شرف کھو بیٹھتا ہے اور دین ودنیا کے کام کا نہیں رہتا، عقل سے بے بہرہ اور سمجھ سے عاری ہو جاتا ہے۔

یہ مرض شروع میں علاج پذیر ہو سکتا ہے، پُرانا ہونے پر اس کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے'' (حاذق ص ۴۶، ۴۷)

اس بیماری کے نتیجہ میں بعض اوقات مریض خود اعتمادی وقوتِ اعتمادی بلکہ قوتِ ارادی کی دولت کھو بیٹھتا ہے، اسے نہ اپنے اوپر اعتماد و یقین رہتا، اور نہ ہی کسی دوسرے پر، ایسی حالت میں اگر دنیا جہان کے سارے انسان اسے بیک زبان ہو کر اس کی سوچ کے خلاف بات کہیں تو وہ سب کو جھوٹا اور غلط تصور کرتا ہے۔

کیونکہ اس کا تخیل اکثر و بیشتر حقیقت اور واقعہ کے بجائے خیالی اور غیر واقعی پہلو کا انتخاب کرتا ہے، جو شخص اس کی سوچ کے خلاف اس کے ساتھ پیش آئے اس کو وہ غلط سمجھتا ہے، اور بالآخر وہ اپنے الٹے خیالات کی دنیا کا ماتحت اور تابعدار بن جاتا ہے، حقیقی چیزوں سے اس کی نظر ہٹ جاتی ہے اور وہ وہمی اور خیالی چیزوں کو حقیقی دنیا کا درجہ دینے لگتا ہے۔

مالیخولیا کے مریض کے بارے میں عام طور پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جاتی ہے کہ اس پر کوئی جن، بھوت پریت چڑھ گیا ہے یا کسی نے جادو وغیرہ کرا دیا ہے، حالانکہ بنیادی طور پر یہ ایک دماغی خرابی ہوتی ہے، اور درحقیقت اس کا علاج دوائیوں سے زیادہ نفسیات یعنی خیالات کی اصلاح سے ہونا چاہئے۔

www.idaraghufran.org

وہم اور مالیخولیا کا نفسیاتی علاج بہت مؤثر ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ اطباء کے نزدیک قوتِ نفسانیہ کا مَسکَن اور مَصدَر دماغ ہے (ملاحظہ ہو: کلیاتِ قانون لابن سینا صفحہ ۶۹؛ ترجمہ وتشریح علامہ کبیر الدین صاحب) [1]

وہمی اور مالیخولیا کے بہت سے مریض کسی حکیم یا ڈاکٹر کی دوا، اور کسی کے ہاتھ سے دی ہوئی غذا نہیں کھاتے۔

اُنہیں وَہم ہوتا ہے کہ جو غذا یا دوا اُنہیں دی جارہی ہے، وہ اُن کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

وہمی اور مالیخولیا والے لوگ بعض اوقات کسی کے کہنے سُننے سے معالج کے پاس چلے جاتے ہیں، لیکن واپس آ کر دوا رَکھ دیتے ہیں اور استعمال نہیں کرتے اور خیال کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ معالج کو میری بیماری سمجھ نہ آئی ہو اور مجھے اس سے نقصان نہ ہو جائے۔

ایسے مریض کا علاج وہ معالج ہی کرسکتا ہے جو اس کی نفسیات کو سمجھ لے اور اس مریض کو اپنے اعتماد میں لے لے اور اُس کے ذہن میں اپنا ہمدرد اور دُکھ درد کا ساتھی ہونا بٹھادے (ملاحظہ ہو: کلیات قانون مفردِ اعضاء، مصنفہ: حکیم محمد شریف صاحب، صفحہ ۲۱۴)

بعض ناواقف معالج ایسے مریض کے لیے صرف دوا تجویز کر دیتے ہیں، اور اس کی نفسیات کو سمجھ کر اور کیفیات کو تبدیل کر کے علاج سے غفلت کرتے ہیں۔

جس سے عموماً مرض دُور نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات شدید ہو جاتا ہے۔

مالیخولیا کے مریض کی علامات واقسام بیان کرتے ہوئے حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

مریض کے افکار، خوف اور فساد میں بدل جاتے ہیں، یعنی وہمی ہو جاتا ہے۔

چہرہ پر زردی یا سیاہی غالب ہو جاتی ہے۔

---

[1] قانون مفردِ اعضاء کی تحقیق کے مطابق حرکت وسکونِ نفسانی یعنی انسانی جذبات کا تعلق دل، جگر اور دماغ سے ہے، اور دل سے لذت ومسرت کے جذبات اور جگر سے غصے وغم کے جذبات، اور دماغ سے ندامت وخوف کے جذبات پیدا ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو: کلیات قانون مفردِ اعضاء صفحہ ۱۸؛ مصنفہ: حکیم محمد شریف صاحب)

آنکھیں گدلی اور بے رونق اور جلد خشک ہو جاتی ہے۔

اور حیران، پریشان رہتا ہے۔

اور ہر ایک چیز سے ڈرتا ہے۔

مقامِ معدہ اور جگر پر بوجھ کی شکایت کرتا ہے۔

قبض ہوتا ہے۔

(۱) اگر خون میں احتراق پیدا ہونے کی وجہ سے ہو تو:

مریض وحشت کے ساتھ فرحاں وخنداں رہتا ہے۔

(۲) اور صفراء میں احتراق ہونے کی وجہ سے ہو تو:

ہمیشہ بدخلق اور غضبناک، بدحواس حیران وپریشان ہوتا ہے، اور بکواس زیادہ کرتا ہے۔ ایسے مریض کو نیند کم آتی ہے۔

(۳) اگر احتراقِ بلغم کی وجہ سے ہو تو:

ہمیشہ مریض سست اور کسلمند ہوتا ہے اور ایک جگہ بیٹھا رہنا پسند کرتا ہے۔

(۴) اور احتراقِ سودا کی وجہ سے ہو تو:

مریض ہمیشہ خوف کرتا ہے اور ڈرتا ہے۔

اور اس پر ہمیشہ افکارِ ردّیہ کا ہجوم رہتا ہے۔

بعض وقت روتا اور گڑگڑاتا ہے (حاذق، صفحہ ۴۷) [1]

---

[1] مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب مرحوم نے اپنے اس مختصر مگر جامع مضمون میں مالیخولیا کی تمام اقسام کی علامات کو بیان فرمادیا ہے۔

اطبائے کرام کی مالیخولیا سے متعلق بیان کردہ مختلف تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ مالیخولیا کی بنیادی طور پر چار قسمیں ہیں:

(۱) مالیخولیا دموی: جو خون کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس صورت میں بے عقلی کے ساتھ ہنسی اور خوشی بھی ہوتی ہے، ایسے مریض کا رنگ گندمی اور روشن،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# وسوسوں کی وجہ سے مایوسی کا پیدا ہو جانا

وسوسوں کے ذریعہ سے جنون اور مالیخولیا کی بیماری بعض اوقات دینی رنگ میں بھی ہوتی ہے، مثلاً نیک عمل کرنے والے شخص کو جب وسوسوں کا آنا ختم نہیں ہوتا، تو وہ اس کے نتیجہ میں بعض اوقات اپنی بخشش ومغفرت اور اصلاح سے مایوس ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کو عبادت میں اخلاص، خشوع ویکسوئی حاصل نہیں، اور پھر وہ اس کے نتیجہ میں طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سُرخ ہوتا ہے، دونوں آنکھیں سُرخ اور رَگیں کشادہ ہوتی ہیں۔

(۲) مالیخولیا صفراوی: جو صفرا کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس صورت میں مالیخولیا کے ساتھ جنون بھی ہوتا ہے، ایسا مریض حیرت اور بے عقلی کا شکار ہوتا ہے، بکواس کرتا، چیختا اور چلّاتا اور بے قرار ہوتا ہے، اور اس کو سکون نہیں ہوتا؛ نیند بھی نہیں آتی، شدید غصہ آتا ہے، مریض کا بدن گرم ہوتا ہے، اور رنگت زَرد ہوتی ہے؛ مریض کی نگاہ غصے کی شدت سے درندوں کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

(۳) مالیخولیا بلغمی: جو بلغم کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایسا مریض سُست وکاہل ہوتا ہے، اور سکون میں ہوتا ہے، اور ایک جگہ بیٹھے رہنا پسند کرتا ہے۔

(۴) مالیخولیا سوداوی: جو طبعی سوداء کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایسے مریض کو سوچ وفکر اور ڈر وخوف زیادہ رہتا ہے، اور ایسا مریض رونے کو پسند کرتا ہے، بُرے خیالات اُبھرتے ہیں، تنہائی کو پسند کرتا ہے، کبھی اپنے آپ کو نعوذ باللہ عالمُ الغیب سمجھ بیٹھتا ہے۔

اور حیران کُن بات یہ ہے کہ ایسے مریض کو اس مرض کے باعث بعض اوقات آئندہ ہونے والے واقعات کے واقع ہونے سے پہلے خبر ہو جاتی ہے۔ ایسے بعض مریض اپنے آپ کو فرشتہ یا نعوذُ باللہ خدا بھی سمجھنے لگتے ہیں۔

پھر بعض اوقات کسی خِلط کے جلنے کا اَثر سَر تک محدود ہوتا ہے، اور بعض اوقات پورے بدن میں سرایت کر جاتا ہے (ملاحظہ ہو: ''شرح اسباب'' جلد اول، صفحہ ۹۸، ۹۹، تالیف: حکیم کبیر الدین؛ ''کنز العلاج'' مصنفہ: حکیم رفیق حجازی)

بعض اطباء نے مالیخولیا کو صرف بلغمی اور سوداوی قرار دیا ہے اور صفراوی مالیخولیا کو جنون کا نام دیا ہے (ملاحظہ ہو: طبِ صابر صفحہ ۶۴؛ وتحقیقات الامراض والعلامات صفحہ ۱۶۷)

ایسے حالات میں مریض کی دینی نفسیات ونظریات اور خیالات کی اصلاح کرنا ضروری ہوتا ہے، جب کبھی ایسی صورتِ حال کا سامنا ہو، تو اُمید اور اللہ کی رحمت ومغفرت وغیرہ سے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں قرآن وسنت سے کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے، جو وسوسوں کی وجہ سے غم اور مایوسی میں مبتلا لوگوں کے لئے نفع بخش ہے۔

## اللہ، بندے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ۱۹۵)

ترجمہ: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت (سورہ آلِ عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا، لہٰذا وسوسوں کی وجہ سے اپنے عمل کو ضائع وبے کار نہیں سمجھنا چاہئے، اور جو کچھ عمل بن پڑے اسے کرنا چاہئے، اور اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے۔

## اللہ، عمل کرنے والوں کو راہِ ہدایت عطا فرماتا ہے

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (سورة العنكبوت، رقم الآية ۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں، تو ہم انھیں اپنے راستوں کی ضرور ہدایت دیتے ہیں، اور بے شک اللہ نیک لوگوں کے ساتھ

ہے (سورہ عنکبوت)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر عمل کرنے میں جو جدوجہد اور کوشش کی جاتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ رائیگاں اور ضائع نہیں فرماتا، اس لئے وسوسوں کی وجہ سے اپنے اعمال کو ضائع نہیں سمجھنا چاہئے۔

## اللہ کی رحمت کی وسعت

جب وسوسوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت اور اپنی مغفرت سے مایوسی پیدا ہو، تو اللہ کی رحمت کی وسعت پر غور کرنا چاہئے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۶)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے (سورہ اعراف)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

(سورة غافر، رقم الآية ۷)

ترجمہ: جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم سب پر وسیع ہے (سورہ غافر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ، فَأَمْسَکَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً، وَأَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے جس دن رحمت کو پیدا کیا تو اس دن اس کے سو حصے کیے، ننانوے حصے تو اپنے پاس رکھے، اور ایک حصہ اپنی ساری مخلوق میں بھیج دیا (بخاری)

اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِائَةَ رَحْمَةٍ كُلُّ رَحْمَةٍ طِبَاقَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجَعَلَ مِنْهَا فِي الْأَرْضِ رَحْمَةً، فَبِهَا تَعْطِفُ الْوَالِدَةُ عَلٰى وَلَدِهَا، وَالْوَحْشُ وَالطَّيْرُ بَعْضُهَا عَلٰى بَعْضٍ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سو رحمتوں کو پیدا فرمایا، ہر رحمت آسمان وزمین کی درمیانی خلاء کے برابر ہے، ان میں سے زمین میں ایک رحمت مقرر فرمائی ہے، جس کی وجہ سے والدہ اپنے بچہ سے محبت کرتی ہے، اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، پھر جب قیامت کا دن ہوگا، اللہ اس رحمت کے ساتھ اپنی رحمتوں کو مکمل فرمائے گا (مسلم)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور احادیث سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت معلوم ہوئی، لہٰذا شیطانی وسوسوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجانا درست نہیں۔

---

[1] رقم الحديث ٦٤٦٩، كتاب الرقاق، باب الرجاء مع الخوف.

[2] رقم الحديث ٢٧٥٣ "٢١" كتاب التوبة، باب فی سعة رحمة الله تعالى وأنها سبقت غضبه.

## اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی ممانعت

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ (سورة يوسف، رقم الآية ٨٧)

ترجمہ: اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں (سورہ یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس ہونا بہت برا فعل ہے۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورة الزمر، رقم الآية ٥٣)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر (گناہوں کی کثرت کی وجہ سے) ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا، بے شک وہ غفور ہے، رحیم ہے (سورہ زمر)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کثرت سے بھی گناہ کئے ہوں، تب بھی اللہ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہونا چاہئے، بلکہ توبہ و استغفار کر کے اور پر امید ہو کر آگے بڑھنا چاہئے۔

## اللہ سے حسنِ ظن کی حالت میں ملنے کا حکم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَبْلَ وَفَاتِهِ بِثَلَاثٍ، يَقُوْلُ: لَا يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللّٰهِ الظَّنَّ (مسلم) [1]

---

[1] رقم الحديث ٢٨٧٧ "٨١" كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى عند الموت.

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو ہرگز موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ وہ اللہ سے اچھا گمان رکھتا ہو (مسلم)

موت کا کسی بھی وقت آنا ممکن ہے، اس لئے ہر وقت ہی اللہ سے اچھا گمان رکھنے کا حکم ہوا۔

اور اللہ سے اچھا گمان رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی رحمت اور اپنی بخشش و مغفرت کی امید ہو، اور مایوسی و نا امیدی نہ ہو، خواہ اس کے خلاف کتنے ہی وسوسے کیوں نہ آئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَلَا يَقُوْلُ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ إِنْ ظَنَّ خَيْرًا فَلَهٗ وَإِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهٗ (صحیح ابن حبان)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، جو وہ میرے ساتھ کرتا ہے، اگر وہ خیر (یعنی رحمت و مغفرت اور جنت وغیرہ) کا گمان کرتا ہے، تو اس کو وہی حاصل ہوتا ہے، اور اگر وہ شر (یعنی عذاب اور جہنّم وغیرہ) کا گمان کرتا ہے، تو اس کو وہی حاصل ہوتا ہے (ابنِ حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ، اپنے رب سے جیسا گمان رکھتا ہے، رب تعالیٰ ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک و برتاؤ فرماتا ہے۔

لہٰذا اللہ سے اپنے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہئے، یعنی اپنی بخشش و مغفرت کا، اور شیطانی وسوسوں سے متاثر ہو کر مایوسی و نا امیدی نہیں ہونی چاہئے۔

---

[1] رقم الحديث ٦٣٩، كتاب الرقائق، باب حسن الظن بالله تعالىٰ.
فی حاشیۃ ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

# اللہ کے بندہ پر مہربان ہونے کی کیفیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَأَنَا مَعَهُ حِيْنَ يَذْكُرُنِيْ، إِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ، ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِّنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا، تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً** (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے اس گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، جو وہ میرے ساتھ کرتا ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ اپنے آپ میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے آپ میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اُن سے بہتر ہے (یعنی فرشتوں کی) اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) اس کی طرف دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) اس کی طرف تیزی کے ساتھ آتا ہوں (مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهٖ، قَالَ: إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ**

---

[1] رقم الحديث ۲۶۷۵ "۲" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحث على ذكر الله تعالى.

إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِذَا أَتَانِيْ مَشْيًا أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جب بندہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) اس سے ایک باع (یعنی دونوں ہاتھوں کی لمبائی کے برابر) قریب ہوتا ہوں، اور جب بندہ میرے پاس چل کر آتا ہے، تو میں (اپنی رحمت کے ساتھ) اس کی طرف تیزی کے ساتھ آتا ہوں (بخاری)

اس طرح کی احادیث حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ذر غفاری اور بعض دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [2]

مذکورہ احادیث سے، اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں سے رحمت اور مہربانی کا تعلق معلوم ہوا کہ

---

[1] رقم الحدیث ۷۵۳۶، کتاب التوحید، باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروایتہ عن ربہ.

[2] عن أبی سعید، قال :قال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " :من تقرب إلی اللہ شبرا تقرب اللہ إلیہ ذراعا، ومن تقرب إلیہ ذراعا تقرب إلیہ باعا، ومن أتاہ یمشی أتاہ اللہ ہرولة (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۱۳۶۱)

فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

عن یزید بن نعیم، قال :سمعت أبا ذر الغفاری، وہو علی المنبر بالفسطاط یقول : سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول " :من تقرب إلی اللہ شبرا، تقرب إلیہ ذراعا، ومن تقرب إلی اللہ ذراعا، تقرب إلیہ باعا، ومن أقبل علی اللہ ماشیا، أقبل اللہ إلیہ مہرولا، واللہ أعلی وأجل، واللہ أعلی وأجل، واللہ أعلی وأجل (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۳۷۴)

فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، وہذا إسناد حسن،

عن أبی وائل، عن شریح، قال :سمعت رجلا من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول :قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " :قال اللہ تعالی :یا ابن آدم، قم إلی أمش إلیک، وامش إلی أہرول إلیک (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۵۹۲۵)

فی حاشیة مسند احمد: إسنادہ صحیح، رجالہ ثقات رجال الشیخین غیر شریح -وہو ابن الحارث الکوفی القاضی -فقد أخرج لہ البخاری فی "الأدب المفرد"، والنسائی، وہو ثقة.

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے، جتنا کہ بندہ اس کے قریب ہوتا ہے، لہٰذا وسوسوں کے نتیجہ میں اپنے نیک اعمال، وضو، نماز، روزہ، تلاوت وذکر وغیرہ کو ضائع سمجھنا اور اللہ سے اپنی بخشش ومغفرت سے ناامید ومایوس ہوجانا درست نہیں۔

## گناہوں کے بعد توبہ واستغفار کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ أَوْ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ أَخْطَأْتُمْ حَتّٰى تَمْلَأَ خَطَايَاكُمْ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتُمُ اللّٰهَ لَغَفَرَ لَكُمْ، وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ أَوْ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُخْطِئُوْا لَجَاءَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُخْطِئُوْنَ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ، فَيَغْفِرُ لَهُمْ** (مسند احمد، رقم الحديث ۱۳۴۹۳) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا یہ فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر تم اتنے گناہ کرلو کہ تمہارے گناہوں سے زمین وآسمان کے درمیان ساری فضا بھر جائے، پھر تم اللہ سے مغفرت طلب کرو، تو وہ تمہاری مغفرت فرمادے گا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، یا یہ فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے گی، تو اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ، فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو، تو اللہ تم کو ختم فرما کر ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے گی، تو اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا (مسلم)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ گناہ سرزَد ہوجانے کے بعد مایوس اور نا امید نہیں ہونا چاہئے، بلکہ توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہئے، لہٰذا گناہ ہونے کے بعد وسوسوں کی وجہ سے نا امید و مایوس ہوجانا اور توبہ واستغفار کے بجائے پریشان ہونا درست نہیں۔

خلاصہ یہ کہ وسوسوں کی وجہ سے مالیخولیا، جنون اور مایوسی وغیرہ جیسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٢٧٤٩ " ١١ "كتاب التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار توبة.

[2] عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :كفارة الذنب الندامة "وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لو لم تذنبوا، لجاء الله عز وجل بقوم يذنبون، ليغفر لهم "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٦٢٣)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[3] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک نہایت جامع مضمون تحریر فرمایا ہے، جو بَیْنَ الْقَوْسَیْن (بریکٹوں کے درمیان) الفاظ کی تشریح کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے کہ:

منجملہ موانعِ طریقِ سلوک کے (یعنی اپنی اصلاح کے طالب اور دین کے راستے پر چلنے والوں کے راستے میں رُکاوٹ ڈالنے والی چیزوں میں سے) دو امر خاص ہیں، جو اس قدر کثیرُ الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک (اور دین کا طالب) ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ اہلِ علم بھی ان میں مبتلا ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ بعض امورِ غیر اختیاریہ کی تحصیل (یعنی بعض غیر اختیاری چیزوں کے حاصل کرنے) کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جیسے ذوق وشوق واستغراق ولذت ویکسوئی ودفعِ خطرات (یعنی وساوس کا دُور ہونا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور صحت وتن درستی میں بگاڑ اور عقل میں فتور پیدا ہو جاتا ہے، جس کے بعد دین ودنیا کسی کام کا نہیں رہتا، اور ’’نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے‘‘ اور ’’دھوبی کا کتا، گھر کا نہ گھاٹ کا‘‘ کی کہاوت صادق آ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسوزش وانجذاب وعشقِ طبعی وامثالہا، اوران امور کو ذکر وشغل ومجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اوران کے حاصل نہ ہونے کو حرمان (محرومی) سمجھتے ہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ بعض امورِ غیراختیاریہ کے ازالہ (یعنی غیراختیاری چیزوں کو ختم کرنے) کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں جیسے قبض (طبیعت کا بجھا ہوا ہونا) وہجومِ خطرات (یعنی وساوس کی کثرت) اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت، غضبِ طبعی کا غلبہ یا قلب (دل) میں رقت (نرمی) نہ ہونا، یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ وامثالہا، اوران امور کو طریق (دین کے راستے) کے لئے مضر (نقصان دہ) اور مقصود سے مانع (یعنی اپنے مقصد میں رُکاوٹ) سمجھتے ہیں، اوران کے زائل (وختم) نہ ہونے کو موجبِ بُعد عن اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ سے دُوری کا سبب) سمجھتے ہیں، یہ ہیں وہ دو امر جن میں عام طور پر اہلِ سلوک (دین کے راستے پر چلنے والے اور دین کے طالب) مبتلا ہیں، اورامرِ مشترک ان دونوں میں (یعنی وہ بات جو دونوں میں پائی جاتی ہے) یہ امر ہے کہ امورِ غیراختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالۃً (یعنی غیراختیاری چیزوں کو حاصل کرنے یا ختم کرنے کے پیچھے پڑتے ہیں) اورامورِ غیراختیاریہ کے درپے ہونا مشتمل ہے متعدد مفاسد پر (یعنی غیراختیاری چیزوں کے پیچھے پڑنا کئی خرابیوں کا باعث ہے)

ایک مفسدہ (خرابی) یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ (خرابی) ہے کہ در پردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا کی مزاحمت (ومخالفت) ہے کیونکہ جب یہ امورِ غیراختیاریہ ہیں تو انسان کی وسعت (وقدرت) میں نہ ہوئے، نہ تحصیلاً نہ ازالۃً کیونکہ قدرت ضدین (یعنی دو باہم متضاد چیزوں) سے متعلق ہوتی ہے، تو جس چیز کی تحصیل (حاصل کرنا) اختیار میں نہیں اس کا ازالہ (ختم کرنا) بھی اختیار میں نہیں، اسی طرح جس چیز کا ازالہ (ختم کرنا) اختیار میں نہیں، اس کی تحصیل (حاصل کرنا) بھی اختیار میں نہیں، پس جب یہ انسان کی وسع (وقدرت) میں نہ ہوئے اور سالک (دین کے طالب) نے ان کی تحصیل یا ازالہ (حاصل کرنے یا ختم کرنے) کو موقوف علیہ مقصود مامور بہ کا سمجھا (یعنی جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، اس کو اس پر موقوف سمجھا) اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے (یعنی جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، وہ جس پر موقوف ہے، اس کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کرتا ہے) تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ (اللہ تعالیٰ کا حکم) سمجھا اور مامور بہ (اللہ تعالیٰ کے حکم) کے لئے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسع (قدرت) کا شرط (ضروری) ہونا نص (قرآن وحدیث) سے ثابت ہے، اور یہ وسع (وقدرت) میں ہیں نہیں تو گویا یہ معتقد (اعتقاد رکھنے والا) ہوا، اس امر کا کہ مامور بہ (اللہ تعالیٰ کے حکم) کے لئے وسع (وقدرت) شرط (ضروری) نہیں تو صریح مزاحمت (مخالفت) ہوئی ارشاد، **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا** کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔

دوسرا مفسدہ (خرابی) یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ (خرابی) ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور تحصیل وازالہ (حاصل یا ختم کرنے) کے لئے کوشش کرے گا، جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔

پھر اس پریشانی کے یہ آثار (اثرات) محتمل (وممکن) ہیں:

اولؔ پریشانی کے تواتر (وتسلسل) سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے، پھر بیماری میں بہت سے اوراد وطاعات (ذکر واذکار اور نیک کاموں) سے محروم رہ جاتا ہے۔

ثانیؔ (دوسرے) پریشانی وغم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے، اور دوسروں کو اس سے اذیت (وتکلیف) پہنچتی ہے۔

ثالثؔ (تیسرے) غم وفکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل وعیال یا دیگر اہلِ حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے، اور معصیت (گناہ) تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

رابعؔ (چوتھے) کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور **خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃُ** (دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی) کا مصداق بنتا ہے

خامسؔ (پانچویں) کبھی مایوس ہو کر اعمال وطاعات کو بیکار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت وتعطلِ محض (یعنی بالکل معطل ہو کر رہ جانے) کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

سادسؔ (چھٹے) کبھی شیخ (اپنے رہبر ومصلح) سے بداعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود اِن ہی کو معلوم نہیں۔

سابعؔ (ساتویں) کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش ومجاہدہ کر رہے ہیں، مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی، ذرا رحمت نہیں فرماتے، بالکل توجہ نہیں ہے، خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے، **وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا الآیۃ** اور **مَنۡ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبۡرًا تَقَرَّبۡتُ اِلَیۡہِ ذِرَاعًا الحدیث** تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب (یعنی قرآن وحدیث کا صاف انکار) کرنے لگتا ہے (بوادر النوادر ص ۷۶، ۷۷ پچاسواں غریبہ در مفاسد اہتمام امورِ غیر اختیاریہ تحصیلاً یا ازالۃً)

(فصل نمبر ۱۰)

# وہم و مالیخولیا سے متعلق چند واقعات

اطباء و ماہرین کا کہنا ہے کہ وساوِس کے نتیجہ میں پیدا شدہ مالیخولیا کا مریض عام طور پر اپنے فکر وگمان کو اُن عادات اور وضعوں وشکلوں کے مطابق بدلا کرتا ہے، جو اُس کے خیال اور وسوسہ میں صحت وتن درستی کی حالت میں جمی ہوتی ہیں، مثلاً ایک کمہار یعنی مٹی کے برتن بنانے والا اپنے آپ کو یہ خیال کرتا تھا کہ:

''میں مٹی کا برتن ہو گیا ہوں''

اور وہ اس خوف سے کہ:

''کہیں ٹوٹ نہ جائے''

آدمیوں اور دیواروں کے قریب بھی نہ جاتا تھا۔

دوسرا شخص جو مرغے پال کر فروخت کیا کرتا تھا، اُسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ:

''میں مرغ ہو گیا ہوں''

چنانچہ وہ بلندیوں پر چڑھتا اور اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں پر مرغوں کی طرح مارتا، اور مرغ کی طرح اذان دیتا تھا۔

تیسرا شخص سپیروں (یعنی سانپ رکھنے والوں) کے پاس اکثر جایا کرتا تھا، اور اسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ:

''ایک سانپ اُس کے پیٹ میں گھس گیا ہے''

اور کہا کرتا تھا کہ:

''سانپ نے اُس کے جگر کو کھالیا ہے''

(ماخوذ از: معالجات شرح اسباب، بتغیر، جلد اول صفحہ ۹۷؛ علامہ حکیم کبیر الدین)

وہم اور مالیخولیا دونوں کا گہرا تعلق ہے، بعض اطباء نے تو مالیخولیا کو وہم سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم یہ بات گذشتہ تفصیل سے واضح ہے کہ وہم و مالیخولیا کی اقسام وانواع مختلف ہیں اور اسی وجہ سے مریضوں کے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ [۱]

وہم اور مالیخولیا میں مبتلا اشخاص کے سلسلے میں بعض عجیب وغریب واقعات مشہور ہیں، اور بہت سے واقعات ہمارے سامنے بھی آئے ہیں، جن سے اس مسئلے کو سمجھا جا سکتا ہے؛ ذیل میں وہم اور مالیخولیا کے مریضوں کے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔

---

[۱] مالیخولیا کا بیمار غم کے لئے آمادہ رہتا، اور غم پیدا کرنے والے معمولی اسباب اس کی غمگینی کے لئے کافی ہوتے ہیں، چنانچہ اس کا مریض ہمیشہ غمگین رہتا، اور ایسی معمولی چیزوں سے ڈرا کرتا ہے، جن سے ڈرنا بالکل مناسب نہیں، مثلاً گزشتہ زمانہ کے خطرات اور دردوں کو یا گزشتہ واقعات کی غلطیوں کو یاد کر کے، یا آئندہ خوفوں کا وہم کر کے ڈرنا، حتیٰ کہ اس مرض کے بعض آدمی موت سے ڈرا کرتے ہیں، اور بعض لوگ ایسی چیزوں سے ڈرا کرتے ہیں، جن کا بظاہر کوئی سبب تو ضرور ہوتا ہے، مگر وہ اس میں حد سے گزر جاتے ہیں (معالجات شرح اسباب، جلد اول، صفحہ ۹۷، مطبوعہ: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور)

مالیخولیا کے لغوی معنی ڈر اور خوف کے ہیں، جو اس مرض میں لازم ہے، لیکن بعض اطباء نے اس کے معنیٰ سیاہ خلط کے بیان کئے ہیں، اور اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی ہے کہ یہ خلط سوداء سے پیدا ہوتا ہے، جو سیاہ ہوتی ہے۔ اس مرض میں قویٰ تخیلی فاسد ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں انسان کی سوچ بگڑ جاتی ہے، اور اس میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ مالیخولیا کا مریض غم کے لئے آمادہ رہتا ہے، اور معمولی اسباب بھی اس کی غمگینی کے لئے کافی ہوتے ہیں (نفسیاتی امراض کا شافی علاج، مصنفہ: ڈاکٹر و حکیم محمد عبداللہ، صفحہ ۲۹، مطبوعہ: مکتبہ دانیال)

سائز وفرینیا (Schizophrenia) نفسیاتی امراض کا ایک ایسا گروہ ہے، جس میں انسان کے خیالات، قوتِ فکر، مزاج اور برتاؤ سب ہی کچھ اس حد تک فاسد ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے عزیزوں سے بھی بچاتا ہے، کیونکہ اس کو اپنے عزیزوں سے خود کو قتل کرنے اور مختلف دوسرے طریقوں سے نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہوتا ہے، یہ ایک ایسی نفسیاتی بیماری ہے، جس میں مریض کو شدید ذہنی نقصان ہوتا ہے، پوری دنیا کی بالغ آبادی میں سے لگ بھگ 1% لوگ اس مرض کے شکار ہیں، طبِ یونانی میں اس کو اطباء نے مالیخولیا کی ایک قسم جو سوداوء سوداوی سے پیدا ہوتی ہے، کے ذیل میں بیان کیا ہے (ایضاً صفحہ ۳۳)

مالیخولیا ایک شدید ذہنی مرض ہے، جس میں وہم کی بہتات ہوتی ہے، مالیخولیا عموماً دبے ہوئے تصور اور خواہش کے درمیان کش مکش ہوتی ہے، مالیخولیا میں جبلّی رجحانات اور ان کے ردِ عمل کے رجحانات جسمانی مرضیاتی علامات میں ظاہر ہوتے ہیں، لاشعوری توہمات ڈھکے چھپے انداز میں جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور جسم پر کسی نہ کسی حصے کو سزا اور تکلیف دینے لگتی ہیں (طبی نفسیات، تالیف: پروفیسر حکیم شاہد نوید، صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور)

## بدن شیشہ کا ہوجانے کے وہم سے متعلق واقعہ

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’مالیخولیا کا بڑا علاج یہ ہے کہ کسی تدبیر سے مریض کا (بگڑا ہوا) خیال بدل دیا جاوے۔

ایک شخص کو یہ خیال ہوگیا کہ میرا بدن شیشے کا ہے، حکیم صاحب نے نبض جو دیکھنی چاہی تو آپ کہنے لگے کہ ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو، مجھے ہاتھ نہ لگانا، میرا بدن شیشے کا ہے، ٹوٹ جاوے گا، حکیم صاحب نے دل میں کہا کہ اچھا یہ تو بڑی دور پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے کیا تدبیر کی، اگلے دن بلایا اور آنے کے قبل خادموں کو حکم دیا کہ یہ جب آوے تو اس پر کمبل ڈال کر، گرا کر اوپر سے شیشہ کے ٹکڑے پتھر سے توڑ دو، لیکن اس طرح سے کہ چوٹ نہ لگے اگر غل (وشور) مچائے تو مچانے دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس نے بڑا غل (وشور) مچایا کہ ہائے میں ٹوٹا ہائے میں پھٹا، لیکن کسی نے ایک نہ سنی، بالآخر حکیم صاحب نے اسے شیشہ کے ٹکڑے دکھلا کر کہا کہ دیکھو میاں ہم نے تمہارے بدن پر سے شیشے کا خول اتار دیا، اب تو اصلی بدن ہوگیا یا نہیں؟

شیشے کے ٹکڑے دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ شیشے کا جو خول تھا، تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ اُتر گیا، پھر آپ نے بدن کو ٹٹول کر کہا کہ ہاں اب تو ہوگیا بدن (اور اس طرح اس کے خیال کی اصلاح ہوگئی) غرض یہ خیال (اور وہم) ایسی چیز ہے‘‘ (وعظ آثار المربع ص ۴۸)

## بیت الخلاء میں ’’اللہ‘‘ لکھا ہوا وہم ہونے سے متعلق واقعہ

ایک مرتبہ میرے پاس ایک پریشان حال شخص تشریف لائے اور آ کر اپنی سخت ذہنی الجھن

اور پریشانی کا تذکرہ اس طرح کیا کہ:

’’میرے گھر کے باتھ روم (یعنی بیت الخلاء) میں پہلے چپس (Chips) پڑے ہوئے تھے، بہت محنت اور قیمتی معمار و مستری سے فرش ڈلوا کر باتھ روم تیار کرایا تھا، لیکن چند دن بعد پتہ چلا کہ فلاں مقام پر لفظِ ’’اللہ‘‘ لکھا ہوا ہے، طبیعت بڑی پریشان ہوئی، سارے باتھ روم کے فرش کو تڑوا کر دوبارہ فرش ڈلوایا گیا، لیکن پھر چند دن بعد کسی جگہ یہی چیز نظر آئی، پھر فرش کو توڑا گیا اور اس طرح تین چار مرتبہ یہ سلسلہ چلتا رہا، یہ تمام باتیں تو کسی حد تک قابلِ برداشت تھیں لیکن اب ایک نیا مسئلہ جو پہلے مسئلہ سے زیادہ سنگین ہے کھڑا ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ باتھ روم کی جس سیٹ یعنی ڈبلیوسی پر بیٹھ کر میں استنجا کرتا ہوں اس کا ڈیزائن بالکل لفظِ ’’اللہ‘‘ کی طرح ہے اور جب میں پیشاب، پاخانہ کے لئے سیٹ پر بیٹھ کر پیروں کی طرف دیکھتا ہوں تو (نعوذ باللہ) اللہ کی طرح بنا ہوا نقشہ محسوس ہوتا ہے۔

اور اب میں بہت ہی زیادہ پریشان ہوں، پیشاب و پاخانہ کرنے سے بھی تنگ آ گیا ہوں۔

میں نے ان صاحب کو سمجھایا کہ میاں کس چکر میں پڑے ہو، اپنا کام کرو اور اس طرح کے منگھڑت تصورات قائم کرنے (Hallucination) اور تانے بانے جوڑنے سے اپنے آپ کو بچاؤ ورنہ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو زندگی بھر ختم نہیں ہوگا۔

آپ کو چاہئے کہ بیتُ الخلاء میں جاتے وقت پہلے سے ذہن میں بیٹھے ہوئے وہم اور تصور کو نہ سوچا کریں اور اس کا خوف بالکل ذہن سے نکال کر خالی الذہن ہو جایا کریں، اور پھر نیچے یا سامنے اور دائیں بائیں فرش یا در و دیوار کو نظر جما کر نہ دیکھا کریں، اور بیتُ الخلاء میں بلا ضرورت نہ بیٹھے رہا کریں، اور اپنے تقاضا سے فارغ ہو کر جلدی باہر آ جایا کریں۔

اس پر عمل کرنے سے تب جا کر ان کی طبیعت بحال ہوئی۔

# گائے کے گوشت کے تکے کھانے کے وہم سے متعلق واقعہ

ایک مرتبہ میرے پاس ایک نوجوان تشریف لائے، اور ان کی تشریف آوری بھی ایسے وقت پر ہوئی، جب بظاہر دیگر کاموں میں مصروفیت زیادہ تھی، اور وہ وقت معمول کے مطابق ملاقات کا بھی نہیں تھا، پہلے تو میں نے ان صاحب سے عرض کردیا کہ اس وقت گفتگو مشکل ہے، لہٰذا آپ معمول کے مطابق فلاں وقت تشریف لے آئیں، مگر ان صاحب نے درد بھرے اور رونے کے انداز میں کہا کہ:

میں سرکاری ملازم ہوں، دن میں ڈیوٹی پر ہوتا ہوں، بہت لمبی ڈیوٹی اور سخت مصروفیت کی وجہ سے دوسرے وقت میرا آنا مشکل ہے، اور میری جوان بہن کی زندگی کا مسئلہ ہے، اس لئے آپ مجھے کھڑے کھڑے وقت دے دیں۔

میں نے کھڑے کھڑے ان سے مسئلہ بیان کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے بتلایا کہ:

ان کی بہن کی حالت سخت خراب ہے، دراصل ہوا یوں تھا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت ہم نے بڑے گوشت کے بنے ہوئے تکّے کباب کھائے تھے، اسی رات میری بہن کو خواب میں ایک سفید رنگ کی گائے نظر آئی اور اس گائے نے خواب میں کہا کہ تم نے اور تمہارے بھائی نے میرے تِکّے کھائے ہیں، لہٰذا میں اس کا ضرور بدلہ لوں گی اور کسی قیمت پر بھی جان نہیں چھوڑوں گی، میری بہن اس خواب سے بہت زیادہ پریشان اور متاثر ہوئی، اور پھر میری بہن کو یہ خواب تین چار مرتبہ نظر آیا، مگر اب وہ سفید گائے ہمارے گھر کے صحن میں سچ مُچ میں آکر بیٹھ گئی ہے، اب اس سے ہم جان چھڑانا چاہتے ہیں، وہ گائے یا تو گھر میں رہتی ہے یا پھر گھر سے صرف میرے پیچھے پیچھے نکل جاتی ہے اور جب تک میں گھر سے باہر رہتا ہوں میرے پیچھے ہی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

میں نے کہا کہ کیا ابھی بھی وہ گائے آپ کے ساتھ ہے اور مجھے تو یہاں کہیں نظر نہیں آ رہی۔

انہوں نے کہا کہ ابھی تو ساتھ نہیں ہے، اور دراصل وہ گائے ہماری بہن کے علاوہ کسی اور کو نظر بھی نہیں آتی، ہم نے لاہور شہر کے فلاں مولوی صاحب سے بھی علاج کرایا، انہوں نے کچھ چیزیں قبرستان میں دبانے کے لئے دی تھیں اور فلاں مقام پر ایک زندہ بکرا بھی چھوڑوایا ہے، ہم نے یہ عمل کرلیا ہے، اس سے کم از کم اتنا تو ہوگیا ہے کہ وہ گائے ہر وقت میرے ساتھ ساتھ نہیں رہتی، لیکن اس نے پوری طرح ابھی تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔

مجھے گفتگو سننے کے بعد آنے والے نوجوان اور ان کی بہن کی نفسیات کا کچھ اندازہ ہوگیا تھا۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ کے گھر والوں نے اس گائے کو کسی وقت کہیں دیکھا بھی ہے، کہ نہیں، اور یہ کہ آپ کو اس گائے کی تفصیلات اور نقل وحرکت وغیرہ کی اطلاع اور رپورٹ کیسے ملی، انہوں نے جواباً کہا کہ بہن کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا اور ہماری بہن یہ ساری باتیں ہمیں بتلاتی ہے، میں نے کہا کہ ’’اندھوں میں کانا راجہ‘‘ والی مثال پوری ہورہی ہے، اور ’’اندھے گائیں بہرے بجائیں‘‘ والی کہاوت آپ پر پوری طرح صادق آ رہی ہے، تندرست لوگوں نے مریض انسان کی اقتداء کررکھی ہے۔

اجمالی باتیں کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تو ان صاحب سے یہ معلوم کیا کہ آپ کی ہمشیرہ کی عمر کتنی ہے، اور وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ اور یہ کہ خواب نظر آنے سے پہلے ان کی ہمشیرہ صاحبہ کو کوئی ذہنی الجھن تو پیش نہیں آئی تھی؟ انہوں نے عمر کا ذکر کرنے کے بعد بتلایا کہ:

میرے قریبی رشتہ داروں کا نوجوان بیٹا گاڑی کے حادثہ میں اچانک فوت ہوگیا تھا، اور اس لڑکے سے میری بہن کی منگنی وغیرہ کا بھی کچھ ذہن تھا، اس نوجوان کی

تدفین وغیرہ سے فارغ ہوکر رات کو ہم اپنے گھر پہنچے تو ہم نے بازار سے تِکّے کباب لے کر کھانا کھایا اور سو گئے، اس رات بہن کو یہ خواب آیا، جس سے میری بہن بہت پریشان ہوئی، اور پھر یہ خواب مسلسل آتا ہی چلا گیا اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی، جس کی آپ کو تفصیل بتائی، خدارا: ہماری بہن اور گھر والوں کا کچھ کیجئے، سب کی جان خطرے میں ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ:

میں کوئی ڈاکٹر حکیم یا عامل وغیرہ تو نہیں ہوں، لیکن آپ کی پوری بات سننے کے بعد جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے، شاید آپ اس سے اتفاق نہ کریں۔

انہوں نے کہا کہ میں آپ کے پاس بڑے اعتماد واعتقاد کے ساتھ آیا ہوں، آپ جو فرمائیں گے، اس کے مطابق ان شاء اللہ عمل ہوگا۔

میں نے کہا کہ آپ علاج چاہتے ہیں یا عاملوں اور فقیروں کی باتوں کی تصدیق؟

کہنے لگے کہ ہمیں تو علاج سے غرض ہے باقی چیزیں ہماری بلا سے۔

میں نے کہا آپ بالکل صحیح فرماتے ہو، آپ کو کسی عامل اور پیر وفقیر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، دراصل آپ کی بہن کا مسئلہ صرف وہمی اور نفسیاتی ہے، کوئی بھوت پریت، آسیب اور جن وِن بھی نہیں ہے، آپ سب گھر والے بھی بہن کی طرح اس کی باتوں کی تصدیق کر کے وہمی بن گئے ہیں، اور آپ کی بہن صدمہ کی وجہ سے وہمی اور مالیخولیا کی مریض بن گئی ہے اور آپ اپنی ذہنی مریض بہن کی باتوں کی تصدیق کر رہے ہیں کہ گھر میں گائے آ کر بیٹھ گئی ہے، ساتھ ساتھ ہے وغیرہ وغیرہ، جب کہ آپ میں سے کسی نے اس گائے کو دیکھا بھی نہیں، لہٰذا آپ حکمت کے ساتھ، اپنی بہن کے ذہن سے یہ گائے کا خوف نکالیں، ساری باتوں کا انکار بھی نہ کریں، اور تصدیق بھی نہ کریں، بلکہ آپ ان سے اب

صرف اتنا کہیں کہ ہم نے علاج کرا دیا ہے اور اب سب معاملہ ختم ہو گیا ہے، اور جلد از جلد آپ اپنی بہن کے سر میں تیل کی مالش کریں، ان کو نرم اور ٹھنڈی و تر غذا فراہم کریں، ہاتھ پاؤں کو سہلائیں اور ان کو فوری طور پر مناسب نیند کی دوا دیں۔

کہنے لگے کہ ہاتھ پاؤں میں جو بے چینی ہے اس کا کیا جائے؟

میں نے کہا کہ بے چینی کا اصل علاج، چین و سکون ہے اور وہ حاصل ہوگا نیند سے، ظاہر ہے کہ جب آپ کی بہن تین روز سے سوئی نہیں تو اس کو بے سکونی ہی حاصل ہوگی، سکون کیسے ملے گا، دیکھئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورہ انعام کی آیت نمبر ۹۶ میں فرماتے ہیں کہ:

"وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ سَكَناً"

کہ ہم نے رات کو (نیند کی شکل میں) سکون کا ذریعہ بنایا۔

لہٰذا آپ ابھی گھر میں جا کر تجویز کردہ علاج کے مطابق عمل کریں اور اس کے بعد مجھے فون پر اطلاع دیں۔

ان صاحب نے گھر جا کر تجویز شدہ طریقہ پر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مرض بالکل رفع دفع اور کافور ہو گیا۔

ملاحظہ فرمالیجئے کہ وہم اور مالیخولیا کا مرض کس طرح آسیب اور جن، بھوت پریت کی شکل میں ظاہر ہو کر لوگوں کے سروں پر سوار ہو جاتا ہے، حالانکہ سارا مسئلہ وسوسوں اور وہم کا ہوتا ہے، مگر بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔

## بار بار خارش کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ

"ہمارے ایک جاننے والے جو کہ راولپنڈی کے بڑے کالج میں پروفیسر تھے، بظاہر بڑے لائق اور قابل انسان تھے، مگر ان کے ساتھ ایک وہم کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کھڑے، بیٹھے، چلتے

پھرتے بار بار اپنے دائیں بائیں ہاتھ کو اپنی گردن اور گدی کی طرف عجیب وغریب انداز میں آگے اور پیچھے سے لے جاتے تھے اور اپنی قمیص یا شرٹ کا کالر درست کیا کرتے تھے، حالانکہ کالر پہلے سے بھی ٹھیک ہوتا تھا اور اس کو ٹھیک کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی، اسی طرح وہ اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ کی انگلی منہ کے سامنے بار بار لا کر اس پر منہ سے پھونک مارا کرتے تھے اور ان کی یہ حرکت ان کے حلقۂ احباب میں کافی مشہور تھی، کئی مرتبہ پروفیسر صاحب کو اپنی اس حرکت کی بدولت شرمندگی بھی اٹھانی پڑ جاتی تھی، مگر ان کی یہ حرکت اور یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ کسی طرح چھوٹتی نہیں تھی اور وہ غیر ارادی طور پر اور بے خیالی میں بھی اس حرکت میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے، شاید بچپن سے ان کو یہ عادت کسی وہم اور وسوسے کی بدولت پڑ گئی ہوگی، واللہ اعلم۔

ان صاحب کے پاس اپنی ذاتی کار بھی تھی، ایک مرتبہ ان کے ساتھ راولپنڈی سے کسی ضرورت سے میرا پشاور جانا ہوا، ساتھ میں دو تین احباب اور بھی تھے اور گاڑی بھی یہ پروفیسر صاحب خود ہی چلا رہے تھے، میں ان کے ساتھ والی اگلی سیٹ پر ہی بیٹھا ہوا تھا، لیکن وہ گاڑی چلانے کے دوران بھی اپنی ان مذکورہ حرکات پر برابر کاربند تھے، مجھے ان کی اس حرکت پر بار بار خیال آتا تھا کہ یہ گاڑی چلانے کے دوران کبھی اپنا دایاں اور کبھی اپنا بایاں ہاتھ اسٹیرنگ سے اٹھا کر اپنی قمیص کے کالر کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں، کہیں ان کی اس حرکت کی بدولت ڈرائیونگ کے مسئلہ میں گڑبڑ پیدا نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے کوئی بڑا مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔

خیر! اللہ اللہ کر کے پشاور تک تو خیر وعافیت کے ساتھ رسائی ہوگئی، اسی دن اُدھر سے راولپنڈی کے لئے واپسی تھی، واپسی پر بھی ان صاحب کی یہی حرکات وسکنات جاری تھیں، میں برابر دعاء میں مصروف تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی ناگہانی حادثہ سے محفوظ فرمائیں۔

کسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے راولپنڈی کے قریب پہنچا دیا، مگر ابھی راولپنڈی شہر شروع نہیں

ہوا تھا، ہم اس وقت جی ٹی روڈ پر سفر کر رہے تھے، درمیان میں روڈ پر بعض ایسی جگہیں بھی آتی تھیں جو وزن لاد کر چلنے والے ٹرکوں کی وجہ سے کافی متأثر ہوگئیں تھیں، اور گہرے گڑھوں کے مسلسل نشانات پڑے ہوئے تھے، جہاں ہاتھ سنبھال کر گاڑی چلانا پڑتی تھی، ذرا سا گاڑی کا ٹائر دائیں یا بائیں ہونے سے تیز رفتار گاڑی کے بے قابو ہوجانے یا الٹ جانے کا خطرہ تھا۔

گاڑی کی رفتار کچھ زیادہ تیز نہیں تھی، لیکن زیادہ آہستہ کہنا بھی مشکل تھا۔

پروفیسر صاحب پر اپنی پرانی عادت کا یکلخت غلبہ ہوا بلکہ کہنا چاہئے کہ دورہ پڑا، کہ انہوں نے اسٹیرنگ سے اچانک دونوں ہاتھ بڑی تیزی کے ساتھ اٹھائے اور ایک ہاتھ کو اپنی قمیص کے کالر پر لے گئے اور دوسرے کو منہ کے سامنے کر کے اس پر پھونک ماری، ابھی یہ حرکت جاری تھی کہ یکا یک گاڑی بے قابو ہوگئی، پروفیسر صاحب سمیت تمام سوار افراد ہڑ بڑا اُٹھے، اللہ کا کرنا دیکھئے کہ گاڑی روڈ سے دائیں طرف نکل کر جھاڑیوں میں سیدھی جا کر پھنس گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے سب سوار حضرات کو محفوظ رکھا، یہ سب کچھ اتنی تیزی اور جلدی میں ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آیا، فوراً سب حضرات گاڑی سے نیچے اترے کہ شاید گاڑی کا ویل نکل گیا ہو یا کوئی بڑا پنکچر وغیرہ ہوگیا ہو، مگر گاڑی کی تمام چیزیں بالکل درست اور صحیح سالم محسوس ہو رہی تھیں اور کیونکہ پروفیسر صاحب اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور ہونے کی بدولت بے خیالی میں اس حرکت سے دوچار ہوئے تھے، اس لئے ان کو خود بھی اس کا سبب معلوم نہیں ہو رہا تھا، اور میں نے فی الوقت بتانا اور ان کی اس حرکت کی طرف متوجہ کرنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا تاکہ تمام تحقیقات وتفتیشات کا مرحلہ طے ہوجائے اور پھر اس کے بعد ان کو اصل سبب سے آگاہ کیا جائے، خیر نیچے اترے ہوئے ہونے کی حالت میں کئی مرتبہ گاڑی کو دھکا لگا کر آگے پیچھے کیا گیا، اور پروفیسر صاحب نے خود اکیلے بیٹھ کر بھی گاڑی کو آہستہ آہستہ چلا کر دیکھا تو وہ بالکل درست اور صحیح تھی، جب تحقیق وتفتیش کے تمام مرحلے طے پا گئے، اس کے بعد میں نے

بڑے دھیمے انداز میں کہا کہ:

سب کچھ ٹھیک ہے گاڑی کا کوئی قصور نہیں، اس کی اصل وجہ تو پروفیسر صاحب کی فلاں حرکت ہے اور اس کا میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔

پروفیسر صاحب برابر اس کے منکر تھے کیونکہ یہ سب کچھ بے خیالی میں معرضِ وجود میں آیا تھا، لیکن بہرحال جب دوسرے احباب نے بھی میری بات کی تائید کی تو پروفیسر صاحب نے بادلِ نخواستہ اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور اپنے کانوں کو دونوں ہاتھ لگا کر کہنے لگے کہ:

آئندہ کے لئے اس حرکت سے توبہ کرتا ہوں۔

میں نے مزاحاً کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی حرکت سے تو توبہ کی بدولت باز آجائیں، لیکن اب جو حالت کانوں پر ہاتھ رکھ کر بنائی ہوئی ہے، اس کی عادت نہ شروع ہوجائے۔

اس واقعہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ حضرات کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہم کی بدولت بعض اوقات انسان کسی معمولی فعل اور حرکت کا عادی ہوجاتا ہے اور یہ عادت پھر کسی بڑے واقعہ یا سانحہ وحادثہ کا سبب بن جاتی ہے۔

## سر نہ ہونے کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ

وہمیوں کی داستانیں بڑی عجیب وغریب ہوتی ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ مدرسے کے ایک فارغُ التحصیل وہمی عالم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مدرسہ کے ایک فارغُ التحصیل (عالمِ دین) کو وہم ہو گیا تھا کہ میرے سر نہیں (مدرسہ کے استاد) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن کر پہنچے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے سر نہیں؟ عرض کیا کہ، حضرت نہیں، حضرت نے (اپنے پیر سے) جُوتا نکال کر (اُس وہمی کے) سر پر مارنا شروع کیا، اس (وہمی)

نے واویلا مچایا کہ حضرت مر گیا، چوٹ لگتی ہے، فرمایا کہ کہاں چوٹ لگتی ہے؟ عرض کیا سر میں، فرمایا کہ سر تو ہے ہی نہیں چوٹ کے کیا معنیٰ؟ عرض کیا حضرت سر ہے، فرمایا کہ اب تو کبھی نہ کہو گے کہ سر نہیں، عرض کیا کہ نہیں (حضرت نے) چھوڑ دیا، وہ وہم جاتا رہا اور ساری عمر بھی پھر کبھی یہ مرض وہم کا نہ ہوا، یہ حضرات حکیم تھے حقیقت کو سمجھتے تھے (الافاضات الیومیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ و ۳۱۲)

ملاحظہ فرمایئے کہ ایک عالمِ دین ہونے کے باوجود اس شخص کو سر نہ ہونے کا وہم ہو گیا تھا، حالانکہ سر کے بغیر انسان زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔

## گدھا بن جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک وہمی کا عجیب واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:

''ایک شخص جس کا پیشہ بھیک مانگنا تھا (اور وہ بھکاری تھا) وہ بہت زور زور سے چلّا چلّا کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر بھیک مانگا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس بھیک مانگنے والے سے کسی نے کہہ دیا کہ تم کیا گدھے کی طرح چلّا چلّا کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر آوازیں نکالتے ہو، اس طرح چیخنے چلّانے کی آواز تو گدھے کی ہوتی ہے، جس کو بدترین آواز بتلایا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَ صْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ (سورة اللقمان، رقم الآية ۱۹)

(کہ سب آوازوں میں بدترین آواز گدھے کی آواز ہے)

یہ بات سُن کر اس بھکاری کو وہم ہو گیا کہ کہیں سچ مچ اور حقیقت میں وہ گدھا نہ بن جائے، وہ بہت سخت پریشان رہنے لگا، اس پریشانی کے علاج کے لئے وہ حضرت

www.idaraghufran.org

کے پاس پہنچا اور پھر اس نے حضرت کو ایسا پکڑا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے جان چھڑانی مشکل ہوگئی، وہ بار بار آ کر پوچھتا کہ:

''میں گدھا تو نہیں بن جاؤں گا؟''

حضرت اس کو بہت سمجھاتے اور تسلّی دیتے کہ:

''تو گدھا نہیں بنے گا، نہیں بنے گا''

مگر اس کو کسی صورت میں تسلّی نہیں ہوتی تھی، وہ دُور دُور سے چل کر حضرت کے پاس یہی پوچھنے آیا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت اپنے علاقہ خیر پور گئے ہوئے تھے، وہ وہی شخص لمبا سفر کر کے وہاں بھی پہنچ گیا۔

اُس وقت حضرت کے پاس حضرت کے بڑے بھائی بھی موجود تھے، حضرت نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو اس آنے والے بھکاری شخص کی پریشانی کی تفصیل بتلائی تو حضرت کے بڑے بھائی نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ:

''اس میں پریشان ہونے کی کونسی بات ہے، اس کا علاج تو بہت آسان ہے، جب بھی ایسی پریشانی کا دباؤ پڑے تو اپنے پیچھے ہاتھ لگا کر دیکھ لیا کرو، اگر دُم پیدا ہو رہی ہو تو سمجھ لو کہ گدھا بننے لگ رہے ہو، ورنہ نہیں''

مگر اس شخص کے لیے یہ نسخہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا، اور وہ پریشان ہوکر بار بار حضرت کے پاس آتا رہا اور آ کر حضرت کو بہت تنگ کرتا تھا، آخر ایک مرتبہ حضرت نے تنگ آ کر اس سے کہہ دیا کہ:

''ہاں آپ گدھے بن جائیں گے''

وہ شخص یہ سُن کر بہت ہی زیادہ پریشان ہوگیا اور بہت بیتاب ہوکر تڑپنے لگا اور بہت منت سماجت کر کے بار بار حضرت سے یہی سوال دھرانے لگا کہ:

''میں گدھا تو نہیں بن جاؤں گا؟''

حضرت نے بھی طے کرلیا تھا کہ اب اسے یہی جواب دوں گا کہ:

''ہاں آپ گدھے بن جائیں گے''

وہ بہت پریشان ہوا، کبھی حضرت کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا، کبھی پاؤں پکڑتا اور بہت منت سماجت سے گڑگڑا کر کہتا کہ:

''اللہ کے لئے بتائیں، میں گدھا تو نہیں بن جاؤں گا؟''

یہ شخص کبھی حضرت کو دھمکی بھی دیتا کہ قیامت کے دن گریبان پکڑوں گا، ورنہ صحیح صحیح بتادیں حضرت نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو یقین ہوگیا کہ یہ شخص مجھے ایسے نہیں چھوڑے گا، اس لئے حضرت نے کہہ دیا کہ:

''آپ گدھے نہیں بنیں گے''

یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً بہت تیزی سے بھاگا اور اس کے بعد پھر کبھی حضرت کے پاس نہیں آیا۔ اس کو یہ ڈر تھا کہ اگر حضرت نے پھر یہی کہہ دیا کہ آپ گدھے بن جائیں گے تو واقعتاً گدھا بن ہی جاؤں گا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ اس شخص کے لئے ایسا کارگر اور مفید ثابت ہوا کہ ہمیشہ کے لئے اس شخص سے میری جان چھوٹ گئی'' (ماخوذاز ''وہم کا علاج'')

واقعی وہمی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جب کسی چیز کے پیچھے پڑتے ہیں تو آسانی سے جان نہیں چھوڑتے، ان سے جان چھڑانے اور ان کے علاج کے لئے نہ جانے کیا کیا سوچنا اور تدبیر کرنا پڑتی ہے، اور بڑی حکمت اختیار کرنا پڑتی ہے۔

## سر کا مٹکا ٹوٹنے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

کسی زمانے میں بغداد شہر میں ایک شخص کو وہم اور مالیخولیا ہوگیا تھا، اس مریض کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ:

’’اس کے سر پر مٹی کا مٹکا رکھا ہوا ہے اور اس کو ہر وقت یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ وہ مٹکا ٹوٹ نہ جائے‘‘

اس ڈر اور خوف کی وجہ سے یہ شخص کسی دروازے یا نیچی چھت والی عمارت سے گزرتے وقت جھک جایا کرتا تھا، راستہ میں چلتے وقت لوگوں اور دوسری چیزوں سے الگ ہوکر اور بچ بچ کر چلتا تھا کہ کہیں کسی چیز سے ٹکرا کر وہ مٹکا ٹوٹ نہ جائے، اس سوچ کی وجہ سے خود وہ شخص اور اس سے ملنے جلنے اور تعلق رکھنے والے دوسرے لوگ سخت پریشان تھے، بہت سے طبیبوں اور معالجوں سے علاج کرایا گیا، مگر اس شخص کے مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا، اس زمانہ میں ایک مشہور اور تجربہ کار حکیم تھے، جن کا نام حکیم اوحدالزمان (متوفی ۱۱۵۲ء) تھا، مریض کو ان حکیم صاحب کے پاس لایا گیا، مذکورہ حکیم صاحب یہ سمجھ گئے کہ یہ مریض مالیخولیا میں مبتلا ہے اور جو سر پر مٹکا ہونے کا وہم ہو گیا ہے، اس کا علاج اس وہم کی شان کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔

مذکورہ حکیم صاحب نے علاج کا انتظام اس طرح کیا کہ ایک شخص کو مٹی کا مٹکا دے کر مکان کی چھت پر بٹھا دیا اور ایک اور دوسرے شخص کو لاٹھی لے کر قریب میں تیار رہنے کو کہا، کہ جوں ہی وہ اشارہ کرے تو فوراً لاٹھی والا شخص مریض کے سر کے اوپر زور سے لاٹھی گھمائے اور دوسرا شخص اسی دوران فوراً ہی وہ مٹکا چھت سے نیچے مریض کے قریب چھوڑ دے۔

مذکورہ حکیم صاحب نے مریض کی لاعلمی میں یہ سب انتظام مکمل کر لیا اور مریض کو مکان کی چھت کے قریب بٹھا کر گفتگو شروع کر دی، جب مریض گفتگو میں پوری طرح مشغول تھا، اور وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے سر پر واقعی مٹی کا مٹکا رکھا ہوا ہے، تو خاموشی سے حکیم صاحب نے اشارہ کیا، قریب کھڑے ہوئے شخص نے مریض

کے سر کے اوپر سے زور دار لاٹھی گھمائی اور اوپر بیٹھے شخص نے مٹکا چھوڑ دیا، جو مریض کے قریب زمین پر آ گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، یہ سب کام ایسی صفائی سے ہوا کہ مریض کو پورا یقین ہوگیا کہ جو مٹکا اوپر سے گر کر ٹوٹا ہے، وہ اسی کے سر پر رکھا ہوا تھا، اور اس کو لاٹھی چلانے والے شخص نے لاٹھی مار کر توڑ دیا ہے، اور قصہ تمام ہوگیا ہے، اور اب سر پر مٹکا موجود نہیں رہا، اس طرح مریض کے دماغ میں مدت سے بیٹھا ہوا وہم اور ڈر ختم ہوگیا (ماخوذ از ''الحکیم'' بتغیر لاہور اکتوبر سن ۱۹۵۹ء)

## گائے بن جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

کسی زمانہ میں ایک شہزادے کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ:

وہ گائے بن گیا ہے، چنانچہ وہ بالکل گائے کی طرح چلاّتا رہتا تھا اور ہر شخص سے یہی کہتا تھا کہ مجھے ذبح کرو کیونکہ میرے گوشت سے بہت اچھا ہریسہ (ایک خاص قسم کا کھانا) تیار ہوگا، اس کا مرض اس قدر بڑھ گیا کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور بالکل فاقے سے رہنے لگا تھا، اطباء بھی اس کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔

اس وقت مشہور حکیم بوعلی سینا موجودہ حکومت کا وزیر تھا اور بادشاہ نے اسے تمام سلطنت کے سیاہ سفید کا مالک بنا رکھا تھا، بوعلی سینا سلطنت کے انتظامی کاموں میں لگا رہتا تھا اور اسے لوگوں کے علاج ومعالجے کے لئے فرصت نہیں ملتی تھی، لیکن جب تمام اطباء شہزادے کے علاج سے تنگ آ گئے، تو اس کے اعزاء واقرباء، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے کہنے لگے کہ کسی طبیب کو شہزادے کے علاج میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ اس کا مرض روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لہٰذا آپ اپنے وزیر بوعلی سینا سے کہیں کہ وہ اس کا علاج کرے، چنانچہ بادشاہ کے کہنے پر بوعلی سینا نے شہزادہ کے علاج پر آمادگی ظاہر کی۔

ایک روز اس مریض کو کہلا بھیجا کہ اب تمہیں خوشی منانی چاہئے، کیونکہ تمہیں قصاب ذبح کرنے کے لئے آ رہا ہے، مریض نے جب یہ بات سنی تو خوشی کے مارے بغلیں بجانے لگا، اس کے بعد بوعلی سینا مریض کے مکان پر آیا اور دو خادموں کو ہمراہ لے کر اس کے پاس گیا، مریض کو دیکھ کر بوعلی سینا نے دو لمبی چھریاں نکال لیں، اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ:

''گائے کہاں ہے، تاکہ میں اسے ذبح کروں''

یہ سن کر مریض گائے کی طرح چلاّنے لگا، گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں یہاں حاضر ہوں۔

اس کے بعد بوعلی سینا نے اپنے خادموں سے کہا کہ گائے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو کمرے کے درمیان لٹا دیں۔

شہزادہ یہ بات سن کر خود کمرے کے درمیان آ گیا اور دائیں پہلو پر لیٹ گیا، خادموں نے مضبوطی کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے، بوعلی سینا دونوں چھریوں کو تیز کرتا ہوا آگے بڑھا اور مریض کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا ہاتھ اس کی گردن پر اسی طرح رکھا، جس طرح قصاب گائے کو ذبح کرنے کے وقت اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ:

''یہ گائے بہت دبلی ہے، اور ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے ذبح کیا جائے''

اس کے بعد اس نے ملازموں سے کہا کہ گائے کے ہاتھ پاؤں کھول دیں، کھانے کے لئے اسے ایسی غذائیں دیں جن سے گائے موٹی تازی ہو کر قربانی کے قابل ہو جائے۔

مریض کہنے لگا کہ:

Idara Ghufran

آپ ہی بتائیں کہ میں کس قسم کی غذائیں کھاؤں تاکہ جلد از جلد موٹا ہو کر ذبح کیے جانے کے قابل ہو جاؤں۔

اس تدبیر سے بو علی سینا کو علاج کا کُھلا موقعہ مل گیا اور اُس نے مریض کے علاج اور دماغی خشکی کے لیے خوب غذائیں اور دوائیں تجویز کیں، اور کہا کہ کھانا خوب پیٹ بھر کر کھاؤ تاکہ خوب موٹا اور فربہ ہونے پر تمہیں ذبح کر سکیں۔

بو علی سینا کے چلے جانے کے بعد شہزادے کے خادموں نے حسبِ ہدایت اسے غذائیں و دوائیں دینی شروع کیں جو مریض موٹا ہونے کے شوق میں کھانے لگا۔

جس کی وجہ سے اس کے دماغ کی خشکی دور ہوگئی، اور فاسد اخلاط درست ہوگئیں، یہاں تک کہ وہ ایک مختصر عرصہ میں بالکل صحت یاب ہوگیا، اور اس کا مرض دُور ہوگیا اور وہ اپنے آپ کو گائے کے بجائے انسان سمجھنے لگا (ملاحظہ ہو: کلیات قانون مفردِ اعضاء، مصنفہ: حکیم محمد شریف صاحب، صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵)

## سوتے وقت حلق میں سانپ گھس جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک عورت کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ:

رات کو سوتے وقت اس کے حلق میں سانپ گھس گیا ہے، اور پیٹ میں موجود ہے، جب یہ قصہ ایک معالج کو سُنایا گیا، تو اس نے مریضہ کو کہا کہ تمہارے پیٹ میں ایک سانپ نہیں ہے، بلکہ دو سانپ ہیں، اور فلاں فلاں رنگ کے ہیں، جو شدید زہریلے ہیں، اور ان کو میں نکال سکتا ہوں۔

اس عورت نے خوشی سے اس پر آمادگی ظاہر کی کہ اس کے پیٹ میں موجود سانپوں کو نکال دیا جائے، کیونکہ حکیم صاحب نے اس کی بات کی نہ صرف تصدیق کی تھی، بلکہ مزید آگے بڑھ کر تائید کی تھی۔

چنانچہ ایک روز مقرر کیا گیا، اور مریضہ سے چھپ کر دو سانپ منگوا کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیے گئے، اور ایک ٹیوب اس کے منہ میں داخل کر دی گئی ہے، اور مریضہ کو سمجھایا گیا کہ اس ٹیوب کے ذریعے دوا تمہارے پیٹ میں داخل کی گئی ہے، جو سانپوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکال دے گی، اور زہر سے محفوظ رکھنے کے لئے تمہیں آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑے گی۔

مریضہ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور پچکاری کے ذریعے دوا باہر کھینچی گئی، تو سانپ کے ٹکڑے اس برتن میں ڈال دیے گئے جس میں دوا واپس آنی تھی۔

مریضہ کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی اور اس کو سانپوں کے ٹکڑے دکھاتے وقت یہ بتا دیا گیا کہ یہ سارے ٹکڑے تمہارے پیٹ سے نکلے ہیں۔

اس نفسیاتی علاج کے بعد مریضہ بالکل تندرست ہوگئی اور اس کا وہم جاتا رہا (ماخوذ از طبی نفسیات بتغیر، تالیف حکیم شاہد نوید)

## کافر و مرتد ہو جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک شخص کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا ہے اور جو شخص اسلام سے خارج اور مرتد ہو جائے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے، لہٰذا اب اس کا حل یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

جب بھی اس شخص سے کوئی ملاقات کرتا تو یہ شخص اس سے یہی بات کرتا کہ میں دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا ہوں لہٰذا مجھے قتل کر دو۔

یہ شخص دین داروں اور اہلِ علم کے پاس بار بار جا کر یہی کہتا کہ میں دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا ہوں، لہٰذا میرے قتل ہونے کا فتویٰ اور حکم صادر کیا جائے، سب لوگ پریشان تھے، کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا، اس شخص کو ہزاروں طریقوں پر سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ آپ

دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد نہیں ہوئے، بلکہ بدستور مسلمان ہو، لہٰذا آپ فکر نہ کرو، مگر اس شخص کا وہم کسی طرح دور نہیں ہوتا تھا، بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا تھا، اور اس حالت سے یہ شخص موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔

ایک اللہ والے بزرگ کے سامنے جب یہ مریض پہنچا تو انہوں نے مریض سے مخاطب ہو کر کہا کہ بے شک آپ کافر ہو گئے ہو، لیکن کافر کے مسلمان ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرلے، کلمہ پڑھے اور توحید کا اقرار کرے، اس طرح سو سالہ کافر بھی مسلمان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا آپ کلمہ پڑھ کر فوراً مسلمان ہو جاؤ، مریض کا یہ بات سُننا تھا کہ اس کے ذہن کا رُخ فوراً پلٹ گیا اور اس نے فوراً توبہ واستغفار کے بعد کلمہ پڑھا اور توحید کا اقرار کیا اور اس کا وہم ختم ہو گیا۔

## طلاق واقع ہونے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک مرتبہ ایک ماڈرن انداز کے نوجوان میرے پاس تشریف لائے، جنھوں نے پینٹ شرٹ اور گلے میں ٹائی پہن رکھی تھی اور صورت وشکل سے کافی دنیاوی تعلیم یافتہ شخص معلوم ہو رہے تھے، مگر ان کے چہرے پر رونق بالکل بھی ظاہر نہیں ہو رہی تھی، بلکہ کچھ گھبراہٹ اور ہولنا کی سی محسوس ہو رہی تھی اور آنکھوں کے نیچے حلقے بھی پڑے ہوئے واضح نظر آ رہے تھے،، ان کے تشریف لانے کے وقت میرے پاس پہلے سے کچھ اور حضرات مسائل معلوم کرنے کے لئے موجود تھے، یہ صاحب ان کے پیچھے بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگے، مگر ان نئے آنے والے صاحب کو کسی لمحہ سکون نہیں آ رہا تھا، بار بار اِدھر اُدھر عجیب، غریب انداز سے دیکھتے تھے، اور اپنی نشست بھی بار بار تبدیل کر رہے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان صاحب کو اپنی باری کا انتظار دشوار معلوم ہو رہا ہے اور ان کے دماغ میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے اور وہ جلدی سے اس کو نکالنا اور دور کرنا چاہتے ہیں، بالآخر اپنے سے پہلے موجود لوگوں کی فراغت کے بعد یہ صاحب قریب تشریف لے آئے، اور انہوں نے اس طرح گفتگو شروع کی کہ:

’’م......مفتی صاحب، میرا ایک دوست ہے جو’’ہری پور شہر‘‘ میں رہتا ہے وہ آج کل اپنے ایک م......مرض کی وجہ سے سخت پ......پریشان ہے اور اس کی پریشانی کسی طرح دور نہیں ہو رہی، مختلف ڈاکٹروں، عاملوں اور حکیموں سے علاج کرایا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، خیر یہ بیماری تو اپنی جگہ ہے، میں تو آپ کے پاس اس کے ایک مسئلہ کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ وہ صاحب ج......جب نماز پڑھتے ہیں تو نماز کے آخر میں د......درود شریف پڑھتے ہوئے ان کو اپنی ب......بیوی کے متعلق ط......طلاق کا خیال اور وہم آجاتا ہے اور زبان رک جاتی ہے، عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ ’’بَارَکْتَ عَلٰی ‘‘ کی بجائے ط......طلاق کا لفظ زبان سے نکل گیا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کی بیوی پر ط......طلاق ہوگئی یا نہیں؟‘‘

میں نے ان صاحب کی مکمل گفتگو سننے کے بعد کہا کہ مسئلہ تو بتا دیا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ اس بیماری کا علاج بھی ہو جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ آپ کے وہ دوست خود تشریف لائیں، یہ سن کر وہ صاحب کافی پریشان سے ہوگئے، اور ہڑبڑائے ہوئے انداز میں کہنے لگے......

’’......د......دراصل وہ میرے دوست کافی......م......مصروف ہیں، فی الوقت تو ان کا آنا مشکل ہے، لہٰذا اس وقت تو مسئلہ اور علاج مجھے ہی بتلا دیا جائے، میں ان کو فون پر جواب بتلا دوں گا، اور پھر کبھی وقت ملنے پر وہ صاحب......خ......خود آکر آپ سے......م......ملاقات بھی کرلیں گے‘‘

میں نے کہا کہ ایسا تو ممکن نہیں، علاج تو متعلقہ مریض کو ہی بتلایا جائے گا اور مسئلہ بھی ان کو خود ہی بتلایا جائے گا، آپ اپنے دوست کو اطلاع دے دیں، پھر اگر وہ مسئلہ معلوم کرنے اور اپنا علاج کرانے میں مخلص ہوں گے تو وہ خود ہی مجھ سے رابطہ کرلیں گے، مگر ان صاحب کا اصرار تھا کہ مسئلہ اس وقت انہیں ہی بتلا دیا جائے، جب میں نے ان کو سختی کے ساتھ اس سے منع

کر دیا تو وہ خاموش ہو گئے اور قریب میں منہ لٹکا کر بیٹھ گئے۔

(کیونکہ میں ان کی گفتگو اور حال وچال سے سمجھ گیا تھا کہ غالب گمان کے مطابق یہ مسئلہ ان کی ذات سے ہی متعلق ہے، اور یہ اپنے دوست کی طرف غلط نسبت کر رہے ہیں، ان کی زبان کی تتلاہٹ سے بھی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس قسم کے وہمی مریضوں کی زبان میں عام طور پر تتلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے)

اب مغرب کی نماز کا وقت قریب ہو چکا تھا اور میں اس زمانے میں مسائل بتلانے کے لئے عصر سے مغرب کے وقت تک بیٹھا کرتا تھا، تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہو گئی، اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی گئی۔

مغرب کے بعد جب میں واپس اپنے گھر کی طرف جانے لگا تو ان صاحب نے پیچھے سے آ کر بہت جلدی کے انداز میں کہا کہ......

”......م......مفتی صاحب !......آ...... آپ سے صرف ......د......دو منٹ چاہئیں“

میں نے عرض کیا کہ اب وقت ختم ہو چکا ہے اور اب میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، اور یہ کہہ کر میں مزید آگے کی طرف بڑھا، انہوں نے دوبارہ کچھ بلند آواز سے کہا کہ......

”بس صرف ......د......دو منٹ چاہئیں ،زیادہ نہیں ، اور میں آپ کے ......ف......فائدہ کی بات کہوں گا“

میں نے کہا کہ مجھے الحمدللہ اس وقت گفتگو کی ضرورت نہیں، آپ کو اگر کوئی بات کرنی ہے، تو کل تشریف لے آیئے، لیکن وہ صاحب فرمانے لگے کہ......

”اچھا......چ...... چلتے چلتے مختصر......ب......بات کر لیتا ہوں“

یہ کہہ کر انہوں نے جلدی سے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے غور سے دیکھا اور کہا کہ......

”......ک......کسی سے بتایئے گا نہیں، وہ......م......مریض میں......خ......خود

ہی ہوں ،.......ب......بس اب جلدی سے مجھے بیماری کا علاج اور.......م.......

مسئلہ کا حل بتلا دیجئے‘‘

میں نے کہا کہ اب چلتے چلتے میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں، مرض اور بیماری اتنی بڑی اور پرانی، اور مسئلہ اتنا اہم ونازک ،اس کا علاج کھڑے کھڑے کیسے ہوسکتا ہے، وہ صاحب کہنے لگے کہ......

’’......چ......چلیں ......م......مسئلہ تو بتلا دیجئے ۔میری بیوی کو......ط......طلاق تو واقع نہیں ہوئی اور میرا......ن......نکاح تو.......ب......بحال ہے؟‘‘

میں نے کہا کہ کیا آپ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ......

’’ہر گز بھی نہیں،اور......س......سارا مسئلہ تو یہی ہے کہ میں......ط......طلاق سے بچنا چاہتا ہوں مگر......ط......طلاق مجھ پر زبردستی مسلّط ہونا چاہتی ہے‘‘

میں نے کہا کہ کیا آپ نے اپنی بیوی کو کبھی طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ:

’’نہیں،......م......میں نے تو اپنی بیوی کو کبھی......ط......طلاق نہیں دی‘‘

میں نے کہا کہ جب آپ نے اپنی بیوی کو کبھی طلاق نہیں دی اور نہ ہی دینا چاہتے ہیں تو پریشانی کس چیز کی ہے؟ فرمانے لگے......

’’یہی تو......م......مجھے بھی......س......سمجھ نہیں آتا‘‘

میں نے کہا کہ یہ طلاق جو آپ کو محسوس ہوتی ہے، یہ دراصل نفس اور شیطان دیتا ہے، آپ نہیں دیتے ،لہٰذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب اگر بالفرض طلاق واقع ہو بھی گئی تو وہ شیطان کی مفروضہ بیوی کو ہوگی ،نہ کہ آپ کی بیوی کو، لہٰذا آپ ہرگز بھی پریشان نہ ہوں ،اور نماز پڑھتے وقت اس کا خیال اور ڈر خوف بھی ذہن میں نہ لایا کریں کہ کہیں طلاق واقع نہ ہوجائے، جب آپ اس ڈر خوف کو دماغ سے نکال دیں گے تو آپ کو نماز میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہوگی ،اور باقی تفصیلات پھر کسی اور وقت میں ذکر کردی جائیں گی ،اب آپ

تشریف لے جائیے۔

خیر یہ صاحب تشریف لے گئے اور میں اپنے گھر چلا گیا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انہی صاحب کا فون آ گیا اور فرمانے لگے کہ......

”......م......میں نے آپ سے تھوڑی دیر پہلے فلاں مسئلہ......م......معلوم کیا تھا، کیا آپ......ا......اچھی طرح میرا مسئلہ سمجھ گئے تھے؟“

میں نے کہا، بالکل میں نے آپ کا مسئلہ صحیح طرح سن کر اور سوچ سمجھ کر اچھی طرح جواب دیا تھا، انہوں نے کہا......

”دراصل مجھے......ت......تسلّی نہیں ہو رہی، اور لگتا ہے کہ......م......میں نے شاید اپنی......ص......صحیح حالت آپ کو بیان نہیں کی، اس لئے دوبارہ اپنی حالت بتلا کر مسئلہ معلوم کرنا......چ......چاہتا ہوں“

اور انہوں نے اپنی حالت سنانا شروع کر دی، ان کو پھر دوبارہ سمجھا کر اپنے طور پر مطمئن کیا، اور بات ختم ہوگئی، مگر ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ پھر انہی صاحب کا دوبارہ فون آ گیا اور انہوں نے بڑبڑاتے اور ہکلاتے ہوئے انداز میں کہا......

”کیا اَ......اَ......آپ ہی مفتی رضوان صاحب ...... ہیں؟ اور کیا آپ ہی سے تھوڑی دیر پہلے......م......م......میری بات ہوئی تھی؟“

میں نے کہا جی ہاں میں ہی مفت کا مفتی اور آپ کا خادم ہوں کہ جب چاہیں بغیر کسی ڈر و خوف کے فون کھٹکا کر بات کر لیں۔ کہنے لگے......

”آپ کو......م......میری ذات سے بہت ......ت......تکلیف پہنچی ......د......دراصل مجھے وہم کی بیماری ہے اور مجھے......ش......شک ہو گیا تھا کہ کہیں......م......مفتی صاحب کے علاوہ کسی اور نے غلط مسئلہ نہ بتلا دیا ہو“

میں نے جواب میں کہا کہ یہ سلسلہ تو آپ کا کسی مرحلے پر ختم ہوتا ہوا نظر نہیں آتا اور ہر آنے والی بات پر کسی نہ کسی طرح آپ کو شک ہی ہوتا رہے گا، اس کا علاج یہی ہے کہ آپ اس

Idara Ghufran

موضوع کو سوچنا چھوڑ دیں اور اپنے کام میں لگ جائیں، اور اس طرح ہر ہر وسوسہ کی بال سے کھال نہ نکالا کریں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ آنے والے وسوسہ کو سوچتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کو اپنے اوپر مسلط کر کے سوالات کرتے ہیں، جو کہ غلط ہے۔

خیر کسی طرح ان سے نجات حاصل ہوئی۔

لیکن اگلے دن پھر یہی صاحب تشریف لے آئے اور اپنی دوسری وہم اور شک کی رام کہانی سنانا شروع کر دی، جس پر میں نے ان کو سمجھایا کہ وہم کی طرف انسان کو توجہ نہیں دینی چاہئے، اور اس کو گہرائی سے سوچنا نہیں چاہئے اور نہ ہی اس کے جواب کی جستجو کرنی چاہئے، ورنہ مسائل میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، آپ ایک مسئلہ حل کرنے کے لئے سوال کریں گے مگر کئی مسئلے اس کے نتیجہ میں پیدا ہو جائیں گے۔

کہنے لگے...... ”میں اس سے پہلے کئی......ع......علماء کے پاس گیا اور انہوں نے وہم اور وسوسوں سے......ب......بچنے کے لئے مختلف وظیفے اور ذکر واذکار تجویز کیئے، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ والی بات ہی ہر دفعہ......س......سامنے آئی“

میں نے کہا کہ آپ نے سارے علاج کر کے دیکھ لئے، اب علاج چھوڑ کر بھی تجربہ کر لیجئے۔ بھلا جب کوئی چیز بیماری میں داخل ہی نہ ہو، اس کے علاج کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟ اور اگر آپ پھر بھی علاج میں لگیں گے تو اچھے خاصے صحت مند ہوتے ہوئے بھی بیمار ہو جائیں گے، کیونکہ اگر تندرستی کے ہوتے ہوئے بیماری دور کرنے کی دوا استعمال کی جاتی ہے تو اس سے صحت مند آدمی کے اندر مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا آپ صرف آٹھ روز کے لئے یہ دیسی اور خالی نسخہ ”جو دوا کے بغیر ہے“ استعمال کر کے دیکھ لیجئے۔

بہر حال ان صاحب نے پیش کردہ نسخے پر عمل کیا اور اس کی وجہ سے اس مرض سے غیر معمولی درجہ کی نجات حاصل ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ۔

## کسی بھی کام سے تین طلاق کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ

بہت عرصہ پہلے ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے، ان کو یہ وسوسہ اور وہم تھا کہ اگر وہ کسی بھی کام یا بات کو تین مرتبہ نہیں کریں گے تو ان کی بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی، اس لئے وہ ممکنہ کوشش کرکے ہر کام کو تین مرتبہ کیا کرتے تھے، وہ کسی فوجی ادارہ کے اسٹور میں ملازم تھے اور وہ اسٹور سے ناپ تول کر محکمہ کے لوگوں کو چیزیں فراہم کیا کرتے تھے، اس وہم کی وجہ سے جب وہ کسی چیز کو تولتے تو تین مرتبہ تولتے تھے، کسی چیز کو ناپتے تو تین مرتبہ ناپتے اور اگر خود چائے پینی ہوتی تو تین کپ چائے پیتے تھے، پانی پیتے تو تین مرتبہ تھوڑا تھوڑا پانی لے کر پیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اگر میں نے یہ کام تین مرتبہ نہیں کیا تو اس کام کے بجائے میری بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی، اپنے اس وہم کے مرض سے وہ بہت تنگ تھے اور صحت بھی بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔

میں ان کو سمجھاتا تھا کہ ہر کام یا ہر بات طلاق نہیں ہوتی، آپ نے ہر کام اور ہر چیز کو بیوی اور طلاق بنا رکھا ہے، یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ لیکن ان کی یہ پریشانی ختم نہ ہوتی تھی، میں نے جب مختلف طریقوں سے ان کو سمجھایا اور تین مرتبہ ہر کام اور ہر بات کو کرنے سے منع کیا، اور کہا کہ جب آپ مسلسل اور روزانہ صبح سے شام تک کام کو اس کی ضرورت کے مطابق کریں گے، اور تین کے عدد اور بیوی کے تصور کو ذہن سے نکال کر کریں گے، تو پھر یہ وہم نہ ہوگا، تب کہیں جاکر ان کے وہم کا مرض دُور ہوا۔

## وضو، غسل واجب ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ

ایک صاحب جو کہ راولپنڈی شہر میں ایک سرکاری محکمہ میں ملازم تھے وہ بار بار میرے پاس وضو اور غسل کے مسائل پوچھنے کے لئے آیا کرتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ دن میں کئی مرتبہ غسل کرتے ہیں اور گھنٹوں گھنٹوں غسل خانے میں رہتے ہیں، بلکہ وقت کا بڑا حصہ غسل

خانے میں ہی گزرتا ہے، پانی کی ٹنکی خالی ہوجاتی ہے، سب گھر والوں کو پریشانی ہوتی ہے اور دفتر میں بھی اکثر غیر حاضری یا پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی ہے، ان کے اس طرزِ عمل سے پورا گھر پریشان اور ڈسٹرب (Disturb) تھا، جب ایک مرتبہ غسل کر کے نکلتے، تو دوبارہ وسوسہ اور خیال آجاتا کہ فلاں جگہ خشک رہ گئی ہے، پھر فوراً ہی دوبارہ غسل خانے میں چلے جاتے، بعض اوقات اچانک شرمگاہ پر جھٹکا سا محسوس ہوتا اور لگتا کہ غسل کی ضرورت ہوگئی ہے، بعض دفعہ نماز کے دوران محسوس ہوتا کہ پیشاب کا قطرہ برآمد ہوا ہے، اسی حال میں نماز توڑ کر غسل خانے میں جا کر دیکھتے کہ کہیں کچھ نکلا تو نہیں، اسی طرح جب وہ وضو کرتے، تو پیشاب کا تقاضا محسوس ہوتا، اور اس سے پہلے تقاضا نہیں ہوتا، نماز کے دوران بھی اکثر محسوس ہوتا کہ ریح خارج ہونے والی ہے یا ہوگئی ہے اور ساری نماز اسی ادھیڑ بن میں ختم ہوجاتی، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا پڑھا ہے اور کیا نہیں پڑھا؟

ان صاحب کو مختلف طریقوں سے بار بار سمجھایا کہ بڑی خرابی اس کی ہے کہ آپ نے اپنے ذہن اور دماغ پر ان چیزوں کا خوف مسلط کرلیا ہے، لہٰذا آپ ان چیزوں کو سوچنا چھوڑ دیں اور ان چیزوں کا خوف ذہن سے نکال دیں، یہ سب وسوسے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، آخر کہاں تک شیطان کی باتوں کو مانتے رہیں گے یہ تو آپ کو قبر ہی میں لے جا کر جان چھوڑے گا۔

مدت بعد ان کو یہ بات سمجھ آئی اور جب اس مرض سے نجات حاصل ہوئی تب اُن کو زندگی کا مزہ محسوس ہوا، اور گھر بار میں سکون ہوا، ورنہ بقول ان کے گزشتہ زندگی وسوسوں اور خیالات اور پریشانی ہی کی نظر ہو رہی تھی۔

## ہر چیز کے ناپاک ہونے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ

ہمارے قریبی رشتہ داروں میں ایک خاتون تھیں، یوں تو بظاہر وہ کوئی خاص دیندار اور شریعت

کی پابند نظر نہیں آتی تھیں، اپنے شوہر کی بھی سخت نافرمان اور موذی اور زبان دراز اور بد اخلاق واقع ہوئی تھیں، البتہ وہ پاکی اور نماز کی پابند معلوم ہوتیں تھیں، لیکن اسی کے ساتھ ان کو پاکی، ناپاکی کے متعلق شدید ترین وساوس پیدا ہوتے تھے، جن کی وجہ سے وہ کافی تنگی اور مشکلات میں مبتلا تھیں، اگر ان کو وضو یا غسل کی ضرورت پیش آتی تو وہ بہت زیادہ اہتمام اور وقت خرچ کرتی تھیں، پانی کی معمولی مقدار ان کے لئے کفایت نہیں کرتی تھی، انہوں نے اپنے وضو اور غسل کے برتن مخصوص رکھے ہوئے تھے اور جب وہ غسل یا وضو کی تیاری کرتی تھیں تو اس کی تمہید کافی لمبی ہوجاتی تھی، پہلے لوٹے، بالٹی اور مگّھے وغیرہ کو نہایت اہتمام کے ساتھ دھوتی تھیں، پھر جگہ کو کئی کئی مرتبہ پانی بہا کر پاک کرتی تھیں، اور پھر کئی کئی مرتبہ اپنے جسم کے حصوں خاص کر ہاتھوں پر پانی بہاتی تھیں اور جائے نماز یا ان کے وضو یا غسل کا برتن کوئی دوسرا استعمال کرتا تو برابر اس پر نظر رکھتی تھیں، اگر ذرا بھی طبیعت کے خلاف کوئی واقعہ ہوجاتا تو ناپاکی کا تصور قائم کرلیتی تھیں، ان کے ہاں کوئی آتا جاتا، تو غسل خانہ وغیرہ سے اپنی ضرورت کی چیزوں کو ہٹا کر رکھ لیتی تھیں، اور ہر چیز کے ناپاک ہونے کا وہم ہونے لگتا تھا، ان کو محسوس ہوتا تھا کہ سب لوگ ناپاکی میں زندگی گزار رہے ہیں، اور ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم سب کچھ ناپاک ہے۔

لیکن ان چیزوں سے ہٹ کر ان کی روزمرہ زندگی کے دوسرے معمولات واعمال کا جائزہ لیا جاتا تو ان میں دین کا کوئی نام ونشان نظر نہ آتا تھا، خواہ دیگر فرائض وواجبات ہی کیوں نہ ضائع ہورہے ہوں اور حرام چیزوں ہی میں کیوں نہ مبتلا ہوں، جس کی وجہ یہی تھی کہ شیطان نے ان کو پاکی ناپاکی کے وسوسوں میں وہمی بنا کر اتنا منہمک کردیا تھا کہ ان کو نہ تو دوسرے اعمال کو سوچنے سمجھنے کی فرصت تھی اور نہ ہی پاکی ناپاکی کے وسوسوں کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کی کوئی اہمیت۔

اور یہی وہ نقطہ ہے جو انسان کے وساوس اور حقائق میں فرق کرنے کے لئے کافی ہے، کیونکہ

www.idaraghufran.org

متقی اور پرہیزگار انسان کی نشانی یہ ہے کہ وہ دین کے تمام احکام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے برخلاف وسوسوں کے مریض کا سارا دین اور پوری شریعت اس کے وسوسوں کے ارد گرد گھومتی ہے، ایسے وقت انسان کو خود اپنے نفس کا احتساب کرنا چاہئے کہ کیا دین کے دوسرے احکام میں بھی وہ اتنا زیادہ محتاط نظر آتا ہے یا نہیں؟ اور کیا شریعت کی طرف سے دوسرے احکام اس پر لاگو نہیں ہیں کہ ان سب کو یکسر نظر انداز کر کے اس کی توجہ کی سوئی صرف اور صرف خاص پاکی ناپاکی یا طلاق یا اسی طرح کی کسی اور چیز پر اٹکی ہوئی ہے؟

## کپڑا پاک کرنے میں غلو کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک وہمی صاحب ایک مفتی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ:

''کپڑا پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دھونے کے بعد اسے پورے زور سے نچوڑا جائے، اس لئے میں جب کپڑا دھو کر نچوڑتا ہوں تو اتنا زور لگاتا ہوں کہ کپڑے پھٹ جاتے ہیں اور اتنا زور لگانے کے بعد بھی اس بات کا پورا یقین نہیں ہوتا کہ میرا پورا زور بھی لگا ہے یا نہیں، اس لئے زور لگاتے لگاتے جب تک میری ''اینہ'' کی آواز نہ نکل جائے، اس وقت تک مجھے پورا زور لگانے کا یقین نہیں ہوتا اور اس سے پہلے یہی لگتا ہے کہ پورا زور نہیں لگا، اور زور لگاتے ہوئے اتنی زور سے ''اینہ'' نکل جاتا ہے کہ دوسروں تک بھی آواز پہنچ جاتی ہے، اب جن جن کو یہ بات پتہ چل چکی ہے کہ میں اینہ کی آواز نکالتا ہوں، انہوں نے میرا مذاق اور تماشا بنالیا ہے، اور انہوں نے میرا نام ہی ''اینہ'' رکھ دیا ہے، میں جہاں جاتا ہوں لوگ مجھے چھیڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''اینہ'' آ گیا، ''اینہ'' آ گیا، مفتی صاحب نے ان کو بتلایا کہ اتنا زور لگانے کی کیا ضرورت ہے کہ منہ سے آواز نکل جائے، اور کپڑوں کا پاک کرنا ایک تماشہ بن جائے، یہ سب وسوسہ اور وہم کی باتیں ہیں''

(ماخوذاز ''وہم کا علاج'' بتغیر)

معلوم ہوا کہ وہم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انسان کا دنیا میں بھی اچھا خاصا مذاق بن جاتا ہے۔

## ہاتھوں کے ناپاک ہونے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک شخص کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے اگر کسی کپڑے کو لگ گئے تو وہ کپڑا ناپاک ہو گیا، لوٹے یا کسی اور برتن کو لگ گئے تو برتن ناپاک ہو گیا، نلکے کی ٹونٹی کو لگ گئے تو وہ ناپاک ہو گئی، پھر اس ٹونٹی سے نکلنے والا پانی ناپاک ہو گیا پھر یہ پانی جن جن چیزوں پر اور جہاں جہاں بھی لگ گیا وہ سب چیزیں اور سب جگہیں ناپاک ہو گئیں، یہ شخص مہینوں سے روزانہ فون پر ایک مفتی صاحب سے یہی پوچھتا، بالآخر ان مفتی صاحب نے اس شخص سے فرمایا کہ آپ چھ لفظ یاد کر لیں اور روزانہ پابندی سے بلا ناغہ ان الفاظ کا وظیفہ پڑھا کریں، یہ گویا کہ آپ کا سبق ہے۔

''سونے سے ہاتھ پلید نہیں ہوتے''

ان مفتی صاحب نے انہیں الفاظ گنوائے:

(۱) سونے (۲) سے (۳) ہاتھ (۴) پلید (۵) نہیں (۶) ہوتے۔

پھر ان مفتی صاحب نے اس سے ان الفاظ کا سبق سنا، جب اس نے سبق صحیح سنا دیا تو اس کو روانہ کر دیا، اس کے بعد پھر وہ شخص فون پر روزانہ بلکہ ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ یہی سوال دوہراتا، کبھی کہتا کہ سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے کو ہاتھ لگ گیا، مفتی صاحب جواب میں فرماتے کہ اپنا سبق سناؤ، وہ شخص اپنا سبق سناتا کہ سونے سے ہاتھ پلید نہیں ہوتے، پھر وہ لوٹے یا برتن کو ہاتھ لگنے کا معلوم کرتا، یہ مفتی صاحب اس کے جواب میں بھی سبق سنتے، اس طرح وہ کسی اور چیز کے بارے میں سوال کرتا، تو یہ مفتی صاحب پھر اس کا سبق سنتے، اور وہ یہی کہتا کہ:

''سونے سے ہاتھ پلید نہیں ہوتے''

ان مفتی صاحب نے اس طرح اس کا علاج کیا اور رفتہ رفتہ اس کا وہم ختم ہو گیا۔

(ماخوذ از ’’وہم کا علاج‘‘ بتغیر)

ظاہر ہے کہ جب سونے سے ہاتھ پلید نہیں ہوئے تو ان ہاتھوں کے کسی چیز پر لگنے سے وہ چیز بھی ناپاک نہیں ہوئی، اس طریقہ سے ان مفتی صاحب نے اس وہمی کا علاج فرمایا۔

## بچوں کے تبدیل ہو جانے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک صاحب جو بظاہر پڑھے لکھے اور دنیاوی تعلیم یافتہ تھے، میرے پاس آئے، اور کہا کہ میں ایک مسئلہ کی وجہ سے کافی مدت سے پریشان ہوں، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ میرے کئی بچے ہیں، جن میں سے بعض اب بڑے بھی ہو گئے ہیں، اور فلاں ہسپتال میں ان سب کی مختلف اوقات میں ولادت ہوئی ہے، لیکن مجھے اپنے بچوں کے بارے میں یہ شک ہے کہ وہ ہسپتال میں تبدیل ہو گئے تھے، اور یہ میرے بچے نہیں ہیں، بلکہ کسی اور کے بچے ہیں، اور میرے بچے ان کے بدلہ میں کوئی اور لے کر چلا گیا ہے، میں نے کہا کہ اس شک کی دلیل کیا ہے؟ کہنے لگے کہ کچھ بھی نہیں، بس ویسے ہی شک ہے کہ شاید میرے بچے کسی نے تبدیل کر دیئے ہوں، میں نے کہا کہ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنے بچے آپ کو دے، اور ان کے بدلہ میں آپ کے بچے لے جائے، اور کیا آپ اپنے بچے کسی کو دینے کے لئے تیار ہوں گے؟ کہنے لگے کہ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میں کسی کو اپنی اولاد ہرگز بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی کوئی اور، اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ کسی کو اس طرح کی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں، اور ہر ایک اپنے بچے کو ہی اپنے پاس رکھتا ہے، خواہ وہ کسی بھی طرح کے ہوں، اور ہر ایک کو اپنی اولاد ہی سے سچی محبت ہوتی ہے، لیکن پتہ نہیں کہ مجھے یہ شک کیوں ہوتا ہے، اور شک اتنا زیادہ اور سخت ہوتا ہے کہ میں نے ہسپتالوں سے اپنے بچوں کا بڑی جدو جہد کر کے اور سفارشات کر کے پرانا ریکارڈ نکلوا کر دیکھ لیا ہے، اور اس پر بھی جب اطمینان نہ ہوا، تو ریکارڈ

والے رجسٹر سے اصل کاغذات بھی پھڑوا کر منگوا لئے ہیں، تاکہ اچھی طرح سارا ریکارڈ دیکھ اور پڑھ سکوں، اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، مگر مجھے کسی طرح سکون ہی نہیں ملتا، اور میں رات کو اٹھ اٹھ کر، اپنے بچوں کو غور سے دیکھتا ہوں، اور ان کی شکل وصورت کو، اپنی شکل و صورت سے ملاتا ہوں، کبھی تو اطمینان ہو جاتا ہے، لیکن کبھی کسی عضو میں مشابہت نہ محسوس ہو رہی ہو، اور کسی اور شخص سے مشابہت مل رہی ہو، تو شک ہوتا ہے کہ یہ شاید فلاں شخص کا بچہ ہے، اور میرا بچہ اس کے پاس ہے۔

میں نے ساری صورتِ حال سُن کر اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص پکا وہمی ہے، اور اس طرح جان چھوڑنے والا نہیں ہے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کے والد صاحب کا کیا نام ہے؟ انہوں نے اپنے والد صاحب کا بڑے احترام سے نام بتلایا، میں نے کہا کہ واقعی وہ آپ کے والد صاحب ہیں، اور آپ اُن کے ہی بیٹے ہیں؟ انہوں نے بڑے پُر زور انداز میں جواب دیا کہ جی ہاں، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، میں نے کہا کہ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ ان کے بیٹے ہیں، اور وہ آپ کے والد ہیں؟ کہنے لگے کہ میں ان کی اولاد ہوں، اور وہ میرے والد، بس یہی ثبوت ہے، اور کاغذوں میں بھی میری یہی ولدیت ہے، میں نے کہا کہ اس طرح کا ثبوت تو آپ کے بچوں کے بارے میں بھی ہے کہ وہ آپ کے بچے ہیں، اور آپ ان کے والد، اور سرکاری کاغذوں میں بھی اندراج ہے، اور اگر آپ کو اپنے بچوں پر اطمینان نہیں، تو آپ کو اپنے والد پر بھی اطمینان نہیں ہونا چاہئے، اور آپ کے بچے جس دلیل اور ثبوت سے آپ کے بچے ہیں، اس سے زیادہ ثبوت شاید دوسرے لوگوں کے پاس بھی اپنی اولاد کے بارے میں نہیں ہوگا، اور پھر یہ مسئلہ والدین اور اولاد تک ہی محدود نہیں، بلکہ لوگوں کی بیویوں اور بھائی بہنوں اور دوسرے رشتہ داوں کے بارے میں بھی ہر ایک کو یہی شبہ ہوسکتا ہے؟ اس لئے آپ کا اپنے بچوں کے بارے میں جو شک وشبہ ہے، وہ بلا دلیل، بلکہ خلافِ دلیل ہے، اور وہ صرف شیطان کی طرف سے وسوسہ ہے، جسے آپ نے اپنے اوپر سوار کر رکھا

ہے، اور اس قسم کے وسوسوں سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کے، اور آپ کی اولاد، اور پھر اس کے نتیجے میں بیوی وغیرہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات میں بگاڑ پیدا کرے، اور آپ کے اس وسوسہ کے ترقی کرنے اور وہم بن جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے وسوسوں پر عمل کیا، اور ان کے نتیجہ میں کھود کرید اور تحقیق وتفتیش شروع کردی، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی۔

حالانکہ شرعاً، اخلاقاً، اور قانوناً کسی طرح بھی، اس طرح کی کھود کرید کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا آپ اپنی اولاد کے بارے میں اپنی اولاد ہونے کی دلیل، اور اس کی تحقیقات وتفتیشات چھوڑ دیں، اور اپنے بچوں کو اپنی اولاد ہی سمجھیں، اور اسی کو سب سے بڑی دلیل سمجھیں، اس طرح سے ان کو کچھ دیر تک اور ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف طریقوں سے سمجھایا، تب جا کر ان کو سکون حاصل ہوا، اور اب الحمدللہ ان کے بچے جوان اور شادی کے قابل ہیں۔

## مالیخولیا سے متاثر دو بھائیوں کے متعلق واقعہ

کافی مدت پہلے ایک دفعہ میرے پاس، مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد دو نوجوان تشریف لائے، جو بظاہر شکل وصورت سے نیک صالح معلوم ہو رہے تھے، اور انہوں نے آ کر کہا کہ ہم دونوں بھائی ہیں، لیکن ہمیں چند شریر اور بدترین جنّات نے پریشان کیا ہوا ہے، میں نے کہا کہ وہ جنّات کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ہیں، میں نے کہا کہ اس وقت آپ کے ساتھ کس جگہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ایک ہمارے اس ہاتھ پر بیٹھا ہے، اور ایک پیٹ پر بیٹھا ہے، اور ایک فلاں جگہ بیٹھا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مجھے ان دونوں کی باتوں سے کچھ اندازہ ہوگیا کہ یہ دونوں بھائی وہم اور مالیخولیا کے مریض ہیں، میں نے ان سے کہا کہ آپ دونوں صبح میرے پاس ادارہ میں تشریف لے آئیں، وہاں ان شاءاللہ تعالیٰ آپ کے سب جنات کا علاج ہوجائے گا، انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے

ادارہ تک آنے کے قابل نہیں ہیں، اور ہم تو آپ کی مسجد میں یہاں بھی بڑی مشکل سے پہنچے ہیں، اور شاید آج رات کو ہی صبح ہونے سے پہلے ہمیں جنات مار کر ختم نہ کر دیں، میں نے کہا کہ ان شاء اللہ ایسا ہر گز نہیں ہوگا، اور اگر ایسا ہوا، تو میں آپ کے جنات کو عبرتناک سزا دوں گا، یہ سن کر انہیں کچھ اطمینان ہو گیا، اور وہ کچھ مطمئن ہو کر واپس لوٹ گئے، اور اگلے دن صبح کے وقت دونوں بھائی صاحبان میرے پاس ادارہ میں پہنچ گئے، میں نے ان سے معلوم کیا کہ آپ کے جنات اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاتھوں پر ہیں، میں نے کہا کہ آپ کے جنات بڑے کمزور ہیں، کہنے لگے کہ نہیں، بلکہ بڑے خونخوار اور طاقت ور ہیں، میں نے کہا کہ اچھا تو میں ایک ایک کر کے ترتیب وار آپ دونوں بھائیوں کا ہاتھ پکڑوں گا، اور پھر آپ کے جنات میرے سے ہاتھ چھڑوا کر دکھائیں، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں نے ان میں سے ایک بھائی کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا، اور چھڑوانے کو کہا، مگر وہ دونوں بھائی نفسیاتی بیماری کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے، اس لئے وہ مجھ سے ہاتھ نہیں چھڑا سکا، دوسرے بھائی کی بھی یہی صورتِ حال سامنے آئی۔

اب مجھے غالب گمان ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ جنات وغیرہ کچھ بھی نہیں ہیں، بلکہ یہ صرف وہمی اور مالیخولیا کے مریض ہیں۔

میں نے جب ان کے گزشتہ حالات اور خانگی و گھریلو ماحول کے بارے میں ان سے معلومات کیں، تو اندازہ ہو گیا کہ ان کے والد صاحب کا مزاج کافی سخت اور تلخ ہے، اور گھر کا پورا ماحول ہی اس نوعیت کا ہے کہ جو نفسیاتی اور مالیخولیا کی بیماری کا سبب بنتا ہے، اور پہلے ایک بھائی، اور اس کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے دوسرے بھائی پر اس بیماری کے اثرات پڑے ہیں، کیونکہ ان میں سے ایک بھائی، اپنے دوسرے بھائی کی ہر بات کی تصدیق کیا کرتا تھا۔

میں نے ان دونوں بھائیوں کو کچھ دن ادارہ میں قیام پذیر ہونے کو کہا، تا کہ وہ گھریلو ماحول

سے چند دن الگ رہیں، اوران کی طبیعت سے گھریلو ماحول کا تاثر دور ہو، اس سلسلہ میں ان کے والد صاحب سے رابطہ کیا، تو وہ بھی اپنے ان بچوں کی طرف سے کافی پریشان تھے، اور وہ بھی اپنے بچوں کی طرح یہی سمجھتے تھے کہ ان پر جنات وآسیب وغیرہ کے اثرات ہیں، اور انہوں نے مختلف عاملوں سے اپنے ان بچوں کے سلسلہ میں رجوع بھی کیا تھا، مگر بچوں کی طبیعت بحال نہ ہوسکی، ان کے والد صاحب نے دونوں بھائیوں کو بخوشی چند دن بلکہ طبیعت بحال ہونے تک ادارہ میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت دیدی، تاکہ ان کا علاج ہوسکے، بہر حال ان دونوں بھائیوں نے ادارہ میں رہنا سہنا شروع کردیا، اور میں نے ادارہ کے اپنے احباب اور رفقاء سے کہہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ منفی رویہ ہرگز نہ رکھیں، اور ان کے ساتھ باہتمام خوش اخلاقی وخوش کلامی سے پیش آئیں، ساتھ ساتھ میں نے ان دونوں بھائیوں کو پانی وغیرہ دم کرکے استعمال کرتے رہنے کی تاکید کردی، اور کچھ مقوی خمیرہ جات وغیرہ بھی استعمال کرائے، جس سے رفتہ رفتہ ان دونوں بھائیوں کی مالیخولیا کی بیماری درست ہوگئی، دماغ واعصاب کی گرمی وخشکی دُور ہوگئی، اوران دونوں بھائیوں کی پرانی صلاحیتیں بھی بحال ہونا شروع ہوگئیں، اس حالت میں انہوں نے بخوشی تقریباً ایک سال ادارہ میں رہائش اختیار کیئے رکھی، اور ادارہ کے مختلف شعبوں میں فی سبیل اللہ نمایاں خدمات انجام دیں۔

جب ان کے والد صاحب نے دیکھا کہ ان کے دونوں بچے پوری طرح صحت یاب ہوچکے ہیں، تو وہ ان کو پرزور اصرار کے ساتھ اپنے گھر لے گئے، مگر بدقسمتی سے گھر میں جاکر پھر اسی ماحول کے اثر سے ان کی پرانی بیماری عود کرآئی، اور وہ اکثر وبیشتر اوقات میں گھریلو ٹینشن کے ماحول سے بچنے اور والد صاحب سے دُور رہنے کے لئے گھر کے ایک کمرے میں رہنا سہنا شروع ہوگئے، رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پہلے ایک بھائی اوراس کے بعد دوسرا بھائی فوت ہوگیا، اوران دونوں کے غم میں والد صاحب بھی دنیا سے چل بسے اور پورے گھر کا شیرازہ بکھر کررہ گیا، فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مالیخولیا کی بیماری بعض اوقات منفی اور سخت رویہ اور ٹینشن وغصہ والے ماحول سے متاثر ہوکر اور الگ تھلگ تنہائی میں رہنے سہنے اور کسی چیز سے مدت تک ڈرتے رہنے کی وجہ سے بھی پیدا ہوجاتی ہے، اور اگر اس طرح کے ماحول کو درست نہ کیا جائے، تو بعض اوقات یہ بیماری جان لیوا بھی ثابت ہوجاتی ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کو یہ بیماری پیدا ہوجائے تو اس کے ساتھ رہنے والے دوسرے لوگوں پر بھی اس کے برے اثرات پڑتے ہیں، کیونکہ اچھی اور بُری صحبت کے اثرات کا ہونا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

## رات کو جنّات سے ہم کلامی کے وہم سے متعلق واقعہ

کافی مدت پہلے میرے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے، اور ان کو یہ وہم تھا کہ رات کو ان کے کمرے میں کافی سارے جنات ہوتے ہیں، اور وہ جنات مل کر ان صاحب کو مارنے کی سازش اور کوشش کرتے ہیں، وہ صاحب کسی جگہ ملازم تھے، اور رات کو کسی کمرہ میں اکیلے رہا کرتے تھے، وہ روزانہ میرے پاس آکر اپنی رات بھر جنات کے ساتھ گفت وشنید کی داستان سناتے کہ رات کو دو جن آئے تھے، اور وہ یہ کہہ رہے تھے، میں نے جواب میں یہ کہا، اور انہوں نے جواب میں یہ کہا، اور یہ کہ وہ جنات کبھی تو میرے کمرے میں مگر مجھ سے کچھ فاصلہ پر ہوتے ہیں، اور کبھی میری چارپائی کے نیچے آجاتے ہیں، اور کبھی میرے ساتھ ہی چارپائی پر آکر بیٹھ یا لیٹ جاتے ہیں۔

میں ان صاحب سے شروع شروع میں معلوم کرتا کہ کیا آپ کو وہ نظر آتے ہیں، وہ جواب میں کہتے کہ نظر تو نہیں آتے، لیکن ان کی آواز سنائی دیتی ہیں، اور وہ میرے ساتھ سب باتیں کرتے ہیں، میں ان صاحب سے معلوم کرتا کہ کیا وہ دن کے اوقات میں بھی آپ کے ساتھ

ہوتے ہیں، وہ جواب میں کہتے کہ نہیں، دن میں تو وہ میرے پاس بالکل نہیں آتے، ہاں اگر کبھی میں بالکل اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، اور فارغ ہوں، اور بالکل شور وغل نہ ہو، تو پھر میرے پاس آجاتے ہیں، لیکن رات کو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتے ہیں، مگر جب میں اپنی بیوی بچوں کے پاس ہوتا ہوں، یا کسی جگہ رشتہ داروں کے یہاں جاتا ہوں، یا کوئی میرے پاس رات کے وقت ہوتا ہے، اس وقت وہ جنات نہیں آتے، بس وہ صرف تنہائی اور یکسوئی میں اور وہ بھی زیادہ تر رات کے سناٹے میں میرے پاس آتے ہیں۔

دو تین دن ان صاحب کی گفتگو سننے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان صاحب کے ساتھ کوئی جن وغیرہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ صاحب تو وہمی ہیں، اور اکیلے پن اور خاص طور پر رات کی تنہائی و یکسوئی میں اپنے آپ سے ہم کلامی یا خود کلامی کرنے یا شیطان کے ساتھ وسوسوں کے طور پر گفت وشنید کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے، اور اسی کو ان صاحب نے جنات سمجھ رکھا ہے، اس لئے میں نے ان صاحب کا علاج نفسیاتی طور پر مناسب سمجھا، ان صاحب کو عملیات وتعویذات سے بھی کافی عقیدت تھی، میں نے ان صاحب کو پانی دَم کر کے دے دیا، اور قرآنی آیات لکھ کر ایک تعویذ بھی دے دیا کہ اس کو اپنے ساتھ رکھیں، اور ان کو ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ جب وہ جنات آیا کریں، تو فوراً اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو، اس سے سارے جنات دور ہوجائیں گے، اور آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

اس طرزِ عمل سے ان صاحب کو بڑا فائدہ ہوا، لیکن چند دن بعد یہ صاحب پھر آگئے کہ اب وہ جنات میرے بستر اور چارپائی سے تو دور رہتے ہیں، لیکن وہ میرے کمرہ سے بھی دور ہوجائیں، ایسا بھی کوئی عمل یا تعویذ تجویز کردیں، میں نے اس غرض کے لئے بھی کچھ پانی پڑھ کر دیدیا کہ اس پانی کو کمرہ کے در و دیوار پر چھڑک دیں، پھر وہ صاحب آئے کہ اب وہ جنات گھر سے باہر رہتے ہوئے ہی آوازیں دیتے ہیں، میں نے ان کو اپنی رہائشی جگہ تبدیل کر کے کسی اور کے ساتھ کمرہ لینے کا مشورہ دیا، جس پر انہوں نے عمل کیا، اور ان کی تنہائی اور

خلوت، جس میں وسوسے زیادہ آتے تھے، وہ ختم ہوگئی، تو رفتہ رفتہ باقی ماندہ جنات کا وہم بھی دور ہوگیا، اور وہ الحمدللہ اس وھم سے پوری طرح صحت یاب ہوگئے۔

## جمعدار کی وجہ سے گھر کی ناپاکی کے وہم سے متعلق واقعہ

ایک خاتون، جو کہ امیر اور پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، بال بچہ دار خاتون تھیں، اور صوم وصلاۃ کی بھی پابند تھیں، مگر وہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں، اور وہ مختلف اوقات میں مجھ سے فون پر یہ مسئلہ معلوم کیا کرتی تھیں کہ ہمارے گھر کے باہر گلی میں کبھی فرش دھونے سے پانی کھڑا ہوجاتا ہے، اور گلی میں جمعدار آتا ہے، وہ وہاں سے گزرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے، اور پھر اس جگہ گلی سے گزر کر ہمارے گھر کے بال بچے اور شوہر وغیرہ آتے ہیں، اور وہ ان ہی جوتوں سے گھر میں آجاتے ہیں، جس کی وجہ سے پورا گھر اور گھر کی ہر چیز ناپاک معلوم ہوتی ہے، میں ان خاتون کو مختلف طریقوں سے سمجھاتا، کہ آپ بیٹھ کر خوامخواہ کی کڑیاں جوڑتی رہتی ہیں، کہ جمعدار ناپاک تو اس کی وجہ سے گلی ناپاک، اور گلی کی وجہ سے وہاں سے گزرنے والے ناپاک، اور ہمارے گھر کا صحن ناپاک، اور پھر سارا گھر ناپاک، آپ یہ سب فرضی چیزیں گھڑتی رہتی ہیں، ایسا ہرگز نہ کیا کریں۔

مگر وہ کسی طرح سمجھتی ہی نہ تھیں، اور بار بار یہی سوال دھرا کر تنگ کیا کرتی تھیں، میں نے ایک مرتبہ کہا کہ اس مرتبہ میں آپ کے سارے گھر کے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیدوں گا، یہ سُن کر وہ بڑی پریشان ہوئیں، اور کہا کہ ایسا ہرگز مت کرنا، ورنہ میرا جینا محال ہوجائے گا، میں نے کہا کہ میں اتنے دنوں سے آپ کے گھر کے پاک ہونے کا فتویٰ دے رہا ہوں، مگر آپ کو سکون نہیں مل رہا، اور آپ کا مسئلہ حل نہیں ہورہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مسئلہ اب اسی طریقہ سے حل ہوگا، اور آپ کو اسی جواب سے سکون ملے گا، کہنے لگیں کہ نہیں مجھے آپ کی باتوں سے بڑا سکون ملتا ہے، لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر یہ سکون آہستہ آہستہ ختم

ہوجاتا ہے، اور پہلی حالت لوٹ آتی ہے، میں نے کہا کہ جب بھی وہ حالت لوٹنے کے قریب ہوا کرے، تو فوراً یہ سوچ لیا کرو کہ ابھی تک تو گھر پاک ہے، لیکن اگر میں نے مفتی صاحب سے یہ سوال کیا تو ان کی طرف سے پورے گھر کے ناپاک ہونے کا فتویٰ مل جائے گا، اور پھر مشکل بن جائے گی، انہوں نے اس پر عمل کیا، اور چند دنوں تک یہ عمل کرتے رہنے سے بحمد اللہ تعالیٰ ان صاحبہ کا یہ وہم اور وسوسہ دور ہوگیا، ورنہ اس سے پہلے بار بار سوچنے اور پوچھنے کی وجہ سے ان کا سارا گھر پریشان تھا، اور وہ خود بھی بہت اذیت میں تھیں۔

## عملیات کے نتیجہ میں وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ

بعض لوگوں کو مختلف قسم کے عملیات کرنے اور وظائف پڑھنے کی بناء پر دماغ میں خشکی آجانے یا عملیات اور وظائف کے غلط نتائج پر نظر و توجہ ہونے کی وجہ سے وہم، بلکہ مالیخولیا کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے، جس کو بعض لوگ عمل بگڑ جانے کا نام دے دیتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے جاننے والوں میں چند بھائی تھے، ان کے والد صاحب کا مزاج بڑا سخت تھا، وہ اپنے سب بچوں پر بڑی سختی اور ہر چیز میں روک ٹوک کیا کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان سب بھائیوں کا اپنے والد سے اختلاف رہتا تھا، ان بھائیوں کے کاروبار بھی کچھ درست نہیں تھے، اور یہ سب اپنے کمروں میں اکیلے اکیلے اکثر وقت گزارا کرتے تھے، اور ایک دوسرے سے تعلق بھی بہت کم رکھتے تھے، اور الگ تھلگ رہنا بھی وہم اور وسوسوں کا سبب بن جایا کرتا ہے، کیونکہ خود سے انسان الگ بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے مختلف طرح کے سوال و جواب کرتا رہتا ہے، اور خیالات کی دنیا میں گُم رہتا ہے، اسی وجہ سے دیکھنے میں آتا ہے کہ جن لوگوں کی شادی بیاہ نہیں ہوتی، اور وہ الگ تھلگ چھڑے بن کر رہتے ہیں، ان میں بہت سے لوگ وہم اور وساوس کے مریض ہوتے ہیں۔

بہرحال ان بھائیوں کو کسی عامل نے یہ بتادیا کہ آپ پر کاروبار کی کسی نے بندش کرادی ہے،

اور بندش کرانے والا کوئی غیر نہیں ہے، بلکہ تمہارا والد ہے، اور اس کے لئے تمہیں فلاں عملیات کرنے پڑیں گے، اور چِلّے کھینچنے پڑیں گے، جس کے ذریعہ سے تمہاری بندش ختم ہوجائے گی، اور تمہیں پتہ بھی چلے گا کہ تمہارے والد صاحب نے کس کس طریقہ سے تم پر بندش اور جادو کا عمل کیا ہے۔

بہر حال انہوں نے وہ عملیات کرنا اور چِلّے کھینچنا شروع کردیئے، اور رفتہ رفتہ ان کو مختلف چیزوں کا وہم ہونے لگا کہ فلاں فلاں طریقوں سے ہمارے اوپر جادو کیا جارہا ہے، اور یہ وہم ترقی کرتے کرتے کہیں کے کہیں پہنچ گیا، اور بالآخر وہ مالیخولیا کے مریض بن گئے، اور ان میں سے بعض کی بیماری جنون و پاگل پن کی حد تک پہنچ گئی۔

معلوم ہوا کہ بعض اوقات عاملوں کی طرف سے بھی غلط فہمیاں پیدا کرنے اور اس کے نتیجہ میں عملیات اور وظائف وچلہ کشی کرنے کے نتیجہ میں وہم اور مالیخولیا کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے، اور ترقی کرکے انسانیت کے شرف کو ضائع کردیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

## بیوی کے حرام ہوجانے کا وہم ہوجانے سے متعلق واقعہ

بعض لوگ کسی جگہ سے کوئی ادھورا یا ناقص مسئلہ سُن یا پڑھ لیتے ہیں کہ اگر فلاں عمل سرزد ہوجائے تو اس سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، اور پھر اس عمل کے اپنے سے سرزرد ہوجانے کا وہم اور وسوسہ ہونے سے بیوی کو حرام سمجھ بیٹھتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ وہ اپنی ساس کو شہوت کی نظر سے دیکھتے ہیں، یا شہوت کی نظر سے چھوتے ہیں، اور اس کی وجہ سے ان کی بیوی ان پر حرام ہوچکی ہے، اور اب حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، وہ میرے پاس بار بار آتے اور یہی سوال دھراتے کہ میں جب اپنی ساس کو دیکھتا ہوں، یا ان سے ملتا ہوں، یا کوئی چیز ان کے ہاتھ میں لیتا دیتا ہوں، تو

ایک دم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شہوت پیدا ہوگئی ہے، اور میری بیوی مجھ پر حرام ہوگئی ہے، کیونکہ میں نے کسی جگہ سے سنا تھا کہ اس طرح سے بیوی حرام ہو جاتی ہے، میں ان کو ہر مرتبہ سمجھاتا کہ اس طرح سے بیوی حرام نہیں ہوتی، وہ پھر اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا مسئلہ معلوم کرتے کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کیا حکم ہے؟

میں جواب میں کہتا کہ آپ وہم اور وسوسوں کے مریض ہیں، اور ایسے مریض کو اس طرح کے فرضی مسائل معلوم نہیں کرنا چاہئے، لیکن وہ پھر بھی باز نہ آتے، میں نے جب دیکھا کہ یہ اس طرح جان چھوڑنے والے نہیں ہیں، تو میں نے ان صاحب سے کہا کہ کیا آپ اپنی بیوی کے بجائے اپنی ساس کو پسند کرتے ہیں، اور نعوذ باللہ یہ چاہتے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ کر ساس کے ساتھ نکاح کریں، یا بدکاری کریں؟ انہوں نے کہا کہ ایسا تو میں کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتا، میں نے کہا کہ جب آپ اس کو اتنا برا عمل سمجھتے ہیں، تو پھر یہ حرکت آپ کیسے کر سکتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ شیطان دراصل آپس میں قطع رحمی کرانا چاہتا ہے، اسے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک ہرگز پسند نہیں، اور یہ بھی پسند نہیں کہ میاں بیوی آپس میں خوش وخرم زندگی گزاریں، اور انہیں وہ احادیث سنائیں، جن میں شیطان کی طرف سے میاں بیوی کے درمیان ناراضگی ونااتفاقی ڈلوانے کی کوشش کرنے کا ذکر ہے، تب کسی طرح سے ان صاحب کی اس وہم اور وسوسہ سے جان چھوٹی، ورنہ انہوں نے اپنی ساس کو دیکھنا، اور اپنے سسرال والوں کے گھر آنا جانا، سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔

اللہ اس طرح کے وسوسہ اور وہم سے متاثر ہونے سے بچائے، ورنہ نہ جانے یہ وساوس اور اوھام کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔

## بات بات میں بیوی کو طلاق کا وہم ہونے سے متعلق واقعہ

ایک نوجوان اور نیک صالح، خان صاحب کافی مدت پہلے میرے پاس اپنی بیوی کی طلاق

کے وسوسوں سے متعلق مسئلے معلوم کرنے کے لئے آیا کرتے تھے، اور وہ صورت وشکل سے کافی شریف اور بھولے معلوم ہوتے تھے، ان کو بار بار یہ وہم ہوجاتا تھا کہ ان کی زبان سے بیوی کے متعلق طلاق کے الفاظ نکل گئے ہیں، کبھی وہ اپنی دوکان پر موجود ہوتے وقت گاہک سے کوئی بات کرتے، تو اس میں وہم ہوجاتا تھا کہ شاید میں نے اس گاہک کو زبان سے فلاں الفاظ کہہ دیئے ہیں، اور یہ الفاظ تو بڑے خطرناک ہیں، کیونکہ ان سے تو طلاق ہوجاتی ہے، اس لئے میری بیوی کو شاید طلاق ہوگئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال وہ خان صاحب میرے پاس آکر بڑی عاجزی اور مسکینیت کے ساتھ اپنی دُکھ بھری داستان سناتے، اور کہتے کہ میں بیوی کو طلاق بالکل بھی نہیں دینا چاہتا، کیونکہ میں اس سے ہر طرح سے خوش اور راضی ہوں، مگر یہ الفاظ زبان سے نکل گئے ہیں، یا ایسا محسوس ہوا ہے کہ زبان کو حرکت ہوگئی ہے، اور فلاں الفاظ ادا ہوگئے ہیں، میں ان کو سمجھایا کرتا تھا کہ اس طرح طلاق کا سوچنے، تصور کرنے، خیال میں طلاق کے الفاظ آنے اور زبان کے ہلنے اور حرکت ہونے کا وسوسہ آنے سے طلاق نہیں ہوتی، اور اسی طرح ایرا غیرا کے ساتھ بات چیت کرنے اور سودا سلف کرتے وقت بھی بات چیت کرنے سے طلاق نہیں ہوتی، وہ جواب سُن کر کافی دیر بیٹھے رہتے، پھر تھوڑی دیر بعد اسی طرح کا ملتا جُلتا سوال دوہراتے، میں پھر ان کو سمجھاتا، پھر وہ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اسی طرح کا سوال کرتے، چند دن بعد میں بھی ان سے تنگ پڑ گیا، اور میں نے کہا کہ اگر آپ اب کی مرتبہ اس طرح کا سوال کروگے، تو میں طلاق ہونے کا فتویٰ دے دوں گا، یہ سُن کر وہ بڑے پریشان ہوئے، میری منّتیں اور سماجتیں کرنے لگے کہ خدا کے واسطے طلاق کا فتویٰ مت دینا، کبھی وہ میری ٹھوڑی کو ہاتھ لگاتے، اور کبھی میرے پیر پکڑتے، اور یہی کہتے کہ اللہ کے واسطہ طلاق کا فتویٰ مت دینا، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

میں ان کو جواب میں کہتا کہ اگر آپ اب کی مرتبہ دوبارہ اس طرح طلاق ہونے کا سوال کروگے، تو میں طلاق ہونے ہی کا فتویٰ دوں گا، وہ بار بار مجھ سے وعدہ کرتے کہ میں آئندہ

ایسا سوال نہ کروں گا، اور وہ پھر بار بار آ کر یہی بات کرتے کہ آپ وعدہ کریں کہ طلاق ہونے کا فتویٰ نہیں دو گے، میں وعدہ کرتا، تو وہ واپس چلے جاتے، مگر پھر آ جاتے۔

اب میں ان کی اس منت سماجت والی حالت سے تنگ آ گیا کہ ایک مصیبت سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت گلے پڑ گئی، میں نے خوب سوچ سمجھ کر کہا کہ اگر اب آ کر آپ مجھ سے یہ وعدہ لینے آئیں گے، تو بھی طلاق کا فتویٰ دے دوں گا، وہ یہ سُن کر بہت پریشان ہوئے، اور کہا کہ اب میں کیا کروں؟

میں نے کہا کہ تم میرے پاس آ کر اپنی بیوی کی طلاق ہونے نہ ہونے کا قضیہ ہی نہ چھیڑا کرو، تب انہوں نے یہ وعدہ کیا، اور پھر کبھی بیوی کی طلاق کا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے میرے پاس نہیں آئے۔

اور اس طرح ان کی اور ان کی وجہ سے میری اس مصیبت سے اللہ اللہ کر کے جان چھوٹی۔

## نقش ونگار کو تصویر یا لکھائی سمجھنے کے وہم سے متعلق واقعہ

ایک مرتبہ ایک صاحب میرے پاس انتہائی پریشانی و بے چینی کے عالم میں آئے، اور آ کر انہوں نے کہا کہ میں جس مسجد میں بھی نماز پڑھتا ہوں، وہاں قالین اور جانماز پر مختلف قسم کی تصویروں کے نقوش اور مقدس ناموں کی لکھائی نظر آتی ہے، اور مجھے نماز پڑھنا محال ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آج کل ایک منظّم سازش کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہے کہ جائے نمازوں پر مقدس کلمات چھاپے جا رہے ہیں، اور اللہ اور رسول وغیرہ کے نام کے نقش ونگار کئے جا رہے ہیں، تا کہ مسلمان ان پر بیٹھیں اور چلیں پھریں، اور اس طرح بے ادبی کر کے گناہگار ہوں، اور اسی طرح مختلف چیزوں کی تصویریں بھی منقش کی جا رہی ہیں، تا کہ مسلمانوں کی نمازیں اور عبادت سب کچھ غارت ہو۔

اور وہ صاحب اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اپنے ساتھ جائے نمازوں کے کچھ نمونے

بھی لائے تھے، میں نے ان کی باتوں کو توجہ سے سنا، اور جائے نمازوں پر بنے ہوئے نقش و نگار کو بھی غور سے دیکھا، مگر مجھے فی الواقع ان جائے نمازوں پر پھول، پتیوں اور بوٹوں وغیرہ کے علاوہ کوئی جاندار کی تصویر اور مقدس کلمہ لکھا ہوا نظر نہیں آیا، مگر وہ صاحب گھما پھرا کر اور مختلف کڑیاں جوڑ کر، اور بقول کسے ؎

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

اور زبردستی کر کے، تانے بانے جوڑے جارہے تھے کہ یہ اس طرح کر کے ''الف'' ہے، اور یہ اس طرح کر کے ''لام'' ہے، اور یہ اس طرح کر کے ''ہا'' ہے، وغیرہ وغیرہ۔

میں نے مکمل گفتگو سننے کے بعد کہا کہ اگر آپ مجھے سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے آئے ہیں، تو مجھے آپ کی ضرورت نہیں، اور آپ مجھے اللہ کے واسطے معاف فرمایئے، اور اگر آپ مسئلہ اور اس کی حقیقت سمجھنے اور معلوم کرنے آئے ہیں، تو میری بات کو توجہ سے سننا چاہئے، اور اس پر غور کرنا چاہئے، ایک طرف سے اگر اپنی ہی اپنی ہانکنی ہے، تو میرے پاس آنے کی ضرورت کیا تھی، اور اس صورت میں آپ سے میں معذرت خواہ ہوں، کسی اور جگہ تشریف لا جایئے۔

یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے، اور غور سے میری بات سننے اور سمجھنے اور اس پر توجہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ زور زبردستی کر کے، اور اِس طرح اور اُس طرح کر کے جو یہ تانے بانے جوڑ رہے ہیں، ساری خرابی اسی کی ہے، اور درحقیقت اس کی بنیادی وجہ آپ کے ذہن کا اختراعی خاکہ ہے، ورنہ درحقیقت ان جانمازوں میں نہ تو کوئی جاندار کی تصویر ہے، اور نہ ہی اللہ، محمد وغیرہ کچھ لکھا ہوا ہے، یہ سب کچھ مختلف قسم کا نقش و نگار اور ڈیزائن ہے، اور جاندار کی تصویر اور مقدس کلمات کے لکھے ہوئے ہونے کا اعتبار اس وقت ہوتا، جبکہ ہر شخص کو دیکھتے ہی فی البدیہہ یہ چیزیں، جاندار کی تصاویر اور مقدس کلمات معلوم ہوتے، مگر یہاں ایسا نہیں ہے، چنانچہ ان کے سامنے کئی حضرات کو دکھا کر یہ معلوم کیا کہ آپ کو ان جانمازوں پر کچھ لکھا ہوا یا کسی جاندار کی کوئی تصویر نظر آ رہی ہے، یا نہیں؟

سب دیکھنے والوں نے کہا کہ نہیں، مگر جب انہوں نے اپنے تانے بانے جوڑ کر بتانا شروع کیا کہ یہ اس طرح سے فلاں حرف ہے، اور یہ اُس طرح سے فلاں حرف ہے، اور اِس طرح سے یوں کر کے سر بنا ہوا ہے، اور یہ اُس طرح سے پاؤں بنے ہوئے ہیں، پھر یہ تفصیلات سُن کر بعض کمزور نفسیات کے حضرات کہنے لگے کہ جی ہاں اب کچھ اسی طرح ہمیں بھی محسوس ہو رہا ہے۔

میں نے کہا کہ آپ کا جو فیصلہ پہلے تھا، وہ خالی الذہن ہو کر اور صحیح تھا، اور اب ان کی تقلید و اتباع کی وجہ سے ہے، اور یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے، جیسا کہ اگر کوئی بیٹھے بیٹھے کہے کہ کچھ بدبو آ رہی ہے، تو یہ سُن کر دوسرے لوگوں کو بھی خوامخواہ کا احساس ہونے لگتا ہے، ورنہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوا کرتا، آخر مختلف حروفوں اور جاندار کے اعضاء کی مخصوص فطری بناوٹ ہوتی ہے، مگر آپ نے اس فطری بناوٹ اور وضع سب کی خلاف ورزی کر کے اور بغیر کسی اصول اور قاعدہ کا لحاظ کر کے اور اِس طرح اور اُس طرح زور زبردستی سے یہ تانے بانے جوڑے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں، تب ان صاحب کو بات سمجھ میں آئی، اور ان سے میری جان چھوٹی۔

## بار بار فوت ہونے کا وہم ہو جانے سے متعلق واقعہ

ایک صاحب بہت مدت پہلے میرے پڑوس میں کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے، بال بچے دار تھے، مگر ان کی زیادہ عمر نہیں تھی، وہ وقتاً فوقتاً میرے پاس آ کر کہا کرتے تھے کہ جب بھی مسجد سے کسی کے فوت ہونے کا اعلان ہوتا ہے، یا مجھے کسی کے فوت ہونے کی اطلاع ملتی ہے، تو مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے، اور وہ اعلان یا خبر سننا میرے لئے عذاب بن جاتا ہے، اور لگتا ہے کہ شاید میں بھی ابھی فوت ہونے والا ہوں، بلکہ یہ شاید میرے فوت ہونے کا اعلان ہو رہا ہے، اور میں اس اعلان کو سننے سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، کبھی کمرہ میں موجود ہوں، تو دروازہ بند کر لیتا ہوں، اور پھر بھی آواز آ رہی ہو تو کانوں میں زور سے انگلیاں دے کر کان بند کر لیتا ہوں، وغیرہ، وغیرہ۔

میں ان کو سمجھایا کرتا تھا کہ اس طرح نہیں کیا کرتے، اور ایسا نہیں سوچا کرتے، دنیا میں ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس کو اس مقررہ وقت پر ہی موت آتی ہے، نہ اس سے ایک لمحہ پہلے اور نہ بعد میں، پھر آپ کو اس طرح کا وہم کرنے کی کیا ضرورت؟

یہ سُن کر وہ جواب میں کہتے کہ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، مگر نہ جانے مجھے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے۔

وہ صاحب اپنے ڈر اور خوف کی حفاظت کے لئے بوتل میں پانی بھی دَم کرانے کے لئے لایا کرتے تھے، میں پانی پر دَم کر کے دے دیتا، اور ساتھ ہی کچھ سمجھا بھی دیا کرتا تھا، جس سے ان صاحب کو کچھ وقت کے لئے افاقہ ہو جاتا، مگر ان صاحب کے وہم کا مسئلہ بہت پرانا اور پختہ ہو چکا تھا، بلکہ مالیخولیا تک نوبت پہنچ چکی تھی، اس لئے کچھ دنوں بعد پھر اسی طرح خوف کا زوردار دورہ پڑ جاتا تھا، بالآخر سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، آخر ایک دن اسی خوف ودہشت کی حالت کا ان کے دماغ پر دورہ پڑا، اور زوردار حملہ ہوا، جس کو وہ برداشت نہیں کر سکے، اور اس کے نتیجہ میں ان کے دماغ کی رَگ پھٹ گئی، اور وہ اپنی بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر فوت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

## بازاری اشیاء کو حرام سمجھنے کے وہم سے متعلق واقعہ

ایک صاحب بلاوجہ کا مجاہدہ کرتے کرتے اور بہت سی چیزوں سے پرہیز کرتے کرتے بہت کمزور ہو گئے تھے، اور دماغ میں خشکی آ چکی تھی، وہ میرے پاس آئے، اور کہا کہ آج کل حرام وناپاک چیزوں سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، کیونکہ بازار میں جو کھانے پینے کی چیزیں دستیاب ہیں، ان میں سے اکثر میں ناپاک اور حرام چیزیں شامل ہیں، اس لئے ان کو کھانا پینا جائز نہیں، مگر میری بات کوئی بھی سُننے کے لئے تیار نہیں، اور علماء ومفتیان سمیت سب لوگ دھڑا دھڑ بازار کی ان چیزوں کو کھائے پیئے جا رہے ہیں، انہوں نے اپنے ساتھ ایک فہرست بھی رکھی ہوئی تھی، جس میں بہت ساری چیزوں کے نام تھے، اور ان چیزوں میں بازاری دودھ،

دہی، مختلف جوس اور مشروبات وغیرہ کے نام شامل تھے، انہوں نے کہا کہ بڑی جدو جہد اور دن ورات کی انتہائی کوشش کے بعد یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان سب چیزوں میں فلاں فلاں حرام اور ناپاک اشیاء کی آمیزش ہے۔

میں نے ان صاحب کی مکمل گفتگو سُننے کے بعد عرض کیا کہ اوّلاً تو شریعت کی طرف سے انسان کو اس طرح ہر چیز کی غیر معمولی کھود کرید اور جدو جہد کرنے کا مکلّف نہیں کیا گیا، ورنہ جب تک دنیا کی کسی چیز کے بارے میں بھی پاک اور حلال ہونا ثابت نہ ہوتا، اس وقت تک کوئی چیز بھی استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوتی، اور اس صورت میں دنیا کے اندر زندگی گزارنا اور زندہ رہنا مشکل ہو جاتا، مگر شریعت نے اس سلسلہ میں تنگی نہیں رکھی، اور یہ قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ ''اصل اشیاء کے اندر حلال ہونا ہے'' احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی عام اشیاء میں کھود کرید کیے بغیر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، میں نے اس طرح کی چند احادیث کا حوالہ دیا۔ [۱]

اور پھر کہا کہ آپ نے ان اشیاء کے ناپاک اور حرام ہونے کے لئے جو ثبوت فراہم کئے ہیں، وہ یقینی درجہ کے دلائل کے زمرہ میں نہیں آتے، بلکہ زیادہ زور لگایا جائے تو حلال و پاک چیز میں شک پیدا کرنے سے آگے نہیں بڑھتے، اور اس طرح کی چیزوں سے بچنا زیادہ سے زیادہ تورُّع اور احتیاط میں داخل ہوسکتا ہے، مگر آپ نے تورُّع اور احتیاط کو حرام اور فرض کا درجہ دیا ہوا ہے، اور ان کی اہتمام کے ساتھ تبلیغ بھی کر رہے ہیں، اور لوگوں کی روزمرہ استعمال کی عام اشیا کے متعلق تشویش پیدا کر رہے ہیں، جس کی شرعاً اجازت نہیں، قرآن مجید میں فتنہ کو قتل سے زیادہ شدید قرار دیا گیا ہے۔

اس لئے آپ کا یہ طرزِ عمل ثواب کے بجائے گناہ بن رہا ہے۔

دوسرے جب آپ روزمرہ کی عام اشیاء کے بھی حرام و ناجائز ہونے کا فتویٰ اور حکم لگا دیں

---

[۱] اس طرح کی کئی احادیث اس کتاب میں بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہیں، اور آگے بھی آتی ہیں۔

www.idaraghufran.org

گے، تو پھر حلال اور پاک چیزیں کون سی کہلائیں گی، کہ جن سے لوگ اپنی روزمرہ کی ضرورت پوری کریں؟

تیسرے جو مسلَّمہ حرام وناجائز کام ہیں، اور ان میں لوگ کثرت کے ساتھ مبتلا ہیں، ان کی لوگوں میں تبلیغ کو چھوڑ کر اس طرح کی چیزوں کی تبلیغ کرنا بھی سخت بے اعتدالی کا طریقہ ہے، لہٰذا یہ سب کچھ جو آپ کر رہے ہیں، کوئی کارِ خیر نہیں، اور آپ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ہلاکت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، جس سے قرآن وسنت میں منع کیا گیا ہے، لہٰذا اس طرزِ عمل سے پرہیز کیجئے، اور دین میں نرمی وآسانی کا جو حکم ہے، اس پر عمل کرتے رہئے، تاکہ آپ کی کمزوری وضعف دور ہو، اور دماغ میں خشکی ختم ہو، اور پھر کوئی کام کی بات کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔

## دن میں سو کر، رات کو جاگ کر وساوِس میں مبتلا ہونے کا واقعہ

جو لوگ دن میں سوتے اور رات کو جاگتے ہیں، خاص طور پر جبکہ رات میں تنہاء وقت گزاریں، وہ بہت جلد وساوس اور پھر اس کے بعد مالیخولیا کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ رات کا وقت یکسوئی اور سناٹے کا ہوتا ہے، اور اس وقت نفسیاتی طور پر وساوس کا گہرا اثر ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ مالیخولیا کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اس طرح کے بے شمار واقعات سامنے آئے کہ جو لوگ دن میں سو کر اپنی نیند کا تقاضا پورا کر لیتے تھے، اور رات کو جاگ کر وقت گزارتے تھے، وہ ایک مدت تک یہ معمول جاری رکھنے سے مالیخولیا کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

میرے پاس اسی طرح کے ایک صاحب آئے، جو دن میں بے سدھ پڑے سوتے تھے، اور رات کو جاگتے تھے، اور ان کے خیالات کافی حد تک فاسد ہو چکے تھے، اور وہ غیر واقعی چیزوں کو واقعی اور واقعی چیزوں کو غیر واقعی سمجھتے تھے، اور طرح طرح کی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے تھے، مجھے جب معلوم ہوا کہ یہ دن میں سوتے اور رات کو جاگتے ہیں، اور اطباء نے ایسے مریضوں کو دن میں سونے سے منع کیا ہے، تاکہ وہ اپنی نیند کا تقاضا دن میں پورا کر کے رات کو

www.idaraghufran.org

جاگنے کی خرابی میں مبتلا نہ ہوں، تو میں نے ان صاحب کو تَر اور ٹھنڈی غذائیں اور کچھ مقوی ومفرّح خمیرہ جات تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ دن میں جاگ کر مفید کاموں میں مصروف رہنے اور رات کو سونے کی تاکید کی، جس پر انہوں نے اہتمام سے عمل کیا، تو ان کی فاسد سوچوں اور خیالوں کی اصلاح ہوگئی، اور مالیخولیا کی بیماری سے نجات حاصل ہوگئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

## وسوسوں کی وجہ سے بآ وازِ بلند قرائت کا واقعہ

ایک صاحب کو نماز میں مختلف قسم کے وسوسے آیا کرتے تھے، خاص طور پر نماز میں قرائت کے متعلق وسوسے آتے تھے کہ میں نے فلاں حرف یا فلاں جملہ صحیح طرح ادا نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ ایک تو اتنی بلند آواز سے قرائت کیا کرتے تھے، کہ ان کے دائیں بائیں والے لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا، دوسرے وہ سورہ فاتحہ وغیرہ کی قرائت کرتے وقت ایک ایک آیت کو کئی کئی مرتبہ اور کافی کافی دیر تک دوہراتے رہتے تھے، جب کسی ایک جگہ اٹکتے، تو اس سے نکلنے کا نام ہی نہ لیتے، بار بار اسی لفظ کو پڑھتے رہتے، جب مختلف لوگوں کو ان سے شکایت ہوئی تو وہ ان صاحب کو میرے پاس لے کر آئے، اور تمام صورتِ حال بیان کی، میں نے ان صاحب سے معلوم کیا کہ آپ ایسی حرکت کیوں کرتے ہو؟

انہوں نے جواب میں کہا کہ دراصل مجھے ایک مرتبہ یا آہستہ پڑھنے سے اطمینان نہیں ہوتا، اس لئے میں بار بار اس وقت تک پڑھتا رہتا ہوں، جب تک مجھے اطمینان نہ ہو جائے، اور اسی طرح اپنے کانوں کو آواز آنے پر مکمل یقین نہ ہو جائے، اور میں خود بھی اپنی اس حالت سے بہت زیادہ تنگ ہوں، اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں، اور میں تو یہ ساری جدوجہد اپنی نماز کو صحیح اور بہتر کرنے کے لئے کرتا ہوں۔

میں نے مکمل گفتگو سُننے کے بعد ان سے کہا کہ یہ ساری جدوجہد جو آپ کر رہے ہیں، اس سے

آپ کو کوئی فائدہ اور ثواب نہیں، بلکہ نقصان اور گناہ ہے، وہ اس طرح کہ ایک تو نماز میں اس طرح بے ڈھنگے انداز میں قرائت کرنا، کہ جس میں تسلسل نہ ہو، مکروہ ہے، اس کے علاوہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا اور ان کی نماز میں خلل ڈالنا بھی گناہ ہے، تیسرے جب شریعت نے بلند آواز سے قرائت کا حکم نہیں دیا، تو اس پر زور دینا اور اس میں ثواب سمجھنا گناہ ہے، لہٰذا آپ بس اتنی آواز سے قرائت کیا کریں کہ آپ کے کانوں تک سرسری آواز پہنچتی رہے، اور ایک حرف یا جملہ کو صرف ایک مرتبہ ہی پڑھا کریں، پھر خواہ شیطان کتنی مرتبہ بھی کہے کہ آپ نے فلاں حرف یا جملہ کی قرائت نہیں کی، تو آپ اس کی ہرگز بات نہ مانا کریں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس طرح قرائت وغیرہ میں شیطان تلبیس کرتا ہے، اور اس شیطان کو حدیث میں ''خنزب'' نام دیا گیا ہے (یہ حدیث آگے نماز کے متعلق وسوسوں کے بیان میں آتی ہے) اور اگر آپ اس کے بجائے تسلی واطمینان کی خاطر بار بار اور اونچی آواز سے قرائت کرتے رہیں گے، تو آپ کو ہرگز بھی کسی مرحلہ پر سکون واطمینان نہ ہوگا، اور اس کا نتیجہ وانجام بہت بُرا برآمد ہوگا۔

## بیتُ الخلاء میں تادیر بیٹھ کر مالیخولیا ہونے کا واقعہ

بیتُ الخلاء میں انسان تنہا اور یکسو ہو کر بیٹھتا ہے، اور بیتُ الخلاء میں خبیث نَر و مادہ شیاطین ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے احادیث میں بیتُ الخلاء داخل ہوتے وقت خبیث نَر و مادہ شیاطین سے پناہ طلب کرنے کی دعاء کا پڑھنا ثابت ہے۔

جو لوگ بیتُ الخلاء میں بلاضرورت بیٹھ کر دیر تک سوچتے رہتے ہیں، وہ وساوس اور مالیخولیا کی بیماری کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب بیتُ الخلاء میں دیر تک بیٹھے رہنے کے عادی تھے، اور وہ بلاضرورت بار بار بیتُ الخلاء جا کر وہاں گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے، اور وہاں بیٹھے

بیٹھے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے رہتے تھے، اور اُلٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے تھے، اور وہ شدید دماغی ڈپریشن اور فاسد خیالات میں مبتلا تھے، مجھے جب ان کی بیت الخلاء میں بار بار جاکر دیر تک بیٹھے رہنے کی حرکت کا پتہ چلا، تو میں نے ان کے بلا سخت حاجت وضرورت کے بیتُ الخلاء میں جانے اور وہاں دیر تک بیٹھے رہنے پر پابندی لگائی، اور بیتُ الخلاء میں مسنون دعاء پڑھ کر داخل ہونے کی تاکید کی، جس پر انہوں نے عمل کیا، اور اس سے بحمداللہ ان کو مالیخولیا کے مرض سے نجات حاصل ہوئی۔

معلوم ہوا کہ بیتُ الخلا میں بلاضرورت بیٹھے رہنا نقصان سے خالی نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

## عصر کے بعد سونے سے مالیخولیا ہونے کے متعلق واقعہ

ایک صاحب مالیخولیا کی بیماری میں مبتلا تھے، اور ان کے باقی سب معمولات بظاہر ٹھیک تھے، لیکن ان کا اکثر معمول عصر کے بعد سونے کا تھا، جب میں نے ان صاحب کے سونے، جاگنے وغیرہ کے معمولات کا معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ وہ عصر کے بعد سونے کے عادی ہیں۔

میں نے اس سلسلہ میں کچھ روایات عربی کتب میں ایسی پڑھی ہوئی تھیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کے بعد سونے سے وساوس اور حماقت یا جنون کی شکایت ہوجاتی ہے۔

چنانچہ بدری صحابی حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

نَوْمُ أَوَّلِ النَّهَارِ خُرْقٌ ، وَأَوْسَطُهُ خُلُقٌ، وَآخِرُهُ حُمْقٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: دن کے اول حصہ (یعنی سورج طلوع ہونے کے وقت) کی نیند بے وقوفی

---

[1] رقم الحديث ۲۷۲۱۲، کتاب الادب، باب ما ذکر فِی القائِلةِ نِصف النّھارِ، شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم الحديث ۱۰۷۳،شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۴۴۰۷، ۴۴۰۸،فتح الباری لابنِ حجر بحواله جامع سفیان بن عیینة، ۱۱ ص ۷۰، قوله باب القائلة بعد الجمعة.
وقال ابن حجر: وسنده صحیح(حواله بالا)

ہے، اور دن کے درمیان (یعنی دوپہر کو زوال کے وقت) کی نیند عادت وفطرت کے مطابق ہے، اور دن کے آخری حصہ (یعنی عصر کے بعد) کی نیند حماقت والی ہے (ابنِ ابی شیبہ، طحاوی، بیہقی)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

عَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَقَالَ: يَخَافُ عَلٰى صَاحِبِهِ مِنْهُ الْوَسْوَاسَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت مکحول (جلیل القدر تابعی) عصر کے بعد سونے کو ناپسند قرار دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ عصر کے بعد سونے والے پر وسوسوں کے (غلبے کا) خوف ہے (ابن ابی شیبہ)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

نَوْمُ النَّهَارِ عَلٰى ثَلَاثَةٍ؛ نَوْمُ حُمْقٍ؛ وَهِيَ نَوْمَةُ الضُّحٰى، وَنَوْمَةُ الْخُلُقِ؛ وَهِيَ الَّتِيْ رُوِيَ: قِيْلُوْا فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَا تَقِيْلُ، وَنَوْمَةُ الْخُرْقِ؛ وَهِيَ نَوْمَةٌ بَعْدَ الْعَصْرِ لَا يَنَامُهَا إِلَّا سَكْرَانُ أَوْ مَجْنُوْنٌ

(المجالسة وجواهر العلم) [2]

ترجمہ: دن کی نیند تین طرح کی ہے، ایک حماقت والی نیند، اور وہ سورج طلوع ہونے کے بعد کی نیند ہے، اور ایک فطرت وعادت والی نیند، اور وہ نیند وہ ہے کہ جس کے بارے میں مروی ہے کہ قیلولہ (یعنی دوپہر کو آرام) کرو، کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا، اور ایک بے وقوفی والی نیند، اور وہ عصر کے بعد کی نیند ہے، اور اس وقت نشے والا یا مجنون ہی سوتا ہے (المجالسہ وجواہر)

میں نے ان صاحب کو اس طرح کی روایات کا حوالہ دیا، اور ان کو عصر کے بعد سونے کی

---

[1] رقم الحديث ۲۷۲۱۳، كتاب الادب، باب ما ذكر فِي القائِلةِ نِصف النّهارِ.

[2] لأبى بكر أحمد بن مروان الدينورى المالكى "المتوفٰى ۳۳۳ھ"، رقم الحديث ۲۰۴۷.

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

عادت چھوڑنے کی تلقین کی، جس پر انہوں نے عمل کیا، تو اس سے بحمداللہ تعالیٰ ان کی دماغی مالیخولیا کی بیماری میں افاقہ ہوا۔

## فاسد و بادی غذاؤں کی وجہ سے وہمی بن جانے کا واقعہ

فاسد خیالات اور بے ہودہ سوچوں کا غذا کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص بھاری، بادی اور تیز مصالحہ جات سے تیار شدہ غذاء کھا کر سوتا ہے، تو اس کو خواب بھی فاسد اور اوٹ پٹانگ نظر آتے ہیں، اس سلسلہ میں کئی لوگوں کے واقعات سامنے آئے کہ جن کو فاسد خیالات اور سوچیں آتی تھیں، اور ان کی غذاؤں کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بادی اور فاسد غذائیں کھاتے ہیں۔

ایک صاحب میرے پاس اسی طرح کی دماغی اور سخت ڈپریشن کی بیماری میں مبتلا آئے تھے، اور ان کا کہنا یہ تھا کہ ان کے سب گھر والے اسی طرح کے مرض میں مبتلا ہیں، جب تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ دیر ہضم اور بادی و فاسد غذائیں کھانے کے عادی ہیں، مثلاً بینگن، مولی، وغیرہ، تو ان کو اس طرح کی غذائیں ترک کر کے نرم اور زود ہضم اور ٹھنڈی غذائیں اور تازہ سبزیاں وغیرہ کھانے کی تلقین کی، جس پر عمل پیرا ہونے سے بحمداللہ تعالیٰ سب گھر والوں کو دماغی اُلجھن سے افاقہ ہوا۔

## دماغی محنت و تنگ ماحول کی وجہ سے مالیخولیا ہونے کا واقعہ

دماغی محنت کے زیادہ کرنے اور تنگ و تاریک ماحول میں زیادہ رہنے سہنے اور لمبا وقت گزارنے کی وجہ سے بھی وساوس اور وہم اور پھر مالیخولیا کی بیماری پیدا ہوتی اور ترقی کرتی ہے، چنانچہ بہت سے واقعات اس طرح کے دیکھنے میں آئے کہ جو لوگ تنگ و تاریک ماحول میں زندگی گزارنے اور ہمیشہ تنگ و تاریک کمروں میں گھسے رہنے کے عادی تھے، وہ اکثر و بیشتر مالیخولیا کی بیماری میں مبتلا پائے گئے۔

اور اس طرح کے واقعات کئی اہلِ علم حضرات کے متعلق بھی سامنے آئے کہ وہ ہمہ وقت کتابوں اور مسئلہ مسائل میں مشغول رہتے ہیں، اور کبھی سیر و تفریح اور کھلی فضا میں ہوا خوری کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور اسی وجہ سے ان کے مزاج میں سختی اور مسائل میں تشدُّد اور موقف میں بے اعتدالی وانتہاء پسندی کا عنصر سامنے آیا۔ ۱؎

---

۱؎ علامہ حکیم کبیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ:

دماغی محنت کی کثرت سے مالیخولیا کا وقوع: روفس نے لکھا ہے کہ ''یہ مرض اکثر فلاسفہ وحکماء کو ہو چکا ہے، مثلاً افلاطون وغیرہ۔

طبری کا قول ہے کہ میں نے علماء اور فضلاء کی ایک جماعت دیکھی ہے، جنہوں نے تنہائی اختیار کرلی تھی، علم کے علاوہ دوسرے تمام مشاغل کو ترک کردیا تھا، اور لوگوں سے بالکل علیٰحدگی کرلی تھی، جس سے ان کے اخلاط جل گئے، اور انہیں مالیخولیا پیدا ہوگیا۔

فارابی بھی انہیں لوگوں میں سے ہے: فارابی، لوگوں سے پرہیز کرتا، اور ان سے ملتا جلتا نہ تھا، اور جب کسی شخص کی برائی اور عیب بیان کرتا، تو یوں کہا کرتا کہ وہ عام اور بازاری لوگوں سے ملا کرتا ہے، چنانچہ فارابی کو مالیخولیا کی ایک قسم پیدا ہوگئی تھی، بازاروں میں نکل جاتا، اور وہاں بیٹھ کر منطقی باتوں کو بے معنیٰ طور پر بیان کرتا تھا، بچے اور بازاری لوگ اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، پھر طبری کہتا ہے کہ مجھ تک یہ حکایت پہنچی ہے کہ فارابی نے ایک روز کسی شخص کو حلوا (مٹھائی) بیچتے ہوئے دیکھا، اور اس سے یہ دریافت کیا، **کیف تبیع ھذا** (حلوا تو کس طرح فروخت کرتا ہے)؟ اس پھیری والے (طواف) نے جواب دیا کہ آدھ سیر حلوا، اتنی قیمت پر دیتا ہوں، فارابی نے اس کے اس جواب پر اس سے لڑائی دنگا کیا، لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے، اور ان دونوں لڑنے والوں کو حاکمِ شہر کے پاس لے گئے، حاکمِ وقت نے سوال کیا کہ ''تم میں لڑائی کیوں ہوئی'' فارابی نے جواب میں کہا کہ میں اس سے کیف (کیفیت) دریافت کرتا ہوں، اور یہ مجھے جواب میں مقدار بتلاتا ہے، حاکم یہ سن کر ہنسا اور حکم دیا کہ ''اسے چھوڑ دو''، فارابی کا یہ مرض بڑھ گیا، کیونکہ وہ علاج نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ ہلاک ہوگیا۔

انہیں لوگوں میں سے عیسیٰ بن ماسویہ بھی ہیں، جنہوں نے تنہائی اختیار کرلی تھی، اور اپنا شغل فقط درس دینا اور کتابوں کا مطالعہ کرنا رکھا تھا، اور دنیا کے تمام لہو ولعب اور کھیلوں کو بالکل ترک کردیا تھا، اس پر ابو ماہر نے ان کی طرف بغداد سے خط لکھا، جس میں انہوں نے اشارۃً ان عادتوں کو چھوڑنے کو کہا تھا، مگر عیسیٰ نے قبول نہیں کیا، اس پر چند ہی روز گزرے تھے کہ انہیں مالیخولیا کی ایک قسم پیدا ہوگئی، وہ اپنے غلاموں اور پڑوسیوں سے ڈرنے لگے، یوں کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص نے کل ہمیں قتل کرنے اور مال واسباب چھین لینے کا ارادہ کرلیا ہے، ان کی بیماری بڑھ گئی، حتیٰ کہ ان کے اخلاط جل کر خشک ہوگئے، اور اس مرض سے ہلاک ہوگئے (معالجات شرح اسباب، جلد اول، صفحہ ۹۹، وصفحہ ۱۰۰، مطبوعہ: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور)

www.idaraghufran.org

اسی طرح کے ایک صاحب میرے پاس آئے تھے، اور انہوں نے اپنے سب گھر والوں، یہاں تک کہ اپنے بچوں تک کے بارے میں شکایت کی تھی کہ وہ سب شدید دماغی کھچاؤ اور تناؤ وغیرہ کا شکار رہتے ہیں، اور ہمہ وقت گھر میں گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے کی فضا قائم رہتی ہے، اور ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیوں کا ایک طویل سلسلہ قائم رہتا ہے، جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ تنگ و تاریک گھر میں رہتے ہیں، اور کبھی گھومنے پھرنے اور تفریح و ہوا خوری تک کے لئے بھی گھر سے نہیں نکلتے، تو میں نے ان کو اس طرح تنگ و تاریک گھر میں گھسے رہنے اور کبھی وہاں سے روشنی اور ہوادار جگہ نہ جانے کو اس بیماری کا سبب بتلایا، اور ہفتہ، پندرہ دن میں حسبِ موقع سب گھر والوں کو سیر و تفریح اور کھلی فضاء میں گھومنے پھرنے کے لئے جاتے رہنے کی تاکید کی، جس پر انہوں نے عمل کیا، تو رفتہ رفتہ بحمداللہ تعالیٰ مذکورہ شکایت رفع ہوگئی۔

اس لئے موجودہ شہری ماحول جو کہ تنگ و تاریک بن چکا ہے، اس میں زندگی گزارنے والے لوگوں کو حسبِ موقع کسی کھلی سرسبز جگہ مثلاً پارک وغیرہ میں سنجیدہ مقام پر جا کر ہوا خوری اور تفریح طبع کا کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کرنا چاہئے، جس کے نتیجہ میں مزاج میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے، اور دماغی کھچاؤ اور تناؤ میں افاقہ ہوتا ہے۔

## حاضرات کے تخیُّل سے متعلق واقعہ

وسوسہ، خیال اور وہم عجیب چیز ہے، اس کی وجہ سے رسی کو سانپ، بھیڑ کو بھیڑیا وغیرہ نہ جانے کیا کچھ سمجھ لیا جاتا ہے، اسی طرح وھم اور فاسد خیال پر مبنی ایک عمل جنات کی حاضری کا بھی آج کل رائج ہے، جس میں کسی ناسمجھ بچہ کو بٹھا کر اور اس کے ہاتھوں یا ناخنوں پر تیل اور کچھ سیاہی وغیرہ لگا کر جنات کی حاضری کا عمل کیا جاتا ہے، جس کو حاضرات کا عمل کہا جاتا ہے، اور اس عمل میں تصورات اور خیالوں میں جنات کو حاضر کر کے غیب کی خبریں معلوم کی جاتی ہیں، مثلاً چوری کس نے کی ہے؟ مفرور اور بھاگا ہوا شخص کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ، جس طرح

کے سوالات اس ناسمجھ بچہ سے کیئے جاتے ہیں، وہ منشاء کے مطابق جواب دیتا جاتا ہے، وہ ناسمجھ بچہ ناخن یا ہاتھوں میں خون کے دوران کو تیل کی چکناہٹ سے متحرک محسوس کرتا ہے، اور اس میں متعلقہ سوالات کے مطابق مختلف مناظر کا خاکہ قائم کر کے جواب دیتا ہے۔

میرے پاس اسی طرح کے ایک عامل آئے تھے، اور انہوں نے کہا تھا کہ مجھے کسی بزرگ سے ایک چیز ملی ہے، جس کو مؤکل کہا جاتا ہے، جو کہ فرشتہ ہے، اس کی مدد سے میں چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ کا پتہ چلا لیتا ہوں۔

میں نے ان صاحب کو کہا کہ اوّلاً تو غیب کی خبریں معلوم کرنے اور بتانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، اس لئے مؤکل کے عنوان سے فرشتوں کی طرف یہ نسبت غلط ہے، اور اس طرح کی غیب کی خبریں بتانے والوں کو نجومی اور کاہن کہا گیا ہے، اور اگر نجومی یا کاہن کے بجائے کسی کا نام عامل رکھا جائے، مگر کام وہ ہو، جو نجومی اور کاہن کیا کرتا ہے، تو ممانعت اس صورت میں بھی ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح غیب کی جھوٹی سچی خبریں شیاطین کی طرف سے ہوتی ہیں، جن پر موکل وغیرہ کا مزین عنوان قائم کرنا درست نہیں، اور تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کے اکثر واقعات صرف تخیلات (Hallucination) پر مبنی ہوتے ہیں، جن کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اس کام کے لئے ناسمجھ اور چھوٹے بچے کو تجویز کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ کمزور نفسیات کا مالک ہوتا ہے، اور عامل کی ہاں میں ہاں ملاتا جاتا ہے، ورنہ کسی بڑے پر یہ حاضرات کا عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔

جب میں نے ان صاحب کے سامنے اس طرح کی تقریر کی، تو انہوں نے اس چیز کا اعتراف کیا کہ واقعی اصل حقیقت یہی ہے، مگر ہم تو لوگوں کو جھانسہ دے کر اپنا مالی مفاد حاصل کرتے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

## چمڑے کے موزوں پر مسح کے شبہ سے متعلق واقعہ

ایک صاحب کا میرے پاس فون آیا، اور انہوں نے کہا کہ میں جن مولوی صاحب کے پیچھے

نماز پڑھتا ہوں، وہ چمڑے کے موزے پہنتے ہیں، اور ان پر مسح کرتے ہیں، اور وہ جب وضو کرتے ہیں، تو پیر گیلی جگہ پڑ جاتے ہیں، اور چلتے پھرتے بھی پانی والی جگہ میں پیر پڑ جاتا ہے، اور میں نے یہ مسئلہ سنا ہوا ہے کہ اگر چمڑے کے موزوں کے اندر پانی چلا جائے، تو پھر چمڑے کے موزوں کا مسح ٹوٹ جاتا ہے، اور پاؤں دھونا ضروری ہو جاتا ہے، اور مجھے اس کی تحقیق کرنے کے لئے بڑی جدو جہد کرنی پڑی ہے، میں مولوی صاحب کی طرح کے چمڑے کے موزے ڈھونڈ کر اور خرید کر لایا اور پھر میں نے وہ موزے پہن کر اور پانی میں کھڑے ہو کر تجربہ کیا کہ پانی اندر جاتا ہے یا نہیں؟ تو تقریباً پندرہ بیس منٹ پانی کے اندر پاؤں ڈبو کر محسوس ہوا کہ اب پانی اندر چلا گیا ہے، اس لئے اب مجھے ان مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔

میں نے کہا کہ یہ سب شیطان کی چالبازی ہے، جو کہ آپ کو کسی طرح باجماعت نماز پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے، اور اس طرح سے پندرہ بیس بلکہ اس سے بھی کم وقت کے لئے نہ کوئی پانی میں پاؤں ڈبویا کرتا ہے، اور نہ ہی آپ اس کے مکلّف ہیں، اور کیونکہ چمڑے کے موزے مولوی صاحب پہنتے ہیں، اس لئے ان پر مسح کے جائز و ناجائز ہونے کا تعلق بھی ان ہی کے ذمہ ہے، آپ اس کے مکلّف نہیں، لہٰذا آپ مطمئن ہو کر ان مولوی صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کریں۔

ملاحظہ فرمایئے! کہ وسوسہ اور وہم کے نتیجہ میں انسان کس طرح کا نفسیاتی مریض بن جاتا ہے، اور اسے کسی طرح سکون نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو کہ وساوس ترقی کر کے کس طرح وہم اور مالیخولیا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور انسان کے دماغ میں اس کے متعلق نہ جانے کیا کیا ہونے کا یقین پیدا کر دیتے ہیں، اور ایسے ایسے خیالات آنے لگتے ہیں کہ جن کا کوئی سر و پیر نہیں ہوتا۔

اور بعض اوقات بلاوجہ کے ڈراؤنے وہم ذہن میں بیٹھ جاتے ہیں اور مریض ہر چیز سے ڈر لگنے لگتا ہے، اور ہر واقعہ کے منفی پہلو ذہن میں آنے لگتے ہیں، کہ یوں نہ ہو جائے، وُوں نہ ہو جائے وغیرہ۔

بہت سے بوڑھے لوگوں کو بھی عمر کے آخری حصہ میں اس طرح کے مرض کی شکایت ہو جاتی ہے۔

وہم کا اصل علاج نفسیاتی ہے کہ اپنے ذہن میں بیٹھی ہوئی فاسد سوچ کو درست کیا جائے، اور اس کو اہمیت نہ دی جائے۔

اور اگر کبھی ایسا مریض کسی حکیم ومعالج کے پاس علاج کے لئے آئے، تو اسے دماغ اور اعصاب کو رطوبت اور تری پہنچانے کی غذا ودوا کے ساتھ ساتھ نفسیاتی طریقہ پر حکمت کے ساتھ مریض کے دماغ میں بیٹھی ہوئی چیز کو بھی نکالنا چاہیے۔

اور مذکورہ واقعات سے احادیث میں بیان کردہ اس چیز کی تصدیق ہوتی ہے کہ وسوسہ درحقیقت شیطان کا جنون ہے، جس کو وہ مجنون وپاگل بنانے کے لئے استعمال کرتا ہے، احادیث میں اس کو ایک عام عنوان سے ''جنون'' کا نام دیا گیا ہے، اور اطباء وغیرہ نے اس بیماری کا نام وہم یا مالیخولیا وغیرہ تجویز کیا ہے، مگر نام بدلنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو جایا کرتی۔

اللہ تعالیٰ، جنون، وہم اور مالیخولیا کی بیماری سے سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(باب نمبر۲)

# وسوسوں کی اقسام اور اُن کے احکام

اگرچہ گزشتہ تفصیل سے اصولی انداز میں ہر طرح کے وسوسوں کا حکم معلوم ہو چکا، لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر طرح کے وہم اور وسوسوں کے مریضوں کو اصولی انداز کی باتوں سے اطمینان نہیں ہوتا، اور وہ مختلف نوعیّتوں کے وسوسوں میں مبتلا ہو کر اپنی حالت کو دوسروں کی حالت سے الگ نوعیت کی سمجھتے ہیں، اور کسی خاص طرح کے وسوسہ کی زَد میں آ کر اس کی ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں، اور کسی طرح اس سے باہر نہیں نکلتے، جبکہ قرآن وسنت کے اصولی احکام میں اس طرح کے وسوسوں کا انتہائی مفید طریقہ پر قلع قمع کیا گیا ہے۔

اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ انسان کو مختلف اوقات میں جو وسوسے آتے ہیں، وہ گزشتہ زمانے سے متعلق بھی ہوسکتے ہیں اور آئندہ زمانے سے متعلق بھی، اور موجودہ وقت سے متعلق بھی۔ [1]

اور اسی طرح وہ نماز وتلاوت اور ذکر واذکار یا دوسری عبادت کے دوران بھی آسکتے ہیں اور کسی دوسری حالت میں بھی۔

## ایمان وعقائد کے بارے میں وسوسے

وسوسوں کی ایک صورت وہ ہے جس کا تعلق ایمان وعقائد سے ہے۔

یعنی ایسے وسوسے جو ایمان اور عقائد کے خلاف معلوم ومحسوس ہوتے ہیں، مثلاً کبھی اللہ تعالیٰ

---

[1] والوساوس :إما من قبيل الحب، من أن يخطر بالقلب ما قد كان أو من قبيل الطلب، وهو أن يخطر في القلب ما يريد أن يفعله .ومن الوساوس ما يكون من خواطر الكفر والنفاق، فيتألم لها قلب المؤمن تألما شديدا(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة، ج۲ص ۲۲۳، کتاب الصلاة)

Iqra Ghufran

کی ذات یا صفات کے بارے میں وسوسہ آیا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے؟ یا (نعوذ باللہ) ایک سے زیادہ؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں یا (نعوذ باللہ) ہر چیز پر قادر نہیں ؟ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں یا (نعوذ باللہ) ہمیشہ سے نہیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

یا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں وسوسہ آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں یا (نعوذ باللہ) سچے رسول نہیں ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ سب سچ اور برحق ہیں یا (نعوذ باللہ) جھوٹی ہیں؟

یا کبھی فرشتوں کے بارے میں وسوسہ آیا کہ اس مخلوق کا وجود برحق ہے یا (نعوذ باللہ) ویسے ہی بناوٹی بات ہے؟

یا کبھی قیامت وآخرت کے بارے میں وسوسہ آیا کہ قیامت قائم ہوگی اور سارے انسان ایک روز دوبارہ حساب وکتاب کے لئے زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے یا پھر (نعوذ باللہ) یہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں؟ جنت اور جہنم کا وجود ہے یا (نعوذ باللہ) ویسے ہی کوئی افسانہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے وسوسے ایمان اور عقائد کے متعلق وسوسے کہلاتے ہیں۔

## گناہ وفسق وفجور کے تقاضوں کے وسوسے

وسوسوں کی دوسری صورت وہ ہے جس کا تعلق گناہ اور فسق وفجور سے ہے۔

یعنی ایسے وسوسے جن میں گناہ کا خیال یا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔

مثلاً کسی سے زنا یا اسی قسم کی کوئی حرکت کرنے کا خیال پیدا ہوا، یا چوری کرنے، یا کسی کو قتل کرنے کا تقاضا پیدا ہوا، یا گالی گلوچ کرنے یا بدگمانی اور ریاکاری اور نام ونمود کرنے کی خواہش ہوئی، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے وسوسے گناہ اور فسق وفجور کے تقاضوں کے وسوسے کہلاتے ہیں۔

# فضول ومہمل وسوسے

وسوسوں کی تیسری صورت وہ ہے، جس میں اگرچہ کسی گناہ کی کیفیت ونوعیت نہیں پائی جاتی، کیونکہ وہ ایمان وعقائد کے خلاف یا گناہ اور فسق وفجور کے متعلق نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات ان کی ظاہری صورت نیکی اور عبادت کی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہوتے بے بنیاد ہیں اور ان کی وجہ سے دل ودماغ میں اوّل وہلہ میں ایک قسم کی تنگی محسوس ہوتی ہے، اوران سے بعض اوقات عبادت وغیرہ میں بھی خلل آنے اور خشوع فوت ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔

مثلاً نماز پڑھتے ہوئے کاروبار کے یا گھربار کے متعلق وسوسے آنے شروع ہوگئے، ذہن بیوی بچوں کی طرف چلا گیا۔

یا ناپاکی کے وسوسے آرہے ہیں، مثلاً وضوصحیح کرلیا، لیکن وسوسہ آرہا ہے کہ وضوصحیح نہیں ہوا، غسل صحیح کرلیا، مگر وسوسہ آرہا ہے کہ غسل صحیح نہیں ہوا، یا ناپاک جسم یا کپڑوں کو پاک کرلیا، مگر وسوسہ آرہا ہے کہ ابھی پاک نہیں ہوئے، یا بلادلیل کسی چیز کے ناپاک یا حرام وناجائز ہونے کا وسوسہ آرہا ہے، یا بیوی کو طلاق نہیں دی، مگر وسوسہ آرہا ہے کہ شاید زبان سے طلاق کے الفاظ نکل گئے ہیں، یا میاں بیوی کے رشتہ میں خلل آگیا، یا مثلاً بلاوجہ یہ وسوسہ آرہا ہے کہ شاید ابھی مجھے کوئی قتل کردے گا اور ماردے گا، یا میں ابھی فوت ہونے والا ہوں، یا مثلاً اگر میں نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تو یوں ہوجائے گا اور اس طرح کیا تو یوں ہوجائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ [۱]

---

[۱] حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

ایک وسوسے عقیدے کے بارے میں ہیں، یعنی دل میں شیطان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وسوسہ ڈالے یا آخرت کے بارے میں وسوسہ ڈالے کہ معلوم نہیں کہ آئے گی یا نہیں، اس قسم کے وسوسوں کے بارے میں تو حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ جب تک تم اپنا عقیدہ درست رکھوگے، پھر چاہے خیالات اور وساوس کیسے بھی آجائیں، اس پر انشاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا اور نہ ان خیالات کی وجہ سے انسان کافر ہوتا ہے۔ ان خیالات کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وساوس اور خیالات ایمان وعقائد سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں، اور گناہ سے متعلق بھی اور مہمل و بے کار بھی۔

اب آگے مختلف نوعیّتوں کے وسوسوں اور وہموں کو الگ الگ عنوانوں کے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ وساوس اور اوہام میں مبتلا لوگوں کو اپنی حالت اور شان کے مطابق حقیقت کو سمجھنے اور پھر اپنی حالت کی اصلاح کرنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ میں شیطان ہوگیا، میں تو کافر ہوگیا۔ یاد رکھئے! ان وسوسوں کے دل میں آنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے دل، اپنی زبان اور اپنے عمل سے مؤمن ہے۔ لہٰذا آدمی کو مطمئن ہو جانا چاہئے۔
دوسرے گناہ کرنے اور فسق وفجور کرنے کے وسوسے اور خیالات آتے ہیں۔ مثلاً دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں گناہ کا ارتکاب کرلوں یا فلاں گناہ کرلوں یا کسی گناہ کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے اور اس کی طرف کشش ہو رہی ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر محض (صرف) دل میں خیال آیا ہے تو اس پر انشاء اللہ کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا جب تک اس خیال اور وسوسے پر عمل نہ کرلو گے، لہٰذا جب گناہ کے تقاضے اور داعیے پر عمل کرلو گے تو یہ قابلِ مؤاخذہ اور قابلِ گرفت ہے۔ اور جب بھی کسی گناہ کا خیال یا وسوسہ آئے کہ فلاں گناہ کرلوں تو اس کا فوری توڑ یہ ہے کہ فوراً اللہ کی پناہ مانگو کہ یا اللہ! میرے دل میں اس گناہ کا خیال آرہا ہے، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ مجھے اس گناہ سے بچالیجئے۔ اس طرح اس خیال اور وسوسے کا توڑ ہو جائے گا.......... جب بھی گناہ کا خیال یا گناہ کا وسوسہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے پناہ مانگ لو کہ اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھئے۔ اور اس وقت اپنی ہمت کو تازہ کرلو کہ میں گناہ کے اس داعیہ پر عمل نہیں کروں گا، اگر یہ کرلو گے تو پھر انشاء اللہ یہ خیالات اور وسوسے کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے۔
وسوسے کی تیسری قسم اگرچہ مباح (جائز) ہے کیونکہ وہ کسی گناہ کا وسوسہ اور خیال نہیں ہے لیکن وہ خیال انسان کو کسی عبادت اور طاعت کی طرف متوجہ ہونے سے روک رہا ہے مثلاً جیسے ہی نماز کی نیت باندھی بس اس وقت دنیا بھر کے خیالات کی چکی چلنی شروع ہوگئی۔ اور وہ خیالات چاہے گناہ کے خیال نہ ہوں مثلاً کھانے پینے کا خیال، بیوی بچوں کا خیال، اپنی روزی کا خیال، تجارت کا خیال یہ تمام خیالات فی نفسہٖ گناہ کے خیالات نہیں ہیں، لیکن ان خیالات کی وجہ سے دل نماز کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور ان خیالات کی وجہ سے خشوع میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، چونکہ یہ خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں اور انسان کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے اس لیے انشاء اللہ ان خیالات پر کوئی گرفت اور مؤاخذہ نہیں ہوگا، بلکہ معاف ہوں گے، البتہ اپنے اختیار سے باقاعدہ ارادہ کر کے خیالات نماز میں مت لاؤ اور نہ دل ان میں لگاؤ (اصلاحی خطبات ج ۹ ص ۱۵۹، ۱۶۰، ملخصاً)

(فصل نمبر۱)

# ایمان وعقائد کے متعلق وسوسوں کا حکم

سب سے بُرے وسوسے وہ سمجھے جاتے ہیں، جو ایمانی عقائد کے خلاف ہوتے ہیں، اور اس طرح کے وسوسوں کی وجہ سے بعض لوگ بہت ہی زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔

اس لئے پہلے اس قسم کے وسوسوں پر کلام کیا جاتا ہے۔

## ایمان اور اطمینانِ قلب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب! مجھ کو دکھا دیجئے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کہ بے شک، لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے، فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو، پھر انہیں اپنی طرف ہلا لو (یعنی مانوس کرلو) پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ، تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لیجئے کہ بے شک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے (سورہ بقرہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ

إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ(رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي) (بخاری) ؎1

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں شک کے زیادہ مستحق ہیں، جب انہوں نے کہا کہ:

رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي.

یعنی ''اے میرے رب! مجھ کو دکھا دیجئے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کہ بے شک، لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے'' (بخاری)

کئی محدثین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مُردے کو زندہ کرنے سے متعلق جو غیر اختیاری وسوسہ شیطان کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا ہوا تھا، اُس طرح کا وسوسہ ہمیں بھی پیدا ہو سکتا ہے، جو ایمان کے خلاف نہیں، اور شیطان کی طرف سے وسوسہ انبیاء علیہم السلام کو بھی آ سکتا ہے، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں شیطان کی طرف سے وسوسہ ڈالنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

اس لئے کسی چیز پر اس طرح ایمان ہونے کے باوجود اطمینانِ قلب کا نہ ہونا، یہ ایمان میں شک کی دلیل نہیں۔

اس بات کی تائید حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ؎2

---

؎1 رقم الحديث ٣٣٧٢، كتاب احاديث الانبياء، باب قوله عز وجل ونبئهم عن ضيف إبراهيم إذ دخلوا عليه.

؎2 قوله نحن أحق بالشك من إبراهيم سقط لفظ الشك من بعض الروايات واختلف السلف في المراد بالشك هنا فحمله بعضهم على ظاهره وقال كان ذلك قبل النبوة وحمله أيضا الطبري على ظاهره وجعل سببه حصول وسوسة الشيطان لكنها لم تستقر ولا زلزلت الإيمان الثابت واستند في ذلك إلى ما أخرجه هو وعبد بن حميد وبن أبي حاتم والحاكم من طريق عبد العزيز الماجشون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چنانچہ حضرت محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ:

اِلْتَقٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَيُّ آيَةٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ أَرْجٰى عِنْدَكَ؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو (يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ)فَقَالَ: لٰكِنَّ قَوْلَ إِبْرَاهِيْمَ (رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ)هٰذَا لِمَا فِي الصُّدُوْرِ وَيُوَسْوِسُ الشَّيْطَانُ فَرَضِيَ اللّٰهُ مِنْ قَوْلِ إِبْرَاهِيْمَ بِقَوْلِهٖ (أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى) (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۹۸، كتاب الايمان) [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی، تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت آپ کے نزدیک زیادہ اُمید کے لائق ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت کہ:

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ.

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن محمد بن المنكدر عن بن عباس قال أرجى آية فى القرآن هذه الآية وإذ قال إبراهيم رب أرنى كيف تحيى الموتى الآية قال بن عباس هذا لما يعرض فى الصدور ويوسوس به الشيطان فرضى الله من إبراهيم عليه السلام بأن قال بلى ومن طريق معمر عن قتادة عن بن عباس نحوه ومن طريق على بن زيد عن سعيد بن المسيب عن بن عباس نحوه وهذه طرق يشد بعضها بعضا وإلى ذلك جنح عطاء فروى بن أبى حاتم من طريق بن جريج سألت عطاء عن هذه الآية قال دخل قلب إبراهيم بعض ما يدخل قلوب الناس فقال ذلك (فتح البارى لابن حجر، ج٦، ص ۴۱۱، وص ۴۱۲، قوله باب قوله ونبئهم عن ضيف إبراهيم الآية)

[۱] قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

وقال الذهبى: فيه انقطاع.

وقال ابن الملقن: فالذى يظهر أنه كلام الذهبى ليس فى محله .فالحديث صحيح متصل وليس فيه انقطاع (مختصر تلخيص الذهبى، ج ۱، ص ۷۳، كتاب الايمان)

www.idaraghufran.org

یعنی ”اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کیا ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو“

تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن (میرے نزدیک زیادہ امید کے لائق) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ:

رَبِّ أَرِنِی کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِی.

یعنی ”اے میرے رب! مجھ کو دکھا دیجئے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کہ بے شک، لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے“

یہ آیت سینوں میں جو کچھ ہوتا ہے (یعنی وسوسہ) اس کے بارے میں ہے، اور شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، پس اللہ، ابراہیم کی بات سے یہ فرما کر راضی ہو گیا کہ کیا، تو (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کہ بے شک (حاکم)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینانِ قلب حاصل کرنے اور وسوسہ دور کرنے کے لئے مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کو سمجھنا چاہا تھا، اور اس حالت میں بھی اپنے ایمان کو سلامت قرار دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا تھا۔

جس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز پر اس طرح اطمینانِ قلب کا نہ ہونا اور اس کے متعلق وسوسہ کا آنا، ایمان کے خلاف کی دلیل نہیں، بلکہ ایمان کی دلیل ہے، جس میں مومنوں کے لئے بڑی امید اور حوصلہ و ہمت کا سامان ہے۔

## ایمان کے خلاف وساوِس، صاف وخالص ایمان کی دلیل ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

شَكَوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَجِدُوْنَ مِنَ الْوَسْوَسَةِ وَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَنَجِدُ شَيْئًا لَوْاَنَّ اَحَدَنَا خَرَّمِنَ السَّمَآءِ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ مَحْضُ الْاِيْمَانِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۷۵۲) [1]

ترجمہ: لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اندر پائے جانے والے وسوسوں کے متعلق شکایت کی، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اُن کو زبان سے ادا کرنا پسند نہیں کرتا، مگر ان کے مقابلے میں آسمان سے گر جانا پسند کرتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان (کی دلیل وعلامت) ہے (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْهُ اِنَّانَجِدُ فِيْ اَنْفُسِنَامَايَتَعَاظَمُ اَحَدُنَااَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ وَقَدْوَجَدْتُّمُوْهُ قَالُوْانَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے دلوں میں ایسی باتیں (وسوسوں کی شکل میں) آتی ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کو ہم بڑی (بُری) بات سمجھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان (کی نشانی اور دلیل) ہے (مسلم، ابوداؤد)

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ۱۳۲ "۲۰۹" كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة فی الإيمان وما يقوله من وجدها، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۵۱۱۱.

www.idaraghufran.org

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان وعقائد کے متعلق بُرے وسوسوں کا آنا، صاف اور خالص ایمان کی نشانی ہے، جبکہ اُن کو بُرا سمجھا جائے۔ لہٰذا ایمان وعقائد کے متعلق غلط خیالوں اور برے وسوسوں کو جبکہ برا سمجھا جائے، پریشان نہ ہونا چاہئے، بلکہ اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اللہ نے ایمان کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔

## ربّ تعالیٰ کے مخلوق ہونے کا وسوسہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَأْتِی الشَّیْطَانُ أَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ کَذَا، مَنْ خَلَقَ کَذَا، حَتّٰی یَقُوْلَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ؟ فَإِذَا بَلَغَہُ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور فلاں کو کس نے؟ حتیٰ کہ یہ کہتا ہے کہ (بتاؤ) تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنا (یعنی اعوذ باللہ پڑھنا) اور رُک جانا چاہیے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کی ذات وصفات کے خلاف وسوسے آئیں، تو ان کی تصدیق نہ کرنی چاہئے، اور زبان سے ان کا اقرار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ خاموش رہنا چاہئے، اور ساتھ ہی اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے، ایسی صورت میں مذکورہ اور اس جیسے وسوسوں سے ان شاء اللہ کوئی بھی نقصان نہ ہوگا۔

اور ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْتِیْ أَحَدَکُمْ،

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۷۶، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنوده.

www.idaraghufran.org

فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ ؟ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ ؟ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ اللّٰهَ ؟ فَإِذَا أَحَسَّ أَحَدُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ، فَلْيَقُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۷۶) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آ کر یہ کہے گا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ تو بندہ جواب میں کہے گا کہ اللہ عزوجل نے، پھر شیطان کہے گا کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو بندہ کہے گا کہ اللہ نے، پھر شیطان کہے گا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب تم میں سے کوئی اس قسم کی بات محسوس کرے، تو وہ (جوابات میں الجھنے کے بجائے) یہ کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ جب شیطان کی طرف سے اللہ کے مخلوق ہونے کا وسوسہ آئے، تو الٹے سیدھے جوابات سوچنے کے بجائے سیدھا یہ کہنا چاہئے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اور اس کے بعد پھر مزید ادھیڑ بن میں نہ پڑنا چاہئے۔

اور ایک روایت کے آخر میں اس طرح کے لایعنی سوالات کے جواب میں فرمایا گیا کہ:

فَقُوْلُوْا اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، ثُمَّ لِيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلَاثًا وَلْيَسْتَعِذْ مِنَ الشَّيْطٰنِ (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۷۲۲، كتاب السنة، باب فى الجهمية)

ترجمہ: تو تم یوں کہو کہ: اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ . اس کے بعد تین مرتبہ اپنی بائیں طرف تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے (ابوداؤد)

---

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين.

www.idaraghufran.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ دور کرنے کا یہ علاج بتایا کہ وسوسے آئیں تو وہیں رک جائے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ لے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے، اور یہ سب کچھ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہے۔

تھتکارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کوئی اہمیت نہ دے، اور اس سے اعراض کر لے، تا کہ شیطان جب دیکھے کہ اس کی بات نہیں مانی جارہی اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جارہی تو وہ بھاگ جائے۔ [1]

شیطانی وسوسوں کی ایسی مثال ہے جیسے بھڑوں (تنبوڑیوں) کا چھتہ اور گھر ہو، اگر اسے چھیڑ دیا جائے تو بھڑیں (تنبوڑیاں) لپٹ جاتی ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وسوسہ آئے تو اس کو وہیں چھوڑ دے اور سلسلہ آگے نہ بڑھائے۔

اور اگر آگے بڑھاتا رہا تو مصیبت میں پڑ جائے گا اور چھٹکارہ مشکل ہو جائے گا، یہ نسخہ اور علاج بہت کامیاب اور تجربہ شدہ ہے۔

## ایمان کے خلاف وسوسہ پر، اللہ اکبر اور الحمدِللہ کا ذکر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَحَدَنَا یَجِدُ فِیْ نَفْسِہٖ یُعَرِّضُ بِالشَّیْئِ لَاَنْ یَّکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِہٖ فَقَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ (ابوداؤد، رقم الحدیث ۵۱۱۲، کتاب الادب، باب فی رد الوسوسۃ)

---

[1] وھو عبارۃ عن کراھۃ الشیئ والنفور عنہ کمن یجد جیفۃ والتکرار مراغمۃ للشیطان وتبعید لہ لینفر منہ ویعلم انہ لایطیعہ فیہ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۳۳۵، باب فی الوسوسۃ)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی اپنے نفس میں ایسی باتیں محسوس کرتا ہے کہ انہیں زبان پر لانے کے بجائے وہ اس بات کو زیادہ اچھا سمجھتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہو جائے۔

تو اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر (وشرارت) کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا (ابوداؤد)

شیطان مؤمن بندوں کے دلوں میں ایمان اور اعتقاد کے بارے میں جو شکوک وشبہات ڈالتا ہے، اس حدیث میں ان کا ذکر ہے۔

جب ایمان دل میں پختہ ہوتا ہے تو اس کے خلاف جو بھی وسوسہ آئے وہ سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور ایمان کے خلاف شیطان جو بھی وسوسہ ڈالے مؤمن کا دل اس سے اسی وقت بیزار ہوتا ہے اور یہ ناگوار گزرتا ہے کہ اس بات کو زبان پر لائے۔

اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے صحابی رضی اللہ عنہ نے پیش کیا کہ ایمان کے خلاف جو ذہن میں وسوسے آتے ہیں ان کو زبان پر لانے کے بجائے میرے لئے یہ زیادہ پسند ہے کہ جل کر کوئلہ ہو جاؤں۔

اس قسم کا جذبہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان نے جس کے دل میں وسوسہ ڈالا ہے وہ شخص خالص مؤمن ہے۔

اسی لئے کئی احادیث میں اس کو خالص ایمان بتلایا گیا ہے اور اس حدیث میں فرمایا کہ:

"اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ"

"کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے شیطان کے مکر (وشرارت) کو

وسوسہ کی طرف لوٹا دیا‘‘

یعنی مؤمن بندہ نے شیطان کی بات کو قبول نہ کیا اور اسے بہت برا جانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان مغلوب ہو گیا اور وسوسہ ڈالنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کر سکا اور مؤمن بندہ شیطان کے مقابلہ میں غالب آ گیا، اپنے ایمان پر جما رہا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ایمان کے بارے میں وسوسہ آنا اور معاملہ کا وسوسہ تک ہی محدود رہ جانا اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی مل گئی کہ یہ خالص ایمان ہے، پھر فکر کی کوئی بات نہیں۔ [1]

## ایمان کے خلاف وساوِس سے متعلق چند ارشادات

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنے مواعظ وملفوظات وغیرہ میں ایمان کے خلاف آنے والے وسوسوں کے متعلق تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، جس میں بڑی مفید باتیں ہیں، جن کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

---

[1] مدافعة وسوسة الشيطان فى شأن الإيمان:
يتعرض الشيطان لكثير من أهل الإيمان، وخاصة أهل العلم منهم بوساوس الكفر التى يلقيها إليهم من أجل فتنتهم عن دينهم .قال ابن تيمية :المؤمن يبتلى بوساوس الكفر التى يضيق بها صدره، كما ورد أن "الصحابة قالوا :يا رسول الله، إن أحدنا ليجد فى نفسه ما لأن يخر من السماء إلى الأرض أحب إليه من أن يتكلم به، فقال صلى الله عليه وسلم :الحمد لله الذى رد كيده إلى الوسوسة
وفى حديث آخر :سئل النبى صلى الله عليه وسلم فى الوسوسة :قال :تلك محض الإيمان
يعنى أن حصول هذا الوسواس مع هذه الكراهة العظيمة له ودفعه عن القلب -هو من صريح الإيمان، كالمجاهد الذى جاء ه العدو فدافعه حتى غلبه .وإنما صار صريحا لما كرهوا تلك الوساوس الشيطانية فدفعوها، فخلص الإيمان فصار صريحا، قال :ومن الناس من يجيب تلك الوساوس فيصير كافرا أو منافقا، قال :والشيطان يكثر تعرضه للعبد إذا أراد الإنابة إلى ربه، والتقرب إليه، والاتصال به، فلهذا يعرض للمصلين ما لا يعرض لغيرهم، ويعرض للخاصة أهل العلم والدين أكثر مما يعرض للعامة، قال :ولهذا يوجد عند طلاب العلم والعبادة من الوساوس والشبهات ما ليس عند غيرهم
ومن وساوس الشيطان فى هذا الباب ما نبه إليه النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله :يأتى الشيطان أحدكم، فيقول :من خلق كذا؟ من خلق كذا؟ حتى يقول :من خلق ربك؟ فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٣، ص ١٥١ ،مادة وسوسة)

www.idaraghufran.org

فرماتے ہیں کہ:

باطنی معاملات میں بعض دفعہ سالک (یعنی دین کے راستہ پر چلنے والے اور اپنی اصلاح کرانے والے) کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے، مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں، جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ یہ غلطی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا ہے کہ:

**’’اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِہٖ صُدُوْرُھَا‘‘**

(کہ اللہ نے میری اُمت سے اُس کے سینوں میں آنے والے وسوسوں کو درگزر فرمادیا ہے)

پس کفر کے وسوسہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا، بلکہ مومن کامل رہتا ہے، اس غلطی میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں یا چولہے کے پاس بیٹھنے سے ہاتھ گرم ہوجاوے، بس اس کی روح نکلنے لگے کہ اب جان گئی مصیبت آئی، اب بچنا دشوار ہے، جھٹ پٹ حکیم صاحب کے پاس جاوے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں، علاج کردیجئے، حکیم صاحب نے نبض دیکھی کہا ارے میاں تم تو اچھے خاصے تندرست ہو، تم کو بیمار کس نے کہا ہے، یہ تو محض (اور صرف) تمہارا وہم ہے، کہا واہ صاحب میں تو سخت مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب ومسہل (دست آور دوا) دو، تاکہ مادہ کا خروج ہوجاوے، حکیم صاحب نے کہا تم کو تو یہ حرارت (یعنی گرمی) عارضی ہے، خود جاتی رہے گی، کچھ فکر کی بات نہیں، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا، تو اس کو گو (اگرچہ) مرض نہیں، لیکن خود وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشاء محض (اور صرف) ناواقفیت ہے، اسی طرح سالک (یعنی دین پر چلنے والے) ناواقف کو وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہوجاتا ہے جو کہ گور (وقبر) میں جا سلاتا ہے۔

صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بے فکر اور بے التفات (یعنی بے توجہ) ہوکر مسرور

وخوش ہونا ہے، نہ کہ غم کو لے کر بیٹھ جانا، جتنا فکر کرو گے اتنا ہی غم بڑھتا جائے گا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس وخطرات کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ:

”اَوَجَدْتُّمُوْہُ قَالُوْانَعَمْ قَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ“

سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت کمالِ ایمان کی (یعنی کامل ومکمل ایمان کی خوشخبری) سنا کر مسرور (اور خوش وخرم) واپس کردیا، عارفین وصوفیائے کرام نے اس سے مستنبط کیا (اور یہ مسئلہ نکالا) ہے کہ وسوسہ کا علاج مسرور (وخوش) ہونا ہے جس کو یہ مرض لاحق (ودرپیش) ہو، اس کے لئے لازم ہے کہ محزون (وغمگین) نہ ہو، ہمیشہ مسرور وخوش رہے، تاکہ حدیث پر عمل ہو، اور اس کی حالت سنت کے موافق ہو اور اس مسرور (وخوش) رہنے سے وسوسہ دفع (اور دور) ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون وغمگین رکھنا چاہتا ہے، جب تم اس کے خلاف کرو گے اور اس کو اس کی سعی وکوشش میں کامیاب نہ ہونے دو گے یعنی اپنے کو خوش وخرم رکھو گے، رنج وغم نہ کرو گے، تو وہ مایوس ہو جاوے گا، اور تم کو نہ ستائے گا، سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے یہ تو الٹا خوش ہوا اور اس کو خوش ہونا گوارا نہیں، اس لئے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا، یاد رکھو یہ شیطان وسوسے اس وجہ سے نہیں ڈالتا کہ اپنے نفس سے سوءِ ظن (یعنی بدظنی) پیدا ہو اور تم معاصی (وگناہ) سے بچنے لگو، بلکہ یہ کم بخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لئے وسوسے پیدا کرتا ہے تاکہ تم کو یاس (یعنی مایوسی) ہو جاوے پس کافر بن جاؤ، اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہو سکتی، حتّٰی کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمر (اور چھپا ہوا) ہوتا ہے ............پس جب یہ وسوسہ

ڈالے اور محزون وغمگین (اور رنجیدہ وغمزدہ) کرنا چاہے تو زیادہ مسرور وخوش ہونا چاہیئے وہ ناامید ہوکر خود ہی تم کو چھوڑ دے گا، خلاصہ یہ کہ وسوسہ کا مرض مضر (ونقصان دہ) نہیں بلکہ محمود ومرغوب (یعنی اچھا اور پسندیدہ) ہے، لیکن بعض لوگ شیطان کے دھوکہ میں آ کر وسوسہ کو مرض سمجھ کر خودکشی کر لیتے ہیں (وعظ دستور سہارنپور ص۲۳ تا ۲۵ ملخصاً)

اگر کفر کا بھی وسوسہ آوے اس میں بھی حرج نہیں، چنانچہ دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ ہمارے قلب (ودل) میں ایسی باتیں آتی ہیں کہ جل کر کوئلہ ہوجانا گوارا ہے، مگر ان کا زبان پر لانا گوارا نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے وسوسے ہونگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّاَمْرَهٗ اِلَی الْوَسْوَسَةِ"

"کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی کوشش وسوسہ ہی کے اندر محدود کردی"

پس جب کہ وسوسۂ کفر بھی مضر (ونقصان دہ) نہیں تو وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) تو کسی درجہ میں بھی مضر (ونقصان دہ) نہیں ہوسکتا، پس اس کا علاج یہ ہے کہ کام کیئے جائے کچھ پرواہ نہ کرے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طرف کچھ خیال نہ کرو (وعظ الصلوٰۃ ص۲۷)

ایک اور مقام پر حضرت فرماتے ہیں کہ:

یہ حالت وسوسے کی خواہ ایک وسوسہ ہو یا ہزار ہوں ............کوئی ایسا سالک وواصل الی اللہ (یعنی دین کے راستہ پر چلنے والا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا) نہیں ہے جس کو راستہ میں (وساوس کی) یہ گھاٹی نہ آتی ہو، پس ان میں جو خود عارف یا کسی عارف سے تعلق ومحبت واعتقاد کا رکھنے والا ہے اس کی نظر میں تو یہ

لا شئے محض معلوم ہوتی ہے، اور جو ناواقف ہیں وہ تِل کو پہاڑ کر کے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اے عزیز! صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا یا کسی عارف کا رتبہ نہیں ہوا، اُن تک کو یہ قصہ پیش آیا کہ انواع انواع (یعنی طرح طرح کے) وساوس نے گھیرا اور وساوس بھی ایسے جن کو وہ زبان پر لانا جل کر کوئلہ ہو جانے سے بدتر اور سخت تر اور گراں تر و ناگوار تر جانتے تھے، آخرانہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس کو ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**ذَاکَ صَرِیۡحُ الۡاِیۡمَانِ یعنی یہ تو کھلی نشانی ایمان کی ہے۔**

دو وجہ سے:

اول اس لئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع (یعنی مال ودولت) پایا جاتا ہے، پس اگر متاعِ ایمان (یعنی ایمان کا خزانہ) اس شخص کے قلب (ودل) میں نہ ہوتا تو شیطان اس کے پیچھے نہ پڑتا، یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو وساوس آتے ہیں اور جو فساق وفجار واشرار (یعنی شریر ترین لوگ) ہیں ان کو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا، کیونکہ شیطان ان سے جب گناہ کرا رہا ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے وہ ایسے امر (وکام) میں مبتلا کرے جس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں، نِرا رنج ہی رنج ہے۔

دوسرے اس لئے علامت ایمان کی ہے کہ مؤمن نے اس کو برا سمجھا پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا تو ان خیالاتِ کفریہ کو حق سمجھتا اور ان کو دل سے قبول کرتا اور ان پر مطمئن ہوتا اور ان میں اس کے قلب (ودل) کو انشراح (واطمینان) ہوتا، کراہت (وناپسندیدگی) نہ ہوتی جیسا تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے (کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کو برا نہیں سمجھتے بلکہ انہیں اچھا سمجھتے ہیں) جب اس شخص نے ان (کفریہ وفسقیہ وسوسوں) کو مکروہ (وناپسند) سمجھا تو ان کے اضداد (یعنی

www.idaraghufran.org

توحید وغیرہ) کو حق سمجھتا ہے اور یہی ایمان ہے، غرض ان وجوہ سے یہ علامت ایمان کی ہے، ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ و معصیت بھی نہیں، کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم (یعنی بُرا فعل) ہے، جو باختیارِ خود کرے اور چونکہ وساوس پر اختیار نہیں ہے، اس لئے وہ گناہ نہیں ہوسکتا، جب گناہ نہیں پھر اس پر پریشان ہونا فضول ہے۔

یہ تو تحقیق ہے وسوسہ کے برے یا بھلے ہونے کی، رہا اس کا علاج، بس سب معالجات (اور علاج، معالجوں) سے بہتر علاج جس کو اکسیرِ اعظم کہنا چاہئے یہی ہے کہ اس کا علاج نہ کیا جاوے بلکہ جرأت و دلیری کے ساتھ اور یقین وعزم کے ساتھ یہ سمجھے اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عنداللہ (یعنی اللہ کے نزدیک) گناہ نہیں اور شرعاً کوئی مرض نہیں پھر کیا غم؟

بلکہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ دلیلِ ایمان (یعنی ایمان کی دلیل) ہے تو اس پر اُلٹا اور خوش ہونا چاہئے، اب یہ شخص خوش ہوگا تو شیطان نے وہ وسوسہ تو خاص اسی لئے القاء کیا (اور ڈالا) تھا کہ یہ شخص محزون (وغمگین) ہوگا، وہ (جب) دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے اور اس (بندہ) کا خوش ہونا اس (شیطان) کو پسند نہیں پس وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا اور بہت آسانی سے اس سے نجات ہوجائے گی۔

اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پرواہ نہیں کیونکہ جب یہ معصیت (وگناہ) نہیں، تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے، اور جیسا بے پرواہی و دلیری اور بے توجہی سے یہ قطع (وختم) ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑجاوے اور یہی فکر و ذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے، گو (یعنی اگرچہ) اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے۔

پس عمدہ علاج یہ ہے کہ ہر وسوسے کا بالتفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا یہ طریقہ مضر (ونقصان دہ) ہے، اس میں اگر فوری تسلی بھی ہوجاتی ہے تو دو چار روز

کے بعد پھر اس کے جواب میں کوئی خدشہ ہوجاتا ہے، پھر وسوسہ ستانے (اور پریشان کرنے) لگتا ہے، اور نفس میں اچھا خاصا ایک مناظرہ کا میدان گرم ہوجاتا ہے، اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے، بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکرُ اللہ کا شغل رکھے کہ وہ قاطعِ وسوسہ (یعنی وسوسہ کو ختم کرنے والا) بھی ہے، جیسا حدیث میں آیا ہے اور اس سے قلب (ودل) میں قوت پیدا ہوتی ہے، جس سے وہ ایسے خرافات سے متأثر نہیں ہوتا پس خلاصہ تمام تر تقریر کا تین امر (وباتوں) میں ہے:

(۱)......ایسے وساوس کی کچھ پرواہ نہ کریں، نہ ان کے دفع (یعنی دور کرنے) کی فکر کریں۔

(۲)......اس کا جواب نہ سوچیں، نہ کسی سے وجہ پوچھیں، کتاب وسنت کو بلا دلیل حق سمجھیں، گو (یعنی اگرچہ) کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آوے گو (یعنی اگرچہ) قلب (ودل) میں اس کا خطرہ (اور وسوسہ) آوے۔

(۳)......اُدھر سے اعراض کر کے اللہ کے ذکر میں متوجہ رہیں خواہ درود شریف، خواہ استغفار یا اور کچھ، اس میں خیال لگائے رہیں۔

ان شاءاللہ تعالیٰ آپ کے قلب (ودل) کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک منٹ میں پوری تسکین وراحت حاصل ہوجاوے گی اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش (اور پریشانی) نہ ہوگی (بصائرِ حکیم الامت ص ۳۲۰ تا ۳۲۲)

ایک صاحب نے (حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کو) تحریر کیا کہ:

ایک مرضِ شدید کا نہایت شاکی ہوں، حتی الوسع دفعیہ (یعنی حتی الامکان دور کرنے) کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ مرض یہ ہے کہ بعض اوقات وساوس وخطرات کا اپنے دل میں نام ونشان بھی نہیں پاتا اور بعض اوقات وساوس اور خطرات کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور وساوس وخطرات (وسوسے) بھی وہ کہ شاید

دہریہ کو بھی نہ آتے ہوں، اس وقت دل چاہتا ہے کہ کسی ترکیب سے خودکشی کرلوں تاکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہوجائے، ایسے نالائق و ناہنجار کو دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہئے، اس لئے خدمت والا میں عرض گزار ہوں کہ اس کے لئے خاص توجہ مبذول فرمائیں اور دعا سے امداد فرمائیں۔

حضرت نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ:

دعا سے کیا عذر ہے مگر یہ حالت مذموم (اور بُری) ہی نہیں جس کو ایسا مہتم بالشان سمجھا جائے (اور اس کو اہمیت دی جائے) صحابہ رضی اللہ عنہم سے اکمل وافضل تو کسی کی حالت نہ تھی، حدیثوں میں مصرح (اور واضح) ہے کہ ان کو ایسے وساوس آتے تھے کہ وہ جل کر کوئلہ ہوجانا زیادہ محبوب سمجھتے تھے ان کو زبان پر لانے سے، اور طبیبِ کامل (اور کامل وماہر معالج) صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے صریح (اور کھلے) ایمان کی علامت قرار دیا، پس جو امر علامتِ ایمان (یعنی جو بات ایمان کی نشانی) ہو اس پر اگر مسرت (وخوشی) نہ ہو تو غم کے بھی کوئی معنیٰ نہیں

(مآثر حکیم الامت رحمہ اللہ ص۱۸۰،۱۸۱)

اگر کسی مومن کو کفریہ بات کے زبان سے کہنے کا تقاضا وداعیہ پیدا ہو، لیکن مومن بندہ اس کو زبان سے نہ کہے، تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، جیسا کہ احادیث میں زبان سے الفاظ ادا کرنے سے پہلے وسوسوں کو معاف قرار دیا گیا ہے۔ [۱]

خلاصہ یہ ہے کہ کفریہ وسوسوں سے پریشان نہ ہو اور ان کو کوئی اہمیت نہ دے۔

اور اگر کفر کے متعلق آنے والے وسوسوں کو اہمیت دی جائے، تو پھر اپنے کافر ہونے کا وسوسہ

---

[۱] اور اگر واقعی زبان سے الفاظ ادا کرے، تو پھر نقصان ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی وسوسوں کا مریض پاگل پن کی حدتک پہنچ چکا ہو، تو پھر اس کے الفاظ ادا کرنے سے بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

ب -ردة الموسوس :إن تكلم الموسوس بكلام يقتضى الردة لم يكن فى حقه ردة .صرح بذلك الحنفية، يعنون المغلوب فى عقله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص۱۵۷ ،مادة وسوسة)

www.idaraghufran.org

ترقی کر کے وہم یا مالیخولیا کی شکل اختیار کر کے دماغ میں بیٹھ جاتا ہے، اور پھر بمشکل ہی اس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

## ایمان وعقائد کے متعلق وسوسہ اور شک میں فرق

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر وسوسوں کے بجائے، دل میں توحید وایمان کے بارے میں شک ہو، یا کسی کفریہ وشرکیہ بات کا پختہ عزم ہو، تو پھر یہ عقیدہ کی بات ہے، جس پر مؤاخذہ وپکڑ ہے، مگر جبکہ اس طرح کے کسی خیال وتصور کے آنے پر کوفت ہورہی ہو، اور اس کو عقیدہ سے برا سمجھ رہا ہو، تو یہ عقیدہ کی خرابی نہیں ہے، بلکہ ایمان اور توحید کی دلیل ہے، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے معلوم ہوا۔

اور اگر کسی بات پر ایمان تو ہو، لیکن اطمینانِ قلب نہ ہو، اور مختلف وسوسے اس پر آتے ہوں، تو یہ بھی کفر نہیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں پیچھے گزرا۔[۱]

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وسوسے کو انسان اپنے ایمان وعقائد میں شک سمجھ لیتا ہے، اور

---

[۱] هـ -الهم بالكفر يؤدى إلى الكفر:

ذهب الفقهاء إلى أنه إذا هم الشخص المسلم بالكفر، أو شك فى الوحدانية أو النبوة أو البعث، أو نوى قطع إسلامه، أو تردد أيكفر أو لا، أو عزم على الكفر غدا أو فى المستقبل، خرج من الإسلام وأصبح مرتدا فى الحال؛ لأن طريان الشك يناقض جزم النية بالإسلام.

قال الإمام النووى رحمه الله تعالى :العزم على الكفر فى المستقبل كفر فى الحال، وكذا التردد فى أنه يكفر أم لا؟ فهو كفر فى الحال، وكذا لو علق كفره بأمر مستقبل كقوله :إن هلك مالى أو ولدى تهودت أو تنصرت .قال :والرضا بالكفر كفر، حتى لو سأله كافر يريد الإسلام أن يلقنه كلمة التوحيد، فلم يفعل، أو أشار عليه بأن لا يسلم، أو على مسلم بأن يرتد فهو كافر؛ لأنه رضى بالكفر ،

وقال ابن حجر العسقلانى :من هم بمعصية الله قاصدا الاستخفاف بالله كفر، وإنما المعفو عنه من هم بمعصية ذاهلا عن قصد الاستخفاف.

أما إذا خطر فى باله الكفر، أو جرى فى قلبه دون أن يصل إلى مرحلة العزم، فلا يكفر؛ لأن ذلك من الوسوسة.

قال الشربينى الخطيب من الشافعية :فإن لم يناقض جزم النية بالإسلام كالذى يجرى فى الكن (أى فى الخاطر) فهو مما يبتلى به الموسوس، ولا اعتبار به كما قاله الإمام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲، ص ۳۰۷، مادة، هم)

خیال کرتا ہے کہ اگر یہ وسوسہ ہوتا تو کوئی پریشانی کی چیز نہیں تھی، لیکن یہ تو وسوسہ نہیں بلکہ یہ تو ایمان اور عقائد میں شک ہے، اور میرا ایمان اور عقیدہ پختہ نہیں، اس لئے میں مؤمن نہیں۔ اور وہ اس کے نتیجے میں سخت پریشان ہوتا اور کڑھتا جاتا ہے، حالانکہ اس کو ایمان وعقائد میں شک ہونا نہیں کہتے، بلکہ یہ بھی وسوسہ ہے۔

ایک صاحب نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ مجھے عقائد میں شکوک ہیں؛ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:

اگر ایسا ہے تو اس کا جلد تصفیہ ہوجانا نہایت ضروری ہے ورنہ کوئی عمل مفید نہیں ہوسکتا، سب اعمال بیکار جائیں گے، لیکن پہلے اس کی تحقیق ہوجانی چاہئے کہ آیا آپ جس کو شک سمجھ رہے ہیں وہ دراصل شک بھی ہے یا محض (اور صرف) وسوسہ ہے کیونکہ شک اور چیز ہے اور وسوسہ اور چیز ہے، اور دونوں کا جدا حکم ہے، عقائدِ ضروریہ میں شک کرنا موجبِ نقصانِ ایمان (یعنی ایمان میں کمی کا ذریعہ) ہے اور وسوسہ معصیت (وگناہ) کے درجہ میں بھی نہیں کیونکہ اس پر کسی قسم کا مؤاخذہ (وپکڑ) نہیں پھر دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو ان خیالات سے ایذا (اور تکلیف) ہوتی ہے یا نہیں اور قلب (ودل) کو پریشانی اور خلجان اور دفعیہ (یعنی وسوسہ کو دور کرنے) کا اہتمام ہوتا ہے یا نہیں؟

ان صاحب نے جواب دیا کہ سخت پریشانی اور خلجان ہوتا ہے۔

فرمایا کہ بس معلوم ہوا کہ محض (اور صرف) وسوسہ ہے، شک نہیں کیونکہ وسوسہ اور شک کی پہچان یہی ہے کہ وسوسہ میں خلجان اور پریشانی ہوتی ہے اور قلب (ودل) کو اس سے اذیت (وتکلیف) ہوتی ہے اور اس کے دفعیہ (اور دور کرنے) کے اہتمام کے درپے ہوتا ہے اور اس کو سخت ناگوار اور بُرا سمجھتا ہے اور شک میں مطلق (یعنی ذرا) ایذاء نہیں ہوتی قلب (ودل) کو بالکل سکون ہوجاتا ہے، کیا کسی کافر کو

www.idaraghufran.org

کفر سے متاذی اور متالم (یعنی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا) دیکھا ہے۔ تاذی اور عدمِ تاذی (یعنی تکلیف ہونا اور نہ ہونا) دونوں کی علامات وشناخت ہیں آپ کو شک نہیں وسوسہ ہے، جس کی طرف سے شریعتِ مقدسہ نے ہم کو بالکل مطمئن کردیا ہے، ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے اور واقعی جب وہ (یعنی وسوسہ) کوئی مؤاخذہ (وگناہ) کی چیز ہی نہیں تو اس سے پریشان ہونا ایک فضول امر ہے، البتہ اذیت ضرور ہوتی ہے اور اذیت بھی کچھ نہیں اگر اس کی طرف سے بالکل بے پروائی اختیار کی جاوے کہ اونہہ اگر آتا ہے آنے دو۔

اس عدمِ التفات (یعنی توجہ نہ کرنے سے) سے وہ خود دفع (وختم) ہوجائے گا، لیکن اس عدمِ التفات (وتوجہ نہ کرنے) میں بھی قصد (وارادہ) دفع (اور دُور کرنے) کا نہ کرے، ورنہ وہ بھی وسوسہ ہی کی طرف التفات (وتوجہ کرنا) ہو جائے گا کیونکہ جتنا اس کو کوئی دفع کرنا چاہتا ہے اتنا ہی اور لپٹتا ہے۔

بلکہ اپنی طرف سے یہاں تک آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر عمر بھر بھی اس سے چھٹکارا نہ ہو تو بلا سے نہ ہو، کیونکہ یہ کوئی نقصان کی بات نہیں (کمالاتِ اشرفیہ ص ۳۱۱،۳۱۲)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ایمان وعقائد کے سلسلہ میں جب وسوسہ آئے اور اس کو بُرا سمجھا جائے اور تکلیف ہو تو اس کو ایمان وعقائد میں شک وشبہ نہیں قرار دیا جائے گا، بلکہ وسوسہ قرار دیا جائے گا۔

جو کہ بجائے کفر اور شرک کے، واضح اور صریح ایمان کی علامت ودلیل ہے، جس کے متعلق صحیح احادیث آئی ہیں، جیسا کہ پہلے گزریں۔

لہٰذا بالکل مطمئن ہوجانا چاہئے اور پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر ۲)

# گناہ وزنا وغیرہ کے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض اوقات مومن بندہ کو مختلف قسم کے گناہوں کے بارے میں وسوسے آتے ہیں، مثلاً زنا اور بدنظری کے متعلق وسوسے آتے ہیں، اس قسم کے گناہوں والے وسوسے بعض اوقات نماز اور ذکر وتلاوت وغیرہ کے دوران بھی آنے لگتے ہیں، جس سے بعض لوگوں کو سخت پریشانی ہوتی ہے، اور وہ لوگ شکایت کیا کرتے ہیں کہ ان کے دل میں بڑی گندگیاں موجود ہیں، اور ان کی نظر پاک وصاف نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ، اور پھر ساتھ ہی ان چیزوں کا حل وعلاج دریافت کرتے ہیں، اور جب کوئی حل بتلایا جاتا ہے، یا کوئی جواب دے کر مطمئن کردیا جاتا ہے، تو چند دنوں کے بعد پھر گھما پھرا کر اسی طرح کے سوالات دھراتے ہیں۔

حالانکہ گناہ اور زنا وغیرہ کرنے کے متعلق جو وساوِس پیدا ہوتے ہیں، یا غیراختیاری طور پر جو نامحرم وغیرہ پر نظر پڑ جاتی ہے، اور نظر ہٹالینے کے بعد جو غیراختیاری طور پر حسن وجمال یا اس کے ساتھ کچھ کرنے کے وسوسے آتے ہیں، وہ معاف ہیں، جب تک اُن پر عمل نہ کیا جائے، اور خود اپنے ارادہ سے ان پر کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔

## گناہ کے وسوسہ وارادہ پر معافی

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کئی احادیث میں وسوسوں پر جب تک عمل وکلام نہ کیا جائے، اُن کو معاف قرار دیا گیا ہے، جس کی تفصیل پہلے فصل نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں گناہ کرنے کا صرف ارادہ کرنے پر گناہ نہ لکھے جانے کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً

(بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کی طرف سے روایت بیان فرمائی کہ بے شک اللہ نیکیوں اور بُرائیوں کو لکھتے ہیں، پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے یہاں ایک کامل نیکی لکھ دیتے ہیں، پھر اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق اُس پر عمل بھی کرلیتا ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے یہاں دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں، سات سو گنا تک بڑھا چڑھا کر۔ اور جو شخص بُرائی (وگناہ کے کام کو کرنے) کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے یہاں ایک کامل نیکی لکھ دیتے ہیں، پھر اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق اس پر عمل بھی کرلیتا ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک گناہ کو ہی لکھتے ہیں (بخاری)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن کی تفصیل پیچھے فصل نمبر ے میں گزر چکی ہے۔

## اچانک نظر پڑنے پر ہٹا لینے اور دوبارہ نظر نہ ڈالنے کا حکم

تیسری بات یہ ہے کہ احادیث میں اچانک نظر کو تو شرعاً معاف کردیا گیا ہے، لیکن دوسری

---

[1] رقم الحديث ۶۴۹۱، باب من هم بحسنة أو بسيئة، مسلم، رقم الحديث ۲۰۷ "۱۳۱"، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، وإذا هم بسيئة لم تكتب.

مرتبہ نظر ڈالنے یا اچانک پڑی ہوئی نظر کو نہ ہٹانے اور برابر گھورتے رہنے کو معاف نہیں کیا گیا۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَ ةِ فَأَمَرَنِىْ أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِىْ (مسلم) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نامحرم پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر کو ہٹا لوں (مسلم، مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْأَةِ؟ فَقَالَ: اِصْرِفْ بَصَرَكَ (سنن ابی داؤد) [۲]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنی نظر کو ہٹا لیں (ابوداؤد)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ (ابو داؤد) [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۲۱۵۹ "۴۵" كتاب الآداب، باب فى نظر الفجاءة، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۱۶۰.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[۲] رقم الحديث ۲۱۴۸، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر.

[۳] رقم الحديث ۲۱۴۹، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، ترمذى، رقم الحديث ۲۷۷۷، مسند احمد، رقم الحديث ۱۳۷۳، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۶۷۴.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! آپ ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالیں، پس آپ کے لئے پہلی (یعنی اچانک) نظر کی تو گنجائش ہے، اورآپ کے لئے دوسری نظر کی گنجائش نہیں (ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد، طبرانی)

پہلی نظر اس لئے معاف ہے کہ وہ اچانک پڑ جاتی ہے، جس میں قصد وارادہ کا دخل نہیں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف قرار دیا، لیکن نظر پڑنے کے بعد اس کو برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ نظر کو ہٹانے کا حکم فرمایا۔ [1]

## خوبصورت عورت پر نظر پڑنے کے بعد ایک عمدہ علاج

چوتھی بات یہ ہے کہ کسی عورت پر جب نظر پڑ جائے، اور وہ خوبصورت معلوم ہو، اور نفس میں اس کی طرف کشش ومیلان پیدا ہو، تو احادیث میں اس کا ایک عمدہ علاج یہ بتایا گیا کہ اپنی بیوی کے پاس آ کر اپنا تقاضا پورا کرلے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى اِمْرَأَةً، فَأَتٰى اِمْرَأَتَهٗ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الترمذی: هذا حديث غريب لانعرفه الا من حديث شريک.

وفی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

وقال الهيثمی: رواه البزار، والطبرانی فی الأوسط وزاد " :وليست لک الآخرة ."ورجال الطبرانی ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۴۵۸، باب النظر إلى من يريد تزويجها)

[1] نظر الفجاءة :الفجاءة بالضم والمد، وكذلک الفجأة وزان تمرة، هی البغتة من غير تقدم سبب، ويقصد بنظر الفجأة النظر غير المقصود من الناظر.

ولا خلاف بين الفقهاء فی أن هذا النظر معفو عنه ولا إثم فيه، لما ورد عن جرير بن عبد الله رضی الله عنه أنه قال :سألت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن نظر الفجاءة فأمرنی أن أصرف بصری، فدل على أن الإثم فی استدامة النظر بعد نظر الفجاءة، وليس فی النظرة الأولى غير المقصودة أی إثم، ولما ورد عن بريدة رضی الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لعلی : يا علی لا تتبع النظرة النظرة، فإن لک الأولى وليست لک الآخرة. .فدل على أن النظرة الأولى إذا كانت من غير قصد لا إثم فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰ص ۳۶۶، مادة "نظر")

www.idaraghufran.org

زَیۡنَبَ، وَهِيَ تَمۡعَسُ مَنِيئَةً لَهَا، فَقَضٰى حَاجَتَهٗ، ثُمَّ خَرَجَ إِلٰى أَصۡحَابِهٖ، فَقَالَ: إِنَّ الۡمَرۡأَةَ تُقۡبِلُ فِيۡ صُوۡرَةِ شَيۡطَانٍ، وَتُدۡبِرُ فِيۡ صُوۡرَةِ شَيۡطَانٍ، فَإِذَا أَبۡصَرَ أَحَدُكُمۡ اِمۡرَأَةً فَلۡيَأۡتِ أَهۡلَهٗ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيۡ نَفۡسِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اور وہ اس وقت دباغت دی ہوئی کھال کو رگڑ رہی تھیں، اور آپ نے (ان سے) اپنی حاجت پوری فرمائی (یعنی صحبت فرمائی) پھر اپنے صحابہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ عورت شیطانی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطانی صورت میں پیٹھ پھیرتی ہے، پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے تو اپنی بیوی کے پاس آئے، تو یہ عمل اس کے نفس میں پائے جانے والے تقاضے کو دور کر دیتا ہے (مسلم)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اِمۡرَأَةً فَأَعۡجَبَتۡهُ، فَأَتٰى زَيۡنَبَ وَهِيَ تَمۡعَسُ مَنِيئَةً، فَقَضٰى مِنۡهَا حَاجَتَهٗ، وَقَالَ: إِنَّ الۡمَرۡأَةَ تُقۡبِلُ فِيۡ صُوۡرَةِ شَيۡطَانٍ، وَتُدۡبِرُ فِيۡ صُوۡرَةِ شَيۡطَانٍ، فَإِذَا رَاٰى أَحَدُكُمۡ اِمۡرَأَةً فَأَعۡجَبَتۡهُ، فَلۡيَأۡتِ أَهۡلَهٗ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مِمَّا فِيۡ نَفۡسِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۵۳۷) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا، جو آپ کو اچھی معلوم ہوئی، پھر آپ اپنی بیوی حضرت زینب کے پاس آئے، جو کہ اس وقت دباغت

---

[1] رقم الحديث ۱۴۰۳ "۹" كتاب النكاح، باب ندب من رأى امرأة فوقعت في نفسه، إلى أن يأتي امرأته أو جاريته فيواقعها.

[2] في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد رجاله رجال الصحيح.

دی ہوئی کھال کو رگڑ رہی تھیں، پھر آپ نے ان سے اپنی حاجت پوری فرمائی، اور فرمایا کہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں چلی جاتی ہے، پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے، جو اسے اچھی وخوبصورت معلوم ہو، تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے (اور اپنا تقاضا پورا کرے) پس بے شک یہ عمل اس کے نفس میں پائے جانے والے تقاضے کو رد کردے گا (مسند احمد)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَإِذَا رَأٰى أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ، فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے، جو اس کو اچھی لگے، تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے، پس بے شک اس کی بیوی کے ساتھ بھی اس جیسی چیز ہے، جو اس (اجنبی) عورت کے ساتھ ہے (ترمذی، ابنِ حبان)

مذکورہ حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اجنبی عورت پر نظر پڑنے کے بعد اگر کچھ دیر تک نفس میں اس عورت کی طرف میلان اور کشش موجود رہے، تو وہ معاف ہے، جبکہ اپنی طرف سے قصداً وعمداً اس سلسلہ میں کوئی عملی ارتکاب نہ کیا جائے، جس کی تفصیل پہلے باب کی فصل نمبر ۷ میں گزر چکی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۵۸، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی الرجل یری المرأة تعجبه، صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۵۵۷۲.

قال الترمذی: وفی الباب عن ابن مسعود: حدیث جابر حدیث حسن صحیح غریب وهشام بن أبی عبد الله هو صاحب الدستوائی هو هشام بن سنبر "

وفی حاشیة ابنِ حبان: إسناده صحیح.

[2] اعلم أن الوسوسة ضروریة، واختیاریة:

فالضروریة: ما یجری فی الصدر من الخواطر ابتداء، ولا یقدر الإنسان علی دفعه، فهو معفو عن جمیع الأمم، قال الله تعالیٰ: لایکلف الله نفسا الا وسعها.

والاختیاریة: هی التی تجری فی القلب، وتستمر، وهو یقصد ان یعمل به، ویتلذذ منه کما یجری

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

احادیث میں نامحرم پر پہلی نظر (جو فجاءۃً اچانک پڑ جائے) معاف ہے، چنانچہ ارشاد ہے ’’لَکَ الاُوْلیٰ‘‘ مگر اس نظر کو باقی رکھنے کی ممانعت ہے، چنانچہ ارشاد ہے ’’وَعَلَیْکَ الْاٰخِرَۃُ‘‘ کیونکہ دفعۃً (واچانک) نظر پڑ جانا تو بے اختیاری بات ہے کہ پہلے سے خبر ہی نہ تھی کہ سامنے کون آ رہا ہے؟ اچانک سامنا ہو گیا۔ لیکن نظر پڑنے کے بعد نگاہ کو نہ ہٹانا اور برابر گھورتے رہنا اور نظر جمانا یہ تو اختیاری ہے، یہاں بھی بعض لوگوں کو وہی دھوکہ ہوا ہے جو وسوسہ میں بعضوں کو ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نظر یہ ہے کہ ایک بار نظر ہٹا کر پھر دوبارہ نظر کی جاوے اور اگر نظر نہ ہٹاوے بلکہ برابر دیکھتا رہے تو گناہ نہیں کیونکہ یہ تو سب اول ہی نظر میں داخل ہے اس کا حل آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا نے کر دیا ہے اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی قلبه حب امرأة، ویدوم علیه، ویقصد الوصول إلیها، وما أشبه ذلک من المعاصی، فهذا النوع عفا الله عن هذه الأمة خاصة تشریفا وتکریما لنبینا -علیه الصلاة والسلام -، وأمته، وإلیه ینظر قوله تعالی : ولا تحمل علینا إصرا کما حملته علی الذین من قبلنا.

وأما العقائد الفاسدة، ومساوء الأخلاق، وما ینضم إلی ذلک فإنها بمعزل عن الدخول فی جملة ما وسوست به الصدور(شرح الطیبی، ج۲ص۵۱۶، کتاب الإیمان، باب فی الوسوسة، الفصل الاول، مطبوعة: مکتبة نزار المصطفیٰ الباز، المکة المکرمة، الریاض)

فالصواب ما قاله الطیبی من أن الوسوسة ضروریة، واختیاریة، فالضروریة :ما یجری فی الصدور من الخواطر ابتداء، ولا یقدر الإنسان علی دفعه، فهو معفو عن جمیع الأمم، والاختیاریة :هی التی تجری فی القلب، وتستمر، وهو یقصد، ویعمل به، ویتلذذ منه کما یجری فی قلبه حب امرأة، ویدوم علیه، ویقصد الوصول إلیها، وما أشبه ذلک من المعاصی، فهذا النوع عفا الله عن هذه الأمة خاصة تعظیما، وتکریما لنبینا -علیه الصلاة والسلام -، وأمته، وإلیه ینظر قوله تعالی :(ربنا ولا تحمل علینا إصرا کما حملته علی الذین من قبلنا)وأما العقائد الفاسدة، ومساوء الأخلاق، وما ینضم إلی ذلک فإنها بمعزل عن الدخول فی جملة ما وسوست به الصدور اهـ.

وهو کلام حسن .ولهذا قیده النبی -صلی الله علیه وسلم -بقوله :(ما لم تعمل، أو تتکلم) إشارة إلی أن وسوسة الأعمال، والأقوال معفوة قبل ارتکابها، وأما الوسوسة التی لا تعلق لها بالعمل، والکلام من الأخلاق، والعقائد فهی ذنوب بالاستقرار(مرقاة المفاتیح، ج۱ص۱۳۵، ۱۳۶، کتاب الإیمان، باب فی الوسوسة)

میں فیصلہ ہے کہ غیر اختیاری بات پر مؤاخذہ (وگناہ) نہیں اور اختیاری پر مؤاخذہ (وگناہ) ہے، اب خود دیکھ لو کہ نظر جمانا اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے؟ یقیناً اس میں اختیار کو دخل ہے تو اس پر ضرور مؤاخذہ (وگناہ) ہوگا (زکاۃُ النفس ص ۲۰، ۲۱؛ خطباتِ حکیم الامت جلد ۲۲ وعظ نمبر ۱۱ صفحہ ۴۸۳)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وساوس بلا اختیار پر اور رغبتِ اضطراریہ الی الاجنبیہ (یعنی اجنبی عورت کی طرف خود بخود رغبت ہونے) وغیرہ پر مؤاخذہ (وپکڑ) نہیں بلکہ مؤاخذہ قصد (واختیار) پر ہے اگر قصداً وساوس لائے گا یا عمداً کسی مرد یا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا اور اسی پر مؤاخذہ (وپکڑ) ہے یہی مضر (ونقصان دہ) ہے۔

رہا یہ کہ بلا اختیار اگر نامحرم کی طرف رغبت ہو یا وسوسہ آئے تو اس کا دفع (اور دُور کرنا) مطلوب (یعنی شریعت کا حکم) ہے یا نہیں؟ عام (لوگوں) کے ذہن میں جس میں علماء کالعوام (یعنی عوام کی طرح کے علماء) کا ذہن بھی داخل ہے، یہ ہے کہ اس کا دفع مطلوب ہے (یعنی وسوسوں کے دور کرنے کا شریعت کی طرف سے حکم ہے) اس لئے عام لوگ اس کے دفع (ودُور کرنے) کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر محققین فرماتے ہیں کہ دفع (اور دُور کرنے) کے قصد سے بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے، بلکہ جب وسوسہ آئے اس وقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کر دے، اور وسوسہ کے نہ احضار (یعنی لانے) کا قصد کرے، نہ دفع (اور دُور کرنے) کا کیونکہ دفع بدون (اور بغیر) توجہ کیے ہوگا نہیں، تو دفعِ وسوسہ کا قصد (اور وسوسہ دُور کرنے کا ارادہ) کرنے سے اس کی طرف اور توجہ بڑھے گی، گھٹے گی نہیں۔

پھر جب شیطان اس کو وسوسہ کی طرف متوجہ پائے گا تو اور زیادہ وسوسہ ڈالے گا۔

بس اس کی ایسی مثال ہے جیسے تار برقی (یعنی بجلی کی تار) کہ اگر اس کو اپنی طرف

قریب کرنے کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے اور دفع (کرنے اور ہٹانے) کی نیت سے پکڑو جب بھی چمٹتا ہے، بس سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو پکڑو ہی نہیں نہ جلب (یعنی کھینچنے) کے لئے نہ دفع (اور دُور کرنے) کے لئے، بس اپنے کام میں لگے رہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تدبیر مذکور کافی نہیں، کیونکہ اجنبیہ کا خیال نہ توجہ الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے) سے دفع ہوتا ہے، نہ اس خیال کی طرف بے التفاتی (وبے توجہی) برتنے سے، تو میں کہتا ہوں کہ تم غم نہ کرو، انشاء اللہ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع (اور دُور) ہو جائے گا، اور اگر عمر بھر بھی دفع (اور دُور) نہ ہو تو تم اس تدبیر کے کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے، اب تم کو اس خیال سے کچھ ضرر (ونقصان) نہیں بلکہ نافع (اور مفید) ہوگا، کیونکہ تم مجاہدہ میں مشغول ہو (وعظ الرغبۃ المرغوبۃ والطلبۃ المطلوبۃ ص ۴۴ و ۴۵)

خلاصہ یہ کہ جب تک کسی گناہ وزنا وغیرہ کا دل میں صرف وسوسہ وخیال آئے، یا دل میں ارادہ پیدا ہو تو اس پر مؤاخذہ وپکڑ نہیں، تا آنکہ اس پر کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے، اور اپنے اختیار سے نظر ڈال کر لطف اندوز ہوتے رہنا اختیاری عمل ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

جیسا کہ احادیث میں نظر کے زنا کرنے کا ذکر آیا ہے، اور یہ احادیث پہلے باب کی فصل نمبر ۷ میں گزر چکی ہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر ۳)

# ریاکاری اور تکبر کے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض مومن بندوں کو اپنے عمل کے بارے میں خاص طور پر جبکہ اپنا کوئی نیک عمل اپنے آپ کو اچھا لگے، تو اس حالت کے متعلق ریاء کاری اور دکھلاوا ہونے کے وسوسے آتے ہیں، اور وہ اس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات کوئی نعمت استعمال کرنے کی صورت میں اس نعمت کے دل کو اچھا لگنے پر کبروتکبر کا وسوسہ آتا ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

حالانکہ ریاء کاری کا تعلق انسان کے اپنے قصد وارادہ سے ہے کہ وہ اپنے قصد وارادہ سے جب کوئی عبادت مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کرے، تو وہ ریاء اور دکھلاوا کہلاتا ہے، لیکن جب بندہ عمل اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہو، پھر یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ریاء کاری کے طور پر کر رہا ہے، تو یہ صرف وسوسہ کہلاتا ہے، جس پر گناہ اور مؤاخذہ نہیں ہوتا۔

بعض اوقات نیک عمل کرکے مومن بندہ کو دل میں خوشی ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس کو اس کیفیت کے بارے میں ریاء کاری کا شبہ ہونے لگتا ہے، جو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ ہوتا ہے، کیونکہ نیک عمل کرکے دل میں خوشی کا ہونا یہ ایمان کی علامت ہے۔

اسی طرح نعمت کو استعمال کرنا اور اس کا اچھا لگنا بھی کبروتکبر نہیں، بلکہ شرعاً ایک اچھا عمل ہے، اور کبر حق کا انکار کرنے اور دوسرے کی تحقیر کرنے کا نام ہے، جس کی ذیل میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## نیک عمل سے خوشی کا ہونا، ایمان کی علامت ہے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ عَمِلَ حَسَنَۃً

www.idaraghufran.org

فَسُرَّ بِهَا، وَعَمِلَ سَيِّئَةً فَسَاءَ تْهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۹۵۶۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی نیکی کرے اور اس پر اسے خوشی ہو اور کوئی برا کام (یعنی گناہ) کرے، اور اس پر اسے غم ہو تو وہ مؤمن ہے (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا الْإِيْمَانُ ؟ قَالَ: إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ، وَسَاءَ تْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ ،قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَمَا الْإِثْمُ ؟ قَالَ: إِذَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ (مسنداحمد، رقم الحديث ۲۲۱۶۶) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں اپنی نیکی سے خوشی ہو، اور اپنی برائی سے غم ہو، تو تم مؤمن ہو، اس نے عرض کیا کہ گناہ کیا ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی چیز تمہارے دل میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دو (کیونکہ یہ اس کے گناہ ہونے کی علامت ہے) (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح.

[3] عن ابن عمر أن عمر بن الخطاب خطب بالجابية، فقال :قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقامى فيكم، فقال " :استوصوا بأصحابى خيرا، ثم الذين يلونهم،ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب حتى إن الرجل ليبتدء بالشهادة قبل أن يسألها، فمن أراد منكم بحبحة الجنة فليلزم الجماعة، فإن الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين أبعد، لا يخلون أحدكم بامرأة، فإن الشيطان ثالثهما، ومن سرته حسنته وساء ته سيئته، فهو مؤمن " (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۱۴)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نیک عمل کر کے اس کی وجہ سے دل میں خوشی ومسرت کا محسوس ہونا اور برائی وگناہ کے بعد اس کی وجہ سے دل میں غم محسوس ہونا، ایمان اور مومن ہونے کی نشانی ہے، یہ تکبر یا ریا کاری وغیرہ میں داخل نہیں۔

بعض اوقات کسی نیک عمل کے دوران وسوسہ آتا ہے کہ شاید میں یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ دکھلاوے اور ریاء کاری کے طور پر کر رہا ہوں حالانکہ انسان اپنے اختیار اور اپنے قصد سے دکھلاوے کی نیت نہیں کرتا۔

اس لئے جہاں انسان کی نیت دکھلاوے کی نہ ہو بلکہ اس کے خیال سے بھی گھبراہٹ اور پریشانی ہو، اس کو ریا کاری اور دکھلاوا نہیں کہا جاتا۔

دکھلاوا، یا ریا اختیاری چیز ہے، یعنی یہ اپنے قصد وارادہ سے پیدا ہوتا ہے اگر کسی کو اپنے ارادہ اور اختیار کے بغیر محسوس ہو رہا ہے کہ دکھلاوا ہو رہا ہے تو اس کو وسوسہ سمجھنا چاہئے۔

## اللہ کی نعمت پر شکر بھی کبر وتکبر نہیں

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُوْرٍ أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ(سنن أبي داوٗد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی بات آتی تھی، یا آپ کو کوئی خوشخبری سنائی جاتی تھی، تو آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے تھے (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُشِّرَ بِحَاجَةٍ فَخَرَّ سَاجِدًا

---

[1] رقم الحديث ۲۷۷۴، كتاب الجهاد، باب في سجود الشكر.
في حاشية ابي داوٗد: صحيح لغيره.

(سنن ابن ماجه) ۱؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کام کی خوشخبری سنائی گئی، تو آپ سجدہ ریز ہوگئے (ابنِ ماجہ)

ان احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمت وخوشی کے حاصل ہونے پر شکر کرنا اور اس کے لئے سجدۂ شکر کرنا اور اس کا عبادت ہونا، نہ کہ تکبر ودکھلاوا ہونا معلوم ہوا۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ نُوحٌ إِذَا طَعِمَ طَعَامًا أَوْ لَبِسَ ثَوْبًا حَمِدَ اللّٰهَ، فَسُمِّيَ عَبْدًا شَكُوْرًا (مستدرک حاکم) ۲؎

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے تھے، یا جب کوئی کپڑا پہنتے تھے تو اللہ کی حمد (وشکر) کرتے تھے، پس ان کا نام شکر گزار بندہ رکھا گیا (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کے حاصل ہونے پر شکر کرنا بھی عبادت ہے۔

اور اسی وجہ سے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک سجدۂ شکر عبادت ہے، اور احناف کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ ۳؎

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہماری دوسری کتاب ''نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام'')

---

۱؎ رقم الحديث ۱۳۹۲، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة والسجدة عند الشكر.

۲؎ رقم الحديث ۳۳۷۱، كتاب التفسير، تفسير سورة بنى اسرائيل.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

وقد صحح بن حبان من حديث سلمان الفارسى كان نوح إذا طعم أو لبس حمد الله فسمى عبدا شكورا (فتح البارى، ج۸ص ۳۹۶، قوله باب ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا)

۳؎ اختلف الفقهاء فى مشروعية السجود للشكر، فذهب الشافعى وأحمد وإسحاق وأبو ثور وابن المنذر وأبو يوسف ومحمد وعليه الفتوى، وهو قول ابن حبيب من المالكية وعزاه ابن القصار إلى مالك وصححه البنانى إلى أنه مشروع. لما ورد من حديث أبى بكرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا أتاه أمر سرور -أو: بشر به- خر ساجدا شاكرا لله وسجد أبو بكر الصديق رضى الله عنه حين فتح اليمامة حين جاءه خبر قتل مسيلمة الكذاب.

وسجد على رضى الله عنه حين وجد ذا الثدية بين قتلى الخوارج، وروى السجود للشكر عن جماعة من الصحابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۴۶ وص ۲۴۷، مادة "سجود")

پس جو بعض اوقات شیطان، نعمت کے حاصل ہونے پر شکر کرنے کے بارے میں کبر و تکبر کا وسوسہ ڈالتا ہے، یہ درست نہیں ہے۔

## اچھی نعمت ولباس وغیرہ کے پسند کرنے اور کبر میں فرق

بعض اوقات اچھا لباس اور کوئی اچھی نعمت استعمال کرنے کے بعد اس میں ریاء کاری اور کبر و تکبر ہونے کا وسوسہ آتا ہے، اس کا بھی احادیث میں ذکر آیا ہے، اور کسی اچھی نعمت کے استعمال کرنے اور اور کبر و تکبر میں فرق بھی بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ، قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً، قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ** (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بے شک اللہ جمیل ہے، اور جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق سے اعراض کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے (مسلم)

اور حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ شَيْءٌ**

---

[1] رقم الحديث ۱۴۷ "۹۱"، كتاب الايمان، باب تحريم الكبر وبيانه، داراحياء التراث العربی، بيروت.

www.idaraghufran.org

مِنَ الْكِبْرِ الْجَنَّةَ قَالَ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَتَجَمَّلَ بِسَبْقِ سَوْطِي وَشِسْعِ نَعْلِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِالْكِبْرِ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ إِنَّمَا الْكِبْرُ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ بِعَيْنَيْهِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنت میں کبر نام کی کوئی چیز داخل نہ ہوگی، ایک کہنے والے شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں تو جمال میں آگے بڑھنے کو پسند کرتا ہوں، اپنے کوڑے اور اپنے جوتے کے تسمے تک میں بھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کبر نہیں ہے، بے شک اللہ عزوجل جمیل (انتہائی حسین وخوبصورت) ہے، اور جمال (حسن وخوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے، کبر تو حق سے اعراض کرنے اور لوگوں کو اپنی نظر میں حقیر سمجھنے کا نام ہے (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، وَيُحِبُّ أَنْ يَّرٰى أَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ، وَغَمَصَ النَّاسَ (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

ترجمہ: اللہ جمیل (انتہائی حسین وخوبصورت) ہے، اور جمال (حسن وخوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے، اور اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو، اور کبر یہ ہے کہ حق سے منہ موڑے اور لوگوں کو حقیر سمجھے (طبرانی)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ١٧٢٠٦، مؤسسة الرسالة، بيروت.
قال الهيثمی: رواه احمد، ورجاله ثقات، ورواه الطبرانی فی الكبير والاوسط (مجمع الزوائد ج٥ص ١٣٢، باب إظهار النعم واللباس الحسن)
وفی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره دون قوله" :بعينيه"، وهذا إسناد ضعيف.

[2] رقم الحديث ٤٦٦٨، واللفظ له، مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ٢٤٢٠.
قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه موسى بن عيسى الدمشقی قال الذهبی: مجهول، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، ج٥ص ١٣٣)

قُلْتُ أَوْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: هٰذَا الشِّرْكُ قَدْ عَرَفْنَاهُ، فَمَا الْكِبْرُ؟ قَالَ: اَلْكِبْرُ أَنْ يَكُونَ لِأَحَدِنَا نَعْلَانِ حَسَنَتَانِ لَهُمَا شِرَاكَانِ حَسَنَانِ، قَالَ: لَا، قَالَ: هُوَ أَنْ يَكُونَ لِأَحَدِنَا حُلَّةٌ يَلْبَسُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: اَلْكِبْرُ هُوَ أَنْ يَكُونَ لِأَحَدِنَا دَابَّةٌ يَرْكَبُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَفَهُوَ أَنْ يَكُونَ لِأَحَدِنَا أَصْحَابٌ يَجْلِسُونَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: لَا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَمَا الْكِبْرُ؟ قَالَ: سَفَهُ الْحَقِّ، وَغَمْصُ النَّاسِ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۵۸۳) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا یا عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس شرک کو تو ہم پہچان چکے ہیں، تو کبر کیا ہے؟ عرض کیا کہ کیا کبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے خوبصورت جوتے ہوں، اور ان جوتوں میں خوبصورت تسمے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، عرض کیا کہ کیا کبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کا خوبصورت جبہ (شیروانی، کوٹ وغیرہ) ہو، جسے وہ پہنتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، عرض کیا کہ کیا کبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی خوبصورت سواری (وگاڑی) ہو، جس پر وہ سوار ہوتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، عرض کیا کہ کیا کبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے کچھ ساتھی (اور دوست) ہوں جو اس کے اردگرد بیٹھتے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! تو کبر کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا (مسند احمد)

بعض روایات میں تھوڑے بہت الفاظ کا فرق آیا ہے۔ [2]

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[2] عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما، قال: قلت: يارسول الله، أمن الكبر أن تكون لى حلة فألبسها؟ قال: لا، قلت: أمن الكبر أن تكون لى راحلة فأركبها؟ قال: لا قلت: أمن الكبر أن أصنع طعاما فأدعو أصحابى؟ قال: لا الكبر أن تسفه الحق، وتغمض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَكَانَ رَجُلًا جَمِيْلًا، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ رَجُلٌ حُبِّبَ إِلَيَّ الْجَمَالُ، وَأُعْطِيْتُ مِنْهُ مَا تَرٰى، حَتّٰى مَا أُحِبُّ أَنْ يَّفُوْقَنِيْ أَحَدٌ، إِمَّا قَالَ: بِشِرَاكِ نَعْلِيْ، وَإِمَّا قَالَ: بِشِسْعِ نَعْلِيْ، أَفَمِنَ الْكِبْرِ ذٰلِكَ؟ قَالَ لَا، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطِرَ الْحَقَّ، وَغَمَطَ النَّاسَ** (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور وہ جمیل (وخوبصورت) آدمی تھا، پھر اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایسا آدمی ہوں، جس کو جمال (حُسن وخوبصورتی) پسند ہے، اور مجھے بہت کچھ نعمتیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، یہاں تک کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ مجھ پر کوئی (نعمتوں کے استعمال اور حُسن وخوبصورتی میں) آگے بڑھے، یا یہ کہا کہ میرے جوتہ کے تسمہ کے برابر بھی آگے بڑھے، کیا یہ چیز کبر میں داخل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ کبر تو یہ ہے کہ کوئی شخص حق کا انکار کرے، اور لوگوں کو حقیر سمجھے (ابوداؤد)

بعض روایات میں حق کا انکار کرنے کے بجائے حق اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کے الفاظ آئے ہیں،

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الناس (مسندالبزار، رقم الحدیث ۲۴۳۳)

وفی روایۃ:

وأنهاک عن اثنتين: الشرک والكبر، فإنهما تحجبان عن الله، قال: قيل: يا رسول الله، أمن الكبر أن يتخذ الرجل الطعام، فيكون عليه الجماعة؟ أو يلبس القميص النصيف؟ قال: ليس ذاک، يعني بالكبر، إنما الكبر أن تسفه الحق، وتغمص الناس (كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۳۰۶۹)

قال الهيثمي: رواه البزار، وفيه محمد بن إسحاق، وهو مدلس، وهو ثقة، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۶۸۱، باب ماجاء فی لا الٰه الا الله الخ)

[1] رقم الحديث ۴۰۹۲، كتاب اللباس، باب ماجاء فی الكبر.

دونوں کا مطلب قریب ہے۔ [1]

اس طرح کی حدیث حضرت سواد بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جمال اور حُسن وخوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت جمیل ہونا ہے، لیکن کِبر وتکبر کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند فرماتے ہیں، جس کی حقیقت حق کا انکار کرنا اور حق سے اعراض کرنا اور لوگوں کو اپنی نظر میں حقیر سمجھنا ہے۔ [3]

جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کسی کو اچھی چیز کا استعمال کرنا پسند ہو، مثلاً یہ کہ اس کا لباس عمدہ اور اچھا ہو، یا اس کی سواری وگاڑی اچھی ہو، تو یہ کِبر وتکبر میں داخل نہیں۔

---

[1] عن أبی هريرة، قال :جاء رجل إلى النبی صلى الله عليه وسلم، فقال :يا رسول الله، إنی حبب إلی الجمال، فما أحب أن يفوقنی أحد فيه بشراک، أفمن الكبر هو؟ قال :لا، إنما الكبر من سفه الحق وغمص الناس(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۴۶۷)

فی حاشية ابنِ حبان:إسناده صحيح على شرط البخاری.

[2] عن سواد بن عمرو الأنصاری، قال :قلت :يا رسول الله، إنی رجل حبب إلی الجمال، وأعطيت منه ما ترى، فما أحب أن يفوقنی أحد فی شسع نعلی -أو قال : شراک نعلی -أفمن الكبر ذاک؟ قال :لا ,قلت :فما الكبر يا رسول الله؟ قال :من سفه الحق وغمص الناس(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۴۷۷)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۸۵۹۴، باب اظهار النعم واللباس الحسن)

[3] بطر الحق دفعه وإنكاره ترفعا وتجبرا وغمط الناس بفتح الغين المعجمة وسكون الميم وطاء وفی رواية الترمذی بصاد مهملة بدل الطاء وهما بمعنى احتقارهم يقال غمط يغمط كضرب يضرب وغمط يغمط كعلم يعلم(الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج ، كتاب الايمان،باب تحريم الكبر وبيانه)

وغمط الناس هو بفتح الغين المعجمة وإسكان الميم وبالطاء المهملة هكذا هو فی نسخ صحيح مسلم رحمه الله قال القاضی عياض رحمه الله لم نرو هذا الحديث عن جميع شيوخنا هنا وفی البخاری الا بطاء قال وبالطاء ذكره أبو داود فی مصنفه وذكره أبو عيسى الترمذی وغيره غمص بالصاد وهما بمعنى واحد ومعناه احتقارهم يقال فی الفعل منه غمطه بفتح الميم يغمطه بكسرها وغمطه بكسر الميم يغمطه بفتحها أما بطر الحق فهو دفعه وإنكاره ترفعا وتجبرا (شرح النووی على مسلم، ج۲، ص۹۰، باب تحريم الكبر وبيانه)

Idara Ghufran

# اللہ کو بندہ پر اپنی نعمت کا اظہار اور جمال پسند ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ أَنْ یَّرٰی أَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ (سنن الترمذی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کے اثر کو اپنے بندے پر دیکھے (ترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: کُلُوْا، وَاشْرَبُوْا، وَتَصَدَّقُوْا، وَالْبَسُوْا، فِیْ غَیْرِ مَخِیْلَۃٍ وَلَا سَرَفٍ، إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ أَنْ تُرٰی نِعْمَتُہٗ عَلٰی عَبْدِہٖ (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۷۰۸) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھاؤ اور پیو، اور صدقہ کرو، اور پہنو، تکبر اور فضول خرچی کے بغیر، بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت اس کے بندے پر دکھائی دے (مسند احمد)

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ نِعْمَۃً،

---

[۱] رقم الحدیث ۲۸۱۹، ابواب الادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء إن اللہ تعالی یحب أن یری أثر نعمتہ علی عبدہ، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی - مصر، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ.
وقال الترمذی: وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِیہِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو عِیسَی ہَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ (حوالہ بالا)

[۲] فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ حسن.

Idara Ghufran

فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى خَلْقِهٖ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ اپنی نعمت عطا فرمائے، تو اللہ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ نعمت کا اثر اس کی مخلوق پر دکھائی دے (مسند احمد)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَيُحِبُّ أَنْ يَّرٰى أَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ جمیل (یعنی انتہائی حسین وخوبصورت) ہے، اور جمال (حُسن وخوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے، اور اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے (مسند ابی یعلیٰ)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَيُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا (تاریخِ دمشق لابنِ عساکر) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ جمیل ہے، جمال

---

[1] رقم الحديث ۱۹۹۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير فضيل بن فضالة القيسی، فقد روی له النسائی، وهو ثقة.
وقال الهيثمی: رواه أحمد، والطبرانی ورجال أحمد ثقات (مجمع الزوائد، ج۵ص ۱۳۲)

[2] رقم الحديث ۱۰۵۵، ج۲ص ۳۲۰، مسند ابی سعيد الخدری.
قال الهيثمی: رواه ابو يعلی، وفيه عطية العوفی، وهو ضعيف، وقد وثق (مجمع الزوائد ج۵ص ۱۳۲، باب إظهار النعم واللباس الحسن)

[3] ج۳۸ص ۳۶۷، تحت ترجمة عثمان بن سعيد، رقم الترجمة ۴۵۹۶، دارالفكر، بيروت.
قال الالبانی: قلت: وهذا إسناد لا بأس به فی الشواهد فإن محمد بن صالح المدينی قال الحافظ ": صدوق يخطىء ." ولشطره الأول ما تقدم من الشواهد، وأما الشطر الآخر فله شواهد أخرى يأتی تخريجها عقب هذا إن شاء الله تعالى (السلسلة الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۶۲۶)

Idara Ghufran

(حُسن وخوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے، اور معاملات میں عالی درجات کو پسند فرماتا ہے، اور ردّی ورذیل (یا چھچورے) کاموں کو ناپسند فرماتا ہے (ابنِ عساکر)

حضرت زہیر بن ابی علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ سَيِّءُ الْهَيْئَةِ، فَقَالَ: أَلَكَ مَالٌ؟ قَالَ: نَعَمْ مِنْ كُلِّ أَنْوَاعِ الْمَالِ، قَالَ: فَلْيُرَ عَلَيْكَ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يَرٰى أَثَرَهُ عَلٰى عَبْدِهٖ حَسَنًا وَلَا يُحِبُّ الْبُؤْسَ وَالتَّبَاؤُسَ

(المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بُرے حلیہ میں ایک شخص حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا آپ کے پاس مال ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں، ہر قسم کا مال ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ آپ کے اوپر نظر آنا چاہئے، اور بے شک اللہ عزوجل اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر مال کے اچھے اثر کو دیکھے اور اللہ برے حلیہ اور فقر وفاقہ اور تنگدستی کے اظہار کو پسند نہیں فرماتا (طبرانی) [2]

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۵۳۰۸، مكتبة ابنِ تيمية القاهرة، معرفة الصحابة لابی نعيم، رقم الحديث ۳۰۷۵.

قال الهيثمي: رواه الطبراني، وترجم لزهير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد ج۵ص ۱۳۲، باب إظهار النعم واللباس الحسن)

وقال الالبانی: قلت: وإسناده صحيح (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم الحديث ۱۳۲۰)

[2] (ويكره البؤس) وهو شدة الحال والفاقة والذلة (والتباؤس) إظهار الفقر وشدة الحاجة (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۱۶۶۸، حرف الهمزة)

[3] عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": إن الله عز وجل إذا أنعم على عبد نعمة يحب أن يرى أثر النعمة عليه، ويكره البؤس والتباؤس، ويبغض السائل الملحف ويحب الحيي العفيف المتعفف (شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۵۷۹۱)

قال الالبانی: وهو حديث صحيح، له شواهد تشهد لصحته (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم الحديث ۱۳۲۰)

www.idaraghufran.org

حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ فِيْ هَيْئَةِ أَعْرَابِيٍّ، فَقَالَ لَهُ: مَا لَكَ مِنْ مَالٍ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ آتَانِي اللّٰهُ، قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَنْعَمَ عَلَى الْعَبْدِ نِعْمَةً أَحَبَّ أَنْ تُرٰى عَلَيْهِ (المعجم الكبير للطبراني) [۱]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پراگندہ اور گردوغبار اور دیہاتی کے حلیہ میں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ (کیا) آپ کے پاس مال نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرما رکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ جب بندے کو نعمت عطا فرمائے تو اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ وہ نعمت اس بندے پر ظاہر بھی ہو (طبرانی)

بعض صحابۂ کرام سے قیمتی لباس کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ [۲]

مذکورہ صریح، صحیح اور کثیر احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی جائز و پاکیزہ، عمدہ نعمتوں کا اظہار، خواہ لباس میں ہو، خواہ رہائش گاہ اور سواری وغیرہ میں، یہ اللہ کو پسند ہے، اور ریاکاری اور کبر و تکبّر میں داخل نہیں۔

---

[۱] رقم الحديث ۶۲۳، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط رقم الحديث ۳۶۵۳، المعجم الصغير رقم الحديث ۴۸۹، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۴۱۷، مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۸۹۲.

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الصغير، وجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۳۲، باب إظهار النعم واللباس الحسن)

وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابنِ حبان)

وفى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[۲] عن ابن سيرين: أن تميما الدارى، اشترى رداء بألف فكان يصلى فيه (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۲۴۸)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۸۵۹۸، باب إظهار النعم واللباس الحسن)

www.idaraghufran.org

اور کسی کا حُسن و جمال اور خوبصورتی کو پسند کرنا بھی کبر وتکبُّر میں داخل نہیں، بلکہ کبر وتکبُّر یہ ہے کہ کوئی حق کا انکار کرے، یا حق بات کو حقیر سمجھے، اور دوسروں کی تحقیر کرے، یا اپنی نظر میں حقیر سمجھے، مثلاً دوسرے کی حق بات کو تسلیم نہ کرے، یا اپنی غلط و ناحق بات کو ناحق و غلط نہ مانے، اور غلطی سرزد ہو جانے پر اس کا اعتراف و اقرار نہ کرے، اور اپنی غلطی سے رجوع نہ کرے، اور دوسرے کی جو بات حق کی سامنے آئے، اسے غیر کی بات ہونے کی وجہ سے ناحق اور غلط یا حقیر قرار دے، تو یہ چیز کبر وتکبُّر میں داخل ہے، خواہ یہ طرزِ عمل کوئی دنیادار اختیار کرے، یا دین دار، اور عالمِ دین، سب کے حق میں کبر وتکبُّر میں داخل ہے۔

## ریا و دِکھلاوے کے وسوسہ سے متعلق چند ارشادات

احادیث کے بعد ریاکاری ودکھلاوے سے متعلق حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ریا (اور دکھلاوے) کے دو درجے ہیں ایک صورتِ ریا (یعنی دکھلاوے کی صورت) دوسری حقیقتِ ریا (اور دکھلاوے کی حقیقت) یہ (ناواقف شخص) صورتِ ریا (یعنی دکھلاوے کی صورت) کو حقیقتِ ریا (یعنی کھلاوے کی حقیقت) سمجھ جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ جب وہ تمہارے اختیار سے پیدا نہیں ہوئی ہے تو اس میں حرج کیا ہے۔

مجھ سے ایک شخص نے شکایت کی ریا (یعنی دکھلاوے) کی، تو میں نے کہا کہ بلاقصد ہے یا بالقصد، اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ انہوں نے کہا کہ غیر اختیاری ہے، اس پر میں نے کہا کہ بس یہ وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) ہے، ریا (ودکھلاوا) نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حتّٰی کہ اگر کفر کا بھی وسوسہ آوے اس میں بھی حرج نہیں، چنانچہ دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ ہمارے قلب (ودل) میں ایسی باتیں آتی ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا ہے، مگر ان کا زبان پر لانا گوارا نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے وسوسے ہوں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ:

**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ**

"کہ خدا کا شکر ہے کہ اس (شیطان) کی کوشش وسوسہ ہی کے اندر محدود کر دی"

پس جبکہ وسوسۂ کفر بھی مضر (ونقصان دہ) نہیں تو وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) تو کسی درجہ میں بھی مضر (ونقصان دہ) نہیں ہوسکتا، پس اس کا علاج یہ ہے کہ کام کئے جائے کچھ پروا نہ کرے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طرف کچھ خیال نہ کرے۔ ع

کارِ خود کُن کارِ بیگانہ مکن

(اپنا کام کیجیے، پرایا کام نہ کیجیے)

ذکر (تلاوت وعبادت) میں لگنا اپنا کام ہے، وسوسہ آنا، نہ آنا اپنا کام نہیں، اپنے کام میں لگنا چاہئے اور جو اپنا فعل (وکام) نہیں ہے اس میں کیوں مشغول ہوئے کہ وہ مخلِ مقصود (یعنی مقصود میں رکاوٹ) ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بادشاہ کا طلبیدہ (وطلبگار) جارہا تھا کسی حاسد کو خبر ہوئی وہ راستہ میں جا کھڑا ہوا جب یہ وہاں کو گزرا تو اس نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اس نے کہا کہ بادشاہ کے دربار میں جارہا ہوں۔

اس نے بادشاہ کی شان میں گستاخی شروع کر دی۔

تو اگر یہ بادشاہ کا عاشق ہے اور بادشاہ کی ملاقات کا طالب ہے، تو گستاخی سننے اور

Idara Ghufran

اس کے جواب دینے میں مشغول نہ ہوگا، بلکہ سیدھا چلا جائے گا، حتّٰی کہ اگر وہ کان میں منہ لگا کر گالیاں دے گا تب بھی ادھر ملتفت (ومتوجہ) نہ ہوگا۔

کیونکہ حاسد کی غرض اس سے خاص یہی ہے کہ اس مشغلہ میں اس کو لگا لوں تا کہ (بادشاہ کے) دربار کی حاضری کا وقت جاتا رہے اور یہ بادشاہ کی عطایا (اور انعام واکرام) سے محروم رہے۔

سو اگر یہ شخص ہوش سے کام لے گا تو سمجھ لے گا کہ یہ اس لئے شرارت کر رہا ہے کہ مجھ کو (بادشاہ کی طرف سے ملنے والے اعزاز اور عطیہ سے) محروم کر دے بس اس کو چاہئے کہ اس کی طرف التفات (اور توجہ) نہ کرے اور سیدھا (بادشاہ کے دربار میں) چلا جاوے۔

اس طریقہ سے یہ بادشاہ تک پہنچ جائے گا اور گستاخی کرنے والا اندر نہیں پہنچ سکتا پس اس کو مقصود بھی حاصل ہو جاوے گا اور ان تکلیف دہ کلمات سے بھی نجات ہو جاوے گی اور اگر یہ شخص اس (شرارتی) کی باتوں کے جواب دینے میں لگ گیا اور تمام وقت اسی میں صرف (وخرچ) ہو گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بادشاہ کے قرب (وعطایا) سے محروم رہے گا۔

اسی طرح شیطان وساوس ڈال کر قربِ الٰہی سے محروم رکھتا ہے، سو جو شخص وسوسہ کی فکر میں مشغول ہو جاتا ہے وہ ترقی سے رک جاتا ہے اور جو اس میں مشغول نہیں ہوتا، ترقی کرتا رہتا ہے حتّٰی کہ مقامِ قرب (اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا مرتبہ) حاصل ہو جاتا ہے اور جب مقامِ قرب (اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا مرتبہ) حاصل ہوتا ہے تو وساوس بھی منقطِع (اور ختم) ہو جاتے ہیں کیونکہ (اللہ تعالیٰ کے) دربار میں شیطان کا دخل کہاں۔

اور اس لئے بزرگوں نے وساوس کا علاج تجویز کیا ہے عدمُ الالتفات۔ یعنی

وساوس کی طرف التفات (وتوجہ) ہی نہ کرے اس کے سوا اس کی اور کوئی تدبیر نہیں غرضیکہ جیسے ریا (ودکھلاوے) کا وسوسہ ریا (ودکھلاوا) نہیں اسی طرح کفر کا وسوسہ کفر نہیں اور نہ مذموم (یعنی بُرا) ہی ہے (وعظ الصلوٰۃ ص ۲۷ تا ۲۹ خطبات حکیم الامت ج۱۰ ص ۴۰)

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ریا (ودکھلاوا) اور ہے اور وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) اور ہے، اس سے اکثر اپنے اوپر بھی ریا (کاری) کا شبہ ہو جاتا ہے، ریا (ودکھلاوا) وہ ہے جو بقصد واختیار ہو اور وسوسہ وہ ہے جو بلاقصد و اختیار کے آئے، سو وسوسہ ہرگز مضر (ونقصان دہ) نہیں۔

میں اکثر علماءِ سالکین (یعنی دین کے راستے پر چلنے والے علماء) سے جو کہ ریا (ودکھلاوے) کی شکایت کرتے ہیں، اول یہ سوال کرتا ہوں کہ بتلاؤ ریا (ودکھلاوا) اختیاری ہے یا غیراختیاری؟

اگر وہ کہیں اختیاری ہے تو میں کہتا ہوں کہ بس تم اپنے اختیار سے ریا (ودکھلاوے) کا قصد نہ کرو۔

اور اگر یہ کہیں کہ غیراختیاری ہے تو میں کہتا ہوں کہ کیا شریعت نے امرِ غیراختیاری سے نہی کو متعلق کیا ہے؟ (یعنی کیا شریعت نے غیراختیاری چیز سے منع کیا ہے؟)

اب وہ سمجھ جاتے ہیں کہ بلااختیار جو چیز آتی ہے وہ ریا (ودکھلاوا) نہیں۔

تو میں کہتا ہوں کہ اس سے بے فکر رہو، اس کے بعد ان کو حقیقت سے مطلع کرتا ہوں کہ یہ ریا (ودکھلاوا) نہیں بلکہ وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) ہے، اگر یہ حقیقت پہلے بتلادی جائے تو اس کی قدر نہ ہو اور تسلی بھی نہ ہو، جب سوالات وارِد کرنے سے وہ خود حقیقت میں غور کرنے لگتے ہیں۔ تب بتلاتا ہوں کہ یہ

وسوسۂ ریا (یعنی دکھلاوے کا وسوسہ) دل کے اندر نہیں بلکہ باہر ہے گو (یعنی اگرچہ) اندر ہی محسوس ہوتا ہو۔

خدا نے مجھے اس کی ایک نظیر (اور مثال) بتلائی ہے وہ یہ کہ جیسے آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھی ہو تو وہ دور سے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اندر ہے۔

ایسے ہی یہاں سمجھو اور اس سے اندیشہ نہ کرو یہ تو ذرا **لاحول** پڑھنے سے بھاگ جائے گا، مگر اس کی لاحول یہ نہیں ہے کہ **لاحول لاحول** پڑھو بلکہ اس کی لاحول یہ ہے کہ اس کی طرف التفات (وتوجہ) نہ کرو اور **لاحول ولاقوۃ** کی حقیقت بھی یہی عدمِ التفات (یعنی توجہ نہ کرنا) ہے، کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کچھ طاقت وزور نہیں یعنی خدا کے سوا کسی چیز سے اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور سب سے بے التفاتی (ولاپرواہی) برتنا چاہئے۔

تم یہ مت سمجھو کہ وسوسہ کے ساتھ تم خود تکلم (وگفتگو) کر رہے ہو، بلکہ دراصل ابلیس تکلم (وگفتگو) کر رہا ہے، تم تو صرف اس کی بات کو سن رہے ہو اور سماعِ کفر (یعنی کفریہ بات کا سننا) مضر (ونقصان دہ) نہیں ہاں تکلم (یعنی خود اپنی زبان سے کلام کرنا) جرم ہے، پس تم پر کوئی جرم عائد نہیں۔

یہ عقلی وجہ ہے عدمِ التفات (یعنی توجہ نہ کرنے) کی بلکہ التفات (وتوجہ) کرنا مضر (ونقصان دہ) ہے۔

کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم بادشاہ سے خاص وقت پر ملنے جا رہے ہوں اور حاسد نے راستہ میں بادشاہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔

تو اگر ہم اس سے گلگچ (خوفزدہ ومتأثر) ہو گئے تو حاسد کا مدعیٰ (ومقصد) پورا ہو جائے گا، وہ اس جھگڑے میں ملاقات کا وقت نکال دے گا۔

بس اس سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ خاموش چلے جاؤ اور اپنے کو بابِ عالی

(بڑے دروازے) پر ڈال دو، وہاں حاسد کا گذر نہیں۔

شیطان کی مثال تار بجلی جیسی ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگاؤ، نہ جلب (یعنی کھینچنے اور پکڑنے) کے لئے نہ دفع (یعنی دور کرنے) کے لئے ورنہ تم کو لپٹ جائے گا بلکہ اس کو منہ بھی نہ لگاؤ اس کی طرف التفات (وتوجہ) بھی نہ کرو۔

تم نے اس شیطان سے ڈر کر اس کا دماغ بگاڑ دیا ہے اس سے بالکل نہ ڈرو اور اس کو منہ ہی نہ لگاؤ'' (وعظ التیسیر للتیسیر ص ۱۹، ۲۰)

مذکورہ ارشادات سے معلوم ہوا کہ ذکر وتلاوت اور کسی بھی عبادت میں اگر دکھلاوے اور ریا کاری کا خیال آئے اور اس سے پریشانی ہو، تو اس کو دکھلاوا اور ریا کاری نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ شیطانی وسوسہ سمجھنا چاہئے، اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ دل کے اندر تو خلوص ہے اور یہ دکھلاوے اور ریا کاری کا وسوسہ دل سے باہر ہے، جو شیطان کی طرف سے ہے۔

اور اس سے بے خیال ہو کر اپنے ذکر وتلاوت اور عبادت کو جاری رکھنا چاہئے۔

بعض لوگ ریا کاری اور دکھلاوے کے وسوسہ کو حقیقت میں ریا کاری سمجھ کر سب عبادت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ریا کاری والی عبادت کا کیا فائدہ؟

اور اس طرح شیطان اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا ہے۔

یہ غلط اور قابلِ اصلاح طرزِ عمل ہے۔

اسی طرح نعمت کو استعمال کرنے اور عبادت سے خوشی ہونے سے تکبر اور ریا کاری سمجھ بیٹھتے ہیں، یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر۴)

# بدگمانی کے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض اوقات شیطان دوسروں کے متعلق بدگمانی کے وسوسے ڈال کر مؤمن بندہ کو پریشان کرتا ہے، پھر بعض اوقات مؤمن بندہ، شیطان کی طرف سے ڈالے ہوئے بدگمانی کے وسوسوں پر عمل بھی کرلیتا ہے، یعنی دوسرے شخص کو بلا دلیل غلط سمجھ بیٹھتا ہے، اور اس طرح بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اور اسی طرح بعض اوقات، اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہوجاتا ہے، مثلاً اپنے گناہ معاف نہ ہونے اور توبہ قبول نہ ہونے اور مغفرت وبخشش نہ ہونے کا عقیدہ بنالیتا ہے، جو کہ منع ہے، خاص طور پر وھم اور وسوسہ کو اہمیت دینے والا شخص بدگمانی میں طرح طرح سے مبتلا ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ اگر کسی معتبر عالِمِ دین سے اپنے وسوسہ کے بارے میں سوال کرے اور وہ مسئلہ کا جواب دے، تو اس وسوسہ اور وھم کے مریض کو عالِمِ دین پر بھی بدگمانی ہونے لگتی ہے، مثلاً وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے صحیح جواب نہیں دیا، یا اس کا علم کمزور ہے، وغیرہ وغیرہ۔

آگے اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## شیطان کا بدگمانی کے وسوسے ڈالنا

حضرت اُم المؤمنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَكِفًا فَاَتَيْتُهُ اَزُوْرُهُ لَيْلاً فَحَدَّثْتُهُ ثُمَّ قُمْتُ فَانْقَلَبْتُ فَقَامَ مَعِيَ لِيَقْلِبَنِيْ وَكَانَ مَسْكَنُهَا فِيْ دَارِ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَمَرَّ رَجُلاَنِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا رَاَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَعَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى

رِسْلِكُمَا اِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ وَاِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ يَّقْذِفَ فِىْ قُلُوْبِكُمَا سُوْءً اَوْقَالَ شَيْئًا (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، میں ایک رات کو آپ کی زیارت کرنے کے لئے حاضر ہوئی کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد جب واپس جانے کے لئے میں اٹھ کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی میرے ساتھ اٹھے تاکہ مجھے واپس کردیں اسی وقت وہاں سے دو انصاری صحابی گزرے جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم ٹھیک اپنی رفتار کے موافق چلو یہ (میری بیوی) صفیہ ہے، وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول (کیا ہم آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کرسکتے ہیں؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح چلتا ہے مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال یا بُری چیز نہ ڈال دے (بخاری، مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان انسان کے اندر گھس جاتا ہے اور جیسے خون جاری ہوتا ہے اسی طرح وہ انسان کے اندر چلتا ہے، اور جس طرح شیطان باہر سے وسوسے ڈالتا ہے اسی طرح اندر داخل ہو کر بھی وسوسے ڈالتا ہے، جو کہ دوسرے پر بدگمانی وغیرہ کی شکل میں بھی ہوتے ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۲۸۱، كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، ومسلم رقم الحديث ۲۱۷۵ "۲۴"

[2] (إن الشيطان) أى : كيده، ووسواسه (يجرى) أى : يسرى (من الإنسان)..........(مجرى الدم) أى :فى جميع عروقه، والمجرى إما مصدر ميمى أى :يجرى مثل جريان الدم فى أنه لا يحس بجريه كالدم فى الأعضاء شبه سريان كيده، وجريان وساوسه فى الإنسان بجريان دمه فى عروقه، وجميع أعضائه، فهو كناية عن تمكنه من إغواء الإنسان، وإضلاله تمكنا تاما، وتصرفه فيه تصرفا كاملا بواسطة نفسه الأمارة بالسوء الناشء قواها من الدم(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰، باب فى الوسوسة)

یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں کہیں کسی تہمت اور بدگمانی کا موقعہ ہو وہاں بات واضح کر دینی چاہیے کسی کو بدگمانی اور تہمت کا موقعہ نہ دینا چاہیے۔

## قرآن وسنت میں بدگمانی کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ** (سورۃ الحجرات، رقم الآیۃ ۱۱ و ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم بہت سے گمان قائم کرنے سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں، اور تم تجسس نہ کرو، اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، رحیم ہے (سورہ حجرات)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے کوئی بُرا گمان قائم کر لینا درست نہیں، اس سے گناہ لازم آجاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، لَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا** (مسند احمد) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۷۸۵۸، و اللفظ لہٗ، بخاری، رقم الحدیث ۶۰۶۶.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بد گمانی بدترین جھوٹ ہے، اور تم ایک دوسرے (کے عیبوں) کا تجسس نہ کرو، اور ایک دوسرے کی باتیں نہ سنو، اور (دنیا کے معاملات میں) ایک دوسرے سے آگے نہ بڑھو، اور ایک دوسرے پر اپنی فوقیت وبرتری ظاہر نہ کرو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو (یعنی اعراض نہ کرو) اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور تم (اے) اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ (مسند احمد، بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ بدگمانی یا بُرا گمان بدترین جھوٹ اور گناہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَـمَّا نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْكَعْبَةِ، قَالَ : مَرْحَبًا بِكِ مِنْ بَيْتٍ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَلَلْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنْكِ وَاحِدَةً وَحَرَّمَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثًا : دَمَهُ، وَمَالَهُ، وَأَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السَّوْءِ (شعب الايمان، رقم الحديث ۶۲۸۰) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کعبہ کی طرف دیکھا تو فرمایا کہ تجھ کو مرحبا ہو، کوئی گھر بھی تیرے سے زیادہ قابلِ عظمت، اور تیری عزت سے زیادہ عظیم نہیں ہے، اور مؤمن کی عزت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ عظیم ہے، بے شک اللہ نے تیرے بارے میں ایک چیز کو حرام کیا ہے، اور مؤمن کی تین چیزوں کو حرام کیا ہے، اُس کے خون کو، اور اُس کے مال کو اور اُس کے ساتھ بُرا گمان کرنے کو (ان تینوں چیزوں کو حرام کیا ہے) (بیہقی)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے متعلق بُرا گمان قائم کر لینا سخت گناہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] هذا إسناد حسن، رجاله ثقات (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۴۲۰)

www.idaraghufran.org

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلٰى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، فَأَطْعَمَهُ طَعَامًا، فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهٖ، وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ، وَإِنْ سَقَاهُ شَرَابًا مِنْ شَرَابِهٖ، فَلْيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ، وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۸۴) [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے یہاں جائے، اور وہ اس کو کوئی کھانا کھلائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا کھانا کھالے، اور اس سے اس کے (حلال و حرام کے) متعلق کھود کرید نہ کرے، اور اگر کوئی چیز پلائے تو اسے چاہئے کہ اُس چیز کو پی لے، اور اس کے متعلق (حلال وحرام ہونے کی) کھود کرید نہ کرے (مسند احمد)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمان پر بلا دلیل بدگمانی کرنا منع ہے، خواہ اس کے کھانے کی چیز کے متعلق ہو، یا پینے کی چیز کے متعلق۔

## اللہ سے حُسنِ ظن کا حکم

احادیث میں اللہ تعالیٰ سے بھی اچھا گمان رکھنے کا حکم آیا ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَبْلَ وَفَاتِهٖ بِثَلَاثٍ، يَقُوْلُ : لَا يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللّٰهِ الظَّنَّ (مسلم) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو ہرگز موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ وہ اللہ سے اچھا گمان رکھتا ہو (مسلم)

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.
(والتفصيل فی: مرقاة المفاتيح، ج۸ص۳۱۴۷، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات. شرح السنة للبغوی، ج۱۳، ص ۱۱۱، ۱۱۲، كتاب البر والصلة، باب ما لا يجوز من الظن والنهی عن التحاسد والتجسس)

[2] رقم الحديث ۲۸۷۷ "۸۱" كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى عند الموت.

www.idaraghufran.org

موت کا کسی بھی وقت آنا ممکن ہے، اس لئے ہر وقت ہی اللہ سے اچھا گمان رکھنے کا حکم ہوا۔
اور اللہ سے اچھا گمان رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کی رحمت و بخشش کا امیدوار رہے، اور بدگمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ سے اپنے متعلق رحمت و بخشش نہ ہونے کا گمان کرے۔

## اللہ کا برتاؤ، بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے اپنے ساتھ گمان کے مطابق ہوتا ہوں (بخاری)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَلَا يَقُوْلُ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ إِنْ ظَنَّ خَيْرًا فَلَهٗ وَإِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهٗ (صحیح ابن حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، جو وہ میرے ساتھ کرتا ہے، اگر وہ خیر (یعنی رحمت ومغفرت اور جنت وغیرہ) کا گمان کرتا ہے، تو اس کو وہی حاصل ہوتا ہے، اور اگر وہ شر (یعنی عذاب اور جہنّم وغیرہ) کا گمان کرتا ہے، تو اس کو وہی حاصل ہوتا ہے (ابنِ حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ، اللہ سے جیسا گمان رکھتا ہے، اللہ ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے، لہٰذا اللہ سے اپنے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہئے، اور بدگمانی سے بچنا چاہئے۔

---

[1] رقم الحديث ٧٥٠٥، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى يريدون أن يبدلوا كلام الله.
[2] رقم الحديث ٦٣٩، كتاب الرقائق، باب حسن الظن بالله تعالىٰ.
في حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

Idara Ghufran

خلاصہ یہ کہ بعض اوقات شیطان دوسرے لوگوں پر بدگمانی کے وسوسے ڈالتا ہے، ایسے موقعہ پر بھی ان وسوسوں کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، اوران کی تصدیق نہیں کرنی چاہئے۔

بعض لوگ بدگمانی کے وسوسوں کو اتنی اہمیت دیتے اوران کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کی رفتہ رفتہ یہ حالت ہوجاتی ہے کہ ساری دنیا میں عیب نظر آنے لگتے ہیں، اور سب لوگوں پر شک گزرنے لگتا ہے، کسی پر بھی ان کو اعتماد نہیں رہتا، یہاں تک کہ نہ کسی ڈاکٹر وحکیم پر اور نہ کسی عالم اور بزرگ کی بات پر، بلکہ وہ اپنے علاوہ سب لوگوں کو اور دوسروں کی باتوں کو غلط یا اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں، اورنتیجہ پھر وہی وہم اور مالیخولیا کی شکل میں نکلا کرتا ہے۔

اور یہی بدگمانی ہے جو بدزبانی اور دنیا کے دوسرے مختلف جھگڑوں اورفسادات کا سبب بنتی ہے۔

اسی طرح بعض اوقات شیطان میاں بیوی کو ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی کے وسوسے ڈالتا ہے، مثلاً بلا دلیل ایک دوسرے کے کردار پر شک ہونے لگتا ہے، اور اعتماد ختم ہونے لگتا ہے، اس قسم کے وسوسوں کو بھی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

اور بعض اوقات انسان بدگمانی نہیں کرتا، لیکن بدگمانی کے خودبخود خیالات آنے لگتے ہیں، تو یہ درحقیقت بدگمانی نہیں بلکہ بدگمانی کا وسوسہ ہے، اوراس پر کوئی گناہ نہیں۔

اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> مذموم (یعنی بُری) بدگمانی وہ ہے جو خود لائی جائے باقی جو وسوسہ (بدگمانی) کا خود آئے وہ مذموم (اور بُری) بدگمانی نہیں جب تک اس پر عمل نہ ہو (اور عمل کی صورت یہ ہے) کہ یا تو دل سے اس پر اعتقادِ جازم (یعنی پختہ اعتقاد) کرلے، یا زبان سے کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کردے، جب تک وسوسہ پر عمل نہ ہو اس وقت تک نہ وہ مضر (ونقصان دہ) ہے، نہ اس پر مؤاخذہ (اور پکڑ) ہے، وسوسہ تو بڑے سے بڑے کامل (دیندار) کو بھی پیش آسکتا ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے

یوں فرمایا ہے ’’اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا‘‘ (کہ جو لوگ متقی ہیں ان کی شان یہ ہے کہ جب ان کو شیطانی وسوسہ آتا ہے تو ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں) یہ نہیں فرمایا ’’اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا لَا یَمَسُّھُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ‘‘ کہ جو لوگ متقی ہیں ان کو شیطانی وسوسہ آتا ہی نہیں‘‘ معلوم ہوا کہ وسوسہ کا آنا خلافِ تقویٰ نہیں بلکہ متقی کو وسوسہ آ سکتا ہے، اور وہ اس کے ساتھ بھی متقی رہتا ہے، اس میں بڑی تسلّی ہے اہلِ سلوک (یعنی دین پر چلنے والوں) کے لئے، پس اس میں غلو نہ کرو اور وسوسہ سے پریشان نہ ہو کہ وسوسہ کیوں آیا گو ظاہر میں یہ تقویٰ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص وسوسہ سے بھی ڈرتا ہے مگر حقیقت میں یہ (وسوسہ سے پریشان ہونا اور ڈرنا) تقویٰ کے خلاف ہے، کیونکہ جب یہ غیر گناہ کو گناہ سمجھے گا تو شیطان اس کے پیچھے پڑے گا کہ دیکھو یہ گناہ تم سے ہو گیا جس سے یہ رنجیدہ (وغمزدہ) ہوگا، پھر چونکہ وسوسہ کا نہ آنا اس کے اختیار میں نہیں تو کوئی دوسرا وسوسہ آئے گا، پھر تیسرا آئے گا، جس سے کچھ دنوں تک تو رنج وغم بڑھے گا پھر سمجھے گا کہ گناہ سے بچنا ممکن ہی نہیں، اب شیطان اس کو معاصی (اور گناہوں) پر جری (وآمادہ) کر دے گا، کہ جب گناہ سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتے تو پھر تقویٰ اور زہد فضول ہے، خوب سمجھ لو کہ اس کا انجام بہت بُرا ہے بس وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس سے اصلاً (یعنی بالکل) پریشان نہ ہو (الارتیاب والاغتیاب ص ۲۳، ۲۴)

خلاصہ یہ کہ بندوں پر اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنا منع اور گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر اور بندوں سے اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے، اور اگر کسی کو بدگمانی کا مرض تو نہ ہو، لیکن بدگمانی کا وسوسہ محسوس ہو تو یہ گناہ نہیں۔

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۵)

# حرمت ونجاست کے متعلق وسوسوں کا حکم

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شیطان، وسوسے ڈال کر انسان کو وہمی بنا دیتا ہے اور جب انسان کا نفس وہمی ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد شیطان فارغ ہو جاتا ہے، اب شیطان کوئی وسوسہ بھی نہ ڈالے تب بھی ایسا شخص اپنے نفس کے وہموں اور وسوسوں میں مبتلا رہتا ہے۔

وسوسوں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے انسان کو وہمی اور شکّی بنا دیتا ہے اور پھر انسان وہمی اور شکّی مزاج بن کر مالیخولیا (Melancholia) کا اچھا خاصا مریض بن جاتا ہے، اور وسوسوں کا معاملہ ایک چیز سے دوسری چیز میں، اور دوسری چیز سے تیسری چیز میں منتقل ہو کر اسی طرح آگے بڑھتا رہتا ہے، اور ایک مرحلہ پر پہنچ کر انسان کو ہر چیز میں وسوسہ آنے لگتا ہے، چنانچہ بعض اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان کو دنیا کی بہت سی چیزیں ناپاک وناجائز معلوم ہونے لگتی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں کو کھانے پینے کی حلال چیزوں میں یا دوسرے دنیا کے جائز معاملات اور پاک چیزوں میں حرام وناجائز اور ناپاک ہونے کے وسوسے آتے ہیں، اور وہ اُن وسوسوں کی بنیاد پر بہت سی جائز اور حلال و پاک چیزوں کو حرام وناجائز یا اُن سے پرہیز کرنے اور وسوسوں پر عمل کرنے کو تقویٰ واحتیاط اور شبہات سے بچنا اور تورع سمجھتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے اپنی حالت بیان کی کہ:

انہیں ہر چیز میں ناپاکی کا وہم ہوتا ہے اور ہر شخص ناپاک محسوس ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی صاحب سے اسی ڈر کی وجہ سے مصافحہ بھی نہیں کرتے، اور جب کوئی صاحب اُن سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ انہیں دور ہی سے ہاتھ کے اشارے

www.idaraghufran.org

سے روک دیتے ہیں اور وہیں بیٹھ جانے کا مشورہ دیتے ہیں، کہ کہیں ان کے ہاتھ میرے جسم کے ساتھ لگنے سے جسم ناپاک نہ ہوجائے۔

یہ وہی وہم ہے جو وسوسوں کی طرف توجہ کرتے رہنے اور اُن کو اہمیت دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ لٰہذا شیطان کے وسوسوں کے ساتھ نہ چلے اور عقل کو وہم پر غالب رکھے، ورنہ ہمیشہ مصیبت رہے گی، منطق کے فن والوں کا قول ہے کہ:

**لَوْلَا دَفعَ الْعَقْلُ حُكْمَ الْوَهْمِ لَبَقِيَ الْاِلْتِبَاسُ دَائِماً.**

''اگر عقل وہم کو دور نہ کرے تو ہمیشہ اشتباہ والتباس رہے گا''

پس جو لوگ کسی بھی حلال و جائز چیز میں بلا دلیل شبہ کرنے لگتے ہیں، اور جب تک ان کے حلال وجائز ہونے کی کوئی پختہ تصدیق نہیں ہوجاتی، اس وقت تک ان چیزوں سے کنارہ کشی رکھتے ہیں، اور اس کو تقویٰ و پرہیز گاری سمجھ کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، اور بعض اوقات دوسروں کو بھی اس کی بڑے اہتمام کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں، اور ان چیزوں میں مبتلا لوگوں پر طرح طرح کے فتوے صادِر کرتے ہیں، انہیں اپنی عقل کو استعمال کرکے وہم کو دور کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ حلال وجائز چیزوں کا ہونا ہی حلال وجائز ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے، اور وہاں مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ دنیا کی اکثر چیزوں کا یہی معاملہ ہے۔

بعض لوگوں کو شیطان کپڑوں اور دوسری چیزوں میں ناپاکی کے وسوسے ڈالتا ہے، اور انہیں پاک کرنے کے لئے بے تحاشا پانی کے استعمال کی تلقین کرتا ہے، اور اس پر بھی انہیں تسلی نہیں ہوتی، تو رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انہیں ہر دوسری، تیسری چیز میں ناپاکی کا وہم ہونے لگتا ہے، اور ہر چیز ناپاک معلوم ہونے لگتی ہے، اور اتنا تکلف مزاج میں ہوجاتا ہے کہ ہر پاک چیز کو جب تک خود سے پاک نہ کرلیں ناپاک خیال کرتے ہیں۔

اور جب وسوسوں میں مزید کچھ ترقی ہوتی ہے تو پھر تو کیا پوچھنا، ان لوگوں کی اپنی زندگی تو

اجیرن ہوتی ہی ہے، دوسرے لوگوں کی زندگی بھی ان کی وجہ سے اجیرن ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ بار بار یا ہر نماز سے پہلے اپنے لباس کے مخصوص حصوں کو دھوتے ہیں، اگر ان لوگوں کا کہیں بازار یا راستہ سے گزر ہو جائے اور راستہ یا پرنالے وغیرہ سے کسی پانی کے قطروں یا چھینٹوں کے جسم یا لباس پر پڑنے کا وہم ہو جائے یا راستہ میں بارش کا پانی کپڑے یا جسم پر لگ جائے، تو ان کے نزدیک لباس یا جسم کے ناپاک ہونے کے لئے یہی کافی ہوتا ہے، اور وہ اس لباس کو دھوئے بغیر سکون نہیں پاتے، اور اللہ کے بندے یہ نہیں سمجھتے کہ شریعت نے ناپاکی کی دلیل کے بغیر اس طرح کی چھینٹوں، قطروں اور پانی کو ناپاک قرار نہیں دیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور ان کے پاس ناپاکی کی کوئی دلیل ہوتی نہیں، پس بلا دلیل ہر چھینٹ، قطرے یا پانی اور کیچڑ کو ناپاک سمجھ لینا درست نہیں، شریعت نے تو آسانی رکھی تھی اور بندوں کو پاکی کی دلیل کا مکلّف بنانے سے بچا کر تنگی سے بچایا تھا، مگر ان وسواسیوں نے شریعت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو پریشانی میں ڈالا، اور دوسروں کو بھی بلا وجہ تکلیف و ایذاء میں مبتلا کیا، کیا یہ نہیں معلوم کہ دوسرے کو تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے اور اپنی ہلاکت کا سامان کرنا بھی گناہ ہے، اور اس قسم کے وساوس پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ دوسروں کی ایذا رسانی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا سامان ہی تو ہے۔

یہ بات شرعی دلائل سے ثابت و طے ہو چکی ہے کہ چیزوں کے اندر اصل حلال و پاک ہونا ہے، جب تک کسی مستند و معتبر دلیل سے ناپاکی و حرمت ثابت نہ ہو، اس وقت تک اس چیز کو حلال و پاک سمجھا جاتا ہے۔

میرے ایک جاننے والے کو کسی زمانہ میں اس طرح کا وہم ہو گیا تھا اور وہ ذرا ذرا سی بات پر اپنی شلوار اتار کر اسے دھویا کرتے تھے، اور یہ عمل اتنی کثرت سے کیا کرتے تھے کہ ان کی بیوی بچوں نے تنگ آ کر ان کی نقلیں اتارنا شروع کر دی تھیں، اور استہزاء و تضحیک تک نوبت

پہنچ چکی تھی، اللہ حفاظت فرمائے۔

ذیل میں پاکی ناپاکی اور حلت وحرمت کے متعلق اُصولی تحقیق ذکر کی جاتی ہے۔

## حرام، حلال اور مسکوت عنہ کا حکم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا، فَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْزَلَ كِتَابَهُ، وَأَحَلَّ حَلَالَهُ، وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ، وَتَلَا: قُلْ لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا، إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ** (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: جاہلیت کے لوگ کچھ چیزیں کھالیا کرتے تھے اور کچھ چھوڑ دیا کرتے تھے انہیں گندا سمجھ کر، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کے حلال کا حلال ہونا بیان کیا اور اس کے حرام کا حرام ہونا بیان کیا، پس جس چیز کو حلال کیا، وہ تو حلال ہے، اور جس چیز کو حرام کیا وہ حرام ہے، اور جس چیز کے بارے میں سکوت (وخاموشی) کو اختیار فرمایا، وہ معاف ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ)

آپ کہہ دیجئے کہ جو وحی میری طرف آئی ہے، اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کھانے والے پر کھانا حرام کی گئی ہو، الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا

---

[1] رقم الحديث ۳۸۰۰، كتاب الاطعمة، باب ما لم يذكر تحريمه، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۷۱۱۳.

فى حاشية ابى داؤد: اسناده صحيح.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ رِجس (وناپاک) ہے، یا فسق ہو، جس کو ذبح کیا گیا ہو، غیرُ اللہ کے لئے (ابوداؤد)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَفَرَضَ لَكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَتَرَكَ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلٰكِنْ رَحْمَةٌ مِنْهُ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا وَلَا تَبْحَثُوْا فِيْهَا (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے چیزوں کی حد بندی کردی ہے، تو تم ان سے تجاوز نہ کرو، اور تمہارے لئے فرائض مقرر کردیئے ہیں، تو تم ان کو ضائع نہ کرو، اور کچھ چیزوں کو حرام کردیا ہے، تو تم ان کی حرمت کو نہ توڑو، اور کچھ چیزوں کو تمہارے رب کی طرف سے چھوڑ دیا گیا ہے، بھول کر نہیں بلکہ اس کی طرف سے تمہارے لئے رحمت کے طور پر، تو تم ان چیزوں کو قبول (واختیار) کرلو، اور ان چیزوں میں بحث مباحثہ (وکھود کرید) نہ کرو (حاکم، طبرانی، دارقطنی)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ

---

[1] رقم الحدیث ۷۱۱۴، کتاب الاطعمة، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۸۹، سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۴۳۹۶.

قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر، وهو هکذا فی هذه الروایة، وکأن بعض الرواة ظن أن هذا معنی وسکت، فرواها کذلک -والله أعلم -ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۷۹۶، باب ثان منه فی اتباع الکتاب والسنة ومعرفة الحلال من الحرام)

وقال النووی: رویناه فی "سنن الدارقطنی" بإسناد حسن (الاذکار النوویة، تحت رقم الحدیث ۱۲۵۴)

وقال الالبانی: حسن لغیره (شرح العقیدة الطحاویة، ص ۳۳۸)

www.idaraghufran.org

عَنْهُ فَهُوَ عَافِيَةٌ، فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰهِ الْعَافِيَةَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ نَسِيًّا ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: اللہ نے اپنی کتاب میں جس چیز کو حلال کیا ہے، تو وہ حلال ہے، اور جس چیز کو حرام کیا ہے، تو وہ حرام ہے، اور جس سے خاموشی رکھی ہے، تو وہ معاف ہے، پس اللہ کی معاف کردہ (چیزوں) کو قبول کرو، اس لئے کہ اللہ سے کوئی چیز بھول کر (بیان کرنے سے) نہیں رہ سکتی، پھر یہ آیت تلاوت کی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے (حاکم، بزار)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ، قَالَ: اَلْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور جنگلی گدھے (زیبرا) کے متعلق دریافت کیا گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ حلال وہ ہے

---

[1] رقم الحديث ۳۴۱۹، كتاب التفسير، تفسير سورة مريم، كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۱۲۳.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

وقال البزار: اسناده صالح.

وقال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الكبير، وإسناده حسن، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۹۵، باب ثان منه في اتباع الكتاب والسنة ومعرفة الحلال من الحرام)

وقال ايضاً: رواه البزار، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۱۱۶۰، باب سورة مريم)

[2] رقم الحديث ۳۳۶۷، ابواب الاطعمة، باب اكل الجبن والسمن، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۷۱۱۵)

في حاشية سنن ابنِ ماجه: حسن بمجموع طرقه وشواهده إن شاء الله.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح مفسر في الباب، وسيف بن هارون لم يخرجاه.

کہ جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمادیا اور حرام وہ ہے کہ جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس چیز کے بارے میں سکوت فرمایا تو وہ معاف ہے (اس کے استعمال پر کوئی مواخذہ نہیں) (ابنِ ماجہ، حاکم)

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال وحرام کو بیان کرنے کے منصب کو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سورة الأعراف، رقم الآية ۱۵۷)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو نبی اُمّی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں، وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے، اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر خبیث چیزیں، اور دور کرتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور ان پابندیوں کو جو اُن پر تھیں (سورہ اعراف)

اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورة الحشر، رقم الآية ۷)

ترجمہ: اور جو چیز رسول تمہیں دے، تو تم اُس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکے، تو تم اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ شدید سزا دینے والا ہے (سورہ حشر)

پس مذکورہ آیات کی روشنی میں گزشتہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں واضح یا مجمل طور پر (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے) جس چیز کو حرام قرار دے دیا ہو، وہ حرام ہے، اور اس سے بچنے کا حکم ہے، اور جس چیز کو حلال قرار دے دیا ہو، وہ حلال ہے، اور اس کو اختیار کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور جس چیز سے سکوت رکھا، اور اس کے حرام یا حلال ہونے کا کوئی حکم نہ لگایا، وہ معاف ہے، جس کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اور اس میں سختی وتشدُّد اور غلو سے کام لینا درست نہیں۔

اور مذکورہ احادیث کی روشنی میں بہت سے اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے حرام ہونے کا حکم بیان نہ کیا ہو، اس کے اندر اصل حلال ہونا ہے، یعنی جب تک کسی شرعی دلیل سے اس میں حرام وناجائز ہونا ثابت نہ ہو، اس وقت تک اس کو حلال قرار دیا جائے گا، اور ایسی حالت میں حلال قرار دینے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔ [1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (وعن سلمان قال :سئل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن السمن والجبن ) : بضمتين فتشديد (والفراء ) : بكسر الفاء والمد جمع الفراء بفتح الفاء مدا وقصرا وهو حمار الوحش، ومنه حديث " :كل الصيد فى جوف الفراء ."قال القاضى :وقيل هو هاهنا جمع الفرو الذى يلبس ويشهد له صنيع بعض المحدثين كالترمذى، فإنه ذكره فى باب لبس الفرو، وذكره ابن ماجه فى باب السمن والجبن، وقال بعض الشراح من علمائنا :وقيل :هذا غلط، بل جمع الفرو الذى يلبس، وإنما سألوه عنها حذرا من صنيع أهل الكفر فى اتخاذهم الفراء من جلود الميتة من غير دباغ، ويشهد له أن علماء الحديث أوردوا هذا الحديث فى باب اللباس اهـ .فإيراد المصنف إياه فى باب الأطعمة نظرا إلى أغلب ما فى الحديث وأسبقه ويؤيده الجواب أيضا (فقال :الحلال ما أحل الله) : أى بين تحليله (فى كتابه، والحرام ما حرم الله) : أى بين تحريمه (فى كتابه) : يعنى إما مبينا وإما مجملا لقوله :(وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا) لئلا يشكل بكثير من الأشياء التى صح تحريمها بالحديث، وليس بصريح فى الكتاب (وما سكت) : أى الكتاب (عنه) : أى عن بيانه، أو وما أعرض الله عن بيان تحريمه وتحليله رحمة من غير نسيان .(فهو مما عفا عنه) : أى عن استعماله وأباح فى أكله، وفيه أن الأصل فى الأشياء الإباحة، ويؤيده قوله تعالى :(هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا)وقد قيل :كل شىء خلق لعباده وخلقوا لعبادته (مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۲۷۲۳، ۲۷۲۴، كتاب الاطعمة)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا، مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں عظیم ترین جرم کے اعتبار سے وہ شخص ہے کہ جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو کہ حرام نہیں کی گئی تھی، پھر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اس کو حرام کر دیا گیا (بخاری)

جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حرام نہ کیا گیا ہو، وہ حلال ہے، پھر اس کے متعلق حلال وحرام ہونے کا سوال کرنا اتنا برا ہے کہ بعض اوقات سوال کرنے کی وجہ سے ہی وہ چیز حرام ہو جاتی ہے، اور اس سوال کو کرنے والا شخص بدترین جرم کا مرتکب ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو، وہ حلال ہے۔ [2]

## کھانے یا پینے کو بلا دلیل حرام نہ سمجھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، فَأَطْعَمَهُ طَعَامًا، فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ، وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ، وَإِنْ سَقَاهُ شَرَابًا مِنْ شَرَابِهِ، فَلْيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ، وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ٩١٨٤) [3]

---

[1] رقم الحديث ٧٢٨٩، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه، مسند احمد، رقم الحديث ١٥٢٠.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] (لم يحرم) : بصيغة المجهول من التحريم (على الناس) : الجملة صفة شيء بأن يسأل هل هو حرام أم لا؟ (فحرم من أجل مسألته) . ، أى :فحرم ذلك الشيء لأجل سؤاله لأنه متعد فى سؤاله، إذ أمر بالسكوت ونهى عن النطق فعوقب بتحريم ما سأل عنه كذا قاله بعض الشراح.

وقال الطيبى :هذا فى حق من سأل عبثا وتكلفا فيما لا حاجة به إليه كمسألة بنى إسرائيل فى شأن البقرة دون من يسأل سؤال حاجة، فإنه يثاب، واحتج بهذا الحديث من قال :أصل الأشياء الإباحة قبل ورود الشرع حتى يقوم دليل الحظر (مرقاة المفاتيح، ج ١ ص ٢٣٨، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

[3] فى حاشية مسند احمد:حديث حسن.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے یہاں جائے، اور وہ اس کو کوئی کھانا کھلائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا کھانا کھالے، اور اس سے اس کے (حلال و حرام کے) متعلق کھود کرید نہ کرے، اور اگر کوئی چیز پلائے تو اسے چاہئے کہ اُس چیز کو پی لے، اور اس کے متعلق (حلال و حرام ہونے کی) کھود کرید نہ کرے (مسند احمد)

اس طرح کی روایات دوسرے صحابۂ کرام وتابعینِ عظام سے بھی مروی ہیں۔ [1]

بلا دلیل بدگمانی کرنا منع ہے، اور اسی طرح تجسس بھی منع ہے، لہٰذا جب مسلمان کوئی کھانا یا پینا پیش کرے، اور اس کے حلال یا حرام ہونے کا علم نہ ہو، تو اس کو کھا پی لینا چاہئے، اور اس کو بلا دلیل حرام و ناجائز سمجھنا بدگمانی میں داخل ہے، جس کی ممانعت ہے، اور اس سے تحقیق وتفتیش کرنا تجسُّس ودل شکنی میں داخل ہے، اور اس کی بھی ممانعت ہے۔ [2]

---

[1] عن أبی هريرة ، قال :إذا دخلت علی أخيک المسلم فأطعمک طعاما فکل ولا تسأل ، فإن سقاک شرابا فاشرب ولا تسأل ، فإن رابک منه شیء فشجه بالماء (مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۲۴۹۱۸، کتاب الاطعمة،باب من قال إذا دخلت علی أخيک المسلم ، فکل من طعامه)

عن عمر الأنصاری ، قال :سمعت أنس بن مالک يقول :إذا دخلت علی رجل لا تتهمه فی بطنه ، فکل من طعامه ، واشرب من شرابه(ايضاً، رقم الحديث ۲۴۹۱۹ )

عن جابر ، قال :ما وجدت فی بيت المسلم ، فکل(ايضاً، رقم الحديث ۲۴۹۲۰)

عن يزيد بن أبی زياد ، قال :دخلنا علی راع دعانا لطعام ، وأتانا بنبيذ فکرهته ، فأخذه علی ، قال أبو بکر :ينبغی أن يکون ابن الحسين بن علی فشربه ، وقال :إذا دخلت علی أخيک المسلم فکل من طعامه ، واشرب من شرابه(ايضاً، رقم الحديث ۲۴۹۲۱)

عن موسی بن عمير ، قال :سمعت الشعبی يقول :إذا دخلت بيت مسلم فکل من طعامه ، واشرب من شرابه(ايضاً، رقم الحديث ۲۴۹۲۲)

[2] (إذا دخل أحدکم علی أخيه المسلم) لزيارة أو غيرها (فأطعمه) من (طعامه فليأکل) منه ندبا هکذا هو ثابت فی الحديث وإن کان صائما نفلا جبرا لخاطره (ولا يسأل عنه) أی عن الطعام من أی وجه اکتسبه ليقف علی حقيقة حله فإن ذلک غير مکلف به ما لم تقو الشبهة فی طعامه والمراد لا يسأل منه ولا من غيره (وإن سقاه من شرابه فليشرب) منه أيضا (ولا يسأل عنه) کذلک لأن السؤال عن ذلک يورث الضغائن ويوجب التباغض والظاهر أن المسلم لا يطعمه ولا يسقيه إلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أُتِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ فِیْ غَزْوَةِ الطَّائِفِ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ یَضْرِبُوْنَهَا بِعِصِیِّهِمْ وَیَقُوْلُوْنَ: نَخْشٰی أَنْ یَّكُوْنَ فِیْهَا مَیْتَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ضَعُوْا فِیْهَا السِّكِّیْنَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا (المعجم الکبیر للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ طائف میں پنیر لایا گیا، تو آپ کے صحابۂ کرام اس کو لاٹھی سے ہٹانے لگے، اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس میں مُردار نہ ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس میں چھری رکھو اور اس پر اللہ کا نام لو (اور کھاؤ) (طبرانی، مسند احمد)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیه وَسَلَّم أُتِیَ بِجُبْنَةٍ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، فَقِیْلَ لَهٗ: إِنَّ هٰذَا طَعَامٌ تَصْنَعُهُ الْمَجُوْسُ، فَقَالَ: ضَعُوْا فِیْهِ السِّكِّیْنَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ (مسند البزار) [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حلالا فینبغی إحسان الظن وسلوک طریق النوادر فیتجنب عن إیذائه بسؤاله وإنما نهی عن أکل طعام الفاسق زجرا له عن ارتکاب الفسق لطفا به فی الحقیقة کما ورد "انصر أخاک ظالما أو مظلوما "ومن ثم قید جمع ما ذکر هنا من النهی عن السؤال بما إذا غلب علی ظنه توقیه للمحرمات وفیما إذا کان أکثر ماله حراما تقریر بدیع وتفصیل حسن للغزالی(فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۵۸۴)

[1] رقم الحدیث ۱۱۸۰۷، ج ۱۱ ص ۳۰۳، باب العین، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۸۰.
فی حاشیة مسند احمد: حسن لغیره.

[2] رقم الحدیث ۵۳۷۱، ج ۱۲ ص ۹، صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۵۲۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۳۶۹۶، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۰۸۴، المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۰۲۶.
فی حاشیة ابنِ حبان: إسناده حسن.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ تبوک میں پنیر لایا گیا، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ ایسا کھانا ہے، جسے مجوسی (یعنی آگ کے پجاری) بناتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس پر چھری رکھو اور اللہ کا نام لو (اور کھاؤ) (بزار)

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں بلا وجہ کے وسوسوں میں مبتلا ہونا اور تجسُّس و تعمُّق سے کام لینا درست نہیں، جس کی مزید تفصیل لباس وطعام وغیرہ کے بیان میں آتی ہے۔

## مسلمان کے ذبیحہ میں حلال ہونا اصل ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ قَوْمًا قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ قَوْمًا يَأْتُوْنَا بِاللَّحْمِ، لَا نَدْرِيْ: أَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا؟ فَقَالَ: سَمُّوْا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوْهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بعض (مسلمان) لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ (ذبح کے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر تم اللہ کا نام لے لو، اور اس کو تم کھا لو (بخاری)

بعض روایات میں دیہاتیوں کے گوشت لانے کا ذکر ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے ذبیحہ اور گوشت کو حسنِ ظن کی وجہ سے حلال سمجھنا چاہئے، اور اس کے حلال ہونے کے لئے کسی دلیل کو طلب نہیں کرنا چاہئے، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال شمار ہوتا ہے، اور مسلمان کا ذبح کرنا خود حلال ہونے کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۵۵۰۷، كتاب الذبائح والصيد، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم.

[2] عن عائشة، قالت: قالوا: يا رسول الله، إن الأعراب يأتوننا بلحم لا ندرى ما هو، ذكر اسم الله عليه، أم لا؟ فقال: سموا عليه، وكلوه (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۲۴۹۲۳، باب من قال إذا دخلت على أخيك المسلم، فكل من طعامه)

اور کھاتے وقت اللہ کا نام لینا وسوسہ کو دور کرنے کے لئے ہے۔ [1]

حضرت علی ازدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: إِنَّا نُسَافِرُ فَنَمُرُّ بِالرُّعْيَانِ ، وَالصَّبِيِّ ، وَالْمَرْأَةِ ، فَيُطْعِمُونَا لَحْمًا مَا تُدْرِیُ مَا جِنْسُهٗ؟ فَقَالَ: مَا أَطْعَمَکَ الْمُسْلِمُوْنَ فَکُلْ** (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہم سفر کرتے ہیں، پھر ہم (مسلمان) چرواہوں اور بچے اور عورت (وغیرہ) کے پاس سے گزرتے ہیں، جو ہمیں گوشت کھلاتے ہیں، جس کی جنس معلوم نہیں ہوتی (کہ وہ گوشت حلال جانور کا ہے یا حرام جانور کا؟) تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو آپ کو مسلمان کھلائیں، اس کو آپ کھا لیجئے (ابنِ ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ذبیحہ اور گوشت کو حلال سمجھنا چاہیے، اور مسلمان ہونا ہی اس کے ذبیحہ وگوشت کے حلال ہونے کی دلیل ہے، یعنی مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حلال ہونا ہے، جب تک معقول دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔

اسی طرح اہلِ کتاب (یہودی یا عیسائی) کا ذبیحہ بھی حلال ہے، خواہ اہلِ کتاب عربی

---

[1] قوله :(فقال :سموا عليه أنتم وكلوه) كأنه صلى الله تعالى عليه وسلم أرشدهم بذلك إلى حمل حال المؤمن على الصلاح ، وإن كان جاهلاً ، وأن الشك بلا دليل لا يضر ، وأن الوسوسة الخالية عن دليل يكفى فى دفعها تسمية الآكل ، والله تعالى أعلم.

فلا يرد أن التسمية عند الذبح إن لم تكن واجبة يجوز لهم الأكل ، وإن لم يسموا ، وإن وجبت فلا ينفع تسمية الآكل ولا تنوب عن تسمية الذابح فالحديث مشكل على الوجهين .وبهذا ظهر أن الاستدلال بهذا الحديث على عدم وجوب التسمية عند الذبح لا يخلو عن ضعف لظهور أن الحديث بظاهره يفيد أن التسمية واجبة لكن تنوب تسمية الآكل عن تسمية الذابح ، ولم يقل به أحد ، وعند التأويل لا يبقى دليلاً فتأمل ، والله تعالى أعلم(حاشية السندى على صحيح البخارى، كتاب الذبائح والصيد،باب ذبيحة الأعراب ونحوهم)

[2] رقم الحديث٢٤٩١٧، كتاب الاطعمة،باب من قال إذا دخلت على أخيك المسلم ، فكل من طعامه.

www.idaraghufran.org

ہو یا عجمی۔[1]

اور جس طرح مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حلال ہونا ہے، اسی طرح اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی اصل حلال ہونا ہے، جب تک معقول دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔[2]

مذکورہ حکم تو مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے ذبیحہ اور گوشت کا ہے، جبکہ اہلِ کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کے ذبیحہ اور گوشت کا استعمال جائز نہیں، تاآنکہ معتبر دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ذبیحہ مسلمان یا اہلِ کتاب کا ہے۔

البتہ غیر مسلم وغیر اہلِ کتاب کافروں کے ذبیحہ کے علاوہ ان کے ہاتھ کی دوسری چیزوں کا استعمال کرنا جائز ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

---

[1] ذبائح أهل الكتاب :قال ابن قدامة :أجمع أهل العلم على إباحة ذبائح أهل الكتاب؛ لقول الله تعالى :(وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم)يعني ذبائحهم.
قال ابن عباس :طعامهم ذبائحهم، وكذلك قال مجاهد وقتادة، وروى معناه عن ابن مسعود.
وأكثر أهل العلم يرون إباحة صيدهم أيضا، قال ذلك عطاء والليث والشافعي وأصحاب الرأى، ولا نعلم أحدا ثبت عنه تحريم صيد أهل الكتاب.
ولا فرق بين العدل والفاسق من المسلمين وأهل الكتاب.
ولا فرق بين الحربى والذمى فى إباحة ذبيحة الكتابى منهم، وتحريم ذبيحة من سواه .وسئل أحمد عن ذبائح نصارى أهل الحرب فقال :لا بأس بها .وقال ابن المنذر :أجمع على هذا كل من نحفظ عنه من أهل العلم، منهم مجاهد والثورى والشافعي وأحمد وإسحاق وأبو ثور وأصحاب الرأى، ولا فرق بين الكتابى العربى وغيرهم؛ لعموم الآية فيهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۴۲،مادة "اهل الكتاب")

[2] مثلاً یہ ثابت ومعلوم نہ ہو کہ جو اہلِ کتاب ذبح کر رہا ہے، وہ صرف نام کا اہلِ کتاب ہے، ورنہ وہ عقائد کے اعتبار سے ملحد ہے یا اس نے شرعی طریقہ پر ذبح نہیں کیا۔
يشترط لصحة التذكية ما يلى:
۱ -أن يكون المذكى بالغا أو مميزا، مسلما أو كتابيا (يهوديا أو نصرانيا) ، فلا تؤكل ذبائح الوثنيين، واللادينيين، والملحدين، والمجوس، والمرتدين، وسائر الكفار من غير الكتابيين.......
يجوز للمسلمين الزائرين لبلاد غير إسلامية أو المقيمين فيها، أن يأكلوا من ذبائح أهل الكتاب مما هو مباح شرعا، بعد التأكد من خلوها مما يخالطها من المحرمات، إلا إذا ثبت لديهم أنها لم تذك تذكية شرعية(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۱۰ص۵۹۶، قرار ۱۰۱/۳/د۱۰،بشأن الذبائح)

# مشتبہ ومشکوک چیز سے بچنے کا حکم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ، وَبَیْنَھُمَا مُشَبَّھَاتٌ لَا یَعْلَمُھَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَی الْمُشَبَّھَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ: کَرَاعٍ یَرْعَی حَوْلَ الْحِمَی، یُوْشِکُ أَنْ یُّوَاقِعَہٗ، أَلَا وَإِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی، أَلَا إِنَّ حِمَی اللّٰہِ فِیْ أَرْضِہٖ مَحَارِمُہٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال چیز واضح ہے اور حرام چیز بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان میں شبہ والی (یعنی مشتبہ) چیزیں ہیں، جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو شخص شبہوں (کی چیزوں) میں مبتلا ہوجائے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسا کہ جانور ممنوع چراگاہ کے قریب چر رہا ہو، جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس کے اندر نہ داخل ہوجائے، آگاہ ہوجاؤ کہ ہر بادشاہ کی ایک ممنوع چراگاہ ہے، آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کی ممنوع چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشتبہ چیزیں وہ ہوتی ہیں، جن کا حرام وگناہ ہونا اکثر عوام پر واضح نہیں ہوتا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ،

---

[1] رقم الحدیث ۵۲، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، مسلم، رقم الحدیث ۱۰۷ "۱۵۹۹"

Idara Ghufran

وَبَيْنَهُمَا أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ، كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيْهِ مِنَ الْإِثْمِ، أَوْشَكَ أَنْ يُّوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِيُ حِمَى اللّٰهِ مَنْ يَّرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیز واضح ہے اور حرام چیز بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہیں، پس جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا، جو اس پر گناہ کی وجہ سے مشتبہ ہوں، تو وہ ان چیزوں کو زیادہ اہتمام کے ساتھ چھوڑے گا، جن کا گناہ ہونا واضح ہو، اور جو شخص ان چیزوں پر جری ہو جائے گا، جن میں گناہ کا شک ہے، تو قریب ہے کہ وہ واضح گناہ والی چیزوں میں مبتلا ہو جائے، اور گناہ درحقیقت اللہ کی ممنوع چراگاہ ہے، جو شخص ممنوع چراگاہ کے قریب چرے گا، تو اندیشہ ہے کہ وہ اس ممنوع چراگاہ میں داخل ہو جائے (بخاری)

اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ مشتبہ چیزیں جن سے بچنا نیکی ہے، وہ ہیں کہ جن کا گناہ ہونا مشتبہ ہو، اور ان کے گناہ ہونے میں شک ہو۔

لہٰذا اس سے وہ چیزیں خارج ہیں، جن کا جائز ومباح ہونا واضح ہو، کیونکہ وہ واضح حلال وجائز میں داخل ہیں۔

اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ، لَا يَدْرِيْ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ، فَمَنْ تَرَكَهَا اِسْتِبْرَاءً لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ فَقَدْ سَلِمَ، وَمَنْ وَاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا، يُوْشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَ الْحَرَامَ، كَمَا أَنَّهٗ مَنْ يَّرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوْشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهٗ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ

---

[1] رقم الحديث ٢٠٥١، كتاب البيوع، باب: الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشبهات.

www.idaraghufran.org

مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور اس کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے کہ کیا وہ حلال ہیں یا حرام ہیں؟ پس جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا، تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو محفوظ کرلیا، اور اس نے سلامتی حاصل کرلی، اور جو ان میں سے کسی چیز میں واقع ہوگیا، تو قریب ہے کہ وہ حرام میں مبتلا ہوجائے، جیسا کہ وہ شخص جو ممنوع چراگاہ کے قریب چَر رہا ہو، اندیشہ ہے کہ وہ اس ممنوع چراگاہ میں داخل ہوجائے، اور بے شک ہر بادشاہ کی ایک ممنوع چراگاہ ہوتی ہے، اور اللہ کی ممنوع چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں (ترمذی)

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۲۰۵، ابواب البيوع، باب ما جاء فی ترک الشبهات.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وقد رواه غير واحد، عن الشعبی، عن النعمان بن بشير.

[2] عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الحلال بين، والحرام بين، وبين ذلک شبهات، فمن أوقع بهن فهو قمن أن يأثم، ومن اجتنبهن فهو أوفر لدينه كمرتع إلى جنب حمى أوشک أن يقع فيه، ولكل ملک حمى، وحمى الله الحرام (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۰۸۲۴)
قال الالبانی: قلت: وهذا إسناد عزيز صحيح، رجاله كلهم ثقات رجال "الصحيح"؛ غير سابق الجزری -وهو ابن عبد الله الرقی-، وثقه ابن حبان (۶/۴۳۳) وقال: "روى عنه الأوزاعی وأهل الجزيرة" (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم الحديث ۳۳۶۱)
عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحلال بين، والحرام بين، وبينهما شبهات، فمن اتقاها كان أنزه لدينه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات أوشک أن يقع فی الحرام، كالمرتع حول الحمى يوشک أن يواقع الحمى وهو لا يشعر (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۲۸۶۸)
قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وروى فی الصغير: عن ابن عمر، عن النبی -صلى الله عليه وسلم- قال": الحلال بين والحرام بين فدع ما يريبک إلى ما لا يريبک."
وفی إسناد الأوسط سعد بن زنبور قال أبو حاتم: مجهول، وإسناد الصغير حسن (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۶۳۰۷، باب اجتناب الشبهات)

اس حدیث کے الفاظ سے بھی معلوم ہوا کہ مشتبہ چیزیں جن سے بچنا نیکی ہے، وہ ہیں کہ جن کا حرام یا حلال ہونا مشتبہ ہو۔

لہٰذا اس سے وہ چیزیں خارج ہیں، جن کا جائز و مباح ہونا واضح ہو، کیونکہ وہ واضح حلال و جائز میں داخل ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ، فَدَعْ مَا یَرِیْبُکَ إِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ** (المعجم الصغیر للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال واضح ہے، اور حرام واضح ہے، پس تم مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز کو اختیار کرو (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: دَعْ مَا یَرِیْبُکَ إِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ** (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۵۵۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز کو اختیار کرو (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۳۲، ج ۱ ص ۴۱، باب الالف.
قال الهیثمی: وإسناد الصغیر حسن (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۲۳۰۷، باب اجتناب الشبهات)

[2] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

[3] عن أبی الحوراء السعدی، قال: قلت للحسن بن علی رضی الله عنهما: ما حفظت من رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال: حفظت منه: دع ما یریبک إلی ما لا یریبک (نسائی، رقم الحدیث ۵۷۱۱)

www.idaraghufran.org

**فَمَنْ عَرَضَ لَهُ مِنْكُمْ قَضَاءٌ بَعْدَ الْيَوْمِ، فَلْيَقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ جَاءَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ جَاءَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، وَلَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ، فَإِنْ جَاءَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، وَلَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ، فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهُ، وَلَا يَقُوْلُ: إِنِّي أَخَافُ، وَإِنِّي أَخَافُ، فَإِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ، فَدَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ** (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: پس آج کے دن کے بعد تم میں سے جس کو فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے، اور اگر اس کو کوئی مسئلہ ایسا پیش آئے کہ جس کا حکم کتابُ اللہ میں نہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے، جو فیصلہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اور اگر اس کو کوئی مسئلہ ایسا پیش آئے، جس کا حکم نہ تو کتابُ اللہ میں ہو، اور نہ اس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے، جو صالحین (مثلاً خلفائے راشدین) نے فیصلہ کیا، اور اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آئے، جس کا حکم نہ تو کتابُ اللہ میں ہو، اور نہ اس کے مطابق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو، اور نہ صالحین کا فیصلہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے، اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں، میں ڈرتا ہوں (کہ کہیں غلط فیصلہ نہ ہو جائے) کیونکہ حلال واضح ہے، اور حرام واضح ہے، اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، تو شک و مشتبہ والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک و غیر مشتبہ چیز

---

[1] رقم الحديث ۵۳۹۷، كتاب آداب القضاة، باب الحكم باتفاق أهل العلم.
قَالَ النسائی بعد نقل هذا الحديث :هذا الحديث جيد جيد.

کو اختیار کرے (نسائی)

حضرت مختار بن فلفل سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الشُّرْبِ فِي الْأَوْعِيَةِ، فَقَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَفَّتَةِ ،وَقَالَ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، قَالَ: قُلْتُ: وَمَا الْمُزَفَّتَةُ ؟ قَالَ: اَلْمُقَيَّرَةُ،قَالَ: قُلْتُ: فَالرَّصَاصُ وَالْقَارُوْرَةُ ؟ قَالَ: مَا بَأْسَ بِهِمَا،قَالَ: قُلْتُ: فَإِنَّ نَاسًا يَكْرَهُوْنَهُمَا، قَالَ: دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ، فَإِنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (مسند احمد،رقم الحديث ۱۲۰۹۹) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے برتنوں میں پینے کے بارے میں سوال کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مزفت'' (یعنی شراب تیار کرنے کے مخصوص برتن) سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، میں نے کہا کہ مزفت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تارکول لگایا ہوا مخصوص (شراب تیار کرنے کا) برتن، میں نے سوال کیا کہ شیشی اور بوتل کا کیا حکم ہے؟ (جس میں وہ شراب تیار کر کے ڈالی اور استعمال کی جاتی ہے) انہوں نے فرمایا کہ شیشی اور بوتل میں کوئی حرج نہیں، میں نے کہا کہ لوگ تو انہیں اچھا نہیں سمجھتے؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر جس چیز میں تمہیں شک ہو اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرلو جس میں تمہیں کوئی شک نہ ہو، کیونکہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مسند احمد)

شراب تیار کرنے کے مخصوص برتن تو شراب بنانے کے آلہ تھے، جن کو شراب تیار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور ان میں جب کوئی خاص مشروب رکھا جاتا تھا تو بڑی تیزی کے ساتھ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

لیکن مخصوص شیشی اور بوتل میں یہ بات نہیں تھی، اس لئے اس کی اجازت دی، لیکن اس سے بچ کر کسی دوسری بوتل وشیشی استعمال کرنے کو بہتر قرار دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ ایسی مشتبہ ومشکوک چیز کا استعمال گناہ نہیں ہوتا، اگرچہ اس سے بچنا بہتر ہوتا ہے۔

مذکورہ احادیث میں حلال وحرام کی درمیان والی چیزوں کو مشتبہات کا نام دیا گیا ہے، اور مشتبہات، مشتبہ کی جمع ہے، جو لفظِ اشتباہ سے بنا ہے۔

اور اشتباہ کے معنیٰ ایک چیز کے دوسری چیز کے ساتھ مشابہ ہونے کے آتے ہیں، اور اسی مناسبت سے مذکورہ احادیث میں حلال وحرام کے درمیان والی ان چیزوں کو کہ جن کا حلال وحرام ہونا واضح نہ ہو، مشتبہ چیزوں کا نام دیا گیا ہے، اور ان سے بچنے کو باعثِ ثواب قرار دیا گیا ہے۔

اور وہم اور اسی طرح وسوسہ کا درجہ مشتبہ چیز سے کمزور ہوتا ہے، جس کی بناء پر کسی چیز سے بچنا باعثِ ثواب اور کارِ خیر نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] الاشتباه مصدر :اشتبه، يقال اشتبه الشيئان وتشابها :أشبه كل واحد منهما الآخر . والمشتبهات من الأمور :المشكلات .والشبهة اسم من الاشتباه وهو الالتباس.
والاشتباه فى الاستعمال الفقهى أخص منه فى اللغة، فقد عرف الجرجانى الشبهة بأنها :ما لم يتيقن كونه حراما أو حلالا .وقال السيوطى :الشبهة ما جهل تحليله على الحقيقة وتحريمه على الحقيقة ويقول الكمال بن الهمام :الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت، ولا بد من الظن لتحقق الاشتباه .
الألفاظ ذات الصلة:
أ -الالتباس:الالتباس هو :الإشكال، والفرق بينه وبين الاشتباه على ما قال الدسوقى :أن الاشتباه معه دليل (يرجح أحد الاحتمالين) والالتباس لا دليل معه
ب -الشبهة:يقال :اشتبهت الأمور وتشابهت :التبست فلم تتميز ولم تظهر، ومنه اشتبهت القبلة ونحوها، والجمع فيها شبه وشبهات .وقد سبق أنها ما لم يتعين كونه حراما أو حلالا نتيجة الاشتباه......
ج -التعارض:التعارض لغة :المنع بالاعتراض عن بلوغ المراد.واصطلاحا :تقابل الحجتين المتساويتين على وجه توجب كل واحدة منهما ضد ما توجبه الأخرى .وسيأتى أن التعارض أحد أسباب الاشتباه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا حرام و ناجائز اور ناپاک ہونا شریعت کی طرف سے واضح ہو، اس سے تو بہرحال بچنا چاہئے، جیسا کہ شراب اور خنزیر اور مُردار اور پیشاب، پاخانہ اور زنا اور جھوٹ وغیرہ، اور جس چیز کا حلال ہونا واضح ہو، اس سے بچنے میں کوئی ثواب نہیں، جیسا کہ روٹی اور میوہ اور تیل اور شہد اور حلال جانوروں اور پرندوں کا گوشت اور ان کا انڈا وغیرہ، اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کا اچھا اور برا یا حلال اور حرام ہونا شریعت کی کسی دلیل سے واضح نہ ہو، اور وہ حلال و حرام کے درمیان متردد ہو، ایک حیثیت سے حرام کے اور ایک حیثیت سے حلال کے مشابہ ہو، تو اس سے بچنا اگرچہ ضروری نہیں، البتہ بہتر اور تورع میں داخل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بچنے کی ترغیب تو دی، مگر اس کو حرام قرار نہیں دیا، اور اس کے بجائے ایسی چیز کو اختیار کرنا مستحب ہے، جس کا حلال ہونا واضح ہو، مگر اس میں دوسروں پر تشدد کرنا یا اس کی ایسے انداز میں عمومی تبلیغ کرنا درست نہیں کہ جس سے لوگوں میں تشویش پیدا ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

د -الشک :الشک لغة :خلاف الیقین، وهو التردد بین شیئین، سواء استوی طرفاه، أو رجح أحدهما علی الآخر، وقد استعمله الفقهاء کذلک.

وهو عند الأصولیین :التردد بین أمرین بلا ترجیح لأحدهما علی الآخر عند الشاک فالشک سبب من أسباب الاشتباه.

هـ -الظن:الظن خلاف الیقین .وقد یستعمل بمعنی الیقین ، کما فی، قوله تعالی :(الذین یظنون أنهم ملاقو ربهم)

وفی الاصطلاح :هو الاعتقاد الراجح مع احتمال النقیض، وهو طریق لحدوث الاشتباه.

و الوهم:الوهم :ما سبق القلب إلیه مع إرادة غیره.وفی الاصطلاح :هو إدراک الطرف المرجوح، أو کما قال عنه ابن نجیم :رجحان جهة الخطأ، فهو دون کل من الظن والشک، وهو لا یرتقی إلی تکوین اشتباه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴،ص ۲۹۱ ،ماده،اشتباه)

الوهم المعنی به الوسوسة (مرقاة، کتاب الایمان، باب فی الوسوسة)

[1] وأما قوله صلی الله علیه وسلم الحلال بین والحرام بین فمعناه أن الأشیاء ثلاثة أقسام حلال بین واضح لا یخفی حله کالخبز والفواکه والزیت والعسل والسمن ولبن مأکول اللحم وبیضه وغیر ذلک من المطعومات وکذلک الکلام والنظر والمشی وغیر ذلک من التصرفات فیها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# شک کے مقابلہ میں یقین کو ترجیح حاصل ہوتی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حلال بين واضح لا شک فی حله.

وأما الحرام البين فكالخمر والخنزير والميتة والبول والدم المسفوح وكذلک الزنی والكذب والغيبة والنميمة والنظر إلى الأجنبية وأشباه ذلک.

وأما المشتبهات فمعناه أنها ليست بواضحة الحل ولا الحرمة فلهذا لا يعرفها كثير من الناس ولا يعلمون حكمها وأما العلماء فيعرفون حكمها بنص أو قياس أو استصحاب أو غير ذلک فإذا تردد الشیء بين الحل والحرمة ولم يكن فيه نص ولا إجماع اجتهد فيه المجتهد فألحقه بأحدهما بالدليل الشرعی (شرح النووی علی مسلم، ج ۱۱ ص۲۷،۲۸، کتاب البیوع، باب أخذ الحلال وترک الشبهات)

(دع ما يريبک) أی يوقعک فی الشک والأمر للندب لما أن توقی الشبهات مندوب لا واجب على الأصح (إلى ما لا يريبک) أی اترک ما تشک فيه من الشبهات واعدل إلى ما لا تشک فيه من الحلال البين لما سبق أن من اتقى الشبهات فقد أستبرا لعرضه ودينه (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۴۲۱۱)

(دع ما يريبک) أی اترک ما تشک فی كونه حسنا أو قبيحا أو حلالا أو حراما (إلى ما لا يريبک) أی واعدل إلى ما لا شک فيه يعنی ما تيقنت حسنه وحله (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۴۲۱۳)

قوله" :إن الحلال بين وإن الحرام بين وبينهما أمور مشتبهات "يعنی أن الأشياء ثلاثة أقسام :فما نص الله على تحليله فهو الحلال كقوله تعالى :(أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم) وقوله:(وأحل لكم ما وراء ذلكم) ونحو ذلک، وما نص الله على تحريمه فهو الحرام البين، مثل قوله تعالى :(حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم) الآية. (وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما) وكتحريم الفواحش ما ظهر منها وما بطن، وكل ما جعل الله فيه حدا أو عقوبة أو وعيدا فهو حرام، وأما الشبهات فهی كل ما تتنازعه الأدلة من الكتاب والسنة وتتجاذبه المعانی فالإمساک عنه ورع (شرح الاربعين النووية لابن دقيق العيد، ج ۱ ص۴۳،۴۴، الحلال بين والحرام بين)

قوله (وقع فی الشبهات) التی أشبهت الحرام من وجه والحلال من آخر (إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری، للقسطلانی، ج ۱، ص ۱۴۳، باب فضل من استبرأ لدينه)

قد كثر العلماء من الكلام على تفسير المشتبهات، ونحن ننبهكم على أمثل طريقة ، فاعلم أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

فَلْيُلْقِ الشَّکَّ، وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِينِ(سنن أبی داود) ؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الاشتباه هو الالتباس.
وإنـمـا يطلق فی مقتضى هذه التسمية هاهنا على أمر ما أشبه أصلاً ما ، ولكنه مع هذا يشبه أصلاً آخر يناقض الأصل الآخر ، فكأنه كثرت أشباهه ، وقيل :اشتبه بمعنى اختلط ، حتى كأنه شیء واحد من شيئين مختلفين .
لهـذا أحطت بهذا علما فيجب أن تطلب هذه الحقيقة ، فنقول :قـد تكون أصول الشرع المختلفة تتـجـاذب فرعا واحداً تجاذبا متساويا فی حق بعض العلماء ، ولا يمكنه تصور ترجيح ، ورده لبعض الأصـول يـوجـب تـحـريـمه ، ورده لبعضها يوجب تحليله ، فلا شک أن الأحوط تجنب هذا ، ومن تـجـنـبـه وصف بـالـورع والتـحـفظ فی الدين ، وما أخذه من المسلمن بعيب فاعل هذا ، بل المعلوم انتظار الألسنة بالثناء عليه والشهادة له بالورع إذا عرف بذلک(إكمال المعلم شرح صحيح مسلم -للقاضی عياض،كتاب المساقاة،باب أخذ الحلال وترک الشبهات)
فمن اتقى المشتبهات استبرأ لدينه وعرضه "، فندب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى اتقاء المشتبهات ولم يحرمها(البيان والتحصيل للقرطبی ،ج۴،ص۴۵۰،كتاب النكاح الثالث)
وأخبـرنـا أبـو عـلـی حسـان بـن سعيد المنيعی، أنا أبو طاهر الزيادی، أنا أبو بكر محمد بن الحسين القطان، نا أحمد بن يوسف السلمی، نا عبد الرزاق، أنا معمر، عن همام بن منبه، قال :هذا ما حدثنا أبو هريرة، قال :قـال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنـی لأنـقـلب إلى أهلی، فأجد التمرة ساقطة على فراشی أو فی بيتی، فأرفعها لآكلها، ثم أخشى أن تكون من الصدقة فألقيها .
هـذا حـديـث متـفـق عـلـى صـحـته، أخرجه مسلم، عن محمد بن رافع، عن عبد الرزاق، واتفقا على إخراجه من رواية أنس.
وهـذا الـحديث أصل فی الورع، وهو أن ما شک فی إباحته يتوقاه، قال النبی صلى الله عليه وسلم : الحلال بين، والحرام بين .
وجملة الورع نوعان، أحدهما :مـندوب إليه، وهو أن يشتبه عليه أمر التحليل والتحريم، فالأولى أن يجتنبه، وكذلک معاملة من أكثر ماله ربا أو حرام، ومعاملة من يتخذ الملاهی والصور، فيأخذ عليها الأجر، ومعاملة اليهود والنصارى الذين يتصرفون فی الخمور، فالأولى اجتنابه.
والثانی :مـكـروه، وهـو أن لا يـقبل الرخص التی رخص الله سبحانه وتعالى فيه، كالفطر فی السفر، وقـصـر الـصـلاة، وتـرک قبول الهدية، وإجابة الداعی، والتشكک بالخواطر التی جماعها العنت والـحـرج، ذكـره الـخطابی (شرح السنة، للبغوی، ج۸ص۱۰۰، ۱۰۱، كتاب الزكاة،باب تحريم الصدقة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى أهل بيته)
؎ رقـم الـحـديـث ۱۰۲۴، كـتـاب الـصـلاة، بـاب إذا شک فـی الـثـنتيـن والثلاث من قال يلقی الشک،مسنداحمد،رقم الحديث ۱۱۸۳۰ .
فی حاشية مسنداحمد:إسناده صحيح على شرط البخاری.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہوجائے، تو اسے چاہیئے کہ وہ شک کو پھینک دے، اور یقین پر عمل کرے

(ابوداؤد، مسند احمد)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے شریعت کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ شک کے مقابلہ میں یقین کو ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے، یعنی جب کسی چیز کا ثبوت یقینی ہو، اور اس کے مقابلہ میں شک پیدا ہوجائے، تو اس شک کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اور اس شک کی وجہ سے اس چیز کے حکم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَبَّہَ عَلٰی أَحَدِکُمُ الشَّیْطَانُ وَھُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ، فَقَالَ: أَحْدَثْتَ، فَلْیَقُلْ فِیْ نَفْسِہٖ کَذَبْتَ، حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا بِأُذُنَیْہِ، أَوْ یَجِدَ رِیْحًا بِأَنْفِہٖ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۱۳۲۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شیطان یہ اشتباہ (وشبہ) پیدا کردے (یعنی شیطان کی طرف سے شبہ کھٹکے) کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تو اس کے جواب میں نمازی اپنے دل میں یہ کہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے (یعنی شیطان کی بات کو نہ مانے) یہاں تک کہ وہ اپنے کانوں سے (ریح خارج ہونے کی) آواز نہ سن لے یا اپنی ناک سے (ریح یا نجاست کی) بُو کو محسوس نہ کرلے (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا وَجَدَ أَحَدُکُمْ فِیْ بَطْنِہٖ

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح لغیرہ۔

www.idaraghufran.org

شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اسے شبہ (اور شک) پیدا ہو جائے کہ کوئی چیز (ریح یا نجاست) نکلی ہے یا نہیں تو وہ (اگر مسجد میں ہو تو وضو وغیرہ کرنے کے لئے) مسجد سے نہ نکلے، یہاں تک کہ (ریح کی) آواز نہ سن لے یا (ریح یا نجاست کی) بو محسوس نہ کر لے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ وضو کرنے کے بعد اگر ریح وغیرہ خارج ہونے کا وہم اور وسوسہ آئے یا شک پیدا ہو، تو اس کا اعتبار نہیں، اور جس کو اس طرح کا وسوسہ اور وہم پیدا ہوتا ہو، وہ اس وقت تک یقین نہ کرے، جب تک کہ ریح کی آواز نہ سن لے، یا بو محسوس نہ کر لے، خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو۔

مذکورہ احادیث سے فقہائے کرام نے شریعت کا یہ اصول اخذ کیا ہے کہ یقین درحقیقت شک سے زائل نہیں ہوا کرتا، اور یقین کا درجہ شک سے بڑا ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر کسی کو وضو کرنا تو یاد ہے، لیکن اس کے بعد وضو ٹوٹنا یاد نہیں، البتہ شک ہے، تو وضو ٹوٹنے کے شک کا اعتبار نہیں ہوتا، اور اس کا وضو باقی ہونا برقرار سمجھا جاتا ہے۔

اور اسی طرح جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے حلال و پاک ہو، تو صرف شک کی وجہ سے وہ حرام و ناپاک قرار نہیں دی جاتی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٦٢ ''٩٩'' كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك فى الحدث.

[2] قوله حتى يسمع صوتا او يجد ريحا معناه حتى يتيقن الحدث ولم يرد به الصوت نفسه ولا الريح نفسها حسب وقد يكون أطروشا لا يسمع الصوت وأخشم لا يجد الريح ثم تنتقض طهارته إذا تيقن وقوع الحدث منه كقوله صلى الله عليه وسلم فى الطفل إذا استهل صلى عليه ومعناه أن تعلم حياته يقينا والمعنى إذا كان أوسع من الاسم كان الحكم له دون الاسم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شک، یقین کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، یقین کے معنیٰ علم کے اور شک نہ ہونے کے آتے ہیں، اور شک وہ کہلاتا ہے، جس میں علم اور جہل کے دونوں پہلو برابر ہوں۔

پھر جب ان پہلوؤں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تقویت وترجیح اور غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ ظن کہلاتا ہے، اور مرجوح ومغلوب پہلو وہم کہلاتا ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی الحديث من الفقه أن الشک لا يزحم اليقين.

وفيه دليل على أنه إذا تيقن النكاح وشک فی الطلاق كان على النكاح المتقدم إلى أن يتيقن الطلاق (معالم السنن للخطابی، ج ۱ ص ۶۴، باب الوضوء من القبلة)

والمعنى :حتى يعلم وجود أحدهما، ولا يشترط السماع والشم بإجماع المسلمين، فإن الأصم لا يسمع شيئا، والأخشم الذی راحت حاسة شمه لا يشم أصلا، وهذا الحديث أصل من أصول الإسلام، وقاعدة عظيمة من قواعد الفقه، وهی أن الأشياء يحكم ببقائها على أصولها حتى يتبين خلاف ذلک، فمن ذلک مسألة الباب التی ورد فيها الحديث، وهی أن من تيقن الطهارة وشک فی الحدث، حكم ببقائه على طهارته، سواء كان فی نفس الصلاة أو خارج الصلاة(شرح ابی داؤد للعينی، ج ۱ ص ۴۰۸، باب اذا شک فی الحدث )

[1] اور علامہ عینی نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ جب تک دو پہلوؤں میں سے ایک کو دوسرے پر تقویت وترجیح حاصل ہو، لیکن اس میں سے راجح کو اختیار اور مرجوح کو رَد نہ کیا جائے، اس وقت تک وہ ظن کہلاتا ہے، پس ظن دراصل شک کے دو پہلوؤں میں سے راجح صفت والا پہلو ہوتا ہے، اور جب ان میں سے ایک پر قلب رسوخ حاصل کر لے، اور دوسرے کو رد کردے، تو اس کو غالب گمان یا غالب رائے کہا جاتا ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق ظن بعض اوقات یقین کے معنیٰ میں، اور بعض اوقات شک کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، جس کی تفصیل اس کتاب کی ابتدائی بحث میں ذکر کردی گئی ہے۔

الشک فی اللغة خلاف اليقين واليقين العلم وزوال الشک قاله الجوهری وغيره وفی اصطلاح الفقهاء الشک فيه ما يستوی فيه طرف العلم والجهل وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لا يميل إلى أحدهما فإذا قوی أحدهما وترجح على الآخر ولم يأخذ بما ترجح ولم يطرح الآخر فهو ظن وإذا عقد القلب على أحدهما وترک الآخر فهو أكبر الظن وغالب الرأی ويقال الشک ما استوى فيه طرفا العلم والجهل فإذا ترجح أحدهما على الآخر فالطرف الراجح ظن والطرف المرجوح وهم(عمدة القاری للعينی، ج ۲ ص ۲۵۰ ،باب لا يتوضأ من الشک حتى يستيقن)

الشک فی اللغة خلاف اليقين، وفی الاصطلاح الشک :ما يستوی فيه طرف العلم والجهل، وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لا يميل إلى أحدهما، فاذا قوی أحدهما وترجح على الآخر، ولم يأخذ بما رجح ولم يطرح الآخر فهو الظن، وإذا عقد القلب على أحدهما وترک الآخر فهو أكبر الظن،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# حرمت ونجاست سے متعلق شک کی اقسام اور اُن کے احکام

پس جن چیزوں کا حلال، پاک وجائز ہونا یا حرام، ناپاک وناجائز ہونا شریعت کی طرف سے واضح ہو، ان میں ان کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، اور مشتبہ ومشکوک چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

جہاں تک شک وشبہ کا تعلق ہے، تو مذکورہ احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے حکم کے اعتبار سے شک کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

شک کی پہلی قسم وہ ہے، جس میں شک ایسی چیز پر طاری ہوا ہو، جو اصل سے حرام ہے، مثلاً کوئی مسلمان ذبح شُدہ جانور، بکری یا گائے وغیرہ ایسے علاقہ میں پائے، جہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں مخلوط طریقہ پر رہائش پذیر ہوں، اور اُس کے شرعی طریقہ پر ذبح ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو، تو اس شک کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اور وہ گوشت اپنی اصل کے اعتبار سے حرام قرار دیا جائے گا، کیونکہ گوشت کے اندر اصل حرام ہونا ہے۔ [1]

اور اگر وہ ذبح شُدہ جانور، بکری یا گائے وغیرہ کسی ایسے علاقہ میں پائے، جہاں مسلمانوں کی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وغالب الرأى، فيكون الظن أحد طرفى الشك بصفة الرجحان(عمدة القارى، ج۴ص ۱۳۸ ،باب التوجه نحو القبلة حيث كان)

وقال الطيبى :الظن لما كان واسطة بين اليقين والشك، استعمل تارة بمعنى اليقين، وذلك إن ظهرت أماراته، وبمعنى الشك إذا ضعفت علاماته، وعلى المعنى الأول قوله تعالى :(الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم) أى :يوقنون وعلى المعنى الثانى قوله تعالى :(وظنوا أنهم إلينا لا يرجعون)(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۵۴۱ ،كتاب الدعوات،باب ذكر الله عز وجل والتقرب إليه)

[1] اور اسی وجہ سے اگر کسی گوشت کے بارے میں دو معتبر آدمی متضاد خبریں دیں، ایک یہ کہے کہ اسے کسی مسلم نے ذبح کیا ہے، اور دوسرا کہے کہ اسے مشرک نے ذبح کیا ہے، تو حرمت کو ترجیح حاصل ہوگی، الّا یہ کہ مسلم کے ذبح کرنے کی خبر دینے والا ثقہ ومعتبر ہو، اور مشرک کے ذبح کرنے کی خبر دینے والا غیر ثقہ وغیر معتبر ہو، تو پھر ثقہ کی خبر کا اعتبار ہوگا۔

ومن هذا القبيل ما لو أخبر عدل بأن هذا اللحم ذبحه مجوسى، وأخبر عدل آخر أنه ذكاه مسلم، فإنه لا يحل لبقاء اللحم على الحرمة التى هى الأصل .إذ حل الأكل متوقف على تحقق الذكاة الشرعية .وبتعارض الخبرين لم يتحقق الحل، فبقيت الذبيحة على الحرمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص ۲۹۲ ،مادة،اشتباه)

www.idaraghufran.org

اکثریت ہو، یا کسی مسلمان سے گوشت لیا جارہا ہو، تو پھر حلال ہونے کا حکم غالب ہوگا، کیونکہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت کا ہونا یا مسلمان سے گوشت کا حاصل ہونا حلال ہونے کی معتبر دلیل سمجھا جاتا ہے۔

شک کی دوسری قسم وہ ہے، جس میں شک ایسی چیز پر طاری ہوا ہو، جو اصل سے مباح وجائز ہے، مثلاً اگر کوئی مسلمان کوئی ایسا پانی پائے کہ جس کی حالت متغیر ہو، لیکن نجاست وناپاکی سے متغیر ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو، تو یہاں بھی شک کا اعتبار نہ ہوگا، اور وہ پانی اپنی اصل کے اعتبار سے جائز وپاک قرار دیا جائے گا، کیونکہ پانی کے اندر اصل پاک ہونا ہے۔

اسی طرح مثلاً روٹی کے اندر اصل حلال اور جائز ہونا ہے، لہٰذا وہ روٹی چاہے کسی کافر سے خریدی ہو، اس کا کھانا حلال ہے، جب تک کسی دلیل سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس میں کوئی ناپاک اور حرام چیز شامل کی گئی ہے، اُس وقت تک اُسے ناجائز وحرام نہیں کہا جائے گا، اور یہی حکم مچھلی وغیرہ ایسے گوشت کا بھی ہے، جس کے لئے شرعاً ذبح ضروری نہیں۔

اسی طرح اگر کسی عورت سے شرعی طریقہ پر نکاح ہوگیا، لیکن طلاق واقع ہونے میں شک ہے، تو اس شک کا اعتبار نہیں ہوگا، اور وہ عورت بدستور اس کی بیوی سمجھی جائے گی۔

اسی طرح دوسری بے شمار حلال اور جائز وپاک چیزوں کا حال ہے۔

شک کی تیسری قسم وہ ہے، جس میں شک ایسی چیز پر طاری ہوا ہو، کہ جس کی اصل معلوم نہ ہو، مثلاً کسی ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنا کہ جس کا اکثر مال حرام ہو، لیکن اس چیز کا امتیاز نہ ہو کہ وہ جس مال کے ساتھ معاملہ کررہا ہے، وہ بعینہٖ حرام ہے، تو اس کے ساتھ معاملہ کرنا حرام نہیں ہے، بلکہ حلال ہے، البتہ احتیاطاً اس سے بچنا مستحب ہے۔ [1]

---

[1] أقسام الشک باعتبار حکم الأصل الذی طرأ علیه:

ینقسم الشک -إجمالا -بهذا الاعتبار إلی ثلاثة أقسام.

القسم الأول :شک طرأ علی أصل حرام مثل أن یجد المسلم شاة مذبوحة فی بلد یقطنه مسلمون ومجوس فلا یحل له الأکل منها حتی یعلم أنها ذکاة مسلم، لأن الأصل فیها الحرمة ووقع الشک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کسی حلال چیز میں دلیل سے شبہ پیدا ہو، وہاں اس چیز سے بچنا صرف مستحب ہوتا ہے، واجب نہیں ہوتا۔

اور یہ مستحب ہونا بھی اپنے عمل کی حد تک ہوتا ہے، اور اس بارے میں بھی شریعت کا مزاج یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی الذکاة المطلوبة شرعا، فلو کان معظم سکان البلد مسلمین جاز الإقدام علیها والأکل منها عملا بالغالب المفید للحلیة .

القسم الثانی :شک طرأ علی أصل مباح کما لو وجد المسلم ماء متغیرا فله أن یتطهر منه مع احتمال أن یکون تغیر بنجاسة، أو طول مکث، أو کثرة ورود السباع علیه ونحو ذلک استنادا إلی أن الأصل طهارة المیاه .مع العلم أن الله تعالی لم یکلف المؤمنین تجشم البحث للکشف عن طهارته أو نجاسته تیسیرا علیهم، حیث ورد فی الأثر أن عمر بن الخطاب -رضی الله تعالی عنه - خرج فی رکب فیهم عمرو بن العاص -رضی الله عنه -حتی وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض :یا صاحب الحوض هل ترد حوضک السباع؟ فقال عمر :یا صاحب الحوض لا تخبرنا، فإنا نرد علی السباع، وترد علینا .

وفیه أیضا :أن عمر بن الخطاب نفسه کان مارا مع صاحب له فسقط علیهما شیء من میزاب، فقال صاحبه :یا صاحب المیزاب ماؤک طاهر أو نجس؟ فقال عمر :یا صاحب المیزاب لا تخبرنا، ومضی .

فإن اشتبه علیه ماء طاهر وماء نجس تحری، فما أداه اجتهاده إلی طهارته توضأ به .

القسم الثالث :شک لا یعرف أصله مثل التعامل مع شخص أکثر ماله حرام دون تمییز لهذا من ذاک لاختلاط النوعین معا اختلاطا یصعب تحدیده، فمثل هذا الشخص لا تحرم مبایعته ولا التعامل معه لإمکان أن یکون المقابل حلالا طیبا، ولکن رغم هذا الاحتمال فقد نص الفقهاء علی کراهة التعامل معه خوفا من الوقوع فی الحرام .کما نصوا علی أن "المشکوک فی وجوبه لا یجب فعله ولا یستحب ترکه بل یستحب فعله احتیاطا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۶ص ۱۸۶،۱۸۷، مادة " شک " )

وقالوا :إن الشک علی ثلاثة أضرب شک طرأ علی أصل حرام وشک طرأ علی أصل مباح وشک لایعرف أصله فالأول مثل أن یجد شاة مذبوحة فی بلد فیها مسلمون ومجوس فلاتحل حتی یعلم أنها ذکاة مسلم لأن الأصل فیها الحرمة إذ حل الأکل یتوقف علی تحقق الذکاة الشرعیة فصار حل الأکل مشکوکا فلو کان الغالب فیها المسلمین جاز الأکل عملا بالغالب المفید للحل والثانی أن یجد ماء متغیرا واحتمل أن یکون تغیره بنجاسة أو طول مکث یجوز التطهیر به عملا بأصل الطهارة والثالث مثل معاملة من أکثر ماله حرام لاتحرم مبایعته حیث لم یتحقق حرمة مأأخذه منه ولکن یکره خوفا من الوقوع فی الحرام کذا فی فتح القدیر قاله أبو السعود فی حاشیة الإشباه (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحه ۳۵، کتاب الطهارة، فصل فی بیان أحکام السؤر)

Idara Ghufran

ہے کہ لوگوں میں اس کی تبلیغ نہ کی جائے، کیونکہ اس سے عام لوگوں میں تشویش پیدا ہوتی ہے اور بعض لوگ اس مستحب کی خلاف ورزی کو حرام میں مبتلا ہونے کا درجہ دے دیتے ہیں۔

اور جس چیز سے بچنا شک کی وجہ سے مستحب ہو، اس کو حرام کا درجہ دینا درست نہیں۔ [1]

جب کسی حلال چیز میں بغیر کسی معتبر دلیل کے شبہ پیدا ہو جائے تو وہ صرف وہم اور وسوسہ کہلاتا ہے اور اس پر عمل کرنا تقویٰ، احتیاط اور ثواب نہیں ہوتا۔

---

[1] فإذا تردد الشيء بين الحل والحرمة ولم يكن نص ولا إجماع اجتهد فيه المجتهد وألحقه بأحدهما بالدليل الشرعي، فالمشتبهات على هذا في حق غيرهم وقد يقع لهم حيث لا يظهر ترجيح لأحد الدليلين، وهل يؤخذ في هذا المشتبه بالحل أو الحرمة أو يوقف؟ وهو كالخلاف في الأشياء قبل ورود الشرع، والأصح عدم الحكم بشيء لأن التكليف عند أهل الحق لا يثبت إلا بالشرع، وقيل الحل والإباحة، وقيل المنع، وقيل الوقف .وقد يكون الدليل غير خال عن الاحتمال فالورع تركه(إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري،للقسطلاني،ج ا،ص ۱۴۳،،باب فضل من استبرأ لدينه)

وحكي عن أبي حنيفة وسفيان الثوري، رضي الله عنهما، أنهم قالا :لأن أخر من السماء أهون علي من أن افتي بتحريم قليل النبيذ، وما شربته قط، ولا أشربه .فعملوا بالترجيح في الفتيا، وتورعوا عنه في أنفسهم .وقال بعض المحققين، من حكم الحكيم أن يوسع على المسلمين في الأحكام، ويضيق على نفسه، يعني به هذا المعنى(عمدة القاري ،ج ا،ص ۳۰۰،باب فضل من استبرأ لدينه)

ثم سقاه الخادم .وفي الرواية الأخرى ) :( المساء ، ثم أمر به فاريق ، وظاهر هاتين الروايتين : أنهما مرَّتان .فأما الأولى :فإنَّه لم يظهر فيه ما يقتضي إراقته ، وإتلافه ، لكن اتَّقاه في خاصَّة نفسه أخذًا بغاية الورع ، وسقاه الخادم ؛ لأنَّه حلال جائز ، كما قال في أجرة الحجَّام(المفهم للقرطبي،كتاب الأشربة،ومن باب كم المدة التي يشرب إليها النبيذ)

(وعن سليمان بن بريدة رضي الله تعالى عنه) : بالتصغير (عن أبيه) : الظاهر أنه بريدة بن الحصيب، وقد مر ذكره، (قال :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إذا أمر) : بتشديد الميم ; أي :جعل أحدا (أميرا على جيش، أو سرية أوصاه) : أي :ذلك الأمير (في خاصته) : أي :في حق نفسه خصوصا وهو متعلق بقوله :(بتقوى الله) : وهو متعلق بأوصاه، وقوله :(ومن معه) : معطوف على خاصته ;أي :وفيمن معه (من المسلمين) : وقوله :(خيرا) : نصب على انتزاع الخافض ; أي :بخير :قال الطيبي :ومن محل الجر، وهو من باب العطف على عاملين مختلفين، كأنه قيل : أوصى بتقوى الله في خاصة نفسه، وأوصى بخير فيمن معه من المسلمين، وفي اختصاص التقوى بخاصة نفسه، والخير بمن معه من المسلمين إشارة إلى أن عليه أن يشدد على نفسه فيما يأتي ويذر، وأن يسهل على من معه من المسلمين ويرفق بهم، كما ورد :يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (مرقاة المفاتيح،كتاب الجهاد،باب الكتاب إلى الكفار ودعائهم إلى الإسلام)

www.idaraghufran.org

جیسا کہ عام پانی جو اپنے عام اوصاف کے مطابق ہو، اور اس کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو، اور اس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ شاید اس میں کوئی نجاست وناپاکی شامل ہوگئی ہوگی، جیسا کہ بعض لوگ ریل کے اندر جو پانی ہوتا ہے، اس کے متعلق ناپاک ہونے کا شبہ کیا کرتے ہیں، یا کوئی ایسی جگہ ہو، جہاں نجاست اور ناپاکی کا کوئی اثر نہ ہو، اور وہاں اس ڈر کی وجہ سے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا کہ کہیں وہ جگہ ناپاک نہ ہو، یا کسی کپڑے کو اس لئے دھونا کہ شاید وہ ناپاک نہ ہو، جبکہ ناپاکی کی کوئی دلیل نہیں، تو اس قسم کا ڈر، وہم اور شیطانی وسوسہ میں داخل ہے، جس سے بچنا تقوے واحتیاط اور مستحب ہونے میں بھی داخل نہیں، چہ جائیکہ اس سے بچنا فرض یا واجب کہلائے۔ [1]

---

[1] وقال بعض العلماء :المشتبهات ثلاثة أقسام :منها ما يعلم الإنسان أنه حرام ثم يشك فيه هل زال تحريمه أم لا، كالذى يحرم على المرء أكله قبل الذكاة إذا شك فى ذكاته لم يزل التحريم إلا بيقين الذكاة والأصل فى ذلك حديث عدى المتقدم ذكره.

وعكس ذلك أن يكون الشىء حلالا فيشك فى تحريمه كرجل له زوجة فشك فى طلاقها أو أمة فيشك فى عتقها .فما كان من هذا القسم فهو على الإباحة حتى يعلم تحريمه والأصل فى هذا الحديث عبد الله بن زيد فيمن شك فى الحدث بعد أن تيقن الطهارة.

القسم الثالث :أن يشك فى شىء فلا يدرى أحلال أم حرام ويحتمل الأمرين جميعا ولا دلالة على أحدهما فالأحسن التنزه كما فعل النبى صلى الله عليه وسلم فى التمرة الساقطة حين وجدها فى بيته فقال" :لولا أنى أخشى أن تكون من الصدقة لأكلتها".

وأما إن جوز نقيض ما ترجح عنده بأمر موهوم لا أصل له كترك استعمال ماء باق على أوصافه مخافة تقدير نجاسة وقعت فيه أو كترك الصلاة فى موضع لا أثر فيه مخافة أن يكون فيه بول قد جف أو كغسل ثوب مخافة إصابة نجاسة لم يشاهدها ونحو ذلك فهذا يجب أن لا يلتفت إليه فإن التوقف لأجل التجويز هوس والورع منه وسوسة شيطان إذ ليس فيه من معنى الشبهة شىء والله أعلم(شرح الاربعين النووية لابن دقيق العيد، ج ا ص ۴۵، ۴۶، باب الحلال بين والحرام بين)

فصل :والمشكوك فيه على ثلاثة أضرب؛ الأول، ما أصله الحظر، كالذبيحة فى بلد فيها مجوس وعبدة أوثان يذبحون، فلا يجوز شراؤها وإن أمكن أن يكون ذابحها مسلما؛ لأن الأصل التحريم، فلا يزول إلا بيقين أو ظاهر.

وكذلك إن كان فيها أخلاط من المسلمين والمجوس، لم يجز شراؤها لذلك .والأصل فيه حديث عدى بن حاتم، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :إذا أرسلت كلبك، فخالط أكلبا لم يسم عليها، فلا تأكل، فإنك لا تدرى أيها قتله .متفق عليه .فأما إن كان ذلك فى بلد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

## چیزوں کے اندر پاک وحلال ہونا اصل ہے

گزشتہ کئی احادیث کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کے رسول نے سکوت رکھا ہو، اور اس پر حرام یا حلال ہونے کا حکم نہ لگایا ہو، تو وہ معاف یعنی حلال اور پاک ہے، جن سے شریعت کا یہ اُصول معلوم ہوگیا کہ جب تک کسی چیز میں شرعی اعتبار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإسلام، فالظاهر إباحتها لأن المسلمين لا يقرون في بلدهم بيع ما لا يحل بيعه ظاهرا .والثاني، ما أصله الإباحة، كالماء يجده متغيرا، لا يعلم أبنجاسة تغير أم بغيرها؟ فهو طاهر في الحكم؛ لأن الأصل الطهارة، فلا نزول عنها إلا بيقين أو ظاهر، ولم يوجد واحد منهما .والأصل في ذلك حديث عبد الله بن زيد، قال :شكي إلى النبي -صلى الله عليه وسلم -الرجل يخيل إليه في الصلاة أنه يجد الشيء ، قال :لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا. متفق عليه .والثالث، ما لا يعرف له أصل، كرجل في ماله حلال وحرام، فهذا هو الشبهة، التي الأولى تركها، على ما ذكرنا، وعملا بما روى عن النبي -صلى الله عليه وسلم -أنه وجد تمرة ساقطة، فقال :لولا أني أخشى أنها من الصدقة لأكلتها .وهو من باب الورع(المغني لابنِ قدامة، ج۴ص ۲۰۱، ۲۰۲، كتاب البيوع،فصل اشترى ممن في ماله حرام وحلال)

فأمَّا أن يكون ذلك التجويز بعيدًا لا مستند له أكثر من توهم ، وتقدير :فلا يلتفت إلى ذلك ، ويُلغى بكل حال .وهذا كترك النكاح من نساء بلدة كبيرة مخافة أن يكون له فيها ذات محرم من النسب أو الرِّضاع .أو كترك استعمال ماء باق على أوصافه في فلاة من الأرض مخافة تقدير نجاسة وقعت فيه ، أو كترك الصلاة على موضع لا أثر ، ولا علامة للنجاسة فيه ، مخافة أن يكون فيها بول قد جف .أو كتكرار غسل الثوب مخافة طروء نجاسة لم يشاهدها .إلى غير ذلك مما في معناه .فهذا النوع يجب ألا يلتفت إليه ، والتوقف لأجل ذلك التجويز هَوَسٌ .والورع فيه وسوسة شيطانية ؛ إذ ليس فيه من معنى الشبهة شيء ، وقد دخل الشيطان على كثير من أهل الخير من هذا الباب ، حتى يُعطِّل عليهم واجبات ، أو يُنقص ثوابها لهم .وسبب الوقوع في ذلك عدم العلم بالمقاصد الشرعية ، وأحكامها(المفهم للقرطبي،ومن باب اتِّقاء الشبهات)

وأما ما يخرج إلى باب الوسوسة من تجويز الأمر البعيد فهذا ليس من المشتبهات المطلوب اجتنابها، وقد ذكر العلماء له أمثلة؛ فقالوا :هو ما يقتضيه تجويز أمر بعيد كترك النكاح من نساء بلد كبير خوفا أن يكون له فيها محرم، وترك استعمال ماء في فلاة لجواز عروض النجاسة، أو غسل ثوب مخافة طرؤ نجاسة عليه لم يشاهدها، إلى غير ذلك مما يشبهه، فهذا ليس من الورع. وقال القرطبي :الورع في مثل هذا وسوسة شيطانية، إذ ليس فيها من معنى الشبهة شيء ، وسبب الوقوع في ذلك عدم العلم بالمقاصد الشرعية .قلت :من ذلك ما ذكره الشيخ الإمام عبد الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ناپا کی وحرمت ثابت نہ ہو، اس وقت تک اس چیز کو پاک وحلال قرار دیا جائے گا، کیونکہ اشیاء کے اندر پیدائش کے اعتبار سے اصل پاک وحلال ہونا ہے، اور کوئی چیز شرعی دلیل کی بنیاد پر ہی ناپاک یا حرام شمار ہوتی ہے۔ [1]

قرآن مجید کی آیات سے بھی اس اصول کی تائید ہوتی ہے، اور اس اصول کو بہت سے اہلِ علم حضرات نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا**(سورة البقرة، رقم الآیة ۲۹)

ترجمہ: وہی ذات ہے، جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ان سب چیزوں کو پیدا

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بن یوسف الجوینی، والد إمام الحرمین، فحکی عن قوم أنهما لا یلبسون ثیابا جددا حتی یغسلوها، لما فیها ممن یعانی قصر الثیاب، ودقها وتجفیفها، وإلقائها وهی رطبة علی الأرض النجسة، ومباشرتها بما یغلب علی الظن نجاسته من غیر أن یغسل بعد ذلک، فاشتد نکیره علیهم، وقال: هذه طریقة الخوارج الحروریة، أبلاهم الله، تعالی بالغلق فی غیر موضع القلق، وبالتهاون فی موضع الاحتیاط، وفاعل ذلک معترض علی أفعال النبی صلی الله علیه وسلم والصحابة، والتابعین، فانهم کانوا یلبسون الثیاب الجدد قبل غسلها، وحال الثیاب فی أعصارهم، کحالها فی أعصارنا، ولو أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بغسلها ما خفی، لأنه مما تعم به البلوی، وذکر أیضا :أن قوما یغسلون أفواههم إذا أکلوا الخبز خوفا من روث الثیران عند الدیاس، فإنها تقیم أیاما فی المداسة، ولا یکاد یخلو طحین عن ذلک .قال الشیخ :هذا غلو وخروج عن عادة السلف، وما روی أحد من الصحابة والتابعین أنهم رأوا غسل الفم من ذلک(عمدة القاری ،ج ۱،ص ۳۰۱،باب فضل من استبرأ لدینه)

[1] أقول :وصرح فی التحریر بأن المختار أن الأصل الإباحة عند الجمهور من الحنفیة والشافعیة اهـ وتبعه تلمیذه العلامة قاسم، وجری علیه فی الهدایة من فصل الحداد، وفی الخانیة من أوائل الحظر والإباحة .وقال فی شرح التحریر :وهو قول معتزلة البصرة وکثیر من الشافعیة وأکثر الحنفیة لا سیما العراقیین .قالوا :وإلیه أشار محمد فیمن هدد بالقتل علی أکل المیتة أو شرب الخمر فلم یفعل حتی قتل بقوله :خفت أن یکون آثما؛ لأن أکل المیتة وشرب الخمر لم یحرما إلا بالنهی عنهما، فجعل الإباحة أصلا والحرمة بعارض النهی .اهـ.

ونقل أیضا أنه قول أکثر أصحابنا وأصحاب الشافعی للشیخ أکمل الدین فی شرح أصول البزدوی، وبه علم أن قول الشارح فی باب استیلاء الکفار أن الإباحة رأی المعتزلة فیه نظر، فتدبر(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱ ص ۱۰۵،کتاب الطهارة،مطلب المختار أن الأصل فی الأشیاء الإباحة )

www.idaraghufran.org

کیا، جو زمین میں ہیں (سورہ بقرہ)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بہت سے حضرات نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ چیزوں میں اصل مباح وجائز ہونا ہے۔ [۱]

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورة الاعراف، رقم الآيات، ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکلو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند

---

[۱] والحلال ضد الحرام اى ما لم يمنعه الشرع فان الأصل فى الأشياء الحل لقوله تعالى خَلَقَ لَكُمْ ما فِى الْأَرْضِ جَمِيعاً طَيِّباً مستلذا وَلا تَتَّبِعُوا خُطُواتِ الشَّيْطانِ اى لا تقتدوا به فى اتباع الهوى فتحرموا الحلال وتحلوا الحرام (التفسير المظهرى، سورة البقرة، تحت رقم الآيات ۱۶۹، ۱۷۰)

(هُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُمْ مَا فِى الأرْضِ جَمِيعًا) أى :خلق لكم، برا بكم ورحمة، جميع ما على الأرض، للانتفاع والاستمتاع والاعتبار.

وفى هذه الآية العظيمة دليل على أن الأصل فى الأشياء الإباحة والطهارة، لأنها سيقت فى معرض الامتنان، يخرج بذلك الخبائث، فإن (تحريمها أيضا) يؤخذ من فحوى الآية، ومعرفة المقصود منها، وأنه خلقها لنفعنا، فما فيه ضرر، فهو خارج من ذلك، ومن تمام نعمته، منعنا من الخبائث، تنزيها لنا (تفسير السعدى، سورة البقرة، تحت رقم الآيات ۲۹)

هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا ثم استوى إلى السماء فسواهن سبع سماوات وهو بكل شيء عليم.

قال ابن كيسان :خلق لكم أى من أجلكم، وفيه دليل على أن الأصل فى الأشياء المخلوقة الإباحة حتى يقوم دليل يدل على النقل عن هذا الأصل، ولا فرق بين الحيوانات وغيرها مما ينتفع به من غير ضرر، وفى التأكيد بقوله :جميعا أقوى دلالة على هذا(فتح القدير للشوكانى، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۲۹)

(فلا تبحثوا عنها) أى :لا تفتشوا عن تلك الأشياء ، دل على أن الأصل فى الأشياء الإباحة كقوله تعالى :(هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا)هذا(مرقاة المفاتيح،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

استدل كثير من أهل السنة بالآية على أن الأصل فى الأشياء الإباحة، وقال صاحب (تفسير المنار) : إن هذه الجملة هى نص الدليل القطعى على القاعدة المعروفة عند الفقهاء :(إن الأصل فى الأشياء الإباحة (ابحاث هيئة كبار العلماء، ج۴ص ۲۲۴، مسئلة التأمين)

نہیں کرتا، آپ فرما دیجئے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے، اور کس نے پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے (سورہ اعراف)

تفسیرِ خازن میں اس آیت کے ضمن میں مذکور ہے کہ:

**وَفِی الْآیَةِ دَلِیْلٌ عَلٰی أَنَّ جَمِیْعَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ حَلَالٌ إِلَّا مَا خَصَّهُ الشَّرْعُ دَلِیْلٌ فِی التَّحْرِیْمِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِیْ جَمِیْعِ الْأَشْیَاءِ اَلْإِبَاحَةُ إِلَّا مَا حَظَرَهُ الشَّارِعُ وَثَبَتَ تَحْرِیْمُهٗ بِدَلِیْلٍ مُنْفَصِلٍ** (تفسیر الخازن، ج۲ص۱۹۴، سورة الاعراف)

ترجمہ: اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام کھانے اور پینے کی چیزیں حلال ہیں، سوائے ان چیزوں کے جن کو شریعت نے حرام قرار دینے کی کوئی خاص دلیل قائم کردی ہے، کیونکہ تمام چیزوں میں اصل مباح وجائز ہونا ہے، سوائے ان چیزوں کے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز قرار دے دیا ہے، اور ان کا حرام ہونا کسی مستقل دلیل سے ثابت ہو جائے (تفسیر خازن)

اور عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

**وَهِیَ نَوْعَانِ حَیَوَانٌ وَغَیْرُهٗ، فَأَمَّا غَیْرُ الْحَیَوَانِ فَکُلُّهٗ مَبَاحٌ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِی الْأَشْیَاءِ اَلْإِبَاحَةُ، لِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعاً، إِلَّا مَا کَانَ نَجِسًا، فَإِنَّهٗ حَرَامُ الْأَکْلِ بِدَلِیْلِ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحُمُرِ الْأَهْلِیَّةِ: اَکْفِئُوْهَا فَإِنَّهَا رِجْسٌ، وَقَالَ سُبْحَانَهٗ: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ، وَالرِّجْسُ اِسْمٌ لِمَا اِسْتُقْذِرَ، وَالنَّجِسُ مُسْتَقْذَرٌ، وَقَدْ أَمَرَ فِیْ أَثْنَاءِ الْآیَةِ بِاجْتِنَابِهٖ بِقَوْلِهٖ: فَاجْتَنِبُوْهُ، فَدَلَّ عَلٰی تَحْرِیْمِهٖ، وَالْمُضِرُّ**

حَرَامٌ أَيْضًا لِضَرَرِهٖ، كَالسُّمُوْمِ وَنَحْوِهَا.

مَسْأَلَةٌ: وَالْأَشْرِبَةُ كُلُّهَا مَبَاحَةٌ،لِأَنَّ الْأَصْلَ اَلْإِبَاحَةُ، إِلَّا مَا أَسْكَرَ (العدة شرح العمدة لعبد الرحمن بن إبراهيم المقدسي، ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الأطعمة)

ترجمہ: اور وہ (یعنی کھانے کی اشیاء) دوطرح کی ہیں، ایک جانور، اور دوسری جانور کے علاوہ، پس حیوان کے علاوہ سب چیزیں مباح ہیں (جب تک شریعت کی کسی دلیل سے حرام وناجائز ہونا ثابت نہ ہو) کیونکہ اشیاء میں اصل مباح وجائز ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ:

" هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا "

''یعنی وہی ذات ہے، جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ان سب چیزوں کو پیدا کیا، جو زمین میں ہیں''

لیکن جو چیزیں نجس وناپاک ہیں، تو ان کا کھانا حرام ہے، جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پالتو گدھے کے (گوشت کے) متعلق یہ فرمان ہے کہ ان کو پھینک دو، کیونکہ یہ ناپاک ہے، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب رجس (وناپاک) ہیں، رجس ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جو گندی وغلیظ ہو، اور نجس گندی وغلیظ ہوتی ہے، اور آیت کے درمیان میں اس سے بچنے کا ان الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ تم اس سے بچو، جو کہ اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے، اور مضر ونقصان دہ چیز بھی حرام ہے، اس کے مضر ونقصان دہ ہونے کی وجہ سے، جیسا کہ زہر وغیرہ۔

مسئلہ: اور تمام مشروبات بھی مباح وجائز ہیں، کیونکہ (کھانے پینے کی چیزوں میں) اصل مباح وجائز ہونا ہے (جیسا کہ پہلے گزرا) مگر نشہ آور چیز مباح وجائز نہیں (العدۃ)

اور حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ، مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

أَهْدَى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِىْ أَذَكَّاهُمَا أَمْ لَا،وَفِى الْحَدِيْثِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْأَصْلَ فِى الْأَشْيَاءِ الْمَجْهُوْلَةِ هُوَ الطَّهَارَةُ (مرقاۃ المفاتیح، ج۷ص ۲۸۱۳، کتاب اللباس، باب النعال)

ترجمہ: دحیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزے اور جبہ ہدیہ کیا، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا (اور استعمال فرمایا) یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، یہ معلوم نہیں کہ وہ پاک تھے یا نہیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاک نہیں کیا) اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نامعلوم چیزوں کے اندر اصل پاک ہونا ہی ہے (مرقاۃ)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور کپڑوں کی شکل میں دوسروں کی طرف سے جو ہدیہ حاصل ہوا، آپ نے اس کو استعمال فرمایا، اور پاک کرنے کا اہتمام یا تحقیق نہیں فرمائی، اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز میں معتبر و مستند دلیل سے ناپاکی ثابت نہ ہو، وہ اپنی اصل کے اعتبار سے پاک سمجھی جائے گی۔

اور علامہ عینی رحمہ اللہ، بخاری کی شرح میں ایک حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَفِيْهِ:أَنَّ الْأَصْلَ فِى الْأَشْيَاءِ اَلطَّهَارَةُ لِتَنَاوُلِهٖ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنَ الشَّرَابِ الَّذِىْ غُمِسَتْ فِيْهِ الْأَيْدِىْ (عمدۃ القاری للعینی، ج۹ص ۲۷۶، کتاب الحج، باب سقایۃ الحاج)

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل اشیاء کے اندر پاکی کا ہونا

ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشروب کو تناول فرمایا، جس میں مختلف ہاتھ ڈالے جارہے تھے (عمدۃ القاری)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مشروب نوش فرمایا کہ جس میں مختلف لوگوں نے ہاتھ ڈالے تھے، اور یہ معلوم نہیں تھا کہ کس کس کے ہاتھ پاک ہیں؟ جس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اشیاء کے اندر اصل پاک ہونا ہے، نہ کہ ناپاک ہونا۔

اور شرح وقایہ کی شرح سعایہ میں ہے کہ:

فَـمَـا لَمْ يَقُمْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ مُعْتَدٌّ بِهٖ يُعْمَلُ بِالْاَصْلِ اِذِ الْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ اَلطَّهَارَةُ (السعاية فی کشف ما فی شرح الوقاية، ج ا ص ۵۱۸)

ترجمہ: پس جب تک کہ کوئی معتبر دلیل قائم نہ ہو، اس وقت تک اصل پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ اشیاء کے اندر اصل پاکی کا ہونا ہے (سعایہ)

مطلب واضح ہے کہ کسی چیز کے پاک ہونے کے لئے تو دلیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اصل چیزوں کے اندر پاک ہونا ہے، اور جب تک اس کے مقابلہ میں معتبر ومضبوط دلیل نہ ہو، جو پہلے یقین کو ختم کردے، اس وقت تک اصل کو ترجیح حاصل ہوکر وہ چیز پاک قرار دی جائے گی۔

اور علامہ زحیلی فرماتے ہیں کہ:

اَلْأَصْـلُ فِي الْأَشْيَاءِ اَلْإِبَاحَةُ مَالَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ مُعْتَبَرٌ عَلَى الْحُرْمَةِ، كَمَا أَنَّ الْأَصْـلَ فِـي الْأَشْيَـاءِ كُـلِّهَـا اَلـطَّهَـارَةُ مَالَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ مُعْتَبَرٌ عَلَى النَّجَاسَةِ (الفقه الاسلامی وادلته، ج۷ص ۵۲۶۴، معالم النظام الاقتصادی فی الاسلام)

ترجمہ: اشیاء کے اندر اصل مباح وجائز ہونا ہے، جب تک کہ کوئی معتبر دلیل حُرمت کی قائم نہ ہو، جیسا کہ تمام اشیاء کے اندر اصل پاک ہونا ہے، جب تک کہ کوئی معتبر دلیل نجاست وناپاکی کی قائم نہ ہو (فقہ الاسلامی وادلتہ)

اس عبارت کا مطلب بھی واضح ہے۔

اور امام مناوی رحمہ اللہ ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَفِيهِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الطَّهَارَةُ وَإِنْ غَلَبَ ظَنُّ النَّجَاسَةِ (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۳۵۹۵)

ترجمہ: اور اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء کے اندر اصل پاکی کا ہونا ہے، اگرچہ نجاست کا ظن غالب ہو (فیض القدیر)

مطلب یہ ہے کہ چیزوں کے اندر اصل کے اعتبار سے پاک ہونا ہے، جس کا درجہ یقین کا ہے، اور اس کے مقابلہ میں جب تک اس درجہ کی چیز نہ آجائے، اس وقت تک اسے ناپاک نہیں کہا جائے گا، اگرچہ شک یا ظن کے درجہ کی چیز مقابلہ میں کیوں نہ آجائے۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ ''یقین شک سے زائل و ختم نہیں ہوا کرتا''۔

بعض فقہائے کرام نے غالب گمان کی مزید وضاحت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک غالب گمان کا درجہ یقین سے کمزور ہوتا ہے۔

چنانچہ محیط البرہانی میں ہے کہ:

يُكْرَهُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ فِي أَوَانِي الْمُشْرِكِينَ قَبْلَ الْغَسْلِ؛ لِأَنَّ الْغَالِبَ وَالظَّاهِرَ مِنْ حَالِ أَوَانِيهِمُ النَّجَاسَةُ، فَإِنَّهُمْ يَسْتَحِلُّونَ الْخَمْرَ وَالْمَيْتَةَ وَيَشْرَبُونَ ذٰلِكَ، وَيَأْكُلُونَ مِنْ قُصَاعِهِمْ وَأَوَانِيهِمْ، فَكُرِهَ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ فِيهَا قَبْلَ الْغَسْلِ اِعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ، كَمَا كُرِهَ التَّوَضُّؤُ بِسُؤْرِ الدَّجَاجَةِ؛ لِأَنَّهَا لَا تَتَوَقّٰى مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي الْغَالِبِ وَالظَّاهِرِ، مَعَ هٰذَا لَوْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ فِيهَا قَبْلَ الْغَسْلِ جَازَ، وَلَا يَكُونُ آكِلًا وَلَا شَارِبًا حَرَامًا؛ لِأَنَّ الطَّهَارَةَ فِي الْأَشْيَاءِ أَصْلٌ وَالنَّجَاسَةَ عَارِضٌ، فَيَجْرِي عَلَى الْأَصْلِ حَتّٰى يُعْلَمَ حُدُوثُ الْعَارِضِ، وَمَا يَقُولُ بِأَنَّ

الظَّاهِرَ هُوَ النَّجَاسَةُ، قُلْنَا: نَعَمْ، وَلٰكِنَّ الطَّهَارَةَ كَانَتْ ثَابِتَةً، وَالْيَقِيْنُ لَا يَزَالُ إِلَّا بِيَقِيْنٍ مِثْلِهٖ؛ أَلَا تَرٰى أَنَّهٗ لَوْ أَصَابَ عَضْوَ إِنْسَانٍ أَوْ ثَوْبَهٗ سُؤْرُ الدَّجَاجَةِ، أَوِ الْمَاءِ الَّذِیْ أَدْخَلَ الصَّبِیُّ فِیْهِ يَدَهٗ، وَصَلّٰی مَعَ ذٰلِكَ جَازَتْ صَلَاتُهٗ، وَطَرِيْقُهٗ مَا قُلْنَا: أَنَّ الْأَصْلَ فِی الْأَشْيَاءِ الطَّهَارَةُ، وَقَدْ تَيَقَّنَّا بِالطَّهَارَةِ وَشَكَكْنَا فِی النَّجَاسَةِ فَلَا تَثْبُتُ النَّجَاسَةُ بِالشَّكِّ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ يُعْلَمْ بِنَجَاسَةِ الْأَوَانِیْ.

فَأَمَّا إِذَا عَلِمَ فَإِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ أَنْ يَّشْرِبَ وَيَأْكُلُ مِنهَا قَبْلَ الْغَسْلِ، وَلَوْ شَرِبَ أَوْ أَكَلَ كَانَ شَارِبًا وَآكِلًا حَرَامًا، وَهُوَ نَظِيْرُ سُؤْرِ الدَّجَاجَةِ إِذَا عَلِمَ أَنَّهٗ كَانَ عَلٰی مِنْقَارِهَا نَجَاسَةٌ، فَإِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ الْوُضُوْءُ بِهٖ.

وَالصَّلَاةُ فِیْ سَرَاوِيْلِهِمْ نَظِيْرُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مِنْ أَوَانِيْهِمْ، إِنْ عَلِمَ أَنَّ سَرَاوِيْلَهُمْ نَجِسَةٌ لَا تَجُوْزُ الصَّلَاةُ فِيْهَا، وَإِنْ لَّمْ يَعْلَمْ تَكْرَهُ الصَّلَاةُ فِيْهَا، وَلَوْ صَلّٰی يَجُوْزُ.

وَلَا بَأْسَ بِطَعَامِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی كُلِّهٖ مِنَ الذَّبَائِحِ وَغَيْرِهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الذَّبِيْحَةِ وَغَيْرِهَا، وَيَسْتَوِی الْجَوَابُ بَيْنَ أَنْ يَّكُوْنَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ اَوْ مِنْ غَيْرِ اَهْلِ الْحَرْبِ ، وَكَذَا يَسْتَوِی الْجَوَابُ بَيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی مِنْ بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ أَوْ مِنْ غَيْرِهِمْ، كَنَصَارَی الْعَرَبِ؛ لِأَنَّ مَا تَلَوْنَا مِنَ الْآيَةِ لَايُوْجِبُ الْفَصْلَ.

وَلَا بَأْسَ بِطَعَامِ الْمَجُوْسِ كُلِّهٖ إِلَّا الذَّبِيْحَةَ، فَإِنَّ ذَبِيْحَتَهُمْ حَرَامٌ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: سُنُّوْا بِالْمَجُوْسِ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِیْ نِسَائِهِمْ، وَلَا آكِلِیْ ذَبَائِحِهِمْ .

وَلَمْ يَذْكُرْ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْأَكْلَ مَعَ الْمَجُوْسِيِّ وَمَعَ غَيْرِهٖ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ أَنَّهٗ هَلْ يَحْرُمُ أَمْ لَا، وَحُكِيَ عَنِ الْحَاكِمِ الْإِمَامِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكَاتِبِ أَنَّهٗ إِنِ ابْتَلٰى بِهِ الْمُسْلِمُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ، فَأَمَّا الدَّوَامُ عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ؛ لِأَنَّا نُهِيْنَا عَنْ مُخَالَطَتِهِمْ وَمُوَالَاتِهِمْ وَتَكْثِيْرِ سَوَادِهِمْ، وَذٰلِكَ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْأَكْلِ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالدَّوَامِ عَلَيْهِ (المحيط البرهانی) [1]

ترجمہ: مشرکوں کے (نہ کہ اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے استعمالی) برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے، کیونکہ ان کے برتنوں کی ظاہری اور غالب حالت ناپاک ہونا ہے، کیونکہ وہ شراب اور مردار کو حلال سمجھتے ہیں، اور وہ ان چیزوں کو اپنے کٹوروں اور برتنوں میں کھاتے پیتے ہیں، تو ان کے (استعمالی) برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہوگیا، ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے، جیسا کہ مرغی کے جھوٹے سے وضو کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ اکثر وبیشتر ناپاک چیزوں سے پرہیز نہیں کرتی، لیکن اس کے باجود اگر کوئی مرغی کے جھوٹے کو دھونے سے پہلے کھا پی لے، تو جائز ہے، اور وہ حرام کھانے پینے والا شمار نہیں ہوگا، کیونکہ اشیاء کے اندر پاکی اصل ہے، اور نجاست عارضی ہے، پس اصل کا حکم اس وقت تک جاری ہوگا، جب تک کہ عارضی چیز کا پیدا ہونا ثابت ومعلوم نہ ہوجائے، اور جو یہ بات ہے کہ (مشرکوں کے برتنوں کی حالت کا) ناپاک ہونا ظاہر وغالب ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ بے شک! لیکن پاکی (اصل کے اعتبار سے) ثابت تھی، اور یقین اسی وقت ختم ہوتا ہے، جبکہ اس جیسا یقین مقابلہ میں آئے، کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اگر کسی انسان کے عضو یا کپڑے پر مرغی کا جھوٹا لگ جائے، یا وہ پانی جس میں

---

[1] ج۸ص۶۸،۶۹، کتاب الکراهية والاستحسان، الفصل السادس عشر اهل الذمة والاحكام التى تعود اليهم، مطبوعة: ادارة القرآن كراتشى.

Idara Ghufran

بچہ اپنا ہاتھ ڈال دے، اور وہ انسان اس کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس کی نماز جائز ہوجائے گی، اور اس کی وجہ وہی ہے، جو ہم نے ذکر کی کہ اصل چیزوں کے اندر پاک ہونا ہے، اور پاکی کا یقین حاصل ہے، اور ناپاک ہونے میں شک ہے، تو ناپاکی شک کی وجہ سے ثابت نہیں ہوگی۔

اور مشرکوں کے برتنوں کے استعمال کا مذکورہ حکم اس وقت ہے، جبکہ برتنوں کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو، اور اگر یہ ثابت ہوجائے تو پھر ان کو دھونے سے پہلے کھانا پینا جائز نہیں، اور اگر کوئی کھائے یا پئے گا تو وہ حرام کھانے و پینے والا شمار ہوگا، جیسا کہ مرغی کا جھوٹا، جبکہ ثابت ہو کہ اس کی چونچ پر نجاست و غلاظت لگی ہوئی تھی، تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔

اور مشرکوں کے (استعمالی) پاجاموں (اور لباسوں) میں نماز پڑھنے کا حکم ان کے برتنوں میں کھانے پینے کی طرح ہے، اگر ثابت ہو کہ ان کے پاجامے (ولباس) ناپاک ہیں، تو ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اور اگر ثابت نہ ہو، تو نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر کوئی پڑھے، تو جائز ہے۔

اور یہود و نصاریٰ کے ہر طرح کے کھانوں (اور ان کے لباس و برتنوں کے استعمال) میں حرج نہیں، خواہ وہ ان کے ذبیحوں کا گوشت ہو، یا کوئی اور کھانا ہو، اللہ تعالیٰ کے قول ''**وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم**'' کی وجہ سے، جس میں ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کی کوئی تفصیل نہیں بتلائی گئی، اور یہ حکم عام ہے ان یہود ونصاریٰ کے بارے میں بھی، جو اہلِ حرب (یعنی کافروں کے ملک) سے تعلق رکھتے ہیں یا غیر اہلِ حرب سے تعلق رکھتے ہیں، اور اسی طریقہ سے یہ حکم عام ہے، ان یہود ونصاریٰ کے بارے میں بھی، جو بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں، یا ان کے علاوہ سے، جیسا کہ عرب کے نصاریٰ، کیونکہ جو ہم نے آیت ذکر کی ہے، وہ

کوئی تفصیل ثابت نہیں کرتی۔

اور مجوس (یعنی آگ پرست مشرک) کا ہر طرح کا کھانا جائز ہے، سوائے ذبیحہ کے، کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہلِ کتاب کی طرح کا برتاؤ کرو، سوائے اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو، اور ان کے ذبیحوں کو نہ کھاؤ۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب میں مجوسیوں اور دوسرے مشرکوں کے ساتھ مِل کر کھانے کا حکم بیان نہیں کیا کہ وہ حرام ہے یا حلال؟ حاکم امام عبدالرحمٰن کاتب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اگر مشرک کے ساتھ مسلمان (کھانا کھانے میں) ایک دو مرتبہ مبتلا ہو، تو کوئی حرج نہیں، لیکن ہمیشہ ایسا کرتے رہنا مکروہ ہے، کیونکہ ہمیں مشرکوں کے ساتھ اختلاط اور دوستی رکھنے اور ان کی جماعت کی کثرت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ چیز ان کے ساتھ ایک دو مرتبہ کھانے سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ہمیشہ ایسے کرتے رہنے سے ثابت ہوتی ہے (محیط البرہانی)

گزشتہ تفصیل سے مشتبہ و مشکوک چیزوں کی اقسام و احکام کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چیزوں کے اندر حلال و پاک ہونا اصل ہے، اور کسی چیز میں حرمت و نجاست کسی شرعی دلیل سے ہی ثابت ہوتی ہے، اس لئے بغیر کسی معقول دلیل کے شک اور وسوسہ کی وجہ سے ہر دوسری، تیسری چیز میں حرام یا ناپاک ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(فصل نمبر ۶)

# پانی کی نجاست سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگ بلا شرعی دلیل کے صرف وسوسہ میں مبتلا ہو کر پانی کو نجس و ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوتے ہیں، اور بعض اوقات اس پانی سے وضو یا غسل نہ کر کے نماز تک قضا کر دیتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ ریل کے پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں اور سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ جب جنگل وغیرہ میں ہوتے ہیں، اور کہیں پانی پاتے ہیں، تو اس کو ناپاک سمجھ کر وضو نہیں کرتے، اور اسی طرح بعض لوگ وسوسوں کی وجہ سے حمام کے پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور ضرورت پڑنے پر غسل نہیں کرتے، اور نماز قضاء کر دیتے ہیں، جبکہ بعض لوگ اس سلسلہ میں بہت زیادہ آگے بڑھ جاتے ہیں، اور مسجد کے حوض اور اسی طرح گھروں اور مساجد کی ٹینکی اور ٹینکوں اور اسی طرح سرکاری نل سے آنے والے پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور اس پانی سے ضرورت پڑنے پر نہ وضو کرتے ہیں، اور نہ ہی غسل کرتے ہیں، جب تک کہ اس پانی کے پاک ہونے کی قوی دلیل اور تسلی حاصل نہ کر لیں۔

بعض لوگ بارش کے پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور کہیں راستہ وغیرہ میں بارش کے پانی کی چھینٹیں بدن یا لباس پر پڑ جائیں، تو بدن یا لباس کو ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اس کو دھوئے بغیر یا کپڑے تبدیل کئے بغیر نماز نہیں پڑھتے۔

## پانی کے اندر پاک ہونا اصل ہے

حالانکہ پانی اپنی پیدائش اور اصل کے لحاظ سے پاک ہے اور پانی کی پاکی کے بارے میں شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ:

''اَلْیَقِیْنُ لَایَزُوْلُ بِالشَّکِّ''

جس کا مطلب یہ ہے کہ:

''یقینی چیز شک وشبہ سے ختم نہیں ہوتی''

پانی کے سلسلہ میں اس اصول پر عمل کرنا چاہئے کہ پانی اپنی اصل پیدائش کے اعتبار سے پاک ہے، لہٰذا جب تک کسی مستند ومعتبر دلیل سے اس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہوجائے تو اس کو پاک ہی سمجھا جائے گا۔

اور شک یا وہم اور وسوسہ وغیرہ کی وجہ سے اس کو ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا۔ [1]

## پانی سے مخلوق کی پیدائش

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ چیز اور مخلوق کو پانی سے پیدا کیا ہے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ پانی اپنی ذات میں پاک ہو، ورنہ اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز کا پاک ہونا بھی مشکل ہوگا۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ (سورة الانبياء ،رقم الآية ۳۰ پاره ۱۷)

ترجمہ: اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے، پھر کیا یہ لوگ یقین نہیں کرتے؟ (سورہ انبیاء)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] الأصل فی الماء والید الطهارة، فلا ینجس بالشک (شرح ابوداؤد للعینی، ج ۱ ص ۲۷۷، کتاب الطهارة، باب :فی الرجل یدخل یده فی الإناء قبل أن یغسلها)

الأصل فی الماء والید الطهارة فلا ینجس بالشک وقواعد الشرع متظاهرة علی هذا (شرح النووی علی مسلم، ج۳ص ۱۸۰، کتاب الطهارة، باب کراهة غمس المتوضیء وغیره یده المشکوک فی نجاستها فی الإناء)

www.idaraghufran.org

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ (سورة النور، رقم الآية ۴۵، پاره ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ (ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (خشکی کا ہو یا پانی کا) پانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان میں بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں (جیسے چوپائے) (سورہ نور)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كُلُّ شَىْءٍ خُلِقَ مِنَ الْمَاءِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے (مسند احمد)

## بارش و برفباری اور زمین کے پانی کے پاک ہونے کا ثبوت

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (سورة الفرقان، رقم الآية، ۴۸، پاره ۱۹)

ترجمہ: اور ہم نے نازل کیا آسمان سے انتہائی پاک پانی (سورہ فرقان)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (سورة الانفال، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: اور (اس اللہ نے) نازل کیا تم پر آسمان سے پانی تاکہ تمہیں اس پانی کے

[1] رقم الحديث ۸۲۹۵، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

ذریعہ خوب پاک کردے (سورہ انفال)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (سورة الرعد، رقم الآية ۱۷)

ترجمہ: نازل کیا (اللہ نے) آسمان سے پانی، پھر نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے (سورہ رعد)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسۡكَنَّاهُ فِي الۡأَرۡضِ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: اور آسمان سے ہم نے ایک خاص مقدار میں پانی نازل کیا، اور اس کو زمین میں ٹھہرادیا (سورہ مؤمنون)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمۡ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الۡأَرۡضِ (سورة الزمر، رقم الآية ۲۱)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے نازل کیا، آسمان سے پانی، پھر اس کو زمین کے سوتوں میں پہنچادیا (سورہ زمر)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعَاهَا وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ (سورة النازعات، رقم الآيات ۳۱ تا ۳۳، پاره ۳۰)

ترجمہ: باہر نکالا زمین سے اس کا پانی اور چارہ، اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کردیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں (چوپایوں) کے فائدہ پہنچانے کے لئے (سورہ نازعات)

Idara Ghufran

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بارش کا پانی انتہائی پاک ہے، یعنی وہ خود بھی پاک ہے، اور دوسری ناپاک چیزوں کو بھی پاک کرنے والا ہے، اور بارش کے پانی میں وہ نالے اور دریا بھی داخل ہیں، جن سے یہ پانی بہتا ہوا گزرتا ہے، اور جہاں ٹھہرتا ہے، اور زمین کے اندر پہنچتا ہے۔

اور بعض اوقات یا بعض علاقوں میں جو برف باری ہوتی ہے، اس کا حکم بھی آسمان سے برسے ہوئے پانی یعنی بارش کی طرح ہے کہ وہ بھی انتہائی پاک ہے۔

لہٰذا اس برف سے پگھلنے اور اس سے جاری ہونے والے چشموں کا پانی بھی پاک ہے، اور دریاؤں اور ڈیموں میں بھی عموماً بارش و برف باری کا پگھلا ہوا پانی جمع ہوتا ہے، لہٰذا ڈیموں اور دریاؤں میں بارش و آسمانی پگھلے ہوئے برف کا جمع شدہ پانی بھی پاک ہے، اور کنوؤں کا پانی بھی پاک ہے، خواہ مٹی وغیرہ کی وجہ سے پانی کا رنگ گدلا ہو۔

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعاء منقول ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ عَنِّیْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ (بخاری) [1]

ترجمہ: اے اللہ! میری خطاؤں کو مجھ سے اولے (وبرف باری) کے پانی اور ٹھنڈے پانی سے دھو دیجئے (بخاری)

جس سے معلوم ہوا کہ اولے وبرف باری کا پانی پاک ہے۔ [2]

اور احادیث میں سمندر اور دریاؤں کے پانی اور دوسرے عام پانی کو بھی پاک قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی مَاءِ الْبَحْرِ: هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ، اَلْحَلَالُ مَيْتَتُهُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۷۲۳۳) [3]

---

[1] رقم الحديث ٦٣٦٨، كتاب الدعوات، باب الدعاء فى الصلاة، عن عائشة.

[2] لا خلاف بين الفقهاء فى جواز التطهر بماء الثلج إذا ذاب. وإنما الخلاف بينهم فى استعماله قبل الإذابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٩ ص ٣٥٦، مادة "مياه")

[3] فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر (ودریا) کے پانی کے بارے میں فرمایا کہ اس کا پانی انتہائی پاک ہے، اوراس کا مُردار حلال ہے (مسنداحمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ نَاسًا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّا نَبْعُدُ فِي الْبَحْرِ، وَلَا نَحْمِلُ مَعَنَا مِنَ الْمَاءِ إِلَّا الْإِدَاوَةَ وَالْإِدَاوَتَيْنِ، لِأَنَّا لَا نَجِدُ الصَّيْدَ حَتّٰى نَبْعُدَ، أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَإِنَّهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ، اَلطَّهُورُ مَاؤُهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۹۱۲،سنن الترمذی، رقم الحديث ۶۹) ۱

ترجمہ: کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کہ ہم سمندر (ودریا) میں دور چلے جاتے ہیں، اور ہمارے ساتھ پانی کا صرف ایک اور دو برتن ہوتے ہیں، کیونکہ جب تک ہم دور نہ جائیں، ہم شکار نہیں پاتے، تو کیا ہم سمندر (ودریا) کے پانی سے وضو کرلیا کریں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! اس کا مردار حلال ہے، اس کا پانی انتہائی پاک ہے (مسنداحمد)

اس طرح کی حدیث حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۲

---

۱ قال الترمذی: وفی الباب عن جابر، والفراسی، هذا حديث حسن صحيح "وهو قول أكثر الفقهاء من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم، منهم: أبو بكر، وعمر، وابن عباس، لم يروا بأسا بماء البحر "وقد كره بعض أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم الوضوء بماء البحر، منهم: ابن عمر، وعبد الله بن عمرو، وقال عبد الله بن عمرو: هو نار"

وفی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

۲ عن علی بن أبی طالب، قال: سئل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن ماء البحر فقال: هو الطهور ماؤه الحل ميتته (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۹۹)

عن جابر بن عبد الله، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال فی البحر: "هو الطهور ماؤه الحل ميتته" (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۰۱۲)

فی حاشية مسند احمد: صحيح وهذا إسناد حسن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ سمندر ودریا کا پانی نہ صرف یہ کہ پاک ہوتا ہے، بلکہ انتہائی پاک ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود پاک ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری چیزوں کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسا کہ بارش کے پانی کے بارے میں بھی گزرا۔ [1]

اور سمندر ودریا کے مردار کے حلال ہونے سے مراد بعض فقہاء کے نزدیک مچھلی اور مچھلی کی تمام اقسام ہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک مچھلی اور اس کی تمام اقسام کے علاوہ اور بھی کئی جانور حلال ہیں، جس کی تفصیل آگے پاکی، ناپاکی اور حلال وحرام جانور واشیاء کے مسائل کے بیان میں آتی ہے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخبرنا يحيى، عن عبد الله بن المغيرة بن أبي بردة الكناني أنه أخبره،أن بعض بني مدلج أخبره، أنهم كانوا يركبون الأرماث في البحر للصيد، فيحملون معهم ماء للشفة فتدركهم الصلاة وهم في البحر، وأنهم ذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقالوا :إن نتوضأ بمائنا عطشنا، وإن نتوضأ بماء البحر وجدنا في أنفسنا فقال لهم ": هو الطهور ماؤه، الحلال ميتته "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٠٩٦)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره

عن ابن عباس، قال :سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن ماء البحر، فقال :ماء البحر طهور(مستدرك حاكم،رقم الحديث ٤٩٠)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، وشواهده كثيرة ولم يخرجاه فاول شواهده.

وقال الذهبي في التلخيص:على شرط مسلم

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :ميتة البحر حلال، وماؤه طهور(مستدرك حاكم،رقم الحديث ٥٠١)

عن ابن الفراسي، قال :كنت أصيد، وكانت لي قربة أجعل فيها ماء ، وإني توضأت بماء البحر، فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :هو الطهور ماؤه، الحل ميتته(سنن ابن ماجه،رقم الحديث٣٨٧)

[1] فيه دلالة على أن الطهور هو المطهر خلافا لأبي حنيفة في قوله :الطهور هو الطاهر .قلت: ليت شعري من نقل هذا عن أبي حنيفة، وكيف يقول ذلك والطهور صيغة مبالغة فإذا كان بمعنى طاهر يفوت المقصود(عمدة القارى،كتاب المناقب ،باب علامات النبوة في الإسلام)

[2] ( "الحل ميتته ") : فالميت من السمك حلال بالاتفاق، وفيما عداه خلاف محله كتب الفقه(مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٤٥٢، باب احكام المياه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت سنان بن سلمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ مَاءِ الْبَحْرِ ؟ فَقَالَ: بَحْرَانِ لَا يَضُرُّكَ مِنْ أَيِّهِمَا تَوَضَّأْتَ ؛ مَاءُ الْبَحْرِ وَمَاءُ الْفُرَاتِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"هو الطهور ماؤه الحل ميتته "وجملة حيوان الماء على قسمين سمك وغيره، فأما السمك فميتته حلال مع اختلاف أنواعها ولا فرق بين أن يموت بسبب أو بغير سبب، وعند أبى حنيفة لا يحل إلا أن يموت بسبب من وقوع على حجر أو انحسار ماء عنه فيحل لحديث أبى الزبير عن جابر عند أبى داود" :ما ألقاه البحر أو جزز عنه فكلوه وما مات فيه فطفا فلا تأكلوه "لكنه مطعون فيه من جهة يحيى بن سليم لسوء حفظه وصحح كونه موقوفا، وحينئذ فقد عارضه قول أبى بكر وغيره والقياس يقتضى حله لأن السمك لو مات فى البر لأكل بغير تأويل، وأما غير السمك فقسمان : قسم يعيش فى البر كالضفدع والسرطان والسلحفاة فلا يحل أكله وقسم يعيش فى الماء ولا يعيش فى البر إلا عيش المذبوح فاختلف فيه فقيل :لا يحل منه شيء إلا السمك وهو قول أبى حنيفة، وقيل :إن ميت الكل حلال لأن كلها سمك وإن اختلفت صورتها كالجرى وهو قول مالك وظاهر مذهب الشافعى وذهب قوم إلى أن ما له نظير فى البر يؤكل فميتته من حيوانات البحر حلال وهو كبقر الماء ونحوه وما لا يؤكل نظيره فى البر لا تحل ميتته من حيوانات البحر ككلب الماء والخنزير وكذا حمار الوحش، وإن كان له شبه فى البر حلال وهو حمار الوحش لأن له شبها حراما وهو الحمار الأهلى تغليبا للتحريم، كذا قال فى الروضة وشرح المهذب، والمفتى به حل الجميع إلا السرطان والضفدع والتمساح والسلحفاة لخبث لحمها وللنهى عن قتل الضفدع(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج٨ص٢٦٨، كتاب الذبائح والصيد)

ويجوز عند جمهور الفقهاء :(المالكية والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعية) صيد وأكل جميع حيوانات البحر سواء أكانت سمكا أم غيره، لقوله تعالى :(أحل لكم صيد البحر وطعامه)أى مصيده ومطعومه، ولقوله صلى الله عليه وسلم :هو الطهور ماؤه الحل ميتته

وفى قول عند الشافعية :لا يحل ما ليس على صورة السمك المشهورة، وفى قول آخر عندهم :إن أكل مثله فى البر كالبقر والغنم حل، وإلا فلا

لكن الشافعية والحنابلة استثنوا من الحل الضفدع، والتمساح، والحية؛ وذلك لنهيه صلى الله عليه وسلم عن قتل الضفدع ولاستخباث الناس التمساح، ولأكله الناس، وللسمية فى الحية .

أما الحنفية فقالوا :لا يؤكل مائى إلا السمك غير طاف، لقوله تعالى :(ويحرم عليهم الخبائث) وما سوى السمك خبيث، لقوله صلى الله عليه وسلم :أحلت لنا ميتتان ودمان، أما الميتتان فالسمك والجراد، وأما الدمان فالكبد والطحال .وأما الطافى فيكره أكله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص١٣٢، مادة "صيد")

[1] رقم الحديث ١٣٩٢، كتاب الطهارة، باب من رخص فى الوضوء بماء البحر.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سمندر کے پانی کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دو سمندروں میں سے جس پانی سے آپ وضو کرنا چاہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، ایک تو عام سمندر کا پانی، اور دوسرے دریائے فرات کا پانی (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں سمندر کے ساتھ دریا کو بھی ''بحر'' کہا جاتا ہے، اور دریائے فرات کا ذکر بطورِ مثال کے یا اس لئے کیا گیا کہ وہاں قریب میں یہی دریا تھا، ورنہ دوسرے دریاؤں کا بھی یہی حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ سمندر اور عام دریا کے پانی سے وضو، غسل کرنا اور اس کو دوسری ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ پاک پانی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَتَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقٰى فِيهَا الْحِيَضُ، وَلُحُومُ الْكِلَابِ، وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (سنن الترمذی)[1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ بضاعہ نامی چشمے (یا تالاب) سے وضو کرتے ہیں؟ حالانکہ یہ ایسا چشمہ (یا تالاب) ہے کہ جس میں حیض کے کپڑے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں پھینک دی جاتی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک پانی (اپنی ذات میں) انتہائی پاک ہوتا ہے، جس کو (عام حالات میں) کوئی بھی چیز ناپاک نہیں کرتی (ترمذی)

---

[1] رقم الحديث ٦٦، ابواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء لا ينجسه شيء.

قال الترمذي: هذا حديث حسن، وقد جود أبو أسامة هذا الحديث، فلم يرو أحد حديث أبي سعيد في بئر بضاعة أحسن مما روى أبو أسامة، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن أبي سعيد، وفي الباب عن ابن عباس، وعائشة.

www.idaraghufran.org

حضرت ابو یحییٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**دَخَلْنَا عَلٰی سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ فِيْ نِسْوَةٍ، فَقَالَ: لَوْ أَنِّيْ سَقَيْتُكُمْ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ لَكَرِهْتُمْ ذٰلِكَ، وَقَدْ وَاللّٰهِ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَائِهَا** (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

ترجمہ: ہم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کے پاس چند عورتوں کے ساتھ آئے، تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں بضاعہ نامی چشمہ (یا تالاب) کا پانی پلاؤں، تو تم اس کو ناپسند کرو گے، اور اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (چشمہ یا تالاب) کا پانی پلایا ہے (ابو یعلیٰ)

"بضاعہ" نامی چشمہ یا تالاب کے بارے میں بعض اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ایک جاری وچالو (یعنی بہتا) پانی تھا، جیسا کہ عام بہتا چشمہ اور دریا ہوتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ بڑا تالاب تھا، جس میں غیر معمولی پانی تھا۔

بہر حال جو کچھ بھی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ چلتا و بہتا پانی اور اسی طرح چشمہ اور زیادہ مقدار والا پانی انتہائی پاک ہوتا ہے، جو خود بھی پاک ہوتا ہے، اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرنے والا ہوتا ہے، اور اسے کوئی چیز بآسانی ناپاک نہیں کرسکتی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۵۱۹، ج۱۳ ص ۵۱۱، مسند طلحة بن عبيدالله.
قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح.

[2] أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو العباس بن يعقوب، ثنا الربيع بن سليمان، أنا الشافعي، قال " :أما حديث بئر بضاعة فإن بئر بضاعة كثيرة الماء واسعة كان يطرح فيها من الأنجاس ما لا يغير لها لونا ولا طعما ولا يظهر له فيها ريح فقيل للنبي صلى الله عليه وسلم :تتوضأ من بئر بضاعة وهي يطرح فيها كذا وكذا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم مجيبا " :الماء لا ينجسه شيء "وبين أنه في الماء مثلها إذ كان مجيبا عليها (السنن الكبرى، للبيهقي، رقم الحديث ۱۲۶۰)
بئر بضاعة قد اختلف فيها ما كانت، فقال قوم :كانت طريقا للماء إلى البساتين، فكان الماء لا يستقر فيها، فكان حكم مائها كحكم ماء الأنهار، وهكذا نقول في كل موضع كان على هذه الصفة وقعت في مائه نجاسة، فلا ينجس ماؤه إلا أن يغلب على طعمه أو لونه أو ريحه أو يعلم أنها في الماء الذي يؤخذ منها فإن علم ذلك كان نجسا وإن لم يعلم ذلك كان طاهرا (شرح معاني الآثار، تحت رقم الحديث ۵، باب الماء يقع فيه النجاسة)

www.idaraghufran.org

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص بضاعۃ نام کے چشمہ یا تالاب کے سوال کے جواب میں عام پانی کو انتہائی پاک قرار دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ پانی خواہ سمندر کا ہو، یا چشمہ کا یا تالاب کا یا کنویں کا، اپنی ذات میں اور اصل کے اعتبار سے خود بھی پاک ہوتا ہے، اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**اِنْتَهَيْنَا اِلٰى غَدِيْرٍ فَإِذَا فِيْهِ جِيْفَةُ حِمَارٍ، قَالَ: فَكَفَفْنَا عَنْهُ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، فَاسْتَقَيْنَا وَأَرْوَيْنَا وَحَمَلْنَا** (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: ہم ایک غدیر (یعنی تالاب) کے پاس گئے، جس میں مرا ہوا گدھا تھا، تو ہم اس (کا پانی استعمال کرنے) سے رک گئے، یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کو (بآسانی) کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی، پھر ہم نے (اس تالاب کے پانی کو) پیا، اور شکم سیر ہوئے، اور پانی ساتھ بھی لیا (ابنِ ماجہ)

''غدیر'' دراصل عرب میں معمول کے تالاب اور حوض ہوا کرتے تھے، جن کو مختلف ضروریات کی غرض سے پانی جمع کرنے کے لئے تیار کیا اور کھودا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تالاب، حوض اور ٹینکی وغیرہ کے غیر معمولی مقدار والے پانی میں نجاست

---

[1] عن داود بن أبی هند ,سمعت سعيد بن المسيب ,يقول :إن الماء طهور كله لا ينجسه شیء (سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۵۱)

عن داود بن أبی هند، قال :سمعت سعيد بن المسيب، يقول " :إنما الماء طهور كله لا ينجسه شیء "وزاد ابن علية، عن داود، عن سعيد :سألناه عن الحياض تلغ فيها الكلاب، قال " :أنزل الماء طهورا لا ينجسه شیء (السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ۱۲۲۴)

[2] رقم الحديث ۵۲۰، كتاب الطهارة وسننها، باب الحياض.

فی حاشية ابنِ ماجه:المرفوع منه صحيح لغيره.

www.idaraghufran.org

گرنے سے عام حالات میں وہ ناپاک نہیں ہوتا، اور احادیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ پانی انتہائی پاک ہوتا ہے، اور اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، کا مطلب یہ ہے کہ پانی خود پاک ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری چیزوں کو پاک کرنے کا آلہ وذریعہ ہے، اس لئے وہ آسانی سے ناپاک نہیں ہوتا، خواہ اس میں کوئی چیز شامل ہوجائے، البتہ اگر پانی میں نجس وناپاک چیز شامل ہوجائے، اور اس نجاست کا اثر پانی پر غالب آجائے، تو پھر حکم الگ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، يرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ، وَعَنِ الطَّهَارَةِ مِنْهَا؟ فَقَالَ: لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بُطُونِهَا، وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُورٌ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن حوضوں کے بارے میں سوال کیا گیا، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، جن میں درندے اور کتے اور گدھے آکر پانی پیا کرتے تھے، اور ان حوضوں (کے پانی) سے پاکی حاصل کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان جانوروں کے لئے وہ پانی تھا، جو اُن کے پیٹوں میں چلا گیا، اور ہمارے لئے جو باقی رہ گیا، وہ انتہائی پاک ہے (ابنِ ماجہ)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ محدثین کو کلام ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم ان حوضوں کے

---

[1] والغدر جمع غدير وهو حفرة ينقع فيها الماء ، والعرب أكثر الناس اتخاذا لها (مرقاة المفاتيح، ج ۹ ص ۴۰۴۲، كتاب المناقب والفضائل، باب ذكر اليمن والشام وذكر أويس القرنى)

قوله (إن الماء لا ينجسه شيء) أى ما دام لا يغيره وأما إذا غيره فكأنه أخرجه عن كونه ماء فما بقى على الطهورية لكونها صفة الماء والمغير كأنه ليس بماء ومن يقول بتنجيس القليل بوقوع النجاسة لأن سوق ذلك الحديث لإفادة الفرق بين ما بلغ قلتين وما دونه وهذا ظاهر (حاشية السندى على سنن ابن ماجه، ج ۱ ص ۱۸۷، باب الحياض)

[2] رقم الحديث ۵۱۹، كتاب الطهارة وسننها، باب الحياض.

www.idaraghufran.org

بارے میں ہے، کہ جن میں پانی زیادہ مقدار میں ہو، اور کتے وغیرہ کے برتن میں منہ ڈالنے سے ناپاک ہونے کی حدیث کا حکم اس صورت میں ہے، جبکہ پانی کم مقدار میں ہو، تو پھر اس حدیث کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں، اور مذکورہ حدیث کی تائید دیگر احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے، اس لئے اس مفہوم کے اعتبار سے مذکورہ حدیث کا مضمون قابلِ اعتبار ہے۔ [1]

چنانچہ اس طرح کی احادیث وروایات مرفوعاً اور موقوفاً اور کئی سندوں سے بھی کثرت کے ساتھ مروی ہیں۔ [2]

---

[1] هذا إسناد ضعيف عبد الرحمن بن زيد قال فيه الحاكم روى عن أبيه أحاديث موضوعة وقال ابن الجوزى أجمعوا على ضعفه رواه أبو بكر بن أبى شيبة من قول الحصين(مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه،للبوصيرى،تحت رقم الحديث ۲۱۵، باب الحيض)

حدثنا أبو مصعب المدينى، ثنا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن عطاء بن يسار عن أبى سعيد الخدرى أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الحياض التى بين مكة والمدينة تردها السباع والكلاب والحمر، وعن الطهارة منها فقال " :لها ما حملت فى بطونها ما غير طهور .هذا حديث ذكره الدارقطنى من مسندأبى هريرة فى كتاب السنن، وقال فيه الحافظ أبو جعفر الطحاوى فى كتاب المشكل :ليس من الأحاديث التى يحتج بها؛ لأنه إنما دار على عبد الرحمن ابن زيد، وحديثه عند أهل العلم بالحديث فى النهاية من الضعف .كذا قاله، وقد أبى ذلك عليه الحافظ ابن البيع فصحح فى/مستدركه إسناد حديث من روايته فى فضل المصطفى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقال الحافظ أبو أحمد الجرجانى :له أحاديث حسان، وهو ممن احتمله الناس وصدقه بعضهم، وهو ممن يكتب حديثه، ولكنه معارض بحديث غسل الإناء من ولوغ الكلب(شرح سنن ابن ماجه للمغلطاى الحنفى، ج ۱ ص ۵۴۶، كتاب الطهارة وسننها،باب الحياض)

[2] عن أبى هريرة ,رضى الله عنه قال :سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحياض التى تكون فيما بين مكة والمدينة فقيل له :إن الكلاب والسباع ترد عليها فقال :لها ما أخذت فى بطونها ولنا ما بقى شراب وطهور(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۵۶)

عن ابن عمر ,قال :خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بعض أسفاره فسار ليلا , فمروا على رجل جالس عند مقراة له ,فقال عمر :يا صاحب المقراة أولغت السباع الليلة فى مقراتك ,فقال له النبى صلى الله عليه وسلم :يا صاحب المقراة لا تخبره هذا متكلف لها ما حملت فى بطونها ولنا ما بقى شراب وطهور (سنن الدار قطنى، رقم الحديث ۳۴)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جن میں سے بعض احادیث وروایات کی سندوں پر بھی محدثین کو کلام ہے، لیکن تمام احادیث

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن ابن جريج قال أخبرت أن النبى صلى الله عليه و سلم ورد ومعه أبو بكر وعمر على حوض فخرج أهل الماء فقالوا يا رسول الله إن الكلاب والسباع تلغ فى هذا الحوض فقال لها ما حملت فى بطونها ولنا ما بقى شراب وطهور شك الذى أخبرنى أنه حوض الأبواء (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۲۵۳)

عن عكرمة ، قال :مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بغدير فقالوا :يا رسول الله ، إن الكلاب تلغ فيه والسباع ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :للسبع ما أخذ فى بطنه ، وللكلب ما أخذ فى بطنه ، فاشربوا وتوضؤوا .قال :فشربوا وتوضؤوا (مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ۱۵۱۵ ، باب من قال الماء طهور لا ينجسه شيء )

عن عوف الأعرابى ، قال :حدثنا فى مجلس الأشياخ قبل وقعة ابن الأشعث شيخ ، فكان يقص علينا ، قال :بلغنى أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا فى مسير لهم فانتهوا إلى غدير فى ناحية منه جيفة ، فأمسكوا عنه حتى أتاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا :يا رسول الله ، هذه الجيفة فى ناحيته ، فقال :اسقوا واستقوا ، فإن الماء يحل ، ولا يحرم (مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ۱۵۱۴ ، باب من قال الماء طهور لا ينجسه شيء )

عن داود بن الحصين ,عن أبيه ,عن جابر بن عبد الله ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ بما أفضلت السباع ."إبراهيم هو ابن أبى يحيى ضعيف ,وتابعه إبراهيم بن إسماعيل بن أبى حبيبة وليس بالقوى فى الحديث(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۱۷۵)

عن ميمون بن أبى شبيب ؛ أن عمر بن الخطاب مر بحوض مجنة ، فقال :اسقونى منه ، فقالوا :إنه ترده السباع والكلاب والحمير ، فقال :لها ما حملت فى بطونها :وما بقى فهو لنا طهور وشراب(مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ۱۵۱۶ ، باب من قال الماء طهور لا ينجسه شيء )

عن عكرمة ؛ أن عمر بن الخطاب أتى على حوض من الحياض فأراد أن يتوضأ ويشرب ، فقال أهل الحوض :إنه تلغ فيه الكلاب والسباع ، فقال عمر :إن لها ما ولغت فى بطونها ، قال :فشرب وتوضأ(مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ۱۵۱۷ ، باب من قال الماء طهور لا ينجسه شيء )

عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب، أن عمر بن الخطاب خرج فى ركب، فيهم عمرو بن العاصى، حتى وردوا حوضا .فقال عمرو بن العاصى لصاحب الحوض :يا صاحب الحوض، هل ترد حوضك السباع؟فقال عمر بن الخطاب :يا صاحب الحوض، لا تخبرنا،فإنا نرد على السباع، وترد علينا(مؤطا امام مالک، رقم الحديث ۶۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

وروایات جمع ہوکرایک درجہ میں قوت حاصل کرلیتی ہیں۔[1]

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پانی کے رنگ یا ذائقہ یا بو پر نجاست وناپاکی کا اثر غالب آجائے، تو پھر بہرحال پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبی سلمة ,ويحيى بن عبد الرحمن بن حاطب ,أن عمر ,وعمرو بن العاص , رضى الله عنهما مرا بحوض ,فقال عمرو :يا صاحب الحوض أترد على حوضك هذا السباع؟ ,فقال عمر :يا صاحب الحوض لا تخبرنا فإنا نرد على السباع وترد علينا (سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٦٢)

عن منبوذ ، عن أمه ؛ أنها كانت تسافر مع ميمونة فتمر بالغدير فيه الجعلان والبعر فيستقى لها منه ، فتتوضأ وتشرب (مصنف ابنِ ابی شیبة،رقم الحديث ١٥١٨ ، باب من قال الماء طهور لا ينجسه شیء )

عن حبيب بن شهاب ، عن أبيه ؛ أنه سأل أبا هريرة عن سؤر الحوض تردها السباع ويشرب منه الحمار ؟ فقال :لا يحرم الماء شیء (ايضاً،رقم الحديث ١٥١٩)

عن الزبرقان ، قال :حدثنا كعب بن عبد الله ، قال :كنا مع حذيفة فانتهينا إلى غدير فيه الميتة وتغتسل فيه الحائض ، فقال :الماء لا يجنب(ايضاً،رقم الحديث ١٥٢٠)

ثنا أبو عمرو، ثنا الزهرى، فى الغدير تقع فيه الدابة فتموت، قال " :الماء طهور ما لم يقل فتنجسه الميتة طعمه أو ريحه (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ١٢٢٥)

[1] قال ابن عدى أيوب بن خالد حدث عن الأوزاعى بالمناكير (التحقيق فى أحاديث الخلاف - لابن الجوزى، ج١، ص٦٦، مسألة أسآر سباع البهائم نجسة فى إحدى الروايتين وفى الأخرى طاهرة، الحديث الثانى)

وعن أبى هريرة قال :سئل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن الحياض التى تكون بين مكة والمدينة، فقيل :إن الكلاب والسباع ترد عليها، فقال :لها ما أخذت فى بطونها، ولنا ما بقى شراب وطهور أخرجه الدارقطنى.

وأخرج الشافعى والدارقطنى والبيهقى فى المعرفة من حديث جابر وقال :له أسانيد إذا ضم بعضها إلى بعض كانت قوية بلفظ :أنتوضأ بما أفضلت الحمر؟ قال :نعم، وبما أفضلت السباع كلها.

وعن ابن عمر قال :خرج رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى بعض أسفاره، فسار ليلًا، فمروا على رجل جالس عند مقراةٍ له، وهو الحوض الذى يجتمع فيه الماء ، فقال عمر :أولغت السباع عليك الليلة فى مقراتك؟ فقال النبى -صلى الله عليه وسلم :-يا صاحب المقراة !لا تخبره، هذا متكلف، لها ما حملت فى بطونها، ولنا ما بقى شراب وطهور رواه الدارقطنى .قوله :وَلغ ، بفتح أوله، أى :شرب (فتح الغفار للصنعانى، ابواب المياه، باب حكم الماء إذا ولغت فيه السباع)

www.idaraghufran.org

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمَاءُ لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰی رِیْحِہٖ وَطَعْمِہٖ وَلَوْنِہٖ (سنن ابنِ ماجہ) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، مگر یہ کہ وہ ناپاک چیز پانی کی بو، اور اس کے ذائقہ اور اس کے رنگ پر غالب آجائے (ابن ماجہ، طبرانی)

اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ ۲

لیکن ایک تو یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۳

---

۱ رقم الحدیث ۵۲۱، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الحیاض، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۵۰۳، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۴۴.

۲ قال الهیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط والکبیر -وله عند ابن ماجه " :إلا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه - "وفیه رشدین بن سعد، وهو ضعیف (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۱۰۶۸، باب ماجاء فی الماء)

۳ عن راشد بن سعد , قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الماء لا ینجسه شیء إلا ما غلب علیه ریحه أو طعمه .مرسل ووقفه أبو أسامة علی راشد (سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۴۹)

عن أبی عون ,وراشد بن سعد ,قالا :الماء لا ینجسه شیء إلا ما غیر ریحه أو طعمه (سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۵۰)

عن راشد بن سعد، عن أبی أمامة، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :الماء لا ینجس إلا ما غیر ریحه أو طعمه "ورواہ عیسی بن یونس، عن الأحوص بن حکیم، عن راشد بن سعد، عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلا ورواہ أبو أسامة، عن الأحوص، عن ابن عون وراشد بن سعد من قولهما، والحدیث غیر قوی إلا أنا لا نعلم فی نجاسة الماء إذا تغیر بالنجاسة خلافا والله أعلم(سنن البیهقی، رقم الحدیث ۱۲۲۹)

عن الأحوص بن حکیم عن عامر بن سعد أن النبی صلی الله علیه و سلم قال لا ینجس الماء الا ما غیر ریحه أو طعمه أو ما غلب علی ریحه وطعمه (مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۲۶۴)

أبو عبیدة عن جابر بن زید عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال الماء طهور لا ینجسه إلا ما غیر لونه أو طعمه أو رائحته (مسند الربیع، رقم الحدیث ۱۵۶، باب فی أحکام المیاہ)

عن راشد بن سعد ,عن ثوبان ,رضی الله عنه ,قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الماء طهور إلا ما غلب علی ریحه أو علی طعمه(سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۴۵)

www.idaraghufran.org

دوسرے اس کو اجماعِ امت کی تائید بھی حاصل ہے، کہ جو پانی زیادہ مقدار میں ہو، یا چلتا ہوا پانی ہو، وہ نجاست وناپاکی کے شامل ہونے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا، جب تک کہ نجاست وناپاکی کا اثر پانی کے ذائقہ، یا بو، یا رنگ کو تبدیل نہ کردے۔[1]

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں اکثر فقہائے کرام نے فرمایا کہ پانی میں نجاست کے شامل ہونے سے ناپاک نہ ہونے کا حکم اس صورت میں ہے، جبکہ وہ پانی یا تو جاری وچلتا یعنی بہتا ہوا ہو، یا زیادہ مقدار میں ہو، کیونکہ دونوں قسم کے پانیوں میں مشابہت پائی جاتی ہے، اور دونوں پانی کثیر وزیادہ مقدار میں ہوتے ہیں، اور سمندر کا پانی بھی زیادہ مقدار میں ہوتا ہے،

---

[1] والحديث يدل على أن قدر القلتين لا ينجس بملاقاة النجاسة وكذا ما هو أكثر من ذلك بالأولى، ولكنه مخصص أو مقيد بحديث إلا ما غير ريحه أو لونه أو طعمه وهو وإن كان ضعيفا فقد وقع الإجماع على معناه، وقد تقدم تحقيق الكلام والجمع بين الأحاديث(نيل الاوطار للشوكانى، ج ا ص ۴۸، كتاب الطهارة، باب حكم الماء اذا لاقته النجاسة )

قوله :إلا ما غير ريحه أو لونه أو طعمه من النجاسات .هذه المسألة الثانية من مسائل الباب وهى أنه لا يخرج الماء عن الوصفين إلا ما غير أحد أوصافه الثلاثة من النجاسات لا من غيرها وهذا المذهب هو أرجح المذاهب وأقواها (الدرارى المضية شرح الدرر البهية للشوكانى، ج ا ص۱۷، كتاب الطهارة، باب فى احكام المياه، اقسام المياه)

وأخرجه أيضا مع الزيادة ابن ماجه والطبرانى من حديث أبى أمامه بلفظ" :إن الماء طهور إلا إن تغير ريحه أو لونه أو طعمه بنجاسة تحدث فيه "وفى سندهما من لا يحتج به وقد اتفق أهل الحديث على ضعف هذه الزيادة لكنه قد وقع الإجماع على مضمونها كما نقله ابن المنذر وابن الملقن فى البدر المنير والمهدى فى البحر فمن كان يقول بحجية الإجماع كان الدليل عنده على ما أفادته تلك الزيادة هو الإجماع ومن كان لا يقول بحجية الإجماع كان هذا الإجماع مفيدا لصحة تلك الزيادة لكونها قد صارت مما أجمع على معناه وتلقى القبول فالاستدلال بها لا بالإجماع (ايضاً، ص ۱۹)

والحديث بمنطوقه يدل على أن الماء إذا بلغ قلتين لم ينجس بملاقاة النجاسة، وكذا ما هو أكثر من ذلك بالأولى .وذلك إذا لم يتغير فإن تغير نجس، فهو مخصص أو مقيد بحديث إلا ما غير ريحه أو لونه أو طعمه .وهو وإن كان ضعيفاً فقد وقع الإجماع على معناه .قال ابن المنذر :قد أجمع العلماء على أن الماء القليل والكثير إذا وقعت فيه نجاسة فغيرت له طعماً أو لوناً أو ريحاً فهو نجس -انتهى(مرعاة المفاتيح ،ج۲ص ۱۷۳، باب احكام المياه، الفصل الثانى)

(الماء طهور لا ينجسه شيء )، وفى رواية عن أبى أمامة رضى الله عنه عند ابن ماجة بزيادة :(إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه) وقد ذكرنا أن هذه الزيادة ضعيفة، ولكن معناها مجمع عليه بين العلماء (شرح سنن ابى داوٗد للعباد، ج۸ ا ص ۱۵، باب ماجاء فى بئر بضاعة)

www.idaraghufran.org

جس کے پاک ہونے کا احادیث میں ذکر آیا ہے، نیز جاری اور بہنے والا پانی عام طور پر بارش کا ہوتا ہے، جو کہ عموماً سمندر میں جا کر پہنچتا ہے، اور بارش کے پانی کو قرآن مجید میں انتہائی پاک قرار دیا گیا ہے، اور اونچے پہاڑوں پر جو برف جمی ہوئی ہوتی ہے، وہ بھی بارش کی طرح اوپر سے ہی گرتی ہے، لہٰذا اس جمی ہوئی برف سے پگھل کر جاری ہونے والے چشموں، دریاؤں اور ڈیموں وغیرہ کا پانی بھی پاک ہے۔ [1]

اور احادیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، اس کے متعلق فقہائے کرام نے فرمایا کہ پانی اپنی ذات میں پاک ہے، اور پاک پانی میں اگر کوئی دوسری پاک چیز شامل ہو جائے، مثلاً مٹی، جیسا کہ بارش کے پانی میں عموماً مٹی شامل ہو جایا کرتی ہے، یا گھاس پھوس، لکڑی وغیرہ، تو ان چیزوں کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، اور اسی طرح اگر بہتے اور کثیر (یعنی زیادہ مقدار والے) پانی میں کوئی ناپاک ونجس چیز شامل ہو جائے، تو اس سے بھی مذکورہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ناپاک چیز خود پاک ہو جاتی ہے، کیونکہ پانی دوسری چیزوں کو بھی پاک کرنے والا ہے، البتہ اگر وہ ناپا کی اتنی مقدار میں ہو کہ پانی کے اثر پر غلبہ حاصل کر لے، یعنی پانی کے ذائقہ میں اس نجس وناپاک چیز کا ذائقہ آ جائے، یا اس نجس

---

[1] ۱ -النهر فی اللغة :مجری الماء العذب والماء الجاری المتسع، والجمع نهر بضمتين وأنهر، والنهر -بفتحتين -لغة، والجمع أنهار، ثم أطلق النهر على الأخدود مجازا للمجاورة، فيقال :جرى النهر، وجف النهر، والأصل جرى ماء النهر .

وفی اصطلاح الفقهاء النهر :هو المجری الواسع للماء فوق الساقية ، فهو مجری كبير لا يحتاج إلى الكرى فى كل حين.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -البحر:

البحر فی اللغة :الماء الكثير، ملحا كان أو عذبا، وهو خلاف البر، سمى بذلک لعمقه واتساعه، وقد غلب على الملح حتى قل فی العذب.

ولا يخرج المعنى الاصطلاحی عن المعنى اللغوی.

والعلاقة بين البحر والنهر أن كليهما مكان واسع جامع للماء الكثير، إلا أن الغالب فی البحر أنه للماء المالح، أما النهر فهو للماء العذب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ۴۱، ص۳۸۵، مادة "نهر")

وناپاک چیز کا رنگ نمایاں طور پر پانی میں نظر آئے، یا پانی میں اس نجس وناپاک چیز کی بدبو آنے لگے، تو اس صورت میں نجاست وناپاکی کے غلبہ کی وجہ سے وہ پانی پاک اور اپنی اصل پر باقی نہیں رہتا، اور جب پانی میں اس کا ذائقہ، رنگ، اور بدبو میں سے کوئی چیز بھی غالب نہ آئے، تو وہ پانی اپنی اصل پر باقی رہتا ہے، اور پاک سمجھا جاتا ہے۔ [1]

## کم پانی کے ناپاک ہونے اور کم وزیادہ پانی کی تحقیق

بعض احادیث میں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کے بعد وضو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [2]

نیز بعض احادیث میں برتن میں کتے کے منہ ڈالنے سے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] تغير أوصاف الماء فى الطهارة: أجمع العلماء على أن الماء الذى غيرت النجاسة طعمه أو لونه أو ريحه أو أكثر من واحد من هذه الأوصاف أنه لا يجوز الوضوء ولا التطهر به، كما أجمعوا على أن الماء الكثير المستبحر لا تضره النجاسة التى لم تغير أحد أوصافه الثلاثة.
كذلک أجمعوا على أن كل ما يغير الماء -مما لا ينفک عنه غالبا كالطين- أنه لا يسلبه صفة الطهارة أو التطهير، إلا خلافا شاذا روى عن ابن سيرين فى الماء الآسن.
وأما الماء الذى خالطه زعفران أو غيره من الأشياء الطاهرة التى تنفک عنه غالبا متى غيرت أحد أوصافه الثلاثة، فإنه طاهر عند جميع العلماء .ولكنهم اختلفوا فى طهوريته، فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه غير مطهر؛ لأنه لا يتناوله اسم الماء المطلق، بل يضاف إلى الشىء الذى خالطه، فيقال مثلا: ماء زعفران.
وذهب الحنفية إلى أنه مطهر ما لم يكن التغير عن طبخ .أما المتغير بالطبخ مع شىء طاهر فقد أجمعوا على :أنه لا يجوز الوضوء ولا التطهر به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص ۷۱، مادة "تغيير")

[2] عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال :لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم ثم يتوضأ منه هذا حديث حسن صحيح، وفى الباب عن جابر (سنن الترمذى، رقم الحديث ٦٨)

[3] عن ابن مغفل، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الكلاب، ثم قال :ما لهم ولها، فرخص فى كلب الصيد، وفى كلب الغنم وقال :إذا ولغ الكلب فى الإناء فاغسلوه سبع مرار، والثامنة عفروه بالتراب(سنن ابى داوٗد،رقم الحديث ۷۴)
فى حاشية سنن ابى داوٗد:إسناده صحيح.

جس کے بارے میں فقہاء نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ پانی جاری و بہتا ہوا نہ ہو، اور نہ ہی ماءِ کثیر یعنی زیادہ مقدار میں ہو، بلکہ تھوڑی مقدار میں ہو، تو وہ پانی، ناپاک چیز مثلاً پیشاب اور کتے کے تھوک وغیرہ کے شامل ہو جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ [1]

پھر اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ ماءِ کثیر یعنی زیادہ مقدار والا پانی کون سا ہوتا ہے؟

حنفیہ کے نزدیک زیادہ اور کثیر پانی وہ ہے، کہ پانی استعمال کرنے والے کے گمان کے مطابق اس پانی کا ایک دوسرے میں پورے طور پر تداخل نہ ہو، وہ اس طرح کہ اس پانی کے ایک کنارے کی بعینہٖ حرکت کا اثر فی الفور دوسرے کنارے تک نہ پہنچے، اور اس سے کم مقدار والا

---

[1] البتہ مالکیہ کے نزدیک پانی کے ناپاک ہونے کی علت ناپاکی شامل ہونے کی وجہ سے، اس کے ذائقہ، یا رنگ یا بو میں تغیر کا پیدا ہونا ہے، خواہ وہ تھوڑی مقدار میں ہو، یا زیادہ مقدار میں۔

اتفق الفقهاء على أن الماء إذا خالطته نجاسة، وغيرت أحد أوصافه، كان نجسا، سواء أكان الماء قليلا أم كثيرا.

قال ابن المنذر :أجمع أهل العلم على أن الماء القليل والكثير إذا وقعت فيه نجاسة، فغيرت للماء طعما أو لونا أو رائحة أنه نجس ما دام كذلك.

واختلفوا فى الماء إذا خالطته نجاسة ولم تغير أحد أوصافه على قولين:

القول الأول :أن الماء إذا خالطته نجاسة ولم تغير أحد أوصافه، فهو طاهر سواء أكان كثيرا أم قليلا، وهذه رواية عن مالك، وإحدى الروايتين عن أحمد، وبه قال بعض الشافعية، وإليه ذهب جماعة من الصحابة والتابعين.

يقول ابن رشد :اختلفوا فى الماء الذى خالطته نجاسة ولم تغير أحد أوصافه، فقال قوم :هو طاهر سواء أكان كثيرا أم قليلا، وهى إحدى الروايات عن مالك.

ويقول ابن قدامة :وأما ما دون القلتين إذا لاقته النجاسة فلم يتغير بها فالمشهور فى المذهب أنه ينجس، وروى عن أحمد رواية أخرى :أن الماء لا ينجس إلا بالتغير قليله وكثيره.

واستدل أصحاب هذا القول بما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إن الماء لا ينجسه شىء ، إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه.

القول الثانى :يفرق بين كونه قليلا وبين كونه كثيرا، فإن كان الماء قليلا ينجس، وإن كان كثيرا لا ينجس.

وإلى هذا ذهب الحنفية، وهو رواية عن مالك، والمذهب عند الشافعية، والمشهور عند الحنابلة، وهو رأى جماعة من الصحابة والتابعين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص ۳۶۹، مادة ”مياه“)

پانی قلیل اور تھوڑا شمار ہوتا ہے۔

اور اس سلسلہ میں حنفیہ کے اور بھی اقوال ہیں، مگر مذکورہ قول راجح ہے۔ [۱]

چنانچہ دہ دردہ یعنی دس مربع ہاتھ پانی کا قول اگرچہ کئی حنفیہ نے ذکر کیا ہے، مگر دلیل کے لحاظ

---

[۱] القول الثانی :یفرق بین كونه قليلا وبين كونه كثيرا، فإن كان الماء قليلا ينجس، وإن كان كثيرا لا ينجس.

وإلى هذا ذهب الحنفية، وهو رواية عن مالك، والمذهب عند الشافعية، والمشهور عند الحنابلة، وهو رأى جماعة من الصحابة والتابعين.

لكن أصحاب هذا القول اختلفوا فى الحد الفاصل بين القليل والكثير على ثلاثة مذاهب:

المذهب الأول :وهو مذهب الحنفية يرى :أن الماء إن كان بحال يخلص بعضه إلى بعض فهو قليل، وإن كان لا يخلص فهو كثير.

والمعتبر فى الخلوص التحريك، فإن كان بحال لو حرك طرف منه يتحرك الطرف الآخر فهو مما يخلص، وإن كان لا يتحرك فهو مما لا يخلص.

واختلفوا فى جهة التحريك :فروى أبو يوسف عن أبى حنيفة أنه يعتبر التحريك بالاغتسال من غير عنف، وروى محمد عنه أنه يعتبر التحريك بالوضوء ، وفى رواية باليد من غير اغتسال ولا وضوء.

واستدلوا بما ورد عن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده فى الإناء حتى يغسلها ثلاثا، فإنه لا يدرى أين باتت يده.

فلو كان ماء الإناء لا ينجس بالغمس لم يكن للنهى لوهم النجاسة معنى، ومعلوم أن ماء الإناء إذا حركه آدمى من أحد طرفيه سرت الحركة فيه إلى الطرف الآخر.

وبما رواه أبو هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب :أن يغسله سبع مرات أولاهن بالتراب .

فقد أوجب النبى صلى الله عليه وسلم غسل الإناء سبع مرات أولاهن بالتراب إذا ولغ فيه الكلب، وولوغ الكلب لا يغير لون الماء ولا طعمه ولا ريحه، وإنما يحركه .

المذهب الثانى :وهو مذهب مالك، ويرى أنه إن تغير لونه أو طعمه أو ريحه فهو قليل، وإن لم يتغير فهو كثير .

واستدلوا بما روى عن أبى أمامة رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الماء لا ينجسه شىء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه .وفى رواية :إن الماء طاهر، إلا إن تغير ريحه أو طعمه أو لونه بنجاسة تحدث فيه .فهاتان الروايتان تفيدان أن التغيير وعدمه معتبر فى معرفة الطاهر من النجس، وإذا كان كذلك كان حدا فاصلا بين القليل والكثير، بالقياس على ما إذا ورد الماء على النجاسة، فإنه يبقى على طهارته ما لم يتغير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص ۳۷۰، مادة "مياه")

سے وہ راجح قرار نہیں دیا گیا، اور اس کی متعدد حنفیہ نے تردید کی ہے۔ [1]

[1] واما الذين اعتبروا التحديد بالخلوص وهم اصحابنا الحنفية فافترقوا على مسالك الأول الخلوص بالتحريك وهو انه كان الماء بحيث لا يتحرك بتحريك جانب منه جانب آخر فهو كير والا فهو قليل وتعيينه مفوض إلى رأى المبتلى وقد ذهب إليه الإمام ابو حنيفة واصحابه وعليه جمع من محققى اصحابنا فقد روى الإمام محمد فى الموطا عن مالك عن يحيى بن سعيد عن محمد بن ابراهيم الحارث التيمى عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب أن عمر بن الخطاب خرج فى ركب فيه عمرو بن العاص حتى وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص يا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع فقال عمر يا صاحب الحوض لا تخبرنا فانا نرد على السباع وترد علينا ثم قال محمد إذا كان الحوض عظيما أن حركت ناحية لم تتحرك الناحية الاخرى لم يفسد ذلك الماء ما ولغ فيه من سبع ولا ما فيه من قذر إلا أن يغلب على ريحه أو طعمه فاذا كان حوضا صغيرا أن تحركت منه ناحية تحركت الناحية الاخرى فولغ فيه السباع أو وقع فيه القذر فلا يتوضأ منه إلا ترى أن عمر بن الخطاب كره أن يخبره ونهاه عن ذلك وهذا كله قول أبى حنيفة انتهى وفى فتح القدير قال ابو حنيفة فى ظاهر الرواية يعتبر فيه اكبر رأى المبتلى به أن غلب على ظنه انه بحيث تصل النجاسة إلى الجانب الاخر لا يجوز الوضوء به والا جازو عنه اعتباره بالتحريك على ما هو مذكور فى الكتاب أى الهداية بالاغتسال أو بالوضوء أو باليد روايات والاول اصح عند جماعة منهم الكرخى وصاحب الغاية والينابيع وغيرهم وهو الاليق باصل أبى حنيفة اعنى عدم تحكم بتقدير فى ما لم يرد فيه تقدير شرعى والتفويض فيه إلى رأى المبتلى بناء على ما عدم صحة ثبوت تقديره شرعا والتقدير بعشر وثمان فى ثمان واثنى عشر فى اثنى عشر وترجيح الأول اخذا من حريم البير غير منقول عن الايمة الثلث وقال شمس الايمة المذهب الظاهر هو التحرى والتفويض إلى رأى المبتلى من غير حكم بالتقدير فان غلب على الظن وصولها لم يتنجس وهذا هو الاصح انتهى كلام شمس الايمة وما نقل عن محمد حين سئل عنه أى عن الكبير أن كان مثل مسجدى هذا فكبير فقيس حين قام فكان اثنى عشر فى مثلها فى راية وثمانيا فى ثمان فى اخرى لا يستلزم تقديره به إلا فى نظيره وهو لا يلزم غيره وهذا لانه لما وجب كونه لما استكثره المبتلى فاستكثا؟؟ واحدا لا يلزم بل يختلف باختلاف ما يقع فى قلب كل وليس هذا من الامور التى يجب فيها على العامى تقليد المجتهد ثم رأيت التصريح بان محمدا رجع عن هذا قال الحاكم قال ابو عصمة كان محمد بن الحسن يوقت فى ذلك عشرة فى عشرة ثم رجع إلى قول أبى حنيفة وقال لا اوقت شيئا اتهى وقال صاحب البحر فى رسالته الخير الباقى فى جواز الوضوء من الفساقى قال ابو حنيفة فى ظاهر الرواية عنه يعتبر فيه اكبر رأى المبتلى به أن غلب على ظنه انه بحيث تصل النجاسة إلى الجانب الاخر لا يجوز الوضوء والاجاز وممن نص عليه انه ظاهر المذهب شمس الايمة السرخسى فى المبسوط وقال انه الاصح (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، ج ١، ص تا٣٥٨)

واما ما اختاره كثير من مشايخنا المتأخرين بل عامتهم كما نقله قاضيخان ونسبه بعضهم الى التسامح من اعتبار العشر فى العشر فقد علمت انه ليس مذهب اصحابنا الثلاثة، وان محمدا ــ وان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک جو پانی دوقُلّوں یا دو مٹکوں کی مقدار میں ہو، وہ کثیر اور زیادہ شمار ہوتا ہے، اور اس سے کم مقدار میں ہو، تو وہ قلیل وتھوڑا شمار ہوتا ہے۔

اور شوافع وحنابلہ نے دوقلوں کی مقدار کو وزن میں پانچ سو رِطل اور ناپ میں مربع یعنی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے اعتبار سے سوا ذراع قرار دیا ہے، اور ایک ذراع کی مقدار کو دو بالشت کے برابر قرار دیا ہے، اور دو بالشت کی مقدار ڈیڑھ فٹ یعنی اٹھارہ انچ کے قریب بنتی ہے، اس حساب سے سوا ذراع کی مقدار پونے دوفٹ کے لگ بھگ ہوئی، اس طرح دوقلوں کا پانی پونے دو مکعب فٹ کے برتن یا ٹنکی میں سمائے گا۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان قدر به ــ رجع عنه الثقات المتقدمون الذين هم اعلم بمذاهب اصحابنا (الثلاثة).
ولـمـا كـان المذهب التفويض الى رأى المبتلى به، وكان الرأى يختلف، بل من الناس من لارأى له، اعتبـر الـمتأخرون (العشر فى العشر توسعة وتيسيراً على من لارأى له)، لكن لايُعملُ الا بماصح من المذهب، يدل عليه ماذكره الامام الزاهد، فى "القنية" ("الخير الباقى فى جواز الوضوء من الفَسَاقِى"، صفحة ٦٥، مجموعة رسائل ابن نجيم الاقتصادية، مطبوعة مكتبه طيبه، كاسى روڈ، كوئٹه)

[1] اور بعض شوافع نے ایک ذراع کو دو بالشت کے برابر قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ بالشت تین مٹھیوں کی ہوتی ہے، اور ایک مٹھی چار انگلیوں کی ہوتی ہے، اور انگلیوں کے حساب سے سوا ذراع کی تیس انگلیاں چوڑائی میں بنتی ہیں، جو حساب لگانے سے پونے دوفٹ کے لگ بھگ ہی ثابت ہوئیں۔

فحملنا أحاديث تنجس الماء على القليل وأحاديث عدم التنجس على الكثير فاختلف العلماء فى حد الكثير فقال الشافعى واحمد الماء إذا بلغ القلتين (وهى خمسمائة رطل بالبغدادى وبالمساحة ذراع وربع ذراع طولا وعرضا وعمقا) فهـو كثيـر لا يتنجس الا إذا تغير بالنجاسة طعمه او لونه او ريحه وما دونه قليل يتنجس .وقال ابو حنيفة ما لا يصل فيه النجاسة من جانب الى جانب اخر على اكبر رأى المبتلى به فكثير والا فقليل وقدّره بعض المتأخرين بعشر فى عشر وقيل خمسة عشر فى خمسة عشر وقيل اثنى عشر فى اثنى عشر وقيل ثمان فى ثمان وقيل سبع فى سبع بذراع الكرباس وهى سبع قبضات كل قبضة اربع أصابع والتقدير غير منقول عن ابى حنيفة ولا عن صاحبية .وجه قول ابى حنيفة ان التقدير لم يرد من جهة الشارع وحديث القلتين ضعيف فيجب تفويضه الى رأى المبتلى به .واحتج الشافعى واحمد بحديث القلتين والحق انه حديث صحيح (التفسير المظهرى، ج٧، ص٣٣، سورة الفرقان، تحت رقم الآية ٤٨)
وقدر القلتين بالمساحة :ذراع وربع طولا وعرضا وعمقا(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووى، كتاب الطهارة،باب الماء الطاهر،فصل فى الماء الراكد)
المراد بالذراع هنا ذراع الآدمى، وأنه شبران تقريبا(الفتاوى الفقهية الكبرى،لأحمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمى، ج ١،ص ٢٢،كتاب الطهارة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

کیونکہ بعض احادیث میں دوقلوں یعنی دومٹکوں کی مقدار والے پانی کے نجاست کی وجہ سے، ناپاک نہ ہونے کا حکم آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ، وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ؟

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ القلتين خمس قرب، وهي خمسمائة رطل (المغني لابن قدامة، ج۳، ص ۲۱، فصل نصاب زكاة العسل)

(ومساحتهما) أى القلتين، أى :مساحة ما يسعهما (مربعا ذراع وربع طولا و) ذراع وربع (عرضا، و) ذراع وربع (عمقا) قاله ابن حمدان وغيره (بذراع اليد) . قال المتولى الشافعى :وذكر عن الشافعى أنه شبران، وهو تقريب، زاد غيره :والشبر ثلاث قبضات، والقبضة أربع أصابع، والأصبع : ست شعيرات بطون بعضها إلى بعض(مطالب أولى النهى ،لمصطفى بن سعد بن عبده الحنبلى، ج ۱ ،ص ۴۵،كتاب الطهارة)

المذهب الثالث :وهو مذهب الشافعية والحنابلة، ويرون أن الماء إذا بلغ قلتين فهو كثير، وإلا فهو قليل. واستدلوا بما رواه ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الماء يكون فى الفلاة وما ينوبه من الدواب والسباع، فقال :إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث، وفى رواية :إذا كان الماء قلتين لم ينجسه شىء .

فتحديد الماء بالقلتين ونفى النجاسة عنه يدل على أن ما دونهما ينجس، إذ لو استوى حكم القلتين وما دونهما لم يكن للتحديد معنى . ولأن الأصول مبنية على أن النجاسة إذا صعبت إزالتها وشق الاحتراز منها عفى عنها، كدم البراغيث وسلس البول والاستحاضة .وإذا لم يشق الاحتراز لم يعف عنها كغير الدم من النجاسات، ومعلوم أن قليل الماء لا يشق حفظه، وكثيره يشق، فعفى عما شق دون غيره، وضبط الشرع حد القلة بقلتين فتعين اعتماده، ولا يجوز لمن بلغه الحديث العدول عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۳۶۹، الیٰ ص ۳۷۱، مادة "مياه")

التفرقة بين القليل والكثير :فرق الفقهاء بين القليل والكثير فى الماء الراكد، فالكثير يجوز به التوضؤ والاغتسال فيه، ولا يتنجس جميعه بوقوع النجاسة فى طرف منه، إلا أن يتغير لونه، أو طعمه، أو ريحه، والقليل عكسه.

وأما نجاسة مكان الوقوع فاختلفوا فيه على أقوال.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن العبرة فى قلة الماء وكثرته هى بالقلتين فما دونهما فهو قليل .

وقال المالكية :لا حد للكثرة فى المذهب.

أما الحنفية فذهب بعضهم إلى أن الحوض :إذا كان بحال إذا اغتسل إنسان فى جانب منه، لا يرتفع ولا ينخفض الطرف الذى يقابله، فهو كبير، وما دون ذلك صغير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۸، ص ۲۴۷، وص ۲۴۸، مادة "حوض")

www.idaraghufran.org

قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ (سنن الترمذی) ؎1

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب آپ سے زمین کے جنگلوں کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا، جس پر درندے اور چوپائے بار بار آتے ہیں، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب پانی دو قلوں (یعنی دو مٹکوں) کی مقدار میں ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا (ترمذی)

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اس کے ضعیف ہونے کا قول راجح نہیں ہے۔ ؎2

اور بعض مشائخِ حنفیہ نے تجربہ کے بعد فرمایا کہ دو قُلّے پانی کی مقدار ایسی ہوتی ہے، کہ اس کے

---

؎1 رقم الحديث ٦٧، ابواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء لا ينجسه شيء .
قال الترمذى: قال محمد بن إسحاق :القلة هى الجرار، والقلة التى يستقى فيها، وهو قول الشافعى، وأحمد، وإسحاق، قالوا :إذا كان الماء قلتين لم ينجسه شيء ما لم يتغير ريحه أو طعمه، وقالوا : يكون نحوا من خمس قرب.

؎2 وقد أطال القوم من فروع موت الحيوان فى البئر ، والعشر فى العشر ، والماء الجارى وليس فى كل ذلك حديث عن النبى صلى الله عليه وسلم ألبته ، وأما الآثار المنقولة عن الصحابة والتابعين كأثر ابن الزبير فى الزنجى ، وعلى رضى الله عنه فى الفأرة ، والنخعى .والشعبى فى نحو السنور فليست مما يشهد له المحدثون بالصحة ولا مما اتفق عليه جمهور أهل القرون الأولى ، ، وعلى تقدير صحتها يمكن أن يكون ذلك تطبيبا للقلوب وتنظيفا للماء لا من جهة الوجوب الشرعى كما ذكر فى كتب المالكية ، ودون نفى هذا الاحتمال خرط القتاد . وبالجملة فليس فى هذا الباب شيء يعتد به ، ويجب العمل عليه ، وحديث القلتين أثبت فى ذلك كله بغير شبهة ، ومن المحال أن يكون الله تعالى شرع فى هذه المسائل لعبادة شيئا زيادة على ما لا ينفكون عنه من الارتفاقات وهى مما يكثر وقوعه ، وتعم به البلوى ، ثم لا ينص عليه النبى صلى الله عليه وسلم نصا جليا، ولا يستفيض فى الصحابة ومن بعدهم ولا حديث واحد فيه ، والله أعلم (حجة الله البالغة، ج ا ص ٣١٣، القسم الثانى، ابواب الطهارة، أحكام المياه)

والذى يظهر بعد ادارة النظر من الجوانب هو أن نفس الحديث صحيح سالم عن المعارضة ومخالفة الاجماع وعن النسخ والتاويل وغير ذلك وغاية ما يه هو اجمال معنى القلة وتعينها ولذا قال الطحاوى على ما نقله عنه على القارء خبر القلتين صحيح واسناده ثابت وانما تركناه لانا لا نعلم ما القلتان انتهى فان ثبت برواية معتمدة تعيينها انتهى الكلام وتم المرام (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، ج ا ، ص ٣٥٦، كتاب الطهارة)

Idara Ghufran

ایک جانب کو اگر حرکت کی جائے، تو وہی حرکت اسی لمحہ فی الفور دوسری جانب نہیں پہنچتی، اور فرمایا کہ اس حیثیت سے حنفیہ اور شوافع کا موقف ایک دوسرے کے قریب ہے۔

اور قلّے کی مقدار کو مجمل اور مبہم قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ مقدار صحابۂ کرام کے درمیان معروف ومشہور تھی، جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، جیسا کہ صدقۂ فطر میں صاع کی مقدار کا معاملہ ہے کہ صاع کی مقدار بھی صحابۂ کرام کے درمیان معروف تھی۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوقلوں کی مقدار چھ بالشت بنتی ہے، اور اتنی مقدار پانی کے بارے میں تجربہ کیا گیا، تو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایہ والے قول کے مطابق پایا گیا، اور دوقلوں کے بارے میں مجمل ہونے کا حکم لگانا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ مقدار صحابۂ کرام میں معروف تھی، ناپ میں سوا ذراع (یعنی تقریباً دوفٹ) کو جب ہم نے بالشت سے ناپا، تو وہ ایک طرف سے دو بالشت کے لگ بھگ بلکہ کچھ زیادہ معلوم ہوا۔

اگر حضرت گنگوہی کے کلام میں چھ بالشت سے مربع یعنی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی مراد لی جائیں، تو پھر حساب درست بن جاتا ہے۔

وظاهر المذهب أنه يعتبر بالتحريك وهو قول المتقدمين منهم حتى قال في البدائع والمحيط اتفقت الرواية عن أصحابنا المتقدمين أنه يعتبر بالتحريك ، وهو أن يرتفع وينخفض من ساعته لا بعد المكث ولا يعتبر أصل الحركة ؛ لأن الماء لا يخلو عنه لأنه متحرك بطبعه(تبيين الحقائق، ج ا ص ۲ ۲ ،كتاب الطهارة،أقسام الماء )

بقي الجواب عماتمسك به الشافعي رحمه الله من حديث القلتين فنقول انه لايضر مذهب الامام شيئاً فان مذهبه رضى الله تعالىٰ عنه ان الماء اذا كان اقل من قلتين ولم يقتض رأى المبتلى بتنجسه بوقوع شئ من النجاسات فيه لم يحكم بنجاسته فضلاً عما اذا كان الماء قلتين كيف وقد جربه الاستاذ العلامة حين قرأتنا تلك الروايات فكان قلتا الماء قدر غدير عظيم لايتحرك احد طرفيه بتحريك الطرف الاخر وكان نحوا من ستة اشبار في مثلها ولله الحمد وعلى هذا يرتفع الخلاف من البين ويكون مذهبنا كمذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ من غير مين ويؤل الامر الى ماذكرنا اولا من ادارة الامر على رأى المبتلىٰ به وذلك لان علمائنا رحمهم الله تعالىٰ لماشاهدوا في مذهب الامام الذى قدمناه اختلاف امر العوام لبون بعيد في آراء هم فمن منجس ماء البحر بألقائه يده النجسة فيه ومن مجوز طهارة ماء الكوز اذا وقعت فيه قطرة من البول حدودا فيه حدوداً ينتظم بها امرهم فمنهم من قدره بعشر في عشر واصله على مانقلوا ان محمداً رحمهم الله تعالىٰ سئل عن الماء الكثير فقال نحو مسجدى هذا فلما خرج ذرعوه فكان داخله ثمانيا في ثمان وخارجه عشراً في عشر فاخذو بالمزيد احتياطاً ولعل محمداً رحمه الله تعالىٰ ان سئل عن الاقل من ذلك لاجاب بقوله نعم فانه لم يرد بذلك تحديداً بل تقريباً ومنهم من قدر الكثير بقوله هو الغدير العظيم الذى لايتحرك احد طرفيه بتحريك الطرف الاخر ثم اختلفوا فيما بينهم في التحريك المعتبر هل هو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ صحیح حدیث سے دو قلوں پانی کی مقدار کا کثیر ہونا معلوم ہوتا ہے، جس کی مقدار صحابۂ کرام کے درمیان معروف ومشہور تھی، جیسا کہ صدقۂ فطر وغیرہ میں صاع کا معاملہ ہے، اور قلہ کی مقدار پہلے ذکر کی جا چکی ہے، اور بعض مشائخِ حنفیہ کے مطابق حنفیہ کا راجح قول اس کے قریب ہے، لہٰذا دو قلوں کی مذکورہ مقدار کو کثیر پانی قرار دینے کی گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

باليد اوبالتوضى او الاغتسال والى كل ذهب ذاهب ولايذهب عليك ان التحرك المعتبر انما هو التحرك الذى ينشأ فى الجانب الآخر ويسرى اليه معاً لاالتحرك الناشى بالتموج وتدريجاً وهذا القول الاخير يوافق رأى الشافعية فى اعتبار الكثرة بالقلتين فقد ذكرنا ان الاستاذ العلامة جربه فكان كذلك فانه مد الله ظلال جلاله وسقى الطلاب واياى من نمير نواله امر بحفر حفيرة فالقى فيها الماء مقدار قلتين ولم يتحرك احد طرفيها بتحريك الطرف الاخر واما ماطول البحث فيه صاحب شرح الوقاية من اثبات العشر فى العشر فقدرده ابن نجيم المصرى فى بعض تصانيفه حرفاً حرفاً وقد اجاب بعض الاحناف عن حديث القلتين باجوبة لاترضا بها الطبائع السليمة فقيل اسناده ضعيف وان فيه اضطراباً حيث ورد فى بعضها قلتان وفى البعض الاخر ثلاث وفى البعض الاخر اربع حتى قيل وردت فيه الروايات الى اربعين قلال وان القلة غيرمتعينة المقدار فانها مختلفة المقادير فتعذر العمل باحدمعانيها الى ان يتعين احد المعانى لدخولها فى الاجمال والمجمل لايمكن العمل به الا بعد بيان المجمل وانت تعلم ان كل ذلك تعسف امّا الاول فلما فيه من انكار البداهة فان صحة روايات القلتين غيرمنكرة والروايات الواردة فى السنن شاهد صدق على ذلك وامّا الاضطراب فمندفع بحمل تعدد الروايات على تعدد الواقعات وكثرة السوالات فاجاب النبى صلى الله عليه وسلم كلا من السائلين حسب ماتضمنه سواله فلااضطراب ولااختلاف والاسانيد شاف كاف صاف والزام الاجمال تحكم اما اولا فلان القلة كانت معلومة عندهم فلايضر جهالتها عندكم واما ثانيا فلما ورد فى بعض الروايات من زيادة لفظ يفسر المراد ويبين الاجمال وهو قوله من قلال هجر بل الجواب هو الذى اشرنا اليه من ان الامر موكول الى رأى المبتلى به فلايحكم بنجاسة الماء اذا لم يتنجس الماء قدر ذلك عنده بوقوع النجاسة فيه ومعنىٰ قول محمد بن اسحٰق القلة هى الجرار الخ انها تكون صغيرة وكبيرة يقلها الارض ولايحملها الانسان لثقلها ويقلها الانسان اى ماهو آلة للشرب يحملها الانسان لصغرها (الكوكب الدرى، المجلد الاول، ص ۴۲ الىٰ ص ۴۴، ابواب الطهارة، باب الماء طهور لاينجسه شئ، بحث القلتين)

[1] قال الإمام الرافعي في شرح المسند :(الإسناد) الذى لم يحضر الشافعي ذكره -على ما ذكر أهل العلم بالحديث -أن ابن جريج قال :أخبرني محمد (أن) يحيى بن عقيل أخبره، أن يحيى بن يعمر أخبره، أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :إذا كان الماء قلتين، لم يحمل خبثا، ولا بأسا . قال محمد :فقلت ليحيى بن عقيل :قلال هجر؟ فقال :قلال هجر .وكذلك قال ابن الأثير في شرح المسند أيضا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## پانی کے پاک ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں

مذکورہ تفصیل سے ایک قاعدہ یہ معلوم ہوگیا کہ پانی کے اندر اصل پاک ہونا ہے، لہٰذا پانی جو بھی ہو، خواہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا، اس کو اپنی اصل پر سمجھتے ہوئے پاک قرار دیا جائے گا، یہاں

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال :ومحمد هذا الذى حدث (عنه) ابن جريج هو :محمدبن يحيى، يحدث عن يحيى بن أبى كثير، ويحيى بن عقيل.

وهذا الحديث مرسل، فإن يحيى بن يعمر (تابعى مشهور) ، روى عن ابن عباس وابن عمر، فيحتمل أن يكون هذا الحديث الذى رواه من الحديث المشهور، ويكون ابن يعمر قد رواه عن ابن عمر، ويجوز أن يكون غيره؛ لأنه يكون قد رواه عن غير ابن عمر .ورواه الدارقطنى فى سننه كما ذكر الإمامان :الرافعى، وابن الأثير.

قلت :وإذا كان مرسلا، فيعتضد بما رواه ابن عدى من رواية ابن عمر -رضى الله عنهما -قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-إذا بلغ الماء قلتين من قلال هجر، لم ينجسه شىء .

ليس فى إسناده سوى :المغيرة بن (سقلاب) ، قال ابن أبى حاتم (عن أبيه) : صالح الحديث .وقال أبو زرعة :(جزرى) لا بأس به.

وهذا يقدم على قول ابن عدى :منكر الحديث، وعلى قول (على بن) ميمون الرقى :إنه لا يسوى بعرة، لجلالة الأولين.

ومن المعلوم :أن قلال هجر كانت معروفة عندهم، مشهورة، يدل عليه حديث أبى ذر رضى الله عنه، الثابت فى الصحيحين، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -(أخبرهم) ليلة الإسراء (فقال) :رفعت إلى سدرة المنتهى، فإذا ورقها مثل آذان الفيلة، وإذا نبقها مثل قلال هجر .

فعلم بهذا :أن القلال عندهم معلومة، مشهورة، وكيف يظن أن النبى -صلى الله عليه وسلم -(يحدد) لهم، أو يمثل لهم بما لا يعلمونه، ولا يهتدون إليه؟

قال الشافعى :كان مسلم -يعنى ابن خالد الزنجى -يذهب إلى (أن) ذلك الشىء المذكور فى قول ابن جريج أقل (من نصف قربة، أو نصف القربة، فيقول :خمس قرب هو أكثر ما يسع قلتين، وقد تكون القلتان أقل من خمس.

قال الشافعى :فالاحتياط أن تكون (القلة) قربتين ونصفا، فإذا كان الماء خمس قرب لم يحمل خبثا، فى (جريان) ، أو غيره.إلا أن يظهر فى الماء ريح أو طعم أو لون.قال :وقرب الحجاز كبار، فلا يكون الماء الذى لا يحمل النجاسة إلا بقرب كبار.

قلت :لأن القلة فى اللغة :الجرة العظيمة، التى يقلها القوى من الرجال، أى :يحملها و (يرفعها) .

قال الخطابى :قلال هجر مشهورة الصنعة، معلومة المقدار، لا تختلف كما لا تختلف المكاييل والصيعان المنسوبة إلى البلدان، قال :وقلال هجر أكبرها وأشهرها؛ لأن الحد لا يقع بالمجهول.

وقال الشيخ أبو حامد فى تعليقه :قال أبو إسحاق، إبراهيم بن جابر، صاحب الخلاف :سألت قوما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

تک کہ اگر کوئی پانی ایسا ہو کہ اس کے ذائقہ، رنگ یا بو میں کچھ تغیر نظر آ رہا ہو، لیکن یہ طے نہ ہو کہ وہ تغیر ناپاکی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، تب بھی اس کو پاک قرار دیا جائے گا، اور اس میں شک کا اعتبار نہیں ہوگا۔ [۱]

اور اگر کسی نامعلوم جگہ پانی نظر آئے، خواہ چلتا اور بہتا ہوا ہو، یا ٹھہرا ہوا ہو، اور خواہ زیادہ مقدار میں ہو، یا تھوڑی مقدار میں ہو، لیکن اس کے پاک وناپاک ہونے کا علم نہ ہو، تو اس پانی کو بھی پاک قرار دیا جائے گا، اور اس سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ پانی کے اندر اصل پاک ہونا ہے۔

اور اسی طرح اگر کسی جگہ برتن یا ٹنکی وحمام وغیرہ میں پانی موجود ہو، جس سے دوسرے لوگ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من ثقات هجر، فذكروا أن القلال بها لا تختلف، وقالوا :قايسنا القلتين، فوجدناهما خمسمائة رطل.

فإذا تقرر عندك ما قررناه، ظهر لك أن العمل بالحديث المذكور متعين، ولا جهالة فى مقدار القلتين.

فإن قلت :قد جاء فى آخر حديث ابن عمر، الذى ذكرته من طريق ابن عدى، بعد قوله :إذا كان الماء قلتين من قلال هجر لم ينجسه شىء :.وذكر (أنهما) فرقان .فلا يصح ما قررته؛ لأن الفرق : ستة عشر رطلا، فيكون مجموع القلتين :اثنان وثلاثون رطلا، ولا تقولون به؟

فالجواب :أن هذه اللفظة مدرجة فى الحديث، جمعا بينه وبين ما قررناه :من أن قلال هجر لن تختلف، وأنهما خمسمائة رطل(البدر المنير ،لابن الملقن،كتاب الطهارة،باب الماء الطاهر،الحديث الرابع)

[۱] شك طرأ على أصل مباح كما لو وجد المسلم ماء متغيرا فله أن يتطهر منه مع احتمال أن يكون تغير بنجاسة، أو طول مكث، أو كثرة ورود السباع عليه ونحو ذلك استنادا إلى أن الأصل طهارة المياه .مع العلم أن الله تعالى لم يكلف المؤمنين تجشم البحث للكشف عن طهارته أو نجاسته تيسيرا عليهم، حيث ورد فى الأثر أن عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه -خرج فى ركب فيهم عمرو بن العاص -رضى الله عنه -حتى وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض :يا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر :يا صاحب الحوض لا تخبرنا، فإنا نرد على السباع، وترد علينا .

وفيه أيضا :أن عمر بن الخطاب نفسه كان مارا مع صاحب له فسقط عليهما شىء من ميزاب، فقال صاحبه :يا صاحب الميزاب ماؤك طاهر أو نجس؟ فقال عمر :يا صاحب الميزاب لا تخبرنا، ومضى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ ص ١٨٦، ١٨٧، مادة " شك " )

www.idaraghufran.org

بھی پانی پیتے اور لیتے ہوں، تو اس کو بھی پاک قرار دیا جائے گا۔ ؎۱

اور اسی طرح اگر کوئی شخص پانی میں ہاتھ ڈال دے، یا کوئی سو کر اٹھنے کے بعد دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دے، اور اس کے پاک اور ناپاک ہونے کا علم نہ ہو، تو اس سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا، اور پاک ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اشیاء کے اندر اصل پاک ہونا ہے، جس میں پانی کے علاوہ ہاتھ بھی داخل ہے۔ ؎۲

---

؎۱ مندرجہ بالا حکم اس وقت ہے، جبکہ ہاتھ ڈالنے والوں کے بارے میں ان کے ہاتھوں کی نجاستِ حقیقیہ سے پاک یا ناپاک ہونے کا کچھ علم نہ ہو، اور اگر ناپاک ہونے کا علم ہو، تو پھر ماءِ کثیر اور جاری ہونے کی صورت میں ناپاک ہونے کا حکم نہ ہوگا، اور ماءِ قلیل (مثلاً دو قلوں سے کم) کی صورت میں ناپاک ہونے کا حکم ہوگا۔

لو وجد ماء قليلا ولم يتيقن بوقوع النجاسة فيه ) فإنه ( يتوضأبه ) أى بذلك الماء القليل ( ويغتسل ولا يتيمم ) لأن الأصل الطهارة وكان متيقنا فلا يزول بالشك ( وكذا إذا دخل الحمام وفى حوض الحمام ماء قليل ولم يتيقن بوفوع النجاسة ) فيه فإنه ( يتوضأ به ويغتسل ولا ينتظر إلى الماء الجارى) ولا يترك ذلك الماء لأجل توهم وقوع النجاسة فيه لأن الأصل الطهارة ( وكذا إذا لقى فى الماء الجارى ) الذى ذهب بتبنة ( شىء نجس كالجيفة والخمر ) والبول والعذرة ( لا يتنجس الماء ( ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه ) لأنها لا تستقر مع جريان الماء (منية المصلى، ج ا ، ص ۵۲، وص ۵۳، كتاب الطهارة، فصل فى بيان أحكام المياه)

ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه يجزء الغسل والوضوء بماء الحمام، ويجعل بمنزلة الماء الجارى، لأن الأصل الطهارة فلا تزول بالشك.

وصرح الحنفية بأن من أدخل يده فى حوض الحمام وعليها نجاسة، فإن كان الماء ساكنا لا يدخل فيه شىء من الأنبوب، ولا يغترف الناس بالقصعة، يتنجس ماء الحوض، وإن كانوا يغترفون من الحوض بقصاعهم، ولا يدخل من الأنبوب ماء أو على العكس اختلفوا فيه، وأكثرهم على أنه ينجس ماء الحوض.

وإن كان الناس يغترفون بقصاعهم، ويدخل الماء من الأنبوب، اختلفوا فيه :وأكثرهم على أنه لا ينجس .وأما الماء الذى صب على وجه الحمام (أى أرضه) فالأصح أن ذلك الماء طاهر ما لم يعلم أن فيه خبثا، حتى لو خرج إنسان من الحمام وقد أدخل رجليه فى ذلك الماء ، ولم يغسلهما بعد الخروج وصلى جاز.

وإذا تنجس حوض الحمام فدخل فيه الماء فقد صرح الحنفية أنه لا يطهر ما لم يخرج منه مثل ما كان فيه ثلاث مرات، وقال بعضهم :إذا خرج منه مثل ما كان فيه مرة واحدة يطهر، لغلبة الماء الجارى عليه، والأول أحوط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص ۱۵۹، مادة "حمام")

؎۲ الماء الذى أدخل فيه يده إذا استيقظ من نومه قبل أن يغسلها طاهر يتوضأ منه؛ لأن يده محمولة على الطهارة حتى يوقن بنجاستها على الأصل، فى أن الشك لا يؤثر فى اليقين، وإن كان الاختيار أن يغسلها للحديث(البيان والتحصيل لابن رشد القرطبى، ج ا ص ۱۳۰، كتاب الوضوء)

اوراسی سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی پانی کے بارے میں ایک طرح کے دو معتبر آدمی مختلف خبریں دیں، ایک اس کو ناپاک کہے، اور دوسرا پاک کہے، تو اس کو اصل کی وجہ سے ترجیح حاصل ہونے کی بناء پر پاک قرار دیا جائے گا۔ [۱]

## بیتُ الخلاء کے پانی یا لوٹے کو ناپاک سمجھنا

بعض لوگ بیتُ الخلاء کے پانی، اور اس کے لوٹے، اور لوٹے میں موجود پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور ضرورت پڑنے پر اس لوٹے سے وضو وغیرہ کرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے، لیکن پیشاب پاخانہ سے فراغت پا کر اس لوٹے اور اس کے پانی سے استنجاء گوارا کر لیتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل درست نہیں، کیونکہ جس برتن یا اس کے پانی سے استنجاء کی شکل میں پیشاب پاخانہ کی نجاست دور ہو کر پاکی حاصل ہوگئی، تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ برتن اور پانی پاک تھا، اسی لئے تو اس سے پاکی حاصل ہوئی، ورنہ اگر وہ برتن یا پانی ناپاک ہوتا، تو اس سے طہارت کیسے حاصل ہوتی۔

لہٰذا بیتُ الخلاء کا وہ لوٹا اور وہ پانی، کہ جس سے استنجاء وطہارت کی جاتی ہے، وہ پاک شمار ہوتا ہے، اور اس سے جس طرح طہارت واستنجاء کرنا جائز ہے، وضو کرنا بھی جائز ہے، اور اگر کسی کی طبیعت ویسے ہی کراہیت کرے، مگر اس سے وضو کرنے کو جائز سمجھے، اور ضرورت کے وقت اس سے وضو بھی کر لیا کرے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

فقہائے کرام نے استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ [۲]

---

[۱] أ -اختلاف المخبرين:ومن ذلک ما لو أخبره عدل بنجاسة الماء ، وأخبره آخر بطهارته .فإن الأصل عند تعارض الخبرين وتساويهما تساقطهما، وحينئذ يعمل بالأصل وهو الطهارة، إذ الشیء متى شک فی حکمه رد إلى أصله، لأن اليقين لا يزول بالشک، والأصل فی الماء الطهارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۲۹۲، مادة، اشتباه)

[۲] والثانية :أن يكون إناء الوضوء غير إناء الاستنجاء ، وهذا أيضا مستحب، فمن توضأ من الإناء الذی استنجی فيه جاز(شرح ابی داوٗد للعینی، ج ۱ ص ۱۴۵، ۱۴۶، كتاب الطهارة، باب :الرجل يدلک يده با لأرض إذا استنجی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اسی طرح بعض لوگ بیت الخلاء کے فرش پر موجود پانی کو ناپاک خیال کرتے ہیں، اور اگر چلتے پھرتے ہوئے اس کی چھینٹیں کپڑوں پر پڑ جائیں، تو کپڑوں کو ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں۔

حالانکہ بیت الخلاء کے فرش پر جو پانی ہوتا ہے، اس کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہوتا، کیونکہ آج کل پیشاب، پاخانہ کے لئے (سیٹ یعنی ڈبلیوسی کی شکل میں) مخصوص ومتعین مقام ہوتا ہے، اور پیشاب وپاخانہ عموماً اسی مقام تک محدود ہوتا ہے، اور اوپر دائیں بائیں فرش پر جو پانی ہوتا ہے، وہ عام طور پر استنجاء کے لئے لوٹے وغیرہ میں پاک پانی لیتے ہوئے گر جانے والا پانی ہوتا ہے، جو کہ اپنی ذات میں ناپاک نہیں ہوتا، اس وجہ سے فرش پر اس طرح کے پانی کا ناپاک ہونا بھی ضروری نہیں، نیز بیت الخلاء کی زمین یا فرش پر اگر پیشاب پڑ جائے، تو وہ خشک ہونے سے پاک ہوجاتا ہے، اور دوبارہ گیلا ہونے پر ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اس پانی سے بچنے کو احتیاط پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس پانی سے بچنے کا اہتمام کرنا مناسب ہے، لیکن اگر یہ پانی لباس یا بدن پر لگ جائے، تو اس کو ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ پھر بھی اگر کوئی احتیاط کی وجہ سے اس جگہ کو دھولے، تو بہتر ہے، مگر اس کو دھونا ضروری نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ثم أتيته بإناء آخر، فتوضأ ) : إتيانه بإناء آخر ليس لعدم جواز التوضؤ بالماء الباقى من الاستنجاء ، بل لعدم بقاء الماء الكافى (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء)

(فتوضأ) بالماء ، إتيانه بإناء آخر، ليس لأنه لا يجوز التوضيء بالماء الباقى من الإستنجاء ، أو بالإناء الذى استنجى به، بل لأنه لم يبق من الأول شيء ، أو بقى قليل غير كاف .وقال بعضهم :قد يؤخذ من هذا الحديث أنه يندب أن يكون إناء الاستنجاء غير إناء الوضوء (مرعاة المفاتيح، ج٢، ص٦٦، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء )

وفيه أيضاً أن الإناء الذى توضأ منه غير الإناء الذى استنجى منه، ولعل السبب فى ذلك :أن الماء لم يكن كافياً فانتهى، أو أنه ما بقى منه إلا القليل الذى لا يكفى للوضوء فاتاه بماء آخر وتوضأ به، وهو لا يدل على أن الماء الذى يتوضأ به غير الماء الذى يستنجى به، فلا مانع من أن الإنسان يكون معه ماء فى وعاء يستنجى منه ثم يتوضأ بباقيه، لا بأس بذلك ولا مانع منه، والذى ورد فى الحديث لعل السبب فيه أنه إما انتهى الماء الأول الذى بالتور أو الركوة أو أنه بقى منه قليل لا يكفى، فأتاه أبو هريرة بإناء آخر فيه ماء فتوضأ به صلى الله عليه وسلم(شرح سنن أبى داود، لعبد المحسن بن عبد الله بن حمد العباد، ج١٢، ص٨، الاستنجاء بالماء )

[1] وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره(بدائع الصنائع، ج ا ص٨٥، كتاب الطهارة، فصل بيان ما يقع به التطهير)

Idara Ghufran

# ناپاک پانی کو چالو یا زیادہ کرکے پاک کرنے کا طریقہ

جب کوئی پانی نہ تو جاری اور بہتا ہوا ہو، اور نہ ہی کثیر وزیادہ مقدار میں ہو، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے، مثلاً کسی چھوٹے برتن وغیرہ میں موجود پانی، اور یہ پانی کسی نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ کے گرنے کی وجہ سے ناپاک ہوجائے، اور اس پانی کو پاک کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو اس کا حنفیہ کے نزدیک ایک طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل کیا جائے، اور دوسری طرف سے اس کا پانی خارج کیا جائے، اور یہ داخل کرنے اور خارج کرنے کا عمل ایک وقت میں یعنی ایک ساتھ کیا جائے، تو اس سے یہ پانی پاک ہوجائے گا، خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی یہ عمل کیوں نہ کیا جائے، اور تھوڑی مقدار میں ہی پانی کیوں نہ نکلے، یہی راجح ومختار ہے، مگر اس میں یہ شرط ہوگی کہ نجاست وناپاکی کا ذائقہ، رنگ اور بو میں سے کوئی چیز اس میں باقی نہ رہے۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اگر اس پانی سے نجاست کا اثر (ذائقہ، رنگ، بو کی شکل میں) زائل ہوجائے، خواہ وہ پانی زیادہ ہونے یا جاری ہونے یا کسی چیز کے شامل کرنے کی وجہ سے، یا خود ٹھہرے رہنے کی وجہ سے ہو، تو وہ پانی پاک ہوجائے گا، اور شافعیہ کے نزدیک جب پانی دوقلوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہوجائے، خواہ کسی بھی طرح اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے، تو پاک ہوجائے گا، اور حنابلہ کے نزدیک مختلف صورتوں کے مختلف احکام ہیں۔

**تحول الماء الراكد إلى الماء الجارى:**

**المختار عند الحنفية أن الماء النجس الراكد إذا تحول إلى جار يطهر بمجرد جريانه، والجارى ما يعده الناس جاريا بأن يدخل الماء من جانب ويخرج من جانب آخر حال دخوله، وإن قل الخارج، لأنه صار جاريا حقيقة، وبخروج بعضه وقع الشك فى بقاء النجاسة، فلا تبقى مع الشك.**

**وفيه قولان ضعيفان عند الحنفية.**

**الأول :لا يطهر بمجرد التحول، بل لا بد من خروج قدر ما فيه.**

**والثانى :لا بد من خروج ثلاثة أمثاله. ويظهر الفرق بين القول المختار والقولين الآخرين فى :أن الخارج من الحوض يكون طاهرا بمجرد خروجه، بناء على القول المختار .ولا يكون طاهرا قبل الحكم بطهارة الماء الراكد على القولين الآخرين.**

**وعلى هذا الخلاف :البئر وحوض الحمام والأوانى.**

**وأما المالكية فعندهم يتحول الماء الكثير النجس طهورا بزوال التغير، سواء أكان بصب ماء مطلق**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو پانی جاری ہوتے وقت اس برتن وغیرہ سے خارج ہوتا ہے، وہ بھی حنفیہ کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه، قليل أو كثير، أو ماء مضاف مقيد انتفت نجاسته، أم بإلقاء شيء فيه كتراب أو طين، ولم يظهر فيه أحد أوصاف ما ألقى فيه .لأن تنجسه إنما كان لأجل التغير وقد زال، والحكم يدور مع علته وجودا وعدما، كالخمر إذا صارت خلا، وفي تغيره بنفسه، أو بنزح بعضه قولان.

ومذهب الشافعية :أن الماء إذا بلغ قلتين لا ينجس بملاقاة نجس، لحديث إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث أى لا يقبل النجس.

هذا ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه فينجس لحديث :إن الماء طهور لا ينجسه شيء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه.

فإن تغير وصف من هذه الأوصاف تنجس، فإن زال تغيره بنفسه أو بماء انضم إليه طهر .وما دون القلتين ينجس بالملاقاة، فإن بلغهما بماء ولا تغير به فطهور .ولو كوثر بإيراد طهور فلم يبلغ قلتين لم يطهر .وقيل :هو طاهر لا طهور.

وعند الحنابلة :يختلف تطهير الماء المتنجس بالمكاثرة باختلاف أحوال ثلاث للماء :أن يكون دون القلتين، أو وفق القلتين، أو زائدا عنهما.

فإن كان دون القلتين فتطهيره بالمكاثرة بماء آخر.

فإن اجتمع نجس إلى نجس، فالكل نجس وإن كثر، لأن اجتماع النجس إلى النجس لا يتولد بينهما طاهر، كالمتولد بين الكلب والخنزير، ويتخرج أن يطهر إذا زال التغير وبلغ القلتين، لحديث :إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل الخبث وحديث :إن الماء طهور لا ينجسه شيء إلا ماء غير لونه أو طعمه أو ريحه.

وجميع النجاسات في هذا سواء ، إلا بول الآدميين وعذرتهم المائعة، فإن أكثر الروايات عن أحمد أنها تنجس الماء الكثير، إلا أن يبلغ حدا لا يمكن نزحه كالغدران، فذلك الذي لا ينجسه شيء .

فإن كان وفق القلتين:

وإن كان غير متغير فيطهر بالمكاثرة المذكورة.

وإن كان متغيرا يطهر بالمكاثرة إذا أزالت التغير، أو بتركه حتى يزول تغيره بطول المكث.

وإن كان أكثر من القلتين :فإن كان نجسا بغير التغير فلا طريق إلى تطهيره بغير المكاثرة.

وإن كان نجسا متغيرا بالنجاسة فتطهيره إما بالمكاثرة، أو زوال تغيره بمكثه، أو أن ينزح منه ما يزول به التغير، ويبقى بعد ذلك قلتان فصاعدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۰۱، ص۲۷۹، الىٰ ص۲۸۱، مادة "تحول")

ففي الحوض الصغير اذا كان يدخل الماء من جانب ويخرج من جانب آخر يجوز الوضوء على هذا القول مطلقا لكونه ماء جاريا والجارى يجوز التوضء به وعليه الفتوى كذا في التاتار خانية(السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الطهارة)

ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه وكذا البئر وحوض الحمام(الدر المختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پاک شمار ہوتا ہے۔ [1]

پھر حنفیہ کے نزدیک ناپاک پانی کو پاک کرنے کا یہ طریقہ، جس طرح ٹنکی اور ٹینک کے پانی کو پاک کرنے کے لئے مؤثر ہے، اسی طرح کسی برتن اور لوٹے وغیرہ میں رکھے ہوئے پانی کے لئے بھی مؤثر ہے، کہ اگر اس میں موجود ناپاک پانی میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا جائے کہ اوپر کی طرف سے پانی بہہ پڑے، یعنی اوور فلو ہو جائے، تو بھی وہ پانی اور برتن پاک ہو جاتا ہے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله :بمجرد جريانه) أى بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج بحر. قال ابن الشحنة :لأنه صار جاريا حقيقة، وبخروج بعضه رفع الشك فى بقاء النجاسة فلا تبقى مع الشك .اهـ .وقيل لا يطهر حتى يخرج قدر ما فيه، وقيل ثلاثة أمثاله بحر، فلو خرج بلا دخول كأن ثقب منه ثقب فليس بجار، ولا يلزم أن يكون الحوض ممتلئا فى أول وقت الدخول؛ لأنه إذا كان ناقصا فدخله الماء حتى امتلأ وخرج بعضه طهر أيضا كما لو كان ابتداء ممتلئا ماء نجسا كما حققه فى الحلية (ردالمحتار، ج ا ص ۱۹۵، ۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

[1] وذكر فيها أن الخارج من الحوض نجس قبل الحكم عليه بالطهارة .اهـ .أقول :هو ظاهر على القولين الأخيرين؛ لأنه قبل خروج المثل أو ثلاثة الأمثال لم يحكم بطهارة الحوض، فيظهر كون الخارج نجسا .وأما على القول المختار فقد حكم بالطهارة بمجرد الخروج فيكون الخارج طاهرا تأمل، ثم رأيته فى الظهيرية ونصه :والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه، وإن رفع إنسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز اهـ فلله الحمد، لكن فى الظهيرية أيضا حوض نجس امتلأ ماء وفار ماؤه على جوانبه وجف جوانبه لا يطهر، وقيل يطهر اهـ .وفيها :ولو امتلأ فتشرب الماء فى جوانبه لا يطهر ما لم يخرج الماء من جانب آخر .اهـ .وفى الخلاصة :المختار أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه (ردالمحتار، ج ا ص ۱۹۵، ۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

[2] فلو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة يطهر، أما قدر ذراع أو ذراعين فلا اهـ فليتأمل.

(قوله :وكذا البئر وحوض الحمام) أى يطهران من النجاسة بمجرد الجريان، وكذا ما فى حكمه من العرف المتدارك كما مر .مطلب فى إلحاق نحو القصعة بالحوض (تنبيه)

هل يلحق نحو القصعة بالحوض؟ فإذا كان فيها ماء نجس ثم دخل فيها ماء جار حتى طف من جوانبها هل تطهر هى والماء الذى فيها كالحوض أم لا لعدم الضرورة فى غسلها؟ توقفت فيه مدة، ثم رأيت فى خزانة الفتاوى :إذا فسد ماء الحوض فأخذ منه بالقصعة وأمسكها تحت الأنبوب فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لا يجوز .اهـ .وفى الظهيرية فى مسألة الحوض :لو خرج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح اگر کوئی ڈول ناپاک ہو، اور اس میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا جائے، کہ اس کے بھرنے کے بعد اوپر سے بہہ پڑے، تو اس طرح سے وہ ڈول بھی پاک ہوجاتا ہے۔ [1]

اور اگر کسی کنویں کا پانی ناپاک ہوجائے، اور اس میں ایک طرف سے پائپ وغیرہ لگا کر پاک پانی داخل کیا جائے، اور دوسری طرف سے پانی موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے باہر کھینچا جائے، تو وہ بھی پاک ہوجاتا ہے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من جانب آخر لا يطهر ما لم يخرج مثل ما فيه ثلاث مرات كالقصعة عند بعضهم .والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه .اهـ .فالظاهر أنما في الخزانة مبنى على خلاف الصحيح، يؤيده ما فى البدائع بعد حكايته الأقوال الثلاثة فى جريان الحوض حيث قال ما نصه :وعلى هذا حوض الحمام أو الأوانى إذا تنجس .اهـ .ومقتضاه أنه على القول الصحيح تطهر الأوانى أيضا بمجرد الجريان، وقد علل فى البدائع هذا القول بأنه صار ماء جاريا ولم نستيقن ببقاء النجاسة فيه، فاتضح الحكم ولله الحمد (ردالمحتار، ج ا ص۱۹۵، ۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

[1] وبقى شىء آخر سئلت عنه، وهو أن دلوا تنجس فأفرغ فيه رجل ماء حتى امتلأ وسال من جوانبه هل يطهر بمجرد ذلك أم لا؟ والذى يظهر لى الطهارة، أخذا مما ذكرناه هنا ومما مر من أنه لا يشترط أن يكون الجريان بمدد، وما يقال إنه لا يعد فى العرف جاريا ممنوع لما مر من أنه لو سال دم رجله مع العصير لا ينجس، وكذا ما ذكره الشارح بعده من أنه لو حفر نهرا من حوض صغير أو صب الماء فى طرف الميزاب إلخ وكذا ما ذكرناه هناك عن الخزانة والذخيرة من المسائل، فكل هذا اعتبروه جاريا فكذا هنا .وأخبرنى شيخنا حفظه الله تعالى أن بعض أهل عصره فى حلب أفتى بذلك حتى فى المائعات وأنهم أنكروا عليه ذلك (ردالمحتار، ج ا ص۱۹۵، ۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

[2] وطريق تطهير الحوض المملوء ماء ان يخرج ماؤه من جانب اخر وان قل فانه ح يصير كالجارى وقيل لا حتى يخرج قدر ما فيه وقيل حتى يخرج ثلثة مثاله وصحح الاول فى المحيط وغيره كذا فى البحر وفى الخلاصة الحوض الصغير اذا تنجس فدخل الماء من جانب وخرج من جانب اخر فيه اقاويل قال الصدر الشهيد المختار انه يطهر وان لم يخرج قدر ما فيه وكذا البير فلو امتلأ الحوض من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة تطهر انتهى وفى البحر عبارة كثير منهم فى هذه المسألة تفيد ان الحكم بطهارة الحوض انما هو اذا كان الخروج حالة الدخول وهو كذلك فى ما يظهر لانه ح يكون معنى الجارى ثم كلامهم يشير الى ان الخارج منه نجس قبل الحكم على الحوض بالطهارة وهو كذلك كما فى شرح منية المصلى انتهى،وقال ابن عابدين فى رد المحتار لا يلزم ان يكون الحوض ممتلئا ماء نجسا ما حققه فى الحلية وذكر فها ان الخارج من الحوض نجس اقول هو ظاهر على القولين الاخيرين لانه قبل خروج المل او ثلثة امثال لم يحكم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ ناپاک پانی کو پاک کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا اور شامل کیا جائے، کہ پہلا پانی اور یہ شامل شدہ پانی باہم مل کر کثیر اور زیادہ پانی کا درجہ حاصل کرلے، اور پانی میں نجاست و ناپاکی کا اثر (ذائقہ، بو، اور رنگ کی شکل میں) بھی باقی نہ رہے، اور کثیر و زیادہ پانی کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بطهارة الحوض فيظهر كون الخارج نجسا واما على قول المختار فقد حكم بالطهارة بمجرد الخروج فيكون الخارج طاهرا تامل م رأيت فى الظهيرية ونصه الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز فلله الحمد انتهى(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الطهارة)

[1] ذهب الحنفية والمالكية إلى أن تطهير المياه النجسة يكون بصب الماء عليها ومكاثرتها حتى يزول التغير.

ولو زال التغير بنفسه، أو بنزح بعضه، فعند المالكية قولان، قيل :إن الماء يعود طهورا، وقيل : باستمرار نجاسته، وهذا هو الأرجح.

قال الدسوقى :لأن النجاسة لا تزال إلا بالماء المطلق، وليس حاصلا، وحينئذ فيستمر بقاء النجاسة.

ومحل القولين فى الماء الكثير الذى زال تغيره بنفسه أو بنزح بعضه، أما القليل فإنه باق على تنجسه بلا خلاف.

كما يطهر الماء النجس عند المالكية لو زال تغيره بإضافة طاهر، وبإلقاء طين أو تراب إن زال أثرهما، أى لم يوجد شىء من أوصافهما فيما ألقيا فيه، أما إن وجد فلا يطهر، لاحتمال بقاء النجاسة مع بقاء أثرهما.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى :أن الماء إن بلغ قلتين فإنه لا ينجس إلا إذا غيرته النجاسة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل الخبث وقوله صلى الله عليه وسلم :إن الماء لا ينجسه شىء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه وتطهيره حينئذ يكون بزوال التغير، سواء زال التغير بنفسه :كأن زال بطول المكث، أو بإضافة ماء إليه.

قال القليوبى :وهذا فى التغير الحسى، وأما التقديرى :كما لو وقع فى الماء نجس لا وصف له فيقدر مخالفا أشد، كلون الحبر وطعم الخل وريح المسك، فإن غيره فنجس، ويعتبر الوصف الموافق للواقع، ويعرف زوال التغير منه بزوال نظيره من ماء آخر، أو بضم ماء إليه لو ضم للمتغير حسا لزال، أو بقى زمنا ذكر أهل الخبرة أنه يزول به الحسى.

ولا يطهر الماء إن زال التغير بمسك أو زعفران أو خل، للشك فى أن التغير زال أو استتر، والظاهر الاستتار، مثل ذلك زوال التغير بالتراب والجص.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر مذکورہ صورتوں میں جس طرح پانی پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح پانی جس برتن یا ٹینکی اور اس کے پائپوں میں ہے، وہ بھی پاک ہوجاتے ہیں، اور اگر پانی کے اندر کوئی اور چیز مثلاً کپڑا وغیرہ ہو، تو وہ بھی پاک ہوجاتا ہے، جس کا ذکر آگے کپڑے کی پاکی کے طریقہ میں آتا ہے۔

## استعمال شدہ پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کا حکم

بعض لوگ وضو اور غسل کے استعمال شدہ پانی کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور اگر وضو یا غسل کرتے وقت اس پانی کی چھینٹیں لوٹے یا بالٹی وغیرہ میں گرجائیں، تو اس کو ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں، یا چھینٹیں پڑنے کے بعد اس پانی سے وضو یا غسل کرنے کو درست نہیں سمجھتے، اور پھر اس کے نتیجہ میں مختلف پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں، حالانکہ وضو اور غسل کا استعمال شدہ پانی ''جسے فقہی زبان میں ماءِ مستعمَل کہا جاتا ہے'' ناپاک نہیں ہوتا۔

آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَفْنَةٍ، فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا، فَقَالَ: إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ (سنن الترمذی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونص الحنابلة على أنه إن نزح من الماء المتنجس الكثير، وبقى بعد المنزوح كثير غير متغير، فإنه يطهر لزوال علة تنجسه، وهى التغير . وكذا المنزوح الذى زال مع نزحه التغير طهور إن لم تكن عين النجاسة فيه.

وإن كان الماء دون القلتين فإنه ينجس بملاقاة النجاسة وإن لم تغيره، وتطهيره يكون بإضافة الماء إليه حتى يبلغ القلتين ولا تغير به ولو كوثر بإيراد طهور فلم يبلغ القلتين لم يطهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۰۳، مادة "طهارة")

[1] رقم الحديث ۶۵، ابواب الطهارة، باب الرخصة فى ذلک.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح، وهو قول سفيان الثوری، ومالک، والشافعی.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: ازواج مطہرات میں سے کسی نے ایک بڑے برتن میں (موجود پانی سے) غسل کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (برتن میں موجود پانی) سے وضو کرنے کا ارادہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں جنابت (یعنی غسل واجب ہونے) کی حالت سے تھی (اور میں نے اس برتن میں موجود پانی سے جنابت والا واجب غسل کیا ہے، تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی جنبی نہیں ہوتا (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ، وَإِنَّا لَجُنُبَانِ، وَلٰكِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۹۷۸)[1]

ترجمہ: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن کے پانی سے غسل کرلیا کرتے تھے، اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے، لیکن پانی جنبی نہیں ہوتا (مسند احمد)

اُمُّ المؤمنین حضرت خولہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

رُبَّمَا اخْتَلَفَتْ يَدِيْ وَيَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْوُضُوْءِ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ (سنن ابن ماجه)[2]

ترجمہ: بعض اوقات میرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ وضو کرتے وقت ایک برتن میں (چلّو وغیرہ سے وضو کا پانی لینے کے لئے) اکٹھا پڑ جاتا تھا (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تکلفات نہیں تھے، بعض اوقات برتن کے پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو سے اور بعض اوقات کسی برتن وغیرہ سے وضو یا غسل کے لئے پانی لیا جاتا تھا۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ وضو کرتے وقت پانی لینے کے لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے

---

[1] في حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] رقم الحديث ۳۸۲، كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل والمرأة يتوضآن من إناء واحد.

Idara Ghufran

نہ وہ پانی ناپاک ہوتا، اور نہ اس میں پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہوتی۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب بار بار پانی لینے یا چلو بھرنے کے لئے برتن (بالٹی، لوٹے وغیرہ) میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے، تو جسم سے استعمال شدہ پانی بھی اس برتن میں گرتا ہے۔

اور حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ پانی جنبی نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جنابت والے (یعنی غسل واجب شدہ) شخص کے غسل سے استعمال شدہ پانی کسی چیز کو لگ جائے، یا برتن میں گر جائے، یا کسی اور جگہ وہ پانی لگ جائے، تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ فَقَالَ: كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا** (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، جبکہ وہ جنبی ہو، راوی نے حضرت ابو ہریرہ سے عرض کیا کہ پھر (اس ٹھہرے ہوئے پانی سے غسل) کیسے کرے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے پانی لے کر غسل کرے (مسلم)

ٹھہرا ہوا پانی جبکہ وہ کم مقدار میں ہو، اس میں داخل ہو کر غسل سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس کی وجہ سے وہ سارا پانی مستعمَل ہو جاتا ہے، اور استعمالی یا مستعمل ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ وہ ناپاک نہ ہوتا ہو، لیکن اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ [3]

---

[1] وقوله " :إن الماء لا يجنب "أى :لا يأخذ حكم الجنابة، ولا يصير بمثل هذا الفعل إلى حال لا يستعمل(مرقاة المفاتيح، ج ۲ ص ۴۳۷، كتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب وما يباح له)

[2] رقم الحديث ۲۸۳ ''۹۷'' كتاب الطهارة، باب النهى عن الاغتسال فى الماء الراكد.

[3] (قال لا يغتسل) بالجزم، وقيل :بالرفع ( "أحدكم فى الماء الدائم وهو جنب ") : هذا النهى إنما يكون فى الماء القليل ;لأنه يصير مستعملا باغتسال الجنب، فحينئذ قد أفسد الماء على الناس ;لأنه لا يصلح للاغتسال والتوضؤ منه بعد ذلك، كذا ذكره ابن الملك .وقال القاضى : تقييد النهى بالحال يدل على أن المستعمل فى غسل الجنابة إذا كان راكدا لا يبقى على ما كان، وإلا لم يكن للنهى المقيد فائدة(مرقاة المفاتيح، ج ۲ ص ۴۴۷، كتاب الطهارة، باب أحكام المياه)

مذکورہ اور اس جیسی احادیث سے فقہائے کرام نے مستعمل پانی کی حیثیت متعین کرنے پر کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس پانی سے رفعِ حدث یعنی وضو یا غسل کیا جائے، خواہ واجب یعنی جنابت والا غسل کیوں نہ ہو، اس غرض کے لئے استعمال شدہ پانی اگر نہ تو چلتا پانی ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ پانی ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، تو اس سے حنفیہ کے نزدیک دوبارہ رفعِ حدث یعنی وضو اور غسل کرنا تو جائز نہیں ہوتا، البتہ اس پانی سے کسی ظاہری نجاست کو دھونا جائز ہوتا ہے۔ ۱

---

۱ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ماءِ مستعمل وہ کہلاتا ہے، جسے رفعِ حدث یا قربت وثواب حاصل کرنے کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، اور وہ استعمال کے بعد جسم سے جدا ہو گیا ہو، اور جسے رفعِ حدث اور قربت کے طور پر استعمال نہ کیا گیا ہو، وہ ماءِ مستعمل نہیں کہلاتا۔

اور امام محمد کے نزدیک ماءِ مستعمل وہ کہلاتا ہے کہ جس کو قربت وثواب حاصل کرنے کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، اور امام زفر کے نزدیک ماءِ مستعمل وہ کہلاتا ہے، جو ازالۂ حدث کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔

اگر کوئی جنبی مثلاً وضو کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بالٹی وغیرہ میں داخل کرے، تو اس سے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ قربت کے طور پر استعمال کرنا کہلاتا ہے، اور اگر پانی لینے یا پانی کی ٹھنڈک وگرمی کو معلوم کرنے کے لئے داخل کرے، تو وہ پانی مستعمل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ قربت کے طور پر استعمال کرنا نہیں کہلاتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص باوضو تھا، اور اس نے صرف ٹھنڈک حاصل کرنے (نہ کہ ثواب) کے لئے غسل کیا، تو حنفیہ کے نزدیک یہ پانی بھی مستعمل نہیں بنے گا۔

**الماء المستعمل عند الحنفية:**

**الماء المستعمل عند أبي حنيفة وأبي يوسف :هو الماء الذى أزيل به حدث أو استعمل فى البدن على وجه القربة، كالوضوء على الوضوء بنية التقرب أو لإسقاط فرض.**

**وعند محمد بن الحسن :هو الماء الذى استعمل لإقامة قربة.**

**وعند زفر :هو الماء المستعمل لإزالة الحدث.**

**والمذهب عند الحنفية :أن الماء يصير مستعملا بمجرد انفصاله عن البدن.**

**ويظهر أثر هذا الخلاف عندهم فى المراد من الماء المستعمل فيما يلى:**

**أ -إذا توضأ بنية إقامة القربة نحو الصلاة المعهودة وصلاة الجنازة ودخول المسجد ومس المصحف وقراء ة القرآن ونحوها.**

**فإن كان محدثا صار الماء مستعملا بلا خلاف لوجود السببين، وهما :إزالة الحدث وإقامة القربة.**

**وإن كان غير محدث يصير الماء مستعملا عند الثلاثة أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد لوجود إقامة القربة، لكون الوضوء على الوضوء نور على نور، وعند زفر :لا يصير مستعملا لانعدام إزالة الحدث.**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ماءِ مستعمَل یعنی وضو اور غسل کے استعمال شدہ پانی کے متعلق حنفیہ کے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہ پانی بذاتِ خود تو پاک ہوتا ہے، لیکن اس سے دوبارہ غسل یا وضو کرنا درست نہیں ہوتا، لہٰذا اگر یہ پانی کسی برتن یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے، یا پانی میں گر جائے، تو وہ برتن یا کپڑا اور پانی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا، البتہ حنفیہ کے نزدیک اس پانی سے ظاہری نجاست (مثلاً کپڑے یا جسم پر لگے ہوئے پیشاب، پاخانہ وغیرہ) کو پاک کرنا درست ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -إذا توضأ أو اغتسل للتبرد، فإن كان محدثا صار الماء مستعملا عند أبي حنيفة وأبي يوسف وزفر لوجود إزالة الحدث وعند محمد :لا يصير مستعملا لعدم إقامة القربة، وإن لم يكن محدثا لا يصير مستعملا بالاتفاق.

ج -إذا توضأ بالماء المقيد كماء الورد ونحوه لا يصير مستعملا بالاتفاق لأن التوضؤ به مخير جائز، فلم يوجد إزالة الحدث ولا إقامة القربة.

د -إذا غسل الأشياء الطاهرة من النبات والثمار والأواني والأحجار ونحوه، أو غسلت المرأة يدها من العجين أو الحناء ونحو ذلك، لا يصير الماء مستعملا.

والماء المستعمل عند الحنفية ليس بطهور لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد فإنه يجوز إزالة النجاسة الحقيقية به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص ۳۵۹، ۳۶۰، مادة " مياه ")

ولو أدخل الكف إن أراد الغسل صار الماء مستعملا، وإن أراد الاغتراف لا(الدر المختار مع ردالمحتار، ج ا ص ۲ ۱ ۱، كتاب الطهارة،سنن الوضوء)

[1] ملحوظ رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ماءِ مستعمَل کے بارے میں تین قسم کی روایات منسوب ہیں، ایک نجسِ غلیظ ہونے کی، دوسری نجسِ خفیف ہونے کی، تیسری طاہر غیر مطہّر ہونے کی۔

محققین مشائخ نے تیسری روایت کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے اسی پر فتوے کا حکم بیان فرمایا ہے، بغیر اس تفصیل کے کہ وہ مستعمَل پانی وضو کا ہو، یا جنبی کے غسل کا، اور احادیث سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

ماء طاهر في نفسه غير مطهر، وهو عند الحنفية الماء المستعمل، وعرفوه بأنه :ما أزيل به حدث أو استعمل في البدن على وجه القربة، ولا يجوز استعماله في طهارة الأحداث، بخلاف الخبث، ويصير مستعملا عندهم بمجرد انفصاله عن الجسد ولو لم يستقر بمحل.

وعند جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -هو :الماء المغير طعمه أو لونه أو ريحه بما خالطه من الأعيان الطاهرة تغيرا يمنع إطلاق اسم الماء عليه، وهو كذلك عند الشافعية :الماء المستعمل في فرض الطهارة ونفلها على الجديد.

وصرح جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -بأن هذا النوع لا يرفع حكم الخبث أيضا، وعند الحنفية يرفع حكم الخبث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۹۷، وص۹۸، مادة "طهارة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اگر تھوڑے پاک پانی کے ساتھ مستعمَل یا استعمال شدہ پانی مِلا دیا جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مجموعہ کو اس پانی کا حکم حاصل ہوگا، جس کی مقدار زیادہ ہوگی، مثلاً اگر ایک لوٹے کی مقدار استعمال شدہ پانی میں ڈیڑھ لوٹا غیر استعمال شدہ پاک پانی کا ملا دیا جائے، تو یہ سارا پانی غیر استعمال شدہ پاک پانی کہلائے گا، جس سے وضو، غسل وغیرہ سب کچھ کرنا جائز ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وضو یا غسل کرتے وقت برتن میں بار بار پانی لینے کے لئے ہاتھ ڈالتے وقت جو جسم سے استعمال شدہ پانی اس برتن میں گرتا ہے، اس کی مقدار چونکہ اصل پانی سے کم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والماء المستعمل عند الحنفية ليس بطهور لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد فإنه يجوز إزالة النجاسة الحقيقية به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص ۳۶۰، مادة "مياه")

وقد صحح المشايخ رواية محمد حتى قال فى المجتبى وقد صحت الروايات عن الكل أنه طاهر غير طهور إلا الحسن وقال فخر الإسلام فى شرح الجامع الصغير هو المختار عندنا، وهو المذكور فى عامة كتب محمد عن أصحابنا فاختاره المحققون من مشايخ ما وراء النهر وفى المحيط أنه المشهور عن أبى حنيفة وفى كثير من الكتب وعليها الفتوى من غير تفصيل بين المحدث والجنب المذكور فى فتاوى الولوالجى والتجنيس فى مواضع أن الفتوى على رواية محمد لعموم البلوى إلا فى الجنب وقد ذكر النووى أن الصحيح من مذهب الشافعى أنه طاهر غير طهور وبه قال أحمد، وهو رواية عن مالك ولم يذكر ابن المنذر عنه غيرها، وهو قول جمهور السلف والخلف اهـ. وجه رواية النجاسة قوله -صلى الله عليه وسلم -لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة كذا فى الهداية وكثير من الكتب (البحرالرائق، ج ۱، ص ۹۹، احكام المياه، صفة الماء المستعمل)

والمختار أنه طاهر كما هو اختيار أكثر المشايخ.وظاهر الرواية عن الإمام وعليه الفتوى وإطلاق قول أبى حنيفة -رحمه الله -على أن الماء المستعمل نجس ليس بسديد؛ لأن رواية كونه نجسا عنه رواية شاذة كما بين آنفا تدبر(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص ۳۱، كتاب الطهارة)

وقال مشايخ العراق :إنه طاهر عند أصحابنا .واختار المحققون من مشايخ ما وراء النهر طهارته، وعليه الفتوى(فتح القدير، ج ۱، ص ۸۵، كتاب الطهارات)

(قوله :وهو الظاهر) كذا فى الذخيرة أى ظاهر الرواية، وممن صرح بأن رواية الطهارة ظاهر الرواية وعليها الفتوى فى الكافى والمصفى كما فى شرح الشيخ إسماعيل(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۲۰۱، كتاب الطهارة، باب المياه)

ہوتی ہے، اس لئے وہ پانی اپنی اصلی حالت پر غیر استعمالی رہتا ہے۔ [1]

اور جس پانی سے وضو یا غسل کیا گیا ہو، یعنی رفعِ حدث کے بجائے، ظاہری نجاست کو دور کیا گیا ہو، اور بالفاظِ دیگر نجاستِ حکمیہ کے بجائے نجاستِ حقیقیہ کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، مثلاً پیشاب، پاخانہ دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، تو اس غرض کے لئے استعمال شدہ پانی اگر نہ تو چلتا پانی ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ پانی ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح کا استعمال شدہ پانی ناپاک کہلاتا ہے، جس سے نہ تو وضو یا غسل کرنا جائز ہوتا، اور نہ ہی ظاہری نجاست کو پاک کرنا درست ہوتا۔

مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ پانی ایسی حالت کا استعمال شدہ ہو کہ اس وقت تک نجاست دور نہ ہوئی ہو، اور اگر نجاست دور ہونے کے بعد کی حالت کا استعمال شدہ پانی ہے، تو وہ ناپاک نہیں کہلائے گا، مثلاً بدن، کپڑے یا کسی اور چیز پر پاخانہ وغیرہ لگا ہوا تھا، اور ایک یا زیادہ مرتبہ دھونے سے وہ جگہ پاک ہوگئی، تو اس جگہ کے پاک ہونے سے پہلے کا استعمال شدہ پانی تو ناپاک کہلائے گا، اور اس جگہ کے پاک ہونے کے بعد کا استعمال شدہ پانی پاک کہلائے گا، یہ مذکورہ تفصیل تو فقہائے حنفیہ کے نزدیک تھی۔ [2]

اور مالکیہ کے نزدیک جس پانی سے وضو یا غسل کیا جائے یا اس سے ظاہری نجاست کو دور کیا جائے، تو اس پانی سے دوبارہ وضو، غسل کرنا اور کسی دوسری ناپاک چیز کو دھو کر پاک کرنا سب

---

[1] المطلق أكثر من النصف جاز التطهير بالكل وإلا لا (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ا ص ۱۸۲، باب المياه)

والماء المستعمل على القول المفتى به من طهارته إذا اختلط بالمطلق فالعبرة للأجزاء فإن كان الماء المطلق أكثر جاز الوضوء بالكل، وإن كان مغلوبا لا يجوز، وإن استويا لم يذكر فى ظاهر الرواية. وفى البدائع قالوا حكمه حكم الماء المغلوب احتياطا وعليه، وعلى الأول يحمل قول من قال العبرة بالأجزاء، وهو قول أبى يوسف الذى اختاره فى الهداية (البحرالرائق، ج ا ص ۷۳، كتاب الطهارة، احكام المياه)

[2] كما أزيل به النجاسة الحقيقية (البحرالرائق، ج ا ص ۱۰۱، كتاب الطهارة، باب احكام المياه)

www.idaraghufran.org

کچھ درست ہوتا ہے، مگر اس کو دوبارہ وضو یا غسل کے لئے استعمال کرنا مکروہ ہے۔ [1]

اور شافعیہ کے نزدیک جس پانی کو فرض پا کی حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، مثلاً رفعِ حدث یعنی وضو یا غسل کرنے کے لئے استعمال شدہ پہلی مرتبہ کا پانی، اور وہ نہ تو چلتا پانی ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ پانی ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، تو ان کے نزدیک بھی یہ پانی اپنی ذات میں پاک ہوتا ہے، اور ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس پانی سے دوبارہ وضو یا غسل کرنا یا کسی ظاہری ناپاکی کو دور کرنا درست نہیں ہوتا، اور جو پانی فرض پاکی حاصل کرنے کے بعد استعمال کیا گیا ہو، مثلاً وضو یا غسل میں پہلی مرتبہ کے بعد کا پانی اور اسی طرح جس کا وضو ہو، اس کے دوبارہ وضو کرنے کے لئے استعمال شدہ پانی تو وہ پانی شافعیہ کے نزدیک پوری طرح پاک ہوتا ہے، اور اس سے دوبارہ وضو اور غسل کرنا یا کسی

---

[1] الماء المستعمل عند المالكية:
ذهب المالكية إلى أن الماء المستعمل:
هو ما استعمل فى رفع حدث أو فى إزالة حكم خبث، وأن المستعمل فى رفع حدث : هو ما تقاطر من الأعضاء أو اتصل بها أو انفصل عنها -وكان المنفصل يسيرا -أو غسل عضوه فيه .
وحكمه عندهم أنه طاهر مطهر لكن يكره استعماله فى رفع حدث أو اغتسالات مندوبة مع وجود غيره إذا كان يسيرا، ولا يكره على الأرجح استعماله مرة أخرى فى إزالة النجاسة أو غسل إناء ونحوه.
قال الدسوقى :والكراهة مقيدة بأمرين :أن يكون ذلك الماء المستعمل قليلا كآنية الوضوء والغسل، وأن يوجد غيره، وإلا فلا كراهة، كما أنه لا كراهة إذا صب على الماء اليسير المستعمل ماء مطلق غير مستعمل، فإن صب عليه مستعمل مثله حتى كثر لم تنتف الكراهة لأن ما ثبت للأجزاء يثبت للكل، واستظهر ابن عبد السلام نفيها .
وقال الدردير :الماء اليسير الذى هو قدر آنية الغسل فأقل المستعمل فى حدث يكره استعماله فى حدث بشروط ثلاثة :أن يكون يسيرا، وأن يكون استعمل فى رفع حدث لا حكم خبث، وأن يكون الاستعمال الثانى فى رفع حدث .
وعلى هذا فإن الماء المستعمل فى حكم خبث لا يكره له استعماله، وأن الماء المستعمل فى حدث لا يكره استعماله فى حكم خبث، والراجح فى تعليل الكراهة أنه مختلف فى طهوريته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص ۳۶۰، مادة " مياه ")

ظاہری ناپاکی کو دور کرنا سب کچھ درست ہوتا ہے۔ [۱]

اور جس پانی سے وضو یا غسل کیا گیا ہو یعنی رفعِ حدث کے بجائے، ظاہری نجاست کو دور کیا گیا ہو، اور بالفاظِ دیگر نجاستِ حکمیہ کے بجائے نجاستِ حقیقیہ کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، مثلاً پیشاب، پاخانہ دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، تو اس غرض کے لئے استعمال شدہ وہ پانی اگر نہ تو چلتا پانی ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ پانی ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، تو شافعیہ کے نزدیک اگر اس پانی میں نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا ہو گیا ہو، تو یہ پانی ناپاک کہلاتا ہے، جس سے نہ تو وضو یا غسل کرنا جائز ہوتا، اور نہ ہی ظاہری نجاست کو پاک کرنا درست ہوتا، اور اگر اس پانی میں نجاست کی وجہ سے تغیر پیدا نہ ہوا ہو، تو پھر شافعیہ کے نزدیک

---

[۱] الماء المستعمل عند الشافعية:

الماء المستعمل عند الشافعية :هو الماء القليل المستعمل فى فرض الطهارة عن حدث كالغسلة الأولى فيه، أو فى إزالة نجس عن البدن أو الثوب، أما نفل الطهارة كالغسلة الثانية، والثالثة فالأصح فى الجديد أنه طهور .

ويفرق الشافعية بين القليل الذى لا يبلغ قلتين، وبين الكثير الذى يبلغ قلتين فأكثر.

فيرون فى المذهب الجديد :أن القليل من الماء المستعمل طاهر غير طهور، فلا يرفع حدثا ولا يزيل نجسا لأن السلف الصالح كانوا لا يحترزون عنه ولا عما يتقاطر عليهم منه.

فعن جابر رضى الله عنه قال :جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودنى وأنا مريض لا أعقل فتوضأ وصب على من وضوئه فعقلت .

ولأن السلف الصالح -مع قلة مياههم -لم يجمعوا الماء المستعمل للاستعمال ثانيا بل انتقلوا إلى التيمم، كما لم يجمعوه للشرب لأنه مستقذر.

فإن جمع الماء المستعمل فبلغ قلتين فطهور على الأصح .

واختلف فى علة منع استعمال الماء المستعمل، قال الشربينى :وهو الأصح :لأنه غير مطلق كما صححه النووى وغيره.

فإن جمع المستعمل على الجديد فبلغ قلتين فطهور فى الأصح لأن النجاسة أشد من الاستعمال، والماء المتنجس لو جمع حتى بلغ قلتين أى ولا تغير به صار طهورا قطعا، فالمستعمل أولى، ومقابل الأصح لا يعود طهورا لأن قوته صارت مستوفاة بالاستعمال فالتحق بماء الورد ونحوه وهو اختيار ابن سريج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹ص ۳۶۱، مادة "مياه")

ایک قول کے مطابق دفعِ حرج کی وجہ سے یہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، اور ایک قول کے مطابق ناپاک ہوجاتا ہے۔ [1]

مگر شافعیہ کے نزدیک بھی یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ پانی اسی وقت کا ہو، جب تک کہ نجاست دور نہ ہوئی ہو، اور اگر نجاست دور ہونے کے بعد کا استعمال شدہ پانی ہے، تو وہ ناپاک نہیں کہلاتا، مثلاً کسی جگہ بدن یا کسی اور چیز پر پیشاب یا پاخانہ لگا ہوا تھا، اور ایک یا زیادہ مرتبہ دھونے سے وہ جگہ پاک ہوگئی، تو اس جگہ کے پاک ہونے سے پہلے کا استعمال شدہ پانی تو ایک قول کے مطابق ناپاک کہلائے گا، اور اس جگہ کے پاک ہونے کے بعد کا استعمال شدہ

---

[1] ویقول الشیرازی :الماء المستعمل ضربان :مستعمل فی طهارة الحدث، ومستعمل فی طهارة النجس.

فأما المستعمل فی طهارة الحدث فینظر فیه :فإن استعمل فی رفع حدث فهو طاهر، لأنه ماء طاهر لاقی محلا طاهرا، فكان طاهرا، كما لو غسل به ثوب طاهر.

ثم قال :وأما المستعمل فی النجس فینظر فیه:

فإن انفصل من المحل وتغیر فهو نجس لقوله صلی الله علیه وسلم :إن الماء لا ینجسه شیء إلا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه .

وإن كان غیر متغیر ففیه ثلاثة أوجه:

أحدها :أنه طاهر، وهو قول أبی العباس وأبی إسحاق لأنه ماء لا یمكن حفظه من النجاسة فلم ینجس من غیر تغیر كالماء الكثیر إذا وقعت فیه نجاسة.

والثانی :أنه ینجس، وهو قول أبی القاسم الأنماطی لأنه ماء قلیل لاقی نجاسة، فأشبه ما وقعت فیه نجاسة.

والثالث :أنه إن انفصل والمحل طاهر فهو طاهر، وإن انفصل والمحل نجس، فهو نجس .وهو قول أبی العباس بن القاص لأن المنفصل من جملة الباقی فی المحل :فكان حكمه فی النجاسة والطهارة حكمه (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۳۹ ص ۳۶۱، مادة " میاه ")

فأما الماء المستعمل فی إزالة النجاسة إذا لم یتغیر ففیه ثلاثة أوجه:

أظهرها أنه طاهر وهو قول أبی إسحاق،والثانی أنه نجس وهو قول ابی القاسم الأنماطی وقول ابی حنیفة،والثالث أنه إن انفصل والمحل طاهر فهو طاهر وإن انفصل والمحل نجس فهو نجس وهو قول ابن القاص.

فإذا قلنا إنه طاهر فهل یجوز الوضوء به فیه وجهان(حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء لابی بكر فخر الإسلام الشافعی ، ج ۱ ص ۸۴، فصل اما الماء المستعمل)

www.idaraghufran.org

پانی پاک کہلائے گا۔ [1]

اورحنابلہ کے نزدیک جو پانی رفعِ حدث یعنی وضو یا غسل کے لئے استعمال کیا گیا ہو، اس سے

---

[1] وهذا كله فى غسالة استعملت فى واجب الطهارة أما الماء المستعمل فى مندوبها كالثانية والثالثة فطاهر قطعا ومطهر على المذهب والله أعلم(كفاية الاخيار فى حل غاية الاختصار، ج ١ ص ٧٣، كتاب الطهارة، باب ازالة النجاسة)

فغسالة النجاسة إن انفصلت متغيرة الطعم أو اللون أو الريح بالنجاسة فهى نجسة بالإجماع والمحل المغسول باق على نجاسته وإن لم يتغير فإن كانت قلتين فطاهرة بلا خلاف ومطهرة على المذهب :وقيل فى كونها مطهرة وجهان وسنذكرهما إن شاء الله تعالى وإن كانت دون القلتين فثلاثة أوجه وحكاها الخراسانيون أقوالا أصحها الثالث وهو أنه إن انفصل وقد طهر المحل فطاهرة وإلا فنجسة قال الخراسانيون وهذا هو الجديد وصححه الجمهور فى الطريقتين :وقطع به المحاملى فى المقنع والجرجانى فى البلغة وشذ الشاشى فصحح فى كتابيه المعتمد والمستظهرى أنها طاهرة مطلقا وهو طاهر كلام المصنف فى التنبيه والمختار ما صححه الجمهور قالوا والقول بالطهارة مطلقا هو القديم وبالنجاسة مطلقا خرجه الأنماطى من رفع الحدث :ووجه التخريج أنه انتقل إليه المنع كما فى المستعمل فى رفع الحدث قالوا فالجديد يقول حكم الغسالة حكم المحل بعد الغسل والقديم حكمها حكمها قبل الغسل والمخرج لها حكم المحل قبل الغسل ويتخرج على هذا الخلاف غسالة ولوغ الكلب :فإذا وقع من الاولى شء على ثوب أو غيره فعلى القديم لا يجب غسله وعلى الجديد يغسل ستا وعلى المخرج سبعا :ولو وقع من السابعة لم يغسل على الجديد والقديم ويغسل على المخرج مرة ومتى وجب الغسل عنها فإن سبق التعفير بالتراب لم يجب وإلا وجب وفى وجه ضعيف لكل غسلة سبع حكم المحل فيغسل منها مرة هذا كله إذا لم يزد وزن الغسالة فإن كانت النجاسة ببول مثلا فغسل فزاد وزن الغسالة ولم يتغير فطريقان المذهب القطع بأنها نجسة والثانى فيها الأقوال أو الأوجه :هذا كله فى الغسل الواجب فإذا اغسل المحل النجس غسلة واحدة فزالت النجاسة وحكمنا بطهارة المحل فهذه الغسالة طاهرة على الأصح كما ذكرنا وهل هى مطهرة فى إزالة النجاسة مرة أخرى فيه الطريقان السابقان فى أن المستعمل فى الحدث هل يستعمل مرة أخرى فى الحدث أصحهما لا والثانى على قولين فإذا قلنا هى مطهرة فى إزالة النجس ففى الحدث أولى :وإن قلنا ليست مطهرة فى النجس وهو المذهب فهل هى مطهرة فى الحدث فيه الوجهان المذكوران فى الكتاب :الصحيح ليست مطهرة :وأما الغسلة الثانية والثالثة فى إزالة النجاسة فطاهرتان بلا خلاف وهل هما مطهرتان فى إزالة النجاسة فيه الوجهان المذكوران فى المستعمل فى نفل الطهارة أصحهما مطهرتان :فإن قلنا مطهرتان فى النجاسة ففى الحدث أولى وإلا فالوجهان :وأما الغسلة الرابعة فمطهرة بلا خلاف لأنها ليست مشروعة :وإذا بلغ المستعمل فى النجاسة الطاهر قلتين فالمذهب أنه مطهر قولا واحدا لحديث القلتين وبهذا قطع الجرجانى فى التحرير والبلغة وغيره وحكى البغوى فيه الوجهين فى المستعمل فى الحدث والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج ١، ص ١٥٩، ١٦٠، كتاب الطهارة، باب ما يفسد الماء من الطاهرات وما لا يفسده)

ایک روایت کے مطابق دوبارہ وضو یا غسل کرنا درست ہے، اور دوسری روایت کے مطابق دوبارہ وضو یا غسل کرنا درست نہیں، لیکن بہر حال ان کے نزدیک بھی یہ پانی اپنی ذات میں پاک شمار ہوتا ہے۔ [۱]

اور جس پانی سے وضو یا غسل کیا گیا یعنی رفعِ حدث کے بجائے، ظاہری نجاست کو دور کیا گیا ہو، اور بالفاظِ دیگر نجاستِ حکمیہ کے بجائے نجاستِ حقیقیہ کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، مثلاً پیشاب، پاخانہ دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، تو اس غرض کے لئے استعمال شدہ وہ پانی اگر نہ تو چلتا پانی ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ پانی ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، تو حنابلہ کے نزدیک اس پانی کا حکم شافعیہ کی طرح ہے۔ [۲]

---

[۱] الماء المستعمل عند الحنابلة: قال الحنابلة: الماء الذى استعمل فى رفع حدث أو إزالة نجس ولم يتغير أحد أوصافه طاهر غير مطهر لا يرفع حدثا ولا يزيل نجسا وهذا هو ظاهر المذهب عندهم.

وعند أحمد رواية أخرى أنه طاهر مطهر.

أما الماء المستعمل فى طهارة مستحبة كتجديد الوضوء والغسلة الثانية والثالثة فيه والغسل للجمعة والعيدين وغيرهما ففيه روايتان:

إحداهما: أنه كالمستعمل فى رفع الحدث لأنه طهارة مشروعة أشبه ما لو اغتسل به من جنابة.

والثانية: لا يمنع الطهورية لأنه لم يزل مانعا من الصلاة أشبه ما لو تبرد به، فإن لم تكن الطهارة مشروعة لم يؤثر استعمال الماء فيها شيئا كالغسلة الرابعة فى الوضوء لم يؤثر استعمال الماء فيها شيئا وكان كما لو تبرد أو غسل به ثوبه، ولا تختلف الرواية أن ما استعمل فى التبرد والتنظيف أنه باق على إطلاقه، قال ابن قدامة: ولا نعلم فيه خلافا.

وأما المستعمل فى تعبد من غير حدث كغسل اليدين من نوم الليل، فإن قلنا ليس ذلك بواجب لم يؤثر استعماله فى الماء، وإن قلنا بوجوبه فقال القاضى: هو طاهر غير مطهر، وذكر أبو الخطاب فيه روايتين، إحداهما: أنه يخرج عن إطلاقه لأنه مستعمل فى طهارة تعبد أشبه المستعمل فى رفع الحدث، ولأن النبى صلى الله عليه وسلم نهى أن يغمس القائم من نوم الليل يده فى الإناء قبل غسلها، فدل ذلك على أنه يفيد منعا.

والرواية الثانية أنه باق على إطلاقه لأنه لم يرفع حدثا، أشبه المتبرد به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص ۳۶۲، ۳۶۳، مادة " مياه ")

[۲] قوله (وإن أزيلت به النجاسة، فانفصل متغيرا، أو قبل زوالها، فهو نجس). إذا انفصل الماء عن محل النجاسة متغيرا. فلا خلاف فى نجاسته مطلقا، وإن انفصل قبل زوالها غير متغير، وكان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس پانی سے وضو یا غسل کیا جائے، وہ پانی چاروں فقہائے کرام میں سے کسی کے نزدیک بھی ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بعض صورتوں میں اس کو دوبارہ پاکی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اور مذکورہ حکم بھی اُس پانی کے بارے میں ہے، جو کہ بہتا ہوا اور زیادہ مقدار میں نہ ہو، کہ وضو اور غسل کرنے کی وجہ سے وہ پانی مستعمل یعنی استعمال شدہ بن جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دون القلتين :انبنى على تنجيس القليل بمجرد ملاقاة النجاسة، على ما يأتى فى أول الفصل الثالث. وقيل :بطهارته على محل نجس مع عدم تغيره؛ لأنه وارد، واختاره فى الحاوى الكبير .ذكره فى باب إزالة النجاسة، لأنه لو كان نجسا لما طهر المحل؛ لأن تنجيسه قبل الانفصال ممتنع .وعقيب الانفصال ممتنع؛ لأنه لم يتجدد له ملاقاة النجاسة .قوله (وإن انفصل غير متغير بعد زوالها، فهو طاهر) . إن كان المحل أرضا، هذا المذهب .وعليه جماهير الأصحاب .قال فى مجمع البحرين : ولا خلاف بين الأصحاب فى طهارة هذا فى الأرض، وجزم به فى المحرر، والنظم، والوجيز. وغيرهم، وقدمه فى الفروع، والرعايتين، وابن تميم وغيرهم .وذكر القاضى، وأبو الخطاب، وأبو الحسين وجها :أن المنفصل عن الأرض .كالمنفصل عن غيرها فى الطهارة والنجاسة .وحكاه ابن البنا فى خصاله رواية .قلت :وهو بعيد جدا .وعنه :طهارة منفصلة عن أرض أعيان النجاسة فيه مشاهدة.

قوله (وإن كان غير الأرض فهو طاهر) . فى أصح الوجهين .وكذا قال ابن تميم، وصاحب المغنى، والهداية، وهو المذهب .وعليه جماهير الأصحاب، وجزم به فى الوجيز، والمنور، والمنتخب، وقدمه فى الفروع، والمستوعب، والشرح، والرعايتين، والحاويين وغيرهم .قال فى الكافى: أظهرهما طهارته، وصححه فى مجمع البحرين، والنظم، وابن عبيدان .والوجه الثانى :أنه نجس، اختاره ابن حامد .وأطلقهما فى الخلاصة.

تنبيه :محل الخلاف وهو مراد المصنف وغيره ممن أطلق إذا كان المزال به دون القلتين .أما إذا كان قلتين فأكثر، فإنه طهور بلا خلاف .قاله فى الرعاية، وهو واضح.

تنبيه :كثير من الأصحاب يحكى الخلاف وجهين .وحكاهما ابن عقيل ومن تابعه روايتين، وقدمه فى المستوعب.

فائدة :فعلى القول بنجاسته :يكون المحل المنفصل عنه طاهرا .صرح به الآمدى .ومعناه كلام القاضى .وقيل :المحل نجس كالمنفصل عنه .جزم به فى الانتصار، وهو ظاهر كلام الحلوانى. قال ابن تميم :وما انفصل عن محل النجاسة متغيرا بها :فهو والمحل نجسان، وإن استوفى العدد . وقال الآمدى :يحكم بطهارة المحل .انتهى .وقال ابن عبيدان لما نصر أن الماء المنفصل بعد طهارة المحل طاهر ولنا :أن المنفصل بعض المتصل .فيجب أن يعطى حكمه فى الطهارة والنجاسة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن اگر وہ پانی بہتا ہوا ہو، جسے ماءِ جاری کہا جاتا ہے، یا زیادہ مقدار میں ہو، جسے ماءِ کثیر کہا جاتا ہے، جیسا کہ مسجدوں کے حوضوں کا پانی، تو اس سے وضو اور غسل کرنے سے وہ پانی ماءِ مستعمل یعنی استعمال شدہ پانی نہیں بنتا، بلکہ وہ بدستور اپنی حالت پر پاک رہتا ہے، کہ وہ خود بھی پاک ہوتا ہے، اور دوسری چیز کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی اس میں موجود رہتی ہے، جسے فقہی زبان میں طاہر اور مطہر کہا جاتا ہے۔ [1]

اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مذکورہ تفصیل ان صورتوں تک محدود ہے، جن میں پانی کو نجاست دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، خواہ وہ نجاستِ حکمی ہو یعنی وضو یا غسل کرنے کے لئے، یا وہ نجاستِ حقیقی وظاہری ہو یعنی مثلاً پیشاب، پاخانہ وغیرہ دور کرنے کے لئے۔

اور اگر کسی پانی سے کوئی پاک چیز صاف کرنے کے لئے دھوئی گئی، جیسا کہ پاک کپڑا، یا پاک سبزی یا چاول وغیرہ دھوئے گئے، تو اس کی وجہ سے یقینی طور پر وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ملحوظ رہے کہ بعض لوگوں کو پیشاب، پاخانہ کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے وقت یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ استنجے والے پانی کی چھینٹیں دائیں بائیں اُچٹ کران کے جوتوں، پاؤں

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما لو أراق ماء من إناء .ولا يلزم الغسالة المتغيرة بعد طهارة المحل؛ لأنا لا نسلم قصور ذلك، بل نقول :ما دامت الغسالة متغيرة فالمحل لم يطهر .وقال في الفروع :وفي طهارة المحل مع نجاسة المنفصل وجهان .قوله (وهل يكون طهورا؟ على وجهين) . بناء على الروايتين، فيما إذا رفع به حدث، على ما تقدم .وأطلقهما في الكافي، والمحرر، والمستوعب، والمغني، وابن تميم، والحاويين .أحدهما :لا يكون طهورا، وهو المذهب، جزم به في الوجيز وغيره .وصححه في التصحيح وغيره.

وقدمه في الفروع، والرعايتين وغيرهم .قال في مجمع البحرين :هذا الصحيح .والوجه الثاني :أنه طهور .قال المجد :وهو الصحيح، قال الشيخ تقي الدين :هذا أقوى(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف،للمرداوي الحنبلي، ج ١، ص٤٧، كتاب الطهارة،باب المياه)

[1] أما إذا انغمس في الماء القليل بنية رفع الحدث، كان الماء كله مستعملا عند الحنفية والمالكية والشافعية، لكن عند الحنابلة يبقى الماء على طهوريته ولا يرفع الحدث .وكذلك يكون الماء مستعملا عند الحنفية لو تدلك ولو لم ينو رفع الحدث؛ لأن التدلك فعل منه يقوم مقام نية رفع الحدث(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١ ص ٨٢، مادة "آبار")

یا لباس پر پڑ گئی ہیں، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوتے ہیں۔

اور اس کی وجہ سے اپنے جوتوں، پاؤں یا لباس کو ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں، اور بعض اوقات ان چیزوں کو دھونے اور پاک کرنے کی جدوجہد میں بھی پڑتے ہیں۔

حالانکہ اولاً تو پانی کی ان چھینٹوں کا پاؤں یا لباس وغیرہ پر پڑنا ضروری نہیں، دوسرے ان چھینٹوں کا ناپاک ہونا ضروری نہیں، تیسرے اس طرح کے مواقع پر شریعت کی طرف سے دفعِ حرج کے لئے اس نوعیت کی چھینٹوں کو معاف ودرگزر کر دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ بعض فقہائے کرام نے نجاستِ حقیقیہ کے استعمال شدہ پانی کو دفعِ حرج کی وجہ سے معاف قرار دیا ہے، نیز فقہائے کرام نے پانی میں نجاست گرتے وقت اچھلنے والی چھینٹوں کو اور غسالۂ میت اور طینِ شوارع اور پیشاب کی باریک باریک چھینٹوں کو نجس ہونے کے باوجود دفعِ حرج اور عموم بلویٰ کی وجہ سے معاف قرار دیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ پانی سے استنجاء کرتے وقت اس طرح طہارت کے مستعمل پانی کی چھینٹوں سے احتراز ممکن نہیں، اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام اور سلف سے استنجاء کرتے وقت اس طرح کی چھینٹوں سے احتراز کا اہتمام ثابت نہیں۔

(وأما المستعمل فى النجس فينظر فيه فإن انفصل عن المحل متغيرا فهو نجس لقوله صلى الله عليه وسلم الماء طهور لا ينجسه شىء إلا ما غير طعمه أو ريحه وإن كان غير متغير فثلاثة أوجه أحدها أنه طاهر وهو قول أبى العباس وأبى اسحق لأنه ماء لا يمكن حفظه من النجاسة فلم ينجس من غير تغير كالماء الكثير إذا وقع فيه نجاسة :والثانى انه نجس وهو قول الانماطى لانه ماء قليل لا قى نجاسة فأشبه إذا وقعت فيه نجاسة :والثالث أنه إن انفصل والمحل طاهر فهو طاهر وإن انفصل والمحل نجس فهو نجس وهو قول ابن القاص لأن المنفصل من جملة الباقى فى المحل فكان حكمه فى النجاسة والطهارة حكمه :فإن قلنا إنه طاهر فهل يجوز الوضوء به فيه وجهان قال ابن خير ان يجوز وقال سائر أصحابنا لا يجوز وقد مضى توجيههما)

(الشرح) أما الحديث المذكور فسبق فى أول باب ما يفسد الماء من النجاسات أنه ضعيف ولكن يحتج على نجاسة الماء المتغير بنجاسة بالإجماع كما سبق هناك :وأما أبو العباس فهو ابن سريج الإمام المشهور وهذا أول موضع جاء ذكره فيه فى المهذب وقد ذكرت فى فصول مقدمة الكتاب أنه متى أطلق فى المهذب أبا العباس فهو ابن سريج وهو أحمد بن عمر بن سريج الإمام البارع قال المصنف فى الطبقات كان القاضى أبو العباس بن سريج من عظماء الشافعيين وأئمة المسلمين وكان يقال له الباز الأشهب وولى القضاء بشيراز وكان يفضل على جميع أصحاب الشافعى قال وفهرست كتبه يعنى مصنفاته تشتمل على اربعمائة مصنف وقام بنصرة مذهب الشافعى تفقه.

على أبى القاسم الأنماطى وأخذ عنه فقهاء الإسلام وعنه انتشر فقه الشافعى فى أكثر الآفاق توفى ببغداد سنة ست وثلثمائة رحمه الله (قلت) وهو أحد أجدادنا فى سلسلة التفقه (المجموع شرح المهذب، ج ۱ ،ص ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، كتاب الطهارة، باب ما يفسد الماء من الطاهرات وما لا يفسده)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لہٰذا بعض وسوسوں کے مریضوں کا طہارت واستنجاء کرتے وقت استعمال شدہ پانی کی چھینٹوں کے اپنے جسم یا لباس پر پڑنے کا وہم کرنا اور اوپر سے ان چھینٹوں کے متعلق ناپاک در ناپاک ہونے کی بنیادیں قائم کر کے استنجاء وطہارت کو جو کہ پاکی کے لئے مقرر کیا گیا تھا، خود ناپاکی کا باعث سمجھ لینا درست نہیں، اور ایسے غلو وتشدد پر مبنی ہے کہ جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی الفتح :وما ترشش على الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكنه الامتناع عنه ما دام فى علاجه لا ينجسه لعموم البلوى، بخلاف الغسلات الثلاث إذا استنقعت فى موضع فأصابت شيئا نجسته اهـ أى :بناء على ما عليه العامة من أن نجاسة الميت نجاسة خبث لا حدث كما حررناه فى أول فصل البئر(ردالمحتار، ج ا ص ۳۲۵، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

وفى السراج الوهاج غسالة الميت نجسة أطلق ذلك محمد فى الأصل والأصح أنه إذا لم يكن على بدنه نجاسة يصير الماء مستعملا ولا يكون نجسا إلا أن محمدا إنما أطلق ذلك؛ لأن بدن الميت لا يخلو عن نجاسة غالبا(البحرالرائق، ج ا ص ۲۴۵، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

ولو ألقيت نجاسة فى ماء فأصابه من وقعها لا ينجسه ما لم يظهر أثر النجاسة ويعفى عما لا يمكن الاحتراز عنه من غسالة الميت ما دام فى علاجه لعموم البلوى(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح ، ج ا ص ٦٦، كتاب الطهارة، باب الانجاس والطهارة عنها)

قوله" :من غسالة الميت "أى مطلقا ولو كان على بدنه نجاسة كما فى الفتح(حاشية الطحطاوى على المراقى، ج ا ص ۱۵۸ ، كتاب الطهارة، باب الانجاس والطهارة عنها)

(قوله :كرء وس الإبر) أقول ولو أصابه ماء فكثر فإنه لا يجب غسله، والمراد برء وس الإبر ما يشمل ولو محل إدخال السلك وما أصاب الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكن الامتناع عنه ما دام فى علاجه لا ينجسه لعموم البلوى كذا فى البحر(حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص۴۷، كتاب الطهارة، باب تطهير الانجاس)

ويعفى عما لا يمكن الاحتراز أو الامتناع عنه من غسالة الميت ما دام فى تغسيله، لعموم البلوى. كما يعفى عن طين الشوارع، إلا إذا علم عين النجاسة للضرورة(الفقه الاسلامى وادلته، ج ا ص ۳۲۲، القسم الاول،الباب الاول، الفصل الثانى، المبحث الثانى)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۷)

# زمین کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگ بلا دلیل زمین کو ناپاک سمجھتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک زمین پر بچھانے کے لئے جانماز یا موٹا پاک کپڑا موجود نہ ہو، اس وقت تک خالی زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا، اور اگر کوئی کپڑا، چادر وغیرہ میسر نہ ہو، تو زمین کو ناپاک سمجھ کر سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے، اور اگر کسی جگہ زمین پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ضرورت پیش آئے، تو بھی پریشان ہوتے ہیں، اور اسی طرح ضرورت پڑنے پر زمین سے تیمّم نہیں کرتے، اور بعض لوگ استعمالی قالین وفرش کو ناپاک سمجھتے ہیں اور جانماز بچھائے بغیر ہرگز نماز نہیں پڑھتے۔

حالانکہ زمین وفرش کے اندر اصل پاک ہونا ہے، اور جب تک اس پر ناپاکی کی کوئی دلیل یا نجاست کا عین موجود نہ ہو، تو اس کو پاک ہی سمجھا جاتا اور پاک ہی قرار دیا جاتا ہے۔[1]

آگے اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## مٹی سے انسان کی پیدائش

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اور اسے مخلوقات میں عظیم درجہ دیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] لا خلاف بين علماء المسلمين جميعا فى أن الأصل طهارة الأرض .فتصح الصلاة على أى جزء منها، ما لم يتنجس، والأصل فى ذلك ما رواه البخارى عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلى -إلى أن قال - :وجعلت لى الأرض مسجدا وطهورا، فأيما رجل من أمتى أدركته الصلاة فليصل .وفى رواية لمسلم :وجعلت تربتها طهورا وهذا نص فى طهارة الأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۱۱۲، مادة ”ارض“)

www.idaraghufran.org

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورة الذاريات، رقم الآية ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو مگر اپنی عبادت کے لیے (سورہ ذاریات)

اور انسان کی اصل زمین کی مٹی ہے، جس سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (سورة طٰهٰ، رقم الآية ۵۵)

ترجمہ: اس زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ ہم تمہیں نکالیں گے (سورہ طٰہٰ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (سورة الرحمان، رقم الآية ۱۴)

ترجمہ: پیدا کیا اس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے، ٹھیکرے کی طرح کی (سورہ رحمان)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (سورة الصافات، رقم الآية ۱۱)

ترجمہ: بے شک انہیں ہم نے چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا (سورہ صافات)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ (سورة الانعام، رقم الآية ۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے (سورہ انعام)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (سورة الروم،

رقم الآیۃ ۲۰)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ پیدا کیا تمہیں مٹی سے، پھر تم یکا یک انسان بن کر پھیل رہے ہو (سورہ روم)

اور جب انسان کی اصل مٹی ہے، اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا اور زمین پر بھیجا گیا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ مٹی بھی پاک ہو۔

## زمین انسان کا گہوارہ

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنی عبادت کے لئے انسان کو زمین پر بھیجا ہے، اور زمین ہی کو انسان کا گہوارہ، اس کی گود اور اس کا ٹھکانا بنایا ہے، اور اسی زمین میں اس کی معیشت اور ضرورت کے اسباب رکھے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ (سورۃ الرحمٰن، رقم الآیۃ ۱۰)

ترجمہ: اور زمین کو بنایا مخلوق کے لئے (سورہ رحمان)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ (سورۃ الذاریات، رقم الآیۃ ۴۸)

ترجمہ: اور زمین کو ہم نے بچھا دیا، پس ہم بہت ہی اچھے گہوارہ بنانے والے ہیں (سورہ ذاریات)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا (سورۃ النباء، رقم الآیۃ ۶)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا (سورہ نباء)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

Idara Ghufran

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ

(سورة الزخرف، رقم الآیة ۱۰)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہارے فائدہ کے لیے زمین کو گہوارہ، اور بنائے تمہارے فائدے کے لئے اس میں راستے، تاکہ تم ہدایت پاؤ (سورہ زخرف)

مذکورہ آیات میں زمین کو بندوں کے لئے ''مہد'' بنانے کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور ''مہد'' بچہ کے گہوارہ اور گود کو کہا جاتا ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہی یہ لفظ دوسرے مقامات پر گہوارہ اور گود کے لئے استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ (سورة آلِ عمران، رقم الآیة ۴۶)

ترجمہ: اور وہ لوگوں سے گہوارہ (وگود) میں کلام کرے گا (سورہ آلِ عمران)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ (سورة المائدة، رقم الآیة ۱۱۰)

ترجمہ: اور تم لوگوں سے گہوارہ (وگود) میں کلام کروگے (سورہ مائدہ)

مذکورہ آیات میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے گود میں کلام کرنے کی پیشین گوئی سنائی ہے، اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے گہوارہ وگود میں کلام کرنے کا مرحلہ پیش آیا، اور ان کی والدہ ماجدہ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو اپنے اوپر لگائے گئے الزام کا جواب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے طلب کرنے کا فرمایا، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ:

کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا (سورة مریم، رقم الآیة ۲۹)

ترجمہ: ہم کیسے کلام کریں اس سے، جو گہوارہ (وگود) میں بچہ ہے (سورہ مریم)

ان آیات میں ''مہد'' کا لفظ گھوارہ یا گود کے لئے استعمال ہوا ہے۔

اور احادیث میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے گود میں کلام کرنے کا ذکر آیا ہے۔ ۱؎

اور بعض دیگر احادیث میں بھی ''مہد'' کا لفظ گود کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ۲؎

گھوارہ یا گود بچے کے لئے وہ جگہ ہوتی ہے، جہاں وہ قرار پاتا اور سکون اختیار کرتا ہے، اور اس میں اس کی ضروریات اور راحت کے انتظامات مہیاء کئے جاتے ہیں۔

زمین کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے گھوارہ اور گود کی طرح بنایا ہے کہ اس میں انسان قرار پاتا اور سکون اختیار کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کی ضروریات اور راحت کے انتظامات کر دیئے اور اسباب پیدا فرما دیئے ہیں۔ ۳؎

اور قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی کُلُوْا**

---

۱؎ عن أبی هريرة رضی الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لم يتكلم فی المهد إلا ثلاثة عيسى ابن مريم، وشاهد يوسف، وصاحب جريج، وابن ماشطة بنت فرعون(مستدرک حاكم ، رقم الحديث ۴۱۶۱،بخاری، رقم الحديث ۳۴۳۶)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه "

وقال الذهبی فی التلخيص:على شرط البخاری ومسلم.

۲؎ عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب ,عن جده أنه سأل أم سلمة ,عن الرضاع , فقالت :لا رضاع إلا ما كان فی المهد قبل الفطام (مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث ۱۷۳۳۹ ، باب من قال :لا يحرم من الرضاع إلا ما كان فی الحولين)

۳؎ فقال تعالى :الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْداً معناه واقفة ساكنة يمكن الانتفاع بها ولما كان المهد موضع راحة الصبی فلذلک سمی الأرض مهادا لكثرة ما فيها من الراحة للخلق(تفسير الخازن، ج۴ص۱۰۶ ، سورة الزخرف، رقم الآية ۱۰)

قوله الذی جعل لكم الأرض مهدا وقد ذكرنا فی هذا الكتاب أن كون الأرض مهدا إنما حصل لأجل كونها واقفة ساكنة ولأجل كونها موصوفة بصفات مخصوصة باعتبارها يمكن الانتفاع بها فی الزراعة وبناء الأبنية فی كونها ساترة لعيوب الأحياء والأموات، ولما كان المهد موضع الراحة للصبی جعل الأرض مهدا لكثرة ما فيها من الراحات(تفسير الرازی ،ج۲۷ص۶۲۰، سورة الزخرف)

www.idaraghufran.org

وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی (سورۃ طٰہٰ، رقم الآیات ۵۳، ۵۴، پارہ ۱۶)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہارے فائدہ کے لیے زمین کو گہوارہ، اور چلائے تمہارے فائدہ کے لئے اس میں راستے، اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکال دیا اس پانی کے ذریعہ سے مختلف طرح کے جڑواں نباتات کو، کھاؤ تم اور چراؤ اپنے چوپاؤں کو، بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے (سورہ طٰہٰ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے زمین کو گہوارہ وگود بنا دیا، جس طرح بچے کے لئے گہوارہ اور گود ہوتی ہے، جب بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا، اس کی ضروریات گہوارہ اور گود میں ہی پوری کی جاتی ہیں، پھر جب بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے، تو اس کو راستوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو زمین میں اللہ تعالیٰ نے راستے بھی جاری فرما دیئے، اور پھر زمین کے مختلف حصوں میں سواری پر چلنے اور کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے، تو اس غرض کے لئے آسمان سے پانی نازل فرمایا، اور اس کے ذریعہ زمین سے انسان اور اس کی سواریوں کی خوراک کا انتظام فرمایا، اور خوراک کے انتظام میں سبزہ اور چارہ کے علاوہ موجودہ دور کی سواریوں کے چلنے کے لئے گیس اور پٹرول کی شکل میں خوراک (یعنی ایندھن) بھی داخل ہے، اس سب نظامِ قدرت میں عقل والوں کے لئے بڑی اہم نشانیاں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لئے عبادت گاہ، گہوارہ وگود اور اس کے رہنے سہنے اور معاشی ضروریات پوری کرنے کی جگہ بنایا ہے۔

اور یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں کو جس جگہ عبادت اور ضرورت کے لئے بھیجا گیا ہے، اور عبادت کو انجام دینے کے لئے پاکی کا حکم دیا گیا ہے، وہ جگہ خود ہی ناپاک ہو۔

لہٰذا اس کا لازمی تقاضا یہ ہوا کہ زمین اور اس کی تمام اجناس واجزاء اپنی ذات میں پاک ہیں۔

## زمین سے انسانی معیشت کی وابستگی

تیسری بات یہ ہے کہ زمین سے ہی انسان کی معاشی زندگی وابستہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُوْنٍ. وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ (سورة الحجر، رقم الآيات ۱۹، و ۲۰)

ترجمہ: اور زمین کو پھیلایا ہم نے، اور اس میں رکھ دیا ہم نے پہاڑوں کو، اور اس میں اُگایا ہم نے ہر چیز کو موزون طریقہ پر، اور رکھ دیا ہم نے اس میں معیشت کے اسباب کو تمہارے اور ان کے فائدہ کے لئے کہ جن کو تم رزق نہیں دے سکتے تھے (سورہ حجر)

اس طرح کی اور بھی آیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ساتھ انسان کی معیشت کے اسباب وابستہ ہیں، جن کا ذکر آگے نباتات کے بیان میں آتا ہے۔

اور معیشت کے اسباب کا دائرہ بڑا وسیع ہے، جس میں زمین کے خزائن اور معادِن سب شامل ہیں، اور ایسی ضروریات کی چیزوں کا اپنی ذات میں پاک ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ پاک ہونے کی صورت میں ہی ان سے صحیح استفادہ ممکن ہے۔

## زمین پاکیزہ اور بہت پاک ہے

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں زمین کو پاکیزہ اور بہت پاک قرار دیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے زمین کے کسی بھی حصہ میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، تا آنکہ اس پر کوئی دوسری ناپاک چیز موجود نہ ہو۔

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ (مسلم،رقم الحديث ۵۲۲ "۴" كتاب المساجد ومواضع الصلاة)

ترجمہ: ہمارے لئے ساری روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لئے پاک (یعنی تیمّم) کرنے کا ذریعہ بنادی گئی ہے، جبکہ ہم پانی نہ پائیں (مسلم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلّٰى حَيْثُ كَانَ (مسلم) ؎۱

ترجمہ: میرے (اور میری امت کے) لئے زمین کو پاکیزہ اور بہت زیادہ پاک اور نماز پڑھنے کی جگہ بنادیا گیا ہے، پس جس آدمی کو نماز (یعنی نماز کا وقت) پالے، تو وہ جہاں بھی ہو نماز پڑھ لے (مسلم)

اس طرح کی احادیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ؎۲

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اپنی ذات میں انتہائی پاکیزہ اور پاک ہے، اور اسی وجہ سے اس پر ہر جگہ نماز پڑھنا اور ضرورت پڑنے پر اس سے تیمّم کی شکل میں پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

## زمین کی جنس اور اس کے اجزاء بھی پاک ہیں

اور جب زمین پاک ہے، تو زمین کی جنس اور اس کے تمام اجزاء بھی پاک ہیں، کیونکہ وہ اس کا

---

؎۱ رقم الحديث ۵۲۱ "۳" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جُعلت لى الأرض مسجدًا وطهورًا.

؎۲ عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۵۶۷)

عن أبى ذر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :جعلت لى الأرض طهورا ومسجدا (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۴۸۹)

Idara Ghufran

حصہ ہیں، اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء کے نزدیک زمین کی ہر جنس سے تیمّم کرنا جائز ہے، جبکہ تیمّم کے لئے پاک مٹی کا ہونا ضروری ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی جنس والی چیزیں زمین کا حصہ اور زمین کی طرح پاک ہیں۔

چنانچہ شرح صغیر میں ہے کہ:

اَلْأَصْلُ فِی الْأَشْیَاءِ الطَّهَارَةُ فَجمِیعُ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ وَمَا تَوَلَّدَ مِنهَا طَاهِرٌ، وَالنَّجَاسَةُ عَارِضَةٌ (الشرح الصغیر للشیخ الدردیر لکتابه أقرب المسالک، مع حاشیة الصاوی، ج ۱ ص ۴۴، باب فی بیان الطهارة، فصل بیان الاعیان الطاهرة والنجسة)

ترجمہ: اصل اشیاء کے اندر پاکی کا ہونا ہے، پس زمین کے تمام اجزاء اور جو چیزیں اس سے پیدا ہوتی ہیں (مثلاً پانی، نباتات، دھات اور تیل وغیرہ) پاک ہیں، اور نجاست عارضی ہے (یعنی نجاست کسی ناپاک چیز کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے) (شرح صغیر)

اور تحفۃ الفقہاء میں ہے کہ:

اَلْجَصُّ وَالنُّوْرَةُ وَالنِّفْطُ وَالْكِبْرِيْتُ لِأَنَّهَا مِنْ أَجْزَاءِ الْأَرْضِ ،وَالْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْهَا (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۶۸، کتاب الطهارة، باب النجاسات)

ترجمہ: تعمیر کا مسالہ (سیمنٹ) اور چونا اور پٹرول اور گندھک، زمین کے اجزاء سے تعلق رکھتے ہیں، اور پانی ان کے درمیان سے پھوٹتا ہے (تحفۃ الفقہاء)

اور زمین کی جنس میں پکی مٹی، ہر قسم کے پتھر اور جمادات سب شامل ہیں کہ وہ سب اپنی ذات میں پاک ہیں۔ [1]

---

[1] ودخل الحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت والملح الجبلی لا المائی والسبخة والأرض المحرقة فی الأصح والفیروزج والعقیق والبلخش والیاقوت والزمرد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا زمین یا اس کے کسی حصہ کے متعلق ناپاکی کا وسوسہ کرنا درست نہیں، اور جب تک یقین ودلیل کے ساتھ زمین کے کسی حصہ کا کسی دوسری نجاست کی وجہ سے ناپاک ہونا ثابت نہ ہو، اس کو پاک ہی سمجھا جائے گا، اور اس پر کپڑا وغیرہ بچھائے بغیر نماز پڑھنا اور تیمّم کرنا بھی جائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ زمین اپنے تمام اجزاء اور اپنی جنس کے ساتھ پاک ہے، اور اس کے متعلق ناپاکی کا وسوسہ کرنا اور اس کے نتیجہ میں مختلف تانے بانے جوڑنا درست نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والزبرجد لا المرجان واللؤلؤ لأن أصله ماء ، وكذا المصنوع منها كالكيزان والجفان والزبادى إلا أن تكون مطلية بالدهان، والآجر المشوى على الصحيح(فتح القدير، ج ا ص ۱۲۸ ، باب التيمم)

وكذلک سائر الجمادات الطاهرة كالخشب الطاهر والحجر الطاهر والمدر الطاهر وأشباهها لا يفسد الماء ولا يستحب نزح شيء منه (المحيط البرهانی، ج ا ، ص ۱۰۱ ، كتاب الطهارات، الفصل الرابع)

(ويجوز) السجود (على كل شيء ) أى من الجمادات والنباتات، دون الحيوانات إلا للضرورة (شرح النقاية، ج ا ، ص ۲۹۲)

وقال المالكية عند الكلام عن تمييز الأعيان الطاهرة عن النجسة :الجمادات كلها على الطهارة إلا المسكر........... وذهب الشافعية إلى أن الأصل فى الأعيان الطهارة .وفصلوا فى ضبطها فقالوا : الأعيان جماد وحيوان .فالجماد كله طاهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۷۴، وص ۷۵، مادة "نجاسة")

[1] (جعلت لى كل أرض طيبة) بالتشديد من الطيب الطاهر أى نظيفة غير خبيثة (مسجدا وطهورا) قال الزين العراقى :أراد بالطيبة الطاهرة وبالطهور المطهر لغيره فلو كان معنى طهورا طاهرا لزم تحصيل الحاصل وفيه أن الأصل فى الأشياء الطهارة وإن غلب ظن النجاسة(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۵۹۵)

جميع ما فى الكون إما جماد، أو حيوان، أو فضلات .والأصل فى الأشياء الطهارة، ما لم تثبت نجاستها بدليل شرعى .والفقهاء متقاربون فى الحكم بطهارة الأعيان، فاتفقوا على أن الجماد (وهو كل جسم لم تحله الحياة ولم ينفصل عن حى) كله طاهر إلا المسكر، فجميع أجزاء الأرض الجامدة والمائعة وما تولد منها طاهرة، ومن الجامد :المعادن كالذهب والفضة والحديد ونحوها (الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ لوهْبَة بن مصطفى الزُّحَيْلِى، ج ا ، ص ۲۹۲، ابواب الطهارات، المبحث السادس ـ أنواع الأعيان الطاهرة)

# راستہ کے پانی اور کیچڑ کے ناپاک ہونے کا وسوسہ

کیچڑ میں عموماً پانی اور مٹی وغیرہ شامل ہوتی ہے، اور پانی اور مٹی دونوں اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے پاک ہیں، اس لئے دونوں پاک چیزوں کے جمع ہونے سے وہ کیچڑ بھی پاک ہی شمار ہوتا ہے۔

احادیث وروایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**جَاءَ تْ سَحَابَةٌ، فَمَطَرَتْ حتّٰى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ، فَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهٖ** (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ بادل آیا اور وہ برسنے لگا یہاں تک کہ چھت ٹپکنے لگی اور چھت اس وقت کھجور کی شاخوں کی تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کررہے تھے، یہاں تک کہ مٹی (اور کیچڑ) کا اثر میں نے آپ کی پیشانی میں دیکھا (بخاری)

اور ایک روایت میں لیلۃ القدر کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

**وَإِنِّيْ أُرِيْتُهَا لَيْلَةَ وِتْرٍ وَأَنِّيْ أَسْجُدُ صَبِيْحَتَهَا فِيْ طِيْنٍ وَمَاءٍ** (مسلم) [2]

ترجمہ: مجھے لیلۃ القدر طاق رات میں دکھادی گئی تھی، اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کررہا ہوں گا (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ لیلۃ القدر ایسی رات ہوگی، کہ جس میں میرے ساتھ یہ

---

[1] رقم الحدیث ۶۶۹، کتاب الاذان، باب: ھل یصلی الإمام بمن حضر؟ وھل یخطب یوم الجمعۃ فی المطر؟

[2] رقم الحدیث ۱۱۶۷ "۲۱۵" کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر.

www.idaraghufran.org

معاملہ پیش آئے گا، کہ اُس رات میں بارش ہوگی، اور مسجد میں پانی ٹپکنے اور کیچڑ ہونے کی وجہ سے میں اس کیچڑ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کررہا ہوں گا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کیچڑ ناپاک ہوتا تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہ ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کیچڑ میں اگر ناپاک چیز شامل نہ ہو، بلکہ پاک چیز شامل ہو، جیسا کہ عام مٹی وغیرہ تو اس کیچڑ کے پاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، خواہ وہ کتنی مقدار میں کیوں نہ ہو۔[1]

اس کے علاوہ صحابہ و تابعین سے بارش کے پانی، مٹی اور کیچڑ سے گزرنے کے بعد پیر دھوئے بغیر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کُنَّا نُصَلِّی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا نَتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِءٍ

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۴۸۳، کتاب الطهارة) [2]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور ہم (اپنے کپڑوں وغیرہ سے) کیچڑ کو نہیں دھوتے تھے (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ راستہ میں جو عام مٹی، کیچڑ ہوتا ہے، وہ اگر جسم یا لباس کو لگ جائے، تو اس کو دھونا ضروری نہیں، کیونکہ وہ شرعاً پاک یا معاف ہے۔

---

[1] أجمعوا على أن كل ما يغير الماء -مما لا ينفك عنه غالبا كالطين -أنه لا يسلبه صفة الطهارة أو التطهير، إلا خلافا شاذا روى عن ابن سيرين فى الماء الآسن.

وأما الماء الذى خالطه زعفران أو غيره من الأشياء الطاهرة التى تنفك عنه غالبا متى غيرت أحد أوصافه الثلاثة، فإنه طاهر عند جميع العلماء .ولكنهم اختلفوا فى طهوريته، فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه غير مطهر؛ لأنه لا يتناوله اسم الماء المطلق، بل يضاف إلى الشىء الذى خالطه، فيقال مثلا : ماء زعفران.

وذهب الحنفية إلى أنه مطهر ما لم يكن التغير عن طبخ .أما المتغير بالطبخ مع شىء طاهر فقد أجمعوا على :أنه لا يجوز الوضوء ولا التطهر به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص ۷۱، مادة "تغيير")

[2] قال الحاكم:تابعه أبو معاوية، وعبد الله بن إدريس، عن الأعمش .أما حديث أبى معاوية.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما.

www.idaraghufran.org

اور اسے دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست ہو جاتا ہے۔ [1]

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**كَانَ أَصْحَابُنَا يَخُوضُونَ الْمَاءَ وَالطِّينَ إِلٰى مَسَاجِدِهِمْ، وَيُصَلُّونَ وَلَا يَغْسِلُونَ أَرْجُلَهُمْ** (مُصنف ابن أبى شيبة) [2]

ترجمہ: ہمارے اصحاب (یعنی جلیل القدر تابعین، وصحابہ) پانی اور مٹی میں گھس کر مساجد میں جایا کرتے تھے، اور نماز پڑھا کرتے تھے، اور اپنے پیروں کو نہیں دھویا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

حضرت حکم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**كَانَ عَلِيٌّ يَخُوضُ طِينَ الْمَطَرِ وَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ ، فَيُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ** (مُصنف ابن أبى شيبة) [3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بارش کے پانی میں گھس جایا کرتے تھے، اور مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اور اپنے پیروں کو نہیں دھوتے تھے (ابن ابی شیبہ)

حضرت کہیل یا کمیل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

**رَأَيْتُ عَلِيًّا يَخُوضُ طِينَ الْمَطَرِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَغْسِلْ رِجْلَيْهِ** (الأوسط لا بن المنذر) [4]

---

[1] (وعن عبد الله بن مسعود قال :كنا نصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نتوضأ) أى: لا نغسل أرجلنا، ولا نتنظف (من الموطء) : أى :من أجل موضع الوطء والمشى، قيل :هذا محمول على ما إذا كان يابسا، وأما إذا كان رطبا فيجب الغسل، وقيل :محمول على الذى غلبت فيه الطهارة على النجاسة عملا بأصل الطهارة، وإشارة إلى ترك الوسوسة، ومن ثم جاء أن الصحابة كانوا يتوضئون ويمشون حفاة، ثم يصلون ولا يغسلون أرجلهم، وفيه دليل على أن طين الشارع معفو لعموم البلوى (مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٤٧١،كتاب الطهارة،باب تطهير النجاسات)

[2] رقم الحديث ٢٠٥١، كتاب الطهارة، باب فى الرجل يخوض طين المطر.

[3] رقم الحديث ٢٠٤٧، كتاب الطهارة، باب فى الرجل يخوض طين المطر.

[4] رقم الحديث ٧٣٨، كتاب طهارات الابدان والثياب ، باب ذكر المتطهر يمشى فى الارض القذرة.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بارش کے پانی میں گھس کر چلتا ہوا دیکھا، پھر وہ مسجد میں داخل ہوگئے، اور انہوں نے نماز پڑھی، اور انہوں نے اپنے پیروں کو نہیں دھویا (اوسط لابن المنذر)

اور حضرت کہیل بصری رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ وَكَانَتْ تُمْطَرُ الرَّحَبَةُ وَهُوَ رَمِلٌ فَيَخْرُجُ فَيَطَأُ الْمَاءَ فَيُصَلِّيُ، وَلَا يُعِيدُ وُضُوءًا، وَلَا يَغْسِلُ رِجْلَيْهِ (الأوسط لا بن المنذر) [1]

ترجمہ: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور کھلی بارش ہو رہی تھی، اور آپ کے پیر مٹی والے تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے، پھر پانی سے گزرتے ہوئے گئے، پھر نماز پڑھی، اور نہ تو دوبارہ وضو کیا اور نہ ہی اپنے پیر دھوئے (اوسط لابن المنذر)

اور حضرت یحیٰی بن وثاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَا يُتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِءٍ (الأوسط لا بن المنذر) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (نماز پڑھنے کے لئے) پیروں کی مٹی و کیچڑ کو دھونے کی ضرورت نہیں (اوسط لابن المنذر)

اور حضرت بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ بِمِنًى يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَخْرُجُ وَهُوَ حَافٍ فَيَطَأُ مَا يَطَأُ ثُمَّ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّيُ وَلَا يَتَوَضَّأُ (الأوسط لا بن المنذر) [3]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو منیٰ (کے میدان) میں دیکھا، آپ وضو کرتے، پھر آپ تشریف لے جاتے، اور آپ ننگے پاؤں ہوتے، اور آپ کے پاؤں میں (زمین پر ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے) مٹی وغیرہ لگتی، پھر مسجد میں

---

[1] رقم الحدیث ۷۳۹، کتاب طھارات الابدان والثیاب، باب ذکر المتطھر یمشی فی الارض القذرۃ.
[2] رقم الحدیث ۷۴۰، کتاب طھارات الابدان والثیاب، باب ذکر المتطھر یمشی فی الارض القذرۃ.
[3] رقم الحدیث ۷۴۱، کتاب طھارات الابدان والثیاب، باب ذکر المتطھر یمشی فی الارض القذرۃ.

داخل ہوتے، پھر نماز پڑھتے، اور پیر نہیں دھوتے تھے (اوسط لابن المنذر)

حکیم بن دیلم سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ فِيْ يَوْمٍ مَطِيرٍ ، قَائِمًا يُصَلِّيْ إِلٰى سَارِيَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، وَعَلٰى رِجْلَيْهِ مِثْلُ الْخَلْخَالَيْنِ أَوِ الْحِجَالَيْنِ (مُصنف ابن أبی شيبة) ۱؎

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ معقل کو بارش کے دن دیکھا، آپ مسجد کے ایک ستون کی طرف کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ کے پاؤں میں پازیب کی طرح کے (کیچڑ کے داغ دھبے) تھے (ابن ابی شیبہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن اسود سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ عَلْقَمَةَ ، وَالْأَسْوَدَ يَخُوضَانِ مَاءَ الْمَطَرِ ، وَأَنَّ الْمَيَازِيْبَ تَنْثَعِبُ ، ثُمَّ دَخَلَا الْمَسْجِدَ ، فَصَلَّيَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ (مُصنف ابن أبی شيبة) ۲؎

ترجمہ: میں نے (حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد) حضرت علقمہ اور اسود کو دیکھا، کہ وہ دونوں بارش کے پانی میں گھس کر چل رہے تھے، اور پرنالوں سے پانی گر رہا تھا، پھر وہ مسجد میں داخل ہوئے، اور نماز پڑھی، اور پیروں کو نہیں دھویا (ابن ابی شیبہ)

حضرت مختار بن سعد سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ مَطَرٍ ، وَلَمْ يَغْسِلْ رِجْلَيْهِ (مُصنف ابن أبی شيبة) ۳؎

ترجمہ: میں نے حضرت قاسم بن محمد کو بارش کے دن مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، اور انہوں نے اپنے پاؤں نہیں دھوئے (ابن ابی شیبہ)

---

۱؎ رقم الحديث ۲۰۴۸، كتاب الطهارة، باب فی الرجل يخوض طين المطر.

۲؎ رقم الحديث ۲۰۴۹، كتاب الطهارة، باب فی الرجل يخوض طين المطر.

۳؎ رقم الحديث ۲۰۵۲، كتاب الطهارة، باب فی الرجل يخوض طين المطر.

حضرت شعبہ سے روایت ہے کہ:

**كُنْتُ أَخُوْضُ الْمَطَرَ ، فَسَأَلْتُ الْحَكَمَ ؟ فَقَالَ: صَلِّهْ ، صَلِّهْ. قَالَ: وَسَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ ، يَقُوْلُ: كَانُوْا يَخُوْضُوْنَ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ ، وَلَا يَحْمِلُوْنَ مَعَهُمُ الْأَكْوَازَ** (مُصنف ابن أبی شیبة)[1]

ترجمہ: میں بارش کے پانی میں گھس جاتا تھا (اور پیر دھوئے بغیر نماز پڑھ لیا کرتا تھا) پھر میں نے حضرت حکم سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح نماز پڑھ لیا کرو، نماز پڑھ لیا کرو، اور میں نے ابواسحاق سے سُنا، انہوں نے فرمایا کہ اُن کے اکابر حضرات بارش کے پانی میں گھس جایا کرتے تھے، پھر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اور اپنے ساتھ (پیر دھونے کے لئے پانی کے) لوٹے نہیں لے جایا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

پہلے زمانے میں مساجد میں عموماً پانی میسر نہیں ہوا کرتا تھا، اور اُس دور کے حضرات اپنے گھروں سے وضو وغیرہ کر کے مساجد تشریف لے جایا کرتے تھے، اس لئے فرمایا کہ اپنے ساتھ پیر دھونے کے لئے مساجد میں پانی کے لوٹے نہیں لے جایا کرتے تھے، کیونکہ وہ اس کیچڑ و پانی کو ناپاک نہیں سمجھا کرتے تھے، اور اس حالت میں نماز پڑھنے کو کوئی عیب خیال نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن عبداللہ سے روایت ہے کہ:

**كَانَ هُذَيْلٌ يَخُوْضُ الرِّدَاغَ فِيْ خُفَّيْهِ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِمَا** (مصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۲۰۵۴، کتاب الطھارة، باب فی الرجل یخوض طین المطر)

ترجمہ: حضرت ہذیل اپنے چمڑے کے موزوں میں کیچڑ میں چلتے تھے، پھر انہی میں (ان کو دھوئے بغیر) نماز پڑھ لیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

---

[1] رقم الحدیث ۲۰۵۳، کتاب الطھارة، باب فی الرجل یخوض طین المطر.

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ خیرُ القرون کے دَور میں بارش کے پانی، اور راستہ کے عام کیچڑ کو ناپاک نہیں سمجھا جاتا تھا، یا اس کو معاف سمجھا جاتا تھا، اور اسی لئے اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھ لی جایا کرتی تھی۔

چنانچہ مذکورہ اور اس جیسی روایات کو نقل کرنے کے بعد عظیم محدث، حضرت ابنِ منذر فرماتے ہیں کہ:

وَمِمَّنْ رَأٰى أَنْ لَّا وُضُوْءَ عَلَيْهِ وَلَا غَسْلَ الرِّجْلَيْنِ إِذَا خَاضَ طِيْنَ الْمَطَرِ عَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَعْقِلِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَابْنُ الْمُسَيِّبِ وَالشَّعْبِيُّ ،قَالَ الْحَسَنُ:اِمْسَحْهَا وَصَلِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمَاعَةٍ مِّنَ التَّابِعِيْنَ وَهٰذَا قَوْلُ أَحْمَدَ وَأَصْحَابِ الرَّأْيِ وَبِهٖ قَالَ عَوَامٌّ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رُوِّيْنَا عَنْ عَطَاءٍ أَنَّهٗ كَانَ يَغْسِلُ رِجْلَيْهِ وَهٰذَا عِنْدَنَا مِنْهُ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَالْأَشْيَاءُ عَلَى الطَّهَارَةِ حَتّٰى يُوْجَدَ نَجِسًا بِعَيْنِهٖ عَيْنًا قَائِمًا فَيُزَالُ ذٰلِكَ وَفِيْ حَدِيْثِ أَنَسٍ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الطِّيْنَ إِذَا غَلَبَ عَلَيْهِ الْمَاءُ وَخَالَطَهٗ وَإِنْ كَانَ فِيْهِ بَوْلٌ لَمْ يَضُرُّهٗ وَطَهَّرَهٗ الْمَاءُ.

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، أَنَا يَحْيٰى، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، أَخْبَرَهٗ:أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ قَامَ إِلٰى جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَبَالَ فِيْهِ فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَكَفَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى فَرَغَ الْأَعْرَابِيُّ ثُمَّ أَمَرَ بِذَنُوْبٍ مِّنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلٰى بَوْلِ الْأَعْرَابِيِّ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ:فَدَلَّ لَمَّا جَعَلَ الدَّلْوَ مِنَ الْمَاءِ يُطَهِّرُ الْبَوْلَ عَلٰى أَنَّ الْمَاءَ إِذَا غَلَبَ عَلَى النَّجَاسَةِ أَنَّ الْحُكْمَ لِلْمَاءِ فَكَذٰلِكَ مَاءُ الْمَطَرِ إِذَا كَثُرَ غَلَبَ عَلَى

الْأَرْضِ النَّجِسَةِ فَطَهَّرَ الْمَوْضِعَ وَإِذَا طَهُرَ الْمَوْضِعُ كَانَ حُكْمُ طِينِ ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ حُكْمَ الطَّهَارَةِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (الأوسط لا بن المنذر) [1]

ترجمہ: اور جن لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی بارش کے کیچڑ میں گھسے، تو نہ تو اس پر وضو ضروری ہے، اور نہ پیروں کا دھونا ضروری ہے، ان میں حضرت علقمہ اور حضرت اسود اور حضرت عبداللہ بن معقل بن مقرن اور حضرت ابنِ مسیّب اور حضرت شعبی بھی داخل ہیں، اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس کو صاف کرلیں، اور پھر نماز پڑھیں، اور یہی قول تابعین کی جماعت کا ہے، اور یہی قول امام احمد اور حنفیہ کا ہے، اور یہی قول اکثر اہلِ علم حضرات کا ہے، اور ہمیں حضرت عطاء کی یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اپنے پیروں کو دھولیا کرتے تھے، اور یہ ہمارے نزدیک اُن کی طرف سے مستحب درجہ کا عمل تھا، واللہ اعلم۔

اور تمام اشیاء (اپنی ذات میں) پاک سمجھی جاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن میں آنکھوں سے کوئی عین نجاست کا وجود نظر نہ آئے، جس کو دُور کیا جائے گا، اور حضرت انس کی حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مٹی پر جب پانی غالب آجائے، اور پانی اس مٹی میں شامل ہوجائے، اگرچہ اس میں پیشاب کیوں نہ ہو، تو کوئی ضرر کی بات نہیں، اور اس پیشاب کو (مذکورہ صورت میں) پانی پاک کردیتا ہے۔

ہم سے ابراہیم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، اُن سے یزید بن ھارون نے حدیث بیان کی، اُن کو یحییٰ نے خبر دی کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اُن کو خبر دی کہ ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کی ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری فرمادی، پھر وہ مسجد کے ایک حصہ میں کھڑا ہوگیا، پھر اس نے وہاں پیشاب کرنا شروع کردیا، جس پر لوگ چیخے، تو اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] كتاب طهارات الابدان والثياب، باب ذكر المتطهر يمشى فى الارض القذرة.

www.idaraghufran.org

وسلم نے روکا، یہاں تک کہ وہ دیہاتی (پیشاب کر کے) فارغ ہوگیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول منگوایا، پھر دیہاتی کے پیشاب پر ڈال دیا۔

ابوبکر (ابنِ منذر) فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب پانی کا ڈول پیشاب کو پاک کر دیتا ہے، اور پانی جب نجاست پر غالب آ جاتا ہے، تو وہ پانی کا حکم حاصل کر لیتا ہے، پس اسی طریقے سے بارش کا پانی جب زیادہ ہونے کی وجہ سے نجاست پر غالب آ جائے گا، تو وہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی، اور جب جگہ پاک ہو جائے گی، تو اس جگہ کی مٹی (اور کیچڑ) کو پاک ہونے کا حکم حاصل ہو جائے گا، واللہ اعلم (ابنِ منذر)

اور علامہ ابنِ نجیم حنفی فرماتے ہیں کہ:

**شَکَّ فِیُ وُجُوُدِ النَّجَسِ فَالْأَصُلُ بَقَاءُ الطَّهَارَةِ؛ وَلِذَا قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: حَوُضٌ تَمْلَأُ مِنْهُ الصِّغَارُ، وَالْعَبِيُدُ بِالْأَيُدِي الدَّنِسَةِ، وَالْجِرَارِ الْوَسِخَةِ يَجُوُزُ الْوُضُوءُ مِنْهُ مَا لَمْ يُعْلَمْ بِهِ نَجَاسَةٌ؛ وَلِذَا أَفْتَوُا بِطَهَارَةِ طِينِ الطُّرُقَاتِ** (الاشباه والنظاهر لابنِ نجيم) [1]

ترجمہ: نجاست کے وجود میں شک ہو، تو اصل حکم پاکی کا باقی ہونا ہے، اور اسی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس حوض میں بچے اور غلام اپنے گندے ہاتھ اور میلے کچیلے ڈول اور برتن ڈالتے ہوں، تو اس سے وضو کرنا جائز ہے، جب تک کہ نجاست ثابت نہ ہو، اور اسی وجہ سے فقہاء نے راستوں کی مٹی کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے (الاشباہ والنظائر)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

**اَلسَّادِسُ: اَلْعُسُرُ وَعُمُوُمُ الْبَلْوٰی ؛ کَالصَّلَاةِ مَعَ النَّجَاسَةِ الْمَعْفُوِّ**

---

[1] ج ۱، ص ۴۹، الفن الاول القواعد الکلیۃ، القاعدۃ الثالثۃ: الیقین لا یزول بالشک، الأصل بقاء ما کان علی ما کان.

www.idaraghufran.org

عَنْهَا كَمَا دُوْنَ رُبْعِ الثَّوْبِ مِنْ مُخَفَّفَةٍ وَقَدْرِ الدِّرْهَمِ مِنَ الْمُغَلَّظَةِ ، وَنَجَاسَةِ الْمَعْذُوْرِ الَّتِىْ تُصِيْبُ ثِيَابَهُ وَكَانَ كُلَّمَا غَسَلَهُ خَرَجَتْ......وَالتُّرَابِ الطَّاهِرِ إِذَا جُعِلَ طِيْنًا بِالْمَاءِ النَّجِسِ ، أَوْ عَكْسِهِ وَالْفَتْوٰى عَلَى أَنَّ الْعِبْرَةَ لِلطَّاهِرِ أَيُّهُمَا كَانَ وَمَا تَرَشَّشَ عَلَى الْغَاسِلِ مِنْ غُسَالَةِ الْمَيِّتِ مِمَّا لَا يُمْكِنُ الْاِحْتِرَازُ عَنْهُ ، وَمَا رُشَّ بِهِ السُّوْقُ إِذَا ابْتَلَّ بِهِ قَدَمَاهُ ، وَمَوَاطِءِ الْكِلَابِ وَالطِّيْنِ الْمُسَرْقَنِ وَرَدْغَةِ الطَّرِيْقِ (الاشباہ والنظاھر لابنِ نجیم) [1]

ترجمہ: چھٹی چیز (جس کی بناء پر شریعت کی طرف سے آسانی دی گئی ہے) تنگی اور ابتلائے عام ہے، جیسا کہ معاف شدہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا، مثلاً نجاستِ خفیفہ میں چوتھائی سے کم حصہ کی نجاست اور نجاستِ غلیظہ میں درہم کی مقدار سے کم کی نجاست معاف ہے، اور اس معذور کی نجاست معاف ہے، جس کے کپڑوں کو نجاست لگ جاتی ہے، جب بھی وہ دھوتا ہے نکل پڑتی ہے............
اور پاک مٹی کا جب ناپاک پانی سے گارا بنالیا جائے، یا ناپاک مٹی کا پاک پانی سے گارا بنالیا جائے، تو فتویٰ اس بات پر ہے کہ اعتبار پاک چیز کا ہوگا، جو بھی ہو (خواہ پانی یا مٹی) اور میت کو نہلائے جانے والے پانی کی جو چھینٹیں غسل دینے والے پر پڑ جاتی ہیں، جن سے بچنا ممکن نہیں ہوتا (وہ بھی معاف ہیں) اور جو بازار (اور راستوں) کی چھینٹوں سے پیر تر ہوجاتے ہیں، اور کتوں کی روندھی ہوئی مٹی اور گوبر سے آلودہ (راستوں کی) مٹی، اور راستہ کا کیچڑ (یہ سب چیزیں تنگی اور ابتلائے عام کی وجہ سے معاف ہیں) (الاشباہ والنظائر)

اور کنز کی شرح البحر الرائق میں ہے کہ:

---

[1] ج ۱، ص ۶۵، ۶۶، ملخصاً، الفن الاول القواعد الکلیۃ، القاعدۃ الرابعۃ: المشقۃ تجلب التیسیر۔

www.idaraghufran.org

وَعَنْ أَبِیْ نَصْرٍ الدَّبُوْسِیِّ طِیْنُ الشَّارِعِ وَمَوَاطِءِ الْكِلَابِ فِیْهِ طَاهِرٌ، وَكَذَا الطِّیْنُ الْمُسَرْقَنُ وَرَدْغَةُ طَرِیْقٍ فِیْهِ نَجَاسَةٌ طَاهِرَةٌ إِلَّا إِذَا رَأٰی عَیْنَ النَّجَاسَةِ ،قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ:وَهُوَ الصَّحِیْحُ مِنْ حَیْثُ الرِّوَایَةِ وَقَرِیْبٌ مِنْ حَیْثُ الْمَنْصُوْصِ عَنْ أَصْحَابِنَا (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۲۴۸، كتاب الطهارة، باب الأنجاس)

ترجمہ: ابونصر دبوسی سے راستہ کی مٹی اور کتوں (وغیرہ) کے روندھے ہوئے کیچڑ کا پاک ہونا مروی ہے، اور اسی طریقہ سے گوبر والی مٹی اور راستہ کا وہ کیچڑ جس میں نجاست شامل ہو، وہ پاک ہے، مگر جبکہ عین نجاست (یعنی بعینہٖ پیشاب پاخانہ وغیرہ لباس یا بدن پر لگا ہوا) دیکھے، صاحبِ قنیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایت کے اعتبار سے یہی صحیح ہے اور ہمارے (حنفی) اصحاب سے جو صراحت منقول ہے، اس کے قریب ہے (بحر الرائق)

مذکورہ اور اس جیسی عبارات کی روشنی میں اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ جب گزرگاہ اور راستہ کے کیچڑ، مٹی اور بارش وغیرہ کے پانی میں نجاست وناپاکی واضح اور یقینی نہ ہو، یا وہ بارش کے پانی سے پاک یا مغلوب ہوگئی ہو، تو وہ پاک ہے، کیونکہ اولاً تو پانی اور مٹی میں اصل پاک ہونا ہے، جس کے پاک ہونے کا حکم شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، دوسرے بارش کا پانی، نجس وناپاک زمین پر پڑ کر اس کو پاک کر دیتا ہے، جس طرح ناپاک زمین کو پاک پانی بہا کر پاک کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] فصل :وإن أصاب الأرض ماء المطر أو السيول، فغمرها، وجرى عليها، فهو كما لو صب عليها؛ لأن تطهير النجاسة لا تعتبر فيه نية ولا فعل، فاستوى ما صبه الآدمي وما جرى بغير صبه .قال أحمد، -رحمه الله -، في البول يكون في الأرض فتمطر عليه السماء :إذا أصابه من المطر بقدر ما يكون ذنوبا، كما أمر النبي -صلى الله عليه وسلم -أن يصب على البول، فقد طهر .وقال المروذي :سئل أبو عبد الله عن ماء المطر يختلط بالبول، فقال :ماء المطر عندي لا يخالط شيئا إلا طهره، إلا العذرة .فإنها تقطع .وسئل عن ماء المطر يصيب الثوب، فلم ير به بأسا إلا أن يكون بيل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس کیچڑ میں ناپاکی و غلاظت غالب ہونے کا یقین ہو تو اگر وہ کیچڑ تھوڑی مقدار میں لگا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه بعد المطر .وقال :كل ما ينزل من السماء إلى الأرض فهو نظيف، داسته الدواب أو لم تدسه. وقال في الميزاب :إذا كان في الموضع النظيف فلا بأس بما قطر عليك من المطر .إذا لم تعلم أنه قذر .قيل له :فأسأل عنه؟ قال :لا تسأل، وما دعاك إلى أن تسأل وهو ماء المطر، إذا لم يكن موضع مخرج، أو موضع قذر .فلا تغسله .واحتج في طهارة طين المطر بحديث الأعرابي الذي بال في المسجد .قال إسحاق بن منصور، وقال إسحاق بن راهويه، كما قال أحمد .واحتج بأن أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم -والتابعين كانوا يخوضون المطر في الطرقات، فلا يغسلون أرجلهم، لما غلب الماء القذر .وممن روى عنه أنه خاض طين المطر، وصلى، ولم يغسل رجليه عمر، وعلي -رضي الله عنهما -وقال ابن مسعود :كنا لا نتوضأ من موطء .ونحوه عن ابن عباس. وقال بذلك سعيد بن المسيب وعلقمة والأسود، وعبد الله بن معقل بن مقرن والحسن، وأصحاب الرأي، وعوام أهل العلم .لأن الأصل الطهارة، فلا تزول بالشك (المغني لابن قدامة، ج٢، ص ٧١، فصل أصاب الأرض ماء المطر أو السيول فغمرها وجرى عليها)

وطين شارع ظنت نجاسته) طاهر .عملاً بالأصل، ولأن الصحابة، والتابعين يخوضون المطر في الطرقات، ولا يغسلون أرجلهم .روي عن عمر وعلي، وقال ابن مسعود :كنا لا نتوضأ من موطء ونحوه عن ابن عباس، وهذا قول عوام أهل العلم .قاله في الشرح (منار السبيل في شرح الدليل، لابن ضويان، ج ١، ص ٥٣، فصل في النجاسات)

واعلم انه هذه المسألة من فروع قاعدة ابقاء ماكان على ما كان......ومنها ما في القنية عن ابي نصر الدبوسي طين الشوارع ومواطء الكلاب فيها طاهر وكذا الطين المسروقن الا اذا راى عين النجاسات والاصل في هذا كله ماورد عن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم انه قال بعثت بالحنيفية السمحة البيضاء ولم ابعث بالرهبانية الصعبة وورد النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم واصحابه كانوا يستعملون انية المشركين وثيابهم المنسوجة والمياه الراكدة في الحياض والابار من غير استفسار وتدقيق فاخرج البخاري في صحيحه ان النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم اكل في بيت اليهودية وتوضأ من مزاده المشركة وروى ايضا عن ابن عمر انه قال كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك وقال الفاضل البركلي في الطريقة المحمدية وجوب الاحتراز عن النجاسة ليس لذاتها لوصفها المنفر من الريح المنتن والطعم البشيع واللون القبيح فاذا لم يوجد ولم يتيقن بوجوده فلا يجب ومع التيقن به يعفى عن القليل في مواضع الضرورة والحاجة انتهى ومن ههنا يعلم ان الاصل في الاشياء شرعا هو الطهارة لاسيما الماء فانه موصوف بالطاهرية والطهورية مالم يعرض ما يزوله كما نبهنا سابقا (السعاية، ج ١، ص ٣١٤، وص ٣١٥، ملخصاً، كتاب الطهارة)

وفي المنتقى أرض أصابها بول أو عذرة، ثم أصابها المطر غالبا، وقد جرى ماؤه عليها فذلك مطهر لها وإن كان المطر قليلا لم يجر ماؤه عليها لم تطهر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ١ ص ٢٣٨ كتاب الطهارة، باب الانجاس)

www.idaraghufran.org

ہو، تو بھی حرج وتنگی کی وجہ سے وہ معاف ہے، کیونکہ بہت سی چیزیں شریعت کی طرف سے تنگی اور حرج دُور کرنے کے لئے معاف کردی جاتی ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی اس کو آسانی دھو کر نماز پڑھے، تو اچھی بات ہے، مگر ضروری نہیں۔

البتہ اگر عین سخت وغلیظہ نجاست (مثلاً پاخانہ وغیرہ) جسم یا لباس پر لگے، تو وہ معاف نہیں، بشرطیکہ وہ اتنی مقدار میں ہو، کہ جو معاف نہیں ہوتی، مثلاً ایک درہم یا ہتھیلی کے گہراؤ سے زیادہ۔ [1]

---

[1] چنانچہ اگر نجاستِ غلیظہ کی مقدار ایک درہم یا ہتھیلی کے گہراؤ سے کم ہو، تو وہ حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں بھی معاف ہے، چہ جائیکہ ضرورت کے وقت معاف نہ ہو، اور اس سلسلہ میں مشائخ حنفیہ کے اور بھی اقوال ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں راجح طینِ شارع کا معاف ہونا ہی ہے، جیسا کہ ابنِ نجیم کی صراحت گزر چکی ہے۔

العفو عن طين الشوارع :يرى الشافعية والحنابلة العفو عن يسير طين الشارع النجس لعسر تجنبه، قال الزركشي تعليقا على مذهب الشافعية في الموضوع :وقضية إطلاقهم العفو عنه ولو اختلط بنجاسة كلب أو نحوه -وهو المتجه لا سيما في موضع يكثر فيه الكلاب -لأن الشوارع معدن النجاسات.

ومذهب الحنفية قريب من مذهب الشافعية والحنابلة إذ قالوا :إن طين الشوارع الذي فيه نجاسة عفو إلا إذا علم عين النجاسة ، والاحتياط في الصلاة غسله.

ويقول المالكية :الأحوال أربعة :الأولى والثانية :كون الطين أكثر من النجاسة أو مساويا لها تحقيقا أو ظنا، ولا إشكال في العفو فيهما، والثالثة :غلبة النجاسة على الطين تحقيقا أو ظنا، وهو معفو عنه على ظاهر المدونة، ويجب غسله على ما مشى عليه الدردير تبعا لابن أبي زيد. والرابعة: أن تكون عينها قائمة وهي لا عفو فيها اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ١٧١، مادة "عفو")

ويعفى عن طين الشوارع ولو كان مخلوطا بنجاسة غالبة ما لم ير عينها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠، ص١١٤، النجاسات المعفو عنها عند الحنفية، مادة "نجاسة")

ومن الرخص التي شرعت بسبب العسر وعموم البلوى ما ذكره السيوطي وابن نجيم من جواز الصلاة مع النجاسة المعفو عنها، كدم القروح والدمامل والبراغيث، وطين الشارع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣١، ص٧، مادة "عموم البلوى")

وعن قليل طين محل مرور متيقن نجاسته ولو بمغلظ، للمشقة، ما لم تبق عينها متميزة.

ويختلف ذلك بالوقت ومحله من الثوب والبدن.

وإذا تعين عين النجاسة في الطريق، ولو مواطء كلب، فلا يعفى عنها، (وإن عمت الطريق على الاوجه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ناپاک زمین جس طرح نجاست کے دور ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، اسی طرح حنفی فقہائے کرام کے نزدیک ہوا اور دھوپ کے ذریعہ خشک ہونے سے بھی پاک ہوجاتی ہے، جبکہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے، اور راجح یہ ہے کہ وہ دوبارہ پانی وغیرہ سے تَر ہونے سے ناپاک نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اسی طرح ناپاک چیز سے اڑنے والا گرد معاف ہے، اور اگر ہوا سے نجاست کا گرد وغبار اڑ کر کسی جگہ (گزرگاہ وغیرہ) پر پڑ جائے، تو اس کی وجہ سے وہ جگہ ناپاک نہیں کہلاتی۔ [1]

لہٰذا اگر زمین یا کسی راستہ پر نجاست پڑی، اور وہ انسانوں اور گاڑیوں وغیرہ کے گزرنے یا ہوا یا دھوپ کے ذریعہ خشک ہوگئی، اور نجاست کا اثر ختم ہوگیا، تو وہ زمین یا راستہ پاک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(وأفتى شيخنا) في طريق لا طين بها بل فيها قذر الادمى وروث الكلاب والبهائم وقد أصابها المطر، بالعفو عند مشقة الاحتراز.

(قاعدة مهمة) :وهي أن ما أصله الطهارة وغلب على الظن تنجسه لغلبة النجاسة في مثله، فيه قولان معروفان بقولي الاصل.

والظاهر أو الغالب أرجحهما أنه طاهر، عملا بالاصل المتيقن، لانه أضبط من الغالب المختلف بالاحوال والازمان(فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين مع اعانة الطالبين، ج ۱ ص ۱۲۴، باب الصلاة)

قوله " :ولو مشى في السوق الخ "قال في المنح عن أبي نصر الدبوسي طين الشوارع ومواطن الكلاب طاهر وكذا الطين المسرقن إلا إذا رأى عين النجاسة قال رحمه الله تعالى وهو الصحيح اهـ أى من حيث الدراية وقريب من حيث الرواية عن أصحابنا رضى الله عنهم وفي الدر المختار وغيره وعفي طين شارع ومواطن كلاب وبخار نجس وغبار سرقين وانتضاح غسالة لا تظهر مواقع قطرها في الماء اهـ وظاهر ذلك ان العفو مصحح خلافا لما تفيده عبارته فإنه حكاه بقيل (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، ج ۱، ص ۱۵۸، باب الانجاس والطهارة عنها)

[1] لا عبرة للغبار النجس إذا وقع في الماء إنما العبرة للتراب(ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۲۵، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

ومن الرخص التي شرعت بسبب العسر وعموم البلوى ما ذكره السيوطي وابن نجيم من جواز الصلاة مع النجاسة المعفو عنها، كدم القروح والدمامل والبراغيث، وطين الشارع وذرق الطيور إذا عم في المساجد والمطاف، وما لا نفس له سائلة، وأثر نجاسة عسر زواله، والعفو عن غبار السرقين وقليل الدخان النجس وأمثالها، وهي كثيرة مفصلة في كتب الفقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص ۷، مادة "عموم البلوى")

www.idaraghufran.org

ہو جاتا ہے، اور اس پر بارش یا پانی پڑنے سے وہ دوبارہ ناپاک نہیں ہوتا، اور اس حالت میں اس کا کیچڑ بھی پاک کہلاتا ہے، اور اسی طرح راستوں پر جو گرد وغبار ہوتا ہے، اگرچہ وہ نجاست وناپاک چیز سے اڑنے والا گرد وغبار ہی کیوں نہ ہو، اس کی وجہ سے بھی راستہ وغیرہ ناپاک نہیں کہلاتا۔

پس آج کل جو بعض لوگ راستہ کے کیچڑ، اور نالی وغیرہ کے چلتے پانی کو بلا دلیل ناپاک سمجھ لیتے ہیں، جس میں پاک مٹی اور پاک پانی کا بڑا حصہ شامل ہوتا ہے، اور جہاں کہیں بدن یا لباس پر چھینٹیں پڑ جائیں، اس پر ناپاک ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، اور اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، یہ غلو اور تشدد پرستی پر مبنی ہے۔

## ناپاک زمین وفرش کو پاک کرنے کا طریقہ

اگر زمین یا زمین کے ساتھ وابستہ وپیوستہ فرش ناپاک ہو جائے، تو وہ پانی کے ذریعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے، خواہ وہ کچی زمین ہو یا پکی زمین ہو، اور خواہ وہ قدرتی مٹی ہو یا زمین کے ساتھ اینٹوں یا پتھر (ماربل، ٹائیل، چپس) وغیرہ سے تیار کیا ہوا فرش ہو، اور خواہ وہ زمین کی سطح پر ہو یا زمین پر بنی ہوئی عمارت کی چھت کا فرش ہو، سب کا یہی حکم ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوْا بِهٖ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : دَعُوْهُ، وَأَهْرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ ذَنُوْبًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، تو لوگ اس کی طرف لپکے تاکہ

---

[1] رقم الحدیث ۶۱۲۸، کتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یسروا ولا تعسروا۔

اس کا مؤاخذہ کریں، تو ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دیہاتی کو چھوڑ دو، اوراس کے پیشاب پر پانی کا ڈول یا بالٹی ڈال دو، بس تم کو یُسر وآسانی کرنے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، اور تمہیں عُسر وتنگی کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا (بخاری)

اور جو حکم خود پانی سے دھونے کا ہے، وہی حکم کسی طرح سے خود بخود پاک پانی کے وہاں سے گزرنے کے نتیجہ میں دُھل جانے کا بھی ہے، جیسا کہ بارش کا پانی۔

خلاصہ یہ کہ ناپاک زمین یا فرش کو اگر پانی سے دھو دیا جائے، جس سے نجاست کا اثر یعنی اس کا رنگ، بو وغیرہ زائل ہو جائے، تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] اور اگر مٹی کا برتن ہو، خواہ وہ کورا یعنی نیا ہو یا استعمالی یعنی پرانا، وہ بھی اس طرح دھونے سے پاک ہو جاتا ہے کہ نجاست کا اثر دور ہو جائے، اور بعض حنفیہ نے کورے برتن کو تین مرتبہ دھونا اور ہر مرتبہ خشک کرنا ضروری قرار دیا ہے، لیکن بعض حنفیہ نے فرمایا کہ یہ تین مرتبہ کا عدد مذکورہ تفصیل کے مطابق نجاست کو دور کرنے کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے ہے، جس کا تقاضا یہ ہوا کہ اگر تین مرتبہ سے کم میں اطمینان حاصل ہو جائے، تو تب بھی مٹی کا کورا برتن پاک ہو جائے گا۔

الأرض إذا تنجست بمائع، كالبول والخمر وغيرهما فتطهيرها أن يغمرها الماء بحيث يذهب لون النجاسة وريحها، وما انفصل عنها غير متغير بها فهو طاهر. بهذا قال جمهور الفقهاء، وذلك لما رواه أنس قال: جاء أعرابى فبال فى طائفة ناحية من المسجد، فزجره الناس، فنهاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قضى بوله أمر بذنوب من ماء فأهريق عليه. رواه البخارى ومثل الغمر بالماء ما إذا أصابها المطر أو السيل وجرى عليها، فإنها تطهر؛ لأن تطهير النجاسة لا يعتبر فيه نية ولا فعل، فاستوى ما صبه الآدمى وما جرى بغير صب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص ۲۱۱، مادة ''ارض'')

وفى شرح الطحاوى أنه لا يؤقت فى إزالة النجاسة إذا أصابت الحجر أو الآجر أو شيئاً من الأوانى، بل يغسله مقدار ما يقع فى أكبر رأيه أنه قد طهر، ويشترط مع ذلك أن لا يوجد منه طعم النجاسة ولا رائحتها ولا لونها، فأما إذا وجد هذه الأشياء لا يحكم بالطهارة قال ثمة: وسواء كانت الآنية من خزف أو غيره، وسواء كانت قديمة أو جديدة.

وعن محمد رحمه الله أن الخزف الجديد إذا وقع فيه خمر أو بول أنه لا يطهر أبداً.

وفى النوازل: إن تشربت النجاسة فى النصاب بأن غمس السكين بماء نجس أو كان الخزف أو الآجر جديدين على قول محمد رحمه الله لا يطهر أبداً، وعلى قول أبى يوسف رحمه الله يمر الحديد بالماء الطاهر ثلاثاً ويغسل الآجر الجديد والخزف الجديد بالماء ويجفف فى كل مرة ويطهر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حنفیہ کے نزدیک جس طرح زمین اور اس کے ساتھ وابستہ و پیوستہ فرش پانی کے ذریعہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر وہ زمین وفرش ہوا، یا دھوپ یا آگ وغیرہ کی تپش سے خشک ہوجائے، تو خشک ہونے سے بھی پاک ہوجاتا ہے، اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے، بشرطیکہ وہ ایسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوا ہو، جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو، جیسا کہ پیشاب، شراب وغیرہ۔ [1]

کیونکہ بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحدّ التجفيف أن يترك فى كل مرة حتى ينقطع التقاطر وتذهب الندوة ولا يشترط اليبس (المحيط البرهانى، ج ا ص ٢٠١، كتاب الطهارات، الفصل السابع)

( وإن كان حديثا ) غير مستعمل بحيث يتشرب النجاسة فلا بد أن ( يغسل ثلاث مرات و ) أن ( يجفف فى كل مرة حتى ينقطع التقاطر ( وذكر فى المحيط يغسله ) أى الخزف أو الآجر المستمل ( مقدار ما يقع أكبر رأيه أنه قد طهر ) وقد تقدم أن الثلاث قائمة مقام أكبر الرأى (حلبى الصغير، ج ا ص ١٠٩، كتاب الطهارة)

[1] البتہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک اس جگہ پر تیمّم کرنا جائز نہیں ہوتا، تا آنکہ اس کو دھو نہ لیا جائے۔

[2] حدثنى حمزة بن عبد الله، عن أبيه قال: كانت الكلاب تبول، وتقبل وتدبر فى المسجد، فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك (بخارى، رقم الحديث ١٧٤)

قال ابن الهمام: ليس فيه دلالة على أن الأرض لا تطهر بالجفاف، وقد صح عن ابن عمر أنه قال: كنت عزبا أبيت فى المسجد، وكانت الكلاب تبول وتقبل وتدبر فى المسجد، فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك، فلولا اعتبارها أنها تطهر بالجفاف كان ذلك تبقية لها بوصف النجاسة، مع العلم بأنهم يقومون عليها فى الصلاة ألبتة، إذ لا بد منه مع صغر المسجد وعدم من يتخلف فى بيته، وكون ذلك يكون فى بقع كثيرة حيث تقبل وتدبر وتبول، فإن هذا التركيب فى الاستعمال يفيد تكرار الكائن منها، أو لأن تبقيتها نجسة ينافى الأمر بتطهيره، فوجب كونها تطهر بالجفاف بخلاف أمره عليه الصلاة والسلام بإهراق ذنوب من ماء ;لأنه كان نهارا، وقد لا يجف قبل وقت الصلاة، فأمر بتطهيرها بالماء بخلاف مدة الليل؛ أو لأن الوقت كان إذ ذاك قد آن أريد إذ ذاك أكمل الطهارتين المتيسر فى ذلك الوقت، هذا إذا قصد تطهير الأرض صب الماء عليه ثلاث مرات، وجففت فى كل مرة بخرقة طاهرة، وكذا لو صب عليها ماء بكثرة، ولم يظهر لون النجاسة ولا ريحها، فإنها تطهر اهـ كلامه(مرقاة المفاتيح، ج٢ ص ٤٦١، باب تطهير النجاسات)

ما تطهر به الأرض سوى المياه: ذهب الحنفية عدا زفر إلى أن الأرض إذا أصابها نجس، فجفت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر قدرتی سخت پتھر ہو، جیسا کہ چکی کا پاٹ ہوتا ہے، اور وہ ناپاک ہوجائے، تو وہ زمین سے علیٰحدہ ہونے کی صورت میں بھی مذکورہ طریقوں پر پاک ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالشمس أو الهواء أو غيرهما وذهب أثره طهرت وجازت الصلاة عليها، لقوله صلى الله عليه وسلم :أيما أرض جفت فقد ذكت وذهب المالكية والحنابلة، والشافعية فى الأصح عندهم، وزفر من الحنفية إلى أنها لا تطهر بغير الماء ، لأمره صلى الله عليه وسلم أن يصب على بول الأعرابى ذنوب ماء ، وقوله صلى الله عليه وسلم :أهريقوا على بوله ذنوبا من ماء ، أو سجلا من ماء والأمر يقتضى الوجوب، ولأنه محل نجس فلم يطهر بغير الغسل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۱۰۶، ۱۰۷،مادة "طهارة" )

طهارة الأرض بالشمس والنار :إذا أصابت الأرض نجاسة، فجفت بالشمس أو النار، وذهب أثرها، وهو هنا اللون والرائحة، جازت الصلاة مكانها عند الحنفية، واستدلوا بقول النبى عليه الصلاة والسلام :ذكاة الأرض يبسها.وعن ابن عمر قال :كنت أبيت فى المسجد فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكنت فتى شابا عزبا، وكانت الكلاب تبول وتقبل وتدبر فى المسجد ولم يكونوا يرشون شيئا من ذلك.كما ذهبوا إلى أنه لا يجوز التيمم به؛ لأن طهارة الصعيد شرط بنص الكتاب وقال الله تعالى :(فتيمموا صعيدا طيبا) وطهارة الأرض بالجفاف ثبتت بدليل ظنى، فلا يتحقق بها الطهارة القطعية المطلوبة للتيمم بنص الآية .وذهب المالكية والشافعية والحنابلة وزفر من الحنفية إلى أن الأرض لا تطهر بالجفاف، ولا يجوز الصلاة على مكانها ولا التيمم بها؛ لأن النجاسة حصلت فى المكان، والمزيل لم يوجد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص۱۱۶،مادة "احراق")

[1] إلا حجرا خشنا كرحى فكأرض (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۱، ص۳۱۱، وص۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(قوله :إلا حجرا خشنا إلخ) فى الخانية ما نصه :الحجر إذا أصابته النجاسة، إن كان حجرا يتشرب النجاسة كحجر الرحى يكون يبسه طهارة، وإن كان لا يتشرب لا يطهر إلا بالغسل .اهـ .ومثله فى البحر.وبحث فيه فى شرح المنية فقال هذا بناء على أن النص الوارد فى الأرض معقول المعنى؛ لأن الأرض تجذب النجاسة والهواء يجففها فيقاس عليه ما يوجد فيه ذلك المعنى الذى هو الاجتذاب، ولكن يلزم منه أن يطهر اللبن والآجر بالجفاف وذهاب الأثر وإن كان منفصلا عن الأرض لوجود التشرب والاجتذاب .اهـ .وعلى هذا استظهر فى الحلية حمل ما فى الخانية على الحجر المفروش دون الموضوع، وهذا هو المتبادر من عبارة الشرنبلالية، لكن يرد عليه أنه لا يظهر فرق حينئذ بين الخشن وغيره، فالأولى حمله على المنفصل كما هو المفهوم المتبادر من عبارة الخانية والبحر.

ويجاب عما بحثه فى شرح المنية بأن اللبن والآجر قد خرجا بالطبخ والصنعة عن ماهيتهما الأصلية بخلاف الحجر فإنه على أصل خلقته فأشبه الأرض بأصله، وأشبه غيرها بانفصاله عنها، فقلنا إذا كان خشنا فهو فى حكم الأرض؛ لأنه لا يتشرب النجاسة، وإن كان أملس فهو فى حكم غيرها؛ لأنه لا يتشرب النجاسة -والله أعلم (ردالمحتار، ج۱، ص۳۱۱، وص۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

اور اگر ناپاک زمین کے اوپر سے اتنی مٹی ہٹادی جائے کہ جہاں تک اس ناپاکی کا اثر نہیں گیا تھا، یا اس کے اوپر پاک مٹی ڈال دی جائے، جس سے ناپاکی کی بُو ختم ہوجائے، تو بھی وہ جگہ پاک ہوجاتی ہے، اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔

اور اگر وہ ناپاکی بہنے والی اور سوکھ کر ختم ہونے والی نہ ہو، بلکہ جرم وجسم والی ہو کہ خشک ہونے کے بعد بھی وہ نظر آتی ہو، اور اس کا جسم باقی رہتا ہو، جیسا کہ پاخانہ، گوبر، تو وہ زمین وغیرہ اس وقت پاک ہوجاتی ہے، جبکہ وہاں سے وہ نجاست ہٹادی جائے، خواہ پانی بہا کر یا بارش ہونے سے، یا کسی چیز سے صاف کر کے یا کھرچ کر، یا کسی چیز کے وہاں سے گزرنے سے، یہاں تک کہ اس نجاست کا اثر دُور ہوجائے، پھر اس پر نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔ ؎۲

## ناپاک مٹی تندور اور گارا جلنے سے پاک ہوجاتا ہے

اگر ناپاک مٹی سے برتن بنائے جائیں، یا ناپاک مٹی سے اینٹیں تیار کی جائیں، تو بھٹی پر پکانے سے وہ مٹی برتن اور اینٹیں پاک ہوجاتی ہیں۔

---

وقال أبو حنيفة :إذا كانت الأرض رخوة فطهورها بغمرها بالماء ، كما قال الجمهور، وإن كانت الأرض صلبة فإنها لا تطهر حتى ينفصل الماء ، فيكون المنفصل عنها نجسا؛ لأن النجاسة انتقلت إليه.وإنما تطهر بحفرها، حتى يصل الحفر إلى موضع لم تصله النجاسة، أو بكبسها بتراب ألقاه عليها، فزالت رائحة النجاسة.إذا جفت النجاسة المائعة، فقال جمهور الفقهاء :لا تطهر إلا بالماء ، لحديث الأعرابی السابق، وقال أبو حنيفة وصاحباه -فی الأظهر -تطهر للصلاة عليها لا للتيمم منها، وقيل :تطهر لهما، وذلک لما رواه البخاری وأبو داود عن ابن عمر قال :إن الكلاب كانت تبول، وتقبل وتدبر فی المسجد، فلم يكن يرشون شيئا من ذلک.

وقال بعض الشافعية :إذا جفت الأرض فی الظل فقد طهرت، وذلک لما رواه ابن أبی شيبة فی مصنفه عن أبی قلابة أنه قال :إذا جفت الأرض فقد زكت.

أما إن كانت النجاسة غير مائعة، بأن كانت ذات أجزاء متفرقة كالرمة، والروث، والدم إذا جف، واختلطت بأجزاء الأرض لم تطهر بالغسل، بل تطهر بإزالة أجزاء المكان، حتى يتيقن زوال أجزاء النجاسة، وهذا ما لا خلاف فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳، ص۱۱۲، و۱۱۳، مادة "ارض")

؎۲ (و) تطهر (أرض) بخلاف نحو بساط (بيبسها) أی :جفافها ولو بريح (وذهاب أثرها كلون وريح (ل) أجل (صلاة) عليها (لا لتيمم) بها؛ لأن المشروط لها الطهارة وله الطهورية. (و) حكم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح اگر تندور ناپاک مٹی سے تیار کیا اور بنایا جائے، یا تندور کی مٹی میں ناپاک پانی ملایا جائے، اور پھر اس میں آگ جلا دی جائے، جس سے وہ جل کر خشک ہو جائے، تو وہ تندور بھی پاک ہو جاتا ہے۔ [1]

## پاک شدہ زمین کے تر ہونے سے ناپاکی عود نہیں کرتی

پھر جب زمین، مٹی یا اس سے بنی ہوئی کوئی چیز ایک مرتبہ پاک ہوگئی، خواہ ہوا کے ذریعہ سوکھنے یا سورج یا آگ کی تپش سے یا نجاست کے وہاں سے صاف کرنے سے، تو اس پر پاک پانی وغیرہ کے پڑنے اور تر ہونے سے اس کی وہ ناپاکی دوبارہ واپس نہیں لوٹتی، مثلاً زمین کے فرش، راستہ وغیرہ میں کوئی نجاست پڑی، جو دھوپ یا ہوا سے خشک ہونے یا وہاں سے سواریاں وغیرہ گزرنے یا نجاست کو صاف کرنے یا نجس و ناپاک مٹی، یا اس سے تیار شدہ برتن، اینٹ وغیرہ کے آگے میں جلنے کی وجہ سے پاک وصاف ہوگئی، اور پھر اس پر کوئی پاک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(آجر) ونحوه كلبن (مفروش وخص) بالخاء تحجيرة سطح (وشجر وكلأ قائمين فی أرض كذلك) أی: كأرض، فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتا فيها لأخذه حكمها باتصاله بها فالمنفصل يغسل لا غير، إلا حجرا خشنا كرحى فكأرض (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ا، ص ۳۱۱، وص ۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(قوله: تحجيرة سطح) من الحجر بالفتح :وهو المنع، وفسره فی الدرر تبعا لصدر الشريعة بالسترة التی تكون علی السطوح أی :لأنها تمنع من النظر إلی من هو خلفها، وفسره فی المغرب والصحاح بالبيت من القصب .(قوله :وكلأ) بوزن جبل .قال فی المغرب :هو اسم لما يرعاه الدواب رطبا كان أو يابسا .(قوله :وكذا إلخ) ومثله الحصی إذا كان متداخلا فی الأرض كما فی المنية .وفی التتارخانية :أما إذا كان علی وجه الأرض لا يطهر .اهـ .والظاهر أن التراب لا يتقيد بذلك، وإلا لزم تقييد الأرض التی تطهر باليبس بما لا تراب عليها تأمل (ردالمحتار، ج ا، ص ۳۱۱، وص ۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

[1] وإذا سعرت التنور ثم مسحه بخرقة مبتلة نجسة ثم حرقت فيه فإن كانت حرارة النار أكلت بلّة الماء قبل إلصاق الخبز بالتنور لا يتنجس الخبز لأن النجاسة لا تبقی إذا نشف التنور بالنار كما لا تبقی نجاسة الأرض إذا يبست بالشمس (المحيط البرهانی، ج ا ص ۲۰۵، كتاب الطهارات، الفصل السابع)

www.idaraghufran.org

پانی پڑا، خواہ بارش کا یا دوسرا، یا پانی کی چھینٹیں پڑیں، یا وہ کسی اور تر چیز کی وجہ سے گیلی ہوگئی، تو اس کی پہلی ناپاکی واپس لوٹ کر نہیں آئے گی، بلکہ وہ بدستور پاک رہے گی، تا آنکہ دوبارہ ناپاک نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک یہی راجح ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] (والأرض) إذا أصابتها النجاسة فجفت وذهب أثرها ثم أصابها الماء بعد ذلك الصحيح أنه لا يعود نجساً وكذا لو جفت الأرض وذهب أثر النجاسة ورش عليها الماء وجلس عليها لا بأس به (فتاویٰ قاضيخان، ج ا ص ۲۵،۲۶، كتاب الطهاراة، فصل فی النجاسة التی تصيب الثوب أو الكف أو البدن أو الأرض)

وإذا طهرت الأرض بالجفاف ثم أصابها الماء الصحيح أنها لا تعود نجسا (الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۴۴، الباب السابع، الفصل الاول)

فإن أصاب الموضع ماء فابتل أو ألقی من ترابه فی ماء قليل ففيه روايتان :إحداهما أنه يعود نجسا كما قبل الجفاف، والأخری وهو الأصح أنه لا يتنجس؛ لأن بعد الحكم بطهارته لم يوجد إلا إصابة الماء والماء لا ينجس شيئا (المبسوط للسرخسی، ج ا ص ۲۰۵، كتاب الصلاة، باب الحدث فی الصلاة)

الارض اذا يبست وحكم بطهارتها ثم اصابها الماء ففی رواية تعود نجسا وفی رواية لا وهو المختار (السعاية، ج ا ص ۴۲۷، كتاب الطهارة)

ثم هل يعود نجسا ببله بعد فركه؟ المعتمد لا، وكذا كل ما حكم بطهارته بغير مائع (الدرالمختار)

(قوله :بغير مائع) أی :كالدلک فی الخف، والجفاف فی الأرض، والدباغة الحكمية فی الجلد، وغوران الماء فی البئر، والمسح فی الصقيل .قال فی البحر بعد سوق عباراتهم فيها :فالحاصل أن التصحيح والاختيار قد اختلف فی كل مسألة منها كما تری فالأولی اعتبار الطهارة فی الكل كما يفيده أصحاب المتون حيث صرحوا بالطهارة فی كل واختاره فی الفتح .ولا يرد المستنجی بالحجر إذا دخل الماء فإنه ينجسه؛ لأن غير المائع لم يعتبر مطهرا فی البدن إلا فی المنی اهـ أی: فالحجر لا يطهر محل الاستنجاء من البدن، وإنما هو مقلل فلذا نجس الماء بخلاف الدلک ونحوه فإنه مطهر، ومقتضاه أن الخف لو وقع فی ماء قليل لا ينجسه .ثم رأيت فی التجنيس قال :ولو ألقی تراب هذه الأرض بعد ما جف فی الماء هل ينجس؟ هو علی هاتين الروايتين اهـ أی :فعلی رواية الطهارة لا ينجس وقدمنا أن الآجرة إذا تنجست فجفت ثم قلعت فالمختار عدم العود (ردالمحتار، ج ا ص ۳۱۴، باب الانجاس)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۸)

# نباتات کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم

تمام نباتات (درخت، پھول، بوٹے، گھاس، پھوس، سبزی، غلہ جات وغیرہ) کی پیدائش زمین سے ہوتی ہے، اوراس کی افزائش پانی سے ہوتی ہے، اور پانی اور زمین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ پاک ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے، لہٰذا زمین سے پیدا ہونے والے نباتات بھی اپنی ذات میں پاک ہیں۔

جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## نباتات میں اصل پاک وحلال ہونا ہے

نباتات یعنی زمین سے اُگنے والی چیزوں کے بارے میں اصل حلال اور پاک ہونا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِى الْأَرْضِ جَمِيْعًا (سورة البقرة، رقم الآية ۲۹)

ترجمہ: وہی ذات ہے، جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ان سب چیزوں کو پیدا کیا، جو زمین میں ہیں (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر پیدا ہونے والی تمام نباتات اپنی اصل کے اعتبار سے پاک وحلال ہیں، کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے، اور ناپاک چیزوں کو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کرنا ممکن نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ طیب چیز کو پسند کرتا ہے۔ [1]

---

[1] والحلال ضد الحرام اى ما لم يمنعه الشرع فان الأصل فى الأشياء الحل لقوله تعالى خَلَقَ لَكُمْ ما فِى الْأَرْضِ جَمِيعاً طَيِّباً مستلذا وَلا تَتَّبِعُوا خُطُواتِ الشَّيْطانِ اى لا تقتدوا به فى اتباع الهوى فتحرموا الحلال وتحلوا الحرام (التفسير المظهرى، سورة البقرة، تحت رقم الآيات ۱۶۹، ۱۷۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# پھلوں اور میووں کے پاک وحلال ہونے کا ثبوت

اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف پھلوں کو انسان کا رزق اور غذا قرار دیا ہے، اور اللہ کی طرف سے رزق اسی چیز کو قرار دیا جاسکتا ہے، جو حلال بھی ہو، اور پاک بھی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَّاَنۡـزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۲)

ترجمہ: اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر نکالا اس پانی کے ذریعہ سے مختلف پھلوں کو تمہارے رزق کے لئے (سورہ بقرہ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ (سورة ابراهيم رقم الآية ۳۲)

ترجمہ: اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس پانی سے پھلوں کو تمہارے رزق کے لئے پیدا کیا (سورہ ابراہیم)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ فَاَنۡشَاۡنَا لَـكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (هُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُمْ مَا فِى الأَرْضِ جَمِيعًا) أى :خلق لكم، برا بكم ورحمة، جميع ما على الأرض، للانتفاع والاستمتاع والاعتبار.

وفى هذه الآية العظيمة دليل على أن الأصل فى الأشياء الإباحة والطهارة، لأنها سيقت فى معرض الامتنان، يخرج بذلك الخبائث، فإن (تحريمها أيضا) يؤخذ من فحوى الآية، ومعرفة المقصود منها، وأنه خلقها لنفعنا، فما فيه ضرر، فهو خارج من ذلك، ومن تمام نعمته، منعنا من الخبائث، تنزيها لنا (تفسير السعدى، سورة البقرة، تحت رقم الآيات ۲۹)

وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ (سورة المؤمنون رقم الآيات ١٧ الىٰ ٢٠)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم (اور ختم) کر دینے پر (بھی) قادر ہیں، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے، تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طورِ سیناء میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سَالَن لئے ہوئے (سورہ مومنون)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنۡ مُسۡلِمٍ غَرَسَ غَرۡسًا فَأَكَلَ مِنۡهُ اِنۡسَانٌ اَوۡ دَابَّةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت (وچارہ) لگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (بخاری)

مذکورہ آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ پھلوں اور باغوں وغیرہ کی شکل میں نباتات کی پیدائش انسانوں کے رزق کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے پاکیزہ رزق ہی پیدا فرماتا ہے۔

## کھیتی وغلہ جات کے پاک وحلال ہونے کا ثبوت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کھیتی وغلہ جات کے بھی انسانوں اور ان کے جانوروں کے

[1] رقم الحديث ٢٠١٢، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم.

www.idaraghufran.org

کھانے اور رزق کے لئے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ** (سورة السجدة، رقم الآية ۲۷)

ترجمہ: کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک اُفتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مویشی (جانور، چوپائے) اور وہ خود بھی کھاتے ہیں (سورہ سجدہ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُوْنَ. وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ. لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيْهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ** (سورة یٰسٓ، رقم الآيات ۳۳، و ۳۴، و ۳۵)

ترجمہ: اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی ہے، جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا جس سے وہ کھاتے ہیں، اور اس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور ان میں چشمے جاری کیے، تاکہ وہ اس کے پھل کھائیں اور یہ چیزیں ان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی نہیں ہیں پھر کیوں شکر نہیں کرتے (سورہ یٰس)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ** (سورة قٓ رقم الآيات ۹، ۱۰)

ترجمہ: اور آسمان سے ہم نے مبارک پانی نازل کیا، پھر اس سے باغ اور فصل

www.idaraghufran.org

کے غلّے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کردیئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بہ تہ لگتے ہیں، بندوں کے رزق کے لئے (سورہ قٓ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (سورۃ العبس، رقم الآیات ۲۴ الیٰ ۳۲)

ترجمہ: سو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدے کے لئے (سورہ عبس)

معلوم ہوا کہ کھیتی و غلہ جات بھی پاک ہیں، کیونکہ وہ کھانے پینے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

## نباتات و چارہ کے پاک و حلال ہونے کا ثبوت

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّأُولِی النُّهٰى. مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (سورۃ طٰہٰ، رقم الآیات ۵۳ الیٰ ۵۵)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہارے فائدہ کے لیے زمین کو گہوارہ، اور چلائے تمہارے فائدہ کے لئے اس میں راستے، اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکال دیا اس پانی کے ذریعہ سے مختلف طرح کے جڑواں نباتات کو، کھاؤ تم

اور چراؤ اپنے مویشیوں (چوپاؤں) کو، بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، اس زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ تمہیں نکالیں گے (سورہ طٰہٰ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعَاهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ

(سورة النازعات، رقم الآية ۳۱ الیٰ ۳۳)

ترجمہ: باہر نکالا زمین سے اس کا پانی اور چارہ، اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں (چوپاؤں) کے فائدہ پہنچانے کے لئے

(سورہ نازعات)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ زمین سے اگنے والی تمام نباتات اپنی ذات میں پاک ہیں، اور ان کا کھانا حلال ہے، سوائے اس کے کہ کوئی چیز نشہ آور ہو۔ [1]

## ناپاک نباتات کو پاک کرنے کا طریقہ

اگر نباتات میں سے کوئی چیز ناپاک ہو جائے، تو وہ دوسری چیزوں کی طرح دھونے اور بارش کے پانی سے صاف ہونے سے پاک ہو جاتی ہے۔

اور جو فصل یا درخت یا چارہ زمین میں بویا ہوا ہو، اور اسے زمین سے کاٹا اور الگ نہ کیا گیا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم زمین کی طرح ہے کہ وہ پانی سے دُھلنے کے علاوہ ہوا اور دھوپ سے خشک ہونے سے بھی پاک ہو جاتا ہے، اور اگر وہ لکڑی کی طرح سخت ہو، جیسا کہ درخت

---

[1] وجميع أنواع النبات ولو كان ساماً أو مخدراً كالحشيش والأفيون والبنج، ومن المائع: المياه والزيوت وعسل القصب وماء الأزهار والطيب والخل. واتفقوا أن كل جاف طاهر، وأن نافجة (وعاء) المسك طاهر كالمسك، وأن الزبَاد والعنبر طاهر، وأن شعر الحيوان المأكول طاهر، وأن الخمر المتخللة بنفسها طاهرة (الفِقهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ لوهْبَة بن مصطفى الزُّحَيْلي، ج ا، ص ۲۹۳، ابواب الطهارات، المبحث السادس ـ أنواع الأعيان الطاهرة)

کا تنا اور شاخیں، اور اس پر جسم دار نجاست لگی ہو، تو اس کو صاف کرنے سے بھی وہ پاک ہو جاتا ہے، جبکہ اس سے نجاست کا اثر دُور ہو جائے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ زمین سے اُگنے والی تمام نباتات اپنی اصل کے اعتبار سے پاک ہیں، اور وہ کسی دوسری ناپاک چیز کی وجہ سے ناپاک ہو سکتی ہیں، اور جب تک وہ ناپاک چیزوں سے محفوظ ہوں، وہ پاک ہوتی ہیں، بلکہ اگر کھیتی کو ناپاک پانی سے سیراب کیا گیا، یا ناپاک کھاد لگایا گیا، تب بھی اس سے اُگنے والی کھیتی و فصل وغیرہ پاک کہلاتی ہے، جیسا کہ آگے مسائل کے بیان میں آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ويطهر ما بها "أى الأرض "من شجر وكلأ "أى عشب "قائم "أى نابت فيها "بجفافه "من النجاسة لا يبسه عن رطوبته وذهاب أثرها تبعا للأرض على المختار وقيل لا بد من غسله (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح)

(وشجر وكلأ قائمان) فى الأرض فإنها تطهر باليبس وذهاب الأثر (والمقطوع) من الشجر، والكلأ (يغسل) ولا يكفى فيهما اليبس وذهاب الأثر (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص ۴۶، كتاب الطهارة، باب تطهير الأنجاس)

(و) حكم (آجر) ونحوه كلبن (مفروش وخص) بالخاء تحجيرة سطح (وشجر وكلأ قائمين فى أرض كذلک) أى: كأرض، فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتا فيها لأخذه حكمها باتصاله بها فالمنفصل يغسل لا غير، إلا حجرا خشنا كرحى فكأرض (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۱۱، وص ۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(قوله: تحجيرة سطح) من الحجر بالفتح :وهو المنع، وفسره فى الدرر تبعا لصدر الشريعة بالسترة التى تكون على السطوح أى :لأنها تمنع من النظر إلى من هو خلفها، وفسره فى المغرب والصحاح بالبيت من القصب .(قوله :وكلأ) بوزن جبل .قال فى المغرب :هو اسم لما يرعاه الدواب رطبا كان أو يابسا .(قوله :وكذا إلخ) ومثله الحصى إذا كان متداخلا فى الأرض كما فى المنية .وفى التتارخانية :أما إذا كان على وجه الأرض لا يطهر .اهـ .والظاهر أن التراب لا يتقيد بذلک، وإلا لزم تقييد الأرض التى تطهر باليبس بما لا تراب عليها تأمل (ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۱۱، وص ۳۱۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۹)

# جسم، لباس وطعام کی ناپاکی سے متعلق وسوسوں کا حکم

انسان کے جسم، لباس اور کھانے پینے کی اشیاء میں بھی اصل پاک ہونا ہے، اسی وجہ سے انسان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) اور جسم سے نکلنے والا پسینہ پاک ہے، اگرچہ وہ جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو۔

بعض لوگ جنابت یعنی غسل واجب ہونے والے شخص اور حیض ونفاس والی عورت کو اس طرح ناپاک سمجھتے ہیں، جس طرح دوسری ظاہری چیزوں کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور اسی وجہ سے جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں جسم پر لگے ہوئے لباس کو بھی ناپاک سمجھتے ہیں، اور اس حالت میں خارج ہونے والے پسینہ کو بھی ناپاک سمجھتے ہیں، اور اس حالت میں عورت کے بچے کو دودھ پلانے کو بھی ناجائز خیال کرتے ہیں۔

حالانکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں جو ناپاکی ہوتی ہے، وہ ظاہری اور حقیقی ناپاکی نہیں کہلاتی کہ جس کی وجہ سے جسم پر ہاتھ وغیرہ لگانا اور چھونا بھی منع ہوجائے، بلکہ یہ حکمی ناپاکی کہلاتی ہے، کہ اس کی وجہ سے نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

اور بعض وسوسوں کے پجاری ایسے بھی ہیں کہ عام حالات میں بھی انسانوں کے جسم کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور اسی وجہ سے کسی سے مصافحہ کرنا اور ہاتھ ملانا بھی گوارا نہیں کرتے، کہ کہیں اس کی وجہ سے ان کے ہاتھ ہی ناپاک نہ ہوجائیں، حالانکہ انسان کا جسم شرعاً پاک ہے۔

## بنی آدم کی کرامت وشرافت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بڑی فضیلت بخشی ہے، اور اس کے لئے پاکیزہ رزق پیدا کیا ہے، اور اس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس لئے انسان کا جسم فی نفسہٖ پاک

ہے، اور یہ اسی وقت ناپاک ہوتا ہے، جب اس پر کوئی نجاست وناپاکی لگے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (سورۃ الاسراء، رقم الآیۃ ۷۰)

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی (سورہ اسراء)

اس آیت سے اہلِ علم حضرات نے انسان کے جسم کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے۔ [1]

## منہ کے لعاب اور پس خوردہ کے پاک ہونے کا ثبوت

انسان کے منہ سے پیدا ہونے والا لعاب اور تھوک پاک ہے، اور اسی وجہ سے انسان کی پس خوردہ (یا جوٹھی) چیز بھی پاک ہے، جس سے اس کا تھوک وغیرہ لگے، بلکہ اگر جنابت وحیض کی حالت ہو، اس حالت کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی ناپاک نہیں کہلاتا۔

چنانچہ حضرت شریح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ هَلْ تَأْكُلُ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا وَهِيَ طَامِثٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنِيْ فَآكُلُ مَعَهُ، وَأَنَا عَارِكٌ كَانَ يَأْخُذُ الْعَرْقَ فَيُقْسِمُ عَلَيَّ فِيْهِ، فَأَعْتَرِقُ مِنْهُ ثُمَّ أَضَعُهُ، فَيَأْخُذُهُ فَيَعْتَرِقُ مِنْهُ، وَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ وَضَعْتُ فَمِيْ مِنَ الْعَرْقِ، وَيَدْعُوْ بِالشَّرَابِ فَيُقْسِمُ عَلَيَّ فِيْهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّشْرَبَ مِنْهُ، فَآخُذُهُ فَأَشْرَبُ مِنْهُ، ثُمَّ أَضَعُهُ، فَيَأْخُذُهُ فَيَشْرَبُ مِنْهُ، وَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ

---

[1] ولقد كرمنا بنى آدم واعلم أن الإنسان جوهر مركب من النفس، والبدن، فالنفس الإنسانية أشرف النفوس الموجودة فى العالم السفلى، وبدنه أشرف الأجسام الموجودة فى العالم السفلى (تفسير الرازى لفخرالدين، سورة الاسراء، تحت رقم الآية ۷۰)

www.idaraghufran.org

وَضَعْتُ فَمِيْ مِنَ الْقَدَحِ (سنن النسائی) ۱؎

ترجمہ: انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورت حیض کی حالت میں اپنے شوہر کے ساتھ کھا سکتی ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بلاتے تھے، تو میں آپ کے ساتھ کھاتی تھی، اور میں اس وقت حیض کی حالت میں ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہڈی اٹھاتے اور میرا حصہ بھی اس میں رکھتے، میں پہلے اس ہڈی کو چوستی پھر اس کو رکھ دیتی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چوستے اور اس جگہ منہ لگاتے کہ جس جگہ میں نے منہ لگایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی منگواتے، اس میں بھی میرا حصہ رکھتے، میں پہلے وہ پانی پی لیتی، پھر اس کو رکھ دیتی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اٹھا کر پی لیا کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ کو پیالے میں اسی جگہ لگاتے تھے، جس جگہ میں نے منہ لگایا تھا (نسائی)

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں بھی منہ کا لعاب اور تھوک ناپاک نہیں ہوتا، اس لئے حیض ونفاس والی عورت کا پس خوردہ (یا جوٹھا) کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔

اور جب حیض ونفاس کی حالت میں بھی منہ کا لعاب، تھوک اور پس خوردہ (یا جوٹھا) ناپاک نہیں ہوتا، تو جب کوئی جنابت یا حیض ونفاس وغیرہ کی حالت میں نہ ہو، تو اس کا لعاب، تھوک اور پس خوردہ (یا جوٹھا) بدرجہ اولیٰ ناپاک نہیں ہوگا۔

## بلغم کے پاک ہونے کا ثبوت

انسان کے منہ کے لعاب اور تھوک کے علاوہ، بلغم بھی پاک ہوتا ہے۔

---

۱؎ رقم الحدیث ۳۷۷، کتاب الحیض والاستحاضة، باب مؤاکلة الحائض والشرب من سؤرها.

www.idaraghufran.org

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهٖ، فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ، فَقَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهٖ فَإِنَّهٗ يُنَاجِي رَبَّهٗ، أَوْ إِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ، فَبَصَقَ فِيهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ: أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا** (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف بلغم دیکھا، تو آپ کو یہ ناگوار گزرا، یہاں تک کہ آپ کے چہرہ میں ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، اور اس کو اپنے ہاتھ سے مَل دیا، پھر فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اپنے رب سے مناجات (اور سرگوشی) کرتا ہے، یا اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، تو تم میں سے کوئی قبلہ کی طرف نہ تھوکے، البتہ اپنی بائیں طرف تھوک لے، یا اپنے پیروں کے نیچے تھوک لے، یا اپنی چادر کا کنارہ لے کر اس میں تھوک لے، پھر اس کو مَل لے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے مَلنے کا طریقہ بتلایا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بلغم اور تھوک پاک ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کو نماز والی جگہ میں نیچے تھوکنے اور لباس پر مَلنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس کو دھونے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور ناک کی طرف سے آنے والے بلغم کے علاوہ جو بلغم معدہ کی طرف سے خارج ہوتا ہے، خواہ وہ کتنی مقدار میں ہو، وہ بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک پاک ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۰۵، كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد.

[2] ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النخامة طاهرة إن نزلت من الرأس أو خرجت من الصدر أو من أقصى الحلق.

واختلفوا فى حكم ما صعد من المعدة، فذهب الشافعية وأبو يوسف من الحنفية إلى أنها نجسة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# جنابت کی حالت میں جسم کی ظاہری پاکی کا ثبوت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِيْ بَعْضِ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: كُنْتُ جُنُبًا، فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، إِنَّ الْمُسْلِمَ لا يَنْجُسُ (بخاری) [1]

ترجمہ: ان (یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کی کسی گلی میں ملاقات ہوئی، اور وہ (یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت) جنابت کی حالت میں تھے، (وہ کہتے ہیں کہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوگیا، اور جا کر غسل کیا، پھر حاضر ہوا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم کہاں چلے گئے تھے؟ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا کہ میں جنبی (یعنی غسل واجب ہونے کی حالت میں) تھا اور ناپاکی کی حالت میں میں نے آپ کے پاس بیٹھنا مناسب نہ سمجھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ! مومن نجس نہیں ہوا کرتا (بخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ وَهُوَ جُنُبٌ، فَحَادَ عَنْهُ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب المالكية والحنابلة وهو المذهب عند الحنفية إلى أنها طاهرة، لأنها تخلق من البدن كنخامة الصدر والرأس ولأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ النخامة -وهو فى الصلاة- بطرف ردائه. ولهذا لا ينقض الوضوء بصعودها وإن خرجت من المعدة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰ص۱۲۵،۱۲۶، مادة "نخامة")

[1] رقم الحديث ۲۸۳، كتاب الغسل،باب عرق الجنب، وأن المسلم لا ينجس.

www.idaraghufran.org

فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: كُنْتُ جُنُبًا، قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

(مسلم، رقم الحدیث ۳۷۲ "۱۱۶" کتاب الحیض، باب الدلیل علی أن المسلم لا ینجس)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ جنبی (یعنی غسل واجب شدہ حالت میں) تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے الگ ہوگئے اور غسل کر کے واپس آئے اور عرض کیا کہ میں جنبی تھا (یعنی مجھ پر غسل واجب ہوگیا تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مسلمان نجس نہیں ہوا کرتا (مسلم)

مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے جسم اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کو ناپاک نہیں رکھا کرتا، اور غسل واجب ہونے کی حالت میں ناپاکی ظاہری جسم پر نہیں ہوتی، بلکہ اس حالت میں بھی ظاہری جسم پاک کہلاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنبی شخص یعنی جس پر غسل واجب ہو، اس سے بھی مصافحہ کرنا اور اس کے جسم کو چھونا جائز ہے، کیونکہ اس کا ظاہری جسم پاک شمار ہوتا ہے۔ [1]

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ: كَانَ يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ وَهُوَ جُنُبٌ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ (الأوسط، لابن المنذر) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو جنابت کی حالت میں کپڑوں میں پسینہ آجاتا تھا، پھر آپ ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے (ابن منذر)

---

[1] وفيه حل مصافحة الجنب ومخالطته وطهارة عرقه وجواز تأخيره للغسل وأن يسعى في حوائجه (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۲۱۰۳)

[2] رقم الحديث ۷۴۶، كتاب طهارات الابدان والثياب، باب ذكر المتطهر يمشي في الارض القذرة، سنن الدارمي، رقم الحديث ۱۰۷۰، باب: في عرق الجنب والحائض، مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۲۰۲۲، في الجنب يعرق في الثوب.

في حاشية سنن الدارمي: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الثَّوْبِ الَّذِي يَعْرَقُ فِيهِ الْجُنُبُ** (الأوسط ،لابن المنذر) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن کپڑوں میں جنبی (یعنی غسل واجب شدہ شخص) کو پسینہ آ جائے، اُن کپڑوں میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (ابن منذر)

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ عَائِشَةَ: سُئِلَتْ عَنِ الْجُنُبِ، يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ أَيُنَجِّسُهُ ذٰلِكَ؟ قَالَتْ: لَا** (الأوسط ،لابن المنذر) [2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنبی کے کپڑوں میں پسینہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا اس کا پسینہ کپڑوں کو ناپاک کر دیتا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہیں (ابن منذر)

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

**أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا، سُئِلَتْ عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ يَلْبَسُ الثَّوْبَ فَيَعْرَقُ فِيهِ، فَلَمْ تَرَ بِهِ بَأْسًا** (سنن الدارمی) [3]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا، جو بیوی سے صحبت کرتا ہے، پھر کپڑے پہن لیتا ہے، جن میں اسے پسینہ آ جاتا ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں فرمایا (دارمی)

---

[1] رقم الحدیث ۷۴۷،ورقم الحدیث ۷۴۸،کتاب طھارات الابدان والثیاب ، باب ذکر المتطھر یمشی فی الارض القذرة.

[2] رقم الحدیث ۷۵۰،کتاب طھارات الابدان والثیاب ، باب ذکر المتطھر یمشی فی الارض القذرة.

[3] رقم الحدیث ۱۰۶۶ ،کتاب الطھارة،باب :فی عرق الجنب والحائض.

فی حاشیة سنن الدارمی:إسناده صحیح.

اس طرح کی روایات کئی جلیل القدر تابعین سے بھی مروی ہیں۔ [1]

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں، یعنی جبکہ غسل واجب ہو، اس وقت بھی جسم ظاہری طور پر پاک ہی کہلاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس حالت میں جسم سے خارج ہونے والا پسینہ بھی پاک ہوتا ہے۔

## حیض کی حالت میں جسم کی ظاہری پاکی کا ثبوت

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ، وَأَنَا حَائِضٌ، وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ، قَالَتْ: وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ** (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے مقابل (بیٹھی) ہوتی تھی، حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی، اور اکثر جب رسول

---

[1] عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، قال: سألت سعيد بن جبير، عن الجنب يعرق في الثوب ثم يمسحه به، قال: لا بأس به (سنن الدارمی، رقم الحديث ۱۰۶۲، باب: في عرق الجنب والحائض، مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۲۰۱۷، في الجنب يعرق في الثوب)

في حاشية سنن الدارمي: إسناده صحيح.

عن هشام، عن الحسن، في الجنب يعرق في الثوب حتى يتعصر؟ قال: يصلي فيه (مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۲۰۱۴، في الجنب يعرق في الثوب)

عن عطاء، قال: كان لا يرى بعرق الجنب بأسا في الثوب، وليس عليه فيه نجاسة (ايضاً، رقم الحديث ۲۰۲۰)

عن مكحول؛ أنه كان لا يرى بأسا بعرق الجنب في ثيابه (ايضاً، رقم الحديث ۲۰۲۳)

عن الشعبي، قال: لا بأس بعرق الجنب في الثوب (ايضاً، رقم الحديث ۲۰۲۴)

عن إبراهيم؛ في الجنب يعرق في الثوب؟ قال: لا يضره، ولا ينضحه بالماء (ايضاً، رقم الحديث ۲۰۲۵)

[2] رقم الحديث ۳۷۹، كتاب الصلاة، باب إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد.

Idara Ghufran

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو آپ کا کپڑا مجھ پر پڑ جاتا تھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھتے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں ظاہری جسم ناپاک شمار نہیں ہوا کرتا، وہ الگ بات ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

**بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ: نَاوِلِيْنِي الثَّوْبَ، فَقَالَتْ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ فَنَاوَلَتْهُ** (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! مجھے کپڑا دیدو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں حیض کی حالت میں ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا حیض آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے، پھر حضرت عائشہ آپ کو کپڑا دے دیا (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ حیض تو ایک مخصوص خون ہے، جو خود تو ناپاک ہوتا ہے، لیکن وہ مخصوص جگہ ہوتا ہے، اور ہاتھوں پر نہیں ہوتا، اس لئے حیض کی وجہ سے ہاتھ ظاہری طور پر ناپاک نہیں کہلاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْنِيْ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَأَنَا حَائِضٌ ، وَهُوَ مُجَاوِرٌ ، تَعْنِيْ: مُعْتَكِفًا ، فَيَضَعُهُ فِيْ حِجْرِيْ ، فَأَغْسِلُهُ وَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ** (مُصنف ابن أبي شيبة) [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٩٩ "١٣" كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها والاتكاء فى حجرها وقراء ة القرآن فيه، ورقم الحديث ٢٩٨ "١١"، باب الحائض تُناول من المسجد.

[2] رقم الحديث ١٢٥ ٢، كتاب الطهارة، باب فى الرجل ترجله الحائض.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سَر میری طرف جُھکاتے تھے، اور میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تھے، تو آپ میری گود میں سَر رکھتے تھے، تو میں آپ کا سَر دھو دیتی تھی، اور اس میں کنگھی کر دیتی تھی، اور میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی (ابن ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں عورت کا ظاہری جسم پاک ہی سمجھا جاتا ہے، ورنہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں اپنا سَر کیسے دھلواتے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِ إِحْدَانَا وَهِيَ حَائِضٌ وَهُوَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ہم (ازواج مطہرات) میں سے کسی کی گود میں ہوا کرتا تھا، دراں حالیکہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں، اور آپ قرآن کی تلاوت کرلیا کرتے تھے (نسائی)

حیض والی عورت کے جسم کے ساتھ سر لگا کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حیض کی حالت میں ظاہری جسم پاک ہی سمجھا جاتا ہے، اور اس حالت میں نماز نہ پڑھنے کے اعتبار سے جو ناپاکی ہوتی ہے، وہ حکمی کہلاتی ہے۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَرٰى بَأْسًا بِعَرَقِ الْحَائِضِ وَالْجُنُبِ (سنن الدارمی) [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۸۱، كتاب الحيض والاستحاضة، باب الرجل يقرأ القرآن ورأسه فى حجر امرأته وهى حائض.

[2] رقم الحديث ۱۰۷۱، كتاب الطهارة، باب :فى عرق الجنب والحائض، مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۲۰۱۵.

فى حاشية سنن الدارمى: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حیض والی عورت اور جنبی (یعنی جس پر غسل واجب ہو، اس) کے پسینہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (دارمی)

حضرت اُمِ ہذیل رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ: فِي الْحَائِضِ تَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ: لَا بَأْسَ بِهِ (الأوسط ،لابن المنذر) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حیض والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ اس کا پسینہ کپڑوں میں لگ جائے، تو کوئی حرج نہیں (ابن منذر)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ، سُئِلَتْ عَنِ الثَّوْبِ تَعْرَقُ فِيهِ الْحَائِضُ فَقَالَتْ: لَا بَأْسَ بِهِ، تَعْنِي أَنْ تُصَلِّيَ فِيهِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس لباس کے بارے میں سوال کیا گیا، جس میں حیض والی عورت کو پسینہ آتا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، عورت اس لباس میں نماز پڑھ سکتی ہے (عبدالرزاق)

حضرت یونس سے روایت ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ؛ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا بِعَرَقِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۲۰۱۶، كتاب الصلاة، باب في الجنب يعرق في الثوب)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، جنبی اور حیض والی عورت کے پسینہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابنِ جریج سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۷۵۱، كتاب طهارات الابدان والثياب، باب ذكر عرق الجنب والحائض.

[2] رقم الحديث ۱۴۳۲، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الذي يجامع فيه ويعرق فيه الجنب.

قَالَ عَطَاءٌ: لَيُسَ عَلٰى ثَوُبِ الْحَائِضِ وَالْجُنُبِ غَسُلٌ، وَلَا رَشٌّ

(مصنف عبد الرزاق) ؎۱

ترجمہ: (جلیل القدر تابعی) حضرت عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حیض اور جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے لباس کو دھونے یا پانی مارنے کی ضرورت نہیں

(عبدالرزاق)

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں محدثین وفقہائے کرام نے فرمایا کہ حیض وجنابت کی حالت میں پسینہ ناپاک نہیں ہوتا، خواہ وہ مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا۔

اور حیض یا جنابت کی حالت میں جو لباس جسم پر پہنا ہوا ہو، غسل کرنے کے بعد اسی لباس کو پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے۔ ؎۲

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کے غسل کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کی احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے جسم پر ظاہری ناپاکی نہ لگی ہوئی ہو، اگرچہ اس پر غسل واجب ہو، یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو، تو ظاہری جسم پاک ہوتا ہے، اور اس حالت کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی پاک سمجھا جاتا ہے۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر عورت حیض یا جنابت کی حالت میں ہو، تو اس حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے۔

---

؎۱ رقم الحديث ۱۴۳۶، كتاب الصلاة، باب الصلاة فى الثوب الذى يجامع فيه ويعرق فيه الجنب.

؎۲ وممن مذهبه أن عروق الجنب والحائض طاهر الشافعي وأبو ثور وأصحاب الرأى وهذا قول كل من نحفظ عنه من أهل العلم .قال أبو بكر :وعرق اليهودى والنصرانى والمجوسى كذلك طاهر ولا أعلم شيئا يدل على أن ذلك نجس والله أعلم .قال أبو بكر :ودلت السنة الثابتة عن نبى الله صلى الله عليه وسلم على طهارة الجنب فمن ذلك قوله صلى الله عليه وسلم لأبى هريرة :إن المؤمن لا ينجس(الأوسط ،لابن المنذر، ج۲ ص۱۷۸، تحت رقم الحديث ۷۵۱، كتاب طهارات الابدان والثياب ، باب ذكر عرق الجنب والحائض)

# حیض، احتلام یا صحبت والے لباس میں نماز پڑھنا

بہت سے لوگ وسوسوں کی وجہ سے اتنے متشدد ہوجاتے ہیں کہ ان کو جس لباس میں احتلام ہوجائے، یا جس لباس کو پہن کر بیوی کے ساتھ صحبت کی جائے، یا صحبت کرنے کے بعد جو لباس پہنا جائے، اور اسی طریقہ سے عورت جونسا لباس حیض ونفاس کی حالت میں پہنے ہوئے ہو، اس لباس میں کسی طرح نماز پڑھنا گوارا نہیں کرتے، اور اسے ہر حال میں بدلنا اور پورے لباس کو دھونا ضروری سمجھتے ہیں، جو کہ غلو وتشدد اور وساوس پرستی پر مبنی ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَأَنَا أَحِيْضُ فِيْهِ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: إِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيْهِ، ثُمَّ صَلِّيْ فِيْهِ، فَقَالَتْ: فَإِنْ لَّمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: يَكْفِيْكِ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ (سنن أبي داود، رقم الحديث ۳۶۵، كتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذى تلبسه فى حيضها) [1]

ترجمہ: حضرت خولہ بنتِ یسار رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے، اور مجھے حیض آجاتا ہے، تو میں کیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ جب آپ پاک ہوجائیں، تو اس کپڑے کو دھولیں، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لیں، انہوں نے عرض کیا کہ اگر اس سے خون کا اثر (ورنگ) ختم نہ ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] فی حاشية ابی داؤد: اسناده حسن.

فرمایا کہ آپ کے لئے خون کو دھو دینا کافی ہے، اس کا اثر (ورنگ کا باقی رہنا) آپ کو کوئی نقصان نہیں دیتا (ابوداؤد)

حضرت اسماءبنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ امْرَأَةً تَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَصْنَعُ إِحْدَانَا بِثَوْبِهَا إِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ أَتُصَلِّيْ فِيْهِ؟قَالَ:تَنْظُرُ فَإِنْ رَأَتْ فِيْهِ دَمًا فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَّاءٍ، وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ وَلْتُصَلِّ فِيْهِ**(ابوداؤد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کو یہ مسئلہ پوچھتے ہوئے سنا کہ ہم اپنے اُن کپڑوں کا کیا کریں، جب ہم (حیض) سے پاک ہوجائیں، کیا ہم اِن ہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کریں؟ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دیکھ لیا کرو کہ ان میں (حیض کا) خون تو نہیں لگا ہوا (اگر لگا ہوا نہ ہو تو ویسے ہی ان کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کرو، ورنہ) اس خون کو کھرچ دیا کرو، اور اس پر پانی ڈال دیا کرو، یہاں تک کہ وہ نظر نہ آئے، اور پھر اسی (کپڑے) میں نماز پڑھ لیا کرو (ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت نے حیض یا نفاس کی حالت میں جو لباس پہن رکھا ہو، پاک ہونے کے بعد اس لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اگر اس لباس میں کسی جگہ خون لگا ہوا نہ ہو، تب تو خیر ہے، ورنہ اس کو دھو لینا چاہیئے، اور اگر دھونے کے باوجود خون کا داغ دھبہ نہ جائے، تب بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٦٠، كتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذى تلبسه فى حيضها.
فى حاشية ابى داؤد: حديث صحيح.

[2] (فلتقرصه) :بضم الراء وسكون الصاد المهملة (ثم لتنضحه) : بكسر اللام وتسكن، وفتح الضاد المعجمة وتكسر .قال فى شمس العلوم :نضح بالفتح ينضح كذلك، وبالكسر أيضا بماء . فى النهاية، القرص :الدلك بأطراف الأصابع والأظفار مع صب الماء عليه حتى يذهب أثره، وهو أبلغ فى غسل الدم، والنضح يستعمل فى الصب شيئا فشيئا، وهو المراد هنا قاله الطيبى .قيل :لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَجُلًا نَزَلَ بِعَائِشَةَ، فَأَصْبَحَ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ، إِنَّمَا كَانَ يُجْزِئُكَ إِنْ رَأَيْتَهُ أَنْ تَغْسِلَ مَكَانَهُ، فَإِنْ لَمْ تَرَ نَضَحْتَ حَوْلَهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْكًا فَيُصَلِّيْ فِيْهِ** (مسلم، رقم الحديث ۲۸۸''۱۰۵''كتاب الطهارة، باب حكم المنى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی آیا، اور اپنا کپڑا دھونا شروع ہوگیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تیرے لئے اس جگہ کا دھونا کافی ہے اگر تو اس (منی) کو دیکھے، اور اگر (اس ناپاکی کو) نہ دیکھے تو اس کے ارد گرد پانی چھڑک دے، کیونکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اس (منی) کو کھرچ دیا کرتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن ہی کپڑوں میں نماز ادا کرلیتے تھے (مسلم)

یہ واقعہ اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الرش مع بقاء أثر الدم لا يزداد إلا نجاسة .وقال ابن الملك :أى فلتمسحه بيدها مسحا شديدا قبل الغسل حتى يتفتت، ثم لتنضحه أى :لتغسله بماء، بأن تصب عليه شيئا فشيئا حتى يذهب أثره تخفيفا لإزالة النجاسة.

قلت :ويؤيده خبر :حتيه ثم اقرصيه، لكن يستثنى ما لو عسرت إزالة الأثر بقوله عليه الصلاة والسلام، لما سئل عن بقاء الأثر :الماء يكفيك ولا يضرك أثره، وهو وإن كان ضعيفا لكنه اعتضد بخبر جماعة أنه عليه الصلاة والسلام سألته امرأة عن دم الحيض تغسله فيبقى أثره فقال (يكفيك ولا يضرك أثره) (ثم لتصلى فيه) : أى :في ذلك الثوب، فإنه لا بأس بعد هذا ;لأن إزالة لون الدم متعسرة (متفق عليه) (مرقاة المفاتيح، ج۲ ص۴۶۳، كتاب الطهارة، باب تطير النجاسات)

[1] عن همام بن الحارث، قال :نزل بعائشة ضيف فكسته ملحفة ثم أرسلت إليه رسولا فوجدته قد غسل الملحفة وهو يجففها فأتاها الرسول فأخبرها فلما أتاها قالت له عائشة :لم غسلت ملحفتك؟ فقال :احتلمت فيها .فقالت :لقد كنت أراه في ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فما أزيد على أن أحكه (مسند اسحاق بن راهويه، رقم الحديث ۱۵۸۷)

www.idaraghufran.org

پانی چھڑکنا شک اور وسوسہ دور کرنے کے لئے ہے۔ [1]

حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ:

**أَنَّـهُ: اِعْتَمَرَ مَعَ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، وَأَنَّ عُمَرَ عَرَّسَ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ قَرِيْبًا مِّنَ الْمِيَاهِ، فَاحْتَلَمَ فَاسْتَيْقَظَ، وَقَدْ كَادَ أَنْ يُّصْبِحَ فَرَكِبَ، وَكَانَ الرَّفْعُ حَتّٰى جَاءَ الْمَاءَ فَجَلَسَ عَلَى الْمَاءِ يَغْسِلُ مَا رَاٰى مِنَ الْاِحْتِلَامِ حَتّٰى أَسْفَرَ، فَقَالَ عَمْرٌو: أَصْبَحْتَ وَمَعَنَا ثِيَابٌ اِلْبَسْهَا وَدَعْ ثَوْبَكَ يُغْسَلُ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاعَجَبًا لَكَ يَا عَمْرُو، لَئِنْ كُنْتَ تَجِدُ الثِّيَابَ أَفَكُلُّ النَّاسِ يَجِدُوْنَ الثِّيَابَ؟ فَوَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً، لَا بَلْ أَغْسِلُ مَا رَأَيْتُ وَأَنْضَحُ مَا لَمْ أَرَ** (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ان کے خلیفۂ راشد اور امیرُ المؤمنین ہونے کے دور میں) بعض سواروں کے ساتھ عمرہ کیا، جن میں عمرو بن عاص بھی شامل تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راستہ میں کسی جگہ پانی کے قریب پڑاؤ ڈالا، پھر آپ کو احتلام ہوگیا، پھر آپ بیدار ہوئے، اور صبح ہونے کے قریب تھی، پھر آپ سوار ہوئے، اور تیز چلے، یہاں تک کہ پانی کے پاس پہنچ گئے، پھر آپ نے پانی کے قریب بیٹھ کر غسل کیا، اور جو (کپڑوں میں) احتلام کا اثر نظر آیا، اسے دھولیا، یہاں تک کہ روشنی ہوگئی، پھر حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ صبح ہوگئی ہے، اور ہمارے پاس کپڑے ہیں، جنہیں آپ پہن لیں

---

[1] النضح مشروع لتطهير المشكوك فيه (فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۰ ص۳۸۱، قوله باب التصاوير)

[2] رقم الحديث ۱۴۴۵، كتاب الصلاة، باب المنى يصيب الثوب ولا يعرف مكانه، شرح معانى الآثار للطحاوى، رقم الحديث ۲۹۵)

www.idaraghufran.org

اور اپنے کپڑے اتار دیں جن کو دھو دیا جائے گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمرو! آپ پر تعجب ہے، اگر آپ کو (دوسرا) لباس میسر ہے، تو ہر ایک کو تو (دوسرا) لباس میسر نہیں، پس اللہ کی قسم اگر میں ایسا کروں گا (یعنی دوسرا لباس تبدیل کروں گا) تو یہ سنت بن جائے گا، بلکہ میں تو جو (لباس میں منی وغیرہ کا اثر) دیکھتا ہوں، اس کو دھو لیتا ہوں، اور جو نہیں دیکھتا، وہاں پانی کی چھینٹیں مار دیتا ہوں (عبدالرزاق، طحاوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث کے مطابق ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جس لباس میں احتلام ہو جائے، اس میں جہاں منی وغیرہ کا اثر پایا جائے، اسے دھو کر اسی لباس میں نماز پڑھنا درست ہے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلٰى فِرَاشِيْ أُجَامِعُ عَلَيْهِ وَأَحْتَلِمُ عَلَيْهِ وَأَعْرَقُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ (الأوسط ،لابن المنذر) [1]

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا میں قرآن مجید کو اس بستر پر رکھ سکتا ہوں، جس پر میں (بیوی سے) جماع کرتا ہوں، اور اس بستر پر مجھے احتلام بھی ہو جاتا ہے، اور پسینہ بھی آ جاتا ہے؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں (ابن منذر)

اس سے معلوم ہوا کہ جس بستر پر بیوی سے مجامعت وصحبت کی جائے، یا اس پر سونے کی حالت میں احتلام ہو جائے، اس سے وہ بستر ناپاک نہیں ہوتا۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۷۴۹، کتاب طهارات الابدان والثياب ، باب ذكر عرق الجنب والحائض، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۱۴۳۵ ، باب الصلاة فى الثوب الذى يجامع فيه ويعرق فيه الجنب.

www.idaraghufran.org

سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ أَيُصَلّٰى فِى الثَّوْبِ الَّذِىْ يُجَامَعُ فِيْهِ؟ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَدْ جَامَعْتُ فِىْ ثَوْبِىَ الَّذِىْ عَلَىَّ الْبَارِحَةَ وَأَنَا أُصَلِّىْ فِيْهِ (مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے اس لباس میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، جس میں (اپنی بیوی سے) جماع (وصحبت) کی جائے؟ تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے گزشتہ رات اپنے اس لباس میں ہی (بیوی سے) جماع کیا تھا، جو مجھ پر ہے، اور میں اسی میں نماز پڑھ رہا ہوں (عبدالرزاق)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ بیوی سے مجامعت وصحبت کرتے وقت جو لباس پہن رکھا ہو، اس سے وہ لباس ناپاک نہیں ہوجاتا۔

حضرت ابنِ جریج سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: اَلْمَرْءُ يُصِيْبُ أَهْلَهُ، ثُمَّ يَلْبَسُ ثَوْبَهُ، ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَلَعَلَّ ثَوْبَهُ أَنْ يُّصِيْبَهُ مِنَ الْمَنِيِّ شَيْءٌ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ لِلصَّلَاةِ فَيُجَفِّفُ فِىْ ذٰلِكَ الثَّوْبِ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت عطاء سے کہا کہ آدمی اپنی گھروالی سے صحبت کرتا ہے، پھر (صحبت کے بعد) اپنا لباس پہن لیتا ہے، پھر وہ اپنی شرم گاہ کو دھو لیتا ہے، شاید منی کا کچھ حصہ اس کو لگ بھی گیا ہو، پھر وہ نماز کے لئے غسل کرلیتا ہے، پھر وہ لباس خشک ہوجاتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں (عبدالرزاق)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ جس لباس میں انسان نے اپنی بیوی سے مجامعت

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۲۹، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الثوب الذی یجامع فیہ ویعرق فیہ الجنب.

[2] رقم الحدیث ۱۴۳۴، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الثوب الذی یجامع فیہ ویعرق فیہ الجنب.

www.idaraghufran.org

وصحبت کی ہو، یا اس میں اس کو احتلام ہوا ہو، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور جس جگہ منی لگی ہوئی نظر آئے، تو اس جگہ کو دھو لینا چاہئے، اور اس بارے میں زیادہ تکلف یا وسوسوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ منی پاک ہے یا ناپاک ہے؟ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک اگر منی تَر ہو، تو اس کو دھونا ضروری ہے، اور اگر خشک ہو، تو اس کو کھرچنا بھی کافی ہے، اور کھرچنے کے بعد اس کا اثر باقی رہنا مُضِر نہیں، اور کھرچنے کے بعد دھونا بھی ضروری نہیں۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک دھونا ضروری ہے، کھرچنا کافی نہیں۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک منی پاک ہے، اور اس کو دھونا ضروری نہیں، خواہ وہ تَر ہو یا خشک، البتہ شافعیہ کے نزدیک تَر اور خشک دونوں قسم کی منی کو دھونا سنت ہے، اور حنابلہ کے نزدیک تَر منی کو دھونا سنت ہے، اور خشک منی کو کھرچنا سنت ہے۔ [1]

---

[1] تطهير الثوب والبدن من المنى:

اختلف الفقهاء فى نجاسة المنى، فذهب الحنفية والمالكية إلى نجاسته، وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه طاهر.

واختلف الحنفية والمالكية فى كيفية تطهيره:

فذهب الحنفية إلى أن تطهير محل المنى يكون بغسله إن كان رطبا، وفركه إن كان يابسا، لحديث عائشة رضى الله تعالى عنها.

قالت :كنت أفرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان يابسا، وأغسله إذا كان رطبا .

قال ابن الهمام :الظاهر أن ذلك بعلم النبى صلى الله عليه وسلم خصوصا إذا تكرر منها مع التفاته صلى الله عليه وسلم إلى طهارة ثوبه وفحصه عن حاله.

ولا فرق فى طهارة محله بفركه يابسا وغسله طريا بين منى الرجل ومنى المرأة، قال ابن عابدين : ويؤيده ما صح عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها كانت تحت المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلى ، ولا خفاء أنه كان من جماع، لأن الأنبياء لا تحتلم، فيلزم اختلاط منى المرأة به، فيدل على طهارة منيها بالفرك بالأثر، لا بالإلحاق.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق عورت کی فرج یعنی آگے کی شرمگاہ کے اندروالی رطوبت اور تَری پاک ہے، اوراسی وجہ سے صحبت کے وقت مرد کے ذَکَر پر جو رطوبت اور تَری، عورت کی شرم گاہ سے لگتی ہے، وہ ان حضرات کے نزدیک پاک ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ خون وغیرہ کی ناپاکی شامل نہ ہو۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما أنه لا فرق فى ذلک بين الثوب والبدن على الظاهر من المذهب.

وذهب المالكية إلى أن تطهير محل المنى يكون بالغسل لا غير(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۰۵، مادة "طهارة")

يختلف حكم المنى الرطب عن المنى اليابس عند جمهور الفقهاء .

فـذهـب الحنفية إلى أن محل المنى اليابس يطهر بفركه، ولا يضر بقاء أثره، فإن كان رطبا فلا بد من غسـلـه ولا يـجزء الفرک، وعند المالكية لا تطهر النجاسة إلا بالغسل فيما لا يفسد بالغسل .وعند الشـافـعية يسن غسل المنى مطلقا سواء كان رطبا أو جافا .وعـنـد الحنابلة يسن غسله رطبا وفركه جـافا؛ لقول عائشة رضى الله عنها فى المنى :لـقـد رأيتنى أفركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فركا، فيصلى فيه علما بأن الحنفية والمالكية يقولون بنجاسة المنى خلافا للشافعية والحنابلة الـذيـن يـقـولـون بـطـهـارته. انظر مصطلح (نجاسة، ومنى). (الـمـوسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲، ص۲۶۱، وص۲۶۲، مادة "رطوبة")

[1] اوردوسرے فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے، جس کی مزید تفصیل آگے پاک وناپاک چیزوں کے احکام میں آتی ہے۔

ورطوبة الـفـرج طاهرة عند الإمام خلافاً لصاحبيه :وهـى رطـوبة الولد عند الولادة، ورطوبة الخلة (الخل) إذا خـرجـت من أمها، وكذا البيضة، فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء ، لكن يكره التوضؤ به (الفقه الاسلامى وادلته ،للزحيلى، ج۱، ص۲۹۴،الباب الاول الطهارات، المبحث السادس )

اختلف الفقهاء فى طهارة رطوبة فرج المرأة وهى ماء أبيض متردد بين المذى والعرق.

فذهب أبو حنيفة والحنابلة إلى طهارتها، ومن ثم فإن رطوبة الولد عند الولادة طاهرة.

ومـحـل الـطـهـارة عـند الحنفية إذا لم يكن دم، ولم يخالط رطوبة الفرج مذى أو منى من الرجل، أو المرأة .وذهـب الـمـالـكية وأبو يوسف ومحمد من الحنفية إلى نجاسة رطوبة الفرج، ويترتب على نجاسة رطوبة الفرج تنجيس ذكر الواطئ أو ما يدخل من خرقة أو أصبع.

وقسـم الشافعية رطوبة الفرج إلى ثلاثة أقسام :طـاهـرة قطعا، وهى ما تكون فى المحل الذى يظهر عـنـد جـلـوس الـمـرأة، وهو الذى يجب غسله فى الغسل والاستنجاء ، ونجسة قطعا وهى الرطوبة الخارجة من باطن الفرج، وهو ما وراء ذكر المجامع، وطاهرة على الأصح وهى ما يصله ذكر المجامع .وتفصيل ذلک فى مصطلح (فرج) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲، ص۲۶۰، مادة 'رطوبة")

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر جسم یا کپڑے پر کسی جگہ نجاست لگ گئی، مگر وہ نظر نہیں آتی، نہ اس کا رنگ، بو، ذائقہ وغیرہ محسوس ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کو دھونا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس پر پانی چھڑکنا کافی ہو جاتا ہے۔ [1]

## غیر مسلم کا جسم بھی فی نفسہ پاک ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ، فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ**

(بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے، وہ ایک بنی حنیفہ قبیلہ کے (غیر مسلم) شخص کو پکڑ کر لے آئے، جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا، اور صحابۂ کرام نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے، پھر آپ نے فرمایا کہ ثمامہ کو کھول دو، وہ (کھلنے کے بعد) مسجد کے قریب ایک باغ میں گیا، پھر اس نے غسل کیا، پھر وہ

---

[1] وقال الشافعية : يعفى عن أمور :منها ما لا يدركه البصر المعتدل من النجاسة ولو مغلظة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۱۱۶، مادة "نجاسة")

فإن لم تكن عينا، وهي ما تيقن وجودها، ولا يدرک لها طعم ولا لون ولا ريح كفى في تطهيرها جرى الماء على محلها بحيث يسيل زائدا على النضح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۱۱۲، مادة "نجاسة")

[2] رقم الحديث ۴۶۲، كتاب الصلاة، باب الاغتسال إذا أسلم، وربط الأسير أيضا في المسجد.

مسجد میں داخل ہوا، پھر اس نے یہ کہہ کر اسلام قبول کیا کہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (بخاری)

حضرت عطیہ بن سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ وَفْدٌ مِّنْ ثَقِيْفٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ، فَضَرَبَ لَهُمْ قُبَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا أَسْلَمُوْا صَامُوْا مَعَهٗ

(المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: ثقیف قبیلہ کے (غیر مسلموں کا) وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رمضان میں آیا، جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خیمہ لگوادیا، پھر جب وہ اسلام لے آئے، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے (طبرانی، ابنِ ماجہ)

غیر مسلموں کو مسجد میں رکھنے اور اسلام لانے سے پہلے غیر مسلموں کے مسجد میں داخل ہونے سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا جسم فی نفسہٖ پاک شمار ہوتا ہے، ورنہ غیر مسلموں کو نماز والی جگہ اور مسجد میں ناپاک جسم کے ساتھ کیسے ٹھہرایا جاتا۔ [2]

## غیر مسلم کا برتن اور کھانا بھی فی نفسہٖ پاک ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۴۴۸، ج۱۷ ص ۱۶۹، ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۷۶۰.
قال شعيب الارنؤوط فی حاشية ابن ماجه: إسناده حسن.

[2] نجاسة الكافر وطهارته: ذهب الفقهاء إلى أن الكافر الحی طاهر لأنه آدمی، والآدمی طاهر سواء أكان مسلما أم كافرا، لقول الله سبحانه وتعالى: (ولقد كرمنا بنی آدم)، وليس المراد من قوله تعالى: (إنما المشركون نجس)) ، نجاسة الأبدان وإنما المراد نجاسة ما يعتقدونه، وقد ربط النبی صلى الله عليه وسلم الأسير فی المسجد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص۲۳،مادة "كفر")
طهارة الآدمی ونجاسته: ذهب الفقهاء إلى طهارة الآدمی الحی المسلم والكافر، ولقوله تعالى: ولقد كرمنا بنی آدم ولأن النبی صلى الله عليه وسلم أنزل وفد ثقيف فی المسجد ، ولو كانت أبدانهم نجسة لم ينزلهم فيه تنزيها له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۷۹،مادة " نجاسة")

كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُصِيْبُ مِنْ آنِيَةِ الْمُشْرِكِيْنَ، وَأَسْقِيَتِهِمْ فَنَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَلَا يَعِيْبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ (ابو داؤد) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے، پھر ہم مشرکین کے (کھانے کے) برتن اور ان کے (پانی کے) مشکیزوں کو پالیا کرتے تھے، پھر ہم ان کو استعمال کرلیا کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس بات پر کوئی عیب نہیں لگاتے تھے (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضَ الْمُشْرِكِيْنَ، فَلَا نَمْتَنِعُ أَنْ نَأْكُلَ فِيْ آنِيَتِهِمْ وَنَشْرَبَ فِيْ أَسْقِيَتِهِمْ (مصنف ابن ابی شيبة) [2]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے علاقہ میں جہاد کیا کرتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان مشرکین کے (کھانے کے استعمالی) برتنوں میں کھانے اور ان کے (پینے کے استعمالی) مشکیزوں وغیرہ میں پینے سے منع نہیں فرمایا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَظْهَرُوْنَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَيَأْكُلُوْنَ مِنْ أَوْعِيَتِهِمْ وَيَشْرَبُوْنَ فِيْ أَسْقِيَتِهِمْ (مصنف ابن

---

[1] رقم الحديث ۳۸۳۸، كتاب الأطعمة، باب الأكل فى آنية أهل الكتاب، مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۰۵۳.

فى حاشية مسند احمد: إسناده قوى.

[2] رقم الحديث ۳۳۳۵۲، كتاب السير، باب ما قالوا فى آنية المجوسى والمشرك.

ابی شیبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام مشرکین پر فتح حاصل کر لیتے تھے، پھر ان کے (کھانے کے استعمالی) برتنوں میں کھالیا کرتے تھے، اور ان کے (پینے کے استعمالی) مشکیزوں میں پی لیا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں اور مشرکوں کے استعمالی برتنوں میں کھانے پینے میں حرج نہیں، اور وہ فی نفسہٖ پاک سمجھے جاتے ہیں، اور صرف غیر مسلموں کے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں کہلاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ يَهُودِيًّا دَعَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى خُبْزِ شَعِيرٍ، وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، فَأَجَابَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ١٣٨٦٠) [3]

ترجمہ: ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی اور روغن کی دعوت دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا (مسند احمد)

حضرت قبیصہ اپنے والد حضرت ھلب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى؟ فَقَالَ: لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ (سنن الترمذی) [4]

---

[1] رقم الحديث ۳۳۳۵۴، كتاب السير، باب ما قالوا فی آنية المجوسی والمشرک.

[2] عن أبی برزة، قال: كنا فی غزاة لنا فلقينا أناسا من المشركين فأجهضناهم عن ملة لهم، فوقعنا فيها فجعلنا نأكل منها وكنا نسمع فی الجاهلية أنه من أكل الخبز سمن، قال: فلما أكلنا تلک الخبزة جعل أحدنا ينظر فی عطفيه هل سمن (مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۳۳۳۴۳، باب ما قالوا فی طعام المجوسِ وفواكِهِهِم)

[3] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط مسلم.

[4] رقم الحديث ۱۵۶۵، ابواب السير، باب ما جاء فی طعام المشركين، ابوداؤد، رقم الحديث ۳۷۸۴، باب كراهية التَّقَذُّر للطعام، الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ۲۴۹۳.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں سوال کیا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے سینہ میں ہرگز کھانا شک پیدا نہ کرے، جس میں نصرانیوں کی مشابہت ہو (ترمذی)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قُلْتُ: إِنِّی أُرِیدُ أَنْ أَسْأَلَکَ عَنْ طَعَامٍ لَا أَدَعُهُ إِلَّا تَحَرُّجًا قَالَ: فَلَا تَحَرَّجْ مِنْ شَیْءٍ ضَارَعْتَ فِیهِ النَّصْرَانِیَّةَ** (السنن الکبریٰ للبیہقی)[1]

ترجمہ: میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ میں آپ سے اس کھانے کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں، جس کو میں نہیں چھوڑتا، مگر (دل میں) تنگی ہوتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کسی ایسی چیز سے تنگی محسوس نہ کریں، جس میں نصرانیوں کے ساتھ مشابہت ہو (بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی تنگی نصاریٰ کے یہاں پائی جاتی ہے کہ وہ بلاوجہ کھانے کو معیوب وناپاک یا حرام سمجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں تشدد وسختی اور تعمق وکھود کرید سے کام لیتے ہیں، تو آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ دینِ اسلام میں سہولت وآسانی رکھی گئی ہے، ورنہ آپ نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے بن جائیں گے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے کھانے کے استعمال کرنے میں حرج نہیں، اوران کے کھانوں کو بھی فی نفسہٖ پاک قرار دیا جاتا ہے۔[2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال الترمذی: هذا حدیث حسن قال محمود: وقال عبید الله بن موسی، عن إسرائیل، عن سماک، عن قبیصة، عن أبیه، عن النبی صلی الله علیه وسلم مثله، قال محمود: وقال وهب بن جریر، عن شعبة، عن سماک، عن مری بن قطری، عن عدی بن حاتم، عن النبی صلی الله علیه وسلم مثله والعمل علی هذا عند أهل العلم من الرخصة فی طعام أهل الکتاب.

قال شعیب الارنؤوط فی حاشیة ابی داوٗد: حسن من حدیث عدی بن حاتم.

[1] رقم الحدیث ۱۴۶۲۳، ابواب الولیمة، باب لا یتحرج من طعام أحله الله تعالی.

[2] (ضارعت فیه النصرانیة) أی: شابهت لأجله أهل الملة النصرانیة من حیث امتناعهم إذا وقع فی قلب أحدهم أنه حرام، أو مکروه، وهذا فی المعنی تعلیل النهی، والمعنی لا تتحرج فإنک إن فعلت ذلک ضارعت فیه النصرانیة، فإنه من دأب النصاری وترهیبهم، والرجل السائل عن ذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُـمَـرَ تَـوَضَّـأَ مِـنُ مَـاءٍ نَصُرَانِيَّةٍ فِيُ جَرَّةٍ نَصُرَانِيَّةٍ (السنن الصغرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ٢٢١، ٢٢٢، كتاب الطهارة، باب الآنية)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانی (یعنی عیسائی) کے پانی سے وضو کیا، جو نصرانی کے ڈول میں تھا (بیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے برتن میں موجود پانی کو فی نفسہٖ پاک سمجھا جاتا ہے، اور اس سے وضو کرنا یا اس کو پینا جائز ہوتا ہے، کیونکہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے۔

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابُنِ عُمَرَ أَنَّـهُ لَمُ يَرَ بِطَعَامِهِمُ بَأُسًا (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابووائل اور حضرت ابراہیم رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

لَـمَّا قَدِمَ الْمُسُلِمُونَ أَصَابُوا مِنُ أَطُعِمَةِ الْمَجُوسِ مِنُ جُبُنِهِمُ وَخُبُزِهِمُ فَأَكَلُوا وَلَمُ يَسُأَلُوا عَنُ شَيْءٍ مِنُ ذٰلِكَ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: جب مسلمان کسی علاقہ میں پہنچتے تھے، تو وہ مجوس (یعنی آتش پرست مشرکوں) کے کھانے، مثلاً ان کے پنیر اور ان کی روٹی کو لے لیا کرتے تھے، پھر

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هو عدى بن حاتم، وكان قبل الإسلام نصرانيا، ويمكن أن يكون جملة ضارعت فيه صفة شيء، وعبر عن المضارع بالماضي مبالغة في تحقق المضارعة .وقال الطيبي :هو جواب شرط محذوف، والجملة الشرطية مستأنفة لبيان الموجب أي :لا يدخلن في قلبك ضيق وحرج ;لأنك على الحنيفية السهلة السمحة فإنك إذا شددت على نفسك بمثل هذا شابهت فيه الرهبانية فإن ذلك دأبهم وعادتهم قال تعالى :(ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم)الآية (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٦٥٣، كتاب الصيد والذبائح)

[1] رقم الحديث ٣٣٣٦١، كتاب السير، باب ما قالوا في طعام اليهودي والنصراني.

[2] رقم الحديث ٣٣٣٤٤، كتاب السير، باب ما قالوا في طعام المجوسِ وفواكِهِهِم.

www.idaraghufran.org

کھالیا کرتے تھے، اور وہ اس کے بارے میں (پاکی ناپاکی، حلال وحرام وغیرہ کے متعلق) سوال نہیں کیا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت حسن اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَجِيْئُوْنَ بِالسَّمْنِ فِيْ ظُرُوْفِهِمْ فَيَشْتَرِيْهِ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ فَيَأْكُلُوْنَهُ وَنَحْنُ نَأْكُلُهُ (مصنف ابن ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: مشرکین اپنے برتنوں میں گھی لایا کرتے تھے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور مسلمان خرید لیا کرتے تھے، پھر اس کو کھالیا کرتے تھے، اور ہم بھی اس کو کھاتے ہیں (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت ہشام رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِخَلِّهِمْ وَكَامَخِهِمْ وَأَلْبَانِهِمْ (مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۳۳۳۴۶، کتاب السیر، باب ما قالوا فی طعام المجوسِ وفواکِہِھِم)

ترجمہ: حضرت حسن (بصری) سے روایت ہے کہ مشرکین کے سرکہ اور ان کے سالن اور ان کے دودھ کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

مذکورہ احادیث وروایات سے غیر مسلموں کے برتنوں، اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال کا جائز ہونا اور اس سلسلہ میں تعمق وتحقیق کی ضرورت نہ ہونا معلوم ہوا۔

البتہ اگر غیر مسلموں کے کسی برتن میں کوئی ناپاکی یقین کے ساتھ ثابت ہو، تو پھر اس کو دھوئے بغیر استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّا نُجَاوِرُ أَهْلَ

---

[1] رقم الحدیث ۳۳۳۴۸، کتاب السیر، باب ما قالوا فی طعام المجوسِ وفواکِہِھِم۔

www.idaraghufran.org

الْكِتَابِ وَهُمْ يَطْبُخُوْنَ فِيْ قُدُوْرِهِمُ الْخِنْزِيْرَ وَيَشْرَبُوْنَ فِيْ آنِيَتِهِمُ الْخَمْرَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَكُلُوْا فِيْهَا وَاشْرَبُوْا، وَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا (ابو داؤد) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اہلِ کتاب کے پڑوسی ہیں، اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں، اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (اگر ہم ان کے یہ برتن استعمال کریں تو کیا حکم ہے؟) تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن ہوں، تو اُن برتنوں میں کھاؤ اور پیو، اور اگر تمہارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ہوں، تو اُن (کے خنزیر اور شراب والے برتنوں کو) پانی مارلو، اور (ان برتنوں میں) کھاؤ اور پیو (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جن برتنوں میں اہلِ کتاب خنزیر کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں، ان کو دھو کر استعمال کرنا چاہئے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۸۳۹، كتاب الأطعمة، باب الأكل فى آنية أهل الكتاب.
قال شعيب الارنؤوط فى حاشية ابى داؤد: حديث صحيح.

[2] قال الشيخ :والأصل فى هذا أنه إذا كان معلوما من حال المشركين أنهم يطبخون فى قدورهم لحم الخنزير ويشربون فى آنيتهم الخمور فإنه لا يجوز استعمالها إلا بعد الغسل والتنظيف(معالم السنن للخطابى، ج۴ص۲۵۷، كتاب الاطعمة، باب الاكل فى آنية أهل الكتاب والمجوس والطبخ فيها)

قال الإمام :الأمر بغسل إناء الكفار فيما إذا علم نجاسته يقينا ،فقد روى عن مسلم بن مشكم ، عن أبى ثعلبة أنه سأل رسول الله ( صلى الله عليه وسلم ) قال :إنا نجاور أهل الكتاب وهم يطبخون فى قدورهم الخنزير ، ويشربون فى آنيتهم الخمر ؟ فقال رسول الله ( صلى الله عليه وسلم ) " : إن لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء "يعنى :اغسلوها ، فأما إذا لم يتيقن نجاسته ،فالأصل طهارته ، وكذلك مياههم وثيابهم على الطهارة (شرح السنة للبغوى، ج ۱۱ ص ۲۰۰، كتاب الصيد)

المراد النهى عن الأكل فى آنيتهم التى كانوا يطبخون فيها لحم الخنزير ويشربون الخمر كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اہلِ کتاب (یعنی یہود وعیسائی) کے برتنوں کو دھوئے بغیر استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگران کے پاک نہ ہونے (یعنی ناپاک ہونے) کا علم ہو، مثلاً یہ کہ انہوں نے کسی برتن میں شراب پی ہو، یا مردار کھایا ہو، تو پھر دھوئے بغیر استعمال کرنا منع ہے۔ ل

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

صرح به فی روایة أبی داود وإنما نهی عن الأکل فیها بعد الغسل للاستقذار وکونها معتادة للنجاسة کما یکره الأکل فی المحجمة المغسولة،وأما الفقهاء فمرادهم مطلق آنیة الکفار التی لیست مستعملة فی النجاسات فهذه یکره استعمالها قبل غسلها فإذا غسلت فلا کراهة فیها لأنها طاهرة ولیس فیها استقذار ولم یریدوا نفی الکراهة عن آنیتهم المستعملة فی الخنزیر وغیره من النجاسات والله أعلم(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۱۳ ص ۸۰، کتاب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان،باب الصید بالکلاب المعلمة)

ل آنیة غیر المسلمین:آنیة أهل الکتاب: ذهب الحنفیة والمالکیة وهو أحد القولین عند الحنابلة إلی جواز استعمال آنیة أهل الکتاب،إلا إذا تیقن عدم طهارتها .فقد نص الحنفیة علی أن "سؤر الآدمی وما یؤکل لحمه طاهر؛ لأن المختلط به اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر فیکون طاهرا. ویدخل فی هذا الجواب الجنب والحائض، والکافروما دام سؤره طاهرا فاستعمال آنیته جائز من باب أولی .واستدلوا بما روی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنزل وفد ثقیف فی المسجد وکانوا مشرکین، ولو کان عین المشرک نجسا لما فعل ذلک .ولا یعارض بقوله تعالی (إنما المشرکون نجس) لأن المراد به النجس فی الاعتقاد، ومن باب أولی أهل الکتاب وآنیتهم . وذلک لقوله تعالی (وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم) وروی عبد الله بن مغفل قال دلی جراب من شحم یوم خیبر، فالتزمته وقلت :والله لا أعطی الیوم أحدا من هذا شیئا . فالتفت فإذا رسول الله صلی الله علیه وسلم یبتسم وروی أنس أن النبی صلی الله علیه وسلم أضافه یهودی بخبز شعیر وإهالة سنخة.

وتوضأ عمر من جرة نصرانیة. وصرح القرافی من المالکیة فی الفروق بأن جمیع ما یصنعه أهل الکتاب والمسلمون الذین لا یصلون ولا یستنجون ولا یتحرزون من النجاسات، من الأطعمة وغیرها، محمول علی الطهارة، وإن کان الغالب علیه النجاسة.

ومذهب الشافعیة، وهو روایة أخری للحنابلة، أنه یکره استعمال أوانی أهل الکتاب، إلا أن یتیقن طهارتها، فلا کراهة، وسواء المتدین باستعمال النجاسة وغیره .ودلیلهم ما روی أبو ثعلبة الخشنی رضی الله عنه قال :قلت :یا رسول الله، إنا بأرض أهل کتاب، أنأکل فی آنیتهم؟ فقال :لا تأکلوا فی آنیتهم إلا إن لم تجدوا عنها بدا، فاغسلوها بالماء ، ثم کلوا فیها وأقل أحوال النهی الکراهة، ولأنهم لا یجتنبون النجاسة، فکره لذلک .علی أن الشافعیة یرون أن أوانیهم المستعملة فی الماء أخف کراهة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱ ص ۱۲۴، مادة "آنیة" )

www.idaraghufran.org

اور اہلِ کتاب کے علاوہ دوسرے غیر مسلموں کے جن برتنوں کے پاک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک ان برتنوں کو دھونے سے پہلے اِن میں کھانا پینا مکروہ ہے، لیکن اگر دھونے سے پہلے ان کے برتنوں میں کھا پی لیا، تو جائز ہے، اور اس صورت میں حرام کھانے پینے والا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر ان کے برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم ہو، تو پاک کرنے سے پہلے ان میں کھانا پینا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] فذهب الحنفية إلى أنه يكره الأكل والشرب فى أوانى المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا وشاربا حراما .وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأوانى، فأما إذا علم فإنه لا يجوز أن يشرب ويأكل منها قبل الغسل، ولو شرب أو أكل كان شاربا وآكلا حراما، وهو نظير سؤر الدجاجة إذا علم أنه كان على منقارها نجاسة فإنه لا يجوز التوضؤ به.
والصلاة فى سراويل المشركين نظير الأكل والشرب من أوانيهم :إن علم أن سراويلهم نجسة لا تجوز الصلاة فيها، وإن لم يعلم تكره الصلاة فيها، ولو صلى يجوز.
وذهب المالكية إلى أنه يحرم أن يصلى فرض أو نفل بلباس كافر، ذكر أو أنثى، كتابى أو غيره، باشر جلده أو لم يباشره، كان مما الشأن أن تلحقه النجاسة كالذيل وما حاذى الفرج، أو لا كعمامته والشال، جديدا أو لا، إلا أن تعلم أو تظن طهارته، بخلاف نسجه أى منسوج الكافر، فيصلى فيه ما لم تتحقق نجاسته أو تظن لحمله على الطهارة، وكذا سائر صنائعه يحمل فيها على الطهارة عند الشك -ولو صنعها فى بيت نفسه -خلافا لابن عرفة.
ويحرم أن يصلى بما ينام فيه مصل آخر، أى غير مريد الصلاة به، لأن الغالب نجاسته بمنى أو غيره، وهذا إذا لم يعلم أو يظن أن من ينام فيه محتاط فى طهارته، وإلا صلى فيه، وكذا يصلى فيه إذا أخبر صاحبه بطهارته إذا كان ثقة.
وأما ما يفرش فى المضايف والقيعان والمقاعد فتجوز الصلاة فيه، لأن الغالب أن النائم عليه يلتف فى شىء آخر غير ذلك الفرش، فإذا حصل منه شىء مثلا فإنما يصيب ما هو ملتف به، فقد اتفق الأصل والغالب على طهارتها.
وذهب الشافعية إلى أنه لو غلبت النجاسة فى شىء والأصل فيه الطهارة كثياب مدمنى الخمر، والنجاسة كالمجوس والمجانين والصبيان والجزارين . .حكم له بالطهارة عملا بالأصل، وكذا ما عمت به البلوى كعرق الدواب ولعابها . .ونحو ذلك.
وذهب الحنابلة إلى أن ثياب الكفار وأوانيهم طاهرة إن جهل حالها كما لو علمت طهارتها، وكذا آنية مدمنى الخمر وثيابهم، وآنية من لابس النجاسة كثيرا وثيابهم طاهرة.
وتصح الصلاة فى ثياب المرضعة والحائض والصبى ونحوهم كمدمنى الخمر لأن الأصل طهارتها، مع الكراهة احتياطا للعبادة، ما لم تعلم نجاستها فلا تصح الصلاة فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰ص ۱۰۵، ۱۰۶، مادة "نجاسة" استعمال ما غالب حاله النجاسة)

www.idaraghufran.org

# غیر مسلموں کا لباس بھی فی نفسہٖ پاک ہے

جو حکم غیر مسلموں کے برتنوں اور کھانے پینے کی چیزوں کا ہے، وہی حکم ان کے لباس اور کپڑوں کا بھی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلموں کے علاقہ سے حاصل کردہ لباس کا استعمال کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ اُس زمانہ میں ملکِ شام سے مختلف قسم کے لباس آیا کرتے تھے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرمالیا کرتے تھے، اوراس زمانہ میں ملکِ شام میں غیر مسلم لوگ آباد تھے۔

چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَالَ: يَا مُغِيْرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ فَأَخَذْتُهَا، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ، فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَارٰى عَنِّيْ، فَقَضٰى حَاجَتَهُ، ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ، فَذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ عَلَيْهِ فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا، فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ مَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلّٰى (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مغیرہ! برتن (میں پانی) لے آیئے! میں برتن (میں پانی) لے کر آپ کے ساتھ نکل پڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، یہاں تک کہ مجھ سے غائب ہوگئے، پھر آپ نے قضائے حاجت فرمائی، پھر (قضائے حاجت سے فارغ ہوکر) واپس آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تنگ آستینوں والا شامی جبہ پہنا ہوا تھا، آپ نے اپنا ہاتھ اس کی آستین سے نکالنا چاہا، لیکن وہ بہت تنگ

---

[1] رقم الحدیث ۶۷۷ ”۲۷۴“ کتاب الطھارة، باب المسح علی الخفین.

تھی تو آپ نے اس کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا، پھر میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا، اور آپ نے نماز کی طرح کا وضو کیا، پھر اپنے خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح کیا، پھر نماز ادا کی (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**أَهْدٰى أَبُوْ جَهْمِ بْنُ حُذَيْفَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمِيْصَةً شَامِيَّةً لَهَا عَلَمٌ، فَشَهِدَ فِيْهَا الصَّلَاةَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: رُدِّيْ هٰذِهِ الْخَمِيْصَةَ إِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ، فَإِنِّيْ نَظَرْتُ إِلٰى عَلَمِهَا فِي الصَّلَاةِ، فَكَادَ يَفْتِنُنِيْ** (مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۴۴۵) [1]

ترجمہ: ابو جہم بن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شامی چادر ہدیہ کی، جس پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے، پس اس کو پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی، پھر آپ جب نماز پڑھ چکے، تو فرمایا کہ یہ چادر ابو جہم کو لوٹا دو، کیونکہ میری نماز میں اس کے نقش ونگار کی طرف توجہ ہوگئی، شاید یہ مجھے فتنہ میں ڈال دے (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَّةٌ ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَاءُ شَامِيَّةٌ** (مسند ابی حنيفة رواية الحصكفى، رقم الحديث ۱، كتاب اللباس والزينة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شامی ٹوپی تھی، اور حضرت عطاء کی حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفید شامی ٹوپی

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

تھی (مسندابی حنیفہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَآءَ شَامِيَةً

(اخلاق النبی لابی الشیخ اصبہانی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید شامی ٹوپی پہنی ہوئی تھی (ابوشیخ اصبہانی)

حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ، مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

أَهْدَى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِىْ أَذَكَّاهُمَا أَمْ لَا، وَفِى الْحَدِيْثِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْأَصْلَ فِى الْأَشْيَاءِ الْمَجْهُوْلَةِ هُوَ الطَّهَارَةُ (مرقاۃ المفاتیح) [2]

ترجمہ: دحیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موزے اور جبہ ہدیہ کیا، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا (اور استعمال فرمایا) یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، یہ معلوم نہیں کہ وہ پاک تھے یا نہیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاک نہیں کیا) اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نامعلوم چیزوں کے اندر اصل پاک ہونا ہی ہے (مرقاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے تیار کیے ہوئے لباس کو پہننا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۳۱۳، ج۲ص۲۰۷، باب ذکر قلنسوته صلی الله علیه وسلم.

[2] ج۷ص۲۸۱۳، کتاب اللباس، باب النعال.

[3] فیه من الفقه :إباحة لبس ثیاب المشرکین؛ لأن الشام کانت ذلک الوقت دار کفر، وکان ذلک فی غزوة تبوک سنة تسع من الهجرة، وکانت ثیاب المشرکین ضیقة الأکمام(شرح صحیح البخاری لابنِ بطال، ج۲ص۲۵، باب الصلاة فی الجبة الشامیة)

ویستفاد منه ما یأتی :أولاً :جواز الصلاة فی ملابس الکفار سواء کانت جبة أو ثوباً أو عباء ة أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کوئی لباس غیر مسلموں کا استعمال شدہ ہو، اور ان غیر مسلموں کے پیشاب پاخانہ کے بعد طہارت واستنجاء نہ کرنے کا معمول وعادت ہو، تو پھر بعض حضرات کے نزدیک بطورِ خاص ان کا پاجامہ، شلوار کو دھوئے بغیر استعمال کرنا منع ہے۔

چنانچہ المحیطُ البرھانی میں ہے کہ:

**وَالصَّلَاةُ فِيْ سَرَاوِيْلِهِمْ نَظِيْرُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مِنْ أَوَانِيهِمْ، إِنْ عَلِمَ أَنَّ سَرَاوِيْلَهُمْ نَجِسَةٌ لَا تَجُوْزُ الصَّلَاةُ فِيْهَا، وَإِنْ لَّمْ يَعْلَمْ تُكْرَهُ الصَّلَاةُ فِيْهَا، وَلَوْ صَلّٰى يَجُوْزُ** (المحیط البرھانی) [۲]

ترجمہ: اور مشرکوں کے (استعمالی) پاجاموں (اور لباسوں) میں نماز پڑھنے کا حکم ان کے برتنوں میں کھانے پینے کی طرح ہے، اگر ثابت ہو کہ ان کے پاجامے (ولباس) ناپاک ہیں، تو ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اور اگر ثابت نہ ہو، تو نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر کوئی پڑھے، تو جائز ہے (المحیط البرھانی)

بہر حال اگر کوئی لباس غیر مسلموں کا استعمال شدہ ہو، اور اس میں ناپاکی کا گمان ہو، تو اس کو دھو کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [۳]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سروالاً أو سواه ما لم يتحقق من نجاستها، لأنّ النبي -صلى الله عليه وسلم -صلّى في الجبة الشامية التي كانت في ذلك العصر من لباس النصارى، فدل ذلك على جواز الصلاة في ملابسهم (منار القاري لحمزة محمد قاسم، ج ا ،ص ۳۸۱،باب الصلاة في الجبة الشامية)

[۲] ج۸ص،۶۹، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل السادس عشر اهل الذمة والاحكام التي تعود اليهم ،مطبوعة: ادارة القرآن كراتشي.

[۳] ذكر الصلاة في ثياب المشركين واختلفوا في الصلاة في ثياب المشركين فقالت طائفة: ثياب المشركين وغير ثيابهم على الطهارة حتى تعلم نجاسة والصلاة فيها جائزة هذا قول سفيان، والشافعي، والنعمان، وصاحبيه يعقوب، ومحمد غير أن الشافعي أحب لو توقى ثيابهم ثم الأزر والسراويل وكره النعمان الأزر والسراويلات وكذلك قال صاحباه إلا أن يعقوب قال :إن صلى في الإزار والسراويل أجزأ ذلك إذا لم يعلم نجاسة وكرهت طائفة أن يصلي في الثوب الذي على جلد الكافر كره ذلك أحمد ورخص في الذي فوق ثيابه مثل الطيلسان والرداء وكان إسحاق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور آج کل جو بعض لوگ غیر مسلموں کے استعمال شدہ لباس کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دھو کر بھی پاک نہیں ہوتا، اور اس کا کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ لنڈے وغیرہ میں آنے والے غیر مسلموں کے لباس اور کپڑوں کے بارے میں بعض لوگوں کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے، تو یہ بات درست نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقول :أى تطهير جميع ثيابهم وكذلك إن صلى المسلم فى ثيابهم مما يشترونها منهم يطهرونها، وقال مالك :إذا صلى فى ثوب كان لكافر يلبسه على كل حال أعاد من الصلوات ما كان فى وقته وليس عليه أن يعيد ما مضى وقته وكان الحسن يقول :لا بأس بالصلاة فى رداء اليهودى والنصرانى قال أبو بكر :الثياب كلها على الطهارة حتى يوقن المرء بنجاسة أصابتها، وسواء ثوب مشرك وغير مشرك سواء من نسج الثوب منهم ومن غيرهم وكان الحسن لا يرى بأسا بالصلاة فى الثياب التى ينسجها المجوس السابرى ونحوه، وقال مالك فيما نسجه أهل الذمة :لا بأس به وبه قال أحمد وهذا على مذهب الشافعى وأصحاب الرأى .قال أبو بكر :والجواب فى ثياب الصبيان كالجواب فى سائر الثياب والصلاة فيها كلها جائز إلا أن تعلم نجاسة وهذا قول الشافعى واحتج بحديث أبى قتادة (الاوسط لابن المنذر، ج۲، ص۱۷۳، الیٰ ص۱۷۵، كتاب طهارات الأبدان والثياب)

[1] وثيابهم طاهرة، ولا يكره منها إلا السراويل المتصلة بأبدانهم لاستحلالهم الخمر، ولا يتقونها كما لا يتوقون النجاسة والتنزه عنها، فلو أمن ذلك بالنسبة لها وكان التأكد من طهارتها قائما، فإنه يباح لبسها، وإذا تنجست جرى عليها ما يجرى على تطهير ملابس المسلمين عندما تصيبها نجاسة، سواء بالغسل أو غيره.

وكره الشافعية استعمال أوانيهم وثيابهم لما روى أبو ثعلبة الخشنى رضى الله عنه قال :قلت :يا رسول الله إنا بأرض أهل الكتاب، ونأكل فى آنيتهم فقال :لا تأكلوا فى آنيتهم إلا أن لا تجدوا بدا، فإن لم تجدوا بدا فاغسلوها وكلوا فيها .ولأنهم لا يتجنبون النجاسة فكره لذلك.

فإن توضأ من أوانيهم نظرت :فإن كانوا ممن لا يتدينون باستعمال النجاسة صح الوضوء ؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم توضأ من مزادة مشركة وتوضأ عمر رضى الله عنه من جرة نصرانى، ولأن الأصل فى أوانيهم الطهارة.

وإن كانوا ممن يتدينون باستعمال النجاسة ففيه وجهان :أحدهما :أنه يصح الوضوء لأن الأصل فى أوانيهم الطهارة، والثانى :لا يصح لأنهم يتدينون باستعمال النجاسة كما يتدين.

المسلمون بالماء الطاهر، فالظاهر من أوانيهم وثيابهم النجاسة .

وأجاز المالكية استعمال أوانيهم إلا إذا تيقن عدم طهارتها، وصرح القرافى فى الفروق بأن جميع ما يصنعه أهل الكتاب والمسلمون الذين لا يصلون ولا يستنجون ولا يتحرزون من النجاسات من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# مباح چیزوں میں کھود کرید و تعمُّق مناسب نہیں

گزشتہ تفصیل سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن چیزوں کے اندر اصل حلال ومباح ہونا ہے، مثلاً کھانے پینے کی عام چیزیں اور لباس وغیرہ، ان میں کھود کرید و تعمق کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں آسانی فرمائی ہے، اور تنگی و حرج پیدا نہیں فرمایا۔

چنانچہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (سورة المائدة، رقم الآية ٦)

ترجمہ: اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج (وتنگی) کرے (سورہ مائدہ)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الأطعمة وغيرها محمول على الطهارة، وإن كان الغالب عليه النجاسة، فإذا تنجست أوانيهم فإنها تطهر بزوال تلك النجاسة بالغسل بالماء أو بغيره مما له صفة الطهورية .وكذلك الحال بالنسبة لملابسهم، فإن الأصل فيها الطهارة ما لم يصبها النجس، ولذا لا يصلى فى ملابسهم أى ما يلبسونه؛ لأن الغالب نجاستها، فحمل عليها عند الشك :أما إن علمت أو ظنت طهارتها فإنه يجوز أن يصلى فيها .

ويقول الحنابلة فى ثيابهم وأوانيهم :إنها طاهرة مباحة الاستعمال ما لم تعلم نجاستها، وأضافوا :إن الكفار على ضربين -أهل الكتاب وغيرهم -فأما أهل الكتاب فيباح أكل طعامهم وشرابهم واستعمال آنيتهم ما لم تعلم نجاستها، قال ابن عقيل :لا تختلف الرواية فى أنه لا يحرم استعمال أوانيهم، لقول الله تبارك وتعالى :(وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم) وعن عبد الله بن مغفل رضى الله عنه قال :أصبت جرابا من شحم يوم خيبر، قال فالتزمته، فقلت :والله لا أعطى اليوم أحدا من هذا شيئا .قال :فالتفت فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متبسما .وروى أن النبى صلى الله عليه وسلم أضافه يهودى بخبز وإهالة سنخة ، وتوضأ عمر من جرة نصرانية.

وأما غير أهل الكتاب -وهم المجوس وعبدة الأوثان ونحوهم -ومن يأكل لحم الخنزير من أهل الكتاب فى موضع يمكنهم أكله، أو يأكل الميتة، أو يذبح بالسن والظفر فحكم ثيابهم حكم ثياب أهل الذمة عملا بالأصل، وأما أوانيهم فقال أبو الخطاب :حكمها حكم أوانى أهل الكتاب، يباح استعمالها ما لم يتحقق نجاستها، لأن النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه توضئوا من مزادة مشركة ولأن الأصل الطهارة، فلا تزول بالشك.وقال القاضى :هى نجسة، لا يستعمل ما استعملوه منها إلا بعد غسله، لحديث أبى ثعلبة المتقدم، ولأن أوانيهم لا تخلو من أطعمتهم، وذبائحهم ميتة، فتتنجس بها وهذا ظاهر كلام أحمد، فإنه قال فى المجوس :لا يؤكل من طعامهم إلا الفاكهة، لأن الظاهر نجاسة آنيتهم المستعملة فى أطعمتهم، ومتى شك فى الإناء هل استعملوه أم لا؟ فهو طاهر؛ لأن الأصل طهارته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩، ص ١١٣ الىٰ ١١٥ ،مادة "طهارة")

اور سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** (سورة الحج، رقم الآية ۷۸)

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر دین میں کوئی حرج نہیں رکھا (سورہ حج)

اور سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ، وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا** (سورة النساء، رقم الآية ۲۸)

ترجمہ: اللہ تم سے (بوجھ کو) ہلکا کرنا چاہتا ہے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (سورہ نسآء)

حضرت ابو عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**إِنَّ دِيْنَ اللّٰهِ فِيْ يُسْرٍ، ثَلَاثًا يَقُوْلُهَا** (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۶۶۹، مسند ابی يعلىٰ، رقم الحديث ۶۸۶۳) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ کے دین میں یسر و سہولت ہے، تین مرتبہ آپ یہی فرماتے رہے (مسند احمد، ابویعلیٰ)

اور اسی وجہ سے دین میں سختی و تشدُّد کو ناپسند کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ هَدْيًا قَاصِدًا، فَإِنَّهُ مَنْ يُشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ يَغْلِبْهُ** (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۳۰۵۳) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر سیدھے (اور غیر مشقت والے) راستے اور میانہ روی (واعتدال) کو اختیار کرو، کیونکہ جو شخص دین

---

[1] في حاشية مسند احمد: حسن لغيره.
في حاشية مسند ابی يعلىٰ: اسناده حسن.

[2] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

کے معاملے میں سختی (وغلو) کرتا ہے، اس پر دین غلبہ حاصل کرلیتا ہے (اور وہ خود دین سے مغلوب ہوجاتا ہے) (مسند احمد)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ اعتدال والا راستہ اختیار کرنا چاہئے، جس میں بے جا مشقت اور غلو نہ ہو، کیونکہ جو شخص اعتدال کو چھوڑ دیتا ہے، اور اپنی طاقت سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت وکلفت میں ڈالتا ہے، تو اس کو دین پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور یہ طرزِ عمل فرائض اور واجبات میں تقصیر اور کوتاہی کا باعث بنتا ہے۔ [1]

اور اسی اُصول کی بناء پر کھانے پینے اور پہننے واستعمال کرنے کی چیزوں میں زیادہ کھود کرید کو پسند نہیں کیا گیا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ عَلٰى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، فَأَطْعَمَهُ طَعَامًا، فَلْيَأْكُلُ مِنُ طَعَامِهٖ، وَلَا يَسْأَلُهُ عَنْهُ، وَإِنُ سَقَاهُ شَرَابًا مِنُ شَرَابِهٖ، فَلْيَشْرَبُ مِنُ شَرَابِهٖ، وَلَا يَسْأَلُهُ عَنْهُ** (مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۸۴) [2]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے یہاں جائے، اور وہ اس کو کوئی کھانا کھلائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا کھانا کھالے، اور اس سے اس کے (حلال و حرام کے) متعلق کھود کرید نہ کرے، اور اگر کوئی چیز پلائے تو اسے چاہئے کہ اُس چیز

---

[1] (عليكم هديا قاصدا) أى طريقا معتدلا غير شاق (عليكم هديا قاصدا عليكم هديا قاصدا) يعنى الزموا القصد فى العمل وهو استقامة الطريق أو الأخذ بالأمر الذى لا غلو فيه ولا تقصير (فإنه) أى الشأن (من يشاد هذا الدين يغلبه) أى من يقاومه ويقاويه ويكلف نفسه من العبادات فوق طاقته يؤدى به ذلك إلى التقصير فى العمل وترك الواجبات

(حم ك هق عن بريدة) قال :خرجت ذات يوم أمشى فإذا أنا برسول الله صلى الله عليه وسلم يمشى فأخذ بيدى فانطلقنا جميعا فإذا برجل يصلى يكثر من الركوع والسجود فقال :أترى هذا مرائى قلت :الله ورسوله أعلم فأرسل يده وطبق بين يديه ثلاث مرات يرفع يديه ويضربهما ويقول عليكم إلخ قال الحاكم :صحيح وأقره الذهبى وقال الهيثمى :رجاله موثقون وقال ابن حجر فى تخريج المختصر :إسناد أحمد حسن(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۵۸۴)

[2] فى حاشية مسند احمد:حديث حسن.

کو پی لے، اور اس کے متعلق (حلال وحرام ہونے کی) کھود کرید نہ کرے (مسند احمد)

بلا دلیل بدگمانی کرنا منع ہے، اور اسی طرح تجسس بھی منع ہے، لہٰذا جب کوئی پختہ یا غیر پختہ کھانے پینے کی چیز سامنے آئے، اور اس کے حلال وحرام ہونے کا علم نہ ہو، تو اس کو کھا پی لینا چاہئے، اور اس میں کھود کرید سے کام نہیں لینا چاہئے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أُتِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِجُبْنَةٍ فِیُ غَزَاةٍ، فَقَالَ: أَیْنَ صُنِعَتُ هٰذِهٖ؟ فَقَالُوُا: بِفَارِسَ، وَنَحْنُ نُرٰی أَنَّهٗ یُجْعَلُ فِیُهَا مَیْتَةٌ، فَقَالَ: اِطُعَنُوُا فِیُهَا بِالسِّکِّیُنِ، وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَکُلُوُا (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۷۵۵) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک غزوہ میں پنیر لایا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کہاں تیار کیا گیا ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ فارس کے (غیر مسلموں کے) علاقہ میں تیار کیا گیا ہے، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں مردار شامل ہوتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس میں چھری رکھو (اور اس کو کاٹو) اور اللہ کا نام لو، اور کھاؤ (مسند احمد)

اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ فِیُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ فَجَعَلَ أَصْحَابُهٗ یَضْرِبُوُنَهَا بِعِصِیِّهِمُ وَیَقُوُلُوُنَ: نَخْشٰی أَنُ یَّکُوُنَ فِیُهَا مَیْتَةٌ، فَقَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ضَعُوُا فِیُهَا السِّکِّیُنَ وَاذْکُرُوُا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیُهَا (المعجم الکبیر للطبرانی) [3]

---

[1] (ولا یسأل عنه) أی عن الطعام من أی وجه اکتسبه لیقف علی حقیقة حله فإن ذلک غیر مکلف به ما لم تقو الشبهة فی طعامه والمراد لا یسأل منه ولا من غیره (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۵۸۴)

[2] فی حاشیة مسند احمد: حسن لغیره.

[3] رقم الحدیث ۱۱۸۰۷، ج ۱۱ ص ۳۰۳، باب العین.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ طائف میں پنیر لایا گیا، تو آپ کے صحابۂ کرام اس کو لاٹھی سے ہٹانے لگے، اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس میں مُردار نہ ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چھری رکھو اور اللہ کا نام لو، اور کھاؤ (طبرانی)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيه وَسَلَّم أُتِيَ بِجُبْنَةٍ فِيْ غَزْوَةِ تبُوْك، فَقِيْلَ لَــهُ: إِنَّ هٰذَا طَعَامٌ تَصْنَعُهُ الْمَجُوْسُ ،فَقَالَ:ضَعُوْا فِيْهِ السِّكِّيْنَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ(مسند البزار) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ تبوک میں پنیر لایا گیا، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ ایسا کھانا ہے، جسے مجوسی بناتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس پر چھری رکھو اور اللہ کا نام لو (اور کھاؤ) (بزار)

اس طرح کی حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۲]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيْهِ، وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ

---

[۱] رقم الحديث ۵۳۷۱،ج۱۲ص۹، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۵۲۴۱، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۶۹۶، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۷۰۸۴، المعجم الصغير للطبرانی، رقم الحديث ۱۰۲۶.

فی حاشية ابنِ حبان:إسناده حسن.

[۲] عن ميمونة، زوج النبی صلی الله عليه وسلم قالت :سئل النبی صلی الله عليه وسلم عن الجبن؟ قال :اقطع بالسكين، واذكر اسم الله، وكل(المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۷۴)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه أحمد بن الفرج الحجازی، ضعفه محمد بن عوف، وابن عدی، ووثقه ابن أبی حاتم، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۰۲۶، باب ماجاء فی الجبن)

قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ، فَوَاللّٰهِ إِنِّیْ أَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کیا، جس میں (اللہ کی طرف سے) رخصت وگنجائش موجود تھی، اور ایک قوم نے اس کام سے اجتناب وپرہیز کیا، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو ایسی چیز سے اجتناب وپرہیز کرتے ہیں، جس کو میں کرتا ہوں، پس اللہ کی قسم میں ان لوگوں کے مقابلہ میں اللہ کا زیادہ علم رکھتا ہوں، اور اللہ کی زیادہ خشیت (وخوف) رکھتا ہوں (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ جب نبی بلکہ افضل نبی ہونے کے باوجود آپ نے رخصت وگنجائش والے کام کو اختیار کیا، جس میں غیر مسلموں کے تیار شدہ کھانے بھی شامل ہیں، تو دوسروں کا اس کو گناہ ومنع سمجھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ [2]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

وَأَرَادَ أَنْ يَّنْهٰى عَنْ حُلَلِ الْحِبَرَةِ لِأَنَّهَا تُصْبَغُ بِالْبَوْلِ، فَقَالَ لَهٗ أُبَیٌّ:

---

[1] رقم الحديث ٧٣٠١، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمق والتنازع فى العلم والغلو فى الدين والبدع.

[2] أى: هذا باب فى بيان ما يكره من التعمق وهو التشدد فى الأمر حتى يتجاوز الحد فيه. قوله: والتنازع فى العلم، أى: التجادل فيه يعنى عند الاختلاف فى الحكم إذا لم يتضح الدليل فيه. قوله: والغلو، بضم الغين المعجمة واللام وتشديد الواو وهو التجاوز فى الحد، قاله الكرمانى. قلت: الغلو فوق التعمق وهو من غلا فى الشيء يغلو غلوا، وغلا فى السعر يغلو غلاء، وورد النهى عنه صريحا فيما أخرجه النسائى وابن ماجه والحاكم من طريق أبى العالية عن ابن عباس، قال: قال رسول الله فذكر حديثا وفيه: وإياكم والغلو فى الدين فإنما أهلك من قبلكم الغلو فى الدين، وهو مثل البحث فى الربوبية حتى يحصل نزغة من نزغات الشيطان فيؤدى إلى الخروج عن الحق، والذين غلوا فى الفكرة آل بهم الأمر إلى أن جعلوا آلهة ثلاثة، تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا، قوله: والبدع جمع بدعة وهى ما لم يكن له أصل فى الكتاب والسنة، وقيل: إظهار شيء لم يكن فى عهد رسول الله ولا فى زمن الصحابة، رضى الله تعالى عنهم(عمدة القارى.باب ما يكره من التعمق والتنازع فى العلم والعلو فى الدين والبدع)

www.idaraghufran.org

لَيْسَ ذٰلِکَ لَکَ قَدْ لَبِسَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَبِسْنَاهُنَّ فِيْ عَهْدِهٖ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۲۸۳) [1]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہوا کہ دھاری دار یمنی چادروں سے منع کر دیں کہ ان پر پیشاب کا رنگ چڑھایا جاتا ہے، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ کو اس سے منع کرنے کا حق نہیں، کیونکہ ان چادروں کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہے، اور ہم بھی اُن کو آپ کے زمانے میں پہنتے رہے ہیں (مسند احمد)

حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

هَمَّ عُمَرُ، أَنْ يَّنْهٰى عَنْ ثِيَابِ حِبَرَةَ لِصَبْغِ الْبَوْلِ، ثُمَّ قَالَ: كُنَّا نُهِيْنَا، عَنِ التَّعَمُّقِ (مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دھاری دار یمنی چادر سے منع کرنے کا ارادہ کیا پیشاب میں رنگے جانے کی وجہ سے، پھر فرمایا کہ ہمیں کھود کرید سے منع کیا گیا ہے (عبدالرزاق)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَرَادَ عُمَرُ أَنْ يَّنْهٰى، عَنْ عَصَبِ الْيَمَنِ، قَالَ: نُبِّئْتُ أَنَّهٗ يُصْنَعُ بِالْبَوْلِ، ثُمَّ قَالَ: قَدْ نُهِيْنَا عَنِ التَّعَمُّقِ (غريب الحديث لإبراهيم الحربى) [3]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کی چادر سے منع کرنے کا ارادہ کیا، اور

---

[1] في حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين، لكن الحسن -وهو البصرى -لم يلق عمرَ ولا أُبيّاً، لكن قد صح نهى عمر عن متعة الحج كما سيأتى، وأما شطره الثانى فقد جاء من طرق عن عمر، وهى وإن كانت منقطعة، لكن بمجموعها تدلُّ على أن لها أصلاً عن عمر. هشيم: هو ابن بشير، ويونس: هو ابن عبيد.

[2] رقم الحديث ۱۴۹۴، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى الثوب يصبغ بالبول.

[3] ج ۱ ص ۳۰۲، غريب حديث عبدالله بن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم، الحديث الرابع عشر، باب عصب.

Idara Ghufran

فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اس کو پیشاب میں تیار کیا جاتا ہے، پھر فرمایا کہ ہمیں کھود کرید سے منع کیا گیا ہے (غریب الحدیث)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ: نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ** (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تکلف (اور کھود کرید) سے منع کیا گیا ہے (بخاری)

حضرت ابووائل اور حضرت ابراہیم رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

**لَمَّا قَدِمَ الْمُسْلِمُوْنَ أَصَابُوْا مِنْ أَطْعِمَةِ الْمَجُوْسِ مِنْ جُبْنِهِمْ وَخُبْزِهِمْ فَأَكَلُوْا وَلَمْ يَسْأَلُوْا عَنْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ** (مصنف ابن ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: جب مسلمان (یعنی صحابہ وتابعین) کسی علاقہ میں پہنچتے تھے، تو وہ مجوس (یعنی آتش پرست مشرکوں) کے کھانے، مثلاً ان کے پنیر اور ان کی روٹی کو لے لیا کرتے تھے، پھر کھالیا کرتے تھے، اور وہ اس کے بارے میں (پاکی ناپاکی وغیرہ کے متعلق) سوال نہیں کیا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

صحابہ وتابعین کا مشرکوں کے علاقوں میں پہنچ کر اُن کے تیار شدہ کھانوں کو کھالینا اور ان کے پاک وناپاک اور حلال وحرام ہونے کے بارے میں سوال نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ کھانے پینے وغیرہ کی مباح چیزوں میں ناپاکی اور حرمت کی تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہیں۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ:

**أَنَّهُ كَانَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، فَوَقَفُوْا عَلٰى حَوْضٍ، فَقَالَ عَمْرٌو: يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ أَتَرِدُ**

---

[1] رقم الحدیث ۷۲۹۳، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال وتکلف ما لا یعنیہ.

[2] رقم الحدیث ۳۳۳۴۴، کتاب السیر، باب ما قالوا فی طعام المجوسِ وفواکِهِهم.

حَوْضَکَ السِّبَاعُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَإِنَّا نَرِدُ عَلَی السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَیْنَا (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: وہ ایک سفر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، جس میں حضرت عمرو بن عاص بھی شریک تھے، تو وہ ایک حوض کے قریب ٹھہرے، تو حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ اے حوض والے! کیا آپ کے حوض پر درندے آتے ہیں؟ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حوض والے! تم ہمیں اس کی خبر نہ کرو، کیونکہ ہم درندوں کے پاس جاتے ہیں، اور وہ ہمارے پاس آتے ہیں (اور ہم اس طرح کی تحقیق وتفتیش کے مکلّف نہیں) (عبدالرزاق)

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حوض والے کو یہ منع فرمانا، اس بات کی علامت تھا کہ ہم اس تحقیق وتفتیش کے مکلّف نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، یَقُوْلُ: إِنَّ أُنَاسًا کَانُوْا یُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْیِ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الْوَحْیَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُکُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِکُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَیْرًا، أَمِنَّاهُ، وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَیْسَ إِلَیْنَا مِنْ سَرِیْرَتِهٖ شَیْءٌ

---

[1] رقم الحديث ۲۵۰، باب الماء ترده الكلاب والسباع، موطا مالک، رقم الحديث ۶۲، سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۶۲.

(رواه مالک) : وسنده صحيح، قاله ابن حجر (مرقاة المفاتيح، ج ۲، ص ۴۵۸، باب أحكام المياه)

وموضع الدلالة أن عمر قال نرد على السباع وترد علينا ولم يخالفه عمرو ولا غيره من الصحابة وهذا الأثر إسناده صحيح إلى يحيى بن عبد الرحمن لكنه مرسل منقطع فإن يحيى وإن كان ثقة فلم يدرک عمر بل ولد فی خلافة عثمان هذا هو الصواب قال يحيى بن معين يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب عن عمر باطل وكذا قاله غير ابن معين إلا أن هذا المرسل له شواهد تقويه والمرسل عند الشافعی إذا اعتضد احتج به كما سبق بيانه فی مقدمة الكتاب وهو حجة عند أبی حنيفة مطلقا (المجموع، ج ۱، ص ۱۷۴، كتاب الطهارة، باب ما يفسد الماء من الطاهرات وما لا يفسده)

قال الزرقانی فی شرحه وثقه ابن معين وابو حاتم والنسائی وغيرهم؟ فسنده خال عن العلة وكذا قال ابن حجر فی شرح المشكوة أن سنده صحيح وأما رابعا فلانه بعد تسليم ضعف الطرق المذكورة يقال ضم بعضها إلى بعض يفيد نوع قوة (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية، ص ۵۱۵)

اَللّٰهُ يُحَاسِبُهُ فِيْ سَرِيرَتِهٖ (بخاری، رقم الحدیث ۲۶۴۱، باب الشهداء العدول)

ترجمہ: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ وحی کو لیا کرتے تھے، اور وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اب تو بس ہم تمہارے ظاہری اعمال کو لیں گے، پس جو ہمارے سامنے خیر کو ظاہر کرے گا، تو ہم اس کو امن اور قُرب دیں گے، اور ہمارا اس کی خفیہ اور رازداری کی چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اللہ ہی اس کی رازداری کی چیزوں کا اس سے محاسبہ کرے گا (بخاری)

حضرت عطاء بصری سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ : فَالْجُبْنُ قَالَ : يُؤْتٰى بِهٖ مِنَ الْعِرَاقِ فَنَأْكُلُهٗ، وَنُطْعِمُهٗ غِلْمَانَنَا، قُلْتُ : فَإِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ فِيْهِ الْمَيْتَةَ قَالَ : فَإِنْ عَلِمْتَ أَنَّ فِيْهِ مَيْتَةً فَلَا تَأْكُلْهُ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۸۷۹۲)

ترجمہ: میں نے (حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ پنیر کے بارے میں کیا حکم ہے، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس عراق سے پنیر لایا جاتا ہے، جس کو ہم خود بھی کھاتے ہیں، اور اپنے لڑکوں کو بھی کھلاتے ہیں، میں نے کہا کہ وہ لوگ اس میں مُردار کو ڈالتے ہیں، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ کو علم (ویقین) ہو کہ اس میں مُردار ہے، تو آپ اُسے نہ کھایئے (عبدالرزاق)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہم غیر مسلموں کے بنائے ہوئے پنیر کو استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر آپ کے علم ویقین کے مطابق اس پنیر میں مردار شامل ہو، تو اس صورت میں آپ اس کے مکلّف بن جاتے ہیں کہ اس کو استعمال نہ کریں، مگر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے کے صرف کہنے پر پنیر کے استعمال کو نہ تو خود ترک کرنے کا فرمایا، اور نہ ہی اس خبر کو اپنے اوپر حجت سمجھا، کیونکہ ان کو اس کا علم ویقین نہیں تھا۔ [1]

[1] والعلم لغة: اليقين، ويأتي بمعنى المعرفة (الموسوعة الفقهية، ج ۲۹، ص ۷۷، مادة "طلب العلم")
اليقين في اللغة: العلم وإزاحة الشك، وتحقيق الأمر، وهو نقيض الشك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۵، ص ۲۸۷، مادة "يقين")

www.idaraghufran.org

اس طرح کی اور بھی احادیث وروایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام وخیرُ القرون کے دور میں مباح چیزوں میں شک وشبہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، اور تجسُّس وتعمق سے کام نہیں لیا جاتا تھا، اور ظاہر پر عمل کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ [1]

جو چیزیں فی نفسہ حلال وپاک ہیں، مثلاً کھانے پینے، پہننے وغیرہ کی چیزیں، اُن کے متعلق

---

[1] يريد أن يشترى شيئاً، فيسأل مالكه -وهو مستور -هل هو حلال، أو حرام؟ أو يهديه رجلٌ مستور، او يدعوه إلى ضيافته، فيسأل عن حِل الهدية، والطعام، او يأتيه بماء في كوز ليشرب، أو يتوضأ، أو يفرش له ثوباً، وسجادة، ليصلى، وليس فيه علامةُ نجاسة، فيسأل عن طهارته، فهذا أذى له، وسوء ظن به، أو رياء، أو عُجب، أو جَهْل، وتَجَسُّسٌ، وبدْعة، فعليك الاعتمادَ على الظاهر، كما اعتمد عليه الصحابة، و التابعون، رضى اللّٰه عنهم أجمعين روى البخارى، عن عتبة بن عبد اللّٰه بن مسعود، قال :سمعت عمر بن الخطاب، يقول :إن ناساً كانوا يؤخذون بالوحى فى عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وإن الوحى قد انقطع، وإنما نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم، فمن أظهر لنا خيراً، آمنّاه، وقربناه، وليس لنا من سريرته شىء ، اللّٰه يحاسبه فى سريرته (الدرر المباحة فى الحظر والإباحة للنحلاوى، ص ٣٣٦، وص٣٣٧)

التجسس معناه طلب الأمارات المعرفة فالأمارة المعرفة إن حصلت وأورثت المعرفة جاز العمل بمقتضاها، أما طلبها فلا رخصة فيه، والحكمة من وراء ذلک أننا أمرنا أن نجرى أحكام الناس على الظواهر من غير استكشاف عن الأمور الباطنة قال عمر رضى الله عنه :إن أناسا كانوا يؤخذون بالوحى فى عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وإن الوحى قد انقطع وإنما نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم، فمن أظهر لنا خيرا أمناه وقربناه وليس إلينا من سريرته شىء ، الله يحاسب سريرته، ومن أظهر لنا سوء ا لم نأمنه ولم نصدقه وإن قال إن سريرته حسنة.

وقال القرطبى فى قوله تعالى :(ولا تجسسوا) خذوا ما ظهر، ولا تتبعوا عورات المسلمين، أى لا يبحث أحدكم عن عيب أخيه حتى يطلع عليه بعد أن ستره الله فليس للمحتسب أن يتجسس ولا أن يبحث أو يقتحم على الناس دورهم بظن أن فيها منكرا، لأن ذلک من قبيل التجسس المنهى عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٥٥، مادة "حسبة")

( والسؤال عن طهارة الماء والإناء والمكان والبساط واللباس بلا أمارة ظاهرة ) دالة ( على نجاستها ونحو ذلک ) مما لا يلزم فيه التعمق والتوغل مثل السؤال عن حل الطعام وحرمته من غير أمارة دالة عليهما ( فلا بد لنا من أربعة أنواع النوع الأول فى كون الدقة فى أمر الطهارة والتفتيش والتعمق فيه بدعة ) الظاهر فى العبادة ؛ لأنها ( لم تصدر عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة والتابعين والسلف الصالحين (بريقة محمودية، جزء٦، ص ٢٤١، آداب الاكل)

فقال عمر بن الخطاب يا صاحب الحوض لا تخبرنا ) لأنا نعمل بأصل الطهارة ، ولا نلتفت لذلک الاحتمال ؛ لأنه وسوسة لا دليل عليها ففيه تأديب لعمرو حيث سأل عند حضور الأفضل منه بل وظيفته التسليم للأفضل ، وفيه أيضا رد وتعريض له وهو ظاهر ، وفيه دليل على أنه لا يسأل عن نجاسته ما لم يستيقن أو يغلب على ظنه ثم الاحتجاج بقول عمر إما لسكوت بواقى الصحابة فيحل محل الإجماع أو لا يعلم خلافهم ، ولا وفاقهم فيكون حجة عندنا سيما عند موافقة القياس ، والتفصيل فى الأصول (بريقة محمودية، جزء٦، ص٢٥٤، آداب الأكل)

حلال وحرام اور پاکی وناپاکی کی کھود کرید اور تعمق سے کام لینا درست نہیں، اور جب تک یقین سے حرمت یا ناپاکی ثابت نہ ہو، اس وقت تک اس کو حلال و پاک ہی سمجھنا چاہئے۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ محدثین وفقہائے کرام نے فرمایا کہ جب تک ظاہر میں کسی چیز کی ناپاکی وحرمت سامنے نہ آئے، اس وقت تک انسان مکلّف نہیں ہوتا، اور اس پر حقیقتِ حال کی تحقیق اور سوال کرنا لازم نہیں ہوتا، خواہ حقیقتِ حال کچھ بھی ہو، اور ناپاکی وحُرمت کا شک کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے تنگی وحرج لازم آتا ہے، جس کو شرعاً پسند نہیں کیا گیا۔ [2]

اور آج کل جو بعض عوام اور ان کے ساتھ اہلِ علم حضرات مختلف مصنوعات میں تجسُّس وتعمُّق کر کے ان میں کسی حرام وناپاک چیز کی آمیزش کو ثابت کرنے کی کوشش وجدوجہد کر کے عوام کو اس کا مکلّف بنانا چاہتے ہیں، یہ طرزِ عمل بے جا غلو اور تعمُّق میں داخل ہے، جس کو شریعت نے پسند نہیں کیا، اور خیرُ القرون سے اس طرزِ عمل کی تائید نہیں ہوتی۔

البتہ اگر کسی چیز میں اس طرح کی حرام یا ناپاک چیز کی آمیزش کا واقعی درجہ میں شک ہو، یا کسی چیز کی حلت وحرمت کا علم نہ ہو سکے، تو اس کو مشکوک یا مشتبہ کہا جا سکتا ہے، جس سے بچنا بہتر تو قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن فرض یا واجب قرار نہیں دیا جا سکتا، اور نہ ہی اس کی تبلیغ کا حکم ہوگا،

---

[1] شک طرأ على أصل مباح ، كما لو وجد المسلم ماء متغيرا ، فله أن يتطهر منه مع احتمال أن يكون تغير بنجاسة ، أو طول مكث ، أو كثرة ورود الباع عليه ونحو ذلک ، استنادا إلى ان الأصل طهارة المياه ، وقد جاء فى الأثر أن عمر بن الخطاب خرج فى ركب فيهم عمرو بن العاص -رضى الله عنهم -حتى وردوا حوضا ، فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض :ياصاحب الحوض ، هل ترد حوضک الشاع ؟ فقال عمر : يا صاحب الحوض ، لا تخبرنا ، فإنا نرد على الشاع وترد علينا (إكمال المعلم ،ج۲،ص ۱۱۲ ،باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شک فى الحدث)

[2] والأظهر أن يحمل قوله :لا تخبرنا على إرادة عدم التنجس، وبقاء الماء على طهارته الأصلية، ويدل عليه سؤال الصحابى، وإلا فيكون عبثا، ثم تعليله بقوله :فإنا إلخ إشارة إلى أن هذا الحال من ضرورات السفر، وما كلفنا بالتفحص، فلو فتحنا هذا الباب على أنفسنا لوقعنا فى مشقة عظيمة (رواه مالک) وسنده صحيح، قاله ابن حجر(مرقاة، ج۲،ص۴۵۸،باب أحكام المياه)

وما اذا كان معناه لا تخبرنا لانه ليس علينا التكليف بحقيقة الحال بل العمل بالظاهر ولو اخبرتنا عن حقيقة الحال لضاق الامر علينا فلا دلالة على الطهارة ويؤيده سوال عمرو بن العاص صاحب الحوض عن ورود السباع وسوال عمر مع النبى صلى الله عليه وسلم عنه ولو لم يكن نجسا عندهم لما سألاه وايضا لو كان طاهرا عنده لما كان لقوله لا تخبرنا فائدة لكون خبره ح غير مضر بل كان يكفى له ان يقول لعمرو بن العاص لا حاجة لک الى السوال عنه فانه طاهر فلما نهى صاحب الحوض عن الاخبار علم ان غرضه منه ما ذكرنا (السعاية فى شرح الوقاية، ص۵۱۶)

جیسا کہ پیچھے حلت وحرمت اور پاکی وناپاکی کے اصولوں کے ضمن میں گزرا۔ ۱؎

۱؎ اور مباح چیز میں کسی نجس وناپاک چیز کی استحالہ کے بغیر آمیزش کے شک سے اس چیز کا حکم اس گوشت کی طرح حرام نہیں ہوگا جوشک کی وجہ سے حلال نہیں کہلاتا، کیونکہ یہاں اصل مباح ہونا ہے، اور گوشت میں اصل حرام ہونا ہے، فافترقا۔

(فروع) يتوضأ من الحوض الذى يخاف فيه قذر ولا يتيقن، ولا يجب أن يسأل إذ الحاجة إليه عند عدم الدليل، والأصل دليل يطلق الاستعمال .وقال عمر حين سأل عمرو بن العاص صاحب الحوض :أترده السباع يا صاحب الحوض؟ لا تخبرنا ذكره فى الموطأ .وكذا إذا وجد متغير اللون والريح ما لم يعلم أنه من نجاسة لأن التغير قد يكون بطاهر وقد ينتن الماء للمكث، وكذا البئر التى يدلى فيها الدلاء والجرار الدنسة يحملها الصغار والعبيد لا يعلمون الأحكام ويمسها الرستاقيون بالأيدى الدنسة ما لم يعلم يقينا النجاسة(فتح القدير، ج ۱، ص ۸۲، كتاب الطهارات)

فصل : إذا سقط على إنسان من طريق ماء ، لم يلزمه السؤال عنه؛ لأن الأصل طهارته، قال صالح : سألت أبى عن الرجل يمر بالموضع، فيقطر عليه قطرة أو قطرتان؟ فقال :إن كان مخرجا -يعنى خلاء -فاغسله، وإن لم يكن مخرجا فلا يسأل عنه؛ فإن عمر رضى الله عنه مر هو وعمرو بن العاص على حوض، فقال عمرو :يا صاحب الحوض، أترد على حوضك السباع؟ فقال عمر :يا صاحب الحوض، لا تخبرنا، فإنا نرد عليها، وترد علينا (المغنى لابن قدامة، ج ۱، ص ۴۸، كتاب الطهارة، فصل سقط على إنسان من طريق ماء هل يسأل عن طهارته أم لا)

فإذا لم يكن هنا أمارة ظاهرة على مخالطة الخبيث له كان هذا التقدير والاحتمال مع طيب الماء وعدم التغيير فيه :من باب الحرج الذى نفاه الله عن شريعتنا ومن باب الآصار والأغلال المرفوعة عنا .وقد ثبت أن عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -توضأ من جرة نصرانية مع قيام هذا الاحتمال ومر عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -وصاحب له بميزاب فقال صاحبه :يا صاحب الميزاب ماؤك طاهر أم نجس ؟ فقال عمر : يا صاحب الميزاب لا تخبره .فإن هذا ليس عليه .وقد نص على هذه المسألة الأئمة كأحمد وغيره نصوا على أنه إذا سقط عليه ماء من ميزاب ونحوه ولا أمارة تدل على النجاسة لم يلزم السؤال عنه بل يكره وإن سأل :فهل يلزم رد الجواب ؟ على وجهين . وقد استحب بعض الفقهاء من أصحاب أحمد وغيره السؤال وهو ضعيف (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج ۲۱، ص۵۷، باب المياه)

إذا شك فى نجاسة الماء هل يستحب البحث عن نجاسته وجهان :أظهرهما لا يستحب البحث لحديث عمر .وذلك لأن حكم الغائب إنما يثبت بعد العلم فى الصحيح الذى هو ظاهر مذهب أحمد ومذهب مالك وغيرهما (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج ۲۱، ص ۳۲۵، باب الغسل)

ومن ذلك :أنه لو سقط عليه شىء من ميزاب لا يدرى هل هو ماء أو بول لم يجب عليه أن يسأل عنه فلو سأل لم يجب على المسئول أن يجيبه ولم علم أنه نجس ولا يجب عليه غسل ذلك.

ومر عمر بن الخطاب رضى الله عنه يوما فسقط عليه شىء من ميزاب ومعه صاحب له فقال :يا صاحب الميزاب ماؤك طاهر أو نجس فقال عمر رضى الله عنه :يا صاحب الميزاب لا تخبرنا ومضى ذكره أحمد. قال شيخنا :وكذلك إذا أصاب رجله أو ذيله بالليل شىء رطب ولا يعلم ما هو لم يجب عليه أن يشمه ويتعرف ما هو واحتج بقصة عمر رضى الله عنه فى الميزاب وهذا هو الفقه فإن الأحكام إنما تترتب على المكلف بعد علمه بأسبابها وقبل ذلك هى على العفو فما عفا الله عنه فلا ينبغى البحث عنه (إغاثة اللهفان لابن قيم، ج ۱، ص ۱۵۴، فصل ومن ذلك :أن الصحابة والتابعين كانوا يتوضئون من الحياض)

اور جو ناپاک لباس دھوبی کو دھونے کے لئے دیا گیا ہو، اور اس نے دھوکر واپس کر دیا ہو، مگر یہ معلوم نہیں کہ دھوبی نے اس لباس کو پاک کیا ہے یا نہیں، تو اگرچہ اس سلسلہ میں بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ جو لباس دھوبی کو پاکی کی حالت میں دیا ہو، تو وہ دھوبی کے دھوکر واپس کرنے کے بعد پاک ہی رہے گا، اور جو ناپاک حالت میں دیا ہو، وہ دھوبی کے دھوکر واپس کرنے کے باوجود بھی ناپاک سمجھا جائے گا۔

مگر ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دونوں طرح کے کپڑوں کو پاک سمجھا جائے گا، کیونکہ خیر القرون کے دور سے بلانکیر اس پر تعامل چلا آ رہا ہے، اور غیر مسلموں کے دھوئے ہوئے اور استعمالی کپڑوں تک میں فقہائے کرام نے گنجائش اور وسعت بیان فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، اس لئے پہلے سے پاک لباس کو پاک اور ناپاک کو ناپاک سمجھا جائے گا، تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ اصول اس وقت تو معتبر اور مؤثر ہوتا، جبکہ کسی لباس کو سرے سے دھونے نہ دھونے میں ہی شک ہوتا، لیکن جب کسی کپڑے کا دھونا اور اس کا میل کچیل دُور ہونا یقین اور مشاہدہ کے ساتھ ثابت ہو، اور دُھلنے کے بعد اس میں نجاست کا کوئی اثر بھی موجود نہ ہو، البتہ پاک کرنے کا ثبوت نہ ہو، تو اس صورت میں اصل پاک ہونا ہے، لہٰذا یہاں پاک ہونے کو شک کا درجہ دیتے ہوئے یقینی ناپاک کے مزاحم قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا، ورنہ تو دھوبی کے علاوہ گھروں میں جو کپڑے خواتین یا ملازم دھوتے ہیں، ان میں بھی یہی اُصول جاری ہونا چاہئے، کیونکہ ان کے بھی پاک ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی، اور پیشہ ور دھوبی اور دوسرے دھونے والوں میں معقول فرق بھی نہیں ہوتا، علاوہ ازیں دھوبی عموماً ماءِ کثیر یا ماءِ جاری میں کپڑے دھوتے ہیں، جس میں کپڑا داخل ہونے پر بآسانی پاک ہو جاتا ہے، نیز دھوبیوں کو عموماً جو کپڑے دیئے جاتے ہیں، وہ میلے کچیلے ہوتے ہیں، جن کو دھوکر اور میل کچیل کو صاف کر کے ہی وہ واپس کرتے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ میل کچیل کو دھوکر کو صاف کرنا بہ نسبت پاک کرنے کے زیادہ مشکل ہے۔

اور کسی چیز کے پاک ہونے کے لئے نجاستِ مرئیہ میں عین کا ازالہ کافی ہو جاتا ہے، اور نجاستِ غیر مرئیہ میں راجح یہ ہے کہ دھونے والے کے غلبۂ ظن کے مطابق پاک ہو جانا معتبر ہے، اور دھوبی اپنے غلبۂ ظن کے مطابق پاک کرتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ غلبۂ ظن کا تعلق دھونے والے سے ہے نہ کہ استعمال کرنے والے سے، اور امت کا مجموعی تعامل بھی اسی پر ہے کہ وہ دوسرے بلکہ غیر مسلم غلاموں و باندیوں تک کے دُھلے ہوئے لباس کو استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں، اور اس کے باوجود بھی دھوبی نے کوئی کوتاہی کی ہو، جس کا استعمال کرنے والے کو علم نہ ہو، تو اس کا ذمہ دار خود وہ دھوبی ہے، جیسا کہ طعام وغیرہ اشیاء کا معاملہ ہے، اس کی تفصیل آگے پاکی کے طریقہ میں آتی ہے۔

وقال الحسن فی ثیاب تنسجها المجوس :لم یر بها بأسا . وقال معمر :رأیت الزهری یلبس من ثیاب الیمن ما صبغ بالبول.وصلی علی -رضی الله عنه -فی ثوب غیر مقصور .المقصود بهذا الباب :جواز الصلاة فی الثیاب التی ینسجها الکفار، وسواء نسجوها فی بلادهم وجلبت منها، أو نسجت فی بلاد المسلمین.روی أبو إسحاق الفزاری، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# غیر مسلم واہلِ کتاب کے ذبیحہ اور گوشت کا حکم

مذکورہ حکم تو غیر مسلموں کے ذبیحہ کے علاوہ دوسری چیزوں کے استعمال کرنے کا تھا۔

جہاں تک غیر مسلموں کے ذبح شدہ گوشت کا تعلق ہے، تو اگر اہلِ کتاب (یعنی یہودی یا

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن زائدة ومخلد، عن هشام، عن الحسن، أنه قال فى الثياب التى تنسجها المجوس فيؤتى بها قبل أن تغسل :لا بأس بالصلاة فيها .وروى سعيد بن منصور :ثنا حماد بن زيد، عن مطر الوراق، عن الحسن، أنه كان لا يرى بأسا أن يصلى فى السابرى والدستوائى ونحو ذلك قبل أن تغسل .وروى وكيع فى (كتابه) عن الربيع بن صبيح، عن الحسن، قال :لا بأس مما يعمل المجوس من الثياب وعن على بن صالح، عن عطاء أبى محمد، قال :رايت على على قميصا من هذه الكرابيس، لبيسا غير غسيل ورواه عبد الله بن الإمام أحمد فى (كتاب العلل) ثنا أبى :ثنا محمد بن ربيعة :ثنا على بن صالح :حدثنى عطاء أبو محمد قال :رأيت عليا اشترى ثوبا سنبلانيا فلبسه، ولم يغسله، وصلى فيه .وروى أبو بكر الخلال بإسناده، عن ابن سيرين، قال: ذكر عند عمر الثياب اليمانية، أنها تصبغ بالبول؟ فقال :نهانا الله عن التعمق والتكلف . وروى الإمام أحمد، عن هشيم، عن يونس، عن الحسن، أن عمر بن الخطاب أراد أن ينهى عن حلل الحبرة؛ لأنها تصبغ بالبول، فقال له أبى :ليس ذاك لك، قد لبسهن النبى -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ولبسناهن فى عهده .وروى ابن أبى عاصم فى (كتاب اللباس) من طريق محمد بن عبيد الله العرزمى -وفيه ضعف -عن عبد الملك بن عمير، عن قبيصة بن جابر، قال :خطب عمر الناس، فقال :أنه بلغنى أن هذه البرود اليمانية التى تلبسونها تصبغ بالبول؛ بول العجائز العتق، فلو نهينا الناس عنها؟ فقام عبد الرحمان بن عوف، فقال :يا أمير المؤمنين، أتنطلق إلى شىء لبسه رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وأصحابه فتحرمه؟ !إنها تغسل بالماء ، فكف عُمَر عَن ذَلِكَ. وقد روى عَن الْحَسَن أنه كَانَ إذا سئل عَن البرود إذا صبغت بالبول،فهل ترى بلبسها بأسا؟ حدث بحديث عمر مع أبى بن كعب كما تقدم . وقال حنبل :كان أبو عبد الله -يعنى :أحمد -يصبغ له يهودى جبة فليبسها، ولا يحدث فيها حدثا من غسل ولا غيره .فقلت له، فقال :ولم تسأل عما لا تعلم؟ لم يزل الناس منذ أدركناهم لا ينكرون ذلك.قال حنبل :وسئل أبو عبد الله عن يهود يصبغون بالبول؟ فقال :المسلم والكافر فى هذا سواء ، ولا تسال عن هذا ولا تبحث عنه وقال :إذا علمت أنه لا محالة يصبغ من البول وصح عندك فلا تصل فيه حتى تغسله.وقال يعقوب بن بختان :سئل أحمد عن الثواب يصبغه اليهودى؟ قال :ويستطيع غير هذا؟ - !كأنه لم ير به بأسا.وقال المروذى :سمعت أبا عبد الله يسأل عن الثوب يعمله اليهودى والنصرانى، تصلى فيه؟ قال :نعم، القصار يقصر الثياب، ونحن نصلى فيها .وكل هذا يدل على أن ما صنعه الكفار من الثياب فإنه يجوز الصلاة فيه من غير غسل، ما لم تحقق فيه نجاسة، ولا يكتفى فى ذلك بمجرد القول فيه حتى يصح، وأنه لا ينبغى البحث عن ذلك والسؤال عنه. وحكى ابن المنذر هذا القول عن مالك والشافعى وأحمد وأصحاب الرأى، فلم يحك عن احد فيه خلافا، وهو قول الثورى وإسحاق -نقله عنه حرب . ومن أصحابنا من قال لا نعلم فى هذا خلافا .ومنهم من نفى الخلاف فيه فى المذهب .ومن الأصحاب من حكى فيه خلافا عن أحمد (فتح البارى لابنِ رجب، ج۲ ص ۳۷۲ الیٰ ۳۷۵،باب الصلاة فى الجبة الشامية)

عیسائی) کا ذبح کیا ہوا گوشت ہو، تو اس کو کھانا جائز ہے، اور اہلِ کتاب کے علاوہ کسی دوسرے غیر مسلم کا ذبح کیا ہوا ہو، تو جائز نہیں، کیونکہ گوشت کے اندر اصل حرام ہونا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**اَلْیَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِینَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ** (سورة المائدة، رقم الآیة۵)

ترجمہ: آج کے دن حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں، اور ان لوگوں کا کھانا جو اہلِ کتاب ہیں، تمہارے لئے حلال ہے (سورہ مائدہ)

مذکورہ آیت میں اہلِ کتاب کے کھانے سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ان کا ذبیحہ ہے۔[۱]

حضرت قیس بن سکن اسدی سے روایت ہے کہ:

**قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: إِنَّكُمْ نَزَلْتُمْ بَیْنَ فَارِسَ وَالنَّبَطِ، فَإِذَا اشْتَرَیْتُمْ لَحْمًا، فَإِنْ كَانَ ذَبِیحَةَ یَهُودِیٍّ، أَوْ نَصْرَانِیٍّ فَكُلُوهُ، وَإِنْ ذَبَحَهُ مَجُوسِیٌّ فَلَا تَأْكُلُوهُ** (مصنف ابن ابی شیبة) [۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم فارس اور نبط کے درمیان جاؤ گے، پھر اگر تم گوشت خریدو، تو اگر یہودی یا نصرانی (یعنی عیسائی) کا ذبیحہ ہو، تو اسے کھالو، اور وہ مجوسی (یعنی مشرک) کا ذبیحہ ہو، تو اس کو نہ کھاؤ (ابن ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: إِنَّكُمْ نَزَلْتُمْ أَرْضًا لَا یَقْصِبُ بِهَا الْمُسْلِمُونَ إِنَّمَا هُمْ**

---

[۱] وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم المراد بالطعام الذبائح لان سائر الاطعمة لا یختص حلها بالمیتة وقوله تعالی الذین أوتوا الکتاب یشتمل الیهود والنصاری والصابئین ان کانوا یؤمنون بدین نبی ویقرء ون بکتاب لا ان کانوا یعبدون الکواکب ولا کتاب لهم حربیا کان الکتابی او ذمیا عجمیا کان او عربیا او تغلبیا به قال ابو حنیفة رحمه الله (التفسیر المظهری، ج۳، ص۳۸، سورة المائدة، رقم الآیة۵)

وفی البخاری عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما أن المراد به الذبائح لأن غیرها لم یختلف فی حله وعلیه أکثر المفسرین(روح المعانی،سورة المائدة، رقم الآیة ۵،ج۳، ص۲۳۷)

[۲] رقم الحدیث ۳۳۳۶۲، کتاب السیر،باب ما قالوا فِی طعامِ الیهودی والنصرانی.

النَّبَطُ،أَوُ قَالَ:النَّبِيُطُ وَفَارِسُ، فَإِذَا شَرَيْتُمُ لَحُمًا فَسَلُوُا، فَإِنْ كَانَ ذَبِيُحَةَ يَهُودِيٍّ أَوُ نَصُرَانِيٍّ فَكُلُوُهُ؛ فَإِنَّ طَعَامَهُمُ حِلٌّ لَّكُمُ(عبدالرزاق، رقم الحديث ۸۵۷۸، كتاب المناسک،باب ذبيحة أهل الكتاب)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسی زمین میں جاؤ گے، جہاں مسلمان آباد نہیں ہوں گے، بلکہ نبط یا نبیط اور فارس ہوں گے،تو جب تم گوشت خریدو،تو معلوم کرلو، اگر یہودی یا نصرانی (یعنی عیسائی) کا ذبیحہ ہو،تو تم اس کو کھالو، کیونکہ ان کا کھانا (یعنی ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے(عبدالرزاق)

اس طرح کی روایت امام شعبی سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور حضرت غطیف بن حارث سے معتبر سند کے ساتھ روایت ہے کہ:

كَتَبَ عَامِلٌ إِلٰى عُمَرَ أَنَّ قِبَلَنَا نَاسًا يُدُعَوُنَ السَّامِرَةَ يَقُرَءُ وُنَ التَّوُارَةَ، وَيُسُبِتُوُنَ السَّبُتَ لَا يُؤُمِنُوُنَ بِالُبَعُثِ، فَمَا يَرٰى أَمِيُرُ الُمُؤُمِنِيُنَ فِيُ ذَبَائِحِهِمُ، فَكَتَبَ إِلَيُهِ عُمَرُ أَنَّهُمُ طَائِفَةٌ مِّنُ أَهُلِ الُكِتَابِ، ذَبَائِحُهُمُ ذَبَائِحُ أَهُلِ الُكِتَابِ(مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: ایک عامل (یعنی حکومت کے نمائندہ) نے (خلیفۂ راشد اور امیر المومنین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ لکھا کہ ہمارے سامنے ایسے لوگ ہیں، جن کو سامرہ کہا جاتا ہے، جو تورات کو پڑھتے ہیں، اور ہفتہ کے دن کو مناتے ہیں، مگر وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، تو امیر المومنین کی ان کے ذبیحوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ وہ لوگ اہلِ کتاب ہی کا ایک گروہ

---

[1] حدثنا وكيع ، قال :حدثنا عمرو بن الضريس الأسدى ، قال :سألت الشعبى ، قلت :إنا نغزو أرض أرمينية أرض نصرانية ,فما ترى فى ذبائحهم وطعامهم ؟ قال :كنا إذا غزونا أرضا سألنا عن أهلها ,فإذا قالوا :يهود ، أو نصارى ,أكلنا من ذبائحهم وطعامهم وطبخنا فى آنيتهم(مصنف ابن ابى شيبة،رقم الحديث ۳۳۳۶۴،باب ما قالوا فى طعام اليهودى و النصرانى)

[2] رقم الحديث ۸۵۷۶، كتاب المناسک، باب ذبيحة اهل الكتاب.

www.idaraghufran.org

ہیں، جن کے ذبیحے اہلِ کتاب کے ذبیحوں کی طرح (حلال) ہیں (عبدالرزاق)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور اہلِ کتاب (یعنی یہودی یا عیسائی) کا ذبیحہ حلال ہے، خواہ اہلِ کتاب عربی ہو یا عجمی اور دیندار ہو یا فاسق و گناہ گار۔ [1]

اور جس طرح مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حلال ہونا ہے، اسی طرح اہلِ کتاب کے ذبیحہ میں بھی اصل حلال ہونا ہے، جب تک معقول دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔ [2]

اور اہلِ کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کے ذبیحہ اور گوشت کا استعمال جائز نہیں، تا آنکہ

---

[1] ذبائح أهل الكتاب :قال ابن قدامة :أجمع أهل العلم على إباحة ذبائح أهل الكتاب؛ لقول الله تعالى :(وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم)يعنى ذبائحهم .قال ابن عباس :طعامهم ذبائحهم، وكذلك قال مجاهد وقتادة، وروى معناه عن ابن مسعود .وأكثر أهل العلم يرون إباحة صيدهم أيضا، قال ذلك عطاء والليث والشافعي وأصحاب الرأى، ولا نعلم أحدا ثبت عنه تحريم صيد أهل الكتاب .ولا فرق بين العدل والفاسق من المسلمين وأهل الكتاب .ولا فرق بين الحربى والذمى فى إباحة ذبيحة الكتابى منهم، وتحريم ذبيحة من سواه .وسئل أحمد عن ذبائح نصارى أهل الحرب فقال :لا بأس بها .وقال ابن المنذر :أجمع على هذا كل من نحفظ عنه من أهل العلم، منهم مجاهد والثورى والشافعى وأحمد وإسحاق وأبو ثور وأصحاب الرأى، ولا فرق بين الكتابى العربى وغيرهم؛ لعموم الآية فيهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۴۲ ،مادة "اهل الكتاب")

[2] مثلاً یہ ثابت و معلوم نہ ہو کہ جو اہلِ کتاب ذبح کر رہا ہے، وہ صرف نام کا اہلِ کتاب ہے، ورنہ وہ عقائد کے اعتبار سے ملحد ہے یا اس نے شرعی طریقہ پر ذبح نہیں کیا، جیسا کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ وہ نام کا مسلمان ہے، اور جس طرح دلیل کے بغیر مسلمان کے ذبیحہ کو حرام قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا بھی حکم ہے، پس آج کل جو بعض اہلِ علم حضرات موجودہ دور کے اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں، اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔

وقال الكرخي فى "مختصره :"ولا بأس بذبح نصارى بنى تغلب الفلاحين وغيرهم، وذلك لأنهم على دين النصارى وإن لم يتمسكوا بكل شرائعهم فصاروا كالنصارى الأصليين إذا لم يتمسكوا ببعض الشرائع(البناية شرح الهداية، ج ۱۱ ص ۵۴۲، كتاب الذبائح، شروط الذابح)

۱ -أن يكون المذكى بالغا أو مميزا، مسلما أو كتابيا (يهوديا أو نصرانيا) ، فلا تؤكل ذبائح الوثنيين، واللادينيين، والملحدين، والمجوس، والمرتدين، وسائر الكفار من غير الكتابيين.......

يجوز للمسلمين الزائرين لبلاد غير إسلامية أو المقيمين فيها، أن يأكلوا من ذبائح أهل الكتاب مما هو مباح شرعا، بعد التأكد من خلوها مما يخالطها من المحرمات، إلا إذا ثبت لديهم أنها لم تذك تذكية شرعية(مجلة مجمع الفقه الاسلامى، ج۱۰ ص۵۹۶، قرار ۱۰۱/۳/د۱۰ ،بشأن الذبائح)

هذا الحكم إنما يتأتى فى رجل تحقق فيه أنه لا يؤمن بالله ولا بالرسل ولا بالكتب السماوية .أما إذا كان الرجل باسمه ومظهره نصرانيا، يجوز أن نعتبره من النصارى، ما لم يتبين أن عقائده كعقائد الماديين(بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص۴۱۶، احكام الذبائح واللحوم المستوردة ،للقاضى المفتى محمد تقى العثمانى)

معتبر دلیل سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ وہ ذبیحہ مسلمان یا اہلِ کتاب کا ہے۔

اور غیر مسلم وغیر اہلِ کتاب کافروں کے ذبیحہ کے علاوہ ان کے ہاتھ کی دوسری چیزوں کے استعمال کے جائز ہونے کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

## جانوروں کے جسم کے پاک ہونے کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورة النحل رقم الآيات ۵ الیٰ ۸)

ترجمہ: اور چوپایوں کو بھی اللہ نے پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے گرمی حاصل کرنے کا سامان اور بہت سے (دوسرے) فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو، اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت وشان ہے، اور (دور دراز) شہروں میں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں، بے شک تمہارا رب نہایت شفقت والا اور مہربان ہے، اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور (وہ تمہارے لیے) رونق وزینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں (سورہ نحل)

مذکورہ آیات میں گرمی حاصل کرنے کے سامان سے مراد جانوروں کے بال ہیں، جن سے

اون اور لباس وغیرہ تیار ہوتا ہے۔

قرآن مجید ہی میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُوْدِ الْأَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ (سورة النحل ،رقم الآية ۸۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی نے تمہارے لیے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اللہ ہی نے چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لیے گھر بنائے، جن کو تم ہلکے دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور اُن کی اون، پشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں) (سورہ نحل)

یعنی اینٹ، پتھر کے مکانوں کو تو کہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے، لیکن چمڑے اور اون وغیرہ سے بنے ہوئے خیمے ہلکے ہونے کی وجہ سے سفر وحضر میں ہر جگہ منتقل اور نصب کئے جا سکتے ہیں، اور جانوروں کے اون اور بالوں کو بھی مختلف شکلوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (سورة یٰس ،رقم الآيات ۷۱ الیٰ ۷۳)

ترجمہ: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لئے خاص اپنے دستِ قدرت سے چوپائے (مویشی) پیدا کئے، پھر ان کے وہ لوگ مالک بن گئے، اور ہم نے ان چوپاؤں کو انسانوں کے تابع کر دیا، ان میں سے بعضے تو ان کی سواریاں ہیں، اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں (جیسے جانوروں کی ہڈی، بال، کھال سے مختلف فوائد) اور ان میں لوگوں کے پینے کی

چیزیں بھی ہیں (جیسے دودھ) تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (سورہ یٰس)

یعنی چوپاؤں اور مویشیوں سے انسانوں کی بہت سی ضروریات اور فوائد وابستہ ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ عام جانوروں کے بال اور ان کا ظاہری جسم پاک ہوتا ہے، اسی لئے ان پر سامان لادنا اور سواری کرنا جائز ہے، جس کی مزید تفصیل آگے پاکی وناپاکی وغیرہ سے متعلق مسائل کے ذیل میں آتی ہے۔

## جانور کی کھال کے لباس ودیگر اشیاء کے پاک ہونے کا حکم

بعض لوگ بازار کے چمڑے اور لیدر سے تیار شدہ چیزوں کے بارے میں ناپاک ہونے کا شبہ کیا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کسی مردار یا حرام جانور کی کھال سے تیار شدہ نہ ہوں۔

اس طرح کے شبہات اور وسوسے بھی شریعت کی نظر میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

کیونکہ کئی احادیث سے جانور کی کھال کے دباغت دیئے جانے کے بعد اس کے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اگرچہ وہ کھال مردار اور حرام جانور کی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جب کھال کو دباغت دے دی جائے، تو وہ پاک ہوجاتی ہے (مسلم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ

---

[1] رقم الحديث ٣٦٦ ”١٠٥“ كتاب الحيض، باب إذا دبغ الإهاب فقد طهر.

www.idaraghufran.org

طَهُرَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس کھال کو بھی دباغت دے دی جائے، تو وہ پاک ہو جاتی ہے (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن محبق سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِبَيْتٍ بِفِنَائِهِ قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَاسْتَسْقٰى، فَقِيْلَ: إِنَّهَا مَيْتَةٌ، قَالَ: ذَكَاةُ الْأَدِيْمِ دِبَاغُهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۹۰۸) [2]

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے گھر کے پاس سے گزرے جس کے صحن میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پینے کے لیے پانی مانگا تو عرض کیا گیا کہ یہ مردہ جانور کی کھال (سے بنا ہوا) ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ دباغت کھال کو پاک کر دیتی ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ، قَالَ: إِنَّ دِبَاغَهُ قَدْ أَذْهَبَ بِخُبْثِهٖ، أَوْ رِجْسِهٖ، أَوْ نَجَسِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۱۷) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار جانوروں کی کھالوں کے بارے میں فرمایا کہ دباغت، ان کی گندگی یا ناپاکی یا نجاست دُور کر دیتی ہے (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ۱۸۹۵، سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۷۲۸، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۶۰۹.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

وقال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

[2] في حاشية مسند احمد: مرفوعه صحيح لغيره.

[3] في حاشية مسند احمد: حسن.

www.idaraghufran.org

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَنْ يُنْتَفَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ، إِذَا دُبِغَتْ** (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۴۴۷) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردار کی کھالوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم فرمایا، جبکہ ان کھالوں کو دباغت دے دی جائے (مسند احمد)

حضرت ابنِ وعلہ سے روایت ہے کہ:

**سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قُلْتُ: إِنَّا نَكُوْنُ بِالْمَغْرِبِ فَيَأْتِيْنَا الْمَجُوْسُ بِالْأَسْقِيَةِ فِيْهَا الْمَاءُ وَالْوَدَكُ، فَقَالَ: اِشْرَبْ، فَقُلْتُ: أَرَأْيٌ تَرَاهُ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: دِبَاغُهُ طَهُوْرُهُ** (مسلم) [۲]

ترجمہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ہم مغربی ملک میں رہتے ہیں، ہمارے پاس مجوسی (یعنی آگ پرست، مشرک لوگ) چمڑے کے مشکیزوں میں پانی اور چربی کی چکنائی لاتے ہیں، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پی لیا کرو، میں نے کہا کہ کیا یہ آپ کی رائے ہے؟ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھال کو دباغت دینا اس کو پاک کر دیتا ہے (مسلم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ؟ فَقَالُوْا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ: إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا** (مسلم) [۳]

---

[۱] في حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[۲] رقم الحديث ۳۶۶ "۱۰۷" كتاب الحيض، باب إذا دبغ الإهاب فقد طهر.

[۳] رقم الحديث ۳۶۳ "۱۰۰" كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ.

Idara Ghufran

ترجمہ: اُمُّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی کو ایک بکری کا صدقہ دیا گیا، پھر وہ بکری مرگئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے، آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی، تم اس کو دباغت دے کر اس سے نفع اٹھاتے، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو مردار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا کہ صرف اس کا کھانا حرام کیا گیا ہے (مسلم)

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ مُردہ جانور کی کھال کا کھانا تو حرام ہے، لیکن اس کی کھال کو دباغت دے کر استعمال کرنا حرام نہیں، بلکہ جائز ہے، کیونکہ دباغت دینے سے وہ کھال پاک ہوجاتی ہے۔

کھال کی دباغت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو دھوکر یا رنگ چڑھا کر یا مٹی یا نمک لگا کر یا دھوپ میں سکھا کر یا ہوا میں خشک کر کے اس کو سڑنے، گلنے سے بچالیا جائے۔ [1]

خواہ یہ عمل کوئی مسلم کرے، یا غیر مسلم، بلکہ اگر کھال خود ہی دھوپ یا ہوا میں خشک ہو کر سڑنے، گلنے سے محفوظ ہوجائے، تب بھی اس کو دباغت والی کھال کہا جاتا ہے۔ [2]

اگر کسی جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کردیا جائے، تو اس کی کھال ذبح کرنے سے ہی پاک ہوجاتی ہے۔

اور اگر کوئی جانور ذبح کیے بغیر فوت ہوجائے، یا اس کو غیر شرعی طریقہ پر ذبح کیا جائے، مثلاً کوئی غیر مسلم مشرک ذبح کرے، تب بھی اس جانور کی کھال دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے۔

اور بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک دباغت دینے سے خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کی

---

[1] الدباغة فی اللغة :مصدر دبغ الجلد یدبغه دبغا و دباغة، أی عالجه و لینه بالقرظ ونحوه لیزول ما به من نتن وفساد ورطوبة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۰ ص۲۲۶، مادة " دباغة ")

[2] ما یحصل به الدباغة یسمی دبغا و دباغا، واتفق الفقهاء علی أنه یشترط فی الدباغ أن یکون منشفا للرطوبة منقیا للخبث، مزیلا للریح، ولا یشرط أن تکون الدباغة بفعل فاعل، فإن وقع الجلد فی مدبغته بنحو ریح، أو ألقی الدبغ علیه کذلک فاندبغ به کفی .کما لا یشترط أن یکون الدابغ مسلما(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۰ ص۲۲۸، مادة " دباغة ")

www.idaraghufran.org

کھال پاک ہوجاتی ہے۔ [1]

پھر اس کے بعد دوبارہ گیلے ہونے اور بھیگنے سے بھی یہ کھال ناپاک نہیں ہوتی۔ [2]

اور اسی بناء پر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مُردار اور حرام جانور مثلاً درندے کی دباغت دی ہوئی کھال سے تیار شدہ لباس اور جوتوں کا پہننا یا اس کھال سے تیار شدہ بیگ، یا جانماز، قالین یا ڈول ومشکیزہ وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں کھال کی دباغت کے بعد ہی تیار واستعمال کی جاتی ہیں۔

پس بعض لوگوں کا چمڑے اور لیدر سے تیار شدہ بازاری اشیاء کو حرام وناپاک سمجھنا درست

---

[1] مندرجہ بالا قول حنفیہ اور بعض دیگر اہلِ علم حضرات کا ہے، اور شوافع کے نزدیک جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی، اسی طرح کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔

اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق اور مالکیہ میں سے سحنون اور ابنِ عبدالحکیم کے نزدیک خنزیر کی کھال بھی دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے، ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں مطلقاً اور ہر قسم کی کھال کو "ایما اهاب دبغ، فقد طهر" وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ دباغت دینے سے پاک ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

لا خلاف بين الفقهاء فى نجاسة جلد الميتة قبل دبغه، ولكنهم اختلفوا فى طهارته بالدباغ على خمسة أقوال.

الأول :للحنفية والشافعية وأحمد فى رواية عنه، وهو أن جلود الميتة تطهر كلها بالدباغ إلا الخنزير، واستثنى الشافعية أيضا جلد الكلب.

الثانى :للمالكية والحنابلة فى المشهور وهو عدم طهارة جلد الميتة بالدباغة، قال المالكية :لكن يجوز الانتفاع بذلك الجلد المدبوغ واستعماله مع نجاسته فى اليابسات وفى الماء وحده دون سائر المائعات.

الثالث : لأبى يوسف من الحنفية ولسحنون وابن عبد الحكم من المالكية، وهو أن جميع الجلود تطهر بالدباغ حتى الخنزير.

الرابع: لأحمد فى رواية عنه، وهو أنه إنما يطهر بالدباغ جلد ميتة ما كان طاهرا حال الحياة.

الخامس: للأوزاعى وأبى ثور وأحمد فى رواية عنه، وهو طهارة جلود ميتة الحيوان المأكول اللحم فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ ص۳۹۰، مادة " ميتة ")

[2] ولو أصابه ماء بعد الدباغة الحقيقية لا يعود نجسا وبعد الحكمية الأظهر أنه لا يعود نجسا . كذا فى المضمرات وما طهر جلده بالدباغ طهر جلده بالذكاة وكذلك جميع أجزائه تطهر بالذكاة إلا الدم وهو الصحيح من المذهب .كذا فى محيط السرخسى (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۵، كتاب الطهارة، الباب الثالث)

Idara Ghufran

نہیں۔ [1]

# پاک چیز کے میلے ہونے سے ناپاکی کا وسوسہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ: قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ، فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لَبِثَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيمُ مَعِيَ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَّرَائِنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ (بخاری) [2]

ترجمہ: اُن کی دادی حضرت ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا، جو کھانا انہوں نے تیار کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں سے تناول فرمایا، پھر فرمایا کہ تم اٹھو، تاکہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں، پھر میں کھڑا ہوکر اپنی ایک چٹائی لینے گیا، جو کہ زیادہ پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی، پھر میں نے اس کو پانی سے صاف کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور میرے ساتھ یتیم (ضمیرہ نام کا چھوٹا بچہ) کھڑا ہوا، اور بوڑھی خاتون (یعنی اُمِ سُلیم، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں) ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں (بخاری)

---

[1] لبس جلود السباع: جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والشافعية) على جواز الانتفاع بجلود السباع بشرط الدباغ لقوله عليه السلام: أيما إهاب دبغ فقد طهر.
وقال القاضي أبو يعلى الحنبلي: لا يجوز الانتفاع بها قبل الدبغ ولا بعده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ١٣١، مادة "البسة")

[2] رقم الحديث ٨٦٠، كتاب الاذان، باب وضوء الصبيان، ومتى يجب عليهم الغسل والطهور.

www.idaraghufran.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میلی کچیلی چٹائی کو دھونے کا حکم نہیں دیا، اور نہ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس چٹائی کو باقاعدہ دھویا اور پاک کیا، بلکہ ویسے ہی پانی لگا کر صاف کر دیا، جس پر ظاہر ہے کہ گھر کے بچے بڑے سب ہی بیٹھتے اٹھتے اور چلتے پھرتے ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز خواہ بستر ہو یا گدا، لحاف، یا قالین وغیرہ ہو، اور اسی طریقہ پر مدتِ دراز سے جسم پر پہنا ہوا لباس ہو، وہ کثرتِ استعمال اور میلا کچیلا ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا، اور استعمال ہوتے رہنے کے باوجود پاک ہی قرار دیا جاتا ہے، تا آنکہ یقینی طور پر اس کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو، کیونکہ پاک چیز کو ناپاکی کے یقین کی وجہ سے ہی ناپاک کہا جاسکتا ہے، اور شک کی وجہ سے یقین ختم نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ تفصیلاً پہلے اپنے مقام پر ذکر کیا جاچکا۔ [1]

## ناپاک اشیاء کو پاک کرنے کا طریقہ

پانی، زمین، مٹی، فرش اور اسی طرح زمین پر کھڑی ہوئی نباتات کی پاکی اور ناپاک ہونے کی صورت میں پاک کرنے کا طریقہ اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا جاچکا ہے۔

جہاں تک مذکورہ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں (مثلاً کپڑے، بستر، جوتے، دیوار، دروازہ، کھڑکی، وغیرہ) کے ناپاک ہونے کی صورت میں پاک کرنے کے طریقہ کا تعلق ہے، تو اب ان کو پاک کرنے کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، اور اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں متعلقہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

---

[1] وفيه: أن الأصل فی الحصير ونحوه الطهارة، ولكن النضح فيه إنما كان لأجل التليين أو لإزالة الوسخ، كما ذكرنا .وقال القاضی عياض :الأظهر أنه كان للشک فی نجاسته .قلنا :هذا على مذهبه فی أن النجاسة المشكوک فيها تطهر بنضحها من غير غسل، وعندنا الطهارة لا تحصل إلا بالغسل(عمدة القاری للعينی، ج۴ص ۱۱۲، باب الصلاة على الحصير)

وفيه أن الأصل فی الثياب والبسط والحصر ونحوها الطهارة وأن حكم الطهارة مستمر حتى تتحقق نجاسته(شرح النووی على مسلم، ج۵ص ۱۶۳، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة فی النافلة والصلاة على حصير وخمرة وثوب)

www.idaraghufran.org

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ، فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي** (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض آجائے، تو نماز چھوڑ دو، اور جب ختم ہوجائے، تو آپ اپنے سے خون کو دھولو، اور نماز پڑھ لو (بخاری)

اس حدیث میں خون کو دھونے کا تو حکم دیا گیا ہے، لیکن اس کا کوئی خاص طریقہ نہیں بتایا گیا، اور نہ ہی دھونے میں دو یا تین مرتبہ کے دھونے کی قید لگائی گئی ہے، اور نہ ہی کپڑے کو نچوڑنے کا ذکر کیا گیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّيَ فِيهِ** (بخاری، رقم الحديث ۳۰۷، كتاب الحيض، باب غسل دم الحيض)

ترجمہ: ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اُس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جائے، تو اسے رگڑ (یا کُھرچ) دے، پھر چاہئے کہ اس پر پانی ڈال لے، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے (بخاری)

اس حدیث میں خون کو رگڑنے کے ساتھ ساتھ پانی ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم

---

[1] رقم الحديث ۳۳۱، كتاب الحيض، باب إذا رأت المستحاضة الطهر.

www.idaraghufran.org

ہوا کہ دھوتے وقت نجاست کے جسم اور جرم کو بھی الگ کرنا چاہئے، مگر دھونے کے لئے کوئی خاص تعداد اور نچوڑنے وغیرہ کی شرط نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ إِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَأَنَا أَحِيْضُ فِيْهِ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: إِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيْهِ، ثُمَّ صَلِّيْ فِيْهِ، فَقَالَتْ: فَإِنْ لَّمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: يَكْفِيْكِ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ** (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۳۶۵، کتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها) [1]

ترجمہ: حضرت خولہ بنتِ یسار رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے، اور مجھے حیض آجاتا ہے، تو میں کیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ جب آپ پاک ہوجائیں، تو اس کپڑے کو دھولیں، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لیں، انہوں نے عرض کیا کہ اگر اس سے خون کا اثر (ورنگ) ختم نہ ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے لئے خون کو دھو دینا کافی ہے، اس کا اثر (ورنگ کا باقی رہنا) آپ کو کوئی نقصان نہیں دیتا (ابوداؤد)

حضرت معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ:

**عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ: اَلدَّمُ يَكُوْنُ فِي الثَّوْبِ فَأَغْسِلُهُ، فَلَا يَذْهَبُ، فَأُقَطِّعُهُ؟ قَالَتْ: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ** (سنن الدارمی) [2]

---

[1] فی حاشیة ابی داوٗد: اسناده حسن.

[2] رقم الحدیث ۱۰۵۲، کتاب الطهارة، باب المرأة الحائض تصلی فی ثوبها إذا طهرت.
فی حاشیة سنن الدارمی: إسناده صحیح.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے کہا کہ کپڑے میں خون ہوتا ہے، جس کو میں دھو دیتی ہوں، مگر اس کا رنگ ختم نہیں ہوتا، تو کیا میں اس کپڑے کو کاٹ دوں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پانی پاک کرنے والا ہے (جو رنگ باقی رہنے کی صورت میں بھی پاک کر دیتا ہے) (دارمی)

اس طرح کی روایت اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث وروایات میں بھی خون کو دھونے کا ذکر کیا گیا، لیکن دھونے کا کوئی خاص طریقہ یا پانی کو مخصوص تعداد میں ڈالنے اور نچوڑنے وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا، ساتھ ہی ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ اگر نجاست کو دھونے کے باوجود اس کا رنگ دُور نہ ہو، تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيقِهَا، فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا** (بخاری) [2]

ترجمہ: ہم میں سے بعض خواتین کے پاس ایک ہی لباس تھا، جس میں اس کو حیض آجاتا تھا، پھر جب اس لباس کو کچھ خون لگ جاتا تھا، تو وہ اس پر تھوک دیتی اور اپنے ناخن سے اسے مل ڈالتی تھی (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ کسی اور پاک اور پتلی چیز سے بھی نجاست دھوئی جاسکتی ہے، جس سے نجاست زائل ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] عن علی بن المبارک، قال :سمعت کریمة، قالت :سمعت عائشة، وسألتها امرأة فقالت المرأة :یصیب ثوبها من دم حیضتها؟ قالت :لتغسله بالماء قالت :فإنا نغسله فیبقی أثره؟ قالت :إنما الماء طهور (سنن الدارمی، رقم الحدیث ۱۰۶۰)

فی حاشیة سنن الدارمی: إسناده حسن.

[2] رقم الحدیث ۳۱۲، کتاب الحیض، باب :هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیه؟

www.idaraghufran.org

وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَّوْمِهٖ فَلْيَغْسِلْ يَدَهٗ قَبْلَ أَنْ يُّدْخِلَهَا فِيْ وَضُوْئِهٖ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ(بخاری) [1]

ترجمہ: اور جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ کو دھولے، اس سے پہلے کہ وہ اس کو وضو والے پانی کے اندر داخل کرے، کیونکہ تم میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری (ممکن ہے کہ وہ نجاست والی جگہ لگ گیا ہو، جس کی وجہ سے اس پر نجاست لگ گئی ہو) (بخاری)

اس طرح کی حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

مذکورہ روایت میں ہاتھ کو دو یا تین مرتبہ دھونے کی قید نہیں، اور ایک روایت میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے۔ [3]

اور ایک روایت میں دو یا تین مرتبہ دھونے کے الفاظ ہیں، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهٗ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يُفْرِغَ عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَإِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ(سنن الترمذی) [4]

---

[1] رقم الحديث ۱۶۲، كتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا.

[2] أخبرني زياد، أن ثابتا، مولى عبد الرحمن بن زيد، وقال ابن بكر :أخبره أنه سمع أبا هريرة، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إذا كان أحدكم نائما ثم استيقظ فأراد الوضوء ، فلا يضع يده فى الإناء حتى يصب على يده، فإنه لا يدرى أين باتت يده (مسند احمد، رقم الحديث ۷۶۷۴)

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[3] عن أبى هريرة، أنه أخبره أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إذا استيقظ أحدكم فليفرغ على يده ثلاث مرات قبل أن يدخل يده فى إنائه، فإنه لا يدرى فيم باتت يده(مسلم،رقم الحديث ۲۷۸ "۸۸")

[4] رقم الحديث ۲۴، ابواب الطهارة، باب ما جاء إذا استيقظ أحدكم من منامه، فلا يغمس يده فى الإناء حتى يغسلها.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات ( کی نیند ) سے بیدار ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ کو برتن میں داخل نہ کرے، یہاں تک کہ اس پر دو یا تین مرتبہ پانی ڈال لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ( ممکن ہے کہ وہ نجاست والی جگہ لگ گیا ہو، جس کی وجہ سے اس پر نجاست لگ گئی ہو ) (ترمذی)

اس طرح کی روایت کو اور محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔ [1]

نیند سے بیدار ہونے کے بعد پانی میں ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی ناپاک تو نہیں ہوتا، البتہ ناپاکی کے احتمال کی وجہ سے دھو لینا بہتر ہوتا ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَّوْمِهٖ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهٗ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا** (سنن ابنِ ماجه) [3]

---

[1] عن أبی هريرة، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يغمس يده فی الإناء حتى يصب عليها صبة أو صبتين؛ فإنه لا يدری أين باتت يده(مسند الطيالسی،رقم الحديث ۲۵۴۰)

[2] قال الترمذی:وفی الباب عن ابن عمر، وجابر، وعائشة، هذا حديث حسن صحيح .قال الشافعی :أحب لكل من استيقظ من النوم قائلة كانت أو غيرها، أن لا يدخل يده فی وضوئه حتى يغسلها، فإن أدخل يده قبل أن يغسلها، كرهت ذلک له، ولم يفسد ذلک الماء إذا لم يكن على يده نجاسة وقال أحمد بن حنبل :إذا استيقظ من الليل فأدخل يده فی وضوئه قبل أن يغسلها فأعجب إلى أن يهريق الماء وقال إسحاق :إذا استيقظ من النوم بالليل أو بالنهار فلا يدخل يده فی وضوئه حتى يغسلها(سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ۲۴)

عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال " :إذا استيقظ أحدكم من نومه فليغسل يده قبل أن يدخلها فی وضوئه فإن أحدكم لا يدری أين باتت يده. قال محمد :هذا حسن وهكذا ينبغی أن يفعل وليس من الأمر الواجب الذی إن تركه تارک أثم وهو قول أبی حنيفة رحمه الله (مؤطا امام محمد،رقم الحديث ۹ ،باب غسل اليدين فی الوضوء )

[3] رقم الحديث ۳۹۴، كتاب الطهارة وسننها، باب :الرجل يستيقظ من منامه، هل يدخل يده فی الإناء قبل أن يغسلها.

فی حاشية سنن ابنِ ماجه:حديث صحيح .رواية عبد الله بن وهب عن ابن لهيعة قوية، وهو متابع أيضًا من جابر بن إسماعيل، وهو حسن الحديث فی المتابعات .وباقی رجاله ثقات .عُقَيل :هو ابن خالد، وابن شهاب :هو محمَّد بن مسلم الزهری، وسالم :هو ابن عبد الله بن عمر.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو، تو وہ اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے برتن کے اندر نہ ڈالے (ابنِ ماجہ)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ النَّوْمِ فَأَرَادَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ، فَلا يُدْخِلْ يَدَهُ فِيْ وَضُوْئِهِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ، وَلَا عَلٰى مَا وَضَعَهَا (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے اُٹھے، پھر وہ وضو کرنا چاہے، تو اپنے ہاتھ کو دھونے سے پہلے وضو کے پانی کے اندر داخل نہ کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری، اور نہ یہ جانتا ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کس چیز پر رکھا ہے (ابنِ ماجہ)

ان احادیث میں بھی ہاتھ دھونے کا تو ذکر ہے، مگر دو یا تین مرتبہ دھونے یا نچوڑنے کا ذکر نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز سے ناپاکی کو دُور کرنے کے لئے دھونے کی مخصوص تعداد مثلاً تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں، البتہ اگر پھر بھی کوئی تین مرتبہ دھوئے، تو بہتر ہے، تاکہ سب روایتوں پر عمل ہو جائے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوْا بِهِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعُوْهُ، وَأَهْرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهِ ذَنُوْبًا

---

[1] رقم الحديث ۳۹۵، كتاب الطهارة وسننها، باب :الرجل يستيقظ من منامه، هل يدخل يده فى الإناء قبل أن يغسلها.

فى حاشية سنن ابنِ ماجه:صحيح لغيره دون قوله" :ولا على ما وضعها"، وهذا إسناد ضعيف، زياد ابن عبد الله فى حديثه لين.

وأخرج مسلم (۲۷۸"۸۸")من طريق معقل بن عبيد الله، عن أبى الزبير، عن جابر، عن أبى هريرة، دون قوله" :ولا على ما وضعها."

وهو فى "مسند أحمد(۹۲۳۸)"وفيه تصريح أبى الزبير بالسماع من جابر.

www.idaraghufran.org

مِنْ مَاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ (بخاری) ۱

ترجمہ: ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، تو لوگ اس کی طرف لپکے تاکہ اس کا مؤاخذہ کریں، تو ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دیہاتی کو چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول یا بالٹی ڈال دو، بس تم کو یُسر و آسانی کرنے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، اور تمہیں عُسر و تنگی کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا (بخاری)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوْا إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُزْرِمُوْهُ ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَّاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ (بخاری، رقم الحديث ۶۰۲۵، كتاب الادب، باب الرفق فی الأمر كله)

ترجمہ: ایک دیہاتی مسجد میں پیشاب کرنے لگا، لوگ اس کی طرف دوڑے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پیشاب کرنے سے نہ روکو، پھر ایک ڈول پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا (بخاری)

ان احادیث میں بھی پیشاب پر ایک مرتبہ پانی بہانے کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ پیشاب جیسی نجاست کو دُور کرنے کے لئے دھوتے وقت پانی بہانے کی کوئی تعداد شرط نہیں، بلکہ اس نجاست کو دھو کر دُور کر دینا کافی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُوْ لَهُمْ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ، وَلَمْ يَغْسِلْهُ (بخاری) ۲

---

۱ رقم الحديث ۶۱۲۸، كتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: يسروا ولا تعسروا.

۲ رقم الحديث ۶۳۵۵، كتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة، ومسح رء وسهم.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا، پھران کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعاء کردیا کرتے تھے، پس ایک بچہ کو لایا گیا، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کردیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، پھراس پر وہ پانی ڈال دیا، اوراس کو دھویا نہیں (بخاری)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانَ فَيَدْعُوْ لَهُمْ، وَإِنَّهُ أُتِيَ بِصَبِيٍّ، فَبَالَ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صُبُّوْا عَلَيْهِ الْمَاءَ صَبًّا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۱۹۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا، پھران کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء کردیا کرتے تھے، پس ایک بچہ کو لایا گیا، پھراس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے کپڑوں) پر پیشاب کردیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر پانی ڈال دو (مسند احمد)

حضرت عبید اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ، أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ، إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجْرِهٖ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ (بخاری، رقم الحديث ۲۲۳، كتاب الوضوء، باب بول الصبيان)

ترجمہ: حضرت اُمِ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا اپنے چھوٹے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں، جو کھانا نہیں کھاتا تھا، پس اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گود میں بٹھالیا، پھراس بچہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح من فعله صلى الله عليه وسلم.

www.idaraghufran.org

کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں (بخاری)

حضرت لبابہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَالَ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: اِلْبَسْ ثَوْبًا وَأَعْطِنِيْ إِزَارَكَ حَتّٰى أَغْسِلَهٗ، قَالَ: إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ** (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۷۵، كتاب الطهارة، باب بول الصبی يصيب الثوب) [1]

ترجمہ: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پیشاب کر دیا، میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو پہننے کے لئے کپڑا دے دیتی ہوں، اور آپ اپنی چادر مجھے دے دیجئے، تاکہ میں اس کو دھو دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دھویا تو لڑکی کے پیشاب کو جاتا ہے، اور لڑکے کے پیشاب پر تو پانی ڈال دیا جاتا ہے (ابوداؤد)

اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ جو لڑکا چھوٹی عمر کا ہو کہ ابھی تک دودھ پیتا ہو، کھانا وغیرہ نہ کھاتا ہو، تو اس کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے یا اس پر پانی بہا دینا یا پانی کی چھینٹیں مار دینا کافی ہے؟

بہت سے فقہائے کرام پانی بہا دینے یا پانی کی چھینٹیں مار دینے کو کافی قرار دیتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک دھونا ضروری ہے، البتہ ہلکا پھلکا دھونا کافی ہے، اور مذکورہ احادیث کا مطلب حنفیہ کے نزدیک ہلکا پھلکا دھونا ہی ہے۔

لیکن بہرحال اس میں شک نہیں کہ مذکورہ احادیث میں لڑکے یا لڑکی کے پیشاب کو دھونے

---

[1] فی حاشية سنن ابی داؤد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

کے لئے تین مرتبہ پانی ڈالنے یا نچوڑنے کی قید نہیں لگائی گئی، بلکہ بعض صورتوں میں پانی ڈالنے اور بعض صورتوں میں دھونے کا ذکر کیا گیا۔ [1]

---

[1] (فدعا بماء فأتبعه إياه) بقطع الهمزة وسكون الفوقية صبه عليه حتى غمره من غير إسالة بدليل قوله (ولم يغسله)(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى للقسطلانى، ج۹ ص۲۰۳، كتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رء وسهم)

(فدعا بماء فنضحه) بالضاد المعجمة والحاء المهملة.

قال الجوهرى وصاحب القاموس وصاحب المصباح النضح الرش وقال بن الأثير وقد نضح عليه الماء ونضحه به إذا رشه عليه وقد يرد النضح بمعنى الغسل والإزالة ومنه الحديث ونضح الدم عن جبينه.

وحديث الحيض ثم لتنضحه أى تغسله انتهى مختصرا.

وقال فى لسان العرب النضح الرش نضح عليه الماء ينضحه نضحا إذا ضربه بشىء فأصابه منه رشاش.

وفى حديث قتادة النضح من النضح يريد من أصحابه نضح من البول وهو الشىء اليسير منه فعليه أن ينضحه بالماء وليس عليه غسله.

قال الزمخشرى هو أن يصيبه من البول رشاش كرؤس الإبر.

وقال بن الأعرابى النضح ما كان على اعتماد وهو ما نضحته بيدك معتمدا والنضح ما كان على غير اعتماد وقيل هما لغتان بمعنى واحد وكله رش وانتضح نضح شيئا من ماء على فرجه بعد الوضوء والانتضاح بالماء وهو أن يأخذ ماء قليلا فينضح به مذاكيره ومؤتزره بعد فراغه من الوضوء لينفى بذلك عنه الوسواس انتهى ملخصا.

والحاصل أن النضح يجىء لمعان منها الرش ومنها الغسل ومنها الإزالة ومنها غير ذلك لكن استعماله بمعنى الرش أكثر وأغلب وأشهر حتى لا يفهم غير هذا المعنى إلا بقرينة تدل على ذلك ولا يخفى عليك أن الرش غير الغسل فإن الرش أخف من الغسل وفى الغسل استيعاب المحل المغسول بالماء لإنقاء ذلك المحل ولإزالة ماهناك والنضح يحصل إذا ضربت المحل بشىء من ماء فأصاب رشاش من الماء على ذلك المحل وليس المقصود من النضح ما هو المقصود من الغسل بل الرش أدون وأنقص من الغسل (ولم يغسله) وهذا تأكيد لمعنى النضح أى اكتفى على النضح والرش ولم يغسل المحل المتلوث بالبول.

والحديث أخرجه مالك فى الموطأ بهذا اللفظ ومن طريقه البخارى مثله سندا ومتنا.

وفى رواية لمسلم فنضحه على ثوبه ولم يغسله غسلا وفى لفظ له ولابن ماجه فدعا بماء فرشه وفى لفظ له فلم يزد على أن نضح بالماء وفى هذه الروايات رد على الطحاوى والعينى حيث قالا إن المراد بالنضح فى هذا الحديث الغسل.

وحديث أم قيس هذا أخرجه مالك والبخارى ومسلم والترمذى وبن ماجه والطحاوى والدارمى (عون المعبود، ج۲ ص۲۶، باب بول الصبى يصيب الثوب)

Idara Ghufran

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّا نُجَاوِرُ أَهْلَ الْكِتَابِ وَهُمْ يَطْبُخُوْنَ فِيْ قُدُوْرِهِمُ الْخِنْزِيْرَ وَيَشْرَبُوْنَ فِيْ آنِيَتِهِمُ الْخَمْرَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَكُلُوْا فِيْهَا وَاشْرَبُوْا، وَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اہلِ کتاب کے پڑوسی ہیں، اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں، اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (اگر ہم ان کے یہ برتن استعمال کریں تو کیا حکم ہے؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن ہوں، تو اُن برتنوں میں کھاؤ اور پیو، اور اگر تمہارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ہوں، تو اُن (کے خنزیر اور شراب والے برتنوں کو) پانی مارلو، اور (ان برتنوں میں) کھاؤ اور پیو (ابوداؤد)

شراب اور خنزیر کے گوشت والے برتنوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مار لینے یا پانی سے دھو لینے کا تو حکم دیا، مگر اس میں بھی کسی خاص تعداد کا ذکر نہیں کیا کہ مثلاً اتنی مرتبہ ان برتنوں کو پانی سے دھوؤ، جبکہ شراب غیر دَلدَار نجاست ہے، اور خنزیر کی نجاست سخت اور شدید ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٨٣٩، كتاب الأطعمة، باب الأكل فى آنية أهل الكتاب.
قال شعيب الارنؤوط فى حاشية ابى داؤد: حديث صحيح.

[2] البتہ بعض احادیث میں کتے کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، اور ان احادیث کے پیشِ نظر بعض فقہائے کرام کتے کی نجاست کو سات مرتبہ ہی دھونے کے قائل ہیں، مگر حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا، جب کتے کی نفرت دلوں میں بٹھانا مقصود تھا، اور اسی وجہ سے اس دور میں کتوں کو قتل کرنے کا بھی حکم دیا گیا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

المراد النهى عن الأكل فى آنيتهم التى كانوا يطبخون فيها لحم الخنزير ويشربون الخمر كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ رَجُلًا أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِمَكَانِ ابْنَتِهِ، فَسَأَلَ فَقَالَ: تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ** (بخاری) [1]

ترجمہ: مجھے کثرت سے مذی خارج ہوتی تھی، تو میں نے ایک آدمی کو کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، آپ کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صرح به فى رواية أبى داود وإنما نهى عن الأكل فيها بعد الغسل للاستقذار وكونها معتادة للنجاسة كما يكره الأكل فى المحجمة المغسولة(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۱۳ ص ۸۰، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان،باب الصيد بالكلاب المعلمة)

عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال " :يغسل الإناء إذا ولغ فيه الكلب سبع مرات :أولاهن أو أخراهن بالتراب، وإذا ولغت فيه الهرة غسل مرة "قال الترمذى:هذا حديث حسن صحيح، وهو قول الشافعى، وأحمد، وإسحاق، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه :إذا ولغت فيه الهرة غسل مرة، وفى الباب عن عبد الله بن مغفل(سنن الترمذى،رقم الحديث ۹۱)

أنها محمولة على ابتداء الإسلام،قلعا لهم عما ألفوه من مخالطة الكلاب، فقال النبى -عليه السلام- هذا القول للتغليظ عليهم، ولهذا أمر بقتل الكلاب أيضا، ثم رخص فى كلب الصيد وفى كلب الغنم، كما روى فى البخارى مثله.وقال الطحاوى -وهو إمام فى الحديث، عالم بمعانيه وعلله -: ثبت بذلك -أى :بما روى عن أبى هريرة من حديث عبد الملك -نسخ السبع؛لأنا نحسن الظن بأبى هريرة، ولا يجوز عليه أن يترك ما سمعه من النبى -عليه السلام-، وإلا سقطت عدالته، ولم تقبل روايته، بل كان يجب على الخصم المخالف أن يعمل بحديث عبد الله بن المغفل، عن النبى-عليه السلام " :-إذا ولغ الكلب فى الإناء فاغسلوه سبع مرات، والثامنة عفروه بالتراب "؛ لأنه قد زاد على السبع، والأخذ بالزائد أوجب عملابالحديثين، وهم لا يقولون به، فثبت أنه منسوخ.وقال الخطابى فيه دليل على أن الكلب نجس الذات ."قلنا :نسلم أن فيه دليلا على أن الكلب نجس، ولكن لا نسلم أنه نجس الذات؛ لأن هذا قدر زائد ليس فى الحديث دلالة عليه، وفرغ على كلامه أن بيع الكلب حرام .وقال أيضا " : وفيه البيان الواضح أنه لا يطهره -أى الإناء - أقل من عدد السبع، وأن تعفيره بالتراب واجب .قلنا :كما ورد السبع ورد الثلاث كما بينا، والأمر بالتعفير محمول على الندب(شرح سنن أبى داود،لبدر الدين العينى،ج ۱ ،ص ۲۱۳ ،باب :الوضوء بسؤر الكلب)

[1] رقم الحديث ۲۶۹ ،كتاب الغسل،باب غسل المذى والوضوء منه.

Idara Ghufran

وجہ سے (مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنے میں حیا آتی تھی) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کر لیجئے اور اپنے ذَکَر (یعنی عضوِ مخصوص) کو دھو لیجئے (بخاری)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذی لگنے کی صورت میں عضوِ مخصوص کو دھونے کا حکم فرمایا، لیکن اس کو دھونے کے لئے کوئی خاص تعداد ذکر نہیں فرمائی۔

مذکورہ اور اس جیسی احادیث کی روشنی میں کئی فقہائے کرام نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ میں لگی ہوئی نجاست کو پاک کرنے کے لئے اس کو پانی سے دھونا ضروری ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق جس طرح پانی سے نجاست کو پاک کرنے کے لئے دھونا درست ہے، اسی طرح پانی کے علاوہ کسی اور پاک بہنے والی چیز سے نجاست کو دھو کر پاک کرنا بھی درست ہے، جیسا کہ عرقِ گلاب، سرکہ، پٹرول، مٹی کا تیل اور دوسرے بہنے والے اور پتلے کیمیکلز وغیرہ سے (خواہ پانی سے بالکل بھی نہ دھویا جائے) کیونکہ کئی احادیث میں دھونے کا ذکر ہے، پانی سے دھونے کی قیود ذکر نہیں، اور بعض روایات میں تھوک سے دھونے کا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔

اور بعض احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن میں پانی کے علاوہ زمین، مٹی وغیرہ سے جوتے وغیرہ کی نجاست کے صاف کرنے اور پونچھنے پر اکتفاء کرنے کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود نجاست و ناپاکی کو دور کرنا ہے، خواہ یہ مقصد پانی کے ذریعہ دھونے سے حاصل ہو جائے یا کسی اور چیز کے ذریعہ سے۔ [1]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز إزالة النجاسة من الثوب والبدن بالخل، فالطهارة من النجاسة لا تحصل عندهم إلا بما تحصل به الطهارة من الحدث، لدخولها فى عموم الطهارة، وهذا قول المالكية والشافعية، وهو أصح الروايتين عند الحنابلة، وقول محمد بن الحسن، وزفر من الحنفية، واستدلوا بقوله تعالى :(وأنزلنا من السماء ماء طهورا) ، (وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به)، قال النووى :ذكره سبحانه وتعالى امتنانا فلو حصلت الطهارة بغيره لم يحصل الامتنان به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جو چیز ناپاک ہوجائے، اس کو پاک کرنے کے لئے شریعت کی طرف سے زیادہ تکلُّف کی تعلیم نہیں دی گئی، بلکہ اس کا طریقہ بہت آسان رکھا گیا ہے۔

ناپاک چیز کو پاک کرنے کا طریقہ چاروں فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ جب کسی چیز کو دھونے سے اس میں سے غالب گمان کے مطابق نجاست کا ذائقہ ختم ہوجائے، خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یا زیادہ مرتبہ دھونے سے، تو وہ چیز پاک ہوجاتی ہے، اور اگر بآسانی نجاست کے رنگ اور بدبو کو دور کرنا ممکن ہو، تو یہ بھی ضروری ہے، لیکن تین مرتبہ دھونا یا نچوڑنا وغیرہ ضروری نہیں۔

اور اگر نجاست کا رنگ اور بدبو، دُور کرنا مشکل ہو تو، پھر ان چیزوں کا دُور کرنا ضروری نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولما ورد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا أصاب ثوب إحداكن الدم من الحيضة فلتقرصه، ثم لتنضحه بماء ثم لتصلى فيه. ولم ينقل عن النبى صلى الله عليه وسلم جواز إزالة النجاسة بغير الماء ، فلو جاز بغير الماء لبينه مرة فأكثر.

وقال أبو حنيفة وأبو يوسف وهو رواية عندالحنابلة :يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن إزالتها به، كالخل وماء الورد ونحوهما مما إذا عصر انعصر بخلاف الدهن والزيت واللبن والسمن.

واحتج لهم بحديث عائشة رضى الله عنها قالت :ما كان لإحدانا إلا ثوب واحد تحيض فيه، فإذا أصابه شىء من دم قالت بريقها فقصعته بظفرها وبحديث أبى سعيد الخدرى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إذا جاء أحدكم إلى المسجد فلينظر، فإن رأى فى نعليه قذرا أو أذى فليمسحه، وليصل فيهما . وموضع الدلالة أنها طهارة بغير الماء ، فدل على عدم اشتراطه؛ ولأن الخل ونحوه من المائعات الطاهرة قالع للنجاسة ومزيل لها كالماء فيأخذ حكمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۲۶۲، مادة "خل")

[1] وذهب المالكية إلى أنه يطهر محل النجاسة بغسله من غير تحديد عدد، بشرط زوال طعم النجاسة ولو عسر، لأن بقاء الطعم دليل على تمكن النجاسة من المحل فيشترط زواله، وكذلك يشترط زوال اللون والريح إن تيسر .ذلك، بخلاف ما إذا تعسر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۹۹، مادة "طهارة ")

ولا يشترط فى الغسل استعمال الصابون وغيره، وإنما يكفى استعمال الماء البارد حتى يغلب على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر وہ نجاست کوئی عین چیز ہے، جس کا جسم وغیرہ موجود ہے، جیسا کہ پاخانہ، تو اتنا دھونا کافی ہے کہ اس نجاست کا ذائقہ ختم ہوجائے، اور اگر ذائقہ ختم نہ ہو تو تین مرتبہ دھونا ضروری ہوتا ہے، اور اگر وہ نجاست کوئی عین چیز نہ ہو، جس کا جسم اور ذائقہ وغیرہ نہیں ہوتا، جیسا کہ خشک شدہ پیشاب وغیرہ، تو اس پر ایک مرتبہ پانی ڈالنا یا بہانا کافی ہوجاتا ہے، خواہ یہ مقصد بارش کے پانی سے ہی کیوں نہ حاصل ہو، البتہ تین مرتبہ دھونا بہتر ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الظن زوال النجاسة .كما لا يشترط تثليث الغسل ولا العرک ولا العصر ولا النية، وإنما يشترط إزالة طعم النجاسة فقط؛ فبقاء الطعم لا يطهر الثوب أو الإناء أو المحل، أما بقاء اللون أو الريح إن تعسر زوالهما فلا يضر(فقه العبادات على المذهب المالكی، للحاجّة کوکب عبيد مالکی، ج ۱ ص ۴۲، کتاب الطهارة، الباب الثانی)

[1] وذهب الشافعية إلى التفريق بين أن تكون النجاسة عينا أو ليست بعين.

فإن كانت النجاسة عينا فإنه يجب إزالة الطعم، ومحاولة إزالة اللون والريح، فإن عسر زوال الطعم، بأن لم يزل بحت أو قرص ثلاث مرات عفی عنه ما دام العسر، ويجب إزالته إذا قدر، ولا يضر بقاء لون أو ريح عسر زواله فيعفى عنه، فإن بقيا معا ضر على الصحيح، لقوة دلالتهما على بقاء عين النجاسة.

وإن لم تكن النجاسة عينا -وهی ما لا يدرک لها عين ولا وصف، سواء أكان عدم الإدراک لخفاء أثرها بالجفاف، كبول جف فذهبت عينه ولا أثر له ولا ريح، فذهب وصفه، أم لا، لكون المحل صقيلا لا تثبت عليه النجاسة كالمرآة والسيف -فإنه يكفی جری الماء عليه مرة، وإن لم يكن بفعل فاعل كمطر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۹۹، ۱۰۰، مادة ”طهارة“ )

النجاسة على قسمين حكمية وعينية، فالحكمية كبول جف، ولم يدرک له صفة، يكفی جری الماء عليها مرة والعينية يجب إزالة صفاتها من طعم ولون وريح إلا ما عسر زواله من لون أو ريح، فلا يجب إزالته بل يطهر المحل، أما إذا اجتمعا فتجب إزالتهما مطلقا لقوة دلالتهما على بقاء العين كما يدل على بقائها بقاء الطعم وحده وإن عسر زواله(الإقناع فی حل ألفاظ أبی شجاع للخطيب الشربينی، مع حاشية البجيرمی على الخطيب، ج ۱ ص ۳۱۶، ۳۱۷، کتاب بيان احكام الطهارة، فصل فی ازالة النجاسة)

أما المسائل فإحداها الأعيان النجسة كالميتة والروث وغيرهما لا يطهر بالغسل بل إذا وقعت على طاهر ونجسته لا يمكن تطهيره حتى تزول عين النجاسة وهكذا إذا اختلطت هذه النجاسات بتراب وغيره فصب عليه الماء لم يطهر قال أصحابنا ولا طريق إلى طهارة هذه الأرض إلا بأن يحفر ترابها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور حنابلہ کے نزدیک ناپاک چیز کو خواہ وہ خنزیر اور کتے کی نجاست کیوں نہ ہو، جب سات مرتبہ دھودیا جائے، تو وہ چیز بہرحال پاک ہوجاتی ہے، جبکہ بعض حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کتے اور خنزیر کی نجاست کے علاوہ دوسری نجاستوں کو دھونے میں تعداد شرط نہیں، بلکہ نجاست کے زائل اور اس کے ذائقہ کے ختم ہونے تک دھونے سے وہ چیز پاک ہوجاتی ہے، اور اگر ممکن ہو تو نجاست کا رنگ اور بدبو کا بھی ختم ہونا ضروری ہے، خواہ یہ مقصود ایک مرتبہ دھونے سے حاصل ہو، یا زیادہ مرتبہ دھونے سے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويرمى فلو ألقى عليها ترابا طاهرا أو طينها صحت الصلاة عليها :الثانية إذا كانت النجاسة ذائبة كأثر البول والدم والخمر وغيرها استحب غسلها ثلاث مرات والواجب مرة واحدة ودليلهما ما ذكره المصنف وعن أحمد ابن حنبل رواية أنه يجب غسل النجاسة كلها سبع مرات كالكلب ودليلنا حديث ابن عمرو هو صريح فى المرة وإطلاق الأحاديث الصحيحة المشهورة كحديث غسل دم الحيض (وصبوا عليه ذنوبا من ماء) وغير ذلك وبمذهبنا قال الجمهور قال أصحابنا فإن لم يزل عين الدم أو طعمه أو طعم سائر النجاسات إلا بغسلات كفاه زوال العين ويستحب بعد ذلك غسله ثانية وثالثة لحديث (إذا استيقظ أحدكم) (المجموع شرح المهذب، ج٢، ص ٥٩٢، كتاب الحيض، باب ازالة النجاسة)

[1] ولم يفرق الحنابلة فى أصل المذهب بين النجاسة المرئية وغيرها وقالوا :بوجوب الغسل سبعا، وإن لم ينق المحل المتنجس بالسبع زاد حتى ينقى المحل، لكن نص أحمد فى رواية أبى داود واختاره فى المغنى أنه لا يجب فى الغسل عدد اعتمادا على أنه لم يصح عن النبى صلى الله عليه وسلم شىء فى غير الكلب لا فى قوله ولا فى فعله والعبرة بالإنقاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٤، ص ١٥١، مادة "تنجيس")

وذهب الحنابلة إلى أنه تطهر المتنجسات بسبع غسلات منقية، لقول ابن عمر رضى الله تعالى عنهما :أمرنا أن نغسل الأنجاس سبعا وقد أمر به فى نجاسة الكلب، فيلحق به سائر النجاسات، لأنها فى معناها، والحكم لا يختص بمورد النص، بدليل إلحاق البدن والثوب به.

قال البهوتى :فعلى هذا يغسل محل الاستنجاء سبعا كغيره، صرح به القاضى والشيرازى وابن عقيل، ونص عليه أحمد فى رواية صالح، لكن نص فى رواية أبى داود، واختاره فى المغنى :أنه لا يجب فيه عدد، اعتمادا على أنه لم يصح عن النبى صلى الله عليه وسلم فى ذلك شىء، لا فى قوله ولا فعله. ويضر عندهم بقاء الطعم، لدلالته على بقاء العين ولسهولة إزالته ويضر كذلك بقاء اللون أو الريح أو هما معا إن تيسر إزالتهما، فإن عسر ذلك لم يضر.

وهذا فى غير نجاسة الكلب والخنزير، أما نجاستهما فللفقهاء فيها تفصيل آخر سيأتى بيانه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٩، ص١٠٠، مادة "طهارة") ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ وہ نجاست جو کہ جرم رکھتی ہے، یعنی وہ دَلدار ہے، خواہ وہ غلیظہ نجاست ہو یا خفیفہ، اس کے پاک ہونے کے لئے اتنا دھونا کافی ہے کہ اس نجاست کا جسم اس کپڑے سے دور کر دیا جائے، خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یہ مقصود حاصل ہو جائے، یا زیادہ مرتبہ دھونے سے حاصل ہو، اور کوشش کے بعد نجاست کے رنگ وغیرہ کا اثر باقی رہنا نقصان دہ نہیں۔ [۱]

اور جو نجاست ایسی ہو کہ جو جرم نہیں رکھتی، یعنی وہ دَلدار نہیں ہے، جیسا کہ پیشاب، شراب وغیرہ، تو اس کو اتنا دھونا کافی ہو جاتا ہے کہ دھونے والے کو اس چیز کے پاک ہونے کا غالب گمان حاصل ہو جائے، خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھونے سے، بہرحال جب بھی دھونے والے کے گمان کے مطابق وہ ناپاک چیز پاک ہو جائے، تو وہ ناپاک چیز پاک سمجھی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی وسوسوں کا مریض ہو، جس کو کئی مرتبہ دھو کر بھی اطمینان حاصل نہ ہوتا ہو، تو اس کے

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القسم الثانی :نجاسة غیر الکلب والخنزیر، ففیها روایتان :إحداهما یجب العدد فیها قیاسا علی نجاسة الولوغ، وروی عن ابن عمر،، أنه قال :أمرنا بغسل الأنجاس سبعا . فینصرف إلی أمر النبی -صلی الله علیه وسلم -.

والثانیة، لا یجب العدد، بل یجزء فیها المکاثرة بالماء من غیر عدد، بحیث تزول عین النجاسة، وهذا قول الشافعی(المغنی لابنِ قدامة، ج ۱ ص ۴۰، کتاب الطهارة)

[۱] المرئیة فطهارة محلها زوال عینها؛ لأن تنجس المحل باعتبار العین فیزول بزوالها ولو بمرة کما جزم به فی الکنز واعتمده الزیلعی وقیل لا یطهر ما لم یغسله ثلاثا بعد زوال العین لأنه بعد زوال العین التحق بنجاسة غیر مرئیة غسلت مرة .اهـ.

قال فی الخلاصة :إنه خلاف ظاهر الروایة وهذا هو الذی اعتمده المصنف کما تعطیه عبارته؛ لأنه حکی ما جزم به صاحب الکنز وغیره بصیغة قیل (منحة الخالق علی البحر الرائق، ج ۱، ص ۲۴۸، باب الانجاس)

مواد إزالة النجاسة المرئیة تطهر بزوال عینها بکل مائع طاهر مزیل کالخل وماء الورد والماء المستعمل. العفو فی الإزالة والأثر الذی یشق إزالته عفو.

إزالة غیر المرئی وغیر المرئیة تطهر بالغسل الذی یغلب علی الظن الزوال به (تحفة الملوک، ج ۱، ص ۳۹، و ۴۰، فصل فی إزالة النجاسة)

www.idaraghufran.org

لئے تین مرتبہ دھونا کافی ہوجاتا ہے، ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ [1]

---

[1] وإن كانت النجاسة غير مرئية على المتنجس فذهب الحنفية إلى عدم طهارتها إلا بالغسل ولو دون الثلاث وهو مفوض إلى غالب رأيه وأكبر ظنه بأنها طهرت وليست الغسلات الثلاث بلازمة، وذهب المالكية إلى أنه إذ ميز موضع النجاسة من الثوب والبدن غسله وحده، وإن لم يميز غسل الجميع.

وذهب الشافعية إلى أنه يكفى فى التطهير فى هذه الحالة جرى الماء على موضع النجاسة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۵۱، مادة "تنجيس")

تقدير إزالة النجاسة بثلاث غسلات فى حق الموسوس:

المفتى به عند الحنفية كما قال الحصكفى وغيره، أن طهارة محل النجاسة المرئية بقلعها، ولا يضر بقاء أثر لازم، وطهارة محل نجاسة غير مرئية تحصل بغلبة ظن غاسلها طهارة محلها. ويقدر ذلك فى حق الموسوس بغسل وعصر ثلاثا فيما ينعصر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص ۱۵۴، مادة وسوسة)

(و) يطهر محل (غيرها) أى: غير مرئية (بغلبة ظن غاسل) لو مكلفا وإلا فمستعمل (طهارة محلها) بلا عدد به يفتى. (وقدر) ذلك لموسوس (بغسل وعصر ثلاثا) أو سبعا (فيما ينعصر) مبالغا بحيث لا يقطر (الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۳۱، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

( وإن لم تكن النجاسة مرئية يغسلها حتى يغلب على ظنه أن قد طهر ) وهذا إذا لم يكن لها ريح فإن كان يجب الغسل إلى زاله إلا ما يشق وهكذا الطعم ( وقيل إذا غسل ) الثوب من غير المرئية ( مرة وعصر بالمبالغة يطهر ) كما هو قول الشافعى ( وقيل إنه لا يطهر ما لم يغسل ثلاث مرات ويعصر فى كل مرة والفتوى على الأول ) إنه يعتبر غلبة الظن لكن جعلوا الثلاث قائمة مقام غلبة الظن قطعا للوسوسة فلهذا ذكروا الثلاث فى أكثر الكتب (منية المصلى، ج ۱ ص ۱۰۷، كتاب الطهارة)

لكن المعتبر۔ كما أبنت وكما أوضح ابن عابدين ۔ فى تطهير النجاسة المرئية: زوال عينها، ولو بغسلة واحدة، ولو فى إناء واحد (إجانة: إناء تغسل فيه الثياب) فلا يشترط فيها تثليث غسل ولا عصر. وأما غير المرئية فالمعتبر فيها غلبة الظن فى تطهيرها، بلا عدد، على المفتى به، وقيل: مع شرط التثليث.

وهذا المفتى به عند الحنفية يقترب من مذهب المالكية القائلين بإزالة عين النجاسة.

وقال الشافعية: يشترط ورود الماء، لا العصر فى الأصح. أى يشترط ورود الماء على محل النجاسة، إن كان الماء قليلاً، لئلا يتنجس الماء لو عكس الأمر، لأن الماء ينجس بمجرد وقوع النجاسة فيه. فلو وضع ثوباً فى إجَّانة وفيه دم معفو عنه، وصب الماء عليه تنجس بملاقاته، وتجب المبالغة فى الغرغرة عند غسل فمه المتنجس، ويحرم ابتلاع نحو طعام قبل ذلك.

هذا ...وقد اتفق الحنفية مع غيرهم على أن المتنجس إذا غسل فى ماء جار، أو غدير (أى ماء كثير له حكم الجارى) أو صب عليه ماء كثير، أو جرى عليه الماء، طهر مطلقاً، بلا شرط عصر وتجفيف، وتكرار غمس، لأن الجريان بمنزلة التكرار والعصر (الفقه الإسلامى وأدلته، لوهبة بن مصطفى الزحيلى، ج ۱، ص ۳۳۷، الباب الأول: الطهارات، الفصل الثانى، المبحث الثالث)

www.idaraghufran.org

جبکہ بعض حنفیہ کے نزدیک خواہ کوئی وسوسوں کا مریض ہو، یا نہ ہو، ایسی غیر دلدار اور غیر جسم دار ناپاک چیز کو اگر کسی تغاری وغیرہ جیسے برتن میں دھوئے، تو اس تغاری میں پاک پانی تین مرتبہ ڈال کر ہر مرتبہ نچوڑنا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ وہ چیز ایسی ہو کہ جس کو نچوڑنا ممکن ہو۔

لیکن اگر اس نجس وناپاک چیز پر غیر معمولی پانی ڈالا جائے، جیسا کہ کسی لوٹے، پائپ یا ٹونٹی وغیرہ سے آج کل پانی ڈالا جاتا ہے، یا پھر اس ناپاک چیز کو چلتے پانی یعنی ''ماءِ جاری'' یا زیادہ پانی یعنی ''ماءِ کثیر'' میں دھویا جائے، تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج کل جو ناپاک چیز کو دھوتے وقت ہر حال میں تین مرتبہ دھونا اور پھر اوپر سے نچوڑنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اس میں بہت سختی اور تشدُّد سے کام لیا جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ [2]

---

[1] قال فی الفتح :وینبغی تقیید الخزف العتیق بما إذا تنجس رطبا وإلا فهو کالجدید؛ لأنه یشاهد اجتذابه اهـ وقالوا فی البساط النجس إذا جعل فی نهر لیلة طهر قال فی البحر :والتقیید باللیلة لقطع الوسوسة وإلا فالمذکور فی المحیط أنه إذا أجری علیه الماء إلی أن یتوهم زوالها طهر؛ لأن إجراء الماء یقوم مقام العصر اهـ ولم یقیده باللیلة .اهـ .ومثله فی الدر المنتقی عن الشمنی وابن الکمال(رد المحتار، ج ۱ ،ص ۳۳۲، کتاب الطهارة،باب الأنجاس)

(و) قدر (بتثلیث جفاف) أی :انقطاع تقاطر (فی غیره) أی :غیر منعصر مما یتشرب النجاسة وإلا فبقلعها کما مر، وهذا کله إذا غسل فی إجانة، أما لو غسل فی غدیر أو صب علیه ماء کثیر، أو جری علیه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غمس هو المختار(الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۳۲، ۳۳۳، کتاب الطهارة،باب الأنجاس)

[2] ملحوظ رہے کہ حنفیہ کے نزدیک نجاستِ مرئیہ کے پاک ہونے کے لئے تو اس نجاست کے عین کا زوال کافی ہے، اور نجاستِ غیر مرئیہ کے لئے پاک ہونے کا غلبۂ ظن کافی ہے؟ یا تین مرتبہ دھونا اور کسی چیز کو نچوڑنا ممکن ہو، تو تین مرتبہ نچوڑنا بھی ضروری ہے؟ حنفیہ کی یہ دونوں روایات ہیں۔

مشائخِ عراقیین کی اختیار کردہ روایت غلبۂ ظن کی ہے، اور تین مرتبہ کے عدد کی روایت مشائخِ بخاریین کی اختیار کردہ ہے، اور اگرچہ بہت سے مشائخ نے مشائخِ بخاریین کی روایت کو اختیار کیا ہے، اور اسی کے مطابق بعض اردو کتبِ فقہ وفتاویٰ میں مسئلہ تحریر کیا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس بہت سے مشائخ نے مشائخِ عراقیین کی روایت کو اختیار کیا ہے، اور تین مرتبہ کے عدد کو مُوسوسین کے لئے متعین کر کے دونوں روایات میں تطبیق دی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# چمڑے، جوتے اور ٹھوس چیز کو پاک کرنے کا طریقہ

اگر کسی ایسی ٹھوس چیز میں نجاست لگ جائے، جس میں دلدار اور جسم دار نجاست بآسانی سرایت نہیں کرتی اور جذب نہیں ہوتی، جیسا کہ چمڑا، ربڑ، لکڑی کی کوئی چیز، دیوار وغیرہ، تو کئی احادیث سے اس کی بھی گنجائش ملتی ہے کہ اس نجاست کو اگر دھویا نہ جائے، بلکہ صاف کر دیا جائے، تو بھی وہ چیز پاک ہو جاتی ہے، کیونکہ اصل مقصود نجاست کا دُور کرنا ہے، اور یہاں یہ مقصود دھونے کے بجائے صاف کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دلائل میں غور کرنے سے ہمیں بھی مشائخِ عراقیین کی روایت اور تطبیق راجح معلوم ہوئی، کیونکہ نجاستِ حکمیہ اور نجاستِ حقیقیہ میں کسی جگہ پاکی حاصل ہونے کے لئے تثلیث کی شرط کسی مستند مرفوع حدیث میں نظر سے نہیں گزری، البتہ جاگ کر بیدار ہونے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں تثلیث کا ذکر ہے، لیکن بعض روایات میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ کا ذکر ہے، اور بعض روایات میں تعداد کا مطلق ذکر نہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ حضرت ابنِ عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی روایات میں بھی تعداد کا ذکر نہیں، اور یہ اطلاق تکرار کا مقتضی نہیں ہوسکتا، نیز دیہاتی کے مسجدِ نبوی میں پیشاب پر بھی ایک مرتبہ پانی بہانے کا احادیث میں ذکر ہے، جبکہ پیشاب غیر دَلدار نجاست میں داخل ہے، اسی طرح شراب، اور خنزیر والے برتن کو بھی تثلیث کی قید کے بغیر مطلق دھونے کا ذکر ہے، اور شراب بھی غیر دلدار نجاست میں داخل ہے، اور خنزیر کی نجاست زیادہ شدید ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں ہاتھوں پر صرف پانی ڈالنے کا ذکر ہے، جس کے پیشِ نظر نجاستِ حکمیہ (وضو، غسل) کی طرح یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ پاک ہونے کے لئے فرض درجہ میں ایک مرتبہ بھی دھونا کافی ہے، جبکہ نجاست دور ہونے کا غلبۂ ظن حاصل ہو جائے، اور دو یا تین مرتبہ کی تعداد افضل ہے، اور تثلیث کی قید مُوسوسین کے علاج کے طور پر ہے، البتہ اگر خود سے کوئی غیر مُوسوس بھی تثلیث پر عمل کرے، یا اس قول کو اپنے نزدیک راجح سمجھے، تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں، بلکہ احوط ہے، لیکن عوام کے لئے اوسع وارفق اور مفتیٰ بہ قول تثلیث کی شرط کے بجائے غلبۂ ظن والا ہی ہونا چاہئے، بالخصوص جبکہ دھونے والا خواہ دھوبی ہو یا غیر دھوبی، اپنے اپنے طریقہ پر ناپاک چیزوں کو غلبۂ ظن کے مطابق ہی پاک کرتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ غلبۂ ظن کا تعلق دھونے والے سے ہے نہ کہ استعمال کرنے والے سے، اور امت کا مجموعی تعامل بھی اسی پر ہے کہ وہ تثلیث کی تحقیق کئے بغیر دوسرے بلکہ غیر مسلم کے دُھلے ہوئے لباس کو استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، اور دنیا بھر میں نمازی اور غیر نمازی دوسروں کے دھلے ہوئے کپڑوں کو استعمال کرتے ہیں، اور ضروری نہیں کہ دھونے والے سب افراد مسلمان ہوں یا سب تین مرتبہ دھونے کا اہتمام کرتے ہوں، اور سب کے لئے تثلیث کی قید لگانے میں بڑا حرج پایا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَلْيَنْظُرْ فِي نَعْلَيْهِ، فَإِنْ رَأَى فِيهِمَا قَذَرًا أَوْ قَالَ: أَذًى فَلْيَمْسَحْهُمَا وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۱۸۷۷) [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمفتى به اعتبار غلبة الظن من غير تقدير بعدد كما صرح به فى منية المصلى وصرح الإمام الكرخى فى مختصره بأنه لو غلب على ظنه أنها قد زالت بمرة أجزأه واختاره الإمام الإسبيجابى وذكر فى البدائع أن التقدير بالثلاث ليس بلازم بل هو مفوض إلى رأيه وفى السراج اعتبار غلبة الظن مختار العراقيين والتقدير بالثلاث مختار البخاريين والظاهر الأول إن لم يكن موسوسا، وإن كان موسوسا فالثانى .اهـ(البحر الرائق، ج ۱،ص ۲۴۹، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(قوله :والظاهر الأول إن لم يكن موسوسا إلخ) قال فى النهر وهو توفيق حسن (قوله وهو أرفق) فى قال التتارخانية وفى النوازل وعليه الفتوى(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۱،ص ۲۵۰، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(قوله :وما ليس لها عين مرئية فطهارتها أن تغسل حتى يغلب على ظن الغاسل أنها قد طهرت) لأن التكرار لا بد منه للاستخراج ولا يقطع بزواله فاعتبر غلبة الظن فإن غسلها مرة وغلب على ظنه أنها قد زالت أجزأه؛ لأنها إذا لم تكن مرئية فالمعتبر غلبة الظن(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۳۹، كتاب الطهاراة، باب الانجاس)

أقول ظاهر الرواية، والمفتى به فى الغسل اعتبار غلبة الظن من غير تقدير بعدد ما لم يكن موسوسا فيقدر بالثلاث(حاشية الشرنبلالى، ج ۱،ص ۴۵،باب تطهير الأنجاس)

أقول :لكن قد علمت أن المعتبر فى تطهير النجاسة المرئية زوال عينها ولو بغسلة واحدة ولو فى إجانة كما مر، فلا يشترط فيها تثليث غسل ولا عصر، وأن المعتبر غلبة الظن فى تطهير غير المرئية بلا عدد على المفتى به أو مع شرط التثليث على ما مر، ولا شك أن الغسل بالماء الجارى وما فى حكمه من الغدير أو الصب الكثير الذى يذهب بالنجاسة أصلا ويخلفه غيره مرارا بالجريان أقوى من الغسل فى الإجانة التى على خلاف القياس؛ لأن النجاسة فيها تلاقى الماء وتسرى معه فى جميع أجزاء الثوب فيبعد كل البعد التسوية بينهما فى اشتراط التثليث، وليس اشتراطه حكما تعبديا حتى يلتزم وإن لم يعقل معناه، ولهذا قال الإمام الحلوانى على قياس قول أبى يوسف فى إزار الحمام :إنه لو كانت النجاسة دما أو بولا وصب عليه الماء كفاه، وقول الفتح إن ذلك لضرورة ستر العورة كما مر رده فى البحر بما فى السراج، وأقره فى النهر وغيره. (قوله : فى غدير) أى : ماء كثير له حكم الجارى (ردالمحتار، ج ۱ ، ص ۳۳۳، كتاب الطهارة، باب الأنجاس)

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے، تو وہ اپنے جوتوں کو دیکھ لے، پھر اگر اُن میں کوئی ناپاکی نظر آئے، تو اُن کو صاف کرلے، اور (ضرورت ہو تو) اُن میں نماز پڑھ لے (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**فَإِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيُقَلِّبْ نَعْلَيْهِ، فَإِنْ رَأٰى فِيهِمَا أَذًى، فَلْيُمِطْ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا** (سنن الدارمی) [1]

ترجمہ: پس جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے، تو وہ اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھ لے، پھر اگر اُن میں کوئی ناپاکی نظر آئے، تو اُس کو صاف کرلے، اور (ضرورت ہو تو) اُن میں نماز پڑھ لے (دارمی)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جوتے وغیرہ جیسی ٹھوس چیز میں نجاست لگ جائے، تو وہ دھونے کے بجائے صاف کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**إِذَا وَطِئَ الْأَذٰى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ** (ابو داؤد) [2]

ترجمہ: جب جوتوں کو نجاست لگ جائے، تو اُن کو مٹی پاک کر دیتی ہے (ابوداؤد)

مٹی پاک کر دیتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چلتے چلتے جوتوں پر نجاست لگ جائے اور پھر ان میں مٹی لگ جائے، اور چلنے سے وہ نجاست زمین سے رگڑ کھا کر جوتوں سے الگ ہو جائے، تو جوتے اس طرح بھی پاک ہو جاتے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۱۸، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعلین.
فی حاشیۃ سنن الدارمی: إسنادہ صحیح

[2] رقم الحدیث ۳۸۶، کتاب الطہارۃ، باب فی الأذی یصیب النعل.
فی حاشیۃ ابی داؤد: إسنادہ قوی.

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نُرِيدُ الْمَسْجِدَ فَنَطَأُ الطَّرِيقَ النَّجِسَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْأَرْضُ يُطَهِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم مسجدوں میں آتے ہیں، تو راستہ میں نجاست پر پاؤں پڑ جاتے ہیں، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین ایک دوسرے کو پاک کر دیتی ہے (یعنی آگے والے پاک راستہ پر چلنے سے وہ جوتوں پر لگی ہوئی رگڑ کھا کر نجاست پاک ہو جاتی ہے) (ابنِ ماجہ)

اور بنی اشہل کی ایک خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقُلْتُ: إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ طَرِيقًا قَذِرَةً، قَالَ: فَبَعْدَهَا طَرِيقٌ أَنْظَفُ مِنْهَا؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے اور مسجد کے درمیان گندگی (ونجاست) والا راستہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کے بعد ایسا راستہ نہیں ہے، جو اس کے مقابلہ میں پاک صاف ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (پاک راستہ سے رگڑ کھانے کی وجہ سے) اس (ناپاک راستہ) کے بدلہ میں ہو جاتا ہے (ابن ماجہ)

مذکورہ اور اس جیسی احادیث کے پیشِ نظر حنفیہ کے نزدیک اگر چمڑے جیسی کسی سخت اور ٹھوس چیز پر ناپاکی لگ جائے، جیسا کہ چمڑہ، ربڑ، لکڑی وغیرہ اور وہ ناپاکی جرم والی یعنی دَلدار ہے،

---

[1] رقم الحديث ۵۳۲، كتاب الطهارة وسننها، باب الأرض يطهر بعضها بعضا.
في حاشية ابنِ ماجه: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ۵۳۳، كتاب الطهارة وسننها، باب الأرض يطهر بعضها بعضا.
في حاشية ابنِ ماجه: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

جیسے پاخانہ، لید، گوبر، خون وغیرہ، تو خواہ وہ تَر ہو یا خشک ہو چکی ہو، وہ جس طرح دھونے سے پاک ہوجاتی ہے، اسی طریقے سے اچھی طرح رگڑنے اور پونچھنے سے بھی پاک ہوجاتی ہے کہ ناپاکی کا اثر (جسم اور بو) زائل وختم ہوجائے۔

اور اگر وہ ناپاکی جِرم والی یعنی دلدار نہیں ہے، جیسے پیشاب، شراب وغیرہ، تو جب تک وہ ناپاکی تر ہو اور خشک نہ ہوئی ہو، اس وقت تک اس کو دھونے سے بھی پاک ہوجاتی ہے، اور اگر اُس میں مٹی، راکھ، ریت وغیرہ شامل کر کے اُسے مذکورہ طریقے پر رگڑ یا پونچھ دیا جائے، اور اُس کا اثر (ذائقہ، بو وغیرہ) زائل وختم ہوجائے، تو بھی پاک ہوجاتی ہے، کیونکہ مٹی، راکھ وغیرہ کے اُس میں شامل کرنے سے وہ جسم دار ناپاکی کا حکم حاصل کر لیتی ہے۔

اور اگر اس غیر دلدار نجاست کو تَر حالت میں مذکورہ طریقہ پر صاف نہیں کیا گیا، اور وہ اسی طرح خشک ہوگئی، تو پھر اس کو پانی یا دوسری بہنے والی پتلی چیز سے دھونا ضروری ہوجاتا ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک چمڑے وغیرہ جیسی دوسری چیزوں کو بھی پانی سے دھونا ضروری ہے۔ [2]

---

[1] والحاصل إن المختار للفتوى إن الخف ونحوه يطهر بالدلك سواء كانت النجاسة ذات جرم فى نفسها إو صارت ذات جرم بغيرها كالرقيقة المستجسدة بالتراب ونحوه رطبه كانت أو يابسة لحصول قلع أثرها بذلك بالكلية(منية المصلى ، ج ا ص ۱۰۴ ،كتاب الطهارة)

ومن الأحكام المبنية على عموم البلوى طهارة الخف والنعل بالدلك على الأرض ونحوها من الأشياء الطاهرة، كما ذكره بعض الفقهاء، قال التمرتاشى :ويطهر خف ونحوه، كنعل تنجس بذى جرم بدلك، قال ابن عابدين :وإن كان رطبا على قول أبى يوسف .وهو الأصح المختار، وعليه الفتوى لعموم البلوى.

ولعموم حديث أبى داود :إذا جاء أحدكم إلى المسجد فلينظر، فإن رأى فى نعليه قذرا أو أذى فليمسحه، وليصل فيهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص۷وص۸، مادة "عموم البلوىٰ")

[2] تطهير الخف من النجاسة :ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه إذا أصابت أسفل الخف أو النعل نجاسة فإن تطهيره يكون بغسله، ولا يجزء لو دلكه كالثوب والبدن، ولا فرق فى ذلك بين أن تكون النجاسة رطبة أو جافة، وعند الشافعية قولان فى العفو عن النجاسة الجافة إذا دلكت، أصحهما :القول الجديد للشافعى، وهو أنه لا يجوز حتى يغسله، ولا تصح الصلاة به، والثانى : يجوز لما روى أبو سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# سٹیل، لوہے، وغیرہ صیقل چیز کو پاک کرنے کا طریقہ

اگر کوئی چیز ایسی ٹھوس اور صیقل و چکنی ہو، کہ اس میں پتلی چیز بھی جذب نہ ہوتی ہو، جیسے چکنا اور صاف لوہا، سٹیل، اور ان سے بنی ہوئی چھری، چاقو وغیرہ، اور چکنی (مثلاً انیمل وغیرہ سے)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاء أحدكم إلى المسجد فلينظر؛ فإن رأى فى نعليه قذرا أو أذى فليمسحه، وليصل فيهما.

قال الرافعى :إذا قلنا بالقديم وهو العفو فله شروط .أحدها :أن يكون للنجاسة جرم يلتصق بالخف، أما البول ونحوه فلا يكفى دلكه بحال.الثانى :أن يدلكه فى حال الجفاف، وأما ما دام رطبا فلا يكفى دلكه قطعا .الثالث :أن يكون حصول النجاسة بالمشى من غير تعمد، فلو تعمد تلطيخ .الخف بها وجب الغسل قطعا.

ونقل البهوتى عن الإنصاف أن يسير النجاسة إذا كانت على أسفل الخف والحذاء بعد الدلك يعفى عنه على القول بنجاسته.

وذهب أبو حنيفة إلى أنه إذا أصاب الخف نجاسة لها جرم، كالروث والعذرة، فجفت، فدلكه بالأرض جاز، والرطب وما لا جرم له كالخمر والبول لا يجوز فيه إلا الغسل، وقال أبو يوسف: يجزء المسح فيهما إلا البول والخمر، وقال محمد :لا يجوز فيهما إلا الغسل كالثوب.

ولأبى يوسف إطلاق قول النبى صلى الله عليه وسلم :إذا أصاب خف أحدكم أو نعله أذى فليدلكهما فى الأرض، وليصل فيهما، فإن ذلك طهور لهما من غير فصل بين الرطب واليابس، والمتجسد وغيره، وللضرورة العامة .ولأبى حنيفة هذا الحديث .إلا أن الرطب إذا مسح بالأرض يتلطخ به الخف أكثر مما كان، فلا يطهره بخلاف اليابس؛ لأن الخف لا يتداخله إلا شىء يسير وهو معفو عنه، ولا كذلك البول والخمر لأنه ليس فيه ما يجتذب مثل ما على الخف، فيبقى على حاله، حتى لو لصق عليه طين رطب فجف، ثم دلكه جاز، كالذى له جرم، وبخلاف الثوب لأنه متخلل فتتداخله أجزاء النجاسة، فلا تزول بالمسح، فيجب الغسل.

ولمحمد القياس على الثوب والبساط، بجامع أن النجاسة تداخلت فى الخف تداخلها فيهما.

قال الكمال :وعلى قول أبى يوسف أكثر المشايخ، وهو المختار لعموم البلوى.

وقال السرخسى عن قول أبى يوسف :وهو صحيح، وعليه الفتوى للضرورة .

وفرق المالكية بين أرواث الدواب وأبوالها وبين غيرها من النجاسات، فإذا أصاب الخف شىء من روث الدواب وأبوالها فإنه يعفى عنه إن دلك بتراب أو حجر أو نحوه حتى زالت العين، وكذا إن جفت النجاسة بحيث لم يبق شىء يخرجه الغسل سوى الحكم.

وقيد بعضهم العفو بأن تكون إصابة الخف أو النعل بالنجاسة بموضع يطرقه الدواب كثيرا - كالطرق -لمشقة الاحتراز عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

رنگ شدہ دیوار، دروازہ، کھڑکی اور دوسری چیزیں، اور پلاسٹک، شیشہ اور مختلف کیمیکل اور مصالحہ جات سے بنی ہوئی ایسی ٹھوس اور چکنی وصیقل چیزیں جو پانی اور پتلی چیز کو جذب نہیں کرتیں، جیسا کہ آج کل فرش اور دیوار پر استعمال ہونے والی چکنی پالش والی ٹائیلیں اور چکنا ماربل اور پالش شدہ چپس وغیرہ، ان سب کا حکم یہ ہے کہ ان کو پاک کرنے کے لئے دھونا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ ناپاکی کو رگڑ یا پونچھ کر اس طرح اچھی طرح صاف کر دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہیں کہ ناپاکی کا اثر زائل وختم ہو جائے، خواہ وہ نجاست دَلدار ہو یا غیر دَلدار، اور خواہ وہ تَر نجاست ہو، یا خشک ہو چکی ہو۔

مثلاً پلاسٹک وغیرہ کی باڈی سے تیار شدہ کوئی چیز (موبائل وغیرہ) فلش میں گِر گئی اور اس کی باڈی پر پیشاب، پاخانہ وغیرہ کی ناپاکی لگ گئی، تو اس کو مذکورہ طریقے پر صاف کر دینے سے وہ پاک ہو جائے گی، اور اگر پیشاب وغیرہ لگ کر خشک ہو گیا ہو، تو بھیگا ہوا کپڑا پھیرنے سے بھی پاک ہو جائے گی، اور اگر اس کے اندر بھی نجاست سرایت کر گئی، مگر اس کو دھونے سے موبائل ضائع ہونے کا خطرہ ہے، تو وہ دفعِ حرج کی وجہ سے معاف ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الدسوقى نقلا عن البنانى :وهذا القيد نقله فى التوضيح، والظاهر اعتباره، وفى كلام ابن الحاجب إشارة إليه لتعليله بالمشقة، كما ذكر خليل أن العفو إنما هو لعسر الاحتراز، وعلى هذا فلا يعفى عما أصاب الخف والنعل من أرواث الدواب بموضع لا تطرقه الدواب كثيرا ولو دلكا.

وإن أصاب الخف أو النعل شىء من النجاسات غير أرواث الدواب وأبوالها، كخرء الكلاب أو فضلة الآدمى أو دم، فإنه لا يعفى عنه، ولا بد من غسله.

قال الحطاب نقلا عن ابن العربى :والعلة ندور ذلک فى الطرقات، فإن كثر ذلک فيها صار كروث الدواب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۱۰، ماده، طهارة)

[1] (و)يطهر (صقيل) لا مسام له (كمرآة) وظفر وعظم وزجاج وآنية مدهونة أو خراطى وصفائح فضة غير منقوشة بمسح يزول به أثرها مطلقا به يفتى(الدرالمختار)

(قوله :بمسح) متعلق بيطهر، وإنما اكتفى بالمسح؛ لأن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كانوا يقتلون الكفار بسيوفهم ثم يمسحونها ويصلون معها؛ ولأنه لا تتداخله النجاسة، وما على ظهره يزول بالمسح بحر .(قوله :مطلقا) أى :سواء أصابه نجس له جرم أو لا، رطبا كان أو يابسا على المختار للفتوى شرنبلالية عن البرهان. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر ناپاک لوہے یا اس جیسی دوسری چیز مثلاً سٹیل یا کسی دوسری دھات کو اور اسی طرح مٹی سے بنی ہوئی کسی چیز مثلاً مٹی کے برتن کو آگ میں ڈالا اور پکایا جائے، تو وہ چیز اس سے بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾قال فی الحلیة :والذی یظهر أنها لو یابسة ذات جرم تطهر بالحت والمسح بما فیه بلل ظاهر من خرقة أو غیرها حتی یذهب أثرها مع عینها، ولو یابسة لیست بذات جرم کالبول والخمر فبالمسح بما ذکرناه لا غیر، ولو رطبة ذات جرم أو لا فبالمسح بخرقة مبتلة أو لا (ردالمحتار، ج ا ص ۳۱۰، کتاب الطهارة، باب الانجاس)

ویطهر الخف ونحوه "کالنعل بالماء وبالمائع و "بالدلک "بالأرض أو التراب "من نجاسة لها جرم "ولو مکتسبا من غیرها علی الصحیح کتراب أو رماد وضع علی الخف قبل جفافه من نجاسة مائعة "ولو کانت "المتجسدة من أصلها أو باکتساب الجرم من غیرها "رطبة "علی المختار للفتوی وعلیه أکثر المشایخ لقوله صلی الله علیه وسلم" :إذا وطء أحدکم الأذی بخفیه فطهورهما التراب "ولقوله صلی الله علیه وسلم" :إذا جاء أحدکم المسجد فلینظر فی نعلیه فإن رأی أو قذر فلیمسحهما ولیصل فیهما "قید بالخف احترازا عن الثوب والبساط واحترازا عن البدن إلا فی المنی لما تقدم.

"ویطهر السیف ونحوه "کالمرآة والأوانی المدهونة والخشب الخرائطی والآبنوس والظفر "بالمسح "بتراب زخرفة لأنها لا تتداخلها أجزاء النجاسة أو صوف الشاة المذبوحة فلا یبقی بعد المسح إلا القلیل وهو غیر معتبر ویحصل بالمسح حقیقة التطهیر فی روایة فإذا قطع بها البطیخ یحل أکله واختاره الإسبیجانی ویحرم علی روایة التقلیل واختاره القدوری ولا فرق بین الرطب والجاف والبول والعذرة علی المختار للفتوی لأن الصحابة رضی الله عنهم کانوا یقتلون الکفار بسیوفهم ثم یمسحونها ویصلون معها(مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ج ا ص ۶۸، کتاب الطهارة، باب الانجاس والطهارة عنها)

فی طهارة الجسم الصقیل بالمسح إذا أصابه نجاسة خلاف وتفصیل علی النحو التالی:

ذهب الحنفیة والمالکیة فی قول نقله الباجی عن مالک إلی أنه یطهر بالمسح کل صقیل لا مسام له کمرآة، وظفر، وعظم، وزجاج، وآنیة مدهونة، سواء أصابه نجس له جرم أو لا، رطبا کان أو یابسا، لأنه لصلابتها لا یتداخلها شیء من النجاسة، فیزول بالمسح، ولأن أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا یقتلون الکفار بسیوفهم، ثم یمسحونها، ویصلون معها، ولأنه لا تتداخلها النجاسة، وما علی ظاهره یزول بالمسح.

وأما الحدید إذا کان علیه صدأ أو کان منقوشا فلا یطهر بالمسح لأنه غیر صقیل، وکذلک الثوب الصقیل لا یطهر بالمسح لأن له مساما.

والمعتمد عند المالکیة أنه یعفی ما أصاب کل صقیل لا مسام له کسیف، ومرآة وجوهر سواء مسحه من الدم أم لا، وعللوا الحکم بفساد هذه الأشیاء بالغسل، وبکون الدم مباحا کدم جهاد وقصاص وذبح وعقر صید فإذا کان دم عدوان یجب الغسل.

وذهب الشافعیة والحنابلة إلی أنه إذا أصابت النجاسة شیئا صقیلا کسیف وسکین ومرآة لم یطهر بالمسح بل لا بد من غسله (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۷ص ۲۶۰، مادة "مسح")

پاک ہو جاتی ہے، جیسا کہ مٹی اور زمین کے بارے میں گزرا۔ [1]

## گھی، دودھ وغیرہ مائع چیزوں کو پاک کرنے کا طریقہ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ: أَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْهُ (بخاری) [2]

ترجمہ: ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس چوہے اور اس کے دائیں بائیں کے حصہ کو نکال کر پھینک دو، اور گھی کو کھالو (بخاری)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر گھی وغیرہ میں کوئی ناپاک چیز گر جائے، جبکہ وہ گھی وغیرہ جما ہوا تھا، تو اس ناپاک چیز اور اس کے اردگرد سے کچھ حصہ اُٹھا کر الگ کر دینے سے باقی چیز پاک ہو جاتی ہے۔

اور اگر وہ گھی وغیرہ جما ہوا نہ ہو، بلکہ پتلا ہو تو دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو اس کو پاک کرنا ممکن نہیں، جبکہ حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کو پاک کرنا ممکن ہے۔ [3]

---

[1] الحديد إذا أصابه نجاسة فأدخله فى النار قبل أن يمسحه أو يغسله، ينبغى أن يطهر إذا ذهب أثر النجاسة ويكون الحرق كالغسل(المحيط البرهانى، ج ا ص ۲۰۵، كتاب الطهارات، الفصل السابع)

[2] رقم الحديث ۵۵۳۸، كتاب الذبائح والصيد، باب إذا وقعت الفأرة فى السمن الجامد أو الذائب.

[3] ب -وقوع النجاسة فى مائع أو جامد:

إذا وقعت نجاسة فى سمن ونحوه من المائعات الطاهرة، فإن كان جامدا فقد ذهب الفقهاء إلى أنها تلقى وما حولها وينتفع بالباقى، لما روت ميمونة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن فأرة سقطت فى سمن فقال " :ألقوها وما حولها فاطرحوه، وكلوا سمنكم.

أما إذا كان السمن ونحوه مائعا، فقد اختلف الفقهاء فى ذلك.

فذهب المالكية والشافعية والحنابلة فى المذهب إلى أنه ينجس، لحديث أبى هريرة رضى الله عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کا طریقہ یہ ہے کہ پتلا گھی، تیل وغیرہ، ایسی چیز جس میں پانی کی تحلیل نہ ہو، بلکہ دونوں چیزوں میں امتیاز رہتا ہو، اگر ناپاک ہوجائے، تو اس میں پانی ڈال کر اسے لکڑی وغیرہ سے خوب ہلایا جائے کہ حرکت کی وجہ سے پانی اس میں گھلنے ملنے کا غالب گمان حاصل ہوجائے، پھر اس سے پانی الگ کرلیا جائے، اس طرح وہ گھی، تیل وغیرہ پاک ہوجائے گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں پانی ڈال کر آگ پر جوش دیا جائے، اور اس کا پانی خشک کردیا جائے، تو بھی وہ گھی، تیل وغیرہ پاک ہوجائے گا، بلکہ اگر کوئی غیر چکنی چیز، جس میں پانی حل ہوجاتا ہے، مثلاً دودھ، شہد، کسی چیز کا شیرہ اور سرکہ وغیرہ ناپاک ہوجائے، اس کو پاک کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أن النبی صلی الله علیه وسلم سئل عن الفأرة تموت فی السمن فقال " :إن كان جامدا فألقوها وما حولها، وإن كان مائعا فلا تقربوه .

وذهب الحنفیة وأحمد فی روایة إلی أن المائع كالماء لا ینجس إلا بما ینجس به الماء .

واختلف الفقهاء كذلک فی إمكان تطهیر المائع من النجاسة.

فذهب جمهور الفقهاء إلی أنه لا یمكن تطهیر المائع من النجاسة .لحدیث أبی هریرة السابق.

والفتوی عند الحنفیة علی أنه یمكن تطهیر المائع من النجاسة (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۴۰، ص۹۴،و۹۵، مادة "نجاسة")

[1] كما استثنی فی قول عند كل من المالكیة والشافعیة والحنابلة الزیت والسمن وسائر الأدهان وقالوا :إنها تطهر بالغسل قیاسا علی الثوب، قالوا :وطریق تطهیرها أن نجعل -الدهن- فی إناء ویصب علیه الماء ویكاثر به ویحرک بخشبة ونحوها تحریكا یغلب علی الظن أنه وصل إلی جمیع أجزائه، ثم یترک حتی یعلو الدهن علی الماء فیأخذه، أو یفتح أسفل الإناء فیخرج الماء ویطهر الدهن ویسد الفتحة بیده أو بغیرها، وذكر ابن عرفة -من المالكیة- فی كیفیة التطهیر أنه یطبخ -الزیت المخلوط بالنجس- بالماء مرتین أو ثلاثا، قال الحطاب بعد ذكر هذا القول :وقال فی التوضیح :كیفیته -أی التطهیر- علی القول به أن یؤخذ إناء فیوضع فیه شیء من الزیت ویوضع علیه ماء أكثر منه، وینقب الإناء من أسفله ویسده بیده أو بغیرها، ثم یمخض الإناء ، ثم یفتح الإناء فینزل الماء ، ویبقی الزیت، یفعل ذلک مرة بعد مرة حتی ینزل الماء صافیا، قال المالكیة والشافعیة :محل الخلاف إذا كانت النجاسة التی أصابت المائع الدهنی غیر دهنیة كالبول مثلا، أما إذا كانت دهنیة كودک المیتة فلا تقبل التطهر بلا خلاف لممازجتها له .

والفتوی عند الحنفیة علی أنه یطهر لبن وعسل ودبس ودهن یغلی ثلاثا، وقال فی الدرر :ولو تنجس العسل فتطهیره أن یصب فیه ماء بقدره فیغلی حتی یعود إلی مكانه، والدهن یصب علیه الماء فیغلی فیعلو الدهن الماء فیرفع بشیء هكذا ثلاث مرات (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۳۶، ص۲۶، و۲۷، مادة "مائع")

Idara Ghufran

البتہ اس میں بعض حضرات نے یہ قید لگائی ہے کہ تین مرتبہ پانی ڈال کر جوش دینے کا یہ عمل دہرایا جائے۔ [1]

[1] اور بعض مشائخِ حنفیہ نے تیل وغیرہ کی پاکی کے لئے آگ پر جوش دینے اور تین مرتبہ اس عمل کو دہرانے کے شرط نہ ہونے کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے، اور فرمایا کہ جوش دینا یا تثلیث بذاتِ خود شرط نہیں، بلکہ اصل مقصود پاکی کے غلبۂ ظن کا حاصل ہوجانا ہے، اور جوش دینے کا محمل وہ صورت ہے، جس میں گھی وغیرہ میں پتلا ہونے کی صورت میں نجاست گرگئی، اور بعد میں وہ جم گیا ہو کہ اس کو پاک کرنے کے لئے پہلے آگ پر پکایا جائے، تاکہ پتلا ہونے کے بعد پانی کو حرکت دے کر اس میں گھلایا ملایا جاسکے، لہٰذا اگر اس میں پانی ڈال کر جوش دیئے بغیر اور تثلیث سے پہلے پاکی کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے، تو بھی وہ پاک ہوجاتا ہے، اور غالباً یہ تثلیث کی شرط اس روایت پر مبنی ہے، جس میں مائع چیز کے علاوہ لباس وغیرہ کے نجاستِ غیر مرئیہ سے پاک ہونے کے لئے تثلیث اور نچوڑنا شرط ہے، جس پر پہلے کلام کیا جاچکا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہی غلبۂ ظن (نہ کی تثلیث اور غلیان والاقول) راجح ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ويرى الشافعية في وجه، وأبو يوسف من الحنفية وأبو الخطاب من الحنابلة أن الدهن المتنجس يطهر بالغسل، وكيفية تطهيره أن يجعل الدهن في إناء ، ويصب عليه الماء ويكاثر به، ويحرك بخشبة ونحوها تحريكا يغلب على الظن أنه وصل إلى جميع أجزائه، ثم يترك حتى يعلو الدهن، فيؤخذ .أو ينقب أسفل الإناء حتى يخرج الماء فيطهر الدهن.

هذا ويشترط التثليث لتطهير الدهن عند الحنفية كما جاء في الفتاوى نقلا عن الزاهدي.

وقال في الفتاوى الخيرية :ظاهر كلام الخلاصة عدم اشتراط التثليث، وهو مبني على أن غلبة الظن مجزئة عن التثليث.

كما يرى صاحب الفتاوى الخيرية أن شرط غليان الدهن لتطهيره المذكور في بعض الكتب إنما هو من زيادة الناسخ، أو يحمل على ما إذا جمد الدهن بعد تنجسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۳۳، مادة "دهن")

مطلب في تطهير الدهن والعسل (قوله :ويطهر لبن وعسل إلخ) قال في الدرر :لو تنجس العسل فتطهيره أن يصب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود إلى مكانه، والدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلو الدهن الماء فيرفع بشيء هكذا ثلاث مرات اهـ وهذا عند أبي يوسف خلافا لمحمد، وهو أوسع وعليه الفتوى كما في شرح الشيخ إسماعيل عن جامع الفتاوى .وقال في الفتاوى الخيرية :ظاهر كلام الخلاصة عدم اشتراط التثليث، وهو مبني على أن غلبة الظن مجزئة عن التثليث وفيه اختلاف تصحيح، ثم قال :إن لفظة :فيغلى ذكرت في بعض الكتب .والظاهر أنها من زيادة الناسخ، فإنا لم نر من شرط لتطهير الدهن الغليان مع كثرة النقل في المسألة والتتبع لها إلا أن يراد به التحريك مجازا، فقد صرح في مجمع الرواية وشرح القدوري أنه يصب عليه مثله ماء ويحرك فتأمل .اهـ. أو يحمل على ما إذا جمد الدهن بعد تنجسه .ثم رأيت الشارح صرح بذلك في الخزائن فقال: والدهن السائل يلقى فيه الماء ، والجامد يغلى به حتى يعلو إلخ .ثم اشتراط كون الماء مثل العسل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# انقلاب یا استحالہ سے پاک ہونے کا حکم

اگر کوئی چیز بذاتِ خود ناپاک ہے، جیسا کہ مُردہ جانور یا گوبر، پاخانہ وغیرہ، پھر اس کو جلا کر راکھ کردیا جائے، تو استحالہ یا انقلابِ عین ہونے سے وہ راکھ پاک ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی ناپاک جسم دار چیز مثلاً گدھا، یا مُردار جانور وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے، یا شراب میں سرکہ ملادیا جائے، اور وہ شراب سرکہ بن جائے، اور اس کے نشہ آور ہونے کی کیفیت ختم ہوجائے، یا ناپاک چربی کو صابُن میں ڈال کر صابُن بنایا جائے، تو اس طرح استحالہ یا انقلابِ عین ہوجاتا ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک وہ چیز پاک ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کسی صابن کے ناپاک چیز کی چربی سے بننے کا شبہ ہو، تو اس کے استعمال میں وسوسہ نہیں کرنا چاہیے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أو الدهن موافق لما فی شرح المجمع عن الكافی، ولم يذكره فی الفتح والبحر .وذكر القهستانی عن بعض المفتين الاكتفاء فی العسل والدبس بالخمس قال :لأن فی بعض الروايات قدرا من الماء.قلت :يحتمل أن قدرا مصحف عن قدره بالضمير فيوافق ما ذكرناه عن شرح المجمع، وبه يسقط ما نقله عن بعض المفتين.

هذا وفی القنية عن ركن الأئمة الصباغی أنه جرب تطهير العسل بذلک فوجده مرا .وذكر فی الخلاصة أنه لو ماتت الفأرة فی دن النشاء يطهر بالغسل إن تناهی أمره وإلا فلا(ردالمحتار، ج ا ص ۳۳۴، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

[1] البتہ بعض غیر حنفی فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے۔

وذهب الحنفية والمالكية إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلک الحقيقة، وتنتفی الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها، فكيف بالكل؟ .

ونظيره فی الشرع النطفة نجسة، وتصير علقة وهی نجسة، وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمرا فينجس، ويصير خلا فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها.ونص الحنفية على أن ما استحالت به النجاسة بالنار، أو زال أثرها بها يطهر.

كما تطهر النجاسة عندهم بانقلاب العين، وهو قول محمد وأبی حنيفة، وعليه الفتوى، واختاره أكثر المشايخ، خلافا لأبی يوسف.

ومن تفريعات ذلک ما نقله ابن عابدين عن المجتبى أنه إن جعل الدهن النجس فی صابون يفتى بطهارته، لأنه تغير، والتغير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى، وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح اگر مثلاً خون میں لتھڑی ہوئی بکری کی سری یا پائے کو بال وغیرہ دور کرنے کے لئے آگ پر جلایا گیا، تو جلنے سے خون کی نجاست کا انقلابِ عین یا استحالہ ہوجاتا ہے، اور اس سری یا پائے کو دھوئے بغیر سالن بنایا جائے، تو وہ حنفیہ کے نزدیک پاک شمار ہوتا ہے۔

بلکہ اگر نجاست وغلاظت خشک ہو کر مٹی بن جائے، اور اس سے نجاست کا اثر (بدبو وغیرہ) زائل ہوجائے، مثلاً زمین میں کھاد ڈالا گیا یا نجاست کو زمین میں دفن کیا گیا، اور وہ کچھ وقت گزرنے کے بعد مٹی بن گیا، تو اس طرح بھی استحالہ یا انقلابِ عین ہوجاتا ہے، اور وہ نجاست وغلاظت پاک ہوجاتی ہے۔ ؎[1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کلب فی قدر الصابون فصار صابونا یکون طاهرا لتبدل الحقيقة.
قال ابن عابدين :العلة عند محمد هی التغير وانقلاب الحقيقة، وإنه يفتى به للبلوى، ومقتضاه :عدم اختصاص ذلک الحكم بالصابون، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقة، وكان فيه بلوى عامة .كما نص المالكية على أن الخمر إذا تحجرت فإنها تطهر، لزوال الإسكار منها، وأن رماد النجس طاهر؛ لأن النار تطهر .قال الدسوقی :سواء أكلت النار النجاسة أكلا قويا أو لا، فالخبز المخبوز بالروث النجس طاهر ولو تعلق به شیء من الرماد، وتصح الصلاة قبل غسل الفم من أكله، ويجوز حمله فی الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹ ص۱۰۸ مادة " طهارة ")

[1] (رأس شاة متلطخ بالدم أحرق، وزال عنه الدم فاتخذ منه مرقة جاز والحرق كالغسل) لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة حتى لا يبقى فيه شیء أو تحيله فيصير الدم رمادا فيطهر بالاستحالة ولهذا لو أحرقت العذرة، وصارت رمادا طهرت للاستحالة كالخمر إذا تخللت وكالخنزير إذا وقع فی المملحة وصار ملحا، وعلى هذا قالوا إذا تنجس التنور يطهر بالنار حتى لا يتنجس الخبز، وكذلک إذا تنجست ممسحة الخباز تطهر بالنار (تبيين الحقائق، ج۱ ص۲۱۹، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتى)

الحمار أو الخنزير إذا وقع فی المملحة فصار ملحا أو بئر البالوعة إذا صار طينا يطهر عندهما خلافا لأبی يوسف -رحمه الله -.كذا فی محيط السرخسی (الفتاوى الهندية، ج۱ ص۴۵، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثانی)

وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره والنجاسة إذا دفنت فی الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان (بدائع الصنائع، ج۱ ص۸۵، كتاب الطهارة، فصل بيان ما يقع به التطهير)

وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره، والنجاسة إذا دفنت فی الأرض وذهب أثرها بمرور الزمان، وهذا عمل بقول الإمام محمد خلافاً لأبی يوسف، لأن النجاسة إذا استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها، خرجت عن كونها نجاسة، لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت، باتفاق المذاهب (الفقه الاسلامی وادلتهٗ، ج۱ ص۲۵۰، الباب الاول، الفصل الاول، المبحث الثالث)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۱۰)

# ناپاک وحرام اشیاء سے متعلق چند مسائل

لوگوں کو دینی رنگ کے بہت سے وسوسے، اس لئے آتے ہیں کہ انہیں ناپاک اور حرام اشیاء کا پاک اور حرام، اور حلال اشیاء سے فرق معلوم نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کے مسائل کا علم ہوتا ہے، اس لئے اب ناپاک وحرام اشیاء سے متعلق چند اہم مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر۱:**......لغت میں نجاست کے معنیٰ غلاظت اور گندگی کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں نجاست اس گندگی وناپاکی کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے عام حالات میں نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

اور نجاست کے مقابلہ میں طہارت کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کے معنیٰ پاکی کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں طہارت وپاکی اس حالت کا نام ہے، کہ جس میں نماز وغیرہ پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] النجاسة فی اللغة :القذارة، يقال :تنجس الشیء :صار نجسا، وتلطخ بالقذر .
والنجاسة فی الاصطلاح عرفها الشافعية بأنها :مستقذر يمنع صحة الصلاة حيث لا مرخص .
وعرفها المالكية بأنها :صفة حكمية توجب لموصوفها منع استباحة الصلاة به أو فيه .
الألفاظ ذات الصلة:
أ -الطهارة:
الطهارة فی اللغة :النقاء من الدنس والنجس والبراء ة من كل ما يشين
وفی الاصطلاح :صفة حكمية توجب لموصوفها جواز استباحة الصلاة به أو فيه أو له .
فالطهارة هی المدخل لأداء العبادات التی لا تجوز إلا بها، كالصلاة والطواف ومس المصحف، وهی لا تكون إلا بإزالة ما قد يكون عالقا وقائما بالبدن أو الثوب أو المكان من أحداث وأخباث.
ب -الاستنجاء :
من معانی الاستنجاء لغة :الخلاص من الشیء .يقال :استنجيت الشجرة :قطعتها من أصلها .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر۲:**......فقہائے کرام نے نجاست کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک نجاستِ حکمیہ، دوسری نجاستِ حقیقیہ یا عینیہ

نجاستِ حکمیہ سے مراد ایسی نجاست ہے، جس کا ظاہر میں وجود نہیں ہوتا، اور اس میں نجاست کا عین موجود نہیں ہوتا، البتہ شریعت نے اس حالت پر نجاست کا حکم لگایا ہے، اس نجاستِ حکمیہ کی حالت کو شریعت کی زبان میں حَدَث کی حالت بھی کہا جاتا ہے۔

اور نجاستِ حقیقیہ یا عینیہ سے مراد ایسی نجاست ہے، جس کا ظاہر میں وجود ہوتا ہے، اور اس میں نجاست کا عین موجود ہوتا ہے، جیسا کہ پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔ [1]

**مسئلہ نمبر۳:**......نجاستِ حکمیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک حدثِ اکبر، یعنی ایسی حالت کہ جس کی نجاست کو دُور کرنے کے لئے غسل کا حکم ہوتا ہے، دوسری حَدَثِ اصغر، یعنی ایسی حالت کہ جس کی نجاست کو دُور کرنے کے لئے وضو کا حکم ہوتا ہے۔ [2]

**مسئلہ نمبر۴:**...... نجاستِ حقیقیہ یا عینیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک کو سخت یا غلیظہ نجاست کہا جاتا ہے، اور دوسری کو ہلکی یا خفیفہ نجاست کہا جاتا ہے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والاستنجاء فی الاصطلاح :إزالة ما يخرج من السبيلين سواء بالغسل أو المسح بالحجارة ونحوها عن موضع الخروج وما قرب منه.

والاستنجاء خاص بإزالة النجاسة عن السبيلين فقط، لا عن باقی البدن أو الثوب.

والصلة بين النجاسة والاستنجاء :أن الاستنجاء وسيلة لإزالة النجاسة عن المحل وتطهيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۷۴، مادة "نجاسة")

[1] تقسيم النجاسة إلى نجاسة عينية ونجاسة حكمية:

من تقسيمات النجاسة التي جرى عليها الفقهاء تقسيمها إلى نجاسة عينية ونجاسة حكمية.

وفى ذلک يقول الحنفية :إن العينية تعنى الخبث، والحكمية تعنى الحدث.

وعرفوا الخبث بأنه :عين مستقذرة شرعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۷۵، مادة "نجاسة")

[2] والطهارة نوعان :طهارة كبرى، وهى الغسل أو نائبه وهو التيمم عن الجنابة، وطهارة صغرى، وهو الوضوء أو نائبه وهو التيمم عن الحدث.

فالتطهير ضد التنجيس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۵۰، مادة "تنجيس")

www.idaraghufran.org

سخت یا غلیظہ نجاست وہ کہلاتی ہے کہ جس میں ناپاکی کا حکم سخت ہوتا ہے، اور ہلکی یا خفیفہ نجاست وہ کہلاتی ہے، کہ جس میں ناپاکی کا حکم ہلکا ہوتا ہے۔ [1]

**مسئلہ نمبر ۵:**...... سخت یا غلیظہ نجاست اور اسی طرح ہلکی یا خفیفہ نجاست کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ وہ کون کون سی ہیں، اور ان کے احکام میں کیا فرق ہے؟

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کتے اور خنزیر اور ان سے پیدا ہونے والی چیزیں (مثلاً ان کا گوشت، پیشاب، پاخانہ، لعاب، پسینہ، خون وغیرہ) سخت یا غلیظہ نجاستوں میں داخل ہیں، جن سے ناپاک شدہ چیزوں کو اہتمام ومبالغہ کے ساتھ پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور مثلاً جو بچہ ابھی تک صرف دودھ پیتا ہے، اس کا پیشاب خفیف اور ہلکی نجاست میں داخل ہے، جس پر پانی کے چھینٹے مارنا کافی ہے۔

اور اسی طرح جو نجاست ایسی ہو کہ اس کا ذائقہ، بو اور رنگ نظر نہ آئے، وہ بھی شافعیہ کے نزدیک ہلکی نجاست میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] التغليظ من غلظ غلظا خلاف دق .وكذا استغلظ، والتغليظ التوكيد والتشديد وهو مصدر غلظ :أى أكد الشيء وقواه .وهو ضد التخفيف .ومنه غلظت عليه فى اليمين تغليظا أى شددت عليه وأكدت .وغلظت اليمين تغليظا أيضا قويتها وأكدتها

المغلظ من النجاسات:

يقسم الفقهاء النجاسات إلى مغلظة ومخففة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص ٦٥، ماده، تغليظ)

[2] ثم اختلفوا فى تحديد المغلظ من النجاسات، فعند الشافعية والحنابلة هى نجاسة الكلب والخنزير وما تولد من كل منهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص٦٥، ماده، تغليظ)

وقال الشافعية :إن المغلظ ما نجس بملاقاة شيء من كلب أو خنزير أو متولد منهما أو من أحدهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠، ص١١٠، مادة "نجاسة")

والمخففة عند الشافعية هى خصوص بول الصبى إذا لم يبلغ الحولين ولم يتغذ إلا باللبن، بخلاف الأنثى والخنثى المشكل، ذلك لأن بول الصبى عندما يراد تطهير محل إصابته يرش على محل الإصابة بماء يعم النجاسة وإن لم يسل، أما الأنثى والخنثى المشكل فإنه يجب غسل محل الإصابة، ويتحقق الغسل بالسيلان لقوله صلى الله عليه وسلم :يغسل من بول الجارية، ويرش من بول الغلام . وألحق الخنثى بالأنثى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سخت یا غلیظہ نجاست وہ کہلاتی ہے، کہ جس کے نجس و ناپاک ہونے کی شرعی دلیل ہو، اور اس کے مقابلہ میں شریعت کی کوئی دوسری دلیل اس کے طاہر و پاک ہونے کی نہ ہو، اور اس سے بچنے میں کوئی حرج بھی نہ ہو، اور اس کے برخلاف دوسری نجاستیں ہلکی و خفیفہ نجاست کہلاتی ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک سخت و غلیظہ نجاست وہ کہلاتی ہے، کہ جس کے نجس ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہو، اور اس کے برخلاف دوسری نجاستیں یعنی جن کے نجس ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو، وہ سب ہلکی و خفیفہ نجاست کہلاتی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولهم تقسيم ثالث وهو النجاسة المتوسطة، وهي ما عدا النجاسة المغلظة والمخففة.

فإن لم تكن عينا، وهي ما تيقن وجودها، ولا يدرك لها طعم ولا لون ولا ريح كفى في تطهيرها جرى الماء على محلها بحيث يسيل زائدا على النضح.

وإن كانت عينية وجب بعد زوال عينها إزالة الطعم والريح وإن عسر، لأن بقاء ه يدل على بقاء العين.

ولا يضر بقاء لون أو ريح عسر زواله فيطهر المحل للمشقة، بخلاف ما إذا سهل فيضر بقاؤه لدلالة ذلك على بقاء العين.

وفي الريح قوله أنه يضر بقاؤه، قال النووي: فإن بقيا معا بمحل واحد ضرا على الصحيح لقوة دلالتهما على بقاء العين، والثاني لا يضر لاغتفارهما منفردين، فكذا مجتمعين .

وقسم الحنابلة النجاسة من حيث تطهيرها إلى ثلاثة أقسام :الأول :نجاسة الكلب والخنزير وما تولد منهما أو من أحدهما، ويكون تطهيرها بالغسل سبع مرات إحداهن بالتراب.

والثاني :نجاسة بول الصبي الذي لم يأكل الطعام، ويطهر محل النجاسة من هذا البول بنضحه أي غمره بالماء .

الثالث :بقية النجاسات، وتطهر بسبع غسلات منقية ولا يشترط لها تراب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۱۱، و۱۱۳، مادة "نجاسة")

وقسم الحنابلة النجاسة من حيث تطهيرها إلى ثلاثة أقسام.

الأول :نجاسة الكلب والخنزير وما تولد منهما أو من أحدهما، ويكون تطهيرها بالغسل سبع مرات إحداهن بالتراب.

الثاني :نجاسة بول الصبي الذي لم يأكل الطعام، ويطهر محل النجاسة من هذا البول بنضحه أي غمره بالماء .الثالث :بقية المتنجسات وتطهر بسبع غسلات منقية ولا يشترط لها تراب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۱۰، و ۱۱۱، مادة "نجاسة")

پھر حنفیہ کے نزدیک سخت وغلیظہ نجاست اگر بہنے والی ہو، تو پھیلاؤ میں ایک درہم (یعنی ہتھیلی کے گہراؤ) کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہوتی، اور اس سے کم ہو تو معاف ہوتی ہے، اور اگر کثیف وٹھوس ہو تو وزن میں ایک درہم (یعنی ساڑھے چار ماشہ) کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہوتی، اور اس سے کم ہو تو معاف ہوتی ہے۔ [1]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک انسان کے جسم سے نکلنے والی وہ نجاست جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، وہ سخت وغلیظہ نجاست کہلاتی ہے، جیسا کہ انسان کا پیشاب، پاخانہ، بہتا خون، پیپ، قے، منی، مذی، ودی وغیرہ۔

اور اسی طرح شراب، اور لید، گوبر، مینگنی اور ان جانوروں کا پیشاب، جن کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے، اور اسی طرح چیر پھاڑ کر کے کھانے والے درندوں کا پاخانہ اور گوبر اور چوہے، سانپ وغیرہ کی مینگنی اور پیشاب، اور اسی طرح سے بچہ اور بچی کا پیشاب اور مرغی اور بطخ کی بیٹ، یہ سب چیزیں سخت وغلیظہ نجاست میں داخل ہیں، اور ان کے علاوہ دوسری نجس چیزیں ہلکی وخفیفہ نجاست میں داخل ہیں۔ [2]

---

[1] وعـنـد أبی حنیفة هی ما ورد فی نجاستها نص لم یعارض بنص آخر، فإن عارضه نص فمخففة. وعـنـد أبـی یوسف ومحمد ما اتفق العلماء علی أنه نجس، فالأرواث كلها نجسة نجاسة غلیظة عند أبـی حـنیـفة، لأنـه ورد فیها نص یدل علی نجاستها، وهو ما رواه ابن مسعود رضی الله عنه، أن النبی صـلـی الـلـه عـلیـه وسـلـم طـلـب مـنـه لیـلة الجن أحجارا للاستنجاء ، فأتی بحجرین وروثة، فأخذ الحجرین، ورمی الروثة، وقال :إنها ركس ولم یرد نص یعارضه، فكانت نجاستها مغلظة.
أمـا عـنـد الصاحبین فمخففة لاختلاف العلماء فی نجاستها .وبـول مـا لا یؤكل لحمه نجس نجاسة مـغـلـظة بـالاتـفـاق بیـن الإمـام والصاحبین، لانعدام النص المعارض عند الإمام واتفاق الفقهاء علی نجاسته عندهما (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۱۳، ص۶۵، ماده، تغلیظ)
الـمـغـلـظ من النجاسة عند أبی حنیفة ما ورد فی نجاسته نص ولم یعارضه آخر ولا حرج فی اجتنابه وإن اختلفوا فیه، لأن الاجتهاد لا یعارض النص .وعند أبی یوسف ومحمد :ما اتفق علی نجاسته ولا بلوی فی إصابته.والقدر الذی یمنع الصلاة من النجاسة الغلیظة أن تزید علی قدر الدرهم مساحة إن كان مائعا ووزنا إن كان كثیفا (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۴۰، ص۱۱۰، مادة "نجاسة")

[2] قسم الحنفیة الأعیان النجسة إلی نوعین : الـنجاسة المغلظة والنجاسة المخففة .وقالوا :كل ما یخرج من بدن الإنسان مما یوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ، كالغائط والبول والمنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہلکی وخفیفہ نجاست جب کسی کپڑے یا بدن کے چوتھائی یا اس سے زیادہ حصہ کو لگ جائے، تو اس کو دھونا ضروری ہے، اور اس سے کم ہو تو دھوئے بغیر بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ [۱]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمذی والودی والقیح والصدید والقیء إذا ملأ الفم ودم الحیض والنفاس والاستحاضة، وكذلك بول الصغیر والصغیرة أكلا أو لا، والخمر والدم المسفوح ولحم المیتة وبول ما لا یؤكل والروث وإخثاء البقر والعذرة ونجو الكلب وخرء الدجاج والبط والأوز وخراء السباع والسنور والفأر وخراء الحیة وبولها وخراء العلق ودم الحلمة والوزغة إذا كان سائلا، فهذه الأعیان كلها نجسة نجاسة غلیظة (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۴۰، ص۷۴، مادة ”نجاسة“)

وقالوا : كل ما يخرج من بدن الإنسان وهو موجب للتطهیر فنجاسته غلیظة كالغائط والبول والدم والصدید والقیء ولا خلاف فیه، كذلك المنی لقوله صلی الله علیه وسلم لعائشة رضی الله عنها : إن كان رطبا فاغسلیه، وإن كان یابسة فافركیه .

وقوله صلی الله علیه وسلم لعمار بن یاسر رضی الله عنهما :إنما یغسل الثوب من خمس :وذكر منها المنی،ولو أصاب البدن وجف، روی الحسن عن أبی حنیفة أنه لا یطهر بالفرك، وذكر الكرخی أنه یطهر لأن البلوی فیه أعم، والاكتفاء بالفرك لا یدل علی طهارته، فإن الصحیح عن أبی حنیفة أنه لم یقل بالفرك، فتجوز الصلاة فیه حتی إذا أصابه الماء یعود نجسا عنده خلافا لهما.

وكذلك الروث والإخثاء وبول ما لا یؤكل لحمه من الدواب عند أبی حنیفة، لأن نجاستها ثبتت بنص لم یعارضه غیره، وهو قوله علیه الصلاة والسلام فی الروثة :هی رجس ، والإخثاء مثله، ولأنه استحال إلی نتن وفساد وهو منفصل عن حیوان یمكن التحرز عنه فصار كالآدمی.

وكذلك بول الفأرة وخرؤها، لإطلاق قوله صلی الله علیه وسلم :استنزهوا من البول ، والاحتراز عنه ممكن فی الماء غیر ممكن فی الطعام والثیاب فیعفی عنه فیهما.

وكذلك بول الصغیر والصغیرة أكلا أو لا، للحدیث المذكور من غیر فصل، وأما ما ورد من نضح بول الصبی إذا لم یأكل فیما رواه علی بن أبی طالب رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال :ینضح بول الغلام، ویغسل بول الجاریة فالنضح یذكر بمعنی الغسل، قال علیه الصلاة والسلام للمقداد بن الأسود لما سأله عن المذی :توضأ وانضح فرجك أی اغسله فیحمل علیه توفیقا.

والبط الأهلی والدجاج نجاستهما غلیظة بإجماع فقهاء الحنفیة (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۴۰،ص۱۱۰،و۱۱۱،مادة ”نجاسة“)

[۱] پھر بدن یا کپڑے کے چوتھائی حصہ کی تعیین میں حنفیہ کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک پورے بدن یا کپڑے کا چوتھائی حصہ مراد ہے، اور بعض کے نزدیک ناپاکی لگے ہوئے حصہ کا چوتھائی مراد ہے، مثلاً ہاتھ میں لگی ہو تو ہاتھ کا چوتھائی، اور آستین میں لگی ہو تو آستین کا چوتھائی، وغیرہ وغیرہ، اور بعض کے نزدیک ”ادنیٰ ماتجوز بہ الصلاۃ“ کا چوتھائی حصہ مراد ہے، اور ان میں سے کون سا قول راجح ہے، اس میں بھی اختلاف ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے، ان کا پیشاب اور اسی طرح سے حرام گوشت والے پرندوں کی بیٹ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق ہلکی وخفیفہ نجاست

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -النجاسات المخففة:

المخفف من النجاسة عند أبی حنیفة :ما تعارض نصان فی طهارته ونجاسته.

وعند أبی یوسف ومحمد :ما اختلف فی نجاسته، لأن الاجتهاد حجة شرعیة كالنص.

والنجاسة المخففة لا تمنع الصلاة إذا لم تبلغ ربع الثوب، لأن للربع حكم الكل فی أحكام الشرع كمسح الرأس وحلقه، وثم قیل :ربع جمیع الثوب، وقیل :ربع ما أصابه كالكم والذیل، وعند أبی یوسف :شبر فی شبر، وعند محمد :ذراع فی ذراع، وعنه :موضع القدمین، والمختار الربع، وعن أبی حنیفة أنه غیر مقدر هو موكول إلی رأی المبتلی، لتفاوت الناس فی الاستفحاش (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۱۱، مادة "نجاسة")

(وعفی دون ربع) جمیع بدن و (ثوب) ولو كبیرا هو المختار، ذكره الحلبی ورجحه فی النهر علی التقدیر بربع المصاب كید وكم وإن قال فی الحقائق وعلیه الفتوی(الدرالمختار)

اعلم أنهم اختلفوا فی كیفیة اعتبار الربع علی ثلاثة أقوال :فقیل ربع طرف أصابته النجاسة، كالذیل والكم والدخریص إن كان المصاب ثوبا، وربع العضو المصاب كالید والرجل إن كان بدنا وصححه فی التحفة والمحیط والمجتبی والسراج .وفی الحقائق وعلیه الفتوی، وقیل ربع جمیع الثوب والبدن وصححه فی المبسوط وهو ما ذكره الشارح، وقیل :ربع أدنی ثوب تجوز فیه الصلاة كالمئزر .قال الأقطع :وهذا أصح ما روی فیه اهـ لكنه قاصر علی الثوب، فقد اختلف التصحیح كما تری، لكن ترجح الأول بأن الفتوی علیه، ووفق فی الفتح بین الأخیرین بأن المراد اعتبار ربع الثوب الذی هو علیه سواء كان ساترا لجمیع البدن أو أدنی ما تجوز فیه الصلاة .اهـ .وهو حسن جدا، ولم ینقل القول الأول أصلا بحر .(قوله :ورجحه فی النهر) أی :بأنه ظاهر كلام الكنز وبتصحیح المبسوط له، وبأن المانع هو الكثیر الفاحش، ولا شك أن ربع المصاب لیس كثیرا فضلا عن أن یكون فاحشا .اهـ.

أقول :تصحیح المبسوط معارض بتصحیح غیره، والمراد بالكثیر الفاحش ما كثر بالنسبة إلی المصاب؛ فربع الثوب كثیر بالنسبة إلی الثوب، وربع الذیل أو الكم مثلا كثیر بالنسبة إلی الذیل أو الكم، وكذا ربع أدنی ثوب تجوز فیه الصلاة كثیر بالنسبة إلیه كما صرح بذلك فی الفتح .(قوله: وإن قال إلخ) فیه نظر؛ لأن لفظ الفتوی آكد من لفظ الأصح ونحوه منح، ومفاده ترجیح القول بربع المصاب وهو مفاد ما مر عن البحر، لكن اعترضه الخیر الرملی بأن هذا القول یؤدی إلی التشدید لا إلی التخفیف فإنه قد لا یبلغ ربع المصاب الدرهم فیلزم جعله مانعا فی المخففة مع أنه معفو عنه فی المغلظة إذ لو كان المصاب الأنملة من البدن یلزم القول بمنع ربعها علی القول بمنع ربع المصاب .

اهـ .وفیه نظر؛ لأن مقتضی قولهم كالید والرجل اعتبار كل من الید والرجل بتمامه عضوا واحدا فلا یلزم ما قال تأمل(ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲، باب الانجاس، كتاب الطهارة)

میں داخل ہے، اور ایک روایت کے مطابق حرام پرندوں کی بیٹ پاک ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک گوبر اور لید ہلکی وخفیفہ نجاست میں داخل ہیں۔ [1]

اور مالکیہ کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے، اُن کے علاوہ دوسرے جانوروں کا پیشاب، پاخانہ سخت یا غلیظہ نجاست کہلاتا ہے، جن کو پاک کرنے کے لئے دھونا ضروری ہوتا ہے، اور ان کے علاوہ دوسری ہلکی یا خفیفہ نجاست کو رگڑنا وغیرہ بھی کافی ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] ومن النجس نجاسة مخففة عند أبی یوسف ومحمد الروث والإخثاء لعموم البلوی به فی الطرقات ووقوع الاختلاف فیه .

وبول ما یؤکل لحمه وبول الفرس ودم السمک ولعاب البغل والحمار وخرء ما لا یؤکل لحمه من الطیور نجاسته مخففة، وعند محمد بول ما یؤکل لحمه طاهر، لحدیث العرنیین، وهو أن قوما من عرینة أتوا المدینة فاجتووها -أی لم توافقهم -فاصفرت ألوانهم وانتفخت بطونهم فأمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بأن یخرجوا إلی إبل الصدقة ویشربوا من ألبانها وأبوالها، فخرجوا وشربوا فصحوا،فلو کان ذلک من الإبل نجسا لما أمرهم بشربه لکونه حراما -وقد قال علیه الصلاة والسلام :إن الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم .

ویدخل فی الطاهر بول الفرس عند محمد أیضا، ودم السمک لیس بدم حقیقة لأنه یبیض بالشمس، وعن أبی یوسف أنه نجس، ولذا قیل بخفته لذلک، ولعاب البغل والحمار لتعارض النصوص، وخرء ما لا یؤکل لحمه من الطیور لعموم البلوی فإنه لا یمکن الاحتراز عنه لأنها تزرق من الهواء ، وعند محمد نجاسته غلیظة لأنها لا تخالط الناس فلا بلوی (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰،ص ۱۱۱،و۱۱۳ ،مادة ”نجاسة “)

وعدوا من النجاسات المخففة :بول ما یؤکل لحمه والفرس وخراء طیر لا یؤکل (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰، ص۷۴، مادة ”نجاسة“)

وما لا یؤکل لحمه کالصقر والبازی والحدأة وأشباه ذلک، خرؤها طاهر عند أبی حنیفة وأبی یوسف، وعند محمد نجس نجاسة غلیظة (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۶۲، کتاب الطهارة، فصل فی الطهارة الحقیقیة )

[2] والنجاسة المغلظة عند المالکیة هی ما عدا فضلات ما یؤکل لحمه من النجاسات .ویفرق الحنابلة فی النجاسات بین کل من الخنزیر والکلب وبین سائر النجاسات، فنجاسة الخنزیر والکلب أشد، ویلیها بول الآدمی وعذرته، ثم سائر النجاسات، ثم بول الرضیع.

واختلف الفقهاء فی أحکام النجاسة المغلظة، فذهب الحنفیة إلی أنه یعفی عن النجاسة المغلظة قدر درهم إذا أصابت الثوب أو البدن فی الصلاة، أما المخففة فیعفی ما لیس بفاحش.

وقال المالکیة :تطهر النجاسة المخففة بالدلک .أما المغلظة فلا تطهر إلا بالغسل .والتفصیل فی باب النجاسة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر۶:**...... انسان کے پیشاب، پاخانہ کے ناپاک ہونے پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور اسی طریقہ سے ان جانوروں (نہ کہ پرندوں) کے پیشاب اور پاخانہ کے ناپاک ہونے پر بھی اتفاق ہے کہ جن کا گوشت حلال نہیں، جیسا کہ شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ ؎۱

اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کے پیشاب پاخانہ کے پاک یا ناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

چنانچہ مالکیہ وحنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پیشاب، زندہ ہونے کی حالت میں اور شرعی طریقہ پر ذبح ہونے کے بعد پاک ہے، اور اسی طریقہ سے حلال گوشت والے پرندوں کی بیٹ بھی پاک ہے۔ ؎۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال الشافعية والحنابلة :إن النجاسة المغلظة لا تطهر إلا بسبع غسلات إحداهن بالتراب، وما عداها فتطهر بغسلة واحدة.

وأنه لا يعفى عن قليل النجاسة المغلظة وإن قلت، أو أصابت البدن، أو الثوب .أما غير المغلظة فيعفى عن قليلها على تفصيل ينظر فى باب (النجاسة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۶۵، ۶۶، مادہ،تغليظ)

؎۱ البول والعذرة:

اتفق الفقهاء على نجاسة بول وعذرة الآدمى وبول وروث ما لا يؤكل لحمه، لما ورد أنه جاء أعرابى فبال فى طائفة المسجد، فزجره الناس، فنهاهم النبى صلى الله عليه وسلم، فلما قضى بوله أمر النبى صلى الله عليه وسلم بذنوب من ماء فأهريق عليه وقوله صلى الله عليه وسلم :استنزهوا من البول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۹۱، مادة "نجاسة")

؎۲ بلکہ مالکیہ اور امام زفر کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پاخانہ بھی پاک ہے۔

واختلفوا فى نجاسة بول وروث الحيوان مأكول اللحم، وكذا خرء الطير.

فذهب المالكية والحنابلة ومحمد بن الحسن وزفر من الحنفية إلى طهارتهما فى حياة الحيوان أو بعد ذكاته لحديث العرنيين فإن الرسول صلى الله عليه وسلم أمرهم أن يشربوا من أبوالها وألبانها ، ولو كان نجسا لما أمرهم بذلك، ولصلاته صلى الله عليه وسلم فى مرابض الغنم ، ولأنه لو كان بول وروث الحيوان مأكول اللحم نجسا لتنجست الحبوب التى تدوسها البقر فإنها لا تسلم من أبوالها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۹۱، مادة "نجاسة")

أما بول ما يؤكل لحمه فطاهر عند محمد لحديث العرنيين، ويدخل فيه بول الفرس عنده أيضا(الاختيار لتعليل المختار، ج۱ ص۳۴،باب الانجاس وتطهيرها)

وقال زفر روث ما يؤكل لحمه طاهر وهو قول مالك(بدائع الصنائع، ج۱ ص۶۲، كتاب الطهارة،فصل فى الطهارة الحقيقية)

Idara Ghufran

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پیشاب ہلکی وخفیف نجاست میں داخل ہے، اور ان کا پاخانہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سخت وغلیظ نجاست میں داخل ہے، اور امام ابویوسف کے نزدیک ہلکی وخفیف نجاست میں داخل ہے۔ [1]

اور جن پرندوں کا گوشت حلال ہے، ان کی بیٹ پاک ہے، سوائے مرغی اور بطخ کے، کہ ان کی بیٹ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سخت وغلیظ نجاست میں داخل ہے۔ [2]

اور جن پرندوں کا گوشت حلال نہیں ہے، تو ان کی بیٹ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی ایک روایت کے مطابق ہلکی وخفیف نجاست میں داخل ہے، اور ایک روایت کے مطابق پاک

---

[1] وذهب أبو حنيفة وأبويوسف إلى أن بول ما يؤكل لحمه نجس نجاسة خفيفة، أما روثه فهو عند أبى حنيفة نجس نجاسة غليظة، وعند أبى يوسف نجاسته خفيفة.
والفرق بين النجاسة الخفيفة والغليظة عند الحنفية هو باعتبار كثرة المعفو عنه من الخفيفة وقلة المعفو عنه من الغليظة، لا فى كيفية التطهير، لأنه لا يختلف بالغلظ والخفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۹۱، مادة "نجاسة")

[2] ذرق الطيور مما يؤكل لحمه كالحمام والعصافير، طاهر عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية وهو الظاهر عند الحنابلة) وذلك لعموم البلوى به بسبب امتلاء الطرق والخانات بها؛ ولإجماع المسلمين على ترك الحمام فى المساجد.
وعلى ذلك فإن أصاب شىء منه بدن الإنسان أو ثوبه داخل الصلاة أو خارجها لا تفسد صلاته ولا ينجس ثوبه.
واستثنى الحنفية والمالكية من هذا الحكم خرء الدجاج والبط الأهلى؛ لأنهما يتغذيان بنجس فلا يخلو خرؤهما من النتن والفساد.
وقال الشافعية -وهو رواية عن أحمد- بنجاسة خرء الطيور، سواء أكان من مأكول اللحم أم من غيره؛ لأنه داخل فى عموم قوله صلى الله عليه وسلم :تنزهوا من البول ولأنه رجيع فكان نجسا كرجيع الآدمى.
ومع ذلك فقد صرحوا بأنه يعفى عن ذرق الطيور المأكولة اللحم، سواء أكان قليلا أم كثيرا على الأصح عند الشافعية لمشقة الاحتراز عنه، وفى رواية لا يعفى عن كثيره.
وفرق بعضهم بين الصلاة وغيرها، فقالوا بالعفو عنه فى الصلاة مطلقا، وفى خارج الصلاة يعفى عن قليله ولا يعفى عن كثيره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۲۱۱ مادة "ذرق")

Idara Ghufran

ہے۔ لے

لے چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کے نجاستِ خفیفہ ہونے کو اصح قرار دیا ہے، اور بہشتی زیور اور کئی اردو کتب میں اسی روایت کے مطابق حکم تحریر کیا گیا ہے، لیکن علامہ سرخسی نے ان پرندوں کی بیٹ کے طاہر اور پاک ہونے کو اصح قرار دیا ہے، اور علامہ سمرقندی، صاحبِ بدائع اور صاحبِ محیط نے بھی طاہر اور پاک ہونے کو ہی اختیار کیا ہے، اور جب تعلیل پر نظر کی جاتی ہے، تو اس کے طاہر ہونے کی روایت راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کو دفعِ حرج اور مساجد کو پرندوں سے حفاظت کے عدم اہتمام کی وجہ سے نجاستِ خفیفہ کے بجائے طاہر قرار دیا گیا ہے، اور یہاں اس حرج کی وجہ سے غلیظہ کے بجائے خفیفہ قرار دینے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، پس اسی طرح غیر ماکول اللحم پرندوں کا بھی حکم ہونا چاہئے، کیونکہ یہ تعلیل برابر سرابر طریقہ پر ان پر بھی صادق آتی ہے، پھر ہوا میں اڑتے ہوئے یا بیٹ کرنے سے فارغ ہوکر پرندے کے غائب ہونے کے بعد اس چیز کی تمیز کرنا بھی حرج سے خالی نہیں کہ وہ بیٹ ماکول اللحم پرندے کی ہے یا غیر ماکول اللحم پرندے کی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حرج وعمومِ بلوئی یا اختلافِ علماء ان پرندوں کی نجاست کے مخفف ہونے کا متقاضی ہے، نہ کہ پاک ہونے کا، تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے، کیونکہ بعض فقہاء اس کے بھی نجس ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

پس ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کے پاک ہونے کی جو تعلیل ہے، اس کے غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کو بھی شامل ہونے کی وجہ سے دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔

**(قوله :وإلا فمخفف) أى :وإلا يكن مأكولا كالصقر والبازى والحدأة، فهو نجس مخفف عنده مغلظ عندهما، وهذه رواية الهندوانى .وروى الكرخى أنه طاهر عندهما مغلظ عند محمد، وتمامه فى البحر ويأتى(ردالمحتار، ج ا ص ۳۲۰، كتاب الطهارة، باب الانجاس)**

**واستثنى ح خرء طير لا يؤكل بالنسبة إلى البئر فإنه لا ينجسها لتعذر صونها عنه كما تقدم فى البئر (ردالمحتار، ج ا ص ۳۲۲، كتاب الطهارة، باب الانجاس)**

**(وخرء طير لا يؤكل) هذا قول الإمام؛ لأنها تذرق فى الهواء ، والتحامى عنها متعذر(مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، ج ا ص ۶۳، باب الانجاس)**

**وما يذرق من الهواء نوعان الصغار منها مثل الحمام ونحوه وخرؤها طاهر،والكبار كالصقر والبازى ونحوهما وخرؤها طاهر عند أبى حنيفة وأبى يوسف،وقال محمد نجس،وهذا كله قول علماؤنا (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۵۱، باب النجاسات)**

**وما لا يؤكل لحمه كالصقر والبازى والحدأة وأشباه ذلك، خرؤها طاهر عند أبى حنيفة وأبى يوسف، وعند محمد نجس نجاسة غليظة (بدائع الصنائع، ج ا ص ۶۲، كتاب الطهارة، فصل فى الطهارة الحقيقية)**

**والأصح أنه طاهر عندهما فإن الخرء لا فرق فيه بين مأكول اللحم، وغير مأكول اللحم فى النجاسة، ثم خرء ما يؤكل لحمه من الطيور طاهر فكذلك ما لا يؤكل لحمه(المبسوط للسرخسى، ج ا ص ۵۷، كتاب الصلاة ، باب الوضوء والغسل)** ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوہے، سانپ وغیرہ حشرات کی مینگنی سخت وغلیظ نجاست میں داخل ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پیشاب، پاخانہ ناپاک ہے، اور اسی طرح پرندوں کی بیٹ بھی ناپاک ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷:...... شیر خوار یعنی دودھ پیتا بچہ خواہ لڑکی ہو، یا لڑکا، حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک بہرحال اس کا پیشاب اسی طرح ناپاک ہے، جس طرح بڑی عمر کے بچہ یا انسان کا ناپاک ہوتا ہے۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما خرء ما لا يؤكل لحمه نحو سباع الطير، كالصقر والبازى وغيرها من الحدأة وأشباهها، فهو طاهر فى قول أبى حنيفة، وأبى يوسف رحمهما الله.

وقال محمد رحمه الله :هو نجس، فوجه قول محمد رحمه الله، وهو الفرق له بين خرء هذه الطيور، وبين خرء العصفور والحمامة، أن هذه الطيور لا تخالط الناس فيمكن التحرز عن خرئها بخلاف الحمامة والعصفور؛ لأنهما تخالطان، فلا يمكن التحرز عن خرئهما.

ولهما أن هذه الحيوانات تذرق من الهواء ، وفى التمييز بينما يخالطونا وبينما لا يخالط الناس، فيحتاج إلى التأمل فى كل جانب، وفيه حرج على أن ما قال من المعنى لا يتأتى فى الصقر والبازى والشاهين، فإن الناس يخالطوهما أكثر مما لا يخالطون الحمام والعصفور(المحيط البرهانى، ج ا ص ۱۸۷، كتاب الطهارات، الفصل السابع)

(وهو الأصح) ش :أى كون الاختلاف فى المقدار هو الأصح، نص عليه فى "جامع قاضى خان " و "المحيط "، لأنه مما حاله طبع الحيوان إلى نتن وفساد، ولكن ذكر فى "المبسوطين "و" محيط السرخسى "خلاف هذا فقال :ليس لما ينفصل من الطيور نتن وخبث رائحة ولا ينحى شىء من الطيور عن المساجد، فعرفنا أن خرء الجميع طاهر، ولأنه لا فرق فى الخرء بين ما يؤكل لحمه وبين ما لا يؤكل لحمه(البناية شرح الهداية، ج ا ص ۷۳۵، كتاب الطهارات، باب الانجاس وتطهيرها)

[1] وذهب الشافعية إلى أن بول الحيوان المأكول اللحم نجس وكذلك روثه، وكذا ذرق الطير، لما ورد أنه صلى الله عليه وسلم لما جىء له بحجرين وروثة ليستنجى بها أخذ الحجرين ورد الروثة وقال :هذا ركس ، والركس النجس.

وأما أمره صلى الله عليه وسلم العرنيين بشرب أبوال الإبل فكان للتداوى، والتداوى بالنجس جائز عند فقد الطاهر إلا خالص الخمر، ولأن أبوال مأكول اللحم وأرواثها مما استحال بالباطن، وكل ما استحال بالباطن نجس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۹۱،۹۲، مادة "نجاسة")

www.idaraghufran.org

جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک شیرخوار یعنی دودھ پیتا لڑکا جو ابھی کھانا نہیں کھاتا، اس کا پیشاب، بڑے بچوں سے ہلکے درجہ کا ناپاک ہوتا ہے، جو اگر کسی کپڑے وغیرہ کو لگ جائے، تو اس کو دھونا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس پر پانی چھڑکنا کافی ہوجاتا ہے، اور اس عمل سے وہ جگہ پاک ہوجاتی ہے۔

البتہ اگر وہ شیرخوار بچہ ''لڑکی'' ہو، تو ان حضرات کے نزدیک اس کے پیشاب کو دھونا ضروری ہوتا ہے۔ [1]

**مسئلہ نمبر ۸:**...... کسی انسان یا جانور کے پس خوردہ (یا جوٹھے) سے مراد وہ کھانا یا پینا ہے، جو اس کے کھانے پینے یا منہ ڈالنے کے بعد بچ گیا ہو۔ [2]

---

[1] التطهير من بول الغلام وبول الجارية:
ذهب الحنفية والمالكية إلى أن التطهير من بول الغلام وبول الجارية الصغيرين أكلا أو لا، يكون بغسله لقول النبى صلى الله عليه وسلم :استنزهوا من البول .
وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يجزء فى التطهير من بول الغلام الذى لم يطعم الطعام النضح، ويكون برش الماء على المكان المصاب وغمره به بلا سيلان، فقد روت أم قيس بنت محصن رضى الله عنها أنها أتت بابن لها صغير لم يأكل الطعام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأجلسه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجره، فبال على ثوبه، فدعا بماء فنضحه، ولم يغسله أما بول الجارية الصغيرة فلا يجزء فى تطهيره النضح، ولا بد فيه من الغسل، لخبر الترمذى ينضح بول الغلام، ويغسل بول الجارية، وفرق بينهما :بأن الائتلاف بحمل الصبى يكثر، فيخفف فى بوله، وبأن بوله أرق من بولها، فلا يلصق بالمحل كلصق بولها به.
قال أحمد :الصبى إذا طعم الطعام وأراده واشتهاه غسل بوله، وليس إذا طعم، لأنه قد يلعق العسل، وما يطعمه لغذائه وهو يريده ويشتهيه يوجب الغسل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص ۱۱۱، مادة ''طهارة'')

[2] السؤر لغة :بقية الشىء، وجمعه أسآر، وأسأر منه شيئا أبقى، وفى الحديث إذا شربتم فأسئروا أى أبقوا شيئا من الشراب فى قعر الإناء، وفى حديث الفضل بن عباس ما كنت أوثر على سؤرك أحدا.ورجل سأر أى يبقى فى الإناء من الشراب.
ويقال :سأر فلان من طعامه وشرابه سؤرا وذلك إذا أبقى بقية .وبقية كل شىء سؤره .
والسؤر فى الاصطلاح هو :فضلة الشرب وبقية الماء التى يبقيها الشارب فى الإناء، أو فى الحوض، ثم استعير لبقية الطعام أو غيره .قال النووى :ومراد الفقهاء بقولهم :سؤر الحيوان طاهر أو نجس :لعابه ورطوبة فمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۱۰۰، مادة ''سؤر'')

www.idaraghufran.org

مالکیہ کے نزدیک انسان اور تمام جانوروں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک شمار ہوتا ہے، یہاں تک کہ جن جانوروں کا گوشت حرام ہے، ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی پاک شمار ہوتا ہے، البتہ کتے اور نجاست کھانے والے جانوروں اور آزاد پھرنے والی مرغی اور دوسرے نجاست خور جانوروں اور بلی وغیرہ کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک، مگر مکروہ ہے۔ [1]

اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھی) چیزوں کے حکم کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

چنانچہ شافعیہ کے نزدیک انسانوں اور تمام جانوروں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک ہے، جس میں کوئی کراہت نہیں، خواہ وہ ایسے جانور ہوں جن کا گوشت حلال ہے، اور خواہ ایسے ہوں کہ جن کا گوشت حرام ہے، جیسا کہ گدھا اور چیر پھاڑ کرنے والے درندے مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، بلی وغیرہ، اور چوہا، سانپ اور چھپکلی اور تمام پرندے، سوائے کتے اور خنزیر کے۔ [2]

---

[1] وذهب المالكية والأوزاعي إلى أن سؤر البهائم جميعا طاهر ومطهر إذا كان ماء ، ولو كانت هذه البهيمة محرمة اللحم أو كانت جلالة، ويدخل في ذلك الكلب والخنزير، وما تولد منها أو من أحدهما لقوله تعالى :(هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا)فأباح الانتفاع بالأشياء كلها، ولا يباح الانتفاع إلا بالطاهر، وحرمة الأكل لبعض الحيوانات لا تدل على النجاسة، فالآدمي ومثله الذباب والعقرب والزنبور ونحوها طاهر ولا يباح أكلها، إلا أنه يجب غسل الإناء من ولوغ الكلب مع طهارته تعبدا، ولكن يكره الوضوء بسؤر الكلب والجلالة والدجاجة المخلاة وشارب الخمر، وكذا بقية الحيوانات التى لا تتوقى النجاسة كالهرة، إلا إذا لم يجد ماء آخر يتوضأ به، أو عسر الاحتراز من الحيوانات التى لا تتقى النجاسة، أو كان السؤر طعاما فلا يكره استعمال سؤر ما ذكر حينئذ .ولم يفرق بعضهم بين الماء والطعام وذلك لمشقة الاحتراز، ولقوله صلى الله عليه وسلم فى الهرة :ليست بنجس إنها من الطوافين عليكم أو الطوافات.

كما ذهبوا إلى طهارة سؤر الحائض والنفساء والجنب ولو كانوا كفارا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۰۷، وص۱۰۸، مادة "سؤر")

[2] وذهب الشافعية إلى أن سؤر جميع الحيوانات من الأنعام، والخيل والبغال والحمير والسباع والهرة والفئران والطيور والحيات وسام أبرص، وسائر الحيوانات المأكولة وغير المأكولة -سؤر هذه الحيوانات طاهر لا كراهة فيه إلا الكلب والخنزير وما تولد منهما أو من أحدهما.

فإذا ولغ أحد هذه الحيوانات فى طعام جاز أكله بلا كراهة، وإذا شرب من ماء جاز الوضوء به بلا كراهة. واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(وما جعل عليكم فى الدين من حرج)أن فى تنجيس سؤر هذه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنابلہ کے نزدیک انسان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) اور اسی طرح جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) تو پاک ہے۔

اور کتے اور خنزیر کا پس خوردہ (یا جوٹھا) ناپاک ہے، اور ان دونوں جانوروں کے علاوہ باقی چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں اور درندوں اور گدھے کا پس خوردہ (یا جوٹھا) ایک روایت کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحيوانات حرجا، ويعسر الاحتراز عن بعضها كالهرة ونحوها من سواكن البيوت.

ولما ورد عن كبشة زوجة أبي قتادة رضي الله عنهما أن أبا قتادة دخل عليها فسكبت له وضوء ا فجاء ت هرة تشرب منه فأصغى لها الإناء حتى شربت، قالت كبشة :فرآني أنظر إليه، فقال: أتعجبين يا ابنة أخي؟ فقلت :نعم .فقال :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إنها ليست بنجس إنما هي من الطوافين عليكم أو الطوافات.

ولما روى عن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قيل له :أنتوضأ بما فضلت الحمر؟ قال :وبما أفضلت السباع.

وعن عمرو بن خارجة رضي الله عنه قال :خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم على ناقته، وإن لعابها يسيل بين كتفي .

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الحياض التي بين مكة والمدينة تردها السباع والكلاب والحمر، وعن الطهارة منها، فقال صلى الله عليه وسلم :لها ما حملت في بطونها، ولنا ما غبر طهور ولقول عمر المتقدم وفيه فإننا نرد على السباع وترد علينا.

أما الكلب والخنزير وما تفرع منهما أو من أحدهما فسؤره نجس، لقوله تعالى في الخنزير :(فإنه رجس)الآية ولقوله صلى الله عليه وسلم في الكلب :طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب أن يغسله سبع مرات أولاهن بالتراب وفي رواية فليرقه أي الماء الذي ولغ فيه .والإراقة للماء إضاعة مال، فلو كان الماء طاهرا لما أمر بإراقته إذ قد نهى عن إضاعة المال.

وإن رأى شخص هرة أو نحوها تأكل نجاسة ثم وردت على ماء قليل أي لا يبلغ قلتين فشربت منه ففيه ثلاثة أوجه عند الشافعية:

أصحها :أنه إن غابت ثم رجعت لم ينجس الماء لأنه يجوز أن تكون قد وردت على ماء كثير فطهر فمها ولأنا -في هذه الحالة -قد تيقنا طهارة الماء وشككنا في نجاسة فمها، فلا ينجس الماء المتيقن بالشك.

والثاني :ينجس الماء لأنا تيقنا نجاسة فمها.

والثالث :لا ينجس الماء بحال لأنه لا يمكن الاحتراز منها فعفي عنه، ودليل هذا الوجه حديث :إنما هي من الطوافين عليكم أو الطوافات وهذا هو الأحسن عند الغزالي وغيره لعموم الحاجة وعسر الاحتراز فهي كاليهودي وشارب الخمر فإنه لا يكره سؤرهما عند الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۰۴، وص۱۰۵، مادة "سؤر")

www.idaraghufran.org

مطابق ناپاک ہے، سوائے بلی کے اور سوائے ان چیرنے پھاڑنے والے جانوروں کے، جو جسامت میں بلی سے چھوٹے ہوتے ہیں، کہ ان کا پس خوردہ پاک ہے۔ [1]

[1] وذهب الحنابلة إلى تقسيم الحيوان إلى قسمين قسم نجس وقسم طاهر.
ثم قسموا النجس إلى نوعين:
النوع الأول :ما هو نجس رواية واحدة وهو الكلب والخنزير وما تولد منهما أو من أحدهما، فهذا النوع سؤره وعينه وجميع ما يخرج منه نجس، لقوله تعالى فى الخنزير :(فإنه رجس)الآية وقوله صلى الله عليه وسلم فى الكلب :إذا ولغ الكلب فى إناء أحدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرات وفى رواية :ليغسله سبع مرات أولاهن بالتراب.
فإذا ولغ فى ماء أو مائع آخر يجب إراقته، وإذا أكل من طعام فلا يجوز أكله.
النوع الثانى :ما اختلف فى نجاسته وهو سائر سباع البهائم وجوارح الطير والحمار الأهلى والبغل، فعن أحمد أن سؤرها نجس إلا السنور وما يماثلها فى الخلقة أو دونها فيها، فإذا شربت من ماء قليل ولم يجد غيره تركه وتيمم، لأن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الماء وما ينوبه من السباع.
فقال :إذا كان الماء قلتين فإنه لا ينجس فلو كانت طاهرة لم يحده بالقلتين .ولقوله صلى الله عليه وسلم فى الحمر الأهلية يوم خيبر :إنها رجس ولأنه حيوان حرم أكله، لا لحرمته مثل الفرس - حيث يحرم أكله عند من يقول بحرمته -ويمكن التحرز منه غالبا فأشبه الكلب؛ ولأن السباع والجوارح الغالب عليها أكل الميتات، والنجاسات فتنجس أفواهها، ولا يتحقق وجود مطهر لها، فينبغى أن يقضى بنجاستها كالكلاب.
وروى عن أحمد أنه قال :فى البغل والحمار إذا لم يجد غير سؤرها تيمم معه وهو قول الثورى.
قال ابن قدامة :وهذه الرواية تدل على طهارة سؤرهما؛ لأنه لو كان نجسا لم تجز الطهارة به .
وروى عن إسماعيل بن سعيد :لا بأس بسؤر السباع لأن عمر قال فيها :ترد علينا ونرد عليها، ثم قال :والصحيح عندى طهارة البغل والحمار، لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يركب الحمير والبغال، وتركب فى زمنه، وفى عصر الصحابة، فلو كانت نجسة لبين النبى صلى الله عليه وسلم ذلك؛ ولأنه لا يمكن التحرز منها بالنسبة لمقتنيها فأشبه الهرة، ومن هذا النوع الجلالة التى تأكل النجاسات ففى رواية أن سؤرها نجس، وفى أخرى أنه طاهر.
القسم الثانى :طاهر فى نفسه، وسؤره وعرقه طاهران وهو ثلاثة أضرب:
الأول :الآدمى، فهو طاهر وسؤره طاهر سواء كان مسلما أو كافرا، رجلا أو امرأة، وإن كانت حائضا أو نفساء أو كان الرجل جنبا لقوله صلى الله عليه وسلم :المؤمن لا ينجس،ولحديث شرب النبى صلى الله عليه وسلم من سؤر عائشة.
الضرب الثانى :ما يؤكل لحمه، فسؤره طاهر يجوز شربه والوضوء به، إلا إن كان جلالا يأكل النجاسات ففى سؤره الروايتان السابقتان .ويكره سؤر الدجاجة المخلاة لأن الظاهر نجاسته.
الضرب الثالث :الهرة وما يماثلها من الخلقة أو دونها كالفأرة وابن عرس ونحو ذلك من حشرات الأرض، فسؤره طاهر يجوز شربه والوضوء به، ولا يكره، لحديث عائشة رضى الله عنها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حنفیہ کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھی) چیزوں کی مجموعی طور پر چار اقسام ہیں۔

ایک وہ کہ جن کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک ہے، دوسری وہ کہ جن کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک مگر مکروہ ہے، تیسری وہ کہ جن کا پس خوردہ (یا جوٹھا) ناپاک ہے، چوتھی وہ کہ جن کا پس خوردہ (یا جوٹھا) مشکوک ہے۔

حنفیہ کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھے) کی پہلی قسم وہ ہے کہ جن چیزوں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک ہے، ان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) تو بہر حال پاک ہے، خواہ وہ مسلم ہو، یا غیر مسلم، عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بڑا، جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو، یا عام پاکی کی حالت میں ہو، البتہ شراب پینے کے فوراً بعد منہ دھوئے بغیر کھانے پینے والے کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک نہیں ہے۔

اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، خواہ وہ چوپائے ہوں یا پرندے، اُن کا پس خوردہ

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قالت :كنت أتوضأ أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد وقد أصابت منه الهرة قبل ذلك قالت :وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ بفضل الهرة،ولحديث كبشة الذى سبق ذكره.

إلا أن أبا هريرة رضى الله عنه قال :يغسل الإناء الذى ولغت فيه الهرة مرة أو مرتين، وبه قال ابن المنذر، وقال الحسن وابن سيرين :مرة، وقال طاوس :سبع مرات كالكلب، وروى عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كره الوضوء بسؤر الهرة والحمار.

وإذا أكلت الهرة ونحوها نجاسة ثم شربت من ماء يسير بعد أن غابت فالماء طاهر، لأن النبى صلى الله عليه وسلم نفى عنها النجاسة، وتوضأ بفضلها مع علمه بأنها تأكل النجاسات .وكذا إن شربت قبل أن تغيب فسؤرها طاهر كذلك فى الراجح، لأن الشارع عفا عنها مطلقا لمشقة التحرز.

وقال القاضى وابن عقيل :ينجس الماء ؛ لأنه وردت عليه نجاسة متيقنة، وقال المجد ابن تيمية : الأقوى عندى أنها إن ولغت عقيب الأكل فسؤرها نجس، وإن كان بعده بزمن يزول فيه أثر النجاسة بالريق لم ينجس، قال :وكذلك يقوى عندى جعل الريق مطهرا أفواه الأطفال وبهيمة الأنعام، وكل بهيمة أخرى طاهرة، فإذا أكلوا نجاسة وشربوا من ماء يسير أو أكلوا من طعام فسؤرهم طاهر، وقيل :إن غابت الهرة ونحوها بعد أن أكلت النجاسة غيبة يمكن ورودها على ما يطهر فمها فسؤرها طاهر وإلا فنجس.

وقيل :إن كانت الغيبة قدر ما يطهر فمها فطاهر، وإلا فنجس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۰۵، الیٰ ص۱۰۷، مادة "سؤر")

(یا جوٹھا) بھی پاک ہے، سوائے آزاد پھرنے والی مرغی، اور گندگی کھانے کے عادی جانور کے، کہ ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) مکروہ ہے، البتہ جب ان کو چند دن پابند رکھ کر پاک غذاء کھلائی جائے، تب ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) مکروہ نہیں رہتا۔

اور گھوڑے کا پس خوردہ (یا جوٹھا) امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق پاک ہے، اور امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کے مطابق ناپاک ہے۔

اسی طرح جن جانوروں میں بہتا خون نہیں ہوتا، ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی پاک ہے۔ [1]

---

[1] اختلف الفقهاء فی أحكام الأسآر علی اتجاهين:
أحدها :يذهب إلى طهارة الأسآر، وهو مذهب المالكية.
والآخر :مذهب الجمهور الذين يرون طهارة بعض الأسآر ونجاسة بعضها .والتفصيل كما يلی:
ذهب الحنفية إلى تقسيم الأسآر إلى أربعة أنواع:
النوع الأول :سور متفق على طهارته وهو سؤر الآدمی بجميع أحواله مسلما كان أو كافرا، صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا أو أنثى، طاهرا أو نجسا حائضا أو نفساء أو جنبا .وقد أتی عليه الصلاة والسلام بلبن فشرب بعضه وناول الباقی أعرابيا كان على يمينه فشرب، ثم ناوله أبا بكر رضی الله عنه فشرب، وقال :الأيمن فالأيمن وعن عائشة رضی الله عنها قالت :كنت أشرب وأنا حائض، ثم أناوله النبی صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فی فيشرب.
ولأن سؤر الآدمی متحلب من لحمه، ولحمه طاهر، فكان سؤره طاهرا، إلا فی حال شرب الخمر فيكون سؤره نجسا؛ لنجاسة فمه بالخمر.
ومن النوع الأول المتفق على طهارته سؤر ما يؤكل لحمه من الأنعام والطيور إلا الجلالة والدجاجة المخلاة، لما روی أن النبی صلى الله عليه وسلم توضأ بسؤر بعير أو شاة ولأن سؤره متولد من لحمه ولحمه طاهر.
أما سؤر الجلالة والدجاجة المخلاة وهی التی تأكل النجاسات حتى أنتن لحمها فيكره استعماله لاحتمال نجاسة فمها ومنقارها.
وإذا حبست حتى يذهب نتن لحمها فلا كراهة فی سؤرها.
وأما سؤر الفرس فطاهر على قول أبی يوسف ومحمد، وظاهر الرواية عن أبی حنيفة، وهو الصحيح؛ لأن سؤره متحلب من لحمه، ولحمه طاهر؛ ولأن كراهة لحمه عنده ليست لنجاسته بل لاحترامه؛ لأنه آلة الجهاد وإرهاب العدو، وذلك منعدم فی سؤره فلا يؤثر فيه.
ويری أبو حنيفة فی رواية أخرى عنه أن سؤره نجس بناء على الرواية الأخرى عنه بنجاسة لحمه.
ومن هذا النوع :ما ليس له نفس سائلة أی دم سائل، سواء كان يعيش فی الماء أو فی غيره فسؤره طاهر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۱۰۰، مادة "سؤر")

اور حنفیہ کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھے) کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن چیزوں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک مگر مکروہ ہے، ان کی تفصیل یہ ہے کہ جن پرندوں کا گوشت حرام ہے، جیسا کہ گِدھ، چیل وغیرہ، ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) پاک مگر مکروہ ہے۔

اور گھر میں رہنے والے حشرات الارض جیسا چوہا، سانپ اور چھپکلی وغیرہ کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی پاک مگر مکروہ ہے، اور اسی طرح بلی کا پس خوردہ (یا جوٹھا) بھی پاک ہے، البتہ مکروہ ہے، اگر احتیاط کرلے اور بچے، تو بہتر ہے، اور استعمال کرے تو گناہ نہیں۔ [1]

---

[1] النوع الثانی :السؤر الطاهر المكروه وهو سؤر سباع الطير كالبازى والصقر والحدأة ونحوها فسؤرها طاهر؛ لأنها تشرب بمنقارها وهو عظم جاف فلم يختلط لعابها بسؤرها؛ ولأن صيانة الأوانی عنها متعذرة؛ لأنها تنقض من الجو فتشرب، إلا أنه يكره سؤرها؛ لأن الغالب أنها تتناول الجيف والميتات فأصبح منقارها فی معنى منقار الدجاجة المخلاة .وروى عن أبی حنيفة وأبی يوسف أن سباع الطير إن كان لا يتناول الميتات مثل البازى الأهلی ونحوه فلا يكره الوضوء بسؤره.

ومن هذا النوع سؤر سواكن البيوت كالفأرة والحية والوزغة والعقرب ونحوها من الحشرات التی لها دم سائل؛ لأنه يتعذر صون الأوانی منها.

ومن هذا النوع أيضا :سؤر الهرة فهو طاهر ولكنه مكروه لما روى عن أبی هريرة رضی الله عنه مرفوعا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :السنور سبع ولقوله صلى الله عليه وسلم يغسل الإناء إذا ولغ فيه الكلب سبع مرات أولاهن أو آخرهن بالتراب، وإذا ولغت فيه الهرة غسل مرة.

والمعنى فی كراهة سؤر الهرة من وجهين:

أحدهما ما ذكره الطحاوی :وهو أن الهرة نجسة لنجاسة لحمها، وسؤرها نجس مختلط بلعابها المتولد من لحمها النجس، ولكن سقطت نجاسة سؤرها اتفاقا، لعلة الطواف المنصوصة فی قوله صلى الله عليه وسلم :إنما هی من الطوافين عليكم أو الطوافات. حيث إنها تدخل المضائق وتعلو الغرف فيتعذر صون الأوانی منها.

ولما سقط حكم النجاسة من سؤرها لضرورة الطواف بقيت الكراهة؛ لعدم تحاميها النجاسة ولإمكان التحرز عنها فی الجملة.

والثانی :ما ذكره الكرخی وهو أن الهرة ليست بنجسة -وإلى هذا ذهب أبو يوسف -لأن النبی صلى الله عليه وسلم نفى عنها النجاسة بقوله :إنها ليست بنجس ولكن يكره سؤرها لتوهم أخذها الفأرة فصار فمها كيد المستيقظ من نومه .فلو أكلت الفأرة ثم شربت الماء قال أبو حنيفة :إن شربته على الفور تنجس الماء ، وإن مكثت ساعة ولحست فمها ثم شربت فلا يتنجس بل يكره.

وقال أبو يوسف ومحمد :يتنجس الماء بناء على ما ذكراه فی سؤر شارب الخمر، وهو أن صب الماء شرط فی التطهير عند أبی يوسف ولم يوجد، وإن ما سوى الماء من المائعات ليس بطهور عند محمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۰۰، مادة "سؤر")

www.idaraghufran.org

اور حنفیہ کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھے) کی تیسری قسم وہ ہے کہ جن چیزوں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) ناپاک ہے، ان کی تفصیل یہ ہے کہ خنزیر اور کتے اور تمام چیر نے پھاڑنے والے درندوں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) ناپاک ہے، جیسا کہ شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ، سوائے بلی کے پس خوردہ (یا جوٹھے) کے، جس کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک پس خوردہ (یا جوٹھے) کی چوتھی اور آخری قسم وہ ہے کہ جن چیزوں کا پس خوردہ (یا جوٹھا) مشکوک ہے، ان میں گدھے اور خچر کا پس خوردہ (یا جوٹھا) شامل ہے کہ ان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) مشکوک ہے، لہٰذا پاک اشیاء تو گدھے اور خچر کے پس خوردہ (یا جوٹھے) سے ناپاک نہیں کہلائیں گی، اور ناپاک اشیاء ان کے پس خوردہ (یا جوٹھے) پانی سے پاک نہیں ہوں گی، کیونکہ یقین کا درجہ شک سے بڑھا ہوا ہے، اور اس لئے پہلے سے یقینی چیز کا حکم مشکوک چیز کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا، اور جب دوسرا پانی میسر نہ ہو تو ان کے پس خوردہ (یا جوٹھے) پانی سے وضو کیا جائے گا، اور احتیاطاً تیمّم بھی کیا جائے گا۔ [2]

---

[1] النوع الثالث :السؤر النجس المتفق على نجاسته فى المذهب وهو سؤر الكلب والخنزير وسائر سباع البهائم .أما الخنزير فلأنه نجس العين لقوله تعالى :(فإنه رجس)الآية .ولعابه يتولد من لحمه النجس .وأما الكلب فلأن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بغسل الإناء من ولوغه سبع مرات، ولسانه يلاقى الماء أو ما يشربه من المائعات الأخرى دون الإناء فكان أولى بالنجاسة؛ ولأنه يمكن الاحتراز عن سؤرهما وصيانة الأوانى عنهما، ولأن النبى صلى الله عليه وسلم عندما سئل عن الماء وما ينوبه من السباع؟ قال :إذا كان الماء قلتين فإنه لا ينجس،ولو كانت طاهرة لم يحده بالقلتين.
ولما روى أن عمر رضى الله عنه خرج فى ركب فيه عمرو بن العاص حتى وردا حوضا فقال عمرو بن العاص :يا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر :يا صاحب الحوض لا تخبره فإننا نرد على السباع وترد علينا .ولو لم يكن الماء يتنجس بشربها منه لم يكن للسؤال ولا للنهى عن الجواب معنى؛ ولأن هذه الحيوانات غير مأكولة اللحم ويمكن صون الأوانى منها، وعند شربها يختلط لعابها بالمشروب ولعابها نجس لتحلبه من لحمها وهو نجس، فكان سؤرها نجسا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۰۲، مادة "سؤر")

[2] النوع الرابع :المشكوك فى طهارة سؤره وهو الحمار الأهلى والبغل فسؤرهما مشكوك فى طهارته ونجاسته لتعارض الأدلة، فالأصل فى سؤرهما النجاسة؛ لأنه لا يخلو سؤرهما عن لعابهما، ولعابهما متحلب من لحمهما ولحمهما نجس، ولأن عرقه طاهر لما روى أن النبى صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر۹:**...... پسینہ وہ رطوبت کہلاتی ہے، جو انسان یا جانور کی جلد میں موجود مسامات سے حرارت یا گرمی وغیرہ کے نتیجہ میں خارج ہوتی ہے۔ [1]

انسان کے جسم سے خارج ہونے والے پسینہ کے پاک ہونے پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے، خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم، ہوش میں ہو یا بے ہوش، جاگتا ہوا ہو یا سوتا ہوا ہو، جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو یا عام حالت میں، بہرحال ہر انسان کا پسینہ پاک

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم كان يركب الحمار معروريا والحر حر الحجاز، ويصيب العرق ثوبه، وكان يصلى فى ذلك الثوب،فإذا كان العرق طاهرا فالسؤر أولى.

وقد تعارضت الآثار فى طهارة سؤر الحمار ونجاسته، فعن ابن عباس رضى الله عنهما أنه كان يقول: الحمار يعتلف القت والتبن فسؤره طاهر .وعن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كان يقول :إنه رجس، وتعارضت الأخبار فى أكل لحمه ولبنه كما تعارض تحقق أصل الضرورة فيه؛ لأنه ليس فى المخالطة كالهرة فلا يعلو الغرف ولا يدخل المضائق، وليس فى المجانبة كالكلب، فوقع الشك فى وقوع حكم الأصل، والتوقف فى الحكم عند تعارض الأدلة واجب، ولذلك كان مشكوكا فيه فلا ينجس سؤره الأشياء الطاهرة، ولا يطهر به النجس، وعند عدم الماء يتوضأ بسؤره ويتيمم احتياطا، وأيهما قدم جاز؛ لأن المطهر منهما غير متيقن، فلا فائدة فى الترتيب.

وقال زفر :يبدأ بالوضوء بسؤر الحمار أو البغل ليصير عادما للماء حقيقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۱۰۰، الیٰ ص ۱۰۴، مادة "سؤر")

[1] العرق لغة :ما جرى من أصول الشعر من ماء الجلد، قال صاحب اللسان :ويأتى لعدة معان منها :الثواب واللبن.

ويستعمل عند الفقهاء بمعنيين:

الأول :ما رشح من البدن.

والآخر :نوع من المسكرات يقطر من الخمر ويسمى عرقيا.

أ -الدمع:

الدمع لغة :ماء العين، يقال :دمعت العين دمعا إذا سال ماؤها، وعين دامعة أى :سائل دمعها.

ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن المعنى اللغوى .

والصلة بين العرق والدمع أن كلا منهما مما يفرزه الجسم ب -اللعاب:

اللعاب فى اللغة :ما سال من الفم، يقال :لعب الرجل إذا سال لعابه، وألعب أى :صار له لعاب يسيل من فمه، ولعاب الحية :سمها، ولعاب النحل العسل.

ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن المعنى اللغوى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۶۱، مادة "عرق")

www.idaraghufran.org

شمار ہوتا ہے۔ [1]

اور جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے، جیسا کہ گائے، بھینس، بکری وغیرہ، ان کا پسینہ بھی پاک ہے، اگر یہ کپڑے میں لگ جائے، یا پانی وغیرہ میں گر جائے، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اور باقی جانوروں کے پسینہ کے پاک وناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [2]

چنانچہ مالکیہ کے نزدیک ہر زندہ جانور کا پسینہ پاک ہے، خواہ وہ خشکی کا جانور ہو یا پانی کا، یہاں تک کہ کتے اور خنزیر کا پسینہ بھی ان کے نزدیک پاک ہے۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک پسینہ کا حکم اس جانور کے پاک یا ناپاک ہونے پر مبنی ہے، پس پاک جانور کا پسینہ پاک ہے، اور ناپاک جانور کا پسینہ ناپاک ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک تمام حیوانات پاک ہیں سوائے کتے اور خنزیر کے۔

اور حنابلہ کے نزدیک ناپاک جانور وہ ہے، جس کا گوشت حلال نہیں، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ ہو، بشرطیکہ وہ جانور بلی سے بڑا ہو، جیسا کہ گِدھ، چیل، شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا، خنزیر وغیرہ۔ [3]

---

[1] الحكم الإجمالي:

أ -العرق بمعنى ما رشح من البدن:

ذهب الفقهاء إلى طهارة عرق الإنسان مطلقا، لا فرق فى ذلك بين المسلم والكافر، الصاحى والسكران، والطاهر والحائض والجنب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ٦١، مادة "عرق")

[2] د -عرق الحيوان:

اختلف الفقهاء فى حكم طهارة عرق الحيوان أو نجاسته.

فذهبوا إلى طهارة عرق ما يؤكل لحمه من الحيوان، واختلفوا فيما عدا ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠، ص٨٨،مادة "نجاسة")

[3] وذهب المالكية إلى طهارة عرق كل حيوان حى، بحريا كان أو بريا، ولو كلبا أو خنزيرا.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن العرق له حكم حيوانه طهارة ونجاسة، فعرق الحيوان الطاهر طاهر، وعرق الحيوان النجس نجس.

وعند الشافعية كل الحيوانات طاهرة ما عدا الكلب والخنزير وما تفرع من أحدهما.

وعند الحنابلة :النجس من الحيوان ما لا يؤكل من الطير والبهائم مما فوق الهر خلقة كالصقر والبوم والعقاب والحدأة والنسر والرخم وغراب البين والأبقع والبغل والحمار والأسد والنمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ کےنزدیک جانوروں کا پسینہ ان کے گوشت کے حکم کے تابع ہے، کہ جن جانوروں کا گوشت حرام ہے، ان کا پسینہ بھی ناپاک ہے، اور جن جانوروں کا گوشت مکروہ ہے، ان کا پسینہ بھی مکروہ ہے، وغیرہ وغیرہ، اور حلال یا حرام گوشت والے جانوروں کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والفهد والذئب والكلب والخنزير وابن آوى والدب والقرد .قال صاحب المغنى :والصحيح عندى طهارة البغل والحمار؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يركبهما ويركبان فى زمنه وفى عصر الصحابة فلو كان نجسا لبين لهم النبى صلى الله عليه وسلم ذلك؛ ولأنهما لا يمكن التحرز منهما لمقتنيهما فأشبها السنور. والتفصيل فى مصطلح : (طهارة، ونجاسة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۰، ص ۶۱، الیٰ ص ۶۴، مادة "عرق")

[1] واختلفوا فى حكم طهارة عرق الحيوان:

فقسم الحنفية عرق الحيوان إلى أربعة أنواع :طاهر، ونجس، ومكروه، ومشكوك فيه، وذلك؛ لأن كل واحد منها متولد من اللحم فأخذ حكمه.

فالطاهر :عرق ما يؤكل لحمه من الحيوان، وعرق الفرس، أما عرق ما يؤكل لحمه؛ فلأنه يتولد من لحم مأكول فأخذ حكمه، وأما طهارة عرق الفرس؛ فلأن عرقه متولد من لحمه وهو طاهر، وحرمته لكونه آلة الجهاد لا لنجاسته.

والنجس :عرق الكلب والخنزير وسباع البهائم، أما الكلب فلنجاسة سؤره لقول النبى صلى الله عليه وسلم :طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب أن يغسله سبع مرات فهذا الحديث يفيد النجاسة؛ لأن الطهور مصدر بمعنى الطهارة فيستدعى سابقة التنجس أو الحدث، والثانى منتف، فتعين الأول، وأما الخنزير؛ فلأنه نجس العين لقوله تعالى (فإنه رجس) وأما سباع البهائم؛ فلأنه متولد من لحمها، ولحمها حرام نجس؛ لما ورد أن النبى صلى الله عليه وسلم :نهى عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذى مخلب من الطير .

والمكروه :عرق الهرة والدجاجة المخلاة وسباع الطير وسواكن البيوت، قال الكرخى :كراهية عرق الهرة لأجل أنها لا تتحامى النجاسة، وقال الطحاوى :الكراهة لحرمة لحمها.

قال الزيلعى :قول الطحاوى يدل على أنها إلى التحريم أقرب كسباع البهائم؛ لأن الموجب للكراهة لازم غير عارض، وقول الكرخى يدل على التنزه، وهذا أصح والأقرب إلى موافقة الحديث، فإنه عليه الصلاة والسلام قال فيها :إنها ليست بنجس إنما هى من الطوافين عليكم والطوافات وأما كراهة عرق الدجاجة المخلاة فلعدم تحاميها النجاسة، ويصل منقارها إلى ما تحت رجليها، ويلحق بها الإبل والبقر الجلالة، وأما كراهة عرق سباع الطير وسواكن البيوت فاستحسانا للضرورة وعموم البلوى، فسباع الطير تنقض من علو وهواء فلا يمكن صون الأوانى عنها لا سيما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر۱۰:**......جس جانور کا گوشت حلال ہے، اس کے جسم پر اُگنے والے بال اور اس کے جسم سے زندہ حالت میں کاٹے ہوئے بال پاک ہیں، خواہ وہ سادے بال ہوں، یا اونی بال ہوں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی البراری، وسواکن البیوت طوافها ألزم من الهرة؛ لأن الفأرة تدخل ما لا تقدر الهرة دخوله وهو العلة فی الباب لسقوط النجاسة، والقیاس أن یکون نجسا؛ لأن لحمها نجس وحرام .والعرق المشکوک فیه عرق الحمار والبغل لتعارض الأدلة؛ لأنه قد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه :أمر یوم خیبر بإکفاء القدور من لحوم الحمر الأهلیة وقال :إنها رجس . وأما البغل فهو من نسل الحمار فیکون بمنزلته، قال ابن عابدین :قیل :سببه تعارض الأخبار فی لحمه، وقیل اختلاف الصحابة فی سؤره، والأصح :أن الحمار أشبه الهرة لوجوده فی الدور والأفنیة، لکن الضرورة فیه دون الضرورة فیها لدخولها مضایق البیت فأشبه الکلب والسباع، فلما ثبت الضرورة من وجه دون وجه واستوی ما یوجب الطهارة والنجاسة تساقطا للتعارض، فصیر إلی الأصل، وهو هنا شیئان: الطهارة فی الماء ، والنجاسة فی اللعاب، ولیس أحدهما بأولی من الآخر فبقی الأمر مشکلا، نجسا من وجه، طاهرا من آخر(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۰، ص ۶۱، ۶۲، مادة "عرق")

[۱] حکم شعر الحیوان الحی:

شعر الحیوان الحی إما أن یکون من مأکول اللحم أو غیر مأکول اللحم، وفی کل حالة إما أن یکون متصلا به أو منفصلا عنه.

أما شعر الحیوان المأکول اللحم المتصل به إذا أخذ منه وهو حی فقد اتفق الفقهاء علی طهارته، مثله الصوف والوبر لقوله تعالی :(ومن أصوافها وأوبارها وأشعارها أثاثا ومتاعا إلی حین) والآیة سیقت للامتنان وهی عامة فی المتصل والمنفصل ویأتی الخلاف فی شمولها بشعر الحیوان المیت.

وأجمعت الأمة علی طهارة شعر الحیوان المأکول اللحم إذا جز منه وهو حی لمسیس الحاجة إلیه فی الملابس والمفارش لأنه لیس فی شعر المذکیات کفایة لحاجة الناس.

أما شعر الحیوان المأکول اللحم المنفصل عنه فی الحیاة :فذهب الحنفیة والمالکیة إلی طهارته إذا جز جزا .أما إذا نتف فأصوله التی فیها الدسومة نجسة، والأصل عندهم أن ما أبین من حی .فهو میت إلا إذا کان لا تحله الحیاة کالشعر والصوف والوبر فهو طاهر.

واشترط المالکیة أن یجز جزا بخلاف ما نتف نتفا فإن أصوله تکون نجسة.

وذهب الشافعیة إلی طهارته إذا جز واستدلوا بالآیة والإجماع المتقدمین.

قال إمام الحرمین وغیره :وکان القیاس نجاسته کسائر أجزاء الحیوان المنفصلة فی الحیاة ولکن أجمعت الأمة علی طهارتها.

أما إذا انفصل شعر الحیوان المأکول اللحم فی حیاته بنفسه أو نتف ففیه أوجه :الصحیح منها أنه طاهر لأنه فی معنی الجز، وإن کان مکروها، والجز فی الشعر کالذبح، فی الحیوان ولو ذبح الحیوان لم ینجس، فکذلک إذا جز شعره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے، اُن کے جسم پر اُگے ہوئے بال بھی پاک ہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک خنزیر کے اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک خنزیر اور کتے کے بال ناپاک شمار ہوتے ہیں، اور مالکیہ کے نزدیک تمام جانوروں کے بال پاک شمار ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کتے اور خنزیر کے بال بھی۔ [1]

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والثانی :إنه نجس سواء انفصل بنفسه أو بنتف لأن ما أبين من حی فهو میت.
ودلیل هذه القاعدة .حدیث أبی واقد اللیثی رضی الله عنه قال :قدم النبی صلی الله علیه وسلم. المدینة وهم یجبون أسنمة الإبل ویقطعون ألیات الغنم، فقال :ما قطع من البهیمة وهی حیة فهی میتة غیر أن الشافعیة استثنوا الشعر للإجماع علی طهارته لحاجة الناس إلیه وقصر الحنفیة والمالکیة الحدیث علی ما تحله الحیاة ولذا استثنوا الشعر.
وعند الحنابلة علی المذهب أن شعر کل حیوان کبقیة أجزائه ما کان طاهرا فشعره طاهر، وما کان نجسا فشعره نجس، لا فرق بین حالة الحیاة وحالة الموت.
فی روایة أنه نجس، وفی أخری طاهر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۶، ص ۱۱۱، مادة ”شعار“)

[1] مندرجہ بالا حکم تو اس وقت ہے، جبکہ وہ بال زندہ جانور کے جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں، اور جو بال جانور کے جسم سے علیٰحدہ ہو جائیں، یا کر لیے جائیں، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ بھی پاک شمار ہوتے ہیں۔
اور شافعیہ کے نزدیک غیر ماکول اللحم زندہ جانور کے جسم سے علیٰحدہ کیے ہوئے بال ناپاک شمار ہوتے ہیں۔
اور حنابلہ کے نزدیک زندہ جانور کے جسم سے علیٰحدہ کیے ہوئے بالوں کا حکم اس جانور کے حلال یا حرام ہونے کے تابع ہے۔
لیکن امام احمد کی ایک روایت کے مطابق جس کو ابنِ تیمیہ نے بھی اختیار کیا ہے، ہر قسم کے زندہ جانور سے الگ کیے ہوئے بال پاک شمار ہوتے ہیں۔
أما شعر الحیوان غیر مأکول اللحم المتصل به فاتفق الفقهاء علی طهارته، واستثنی الحنفیة الخنزیر واستثنی الشافعیة والحنابلة الخنزیر والکلب لأن عینهما نجسة .أما المالکیة فذهبوا إلی طهارة الکلب والخنزیر لأن الأصل عندهم أن کل حی طاهر.
أما شعر المنفصل عنه، فعند الحنفیة والمالکیة هو طاهر بناء علی ما تقدم من أن ما أبین من حی فهو میت، إلا ما لا تحله الحیاة کالشعر .ویستثنی من ذلک ما کان نجس العین کالخنزیر عند الحنفیة. أما المالکیة فهو طاهر عندهم إذا جز، لا إذا نتف .(ینظر فی تفصیل أحکام شعر الخنزیر مصطلح: خنزیر ف . وذهب الشافعیة إلی نجاسته لأن ما أبین من حی فهو میت.
وعند الحنابلة علی المذهب أن حکمه حکم بقیة أجزائه، فما کان طاهرا فشعره طاهر وما کان نجسا فشعره نجس .
وفی روایة عن أحمد اختارها ابن تیمیة أن شعر الکلب والخنزیر وما تولد منهما طاهر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۶، ص ۱۱۱، وص ۱۱۲، مادة ”شعار“)

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۱۱:**...... انسان کی ہڈی تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک پاک ہے، خواہ زندہ ہو، یا مُردہ، اور خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

اور اسی طرح مچھلی وغیرہ، پانی کے جانور کی ہڈی بھی پاک شمار ہوتی ہے۔

اور اسی طرح جو جانور حلال ہو، اور شرعی طریقہ پر اس کو ذبح کر دیا جائے، اس کی ہڈی بھی پاک شمار ہوتی ہے۔ [1]

لیکن جو جانور مُردار ہو، یا شرعی طریقہ پر ذبح شُدہ ایسا جانور ہو، جس کا گوشت حرام ہے، اس کی ہڈی کے پاک یا ناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اکثر فقہائے کرام اس کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔

جبکہ حنفیہ اور بعض دیگر اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس طرح کے جانور کی ہڈی بھی پاک شمار ہوتی ہے، سوائے خنزیر کی ہڈی کے۔ [2]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أن عظم الآدمى طاهر سواء كان حيا أو ميتا وسواء كان مسلما أو كافرا لقوله تعالى :(ولقد كرمنا بنى آدم) الآية، ومن التكريم أن لا يحكم بنجاسته بالموت.

وذهب الفقهاء كذلك إلى أن عظم السمك يبقى طاهرا بعد موته لقوله صلى الله عليه وسلم: أحلت لنا ميتتان ودمان الجراد والحيتان والكبد والطحال.

كما ذهبوا إلى أن عظم مأكول اللحم المذبوح شرعا طاهر يجوز الانتفاع به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۰، ص ۱۵۹، مادة "عظم")

[2] اختلف الفقهاء فى حكم الانتفاع بعظم الميتة من الحيوان المأكول اللحم وقرنها وظلفها وظفرها على قولين:

أحدهما :للشافعية فى المذهب والمالكية والحنابلة، وهو أنها نجسة لا يحل الانتفاع بها، وذلك لقوله تعالى :(قال من يحيى العظام وهى رميم قل يحييها الذى أنشأها أول مرة)حيث دل على أنها كانت حية، فصارت عند الموت ميتة، وإذا ثبت أنها ميتة، وجب أن يحرم الانتفاع بها لعموم قوله تعالى :(حرمت عليكم الميتة)

والثانى :للحنفية وابن وهب من المالكية وأحمد فى رواية عنه اختارها ابن تيمية وهو أنها طاهرة يحل الانتفاع بها، وذلك لأنها أجسام منتفع بها، غير متعرضة للتعفن والفساد، فوجب أن يقضى بطهارتها، كالجلود المدبوغة، ولأن نجاسة الميتات ليست لأعيانها، بل لما فيها من الدماء السائلة والرطوبات النجسة، وهى ليست موجودة فى هذه الأشياء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۳۹۱ وص ۳۹۲، مادة "ميتة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر۱۲:**...... زندہ انسان کا دودھ تو بالاتفاق پاک ہے، اور زندہ جانور اگر ایسا ہو کہ جس کا گوشت کھانا حلال ہو، تو اس کا دودھ بھی بالاتفاق پاک ہے۔

اور اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کے دودھ کے پاک یا ناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف درحقیقت ان جانوروں کے گوشت کے حلال یا حرام ہونے پر مبنی ہے، پس جن جانوروں کا گوشت جن فقہائے کرام کے نزدیک حلال ہے، ان کا دودھ بھی ان کے نزدیک پاک ہے، اور جن جانوروں کا گوشت جن فقہائے کرام کے نزدیک حرام ہے، ان کا دودھ بھی ان کے نزدیک ناپاک ہے۔ [1]

اور اگر مردہ جانور ہو، مگر وہ ایسا جانور ہو کہ جس کا گوشت کھانا حلال تھا، تو اس مردہ جانور کا دودھ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق پاک ہے، اور باقی فقہائے کرام کے نزدیک ناپاک ہے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلا أنهم اختلفوا فى عظم الميتة أو المذبوح الذى لا يؤكل لحمه، فذهب الجمهور وهم المالكية، والشافعية، والحنابلة، وإسحاق إلى أن عظام الميتة نجسة سواء كانت ميتة ما يؤكل لحمه أو ما لا يؤكل لحمه، وسواء فى غير مأكول اللحم ذبح أو لم يذبح، وأنها لا تطهر بحال، ويحرم استعمالها لقوله تعالى :(حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير) ولأن ابن عمر رضى الله عنهما :كره أن يدهن فى عظم فيل؛ لأنه ميتة، والسلف يطلقون الكراهة ويريدون بها التحريم، كما يقول النووى.

وكذا ما أبين من حيوان نجس الميتة من العظام سواء كان حيا أو ميتا؛ لأنه جزء متصل بالحيوان اتصال خلقة فأشبه الأعضاء ، وكره عطاء وطاوس والحسن وعمر بن عبد العزيز رضى الله عنهم عظام الفيلة، ورخص فى الانتفاع بها محمد بن سيرين وابن جريج وذهب الحنفية إلى طهارة عظام الميتة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ١٥٩ وص ١٦٠ ، مادة "عظم")

[1] اللبن إما أن يكون من آدمى أو حيوان، فإن كان من آدمى حى فهو طاهر باتفاق.
وإن كان من حيوان حى مأكول اللحم فهو طاهر بلا خلاف.
واختلف الفقهاء فيما عدا ذلك تبعا لاختلافهم فى حل أكل الحيوان، فما حل أكله كان لبنه طاهرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠، ص٨٨،مادة "نجاسة")

[2] نجاسة لبن الميتة:
اختلف الفقهاء فى نجاسة اللبن الخارج من ميتة الحيوان المأكول اللحم على قولين:
أحدهما :لأبى حنيفة وأحمد فى رواية عنه، وهو أنه طاهر مأكول شرعا ، ودليلهم قوله عز وجل :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر۱۳:...... مذی، اور ودی تو فقہائے کرام کے نزدیک ناپاک ہے، اور منی کے پاک یا ناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ؎۱**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وإن لكم فى الأنعام لعبرة نسقيكم مما فى بطونه من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين) ، حيث إن الله سبحانه وصفه بكونه خالصا، فلا يتنجس بنجاسة مجراه، ووصفه بكونه سائغا، وهذا يقتضى الحل، وامتن علينا به، والمنة بالحلال لا بالحرام.

والثانى :لجمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة والصاحبين من الحنفية وهو أنه نجس، لا يحل تناوله، وذلك لقوله تعالى :(حرمت عليكم الميتة) حيث إن تحريم الميتة تحريم لجميع أجزائها، ومنها اللبن، ولأنه مائع فى وعاء نجس، فتنجس به، أشبه ما لو حلب فى إناء نجس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۳۸۹،مادة "ميتة")

؎۱ پیشاب کے علاوہ، مرد وعورت کے پیشاب کے راستہ سے خارج ہونے والا سیال مادہ (SubstanceLiquid) عام طور پر تین طرح کا ہوسکتا ہے، جس میں سے ایک منی کہلاتا ہے، جس کو انگریزی زبان میں Semen کہا جاتا ہے۔

یہ شہوت کی تکمیل کے موقع پر خارج ہونے والا مادہ ہے، جس میں توالد و تناسل کے اجزاء یعنی جنسی خلیے ( Germ Cell) شامل ہوتے ہیں، اور اس کے خارج ہونے پر ابھری ہوئی شہوت کی تسکین ہوجاتی ہے، یعنی وہ شہوت ٹھنڈی ہوجاتی ہے، یہ مادہ شرعی زبان میں منی کہلاتا ہے، جس کے خارج ہونے پر غسل واجب ہوجاتا ہے۔

منی (Semen ) کے علاوہ ایک دوسرا مادہ مذی کہلاتا ہے، جس کو انگریزی زبان میں Pre-ejaculate کہا جاتا ہے۔

یہ شہوت کے موقع پر خارج ہونے والا مادہ ہے، مگر اس کے خارج ہونے پر ابھری ہوئی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی، اور اس کی مقدار عموماً منی کی مقدار سے کم ہوتی ہے، یہ مادہ شرعی زبان میں مذی کہلاتا ہے، جس کے خارج ہونے پر غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ یہ مادہ شرعاً ناپاک ہوتا ہے، اور اس کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

منی (Semen) اور مذی کے علاوہ ایک تیسرا مادہ "ودی" کہلاتا ہے، جو عام طور پر پیشاب کے بعد یا کوئی بوجھ وغیرہ اُٹھانے کے وقت بغیر شہوت کے خارج ہونے والا مادہ ہے، اور اس کی مقدار بھی عموماً منی کی مقدار سے کم ہوتی ہے، اور شرعی اعتبار سے اس کا حکم بھی مذی کی طرح ہے، کہ یہ مادہ شرعاً ناپاک ہے، اور اس کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مگر اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

مذی اور ودی کا مادہ عام طور پر منی کے مقابلہ میں رقیق اور پتلا ہوتا ہے، اور منی کا مادہ عام طور پر تیزی اور شدت کے ساتھ خارج ہوتا ہے، جبکہ مذی اور ودی میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی۔

و "الْمَذْى "مَا يخرج من الذّكر عِنْد الملاعبة، والودى :مِنْهُ بعد الْبَوْل، والمنى :مَا يخرج عِنْد الْجماع .يُقَال :منى، وأمنى، وودى وأودى، ومذى وأمذى، وقد أنكر أودى .وَقَالَ الْأَبْهَرِىّ :وَذى بِالذَّالِ الْمُعْجَمَة وَلَا نعلمهُ من أَيْن قَالَ ذَلِك .و "الْمَنِىّ "من منى الله الشَّىْء إِذا قدره وهيأه لِيَكُون مِنْهُ الْمَوْلُود .وَسمى الْمَذْى مذيا لبياضه شبه ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پاک ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بالعسل الماذی وَهُوَ الْأَبْيَض، وَيُشبه أَن يكون من قَوْلهم :مذيت فرسی وأمذيته :إِذا أَرْسلتهُ ليرعی، وَتركته يذهب حَيْثُ شَاءَ.

و "الودی "من قَوْلهم :ودی الشَّيْء إِذا سَالَ، وَمِنْه :الْوَادی لسيلانه بِالْمَاءِ(مشكلات موطأ مالك بن أنس،للبطليوسی ، ج ۱ ، ص ۶۴)

مذاء) : بالتشديد والمد :أی كثير المذی بالمعجمة من أمذی وهو أرق من المنی يخرج عند الملاعبة أو النظر .قال ابن حجر :وهو ماء رقيق أصفر يخرج عند الشهوة الضعيفة وفی حكمه الودی بالمهملة .وهو ماء أبيض ثخين يخرج عقب البول أو عند حمل شیء ثقيل(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ، ص ۳۵۹، كتاب الطهارة، باب ما يوجب الوضوء )

الفروق بين المنی والمذی الودی-:

المنی :هو السائل المنوی الذی تفرزه غدتا البروستاتا والحويصلة المنوية وتختلط به والنطف الذكرية التی تم تكوينها بالخصيتين (ثم خزنت فی نهاية البربخ وبداية الوعاء الناقل) وسحبت أثناء عملية الإنزال بواسطة انقباض العضلات التی تحيط بالأوعية أو القنوات الناقلة تحت تأثير هرمون الأوكسی توسن( Oxytocin) والهرمونات الجنسية فيخرج المنی فی نهاية عملية الجماع أو الإثارة الجنسية للذكر .والسائل المنوی لونه أبيض تتراوح كميته ما بين 6-3مل لتر أو أكثر بقليل ,قلوی التركيز ويحتوی على النطف الذكرية والتی يصل عددها إلى مئات الملايين وهی تعادل 10%من حجم السائل المنوی .وكذلك يحتوی السائل المنوی على مواد غذائية ومنشطة للنطف الذكرية وبعض الهرمونات -وخروجه من الذكر يوجب الغُسل.

المذی :هو سائل لزج صافی غير كدر يفرز بكمية قليلة جداً من قناة الغدة البولية التناسلية أثناء أو قبل العملية الجنسية وأحياناً بعد البول وكما أسلفنا فإن وظيفته هو تنظيف مجری القناة البولية التناسلية وترطيب الأحليل أو القضيب ,وخروجه لوحده دون المنی يوجب الوضوء .

الودی : هو عبارة عن سائل منوی يخرج من غير شهوة أو رغبة جنسية(بدون تدفق) نتيجة للانقباضات اللاإرادية للعضلات والتی تحيط بالأوعية والقنوات للجهاز التناسلی للذكر ,ويخرج غالباً مع أو بعد التبول .وله عدة أسباب منها عدم الجماع لفترة طويلة فتتجمع هذه السوائل إلی موقع التخزين (نهاية البربخ) فيخرج جزء من هذه السوائل إلى الوعاء الناقل ثم إلى الخارج بشكل غير اعتيادی نتيجة لضغط السوائل داخل هذه الأوعية .والفرق الرئيسی بينه وبين المنی أنه يخرج دون أن تكون هناك أية إثارة جنسية ,ويخرج بشكل لا إرادی من الذكر وبدون تدفق ويكون أقل بكثير من كمية السائل المنوی (المختصر المفيد فی تحديد جنس الوليد، لعبدالرحمن عبدالله اليحی، ج ۱ ، ص ۴۶، و ۴۷)

[1] ک -المنی والمذی والودی :ذهب الفقهاء إلى نجاسة المذی، للأمر بغسل الذكر منه والوضوء فی حديث علی رضی الله عنه قال :كنت رجلا مذاء ، وكنت أستحيی أن أسأل النبی صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته، فأمرت المقداد بن الأسود فسأله، فقال :يغسل ذكره ويتوضأ ، ولأنه خارج من سبيل الحدث لا يخلق منه طاهر فهو كالبول.﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۱۴۱:...... بہتے ہوئے خون کے ناپاک ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ البتہ شہید کا خون فقہائے کرام کے نزدیک پاک ہے، جب تک اس کے جسم پر موجود ہو۔ ۱**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الفقهاء إلى نجاسة الودى كذلك.

واختلفوا فى نجاسة المنى أو طهارته :فذهب الحنفية والمالكية إلى نجاسته، وذهب الشافعية والحنابلة إلى طهارته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۹۲،۹۳، مادة "نجاسة")

۱ اور حنفیہ کے نزدیک جو خون بہتا ہوا نہ ہو، وہ معاف ہے، اور اسی طرح مکھی، مچھر اور کھٹمل وغیرہ کا خون بھی معاف ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک عرف میں جو خون تھوڑا شمار ہوتا ہو، وہ معاف ہے، سوائے کتے اور خنزیر کے خون کے، اور مکھی، مچھر وغیرہ کا خون بھی ان کے نزدیک معاف ہے، اور جو نجاست آنکھوں سے نظر نہ آئے، وہ بھی معاف ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک تھوڑا خون معاف ہے، البتہ کتے اور خنزیر کا خون معاف نہیں۔

ذهب الفقهاء إلى نجاسة الدم، لحديث أسماء رضى الله عنها قالت :جاء ت امرأة إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت :أرأيت إحدانا تحيض فى الثوب كيف تصنع؟ قال " :تحته ثم تقرصه بالماء وتنضحه وتصلى فيه، وقوله صلى الله عليه وسلم لعمار بن ياسر رضى الله عنهما :إنما يغسل الثوب من المنى والبول والدم وكذلك القيح والصديد لأنهما مثله.

واستثنى الفقهاء دم الشهيد عليه فقالوا بطهارته ما دام عليه، لقوله صلى الله عليه وسلم لقتلى أحد: زملوهم بدمائهم فإنه ليس كلم يكلم فى الله إلا يأتى يوم القيامة يدمى، لونه لون الدم وريحه ريح المسك.فإن انفصل الدم عن الشهيد كان الدم نجسا.

وذهب الحنفية إلى أنه يعفى عن دم الإنسان الذى لا يسيل عن رأس جرحه، ويعفى أيضا عن دم البق والبراغيث لأنه لا يمكن الاحتراز عنه وفيه حرج .

وذهب المالكية إلى أنه يعفى عما دون الدرهم من الدم المسفوح إذا انفصل عن الحيوان .

وذهب الشافعية إلى أنه يعفى عن اليسير فى العرف من الدم والقيح، سواء كان من نفسه كأن انفصل منه ثم عاد إليه أو كان من غيره، إلا دم الكلب والخنزير وفرع أحدهما فلا يعفى عن شىء منه لغلظ نجاسته، وأما دم الشخص نفسه الذى لم ينفصل منه كدم الدماميل والقروح وموضع الفصد فيعفى عن قليله وكثيره، انتشر بعرق أم لا.

ويعفى عن دم البراغيث والقمل ونحو ذلك مما تعم به البلوى ويشق الاحتراز عنه، ومحل العفو عن سائر الدماء ما لم يختلط بأجنبى، فإن اختلطت به كأن خرج من عينه دم أو دميت لثته لم يعف عن شىء منه.

وأما ما لا يدركه البصر من النجاسات فيعفى عنه ولو من النجاسة المغلظة لمشقة الاحتراز عنه .

وذهب الحنابلة إلى أنه يعفى عن يسير دم وما تولد منه من قيح وصديد فى غير مائع ومطعوم، أى أنه يعفى عنه فى الصلاة، لأن الإنسان غالبا لا يسلم منه ويشق التحرز منه، وقدر اليسير المعفو عنه هو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حیض ونفاس اوراستحاضہ کے خون کے ناپاک ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ [۱]
اور مچھلی اور پانی کے جانوروں کا خون پاک ہے۔ [۲]
اسی طریقہ سے جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد رگوں اور گوشت میں بچ جانے والا خون بھی پاک ہے، اوراسی وجہ سے اس خون کو گوشت کے ساتھ پکا کرکھانا جائز ہے۔ [۳]

**مسئلہ نمبر ۱۵:**...... قئ کے ناپاک ہونے، نہ ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء اور تفصیلات مختلف ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قئ ناپاک ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ جو قئ منہ بھرنے کی مقدار سے کم ہو، وہ پاک ہے، جس کے لباس اور بدن پر لگنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ما لا يفحش في النفس، والمعفو عنه من القيح ونحوه أكثر مما يعفى عن مثله من الدم، والمعفو عنه هو ما كان من آدمي أو حيوان طاهر خارجا من غير سبيل، فإن كان من سبيل لم يعف عنه، ولا يعفى عن الدم الخارج من حيوان نجس كالكلب والخنزير، ويضم متفرق في ثوب من دم ونحوه، فإن فحش لم يعف عنه، ويعفى عن دم بق وقمل ونحو ذلك من كل ما لا نفس له سائلة .(ر :عفوف ۷ وما بعدها، معفوات ف وما بعدها)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۸۹،و ۹۰،مادة "نجاسة")

[۱] ح -دم الحيض والاستحاضة والنفاس:
اتفق الفقهاء على نجاسة دم الحيض والنفاس والاستحاضة، لحديث عائشة رضى الله عنها قالت: جاء ت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت :يا رسول الله إني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا، إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي .
وللتفصيل في أثر الحيض والنفاس والاستحاضة في منع العبادات تنظر مصطلحات :(استحاضة ف وما بعدها، حيض ف وما بعدها، نفاس)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۹۰،مادة "نجاسة")

[۲] ودم السمك طاهر عند أبي حنيفة ومحمد، لإجماع الأمة على إباحة تناوله مع دمه، ولو كان نجساً لما أبيح، ولأنه ليس بدم حقيقة، بل هو ماء تلون بلون الدم؛ لأن الدموى لا يعيش في الماء(الفقه الاسلامی وادلته ،للزحيلي، ج ا ، ص ۲۹۴،الباب الاول الطهارات، المبحث السادس )

[۳] والدم الذي يبقى في العروق واللحم بعد الذبح طاهر؛ لأنه ليس بمسفوح، ولهذا حل تناوله مع اللحم(الفقه الاسلامی وادلته ،للزحيلي، ج ا ، ص ۲۹۵،الباب الاول الطهارات، المبحث السادس)

معدہ کے اس حصہ سے آتی ہے، جہاں جا کر کھانا نجاست سے تبدیل نہیں ہوتا، اور اس سے زیادہ یعنی منہ بھرنے کی مقدار ہو، تو وہ ناپاک ہے، کیونکہ وہ معدہ کے اس حصہ سے آتی ہے، جہاں جا کر کھانا نجاست سے تبدیل ہو جاتا ہے، پس اگر وہ ایک درہم یا پھیلاؤ میں ہتھیلی کے گہراؤ سے زیادہ مقدار میں ہو، تو اسے دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں ہوتا۔

اور شافعیہ کے نزدیک جو قی معدے (Stomach) کے حصہ سے خارج ہو، وہ ناپاک ہے، خواہ وہ کتنی مقدار میں ہو، اور اگر معدے (Stomach) کے حصہ سے اوپر مثلاً کھانے کی نالی (Esophagus) کے حصہ سے خارج ہو، تو وہ ناپاک نہیں ہوتی۔

اور حنابلہ کے نزدیک بہر حال قی ناپاک ہوتی ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک وہ قی تو ناپاک ہوتی ہے، جس کی حالت کھانے سے متغیر ہو چکی اور بدل چکی ہو، اور جس کی حالت میں تغیر پیدا نہ ہوا ہو، وہ پاک ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] طهارة القيء ونجاسته:

اختلفت الآراء فى طهارة القيء ونجاسته.

فيقول الحنفية والشافعية والحنابلة بنجاسته ولكل منهم تفصيله، وبذلك يقول المالكية فى المتغير عن حال الطعام ولو لم يشابه أحد أوصاف العذرة.

قال الحنفية :إن نجاسته مغلظة؛ لأن كل ما يخرج من بدن الإنسان وهو موجب للتطهير فنجاسته غليظة ولا خلاف عندهم فى ذلك، واستدلوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :يا عمار إنما يغسل الثوب من خمس :من الغائط، والبول، والقيء ، والدم، والمنى ، وهذا إذا كان ملء الفم، أما ما دونه فطاهر على ما هو المختار من قول أبى يوسف، وفى فتاوى نجم الدين النسفى :صبى ارتضع ثم قاء فأصاب ثياب الأم :إن كان ملء الفم فنجس، فإذا زاد على قدر الدرهم منع الصلاة فى هذا الثوب، وروى الحسن عن أبى حنيفة :أنه لا يمنع ما لم يفحش؛ لأنه لم يتغير من كل وجه وهو الصحيح. والثدى إذا قاء عليه الولد، ثم رضعه حتى زال أثر القيء ، طهر حتى لو صلت صحت صلاتها .

وعند الشافعية :أنه نجس، وإن لم يتغير حيث وصل إلى المعدة، ولو ماء وعاد حالا بلا تغير؛ لأن شأن المعدة الإحالة، فهو طعام استحال فى الجوف إلى النتن والفساد، فكان نجسا كالغائط، واستدلوا لذلك بالحديث السابق، وقالوا :إنه لو ابتلى شخص بالقيء عفى عنه فى الثوب والبدن وإن كثر كدم البراغيث.

والمراد بالابتلاء بذلك :أن يكثر وجوده بحيث يقل خلوه منه، واستثنوا من القيء عسل النحل فقالوا :إنه طاهر لا نجس معفو عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر۱۶:**...... بچہ دودھ پینے کے بعد جو اُلٹی کرتا ہے، اس کے بارے میں بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ اگر وہ منہ بھر کر ہو، تو وہ ناپاک ہے، جبکہ بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر بچہ دودھ پینے کے بعد جلد ہی اُس کی اُلٹی کر دے، تو خواہ کتنی ہی مقدار میں ہو، وہ ناپاک نہیں ہے۔ [1]

**مسئلہ نمبر۱۷:**...... حلال جانور کی فرج یعنی آگے کی شرمگاہ کی رطوبت اور تری امام ابوحنیفہ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعند الحنابلة :أنه نجس؛ لأنه طعام استحال فی الجوف إلى الفساد أشبه الغائط .

واختلفت الرواية عندهم فی العفو عن يسير القیء فروی عن أحمد أنه قال :هو عندی بمنزلة الدم، وذلک لأنه خارج من الإنسان نجس من غير السبيل فأشبه الدم، وعنه أنه لا يعفی عن يسير شیء من ذلک؛ لأن الأصل أن لا يعفی عن شیء من النجاسة خولف فی الدم وما تولد منه فيبقی فيما عداه علی الأصل.

وعند المالكية :أن النجس من القیء هو المتغير عن حال الطعام ولو لم يشابه أحد أوصاف العذرة، ويجب غسله عن الثوب والجسد والمكان، فإن كان تغيره بصفراء أو بلغم ولم يتغير عن حالة الطعام فطاهر .

فإذا تغير بحموضة أو نحوها فهو نجس وإن لم يشابه أحد أوصاف العذرة كما هو ظاهر المدونة واختاره سند والباجی وابن بشير وابن شاس وابن الحاجب خلافا للتونسی وابن رشد وعياض حيث قالوا :لا ينجس القیء إلا إذا شابه أحد أوصاف العذرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۸۶،۸۷، مادة "قیء" )

[1] وفی الفتح :صبی ارتضع ثم قاء فأصاب ثياب الأم إن كان ملء الفم فنجس، فإذا زاد علی قدر الدرهم منع .وروی الحسن عن الإمام أنه لا يمنع ما لم يفحش؛ لأنه لم يتغير من كل وجه وهو الصحيح؛ وقدمنا ما يقتضی طهارته .(قوله :مزيل) لم يقل مطهر لما علمت من أن بول المأكول لا يطهر اتفاقا؛ وإنما الخلاف فی إزالته للنجاسة الكائنة (ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۰۹، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

قال ابن القيم :ريق المولود ولعابه من المسائل التی تعم بها البلوی، وقد علم الشارع أن الطفل يقیء كثيرا، ولا يمكن غسل فمه، ولا يزال ريقه يسيل علی من يربيه، ولم يأمر الشارع بغسل الثياب من ذلک، ولا منع من الصلاة فيها، ولا أمر بالتحرز من ريق الطفل، فقالت طائفة من الفقهاء :هذا من النجاسة التی يعفی عنها للمشقة والحاجة كطين الشوارع، والنجاسة بعد الاستجمار، ونجاسة أسفل الخف والحذاء بعد دلكهما بالأرض . .بل ريق الطفل يطهر فمه للحاجة، كما كان ريق الهرة مطهرا لفمها، ويستدل لذلک بما ورد عن أبی قتادة رضی الله عنه أن النبی صلی الله عليه وسلم كان يصغی الإناء إلی الهر حتی يشرب، ثم يتوضأ بفضله (الموسوعة الفقهية الكويتية)

www.idaraghufran.org

سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک پاک ہے، اور اسی وجہ سے بکری وغیرہ کے پیدائشی بچہ کے جسم پر اور پرندہ کے انڈے کے اوپر لگی ہوئی رطوبت اور تری پاک ہوتی ہے، اور اگر یہ انڈہ دھوئے بغیر کسی پانی وغیرہ میں ڈالا جائے، تو اس سے وہ پانی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک اس جانور کی آگے والی شرمگاہ کی رطوبت وتری بھی پاک ہوتی ہے، جس کا گوشت حلال نہ ہو۔ [1]

**مسئلہ نمبر ۱۸:**...... شراب اکثر فقہائے کرام کے نزدیک پیشاب اور خون کی طرح ناپاک ہے۔

اور بعض اہلِ علم شراب کو حرام قرار دینے کے باوجود اس کو پاک قرار دیتے ہیں، یعنی اُن کے نزدیک اگر شراب کو کھانے پینے میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ خارجی طور پر مالش یا مرہم پٹی وغیرہ کی شکل میں استعمال کیا جائے، تو وہ جگہ ناپاک نہیں کہلاتی۔ [2]

**مسئلہ نمبر ۱۹:**...... فقہائے کرام نے بعض چیزوں کو نجس وناپاک ہونے کے باوجود، حرج وتنگی کی وجہ سے معاف قرار دیا ہے، اور فقہائے کرام نے اپنے اپنے طور پر اجتہاد کر کے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

---

[1] ذهب الجمهور إلى طهارة رطوبة فرج الحيوان الطاهر، وقد نص الحنفية على طهارة رطوبة السخلة إذا خرجت من أمها وكذا البيضة، فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء إذا وقعت فيه، وإن كرهوا التوضؤ به للاختلاف.

وعند الشافعية رطوبة الفرج طاهرة من كل حيوان طاهر ولو غير مأكول.

وخص المالكية طهارة رطوبة فرج الحيوان بالمباح الأكل فقط، وقيدوه بقيدين :أحدهما :ألا يتغذى على نجس، وثانيهما :أن يكون مما لا يحيض كالإبل، وإلا كانت نجسة عقب حيضه، وأما بعده فطاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٢، ص ٢٦٠، وص ٢٦١، مادة "رطوبة")

[2] البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک انگور اور کھجور کی شراب کے علاوہ، دوسری چیزوں سے تیار شدہ شرابیں حرام ہونے کے باوجود ناپاک نہیں ہیں یعنی ان سے نشہ کرنا تو جائز نہیں، لیکن نشہ کے علاوہ دوسرے طریقوں سے اور خارجی استعمال جائز ہے

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الخمر نجسة كالبول والدم، لثبوت حرمتها وتسميتها رجسا بقوله تعالى : إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس، والرجس فى اللغة : الشىء القذر أو النتن، وذهب بعض الفقهاء منهم ربيعة شيخ مالك والصنعانى والشوكانى إلى طهارتها تمسكا بالأصل، وحملوا الرجس فى الآية على القذارة الحكمية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠، ص ٩٤، مادة نجاسة)

www.idaraghufran.org

آگے مختلف فقہائے کرام کی بیان کردہ ایسی چیزوں کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل نجاستیں تنگی اور حرج کی وجہ سے معاف کی گئی ہیں۔

نجاستِ غلیظہ جبکہ کثیف اور ٹھوس ہو، اور وزن میں ایک درہم (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سے کم ہو، اور پتلی اور بہنے والی نجاست ہو، تو پھیلاؤ میں ایک درہم (یعنی ہتھیلی کے گہراؤ) سے کم ہو، معاف ہے۔

اور گندم وغیرہ میں پایا جانے والا بلی اور چوہے کا پاخانہ اور پیشاب، جبکہ بہت زیادہ مقدار میں نہ ہو، اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو، معاف ہے۔

اسی طرح سے چوہے کا کنویں میں گرنے والا پیشاب بھی معاف ہے، البتہ اگر چوہے کا پیشاب، پاخانہ کپڑے یا برتن کو لگ جائے، تو پھر وہ معاف نہیں، اور بلی کا پیشاب کپڑے کو لگ جائے، تو معاف ہے، اور اگر بلی کا پیشاب یا پاخانہ کپڑے کے علاوہ کسی اور چیز کو لگ جائے، تو وہ معاف نہیں۔

اور ناپاک چیز سے اٹھنے والے بخارات معاف ہیں، اور اسی طرح سے خشک گوبر وغیرہ کا گرد وغبار بھی معاف ہے، پس اگر ہوا سے غلاظت کا گرد وغبار اڑ کر کپڑوں کو لگ جائے، تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، اِلّا یہ کہ ناپاکی کا اثر واضح طور پر کپڑے میں ظاہر ہو۔

اور پیشاب کی باریک باریک چھینٹیں جو گرنے کے بعد نظر نہیں آتیں، وہ معاف ہیں، اگرچہ کپڑے یا بدن پر کتنی ہی زیادہ مقدار میں کیوں نہ پڑیں۔

اور قصاب کے لباس اور جسم کو لگنے والا خون ضرورت کی وجہ سے معاف ہے، البتہ اگر اس کے لباس پر خون لگا ہوا ہو، اور وہ لباس کسی تھوڑے پانی میں گر جائے، تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہاں ضرورت نہیں پائی جاتی۔

اور اگر مکھی، مچھر نجاست پر بیٹھ کر کسی کپڑے وغیرہ پر بیٹھ جائے، جس پر اس کے پاؤں وغیرہ پر لگی ہوئی نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے، تو وہ بھی معاف ہے۔

اور میت کو غسل دیتے وقت غسل دینے والے کے جسم پر جو چھینٹیں پڑتی ہیں، وہ غسل دیتے وقت معاف ہیں۔

اور گزرگاہوں وراستوں کا کیچڑ بھی معاف ہے، اگرچہ اس میں نجاست شامل اور غالب ہو، جب تک کہ عینِ نجاست جسم یا لباس پر نہ پڑے۔

اور نجاستِ خفیفہ کپڑے یا بدن کے چوتھائی حصہ سے کم مقدار میں لگی ہو، تو معاف ہے، اور اس میں وزن کا اعتبار نہیں۔

اور اونٹ اور بکری کی مینگنیاں اگر کنویں یا برتن میں گر جائیں، تو جب تک بہت زیادہ مقدار میں نہ ہوں، جو دیکھنے والے کو زیادہ محسوس ہوں، یا جب تک وہ ٹوٹ کر حل نہ ہوں، اس وقت تک معاف ہیں۔

اور گدھے کی لید اور گائے اور ہاتھی کا گوبر ضرورت اور عمومِ بلویٰ کی حالت میں معاف ہے، خواہ خشک ہو یا تر۔ [1]

---

[1] ج- -النجاسات المعفو عنها:

ذهب الحنفية إلى أنه يعفى فى النجاسة المغلظة عن أمور :فيعفى قدر الدرهم وزنا فى النجاسة الكثيفة وقدر بعشرين قيراطا، وفى النجاسة الرقيقة أو المائعة بقدر الدرهم مساحة، وقدر بمقعر الكف داخل مفاصل الأصابع، والمقصود بعفو الشارع عنها :العفو عن فساد الصلاة، وإلا فكراهة التحريم باقية إجماعا إن بلغت الدرهم، وتنزيها إن لم تبلغ.

ويعفى عن بول الهرة والفأرة وخرئهما فيما تظهر فيه حالة الضرورة، فيعفى عن خرء الفأرة إذا وقع فى الحنطة ولم يكثر حتى يظهر أثره، ويعفى عن بولها إذا سقط فى البئر لتحقق الضرورة، بخلاف ما إذا أصاب أحدهما ثوبا أو إناء مثلا فإنه لا يعفى عنه لإمكان التحرز، ويعفى عن بول الهرة إذا وقع على نحو ثوب لظهور الضرورة، بخلاف ما إذا أصاب خرؤها أو بولها شيئا غير ذلک فإنه لا يعفى عنه.

ويعفى عن بخار النجس وغبار سرقين، فلو مرت الريح بالعذرات وأصابت الثوب لا يتنجس إلا أن يظهر أثر النجاسة فى الثوب، وقيل :يتنجس إن كان مبلولا لاتصالها به.

ويعفى عن رشاش البول إذا كان رقيقا كرء وس الإبر بحيث لا يرى ولو ملأ الثوب أو البدن، فإنه يعتبر كالعدم للضرورة، ومثله الدم الذى يصيب القصاب فيعفى عنه فى حقه للضرورة، فلو أصاب الرشاش ثوبا ثم وقع ذلک الثوب فى ماء قليل تنجس الماء لعدم الضرورة حينئذ، ومثل هذا أثر الذباب الذى وقع على نجاسة ثم أصاب ثوب المصلى فإنه يعفى عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور مالکیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل نجاستیں تنگی اور حرج کی وجہ سے معاف کی گئی ہیں۔

جس کو پیشاب یا پاخانہ یا مذی یا ودی کے قطروں وغیرہ کے خارج ہونے کی بیماری ومعذوری لاحق ہو، تو اس کے حق میں ان اشیاء کی نجاست معاف ہو جاتی ہے۔

جس کو بواسیر کی بیماری کی وجہ سے رطوبت خارج ہوتی ہو، وہ معاف ہے۔

دودھ پلانے والی عورت کے بدن یا کپڑے پر احتیاط اور کوشش کے باوجود بچے کا جو پیشاب یا پاخانہ لگ جائے، وہ معاف ہے، اگرچہ نماز کے لئے اس کو دھو لینا بہتر ہے۔

ڈاکٹر اور جراح وغیرہ کے بدن یا لباس پر مریض کے علاج کے دوران جو خون، پیپ وغیرہ لگ جائے، وہ بھی معاف ہے، اگرچہ نماز کے لئے اس کو دھو لینا بہتر ہے۔

نماز پڑھنے کے دوران اس کے بدن یا نماز کی جگہ پر اس کا اپنا یا کسی اور کا خون یا پیپ وغیرہ لگ جائے، وہ بھی معاف ہے، جبکہ وہ درہم کی مقدار سے زیادہ نہ ہو۔

اور نماز پڑھنے والے چرواہے کے کپڑے یا بدن یا نماز پڑھنے والی جگہ میں چرانے والے گھوڑے، خچر یا گدھے کی لید یا پیشاب لگ جائے، تو وہ بھی معاف ہے۔

عام مکھی، مچھر، یا چیونٹی اگر اپنے پاؤں یا منہ میں نجاست لے کر کسی کپڑے یا بدن وغیرہ پر پہنچ جائے، اور اس پر اس کی نجاست لگ جائے، تو وہ بھی معاف ہے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويعفى عما يصيب الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكنه الامتناع عنه ما دام فى تغسيله.

ويعفى عن طين الشوارع ولو كان مخلوطا بنجاسة غالبة ما لم ير عينها.

ويعفى فى النجاسة المخففة عما دون ربع الثوب كله أو ربع البدن كله.

وإنما تظهر الخفة فى غير المائع، لأن المائع متى أصابته نجاسة تنجس، لا فرق بين مغلظة ومخففة، ولا عبرة فيه لوزن أو مساحة.

ويعفى عن بعر الإبل والغنم إذا وقع فى البئر أو فى الإناء ، ما لم يكثر كثرة فاحشة أو يتفتت فيتلون به الشيء الذى خالطه.

والقليل المعفو عنه هو ما يستقله الناظر إليه، والكثير عكسه.

وأما روث الحمار وخثى البقر والفيل فإنه يعفى عنه فى حالة الضرورة والبلوى، سواء كان يابسا أو رطبا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۱۱۳، ۱۱۴، مادة "نجاسة")

www.idaraghufran.org

حجامہ کے بعد یا ضرورت کی وجہ سے خون نکلوانے کے بعد یا زخم ہونے کے بعد صاف کر کے جو خون لگا رہ جائے، وہ بھی زخم ٹھیک ہونے تک معاف ہے۔

بارش کی مٹی یا پانی جس میں نجاست شامل ہو، وہ راستہ میں لگ جائے، تو معاف ہے، اگرچہ بارش بند ہونے کے بعد کیوں نہ ہو۔

پھوڑے، پھنسی اور زخم سے خون، پیپ وغیرہ کی شکل میں خارج ہونے والا مادہ معاف ہے۔

اور پسّو وغیرہ کا پاخانہ بھی معاف ہے۔

سوتے وقت منہ سے خارج ہونے والا بدبودار مادہ جو معدہ سے نکل کر آتا ہے، وہ بھی معاف ہے۔

چیچڑی، تین یا اس سے کم مقدار میں مُردہ حالت میں ہوں تو وہ معاف ہیں، اس سے زیادہ معاف نہیں۔

پیشاب، پاخانہ سے فارغ ہو کر ڈھیلے وغیرہ سے صفائی حاصل کرنے کے بعد جو نجاست کا اثر باقی رہ جاتا ہے، اس کا دھونا بھی معاف ہے، بشرطیکہ زیادہ پھیلا نہ ہو۔

ناپاک چیز کی راکھ بھی معاف ہے۔

اور ناپاک چیز کا دھواں معاف نہیں، البتہ بعض مالکیہ کے نزدیک معاف ہے۔

اور عورت کی شلوار یا برقعہ کے کنارے پر جو ناپاک گرد و غبار لگ جائے، تو وہ بھی معاف ہے۔ [1]

---

[1] وعد المالكية من المعفو عنه ما يأتي:

أ -سلس الأحداث كبول أو غائط أو مذى أو ودى أو منى إذا سال شىء منها بنفسه، فلا يجب غسله عن البدن أو الثوب أو المكان الذى لا يمكن التحول عنه إلى مكان آخر إذا حصل شىء منها ولو كل يوم مرة.

ب -بلل الباسور إذا أصاب يد صاحبه أو ثوبه كل يوم ولو مرة، وأما يده فلا يعفى عن غسلها إلا إذا كثر استعمالها فى إرجاعه بأن يزيد عن مرتين كل يوم، وإنما اكتفى فى الثوب والبدن بمرة واحدة فى اليوم ولم يكتف فى اليد إلا بما زاد على اثنتين لأن اليد لا يشق غسلها إلا عند الكثرة بخلاف الثوب والبدن.

ج -ما يصيب ثوب أو بدن المرضعة من بول أو غائط رضيعها -ولو لم يكن وليدها -إذا اجتهدت فى التحرز عنهما حال نزولهما، ولكن يندب لها إعداد ثوب للصلاة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور شافعیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل نجاستیں تنگی اور حرج کی وجہ سے معاف کی گئی ہیں۔

جو نجاست معتدل آنکھوں سے دیکھ کر نظر نہ آئے، وہ معاف ہے، اگر چہ وہ سخت اور غلیظ نجاست کیوں نہ ہو۔

ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد جو نجاست کا اثر باقی رہ جائے، وہ بھی معاف ہے، بشرطیکہ زیادہ پھیلا نہ ہو، جس کی تفصیل استنجاء کے بیان میں آتی ہے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

د -ما يصيب ثوب أو بدن الجزار ونازح المراحيض والطبيب الذى يعالج الجروح، ولكن يندب لهم إعداد ثوب للصلاة.

هـ -ما يصيب ثوب المصلى أو بدنه أو مكانه من دمه أو دم غيره، آدميا كان أو غيره ولو خنزيرا، إذا كانت مساحته لا تزيد عن قدر الدرهم البغلى، وهو الدائرة السوداء التى تكون فى ذراع البغل، ولا عبرة بالوزن، ومثل الدم فى ذلك القيح والصديد.

و ما يصيب ثوبه أو بدنه أو مكانه من بول أوروث خيل أو بغال أو حمير إذا كان ممن يباشر رعيها أو علفها أو ربطها أو نحو ذلك، فيعفى عنه لمشقة الاحتراز.

ز -أثر ذباب أو ناموس أو نمل صغير يقع على النجاسة ويرفع شيئا منها فيتعلق برجله أو فمه، ثم يقع على ثوبه أو بدنه لمشقة الاحتراز، أما أثر النمل الكبير فلا يعفى عنه لندرته.

ح -أثر دم موضع الحجامة بعد مسحه بخرقة ونحوها، فيعفى عنه إلى أن يبرأ فيغسله.

ط -ما يصيب ثوبه أو رجله من طين المطر أو مائه المختلط بنجاسة ما دام موجودا فى الطرق ولو بعد انقطاع المطر، فيعفى عنه بشروط ثلاثة :أولا :أن لا تكون النجاسة المخالطة أكثر من الطين أو الماء تحقيقا أو ظنا.

ثانيا :أن لا تصيبه النجاسة بدون ماء أو طين.

ثالثا :أن لا يكون له مدخل فى الإصابة بشىء من ذلك الطين أو الماء ، كأن يعدل عن طريق خالية من ذلك إلى طريق فيها ذلك.

ى -المدة السائلة من دمامل أكثر من الواحد، سواء سالت بنفسها أو بعصرها ولو غير محتاج إليه، لأن كثرتها مظنة الاحتياج إلى العصر، فيعفى عما سال عنها ولو زاد على قدر الدرهم، وأما الدمل الواحد فيعفى عما سال منه بنفسه أو بعصر احتيج إليه، فإن عصر بغير حاجة فلا يعفى إلا عن قدر الدرهم.

ک -خرء البراغيث ولو كثر، وإن تغذت بالدم المسفوح، فخرؤها نجس ولكن يعفى عنه.

وأما دمها فإنه كدم غيرها لا يعفى عما زاد منه على قدر الدرهم البغلى كما تقدم.

ل -الماء الخارج من فم النائم إذا كان من المعدة بحيث يكون أصفر منتنا فإنه نجس، ولكن يعفى عنه إذا لازم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

راستہ اور گزرگاہ کا وہ کیچڑ جس میں نجاست شامل ہو، وہ معاف ہے، جب تک کہ نجاست کا واضح اثر نظر نہ آئے، یا زیادہ مقدار نہ ہو۔

گوشت اور ہڈیوں پر جو خون باقی رہ جاتا ہے، وہ بھی معاف ہے۔

ناپاک چیز کا دھواں اگر تھوڑی مقدار میں ہو، تو وہ معاف ہے۔

نجاست سے جو بخارات آگ میں جلنے کی وجہ سے اُٹھیں، وہ ناپاک ہیں، البتہ کم مقدار میں ہوں، تو معاف ہیں، اور اسی طرح اگر آگ میں جلے بغیر جو بخارات خود بخود اُٹھیں، تو وہ بھی معاف ہیں۔

اسی طرح ناپاک خشک چیز سے اُڑنے والا گردوغبار بھی معاف ہے۔

سوتے وقت منہ سے بدبودار خارج ہونے والا پانی جو معدہ سے برآمد ہو، وہ ناپاک ہے، اِلا یہ کہ کسی کو کثرت سے یہ مرض لاحق ہو، تو پھر معاف ہے، اور اگر یہ مادہ معدہ کے علاوہ مثلاً منہ یا حلق سے برآمد ہو، تو پھر بہرحال پاک ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

م -القليل من ميتة القمل فيعفى منه عن ثلاثة فأقل.

ن -أثر النجاسة على السبيلين بعد إزالة عين النجاسة بما يزيلها من حجر ونحوه فيعفى عنه، ولا يجب غسله بالماء ما لم ينتشر كثيرا، فإن انتشر تعين غسله بالماء، كما يتعين الماء فى إزالة النجاسة عن قمل المرأة .

وقالوا فى المعتمد عندهم :إن رماد نجس طاهر مطلقا، سواء أكلت النار النجاسة أكلا قويا أو لا .

وأما دخان النجاسة ففى ظاهر المذهب نجس، وهو الذى اختاره اللخمى والتونسى والمازرى وأبو الحسن وابن عرفة، قال بعضهم :وهو المشهور، واختار ابن رشد طهارة دخان النجاسة كالرماد .

وقالوا :يعفى عما تعلق بذيل ثوب المرأة اليابس من الغبار النجس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰،ص ۱۱۴ الیٰ ۱۱۶ ،مادة "نجاسة")

[1] وقال الشافعية: يعفى عن أمور :منها ما لا يدركه البصر المعتدل من النجاسة ولو مغلظة.

ومنها الأثر الباقى بالمحل بعد الاستنجاء بالحجر، فيعفى عنه بالنسبة لصاحبه.

وتفصيل ذلك فى مصطلح (استنجاء ف ۲۳)

ومنها طين الشارع المختلط بالنجاسة المحققة، فإذا شك فى نجاسة ذلك الطين أو ظن كان طاهرا، لا نجسا معفوا عنه، وإنما يعفى عنه بشروط أربعة :أولا :أن لا تظهر عليه النجاسة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حنابلہ کے نزدیک مندرجہ ذیل نجاستیں تنگی اور حرج کی وجہ سے معاف کی گئی ہیں۔

پیشاب، پاخانہ سے فارغ ہوکر ڈھیلے وغیرہ سے صفائی حاصل کرنے کے بعد جو نجاست کا اثر باقی رہ جاتا ہے، وہ معاف ہے، جب تک وہ غیر معمولی پھیلا نہ ہو۔

خفین اور جوتے کے نیچے والے حصہ میں اگر کوئی نجاست لگ جائے، پھر اس کو زمین کے ساتھ رگڑ دیا جائے، یا خود بخود زمین کے ساتھ چلنے سے رگڑی جائے، اور اس کی عینِ نجاست زائل ہوجائے، تو ایک روایت کے مطابق وہ چیز پاک ہوجاتی ہے۔

اگر ناپاک ہڈی کی پیوند کاری کردی جائے، اور وہ جسم کے ساتھ جُڑ جائے، اور اس کو نکالنے سے ضَرر لاحق ہوتا ہوتو وہ بھی معاف ہے۔

خون، پیپ وغیرہ اگر دیکھنے میں تھوڑی مقدار میں محسوس ہوتا ہو، اور وہ لباس یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو معاف ہے۔

جس کو پیشاب وغیرہ کے قطرے خارج ہونے کی بیماری ہو، اور اپنی طرف سے احتیاط

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثانيا :أن يكون المار محترزا عن إصابتها، بحيث لا يرخى ذيل ثيابه ولا يتعرض لرشاش نحو سقاء .

ثالثا :أن تصيبه النجاسة وهو ماش أو راكب، أما إذا سقط على الأرض فتلوثت ثيابه فلا يعفى عنه لندرة الوقوع.

رابعا :أن تكون النجاسة فى ثوب أو بدن.

ومما يعفى عنه عندهم الدم الباقى على اللحم وعظامه، فقيل :إنه طاهر، وظاهر كلام الحليمى وجماعة أنه نجس معفو عنه، وهذا هو الظاهر كما قال الشربينى الخطيب.

ومنها دخان النجاسة فإنه نجس يعفى عن قليله وعن يسيره عرفا.

ومنها بخار النجاسة إن تصاعد بواسطة نار فنجس، لأن أجزاء النجاسة تفصلها النار بقوتها لكن يعفى عن قليله، وإلا بأن كان كالبخار الخارج من نجاسة الكنيف فطاهر.

وصرح الزركشى بأن من المعفو عنه غبار النجاسة اليابسة.

ومنها الماء السائل من فم النائم إن كان من المعدة، كأن خرج منتنا بصفرة فنجس، لا إن كان من غيرها، أو شك فى أنه منها فطاهر.

وقيل :إن كان متغيرا فنجس وإلا فطاهر، فإن ابتلى به شخص لكثرته منه قال فى الروضة:فالظاهر العفو (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۴۰،ص ۱۱۶، ۱۱۷،مادة "نجاسة")

وحفاظت کرنے کے باوجود بھی کپڑے یا جسم کو لگ جائے، تو وہ معاف ہے۔

اور ناپاک چیز کا دھواں اور گرد وغبار اور بخارات دوسری چیز پر لگیں تو معاف ہیں، جب تک کہ نجاست کا اثر (مثلاً رنگ، بدبو، ذائقہ) اس دوسری چیز میں ظاہر نہ ہو۔

اور جو نجاست انسان کے جسم وغیرہ کو لگ جائے، اور اس کو دھونے میں ضَرر لاحق ہوتا ہو، مثلاً وہاں زخم ہو، تو وہ بھی معاف ہے۔

راستہ کا کیچڑ جس میں یقینی طور پر نجاست شامل ہو، وہ تھوڑی مقدار میں معاف ہے۔ [1]

**مسئلہ نمبر ۲۰:**...... جو جانور پانی میں رہتے سہتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک ان میں صرف مچھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے، البتہ جو مچھلی خود سے پانی میں معمول کی موت مَر جائے، حنفیہ کے نزدیک وہ حلال نہیں کہلاتی۔ [2]

---

[1] وذهب الحنابلة إلى أنه يعفى عن النجاسة المغلظة لأجل محلها في ثلاثة مواضع :أحدها: محل الاستنجاء ، فيعفى فيه عن أثر الاستجمار بعد الإنقاء واستيفاء العدد.

الثاني :أسفل الخف والحذاء إذا أصابته نجاسة فدلكها بالأرض حتى زالت عين النجاسة، ففيه ثلاث روايات :إحداها :يجزء دلكه بالأرض، وهذه الرواية هي الأولى كما قال ابن قدامة، والثانية : يجب غسله كسائر النجاسات، والثالثة :يجب غسله من البول والعذرة دون غيرهما.

الثالث :إذا جبر عظمه بعظم نجس فانجبر لم يلزمه قلعه إذا خاف الضرر، لأنها نجاسة باطنة يتضرر بإزالتها، فأشبهت دماء العروق.

ويعفى عن يسير دم وقيح وصديد، واليسير ما يعده الإنسان في نفسه يسيرا، وإنما يعفى عن اليسير إذا أصاب غير مائع ومطعوم.

ومما يعفى عنه يسير سلس بول بعد تمام التحفظ لمشقة التحرز.

ومنها دخان نجاسة وغبارها وبخارها ما لم تظهر له صفة.

ومنها قليل ماء تنجس بمعفو عنه.

ومنها النجاسة التي تصيب عين الإنسان ويتضرر بغسلها.

ومنها اليسير من طين الشارع الذي تحققت نجاسته بما خالطه من النجاسة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰،ص ۱۱۷ ،مادة "نجاسة")

[2] الحيوان المائي :حلاله وحرامه :المقصود بالحيوان المائي ما يعيش في الماء، ملحا كان أو عذبا، من البحار أو الأنهار أو البحيرات أو العيون أو الغدران أو الآبار أو المستنقعات أو سواها. ولا يحل عند الحنفية من الحيوان المائي شيء سوى السمك فيحل أكله سواء أكان ذا فلوس (قشر) أم لا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حنفیہ کے علاوہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک پانی کے تمام جانور حلال ومباح ہیں، یہاں تک کہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک پانی کے وہ جانور بھی حلال ہیں کہ جو اکثر وبیشتر پانی میں زندگی گزارتے ہیں، اگرچہ وہ بعض اوقات پانی سے باہر بھی آجاتے ہوں، جیسا کہ کچھوا اور پانی کا مینڈک اور کیکڑا، وغیرہ۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهناك صنفان من الحيوان المائى اختلف فيهما الحنفية، للاختلاف فى كونهما من السمك أو من الحيوانات المائية الأخرى، وهما الجريث، والمارماهى. فقال الإمام محمد بن الحسن بعدم حل أكلهما، لكن الراجح عند الحنفية الحل فيهما، لأنهما من السمك.

ويستثنى من السمك ما كان طافيا، فإنه لا يؤكل عندهم .والطافى :هو الذى مات فى الماء حتف أنفه، بغير سبب حادث، سواء أعلا فوق وجه الماء أم لم يعل، وهو الصحيح .(وإنما يسمى طافيا إذا مات بلا سبب ولو لم يعل فوق سطح الماء نظرا إلى الأغلب، لأن العادة إذا مات حتف أنفه أن يعلو) وإن حكمة تحريم الطافى احتمال فساده وخبثه حينما يموت حتف أنفه ويرى طافيا لا يدرى كيف ومتى مات؟ فأما الذى قتل فى الماء قتلا بسبب حادث فلا فرق بينه وبين ما صيد بالشبكة وأخرج حتى مات فى الهواء .

وإذا ابتلعت سمكة سمكة أخرى فإن السمكة الداخلة تؤكل، لأنها ماتت بسبب حادث هو ابتلاعها.

وإذا مات السمك من الحر أو البرد أو كدر الماء ففيه روايتان عند الحنفية:

(إحداهما) : أنه لا يؤكل، لأن هذه الأمور الثلاثة ليست من أسباب الموت غالبا، فالظاهر أن السمك فيها مات حتف أنفه فيعتبر طافيا.

(والثانية):أنه يؤكل، لأن هذه الأمور الثلاثة أسباب للموت فى الجملة فيكون ميتا بسبب حادث فلا يعتبر طافيا، وهذا هو الأظهر، وبه يفتى .وإذا أخذ السمك حيا لم يجز أكله حتى يموت أو يمات.

واستدل من حرم الطافى بالأدلة التالية:

أ -بحديث أبى داود عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه، وما مات فيه فطفا فلا تأكلوه 1) .) وروى نحوه سعيد بن منصور عن جابر مرفوعا أيضا.

ب -بآثار عن جابر بن عبد الله، وعن ابن أبى طالب، وعبد الله بن عباس رضى الله عنهم :أنهم نهوا عن أكل الطافى .ولفظ جابر فى رواية :ما طفا فلا تأكلوه، وما كان على حافتيه أو حسر عنه فكلوه .

وفى رواية أخرى :ما حسر الماء عن ضفتى البحر فكل، وما مات فيه طافيا فلا تأكل.

ولفظ على " :ما طفا من صيد البحر فلا تأكلوه.

ولفظ ابن عباس " :لا تأكل منه -أى من سمك وفى البحر -طافيا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۲۷، الیٰ ص۱۲۹، مادة ”اطعمة“)

www.idaraghufran.org

اور جو اپنے پَروں سے اُڑنے والے پرندے ہیں، خواہ وہ پانی میں اُٹھتے بیٹھتے اور تیرتے ہوں، وہ پانی کے جانور شمار نہیں ہوتے۔ [1]

البتہ شافعیہ کے نزدیک پانی کا جو جانور بڑا ہو کہ پانی سے نکلنے کے بعد دیر تک زندہ رہتا ہو، جیسا کہ بڑی مچھلی، اس کو کھانے سے پہلے ذبح کر لینا مستحب ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک پانی کے جو جانور ایسے ہوں کہ وہ خشکی کے اندر بھی زندہ رہ لیتے ہوں، جیسا کہ کچھوا، وہ ذبح کرنے کے بعد حلال ہوتے ہیں، اور حنابلہ کے نزدیک مینڈک اور مگرمچھ، اور سانپ حلال نہیں۔ [2]

---

[1] ويجوز عند جمهور الفقهاء :(المالكية والحنابلة، وهو الأصح عند الشافعية) صيد وأكل جميع حيوانات البحر سواء أكانت سمكا أم غيره، لقوله تعالى :(أحل لكم صيد البحر وطعامه)أى مصيده ومطعومه، ولقوله صلى الله عليه وسلم :هو الطهور ماؤه الحل ميتته.

وفى قول عند الشافعية :لا يحل ما ليس على صورة السمك المشهورة، وفى قول آخر عندهم :إن أكل مثله فى البر كالبقر والغنم حل، وإلا فلا

لكن الشافعية والحنابلة استثنوا من الحل الضفدع، والتمساح، والحية؛ وذلك لنهيه صلى الله عليه وسلم عن قتل الضفدع ولاستخباث الناس التمساح، ولأكله الناس، وللسمية فى الحية .

أما الحنفية فقالوا :لا يؤكل مائى إلا السمك غير طاف، لقوله تعالى :(ويحرم عليهم الخبائث) وما سوى السمك خبيث، لقوله صلى الله عليه وسلم :أحلت لنا ميتتان ودمان، أما الميتتان فالسمك والجراد، وأما الدمان فالكبد والطحال .وأما الطافى فيكره أكله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص١٣٢ ،مادة "صيد")

وذهب من عدا الحنفية إلى إباحة كل حيوانات البحر بلا تذكية ولو طافية حتى ما تطول حياته فى البر، كالتمساح والسلحفاة البحرية، والضفدع والسرطان البحريين.

ولا يعد الفقهاء طير الماء بحريا، لأنه لا يسكن تحت سطح الماء ، وإنما يكون فوقه وينغمس فيه عند الحاجة ثم يطير، ولهذا لا يحل عندهم إلا بالتذكية.

وللمالكية فى كلب البحر وخنزيره قول بالإباحة، وآخر بالكراهة، والراجح فى كلب الماء الإباحة، وفى خنزيره الكراهة، (أى الكراهة التنزيهية عند الحنفية).

واختلفوا فى إنسان الماء، فمنهم من حرمه ومنهم من أباحه، وهو الراجح، وصرح المالكية بجواز قلى السمك وشيه من غير شق بطنه ولو حيا .قالوا :ولا يعد هذا تعذيبا، لأن حياته خارج الماء كحياة المذبوح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥، ص١٢٩ ، وص١٣٠ ، مادة "اطعمة")

[2] ويستحب عند الشافعية ذبح ما تطول حياته كسمكة كبيرة .ويكون الذبح من جهة الذيل فى السمك، ومن العنق فيما يشبه حيوان البر .فإذا لم يكن مما تطول حياته كره ذبحه وقطعه حيا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر۲۱:......مخصوص چوپائے، جن کو عام بول چال میں مویشی اور عربی میں ''انعام''**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذا التعميم فى الحل هو أصح الوجوه عندهم .وهناك سواه وجهان آخران:
(أحدهما) أنه لا يحل من حيوان البحر سوى السمک كمذهب الحنفية.
(والثانى) أن ما يؤكل مثله فى البر كالذى على صورة الغنم يحل، وما لا يؤكل مثله فى البر كالذى على صورة الكلب والحمار لا يحل.
ويحرم عند الشافعية الحيوان (البرمائى) أى الذى يمكن عيشه دائما فى كل من البر والبحر إذا لم يكن له نظير فى البر مأكول .وقد مثلوا له بالضفدع، والسرطان، والحية، والنسناس، والتمساح، والسلحفاة. وتحريم هذا النوع البرمائى هو ما جرى عليه الرافعى والنووى فى "الروضة "وأصلها واعتمده الرملى .لكن صحح النووى فى "المجموع "أن جميع ما يكون ساكنا فى البحر فعلا تحل ميتته، ولو كان مما يمكن عيشه فى البر، إلا الضفدع، وهذا هو المعتمد عند الخطيب وابن حجر الهيتمى، وزادا على الضفدع كل ما فيه سم.
وعلى هذا فالسرطان والحية والنسناس والتمساح والسلحفاة إن كانت هذه الحيوانات ساكنة البحر بالفعل تحل، ولا عبرة بإمكان عيشها فى البر، وإن كانت ساكنة البر بالفعل تحرم.
واختلفوا فى الدنيلس : فأفتى ابن عدلان بحله، ونقل عن الشيخ عز الدين بن عبد السلام الإفتاء بتحريمه.
ولا يعتبر الإوز والبط مما يعيش فى البر والبحر، لأنها لا تستطيع العيش فى البحر دائما، فهى من طيور البر، فلا تحل إلا بالتذكية كما يأتى.
ويكره عند الشافعية ابتلاع السمک حيا إذا لم يضر، وكذا أكل السمک الصغير بما فى جوفه، ويجوز قليه وشيه من غير شق بطنه، لكن يكره ذلک والتفاصيل فى مصطلح :(نجاسة، طعام، طهارة)
وذهب الحنابلة فى الحيوان البرمائى، ككلب الماء والسلحفاة والسرطان إلى أنه إنما يحل بالتذكية.
وزادوا بالإضافة للضفدع استثناء الحية والتمساح، فقالوا بحرمة الثلاثة :فالضفدع للنهى عن قتلها، والحية لاستخباثها، والتمساح لأن له نابا يفترس به .لكنهم لم يستثنوا سمک القرش فهو حلال، وإن كان له ناب يفترس به .والظاهر أن التفرقة بينهما مبنية على أن القرش نوع من السمک لا يعيش إلا فى البحر بخلاف التمساح.
وقد قالوا :إن كيفية ذكاة السرطان أن يفعل به ما يميته، بأن يعقر فى أى موضع كان من بدنه.
وإذا أخذ السمک حيا لم يجز أكله حتى يموت أو يمات، كما يقول الحنفية والحنابلة .ويكره شيه حيا، لأنه تعذيب بلا حاجة، فإنه يموت سريعا فيمكن انتظار موته.
وفى حيوانات البحر مذاهب أخرى :منها أن ابن أبى ليلى يقول :إن ما عدا السمک منها يؤكل بشريطة الذكاة والليث بن سعد يقول كذلک أيضا، غير أنه لا يحل عنده إنسان الماء ولا خنزيره، وعن سفيان الثورى فى هذا روايتان:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

کہا جاتا ہے، اوران کو قربانی میں بھی ذبح کیا جاتا ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری، دنبہ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إحداهما :تحريم ما سوى السمك كمذهب الحنفية.
وثانيهما :الحل بالذبح كقول ابن أبي ليلى.
ودليل الجمهور الذين أحلوا كل ما يسكن جوف الماء ولا يعيش إلا فيه قوله تعالى :(وما يستوى البحران هذا عذب فرات سائغ شرابه وهذا ملح أجاج ومن كل تأكلون لحما طريا)2) . ) وقوله سبحانه :(أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة) ، 3)) فلم يفرق عز وجل بين ما يسميه الناس سمكا وما يسمونه باسم آخر كخنزير الماء أو إنسانه، فإن هذه التسمية لا تجعله خنزيرا أو إنسانا .ومن أدلة ذلك أيضا قوله صلى الله عليه وسلم لما سئل عن الوضوء بماء البحر: هو الطهور ماؤه، الحل ميتته. وهذا دليل على حل جميع الحيوان الذى يسكن البحر سواء أخذ حيا أم ميتا، وسواء أكان طافيا أم لا.
واستدلوا أيضا بحديث دابة العنبر، وهو حديث صحيح أخرجه مسلم عن أبى الزبير المكى، قال حدثنى جابر، قال :بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر علينا أبا عبيدة، نتلقى عيرا لقريش، وزودنا جرابا من تمر لم يجد لنا غيره، فكان أبو عبيدة يعطينا تمرة تمرة .قال أبو الزبير :فقلت لجابر :كيف كنتم تصنعون بها؟ قال :نمصها كما يمص الصبى، ثم نشرب عليها الماء ، فتكفينا يومنا إلى الليل .وكنا نضرب بعصينا الخبط،ثم نبله بالماء ونأكله .قال :وانطلقنا على ساحل البحر فرفع لنا كهيئة الكثيب الضخم، فأتيناه فإذا هو دابة تدعى العنبر .قال أبو عبيدة :ميتة؟ ثم قال :لا، بل نحن رسل رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفى سبيل الله تعالى، وقد اضطررتم، فكلوا .فأقمنا عليه شهرا ونحن ثلاثمائة حتى سمنا، ولقد رأيتنا نغترف من وقب عينه بالقلال الدهن، ونقتطع منه الفدر كالثور أو كقدر الثور، فلقد أخذ منا أبو عبيدة ثلاثة عشر رجلا، فأقعدهم فى وقب عينه، وأخذ ضلعا من أضلاعه فأقامها ثم رحل أعظم بعير معنا فمر تحتها .وتزودنا من لحمه وشائق .فلما قدمنا المدينة أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرنا له ذلك، فقال :هو رزق أخرجه الله تعالى لكم، فهل معكم من لحمه شيء فتطعمونا؟ ، فأرسلنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم منه فأكله .
فهذا الحديث يستدلون به :على أربعة أمور:
(أولا) على أن حيوان البحر من غير السمك يحل أكله فى حالتى الاختيار والضرورة.
(ثانيا) على أنه لا يحتاج إلى ذكاة.
(ثالثا) على حل الطافى، لأنه لا يدرى هل مات حتف أنفه أو بسبب حادث.
(رابعا) على أن صيد المجوسى والوثنى للسمك لا تأثير له، لأنه إذا كانت ميتته حلالا فصيد المجوسى والوثنى والمسلم سواء .
هذا، والفسيخ إن كان صغيرا كان طاهرا فى المذاهب الأربعة، لأنه معفو عما فى بطنه، لعسر تنقية ما فيه، وإن كان كبيرا فهو طاهر عند الحنفية والحنابلة وابن العربى والدردير من المالكية، خلافا للشافعية ولجمهور المالكية .وإذا اعتبر طاهرا فإن أكله مع تفسخه والتغير فى رائحته يتبع فيه شرعا رأى الطب فى ضرره أو عدمه :فإن قال الأطباء الثقات :إنه ضار يكون أكله محظورا شرعا لضرره بالصحة، وإلا فلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۳۱، وص ۱۳۲، مادة ”اطعمة“)

www.idaraghufran.org

بھیڑ، یہ بلاشبہ حلال جانور ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۲:...... خرگوش (Rabbit) جمہور فقہائے کرام کے نزدیک حلال ہے، اور احادیث سے اس کی حلت ثابت ہے، اور اس کو حرام سمجھنا غلط فہمی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۳:...... جو جانور کچلی والے دانت (Canine tooth) رکھتے ہیں، اور وہ ان سے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں جنہیں درندے کہا جاتا ہے، خواہ وہ جنگلی جانور ہوں، جیسا کہ شیر، چیتا، بھیڑیا، یا وہ گھریلو جانور ہوں، جیسا کہ کتا اور بلی یہ سب اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حرام ہیں، البتہ مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق یہ جانور مکروہ ہیں۔ [3]

---

[1] النوع الأول: الأنعام:
الأنعام (بفتح الهمزة) جمع نعم (بفتحتين) وهو اسم يتناول ثلاثة أنواع هى :الإبل، والبقر، والغنم، سواء أكانت البقر عرابا أم جواميس، وسواء أكانت الغنم ضأنا أم معزا، فكلها حلال بإجماع المسلمين المستند إلى نصوص كثيرة .منها قوله تعالى :(والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون) ، ومنها قوله جل شأنه (الله الذى جعل لكم الأنعام لتركبوا منها ومنها تأكلون). واسم الأنعام يقع على هذه الحيوانات بلا خلاف بين أهل اللغة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۳، مادة "اطعمة")

[2] النوع الثانى :الأرنب:
الأرنب حلال أكلها عند الجمهور .وقد صح عن أنس أنه قال :أنفجنا أرنبا فسعى القوم فلغبوا، فأخذتها وجئت بها أبا طلحة، فذبحها وبعث بوركها -أو قال :بفخذها إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقبله.
وعن محمد بن صفوان (أو صفوان بن محمد) أنه قال :صدت أرنبين فذبحتهما بمروة،فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرنى بأكلهما.
ثم إنها من الحيوان المستطاب، وليست ذات ناب تفترس به، ولم يرد نص بتحريمها، فهذه المناطات تستوجب حلها كما سيرى فى الأنواع المحرمة.
وقد أكلها سعد بن أبى وقاص رضى الله عنه ورخص فيها أبو سعيد الخدرى وعطاء وابن المسيب والليث وأبو ثور وابن المنذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۳، مادة "اطعمة")

[3] النوع الثالث :الحيوانات المفترسة:
المراد بالحيوانات المفترسة :كل دابة لها ناب يفترس به، سواء أكانت أهلية كالكلب والسنور الأهلى، أم وحشية كالأسد والذئب والضبع والنمر والفهد والثعلب والسنور الوحشى والسنجاب والفنك والسمور والدلق (وهو أبو مقرض) والدب والقرد وابن آوى والفيل.
وحكمها :أنها لا يحل شيء منها عند الحنفية والشافعية والحنابلة وهو قول للمالكية، غير أن الضبع والثعلب قال بحلهما أبو يوسف ومحمد. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر ۲۴:...... جو جانور کچلی والے دانت (Canine tooth) نہیں رکھتے، اور وہ اپنے نوکیلے دانتوں سے شکار کر کے نہیں کھاتے، اور نہ وہ حشرات سے تعلق رکھتے ہیں، مگر وہ وحشی جانور شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ نیل گائے، ظرافہ، جنگلی گدھا (زیبرا) وہ سب حلال جانوروں کی فہرست میں داخل ہیں۔ [1]**

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واستدل الجمهور على تحريم هذا النوع كله أو كراهته كراهة تحريمية -بقطع النظر عن الأمثلة - بحديث أبى هريرة رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :أكل كل ذى ناب من السباع حرام.

ومن استثنى الضبع منهم استدل بأخبار كثيرة عن بعض الصحابة، منها ما ورد من حديث ابن أبى عمار قال :سألت جابر بن عبد الله عن الضبع أآكلها؟ قال :نعم، قلت :أصيد هى؟ قال :نعم، قلت: أسمعت ذلك من نبى الله صلى الله عليه وسلم؟ قال :نعم. وروى أيضا من حديث نافع مولى ابن عمر، قال :أخبر رجل ابن عمر أن سعد بن أبى وقاص يأكل الضباع، قال نافع :فلم ينكر ابن عمر ذلك.والقول المشهور للمالكية أنه :يكره تنزيها أكل الحيوانات المفترسة سواء أكانت أهلية كالسنور والكلب، أم متوحشة كالذئب والأسد .وللمالكية فى القرد والنسناس قول بالإباحة، وهو خلاف المشهور عندهم لكن صححه صاحب التوضيح.

لكن الشافعية أباحوا بعض الأمثلة السابق ذكرها :بالإضافة إلى الضبع والثعلب كالسنجاب والفنك والسمور محتجين بأن أنيابها ضعيفة.

وقالوا فى السنور الوحشى، والأهلى، وابن آوى، والنمس، والدلق :إنها محرمة فى الأصح، وقيل فى هذه الخمسة الأخيرة كلها بالحل عندهم.

أما الحنابلة فقد أباحوا من الأمثلة السابقة الضبع فقط .وقالوا :إن فى الثعلب والسنور الوحشى رواية بالإباحة.

وأما المالكية فقد استدلوا بقول الله تعالى :(قل لا أجد فيما أوحى إلى محرما على طاعم يطعمه . .) إلخ الآية فإن لحوم السباع ليست مما تضمنته الآية، فتكون مباحة، وأما ما ورد من النهى عن أكل كل ذى ناب فهو محمول على الكراهة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۳، وص ۱۳۴، مادة "اطعمة")

[1] النوع الرابع :كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات.

وذلك كالظباء، وبقر الوحش، وحمر الوحش، وإبل الوحش . وهذا النوع حلال بإجماع المسلمين، لأنه من الطيبات.

لكن قال المالكية :إذا تأنس حمار الوحش صار حكمه حكم الحمار الأهلى، وحكم الأهلى سيأتى. فإن عاد إلى التوحش رجع مباحا كما كان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۴، وص ۱۳۵، مادة "اطعمة")

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۲۵:**...... جو پرندے اپنے پنجوں (Claw) سے شکار کر کے کھاتے ہیں، اور ان کو شکاری پرندے کہا جاتا ہے، جیسا کہ باز، شاھین، گِدھ، چیل وغیرہ، یہ جانور اکثر فقہائے کے نزدیک حرام یا مکروہ تحریمی ہیں، البتہ مالکیہ کے نزدیک یہ جانور حرام نہیں ہیں، بلکہ مباح یا مکروہ ہیں۔ [1]

**مسئلہ نمبر ۲۶:**...... جو پرندے شکاری شمار نہیں ہوتے، مگر وہ نجاست خور شمار کئے جاتے ہیں، جیسا کہ نجاست خور کوا، یہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حرام یا مکروہ تحریمی ہے، اور جو کوا نجاست خوری کا عادی نہیں ہوتا، بلکہ وہ دانہ، تنکا وغیرہ کھاتا ہے، وہ حلال ہے۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک ہر قسم کا کوّا حلال ہے۔ [2]

---

[1] النوع الخامس: كل طائر له مخلب صائد:
وذلک كالبازی والباشق والصقر والشاهين والحدأة والعقاب، وهذا النوع -بقطع النظر عن الأمثلة -مكروه تحريما عند الحنفية، وحرام فی باقی المذاهب، إلا عند المالكية فقد قالوا فی المشهور عنهم :إن جميع هذه الطيور مباحة ولو كانت جلالة ، وروی عن جماعة منهم عدم جواز أكلها .ومال المازری لحمل النهی علی التنزيه.
ومن أدلة تحريم هذا النوع أو كراهته كراهة تحريمية حديث ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله صلی الله عليه وسلم نهی عن أكل كل ذی ناب من السباع، وعن كل ذی مخلب من الطير والمراد مخلب يصيد به، إذ من المعلوم أنه لا يسمی ذا مخلب عند العرب إلا الصائد بمخلبه وحده.
وأما الديک والعصافير والحمام وسائر ما لا يصيد بمخلبه فلا تسمی ذوات مخالب فی اللغة، لأن مخالبها للاستمساک والحفر بها، وليست للصيد والافتراس.
واستدل المالكية بالحصر الذی فی قوله تعالی: (قل لا أجد فيما أوحی إلی محرما علی طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقا أهل لغير الله به) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۵، مادة "اطعمة")

[2] النوع السادس :الطائر الذی لا يأكل إلا الجيف غالبا:
اتفق الحنفية والشافعية والحنابلة علی تحريم الغراب الأسود الكبير والغراب الأبقع، إلا أن الحنفية عبروا بالكراهة التحريمية .والمقصود واحد، وهو منع الشارع الأكل، ومعلوم أن دليل المنع ليس قطعيا، وما كان كذلک يصح أن يعبر عنه بالتحريم وبالكراهة التحريمية .وكلا النوعين لا يأكل غالبا إلا الجيف، فهما مستخبثان عند ذوی الطبائع السليمة، ويدخل فی هذا النوع النسر، لأنه لا يأكل سوی اللحم من جيف وسواها، وإن لم يكن ذا مخلب صائد.
ويحل غراب الزرع، وهو نوعان: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر ۲۷:**...... جو پرندے شکاری شمار نہیں ہوتے، یعنی وہ اپنے پنجوں سے شکار کرکے نہیں کھاتے، اور نہ ہی ان کی غالب غذا نجاست ہے، تو وہ سب حلال ومباح ہیں، جیسا کہ مور، شترمرغ، مرغابی، کبوتر، فاختہ، چڑیا، طوطا، مینا، مرغی، بطخ وغیرہ، وغیرہ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحدهما :الزاغ وهو غراب أسود صغير، وقد يكون محمر المنقار والرجلين.

وثانيهما :الغداف الصغير، وهو غراب صغير لونه كلون الرماد، وكلاهما يأكل الزرع والحب ولا يأكل الجيف .وبحلهما أيضا قال الشافعية والحنابلة.

وأما العقعق، وهو غراب نحو الحمامة حجما، طويل الذنب فيه بياض وسواد، فهو حرام عند الجمهور، حلال عند أبى حنيفة، مكروه تحريما عند أبى يوسف .والأصح عند الحنفية حله، لأنه يخلط فيأكل الجيف والحب، فلا يكون مستخبثا.

وليست العبرة عند الحنفية بالأسماء ، ولا بالكبر والصغر، ولا بالألوان، وإنما العبرة بنوع غذائه : فالذى لا يأكل إلا الجيف غالبا مكروه تحريما، والذى يخلط حلال عند أبى حنيفة خلافا لأبى يوسف، والذى لا يأكل الجيف حلال اتفاقا، هذا مذهب الحنفية.

والمالكية أباحوا الغربان كلها من غير كراهة على المشهور .وروى عن جماعة منهم عدم جواز آكلة الجيف.

وحجة القائلين بتحريم الغربان أو كراهتها التحريمية (إلا ما استثنى) حديث عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :خمس فواسق تقتلن فى الحل والحرم :الحية، والغراب الأبقع، والفأرة، والكلب العقور، والحديا وحديث عائشة رضى الله عنها أيضا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :خمس من الدواب كلهن فاسق، يقتلن فى الحرم :الغراب، والحدأة، والعقرب، والفأرة، والكلب العقور وحديث ابن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :خمس من الدواب ليس على المحرم فى قتلهن جناح :الغراب، والحدأة، والفأرة، والعقرب، والكلب العقور.

فالغراب الأبقع الذى ذكر فى الحديث أبيح قتله، وكذا سائر الغربان التى يدل عليها عموم لفظ " الغراب "فى الأحاديث الأخرى.

وما أبيح قتله فلا ذكاة له، لأن كلمة القتل متى أطلقت تنصرف إلى إزهاق الروح بأية وسيلة استطاعها الإنسان، فلو حل بالذكاة لكان إزهاق روحه بغيرها إضاعة للمال، وقد نهى عليه الصلاة والسلام عن إضاعة المال.

وقد روى ابن أبى شيبة عن عروة رضى الله عنه أنه قال :من يأكل الغراب وقد سماه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاسقا؟ وروى عبد الرزاق عن الزهرى أنه قال :كره رجال من أهل العلم أكل الحداء والغراب حيث سماهما رسول الله صلى الله عليه وسلم من فواسق الدواب التى تقتل فى الحرم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ ھُد ھُد، اورلٹورے کو بہت سے فقہاء نے حرام قرار دیا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں بھی حلال پرندوں میں شامل ہیں۔ ؎

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحجة المالكية أن إباحة القتل لا دلالة فيها على تحريم الأكل لقوله تعالى :(قل لا أجد فيما أوحى إلى محرما على طاعم. . .) الآية .ومعلوم أن الغراب ليس فى الآية، فيكون مباح الأكل.

وحجة من استثنى إباحة بعض الأنواع من الغربان أن الأحاديث التى ورد فيها وصف الغراب بالأبقع أشعرت أن الغراب المذكور هو المتصف بصفة توجب خبثه، وقد لوحظ أن هذه الصفة هى كونه لا يأكل إلا الجيفة غالبا، فحملت الأحاديث المطلقة عليه، ثم ألحق بالأبقع ما ماثله وهو الغداف الكبير .واختلفوا فى العقعق تبعا لاختلاف أنظارهم فى كونه يكثر من أكل الجيفة أو لا يكثر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۵، الیٰ ص۱۳۷، مادة "اطعمة")

؎ النوع السابع :كل طائر ذى دم سائل، وليس له مخلب صائد، وليس أغلب أكله الجيف:

وذلك كالدجاج، والبط، والإوز، والحمام مستأنسا ومتوحشا، والفواخت، والعصافير، والقبج، والكركى، والخطاف، والبوم، والدبسى، والصلصل، واللقلق ، واللحام، والهدهد، والصرد، والخفاش (الوطواط).

فكل هذا مأكول عند الحنفية.

وقال المالكية بإباحة هذا النوع كله ولو جلالة فى المشهور عنهم، إلا الخفاش فالمشهور عندهم فيه الكراهة، وقيل بكراهة الهدهد والصرد، لما رواه أبو داود بسند صحيح عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم نهى عن قتل أربع من الدواب : النملة، والنحلة، والهدهد، والصرد . وقيل بالكراهة فى الخطاف أيضا، وخص بعضهم الكراهة فيه بما يعشش فى البيوت احتراما لمن عشش عنده.

واتفق الشافعية والحنابلة على التفصيل التالى فى هذا النوع، فذكروا أنه يحرم ما أمر الشارع بقتله، وما نهى عن قتله، وما استخبث، ويحل ما لم يكن كذلك .لكنهم اختلفوا فى التطبيق:

فالرخمة والخفاش واللقلق والخطاف والسنونو تحرم عند الشافعية والحنابلة.

والبغاثة تحرم عند الشافعية.

والببغاء والطاووس يحرمان عند الشافعية لخبث غذائهما، ويحلان عند الحنابلة.

والأخيل، ويسمى :الشقراق يحرم عند الحنابلة لخبثه، ويحل عند الشافعية.

وأبو زريق، ويسمى :الدرباب أو القيق، نص الحنابلة على تحريمه لخبثه، ومقتضى كلام الشافعية أنه يحل.

والهدهد والصرد يحرمان فى المذاهب الثلاثة للنهى عن قتلهما.

ويحرم العقعق عند الثلاثة أيضا، لأنه يأكل الجيف كالغراب الأبقع، وقد سبق ذكره والنعامة، والكركى، والحبارى، والدجاج، والبط، والإوز، والغرنيق، وسائر طيور الماء -سوى اللقلق -كلها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۴۸:......** گھوڑے کی حلت وحرمت یا کراہت کے اعتبار سے فقہائے کرام کا اختلاف ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک گھوڑا حلال ہے۔

اور حنفیہ ومالکیہ کی ایک روایت کے مطابق مکروہِ تحریمی اور دوسری روایت کے مطابق مکروہِ تنزیہی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مما يؤكل على المذاهب الثلاثة، وكذا الحمام، وهو اسم لكل ما عب وهدر كالقمرى، والدبسى، واليمام، والفواخت، والقطا، والحجل. وكذلك العصفور وكل ما على شكله، كالعندليب المسمى بالهزار، والصعوة، والزرزور، حلال فى المذاهب الثلاثة، لأنها معدودة من الطيبات، (كما يقول الحنفية، وإن كان هؤلاء يقولون بالكراهة التنزيهية فى بعض منها على ما سبق بيانه) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۷، وص۱۳۸، مادة "اطعمة")

[1] النوع الثامن :الخيل:

ذهب الشافعية والحنابلة، وهو قول للمالكية إلى إباحة الخيل، سواء أكانت عرابا أم براذين.

وحجتهم حديث جابر بن عبد الله رضى الله عنهما، قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر عن لحوم الحمر الأهلية، وأذن فى لحوم الخيل. وحديث أسماء بنت أبى بكر رضى الله عنهما قالت :نحرنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرسا فأكلناه ونحن بالمدينة.

وذهب الحنفية فى الراجح عندهم، وهو قول ثان للمالكية، إلى حل أكلها مع الكراهة التنزيهية.

وحجتهم هى اختلاف الأحاديث المروية فى الباب واختلاف السلف، فذهبوا إلى كراهة الخيل احتياطا، ولأن فى أكلها تقليل آلة الجهاد.

وبناء على الكراهة التنزيهية يقرر الحنفية :أن سؤر الفرس ولبنها طاهران، لأن كراهة أكل الخيل ليست لنجاستها، بل لاحترامها، لأنها آلة الجهاد، وفى توفيرها إرهاب العدو، كما يقول الله تعالى: (وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم).

وذهب أبو حنيفة فى رواية الحسن بن زياد عنه إلى الكراهة التحريمية، ونحوه قول للمالكية بالتحريم، وبه جزم خليل فى مختصره.

وحجتهم قول الله تعالى :(والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة) فالاقتصار على الركوب والزينة يدل على أنها ليست مأكولة، إذ لو كانت مأكولة لقال :ومنها تأكلون، كما قال قبل ذلك: (والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون) . وكذا الحديث المروى عن خالد بن الوليد رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن أكل لحوم الخيل والبغال والحمير، وكل ذى ناب من السباع، وكل ذى مخلب من الطير.

ولما كانت دلالة الآية والحديث على التحريم غير قطعية كان الحكم هو الكراهة التحريمية عند الحنفية .ولا مانع من تسميتها (تحريما) بناء على أن التحريم هو المنع بالمعنى الشامل لما كان دليله قطعيا أو ظنيا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۳۸، وص۱۳۹، مادة "اطعمة")

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر ۲۹:**...... گھریلو گدھے کا گوشت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حرام یا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک مکروہِ تنزیہی ہے، اور جنگلی گدھا، جسے آج کل کی زبان میں زیبرا (Zebra) کہا جاتا ہے، حلال ہے۔ ۱

**مسئلہ نمبر ۳۰:**...... خنزیر کا گوشت حرام ہے، بلکہ خنزیر کے تمام اجزاء بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حرام ہیں، اور بعض کے نزدیک بال وغیرہ پاک ہیں۔ ۲

---

۱ النوع التاسع :الحمار الأهلي:

ذهب الشافعية والحنابلة -وهو القول الراجح للمالكية -إلى حرمة أكله .ونحوه مذهب الحنفية حيث عبروا بالكراهة التحريمية التي تقتضى المنع، وسواء أبقى على أهليته أم توحش.

ومن أدلة التحريم أو الكراهة التحريمية :حديث أنس بن مالك رضى الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر مناديا فنادى :إن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر الأهلية فإنها رجس، فأكفئت القدور وإنها لتفور باللحم.

وحديث جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى يوم خيبر عن لحوم الحمر الأهلية، وأذن فى لحوم الخيل.

وذكر ابن حزم أنه نقل تحريم الحمر الأهلية عن النبى صلى الله عليه وسلم من طريق تسعة من الصحابة بأسانيد كالشمس، فهو نقل تواتر لا يسع أحدا خلافه.

والقول الثانى للمالكية :أنه يؤكل مع الكراهة أى التنزيهية.

وقد نقل ابن قدامة :أن الإمام أحمد قال :إن خمسة عشر من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم كرهوا الحمر الأهلية، وأن ابن عبد البر قال :لا خلاف بين علماء المسلمين اليوم فى تحريمها، وأن ابن عباس وعائشة كانا يقولان بظاهر قوله تعالى : (قل لا أجد فيما أوحى إلى محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير) تلاها ابن عباس وقال :ما خلا هذا فهو حلال، وأن عكرمة وأبا وائل لم يريا بأكل الحمر بأسا.

ونقل الكاسانى أن بشرا المريسى قال بإباحتها.

وصفوة القول أن فيها ثلاثة مذاهب:

(الأول) التحريم أو الكراهة التحريمية.

(والثانى) الكراهة التنزيهية.

(والثالث) الإباحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۳۹، وص ۱۴۰، مادة "اطعمة")

۲ النوع العاشر :الخنزير:

الخنزير حرام لحمه وشحمه وجميع أجزائه، لقوله تعالى :(قل لا أجد فيما أوحى إلى محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقا أهل لغير الله به).

قال الألوسى " :خص اللحم بالذكر مع أن بقية أجزائه أيضا حرام، خلافا للظاهرية، لأنه معظم ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر ۳۱:**...... ٹڈی (Locust) کے حلال ہونے پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے، جس کو کھانے کے لئے ذبح کرنا بھی ضروری نہیں۔ [۱]

**مسئلہ نمبر ۳۲:**...... گوہ کے حلال وحرام ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بہت سے فقہائے کرام اس کو حلال کہتے ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک گوہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يؤكل من الحيوان، وسائر أجزائه كالتابع له، ثم بين الألوسى أنه خص لحم الخنزير بالذكر، مع أن بقية أجزائه حرام، لإظهار حرمة ما استطابوه وفضلوه على سائر اللحوم واستعظموا وقوع تحريمه.

والضمير فى قوله تعالى :(أو لحم خنزير فإنه رجس) ، فى لغة العرب التى نزل بها القرآن راجع إلى أقرب مذكور إليه وهو الخنزير نفسه، فصح بالقرآن أن الخنزير بعينه رجس، فهو كله رجس وبعض الرجس رجس، والرجس حرام واجب اجتنابه، فالخنزير كله حرام، لا يخرج من ذلك شعره ولا غيره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۴۰، وص ۱۴۱، مادة "اطعمة")

[۱] الجراد:

أجمعت الأمة على حل الجراد، وقد ورد فى حله الحديث القائل :أحلت لنا ميتتان ودمان، فأما الميتتان :فالجراد والحوت، وأما الدمان :فالطحال والكبد.

-وذهب الجمهور إلى أنه لا حاجة إلى تذكية الجراد .وقال المالكية :لا بد من تذكيته بأن يفعل به ما يعجل موته بتسمية ونية.

ومما ينبغى التنبه له أن الشافعية كرهوا ذبح الجراد وقطعه حيا .وصرحوا بجواز قليه ميتا دون إخراج ما فى جوفه، ولا يتنجس به الدهن.

ويحرم عندهم قليه وشيه حيا على الراجح لما فيهما من التعذيب، وقيل :يحل ذلك فيه كما يحل فى السمك، ولكن هذا القول عندهم ضعيف، لأن حياة الجراد مستقرة ليست كحياة المذبوح، بخلاف السمك الذى خرج من الماء ، فإن حياته كحياة المذبوح.

وخالف الحنابلة فى قليه وشيه حيا، فذهبوا إلى مثل القول الثانى للشافعية، وهو إباحتهما، وإن كان فيهما تعذيب، لأنه تعذيب للحاجة، فإن حياته قد تطول فيشق انتظار موته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۴۲، مادة "اطعمة")

[۲] الضب:

اختلف الفقهاء فى الضب :فذهب الجمهور إلى إباحته، واستدلوا بالحديث المروى عن عبد الله بن عباس، قال :دخلت أنا وخالد بن الوليد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت ميمونة، فأتى بضب محنوذ، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده، فقلت :أحرام هو يا رسول الله؟ قال :لا، ولكنه لم يكن بأرض قومى فأجدنى أعافه .قال خالد :فاجترته فأكلته ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۳۴۳:......** مختلف اشیاء میں جو کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ امرود وغیرہ میں پیدا ہونے والے کیڑے، جب تک ان میں روح نہ پڑی ہو، ان کا کھانا جائز ہے، اور جب روح پڑ چکی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ان کا کھانا جائز نہیں، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب أبو حنيفة إلى تحريمه، واحتج بالحديث المروى عن عبد الرحمن ابن حسنة :أنهم أصابتهم مجاعة فى إحدى الغزوات مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد الصحابة ضبابا فحرشوها وطبخوها، فبينما كانت القدور، تغلى بها علم بذلك الرسول صلى الله عليه وسلم فأمرهم بإكفاء القدور فألقوا بها.

واعتبر الجمهور ما ورد فى تحريمه منسوخا، لأن حديث الإباحة متأخر، لأنه حضره ابن عباس وهو لم يجتمع بالنبى صلى الله عليه وسلم إلا بالمدينة.

وممن كره الضب من الصحابة رضى الله عنهم على بن أبى طالب، وجابر بن عبد الله، ويحتمل أن تكون الكراهة عندهما تحريمية، وهذا عندئذ يتفق مع القول بالتحريم، ويحتمل أنها تنزيهية.

وحجة من قال بكراهته تنزيها تعارض أدلة الإباحة والتحريم، فيكره تنزيها احتياطا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۴۲، وص ۱۴۳، مادة "اطعمة")

[1] الدود:

تناولت كتب الفقه تفصيلات عن الدود إيجازها فيما يلى :قال الحنفية :إن دود الزنبور ونحوه قبل أن تنفخ فيه الروح لا بأس بأكله، لأنه ليس بميتة، فإن نفخت فيه الروح لم يجز أكله .وعلى هذا لا يجوز أكل الجبن أو الخل أو الثمار بدودها.

وقال المالكية :إن مات الدود ونحوه فى طعام وتميز عن الطعام أخرج منه وجوبا، فلا يؤكل معه، ولا يطرح الطعام بعد إخراجه منه، لأن ميتته طاهرة.

وإن لم يتميز بأن اختلط بالطعام وتهرى طرح الطعام، لعدم إباحة نحو الدود الميت به وإن كان طاهرا، فيلقى لكلب أو هر أو دابة، إلا إذا كان الدود غير المتميز قليلا.

وإن لم يمت فى الطعام جاز أكله معه.

هذا كله إن لم يكن الدود ونحوه تولد فى الطعام (أى عاش وتربى فيه) ، سواء أكان فاكهة أم حبوبا أم تمرا، فإن كان كذلك جاز أكله معه عندهم، قل أو كثر، مات فيه أو لا، تميز أو لم يتميز.

ومعنى ذلك أنهم يلحظون فيه حينئذ معنى التبعية.

وقال الشافعية والحنابلة :يحل أكل الدود المتولد فى طعام كخل وفاكهة بثلاث شرائط:

الأولى - :أن يؤكل مع الطعام، حيا كان أو ميتا، فإن أكل منفردا لم يحل.

الثانية - :ألا ينقل منفردا، فإن نقل منفردا لم يجز أكله .وهاتان الشريطتان منظور فيهما أيضا إلى معنى التبعية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

**مسئلہ نمبر۳۴:**...... ٹڈی، گوہ اور مذکورہ کیڑوں کے علاوہ باقی حشرات مثلاً چوہے، گلہری، نیولہ، خارپشت یا سیہہ کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تمام حشرات کا کھانا جائز نہیں، اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے، اور بعض فقہائے کرام بعض کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ [۱]

**مسئلہ نمبر۳۵:**...... جو جانور دو قسم کی مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو، تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ دونوں باہم ملاپ کرنے والے جانور حلال ہوں، تو ان سے پیدا شدہ جانور حلال کہلائے گا، اور اگر وہ دونوں باہم ملاپ کرنے والے جانور حرام یا مکروہِ تحریمی ہوں، تو ان سے پیدا شدہ جانور بھی حرام یا مکروہ تحریمی کہلائے گا، اور اگر وہ جانور اس طرح کے دو مختلف

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الثالثة - :ألا يغير طعم الطعام أو لونه أو ريحه إن كان مائعا، فإن غير شيئا من ذلك لم يجز أكله ولا شربه، لنجاسته حينئذ.

ويقاس على الدود السوس المتولد فى نحو التمر والباقلاء إذا طبخا، فإنه يحل أكله ما لم يغير الماء.

وكذا النمل إذا وقع فى العسل ونحوه فطبخ.

وقال أحمد فى الباقلاء المدود :تجنبه أحب إلي، وإن لم يتقذر فأرجو . وقال عن تفتيش التمر المدود :لا بأس به. وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه أتى بتمر عتيق فجعل يفتشه يخرج السوس منه. قال ابن قدامة :وهو أحسن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۴۳، وص۱۴۴، مادة "اطعمة")

[۱] بقية الحشرات:

للفقهاء فى حكم بقية الحشرات، ما عدا الجراد والضب، والدود ثلاثة آراء :

الأول - :حرمة أصناف الحشرات كلها، لأنها تعد من الخبائث لنفور الطبائع السليمة منها .وإلى هذا ذهب الحنفية.

الثانى - :حل أصنافها كلها لمن لا تضره .وإليه ذهب المالكية، لكنهم اشترطوا فى الحل تذكيتها: فإن كانت مما ليس له دم سائل ذكيت كما يذكى الجراد، وسيأتى بيان ذلك .وإن كانت مما له دم سائل ذكيت بقطع الحلقوم والودجين من أمام العنق بنية وتسمية.

وقال المالكية فى الفأر إذا علم وصوله إلى النجاسة :إنه مكروه، وإن لم يعلم وصوله إليها فهو مباح.

الثالث - :التفصيل بتحريم بعض أصنافها دون بعض :فالشافعية :قالوا بإباحة الوبر، وأم حبين، واليربوع، وابن عرس، والقنفذ .أما أم حبين فلشبهها بالضب، وأما البقية فلأنها غير مستخبثة.

والحنابلة خالفوا الشافعية فى القنفذ وابن عرس، فقالوا بحرمتهما، ولهم روايتان فى الوبر واليربوع أصحهما الإباحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۴۴، مادة "اطعمة")

www.idaraghufran.org

جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو کہ اُن میں سے ایک حرام یا مکروہِ تحریمی ہو، اور دوسرا حلال یا مکروہِ تنزیہی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک وہ اپنی ماں کے تابع ہوگا، لہٰذا جس خچر کی ماں گدھی ہو، وہ خچر مکروہِ تحریمی کہلائے گا، اور جس خچر کی ماں گھوڑی ہو، اس خچر کو گھوڑے کا حکم حاصل ہوگا، جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ اور امام ابوحنیفہ کے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک حلال ہوگا۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ایسا جانور ماں یا باپ کے تابع ہونے کے بجائے اخس ورذیل جانور کے تابع ہوگا، یعنی اس کے ماں باپ میں سے جو بھی اخس ورذیل ہوگا۔ [1]

---

[1] النوع الثانی عشر :المتولدات، ومنها :البغال:
يقصد بالمتولدات ما تولد بين نوعين من الحيوان .وهو ثلاثة أصناف:
الصنف الأول :ما تولد بين نوعين حلالين .وهو حلال بلا خلاف.
الصنف الثانی :ما تولد بين نوعين محرمين أو مكروهين تحريما .وهو محرم أو مكروه تحريما بلا خلاف.
الصنف الثالث :ما تولد بين نوعين أحدهما محرم أو مكروه تحريما، والثانی حلال مع الإباحة أو مع الكراهة التنزيهية .ومن أمثلة هذا الصنف :البغال .وفی حكمها تفصيل:
قال الشافعية والحنابلة :إن البغل وغيره من المتولدات يتبع أخس الأصلين. وصرح الشافعية بأن هذه التبعية إنما هی عند العلم بالتولد بين النوعين .وعلى هذا لو ولدت الشاة كلبة دون أن يعلم أنها نزا عليها كلب فإنها تحل، لعدم اليقين بتولدها من كلب، لأنه قد تقع الخلقة على تركها.
وحجتهم فی قولهم يتبع أخس الأصلين، أنه متولد منهما فيجتمع فيه حل وحرمة، فيغلب جانب الحرمة احتياطا .ومن القواعد الفقهية أنه إذا تعارض المانع والمقتضی، أو الحاظر والمبيح، غلب جانب المانع الحاظر احتياطا.
وعند الحنفية البغال تابعة للأم، فالبغل الذی أمه أتان (حمارة) يكره أكل لحمه تحريما تبعا لأمه، والذی أمه فرس يجری فيه الخلاف الذی فيه الخيل :فيكون مكروها عند أبی حنيفة، ومباحا عند الصاحبين .فلو فرض تولده بين حمار وبقرة، أو بين حصان وبقرة فهو مباح عند جميع الحنفية بلا خلاف فی المذهب، تبعا لأمه كما تقدم.
وما يقال فی البغال يقال فی كل متولد بين نوعين من الحيوان، فالتبعية للأم هی القاعدة عند الحنفية.
ويعرف من الدر المختار وحاشيته لابن عابدين أن العبرة للأم ولو ولدت المأكولة ما صورته صورة غير المأكول، كما لو ولدت الشاة ذئبا فإنه يحل.
والمالكية أيضا يقولون بقاعدة التبعية للأم فی الحكم مع بعض اختلاف :فهم يقيدون ذلك بألا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر ۳۶:**...... جو جانور ویسے تو حلال ہو، اور اس کی حرمت یا کراہت کی کوئی اور وجہ نہ پائی جاتی ہو، لیکن وہ اس قدر نجاست کھانے کا عادی ہو جائے کہ اس کی نجاست خوری کی عادت کی وجہ سے اس کے گوشت میں بھی بدبو پیدا ہو جائے، تو اس کو اسی حال میں ذبح کر کے کھانا مکروہ ہے، البتہ اس کو چند دن نجاست خوری سے بچا کر پاک غذا کھلائی جائے، تو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

خلاف صورة الأصل، وإن كان الورع يأتي المتولد بين نوعين على صورة المحرم، فإنه عندئذ يحرم، وإن كانت الأم مباحة، كما لو ولدت الشاة خنزيرا .وكذلك لا يجوزون أكل مباح ولدته محرمة، كشاة من أتان (وفقا للقاعدة) ولا عكسه أيضا، كأتان من شاة (على خلاف القاعدة) ولكن هذا الولد الذى ولدته المحرمة على صورة المباح إذا نسل يؤكل نسله عندهم حيث كان على صورة المباح، لبعده عن أمه المحرمة.

وقد ذكروا فى البغل قولين:

أحدهما :التحريم، وهو المشهور .وثانيهما :الكراهة دون تفريق أيضا بين كون أمه فرسا أو أتانا، اعتمادا على أدلة أخرى فى خصوص البغل غير قاعدة التولد.

وحجة من قال :إن البغل يتبع أمه أنه قبل خروجه منها هو جزء منها، فيكون حكمه حكمها :حلا، وحرمة، وكراهة، فيبقى هذا الحكم بعد خروجه استصحابا.

وحجة من أطلق التحريم أو الكراهة التحريمية .من الكتاب قوله تعالى :(والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة) فقد بينت الآية مزاياها أنها ركائب وزينة، وسكتت عن الأكل فى مقام الامتنان فيدل على أنها غير مأكولة.

ومن السنة حديث جابر بن عبد الله قال :حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم -يعني يوم خيبر - لحوم الحمر الإنسية ولحوم البغال، وكل ذى ناب من السباع، وكل ذى مخلب من الطير.

وحديث خالد بن الوليد :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لحوم الحمر والخيل والبغال.

وحجة من أطلق القول بالكراهة التنزيهية هى الجمع بين دلالة الآيات والأحاديث السابقة، وبين قوله تعالى :(قل لا أجد فيما أوحى إلى محرما . . .) فقالوا :إنها ليست محرمة، عملا بهذه الآية الأخيرة، وليست واضحة الإباحة للخلاف فى دلالة الآية الأولى والأحاديث، فيخرج من ذلك أنها مكروهة كراهة تنزيهية.

وحجة من قال بالإباحة :أن الله تعالى قال :(يا أيها الناس كلوا مما فى الأرض حلالا طيبا).

وقال أيضا :(وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه) ولم يذكر فيما فصل تحريم البغل، فهو حلال.

والقول بأنه متولد من الحمار فيكون مثله قول لا يصح، لأنه منذ نفخت فيه الروح هو مغاير للحمار، وليس جزءا منه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۴۴، الیٰ ص ۱۴۶، مادة "اطعمة")

پھر ذبح کر کے کھانا مکروہ نہیں کہلاتا۔ ل

ل السبب العارض الموجب للكراهة:

الحيوانات الجلالة:

المقصود هنا بيان ما يكره أكله من الحيوان المباح الأصل بسبب عارض اقتضى هذه الكراهة، فإذا زال العارض زالت الكراهة .ولم يذكر الفقهاء من هذا النوع سوى الحيوانات الجلالة .

فقال الكاسانى :إن الجلالة هى الإبل أو البقر أو الغنم التى أغلب أكلها النجاسات فيكره أكلها، لما روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن أكل لحوم الإبل الجلالة، ولأنها إذا كان الغالب من أكلها النجاسات يتغير لحمها وينتن، فيكره أكله كالطعام المنتن .وروى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الجلالة أن تشرب ألبانها. أيضا، وذلك لأن لحمها إذا تغير يتغير لبنها.

وأما ما روى من النهى عن ركوبها فمحمول على أنها أنتنت فيمتنع من استعمالها حتى لا يتأذى الناس بنتنها.

وقيل :لا يحل الانتفاع بها، ولو لغير الأكل، والأول هو الأصح، لأن النهى ليس لمعنى يرجع إلى ذاتها، بل لعارض جاورها، فكان الانتفاع بها حلالا فى ذاته، ممنوعا لغيره.

وتزول الكراهية بحبسها عن أكل النجاسة وعلفها بالعلف الطاهر.

وهل لحبسها تقدير زمنى، أو ليس له تقدير؟ روى عن محمد أنه قال :كان أبو حنيفة لا يوقت فى حبسها، وقال :تحبس حتى تطيب، وهو قول محمد وأبى يوسف أيضا.

وروى أبو يوسف عن أبى حنيفة أنها تحبس ثلاثة أيام، وروى ابن رستم عن محمد فى الناقة والشاة والبقرة الجلالات أنها إنما تكون جلالة إذا أنتنت وتغيرت ووجد منها ريح منتنة، فهى التى لا يؤكل لحمها ولا يشرب لبنها .هذا إذا كانت لا تخلط ولا تأكل إلا الجلة أو العذرة غالبا، فإن خلطت فليست جلالة فلا تكره، لأنها لا تنتن.

ولا يكره أكل الدجاجة المخلاة وإن كانت تتناول النجاسة، لأنها لا يغلب عليها أكلها، بل تخلطها بالحب .وقيل :إنما لا تكره، لأنها لا تنتن كما تنتن الإبل، والحكم متعلق بالنتن .ولهذا قالوا فى الجدى إذا ارتضع بلبن خنزيرة حتى كبر :إنه لا يكره أكله، لأن لحمه لا يتغير ولا ينتن .وهذا يدل على أن العبرة للنتن لا لتناول النجاسة.

والأفضل أن تحبس الدجاجة المخلاة حتى يذهب ما فى بطنها من النجاسة، وذلك على سبيل التنزه.

وروى أبو يوسف عن أبى حنيفة أنها تحبس ثلاثة أيام، وكأنه ذهب إلى ذلك، لأن ما فى جوفها من النجاسة يزول فى هذه المدة غالبا.

هذه خلاصة ما أفاده صاحب "البدائع ويؤخذ من "الدر المختار "وحاشية ابن عابدين عليه، وتقرير الرافعى أن كراهة الجلالة تنزيهية لا تحريمية، وأن صاحب "التجنيس "اختار حبس الدجاجة ثلاثة أيام، والشاة أربعة، والإبل والبقرة عشرة، وأن السرخسى قال :الأصح عدم التقدير وأنها تحبس حتى تزول الرائحة المنتنة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۳۷:...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ناپاک پانی اور ناپاک کھاد کو، فصل میں دینا اور لگانا یا سیراب کرنا جائز ہے، اور اس سے وہ فصل ناپاک شمار نہیں ہوتی۔** [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومذهب الشافعية قريب من الحنفية، فقد قال الشافعية :إذا ظهر تغير فی لحم الجلالة، سواء أكانت من الدواب أم من الطيور، وسواء أكان التغير فی الطعم أم اللون أم الريح، ففيها وجهان لأصحاب الشافعی، أصحهما عند الرافعی الحرمة، وعند النووی الكراهة، وهذا هو الراجح، لأن النهی فی الحديث إنما هو لتغير اللحم فلا يقتضی التحريم.

ويلحق بالجلالة ولدها الذی يوجد فی بطنها بعد ذكاتها، إذا وجد ميتا وظهر فيه التغير، وكذلك العنز التی ربيت بلبن كلبة أو خنزيرة إذا تغير -لحمها .فإن علفت الجلالة، أو لم تعلف، فطاب لحمها حل بلا كراهة، لزوال علة الكراهة وهی التغير .ولا تقدير لمدة العلف .وتقديرها بأربعين يوما فی البعير، وثلاثين فی البقر، وسبعة فی الشاة، وثلاثة فی الدجاجة بناء علی الغالب .ولا يكفی الغسل أو الطبخ للحكم بطيب اللحم وإذا حرم أو كره أكل الجلالة حرم أو كره سائر أجزائها كبيضها ولبنها، ويكره ركوبها من غير حائل، لأن لعرقها حكم لبنها ولحمها.

وروی الحنابلة عن الإمام أحمد قولين:

(أولهما) أن الجلالة تحرم، وهو المذهب، وعليه الأصحاب.

(الثانی) أنها تكره.

ورووا عن أحمد فيما تزول به الكراهة روايتين:

(إحداهما) أن الجلالة مطلقا تحبس ثلاثة أيام.

(الثانية) أن الطائر يحبس ثلاثة، والشاة سبعة، وما عدا ذلك (من الإبل والبقر ونحوهما فی الكبر) أربعين يوما.

وصرح المالكية :بأن الطيور والأنعام الجلالة مباحة، لكن قال ابن رشد :إن مالكا كره الجلالة.

ودليل تحريم الجلالة عند من حرمها ما ثبت عن ابن عمر رضی الله عنهما أنه قال :نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها.

ووجه حبسها ثلاثا أن ابن عمر رضی الله عنهما كان إذا أراد أكلها حبسها ثلاثا وأطعمها الطاهرات.

ووجه حبس الإبل أربعين يوما ما روی عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أنه قال :نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن الإبل الجلالة أن يؤكل لحمها، ولا يشرب لبنها، ولا يحمل عليها إلا الأدم ولا يركبها الناس حتی تعلف أربعين ليلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۴۸ الیٰ ۱۵۱، مادة "اطعمة")

[1] سقی الزروع بالمياه النجسة والتسميد بالنجاسات:

صرح الحنفية والمالكية والشافعية فی سقی الزروع والثمار بالمياه النجسة أنها لا تتنجس ولا تحرم.(ر :أطعمة ف ۱۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر ۴۸:......** مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جانوروں کو ناپاک چیز اور ناپاک چارہ کھلانا پلانا جائز ہے، جیسا کہ ناپاک پانی اور ناپاک کھاد سے کھیتی کو سیراب کرنا جائز ہے۔
اور حنفیہ کے نزدیک اپنے اختیار سے ناپاک چیز جانور کو کھلانا پلانا جائز نہیں۔
اور حنابلہ کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کو ناپاک چیز کھلانا پلانا جائز ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، انہیں ناپاک چیز کھلانا پلانا جائز نہیں۔ [۱]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی هذا يقول المالكية :الزرع المسقى بنجس طاهر وإن تنجس ظاهره فيغسل ما أصابه من النجاسة، ولو جعل العذرة فى الماء لسقى الزرع جاز، وأن المتغير بالنجس كالعذرة ونحوها نجس لا يستعمل فى شيء من العادات ولا فى شيء من العبادات، لكن يسقى به الزرع والبهائم .
ويقول الشافعية :الزرع النابت على السرجين قال عنه الأصحاب :إنه ليس بنجس العين لكن ينجس بملاقاة النجاسة فإذا غسل طهر، وإذا سنبل فحباته الخارجة طاهرة ، ولو أكلت بهيمة حبا ثم ألقته صحيحا :فإن كانت صلابته باقية بحيث لو زرع نبت فعينه طاهرة، ويجب غسل ظاهره، لأنه وإن صار غذاء لها فما تغير إلى فساد، فصار كما لو ابتلع نواة، وإن زالت صلابته بحيث لا ينبت فنجس العين .
وحرم الحنابلة الزروع والثمار التى سقيت بالنجسات أو سمدت بها، لما روى ابن عباس رضى الله عنهما قال :كنا نكرى أرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، ونشترط عليهم أن لا يدملوها بعذرة الناس.ولأنها تتغذى بالنجاسات وأجزاؤها تتحلل فيها، والاستحالة لا تطهر.
وقال ابن عقيل :يحتمل أن يكره ذلك ولا يحرم، ولا يحكم بتنجيسها لأن النجاسة تستحيل فى باطنها فتطهر بالاستحالة، كالدم يستحيل فى أعضاء الحيوان ويصير لبنا، وكان سعد بن أبى وقاص رضى الله عنه يدخل أرضه بالمعرة ويقول :مكتل عرة مكتل بر، والعرة عذرة الناس .
وكرهوا لذلك أكل الزروع التى تسمد بالنجاسة، أو تسقى بمتنجس من زرع وثمر، ولا يحل حتى يسقى بعد ذلك بماء طاهر يستهلك عين النجاسة، ونقل فى الإنصاف عن ابن عقيل قوله : ليس بنجس ولا محرم، بل يطهر بالاستحالة كالدم يستحيل لبنا، وجزم به فى التبصرة.
وقالوا :إن روث ما يؤكل لحمه طاهر فالتسميد به لا يحرم الزرع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٠،ص١٠٧،و١٠٨ ،مادة "نجاسة" )

[۱] إطعام الحيوانات علفا نجسا أو متنجسا:
أجاز المالكية والشافعية إطعام العلف النجس أو المتنجس للدواب ، كما أجازوا سقى الماء المتغير بالنجس للبهائم والزرع .
ويقول الحنفية بحرمة الانتفاع بالخمر فى التداوى بالاحتقان وسقى الدواب والإقطار فى الإحليل، ذلك لأن الانتفاع بالنجس حرام، فإذا حرم سقى الدواب بالنجس حرم إطعامها به .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر ۳۹:**...... اگر کوئی خشک ناپاک چیز کسی دوسری خشک پاک چیز سے مَس ہوجائے یعنی لگ جائے یا ٹکرا جائے، تو اس سے پاک چیز ناپاک نہیں ہوتی، مثلاً خنزیر وغیرہ کا خشک جسم کپڑے وغیرہ سے لگ گیا، تو اس سے وہ جسم کپڑا وغیرہ ناپاک نہیں ہوگا۔

اور اگر کوئی گیلی ناپاک چیز مثلاً پیشاب، پاخانہ وغیرہ، کسی خشک مگر پاک چیز سے لگ جائے، تو کیا صرف ٹکرانے سے وہ پاک چیز ناپاک ہوجائے گی یا نہیں؟

تو اس سلسلہ میں حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگی، جب تک کہ اس خشک پاک چیز میں نجاست کا اثر یعنی رنگ، بو، ذائقہ وغیرہ منتقل نہ ہو۔ [1]

اور اگر پاک کپڑے کو، ناپاک پانی سے بھیگے ہوئے کپڑے کے ساتھ لپیٹ دیا گیا، تو وہ پاک کپڑا، حنفیہ کے نزدیک اس وقت تک ناپاک نہیں کہلائے گا، جب تک کہ پاک کپڑے میں اس ناپاک کپڑے کا گیلا پن اس قدر منتقل نہ ہوجائے کہ اس پاک کپڑے سے پانی ٹپکنے لگے، یا اگر اس کو نچوڑا جائے، تو اس سے پانی ٹپکنے لگے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأجاز الحنابلة إطعام ذلک لما لا يؤكل لحمه من الدواب، ولم يجيزوا إطعامه لما يؤكل منها، إلا أن يكون إذا أطعمه لم يذبح حتى يكون له ثلاثة أيام على معنى الجلالة، فقد سئل أحمد عن خباز خبز خبزا فباع منه، ثم نظر فی الماء الذی عجن منه فإذا فيه فأرة؟ فقال :لا يبيع الخبز من أحد، وإن باعه استرده، فإن لم يعرف صاحبه تصدق بثمنه، ويطعمه من الدواب ما لا يؤكل لحمه، ولا يطعم لما يؤكل إلا أن يكون إذا أطعمه لم يذبح حتى يكون له ثلاثة أيام على معنى الجلالة ، قال :ليس هذا بمنزلة الميتة إنما اشتبه عليه، قيل له :فهو بمنزلة كسب الحجام يطعم النواضح، قالت هذا أشد عندی لا يطعم الرقيق لكن يعلفه البهائم، قيل له :أين الحجة؟ قال :حدثنا عبد الصمد عن صخر عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما أن قوما اختبزوا من آبار الذين مسخوا، فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يهريقوا ما استقوا من بئارها، وأن يعلفوا الإبل العجين، وأمرهم أن يستقوا من البئر التی كان تردها الناقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۱۰۸، و۱۰۹، مادة "نجاسة")

[1] ولو لف ثوب جاف طاهر فی ثوب نجس رطب لاينعصر الرطب لو عصر، لا ينجس، كما لا ينجس ثوب رطب نشر على أرض نجسة يابسة، فتندت الأرض منه ولم يظهر أثرها فيه .ولا ينجس الثوب بريح هبت على نجاسة، فأصابت الريح الثوب، إلا أن يظهر أثر النجاسة فيه(الفقه الاسلامی وادلته ،للزحيلی، ج ۱، ص۲۹۵ ،الباب الاول الطهارات، المبحث السادس )

اوراسی طرح اگر مثلاً خشک ناپاک بستر، قالین وغیرہ پر بھیگا ہوا پاؤں پڑے، یا بدن سے پسینہ خارج ہو، اورتَر بدن ناپاک مگرخشک بستر سے مَس ہوتو جب تک بدن پراس ناپاک چیز کے تَر ہونے کے بعد اس کی ناپاکی کا اثر، رنگ، بو، ذائقہ جسم یا قدم پر منتقل نہ ہو، تو جسم ناپاک نہ ہوگا۔ ؎

**وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.**

---

؎ ذهب الحنفية فى الأصح والمالكية فى المذهب إلى أن ملاقى رطوبة النجاسة لا ينجس .قال ابن عابدين :إذا لف طاهر جاف فى نجس مبتل واكتسب الطاهر منه الرطوبة فقد اختلف فيه المشايخ فقيل :يتنجس الطاهر، واختار الحلوانى أنه لا يتنجس إن كان الطاهر بحيث لا يسيل منه شيء ولا يتقاطر لو عصر، وهو الأصح، واشترط بعض الحنفية أن يكون الثوب النجس الرطب هو الذى لا يتقاطر بعصره . وذهب الشافعية فى الأصح والحنابلة إلى نجاسة ملاقى رطوبة النجاسة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲، ص ۲۶۱، مادة "رطوبة")

أ -تلاقى الجافين أو الطاهر الجاف بالنجس المائع أو المبتل وعكسه:

قال الحنفية :لو ابتل فراش أو تراب نجسان من عرق نائم أو بلل قدم وظهر أثر النجاسة فى البدن والقدم تنجسا وإلا فلا، كما لا ينجس ثوب جاف طاهر لف فى ثوب نجس رطب لا ينعصر الرطب لو عصر، ولا ينجس ثوب رطب بنشره على أرض نجسة يابسة فتندت منه ولم يظهر أثرها فيه، ولا بريح هبت على نجاسة فأصابت الثوب إلا أن يظهر أثرها فيه أى الثوب، وقيل :ينجس إن كان مبلولا لاتصالها به.

ولو خرج منه ريح ومقعدته مبلولة فالصحيح طهارة الريح الخارجة فلا تنجس الثياب المبتلة

وقال المالكية :لو زال عين النجاسة عن المحل بغير الماء المطلق من مضاف وبقى بلله، فلاقى جافا، أو جف ولاقى مبلولا لم يتنجس ملاقى محلها على المذهب، إذ لم يبق إلا الحكم وهو لا ينتقل، ومقابل المذهب أن المضاف قد يتنجس بمجرد الملاقاة فالباقى نجس، ومقتضى ذلك :أنه إذا لاقى المحل المبلول جافا، أو لاقى المحل الجاف شيء مبلول أنه يتنجس بمجرد الملاقاة .

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الأعيان الطاهرة إذا لاقاها شيء نجس وأحدهما رطب والآخر يابس فينجس الطاهر بملاقاتها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۹۴، مادة "نجاسة")

إذا لف الثوب النجس فى الثوب الطاهر والنجس رطب فظهرت نداوته فى الثوب الطاهر لكن لم يصر رطبا بحيث لو عصر يسيل منه شيء ولا يتقاطر فالأصح أنه لا يصير نجسا وكذا لو بسط الثوب الطاهر على الثوب النجس أو على أرض نجسة مبتلة وأثرت تلك النجاسة فى الثوب لكن لم يصر رطبا بحال لو عصر يسيل منه شيء ولكن يعرف موضع الندوة فالأصح أنه لا يصير نجسا . هكذا فى الخلاصة.

ولو وضع رجله المبلولة على أرض نجسة أو بساط نجس لا يتنجس وإن وضعها جافة على بساط نجس رطب إن ابتلت تنجست ولا تعتبر النداوة هو المختار(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص۴۷،كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثانى)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۱۱)

# استنجاء سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگوں کو پیشاب و پاخانہ اور بطورِ خاص پیشاب کرتے وقت اور قضائے حاجت سے فراغت کے بعد استنجاء کرنے میں غلو بلکہ ہیضہ ہوجاتا ہے، اور وہ لوگ پیشاب وغیرہ کا قطرہ برآمد ہونے کے وسوسہ اور ڈر کی وجہ سے بہت دیر تک بیٹھے رہتے ہیں، اور زور لگا لگا کر پیشاب کا قطرہ قطرہ برآمد کرتے رہتے ہیں، یا پھر استنجاء کرنے میں بہت سا وقت خرچ کرتے ہیں، اور کئی کئی مرتبہ استنجاء کرتے ہیں، اور اس کی خاطر بہت سا پانی استعمال کرتے ہیں، اور اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ پانی سے استنجاء وطہارت کرنے سے پہلے ڈھیلے، پتھر یا ٹشو پیپر وغیرہ سے دیر تک خشک کرتے رہتے اور عضوِ تناسل کو مَلتے رہتے ہیں، اور اس کو فرض یا واجب درجہ کا عمل سمجھتے ہیں، یا کم از کم پانی سے استنجاء کو پاکی حاصل ہونے کے لئے کافی نہیں سمجھتے، اور کسی طرح بھی پانی سے استنجاء کرنے پر اکتفاء کو گوارا نہیں کرتے، یہاں تک کہ اگر کسی وقت ڈھیلا یا ٹشو پیپر وغیرہ میسر نہ آئے، تو پیشاب کو روکے رکھتے ہیں، اور تنگی وکوفت اُٹھاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بعض اوقات ان لوگوں کی جماعت چھوٹ جاتی ہے، یا نماز کا مکروہ وقت ہوجاتا ہے، یا نماز ہی قضا ہوجاتی ہے، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان لوگوں کو سکون واطمینان حاصل نہیں ہوتا، اور یہی وسوسہ رہتا ہے کہ ان کا استنجاء درست یا مکمل نہیں ہوا، یا طہارت واستنجاء کرنے کے بعد پیشاب کا کوئی قطرہ برآمد ہوگیا ہے، اور اسی وجہ سے اس طرح کے بہت سے لوگ ایک سے زیادہ مرتبہ استنجاء یا وضو کرتے ہیں، اور بعض اوقات نماز کو بھی کئی کئی مرتبہ دہراتے ہیں، نیز اس طرح کے وسوسوں کی وجہ سے بعض لوگ حافظ، قاری یا عالم ہونے کے باوجود امامت کرانے سے بھی کتراتے ہیں، اور بعض اوقات

ان وسوسوں کی وجہ سے امامت کے بعد لوگوں میں نماز لوٹانے کا اعلان کر دیتے ہیں۔
اور بعض پڑھے لکھے علماء اس سلسلہ میں کچھ علمی غلط فہمیوں اور بے جا تشدد و غلو میں بھی مبتلا رہتے ہیں، اور دوسروں کو بھی ان چیزوں کی تبلیغ کرتے ہیں۔
حالانکہ یہ طرزِ عمل سراسر وسوسہ اور وہم پر مبنی اور غلو وتشدد میں داخل ہے، جس پر عمل پیرا ہونے سے شریعت نے منع کیا ہے۔
آگے اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## طہارت میں غلو کرنے والے لوگوں کی برائی

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیث میں قربِ قیامت میں طہارت میں غلو وتشدد کرنے والے لوگوں کے پیدا ہونے اور ان کی برائی کا ذکر آیا ہے۔
چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطَّهُوْرِ وَالدُّعَآءِ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت میں عنقریب ایسے لوگ (رونما) ہوں گے، جو طہارت اور دعاء میں حد سے تجاوز (اور غلو) کریں گے (ابوداؤد)

اور ابنِ حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الدُّعَآءِ وَالطُّهُوْرِ (صحیح ابنِ حبان) [2]

---

[1] رقم الحديث ٩٦، كتاب الطهارة، باب الاسراف فى الماء.

[2] رقم الحديث ٦٧٦٣، كتاب التاريخ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما يكون فى أمته من الفتن والحوادث.

فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آخری زمانہ (یعنی قربِ قیامت) میں کچھ ایسے لوگ (پیدا) ہوں گے، جو دعاء اور طہارت میں حد سے تجاوز (اور غلو) کریں گے (ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں تو طہارت ودعاء میں اعتدال ہے، اور غلو نہیں ہے، لیکن قربِ قیامت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو طہارت اور دعاء کے معاملہ میں شریعت اور سنت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر حد سے تجاوز اور غلو سے کام لیں گے، مثلاً دعاء غیر شرعی طریقہ پر کریں گے، یا دعاء کو رسمی انداز میں اختیار کریں گے، یا دعاء میں لفاظی اور تکلف وتصنع سے کام لیں گے۔

اور طہارت کے معاملہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اکتفاء نہیں کریں گے، بلکہ اس میں کمیت یا کیفیت کے اعتبار سے اضافہ کریں گے، جو کہ فضول خرچی میں داخل ہو کر گناہ ہے، اور شیطان کی طرف سے پیدا کئے ہوئے وسوسہ کی پیروی میں داخل ہے۔ [1]

اور طہارت میں غلو کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ طہارت واستنجاء کی خاطر غیر معمولی وبیش بہا پانی یا وقت خرچ کیا جائے، یا پانی سے استنجاء کو کافی نہ سمجھا جائے، اور پانی سے پہلے ڈھیلے

---

[1] قوله " :يعتدون "من الاعتداء، وهو التجاوز عن الحد .وقال ابن الأثير :ومعنى يعتدون فى الدعاء :هو الخروج فيه عن الوضع الشرعى والسنة المأثورة ."

وأما الاعتداء فى الطهور أن يسرف فى الماء، بأن يكثر صبه أو يزيد فى الأعداد، والطهور يحتمل فيه وجهان :ضم الطاء بمعنى الفعل، ويكون المعنى :يعتدون فى نفس الطهور بأن يزيدوا فى أعداده، وذلك إما من الإسراف وهو حرام، وإما من الوسوسة وهى من الشيطان .وفتحها بمعنى المطهر ويكون المعنى :يعتدون فى الماء، بأن يكثروا صبه وسكبه.

وأخرجه ابن ماجه مقتصرا منه على الدعاء .وأخرجه الحاكم فى "مستدركه " عن أبى بكر بن إسحاق، عن محمد بن أيوب، عن موسى بن إسماعيل،وأشار إلى صحته .وأخرجه البيهقى فى " سننه "عنه، وابن حبان فى "صحيحه"، وصححه النووى فى "شرحه."

فإن قلت :الجريرى مشهور بالاختلاط، اختلط أيام الطاعون، وذلك عام اثنتين وثلاثين ومائة قلنا : أبو داود إمام عظيم الشأن، وسكت على هذا، فدل على كونه مأخوذا عن الجريرى قبل الاختلاط، وأيضا فإن حماد بن سلمة إمام ورع من شيوخ الإسلام، فلا يعتقد أنه يحدث عنه بشىء سمعه منه بعد الاختلاط(شرح ابى داؤد للعينى، ج ا ص ٢٦٦،٢٦٧، باب الاسراف فى الوضوء)

www.idaraghufran.org

وغیرہ کے استعمال کو ضروری یا لازم سمجھا جائے، یا وسوسوں کی خاطر دوسرے طریقوں سے تشدد وغلو کیا جائے۔

## پانی سے استنجاء کا احادیث وروایات اور سنت سے ثبوت

دوسری بات یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے بعد پانی سے استنجاء کرنا بلکہ پانی سے استنجاء پر اکتفاء کرنا کئی احادیث وروایات اور سنت سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ، أَجِيْءُ أَنَا وَغُلَامٌ، مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ، يَعْنِيْ يَسْتَنْجِيْ بِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قضائے حاجت کے لئے نکلتے تھے، تو میں اور غلام آتے تھے، ہمارے ساتھ پانی کا لوٹا ہوا کرتا تھا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (قضائے حاجت کے بعد) استنجاء کیا کرتے تھے (بخاری)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَرَّزُ لِحَاجَتِهٖ، فَآتِيْهِ بِالْمَاءِ، فَيَتَغَسَّلُ بِهٖ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قضائے حاجت کے لئے دور نکلتے تھے، تو میں آپ کے پاس پانی لے کر حاضر ہوتا تھا، جس سے آپ (قضائے حاجت کے بعد) طہارت فرماتے تھے (مسلم)

مذکورہ حدیث سے نبی ﷺ کا پانی سے استنجا کرنا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ پانی سے استنجا کرنا،

---

[1] رقم الحديث ١٥٠، كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالماء.

[2] رقم الحديث ٢٧١ "٧٠"كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء من التبرز، مسند احمد، رقم الحديث ١٢١٠٠.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

صرف ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنے سے افضل ہے، کیونکہ قرآن مجید میں بھی پانی سے استنجا کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ اگر پانی میسر نہ ہو، تو دفعِ حرج کی وجہ سے اکثر و بیشتر ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنا بھی کافی ہوجاتا ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِيْ تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ، فَاسْتَنْجٰى (سنن ابی داؤد) [2]

ترجمہ: نبی ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے، تو میں آپ کے پاس برتن یا چمڑے کے چھوٹے سے مشکیزے (یا ڈول وغیرہ) میں پانی لاتا تھا، پھر آپ (اس پانی سے) استنجا فرماتے تھے (ابوداؤد)

---

[1] وهذا يرد على من كره الاستنجاء بالماء ومن نفى وقوعه من النبى -صلى الله عليه وسلم(ارشاد السارى للقسطلانى، ج ا ص ۲۳۹، باب من حمل معه الماء لطهوره)

وأما قوله فيغتسل به فمعناه يستنجى به ويغسل محل الاستنجاء والله أعلم وأما فقه هذه الأحاديث ففيها استحباب التباعد لقضاء الحاجة عن الناس والاستتار عن أعين الناظرين وفيها جواز استخدام الرجل الفاضل بعض أصحابه فى حاجته وفيها خدمة الصالحين وأهل الفضل والتبرک بذلک وفيها جواز الاستنجاء بالماء واستحبابه ورجحانه على الاقتصار على الحجر(شرح النووى على مسلم، ج۳ص ۱۶۳ ،باب الاستطابة)

وجاء فى هذه استنجاء النبى ( صلى الله عليه وسلم ) بالماء .

وأحاديثه فى ذلک كثيرة صحيحة ، وكان النبى ( صلى الله عليه وسلم ) يأتى من الأمور أفضلها ومعاليها ، فدل أن الاستنجاء بالماء أفضل من الاقتصار على الأحجار ، وهو مذهب الأنصار ، وبه أثنى الله عليهم بالطهارة وأنه يحب المتطهرين (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض،كتاب الطهارة ،باب الاستنجاء بالماء من التبرز)

وقد ذهب بعض من أصحاب مالک إلى أن الاستجمار بالحجارة إنما هو عند عدم الماء ، وإذا ذهب إليه بعض الفقهاء فلا يبعد أن يقع لغيرهم ممن فى زمان سعيد -رحمه الله -انتهى(نيل الاوطار، ج ا ، ص ۱۳۰ ، باب الاستنجاء بالماء )

[2] رقم الحديث ۴۵، كتاب الطهارة، باب الرجل يدلُک يده بالأرض إذا استنجى.

فى حاشية ابى داود: حسن لغيره.

www.idaraghufran.org

اس حدیث سے بھی نبی ﷺ کا پانی سے اور پانی کی کم مقدار سے استنجا کرنا ثابت ہوا۔ [1]

اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى الْخَلَاءَ فَقَضَى الْحَاجَةَ، ثُمَّ قَالَ: يَا جَرِيرُ هَاتِ طَهُورًا، فَأَتَيْتُهُ بِالْمَاءِ فَاسْتَنْجَى بِالْمَاءِ وَقَالَ: بِيَدِهِ فَدَلَكَ بِهَا الْأَرْضَ** (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، تو آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لائے، اور قضائے حاجت فرمائی، پھر فرمایا کہ اے جریر! طہور (یعنی پاک کرنے والی چیز) لے آؤ، تو میں آپ کے پاس پانی لے آیا، پھر آپ نے پانی سے استنجاء کیا، اور اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا (نسائی)

مذکورہ حدیث سے بھی نہ صرف یہ کہ پانی سے استنجاء کرنے کا ثبوت ہوا، بلکہ اسی کے ساتھ پانی سے استنجاء کے عمل کا طہارت و پاکی کا ذریعہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

**مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ قَطُّ إِلَّا مَسَّ مَاءً** (سنن ابنِ ماجه) [3]

ترجمہ: میں نے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے پانی ضرور استعمال فرمایا (یعنی پانی سے استنجاء فرمایا) (ابنِ ماجہ)

---

[1] وقوله: (فاستنجى) هذا يدل على ما دل عليه الباب الذى قبله من ذكر الاستنجاء بالماء ؛ لأنه ذهب بماء فى تور أو ركوة فاستنجى صلى الله عليه وسلم(شرح سنن ابى داود للعباد، ج۱۲، ص۸. باب الرجل يدلك يده بالأرض إذا استنجى)

[2] رقم الحديث ۵۱، كتاب الطهارة، باب دلك اليد بالأرض بعد الاستنجاء .

[3] رقم الحديث ۳۵۴، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء .

فى حاشية سنن ابنِ ماجه: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی سے استنجاء کرنے کا معمول ثابت ہوا۔

حضرت شداد ابوعمار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ نِسْوَةً مِّنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ دَخَلْنَ عَلَيْهَا، فَأَمَرَتْهُنَّ أَنْ يَّسْتَنْجِينَ بِالْمَاءِ، وَقَالَتْ: مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ بِذٰلِكَ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَفْعَلُهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۶۲۳) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بصرہ کی کچھ عورتیں آئیں، تو ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پانی سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ تم اس کا اپنے شوہروں کو بھی حکم کرو، کیونکہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل (یعنی پانی سے طہارت واستنجا) کیا کرتے تھے (مسند احمد)

حضرت معاذہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَّغْسِلُوْا عَنْهُمْ أَثَرَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ، فَإِنَّا نَسْتَحِيْ مِنْهُمْ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۸۲۶) [2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم اپنے شوہروں کو یہ حکم دو کہ وہ اپنے پاخانہ اور پیشاب کے اثر کو (پانی سے) دھولیا کریں (یعنی پیشاب وپاخانہ کے بعد پانی سے طہارت واستنجاء کرلیا کریں) پس بے شک مجھے ان لوگوں سے (یہ بات کرتے ہوئے) حیاء آتی ہے، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ (یعنی پیشاب پاخانہ کے بعد، شرم گاہ کو پانی سے دھونے یا پانی سے استنجاء وطہارت کا) عمل کیا کرتے تھے (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

عَنُ عَائِشَةَ، قَالَتُ: مُرُنَ أَزُوَاجَكُنَّ أَنُ يَّسُتَطِيبُوُا بِالُمَاءِ، فَإِنِّی أَسُتَحُيِيُهِمُ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفُعَلُهُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم اپنے شوہروں کو یہ حکم فرماؤ کہ وہ پانی سے پاکی حاصل (یعنی استنجاء) کیا کریں، کیونکہ مجھے ان لوگوں سے (یہ بات کرتے ہوئے) حیاء آتی ہے، پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل (یعنی پانی سے طہارت واستنجاء) کیا کرتے تھے (ترمذی، ابنِ ماجہ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت یعنی بول وبراز سے فراغت پا کر پانی سے استنجاء کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور مرد حضرات کے لئے پانی سے استنجاء کرنا بھی سنت سے ثابت ہے، لہٰذا جو لوگ مرد حضرات کو پانی سے استنجاء کرنے کو مکروہ یا معیوب سمجھتے ہیں، اور پانی سے استنجاء وطہارت کو عورتوں کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں، اس کی سنت واحادیث سے تائید نہیں ہوتی، بلکہ احادیث وسنت سے اس کے خلاف کا ثبوت ملتا ہے۔ [2]

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ١٩، ابواب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء، سنن النسائی، رقم الحديث ٤٦، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ١٤٤٣.
وفی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح

[2] والسنة دلت على الاستنجاء بالماء فی هذا الحديث وغيره، فهی أولى بالاتباع، قال: ولعل سعيدا -رحمه الله- فهم من أحد غلوا فی هذا الباب بحيث يمنع الاستنجاء بالأحجار، فقصد فی مقابلته أن يذكر هذا اللفظ لإزالة ذلک الغلو، وبالغ بإيراده إياه على هذه الصيغة (نيل الاوطار للشوكانی، ج ١ ص ١٣٠، باب الاستنجاء بالماء)

مرن أزواجكن "هل معنى هذا أن عائشة تأمر الأزواج فقط أو يدخل فيه النساء؟ يعنی أمر الرجال يدخل فيه النساء أو لا يدخل؟ الأصل أن يدخل النساء؛ لأن النساء شقائق الرجال، وكأن عائشة -رضی الله عنها- لما كلفت النساء بأمر الأزواج كأنها استغنت عن أمر النساء أنفسهن (شرح سنن الترمذی، لعبدالكريم الخضير، ج ٦ ص ٢٥، باب ماجاء فی الاستنجاء بالماء)

www.idaraghufran.org

وَفِي الْبَابِ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، يَخْتَارُوْنَ الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ، وَإِنْ كَانَ الْاِسْتِنْجَاءُ بِالْحِجَارَةِ يُجْزِءُ عِنْدَهُمْ، فَإِنَّهُمْ اِسْتَحَبُّوْا الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ، وَرَأَوْهُ أَفْضَلَ، وَبِهٖ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: اور اس بارے میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اور حضرت انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات بھی ہیں، یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اہلِ علم کے نزدیک اس پر عمل ہے، جو کہ پانی سے استنجاء کرنے کو اختیار کرتے ہیں، اگرچہ ڈھیلے سے استنجاء کرنا بھی ان کے نزدیک کافی ہوجاتا ہے، لیکن وہ پانی سے استنجاء کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اسی کو افضل سمجھتے ہیں، اور یہی قول سفیان ثوری اور ابنِ مبارک، اور امام شافعی اور امام احمد اور حضرت اسحاق (ان تمام فقہاء حضرات) کا ہے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مواقع پر قضائے حاجت کے بعد تنہا پانی سے استنجاء وطہارت کرنا بھی ثابت ہے، جس طرح کہ بعض اوقات ڈھیلے سے استنجاء کرنا بھی ثابت ہے۔ [2]

مذکورہ مرفوع، صحیح اور کثیر احادیث وروایات کے علاوہ کئی صحابہ وتابعین سے بھی پانی سے

---

[1] تحت رقم الحديث ۱۹، ابواب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء)

[2] عبد الله يقول : أتى النبي صلى الله عليه وسلم الغائط فأمرني أن آتيه بثلاثة أحجار، فوجدت حجرين، والتمست الثالث فلم أجده، فأخذت روثة فأتيته بها، فأخذ الحجرين وألقى الروثة وقال :هذا ركس(بخاری، رقم الحديث ۱۵۶)

عن أبي هريرة، قال :اتبعت النبي صلى الله عليه وسلم، وخرج لحاجته، فكان لا يلتفت، فدنوت منه، فقال :ابغني أحجارا أستنفض بها -أو نحوه -ولا تأتني بعظم، ولا روث، فأتيته بأحجار بطرف ثيابي، فوضعتها إلى جنبه، وأعرضت عنه، فلما قضى أتبعه بهن (بخاری، رقم الحديث ۱۵۵)

استنجاء کرنے کی روایات مروی ہیں۔ [1]

اور موجودہ دور میں امت کا اکثری تعامل بھی دنیا بھر میں اسی پر ہے کہ وہ قضائے حاجت (یعنی پیشاب و پاخانہ) کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں، اور اہلِ قباء کی بھی پانی سے استنجاء کرنے پر قرآن مجید میں تعریف وتوصیف آئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اس لئے پانی سے استنجاء کرنا مسنون و مستحب عمل ہے، اور پانی سے استنجاء کو کافی نہ سمجھنا اور ڈھیلے کے استعمال کو ضروری قرار دینا تشدد وغلو پر مبنی ہے، جس کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔

جہاں تک مختلف احادیث وروایات میں پانی کے بجائے ڈھیلے وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کرنے کا تعلق ہے، تو ان سے ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء پر اکتفاء کا جواز ثابت ہوتا ہے، وہ بھی اس وقت جبکہ نجاست نکل کر شرم گاہ سے دائیں بائیں اور اردگرد پھیلی نہ ہو، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[1] مالک، عن یحیی بن محمد بن طحلاء ، عن عثمان بن عبد الرحمن، أن أباه حدثه، أنه سمع عمر بن الخطاب یتوضأ بالماء وضوء ا لما تحت إزاره(مؤطا امام مالک، رقم الحدیث ۵۰)

عن مسلم بن سبرة بن المسیب بن نجبة ، عن عمته فریعة ، و کانت تحت حذیفة ، أنها قالت :کان حذیفة یستنجی بالماء (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۱۶۳۱ ، باب من کان یقول اذا خرج من الغائط فلیستنج بالماء)

عن الأوزاعی ، قال :حدثنا أبو النجاشی ، قال :صحبت رافع بن خدیج فی سفر ، فکان یستنجی بالماء (ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۳)

عن أنس بن سیرین ؛ أن أنس بن مالک دخل الخلاء فدعا بتور وأشنان(ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۴)

عن إبراهیم ، قال :بلغنی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یدخل الخلاء إلا توضأ، أو مس ماء (ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۵)

عن أبی سعید مولی أبی أسید ، وکان بدویا ، قال :کان أبو أسید إذا أتی الخلاء أتیته بماء فاستبرأ منه.قال شعبة :یعنی :یستنجی(ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۶)

عن مطرف بن عبد الله بن الشخیر ، قال :حدثنی أعرابی ، قال :صحبت أبا ذر فکل أخلاقه أعجبتنی إلا خلقا واحدا ، قلت :وما هو ؟ قال :کان إذا خرج من الخلاء استنجی(ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۷)

عن یحیی بن أبی کثیر ؛ أن أنسا کان یستنجی بالحوض(ایضاً، رقم الحدیث ۱۶۳۹)

دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر جگہ پانی کی دستیابی مشکل تھی، اور گھروں میں بیت الخلاؤں کا رواج نہیں تھا، جنگلوں اور کھلی فضاؤں وغیرہ میں جا کر قضائے حاجت کا معمول تھا، اس لئے سب کو ہر حال میں پانی سے استنجاء کرنے کا مکلّف بنانے میں حرج تھا، اور آج بھی بہت سے لوگوں کو سفر اور جنگل وغیرہ میں ہر جگہ پانی کی دستیابی مشکل ہوتی ہے۔[1]

## قرآن میں پانی سے استنجاء کرنے والوں کی تعریف

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو اپنے محبوب بندے قرار دیا ہے۔[2]

---

[1] قالت عائشة رضى الله عنها: وكنا لا نخرج إلا ليلا إلى ليل، وذلك قبل أن نتخذ الكنف قريبا من بيوتنا، قالت :وأمرنا أمر العرب الأول فى البرية قبل الغائط، وكنا نتأذى بالكنف أن نتخذها عند بيوتنا (بخارى، رقم الحديث ۴۱۴۱)

فإن أراد الاقتصار على أحدهما جاز الاقتصار على أيهما شاء سواء وجد الآخر أو لم يجده فيجوز الاقتصار على الحجر مع وجود الماء ويجوز عكسه فإن اقتصر على أحدهما فالماء أفضل من الحجر لأن الماء يطهر المحل طهارة حقيقية وأما الحجر فلا يطهره وإنما يخفف النجاسة ويبيح الصلاة مع النجاسة المعفو عنها وبعض السلف ذهبوا إلى أن الأفضل هو الحجر وربما أوهم كلام بعضهم أن الماء لا يجزى وقال بن حبيب المالكى لا يجزى الحجر إلا لمن عدم الماء وهذا خلاف ما عليه العلماء من السلف والخلف وخلاف ظواهر السنن المتظاهرة والله أعلم (شرح النووى على مسلم، ج۳ص ۱۶۳ ،باب الاستطابة)

الفقهاء اليوم مجمعون على أن الاستنجاء بالماء أطهر وأطيب وأن الأحجار رخصة وتوسعة وأن الاستنجاء بها جائز فى السفر والحضر (الاستذكار لابن عبدالبر، ج ا ص ۲۱۴، باب المسح على الخفين)

قال رحمه الله: وإنما يجوز الاقتصار على الحجر إذا لم ينتشر الخارج انتشارا متفاحشا خارجا عن العادة، فإن تفاحش، وجب الغسل بالماء (شرح السنة للبغوى، ج ا ص ۳۹۰، ۳۹۱، باب الاستنجاء بالماء)

وقد ذهب بعض من أصحاب مالك إلى أن الاستجمار بالحجارة إنما هو عند عدم الماء، وإذا ذهب إليه بعض الفقهاء فلا يبعد أن يقع لغيرهم ممن فى زمان سعيد -رحمه الله -انتهى(نيل الاوطار، ج ا، ص ۱۳۰، باب الاستنجاء بالماء)

[2] چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لمسجد أسس على التقوى من أول يوم أحق أن تقوم فيه فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين (سورة التوبة، رقم الآية ۱۰۸)

اور کئی احادیث وروایات میں اس آیت کے شانِ نزول میں خوب پا کی حاصل کرنے والے لوگوں کے بارے میں پانی سے استنجاء کرنے کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِيْ أَهْلِ قُبَاءَ (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) قَالَ: كَانُوْا يَسْتَنْجُوْنَ بِالْمَاءِ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِيْهِمْ (سنن الترمذی)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سورہ توبہ کی) یہ آیت کہ:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

یعنی ''اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''

اہلِ قباء کے بارے میں نازل ہوئی، جو کہ پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، پس یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی (ترمذی، ابوداؤد)

اور حضرت ابوایوب انصاری، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم

---

[1] رقم الحديث ۳۱۰۰، ابواب تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، سن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۴)

قال الترمذی: هذا حديث غريب من هذا الوجه. وفی الباب عن أبی أيوب، وأنس بن مالک، ومحمد بن عبد الله بن سلام.

وقال ابن حجر: وعند أبی داود بإسناد صحيح عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال نزلت فيه رجال يحبون أن يتطهروا فی أهل قباء (فتح الباری لابنِ حجر، ج۷ص ۲۴۵، قوله باب هجرة النبی صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة)

وقال الالبانی: صحيح باعتبار شواهده, ولذلک أوردته فی "صحيح أبی داود" (رقم ۳۴) وذكرت هناک بعض الشواهد (ارواء الغليل فی تخريج احاديث منار السبيل، تحت رقم الحديث ۴۵)

قلت: حديث صحيح، وصححه النووی والحافظ ابن حجر (صحيح ابی داؤد، تحت رقم الحديث ۳۴، باب فی الاستنجاء بالماء)

سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ (فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُوْرِ خَيْرًا، فَمَا طُهُوْرُكُمْ هٰذَا؟ قَالُوا: نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَنَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ، قَالَ: هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمْ بِهٖ**

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: جب (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ:

**فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوا .**

یعنی ''اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار کے لوگو! بے شک اللہ نے (قرآن مجید میں) طہارت کے بارے میں تمہاری بہت عمدہ تعریف فرمائی ہے، تو

---

[1] رقم الحديث ۳۲۸۷، كتاب التفسير، تفسير سورة التوبة، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۵۵.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.
وفي حاشية سنن ابنِ ماجه: حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف عتبة بن أبي حكيم، ثم إن طلحة لم يدرك أبا أيوب.
وأخرجه ابن الجارود (۴۰) والطحاوي في "شرح مشكل الآثار (۴۷۴۰)" والدارقطني (۱۷۴) والحاكم ۱/۱۵۵ من طريق عتبة بن أبي حكيم، بهذا الإسناد.
وله شاهد من حديث أبي هريرة، سيأتي عند المصنف برقم (۳۵۷)
وآخر من حديث عويم بن ساعدة الأنصاري عند أحمد في "المسند (۱۵۴۸۵)" وفيه تمام تخريجه.
وثالث من حديث ابن عباس عند الطبراني في الكبير (۱۱۰۶۵) والحاكم ۱/۱۸۷–۱۸۸، وصححه الحاكم على شرط مسلم، وقال الهيثمي في المجمع: ۱/۲۱۲، إسناده حسن إلا أن فيه ابن إسحاق مدلس، وقد عنعنه.
ورابع من حديث أبي أمامة عند الطبراني (۷۵۵۵) وإسناده ضعيف.
وخامس من حديث محمّد بن عبد الله بن سلام بإسناد ضعيف عند أحمد (۲۳۸۳۳) وفيه تمام تخريجه.

Idara Ghufran

تمہاری طہارت کس طرح کی ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، اور جنابت کا غسل کرتے ہیں، اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہی عمل ہے، تو تم اس عمل کا اہتمام رکھو (حاکم، ابنِ ماجہ)

اور حضرت ابوایوب انصاری، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَثْنٰى عَلَيْكُمْ خَيْرًا فِي الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ هٰذَا؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ مَعَ ذٰلِكَ غَيْرُهُ؟ قَالُوْا: لَا، غَيْرَ أَنَّ أَحَدَنَا إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ أَحَبَّ أَنْ يَّسْتَنْجِيَ بِالْمَاءِ، قَالَ: هُوَ ذَاكَ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سورہ توبہ کی) اس آیت کہ:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا . وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

یعنی ’’اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے‘‘

---

[1] رقم الحديث ۵۵۴، كتاب الطهارة.

قال الحاكم: هذا حديث كبير صحيح في كتاب الطهارة، فإن محمد بن شعيب بن شابور، وعتبة بن أبي حكيم من أئمة أهل الشام، والشيخان إنما أخذا مخ الروايات، ومثل هذا الحديث لا يترك له، قال إبراهيم بن يعقوب: محمد بن شعيب أعرف الناس بحديث الشاميين، وله شاهد بإسناد صحيح.

وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

کے بارے میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار کے لوگو! بے شک اللہ نے طہارت کے بارے میں تمہاری (قرآن مجید میں) بہت عمدہ تعریف فرمائی ہے، تو تمہاری طہارت کس طرح کی ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، اور جنابت کا غسل کرتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارا اس کے علاوہ (پاکی سے متعلق) کوئی اور عمل بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، سوائے ایک عمل کے، وہ یہ ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قضائے حاجت سے نکلتا ہے، تو وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ پانی سے استنجاء کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہی عمل ہے (جس کی وجہ سے اللہ نے قرآن میں تمہاری تعریف فرمائی) (حاکم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ (فِیْهِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ أَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ) قَالَ: کَانُوْا یَسْتَنْجُوْنَ بِالْمَاءِ، وَکَانُوْا لَا یَنَامُوْنَ اللَّیْلَ کُلَّهٗ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں (جن کے بارے میں قرآن مجید کی اس آیت میں ذکر ہے کہ)

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا. وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ.

یعنی ''اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''

---

[1] رقم الحدیث ۶۷۳، کتاب الطهارة، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۴۰۷۰.
قال الحاكم: هذا آخر ما انتهى إلينا من كتاب الطهارة على شرط الشيخين رضى الله عنهما ما لم يخرجاه.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پانی سے استنجاء کرتے ہیں، اور وہ ساری رات سوتے نہیں ہیں (کچھ رات عبادت بھی کرتے ہیں) (حاکم، طبرانی)

اور حضرت عویم بن ساعدہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُوْرِ فِيْ قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ، فَمَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ تَطَّهَّرُوْنَ بِهٖ؟ قَالُوْا: وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا نَعْلَمُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهٗ كَانَ لَنَا جِيْرَانٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ، فَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ أَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا** (مسند احمد)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اہلِ قباء کے پاس) مسجدِ قباء آئے، اور ان سے فرمایا کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے (قرآن مجید میں) طہارت کے بارے میں تمہاری بہت عمدہ تعریف فرمائی ہے، تمہاری اس مسجد کے قصہ کے متعلق، تو تمہاری طہارت کس طرح کی ہے، جس سے تم پاکی حاصل کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم کچھ نہیں جانتے، سوائے اس کے کہ ہمارے پڑوس میں یہودی ہیں، وہ قضائے حاجت کے بعد شرمگاہ کو (پانی سے) دھوتے ہیں، تو ہم بھی ان کی طرح (اپنی شرمگاہوں کو قضائے حاجت کے بعد پانی سے) دھوتے ہیں (مسند احمد)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**(فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا) قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ، فَقَالَ: مَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ أَثْنَى اللّٰهُ عَلَيْكُمْ بِهٖ، فَقَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، مَا خَرَجَ مِنَّا**

---

[1] رقم الحديث ۱۵۴۸۵.
في حاشية مسند احمد: حديث حسن لغيره.

www.idaraghufran.org

رَجُلٌ، وَلَا امْرَأَةٌ مِّنَ الْغَائِطِ إِلَّا غَسَلَ دُبُرَهُ أَوْ قَالَ: مَقْعَدَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَفِي هٰذَا (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا.

یعنی ''اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ کو (اُن لوگوں کی طرف) بھیجا، اور فرمایا کہ تمہاری طہارت کس طرح کی ہے، جس پر اللہ نے (قرآن مجید میں) طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے نبی! ہم میں سے جب بھی کوئی مرد وعورت قضائے حاجت سے فارغ ہوکر نکلتا ہے، تو اپنی شرمگاہ کو یا اپنے مقعد (یعنی پاخانہ کے مقام) کو دھوتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اسی عمل کے بارے میں (اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے) (حاکم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَةُ (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا) بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى عُوَيْمِرِ بْنِ سَاعِدَةَ فَقَالَ: مَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِىْ أَثْنَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ؟

فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا خَرَجَ مِنَّا رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ مِّنَ الْغَائِطِ إِلَّا غَسَلَ فَرْجَهُ أَوْ قَالَ: مَقْعَدَتَهُ.

---

[1] رقم الحديث ۱۶۷۲، كتاب الطهارة.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم. وقد حدث به سلمة بن الفضل هكذا، عن محمد بن إسحاق. وحديث أبى أيوب شاهده.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ھُوَ ھٰذَا (المعجم الکبیر للطبرانی) [1]

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ: فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا.

یعنی ”اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ کو (اُن لوگوں کی طرف) بھیجا، اور فرمایا کہ تمہاری طہارت کس طرح کی ہے، جس پر اللہ عزوجل نے (قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں) تمہاری تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جب بھی کوئی مرد وعورت قضائے حاجت سے نکلتا ہے، تو وہ اپنی پیشاب گاہ یا مقعد (یعنی پاخانہ کے مقام) کو دھوتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہی عمل ہے (جس کی وجہ سے اللہ نے قرآن مجید میں تمہاری عمدہ تعریف فرمائی ہے) (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ الَّذِیْ أُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مَسْجِدَ قُبَاءَ، فَقَامَ عَلٰی بَابِہٖ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَحْسَنَ عَلَیْکُمُ الثَّنَاءَ فِی الطُّھُوْرِ فَمَا طُھُوْرُکُمْ؟ قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنَّا أَھْلُ کُتُبٍ وَنَجِدُ الْاِسْتِنْجَاءَ عَلَیْنَا بِالْمَاءِ، وَنَحْنُ نَفْعَلُہُ الْیَوْمَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَحْسَنَ عَلَیْکُمُ الثَّنَاءَ فِی الطُّھُوْرِ، فَقَالَ: (فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ أَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ) (المعجم الکبیر للطبرانی) [2]

---

[1] رقم الحدیث ١١٠٦٥، ج١١ ص٦٧.

قال الهيثمي: رواه الطبرانی فی الکبیر، وإسناده حسن، إلا أن ابن إسحاق مدلس، وقد عنعنه (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ١٠٥٥، باب الاستنجاء بالماء)

[2] رقم الحدیث ٣٨٢، ج١٣ ص١٥٨.

قال الهيثمي: رواه الطبرانی فی الکبیر، وفیه شهر بن حوشب، وقد اختلفوا فیه، ولکنه وثقه أحمد وابن معین وأبو زرعة ویعقوب بن شیبة (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ١٠٥٧، باب الاستنجاء بالماء)

Idara Ghufran

ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں تشریف لائے، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی، یعنی مسجدِ قباء میں، پھر اس کے دروازے پر کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا کہ بے شک اللہ نے (قرآن مجید میں) تمہاری پاکی کے بارے میں بہت عمدہ تعریف فرمائی ہے؟ پس تمہاری پاکی کس طرح کی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم کتابوں والے ہیں، اور ہم اپنے اوپر (قضائے حاجت سے فارغ ہوکر) اس پانی سے استنجاء کا حکم پاتے ہیں، اور ہم آج بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے تمہاری پاکی کے بارے میں بہت عمدہ تعریف فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا . وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

یعنی ”اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“ (طبرانی)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ قُبَاءَ:

مَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِىْ خُصِّصْتُمْ بِهِ فِىْ هٰذِهِ الْآيَةِ (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ)؟

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا مِنَّا أَحَدٌ يَخْرُجُ مِنَ الْغَائِطِ إِلَّا غَسَلَ مَقْعَدَتَهُ

(المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قباء سے فرمایا کہ یہ کس طرح کی پاکی ہے، جس کی وجہ سے تمہیں اس آیت میں خاص کیا گیا ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۷۵۵۵، ج۸ص ۱۲۱.

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط والكبير، وفيه شهر أيضا(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۰۵۷، باب الاستنجاء بالماء)

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا. وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

یعنی ’’اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو خوب طہارت حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے‘‘

تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جو کوئی شخص بھی قضائے حاجت سے نکلتا ہے، تو وہ اپنے مقعَد (یعنی پاخانہ والے مقام) کو دھوتا (یعنی پانی سے استنجاء کرتا) ہے (طبرانی)

اس طرح کی روایات اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

جیسا کہ پہلے گزرا کہ عرب میں اس زمانہ میں ہر جگہ قضائے حاجت کرنے والے کو پانی کا میسر آنا مشکل تھا، اور بعض جگہ آج بھی مشکل ہوتا ہے، اور پیشاب و پاخانہ کا تقاضا کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ پیش آ سکتا ہے، اس لئے شریعت نے حرج وتنگی دور کرنے کے لئے پانی کے بجائے ڈھیلے کے استعمال کو بھی نماز پڑھنے کے لئے کافی قرار دیا ہے، اس لئے عرب کے اس زمانہ میں بہت سے لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے کے استعمال پر اکتفاء کیا کرتے تھے، لیکن اہلِ قباء پانی سے استنجاء کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، اور اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خود بھی پانی سے استنجاء کرنے کا معمول کئی احادیث کی روشنی میں گزر چکا ہے، علاوہ ازیں پانی سے استنجاء کرنے میں زیادہ صفائی ونظافت پائی جاتی ہے، بنسبت ڈھیلے کو استعمال کرنے کے۔

مذکورہ صریح اور کثیر احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو اللہ کے محبوب رکھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ حضرات تھے، جو

---

[1] عن الشعبی، قال: لما نزلت هذه الآية، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أهل قباء، ما هذا الثناء الذى أثنى الله عليكم؟ قالوا: ما منا أحد إلا وهو يستنجى بالماء من الخلاء (فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين) (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۶۴۲)

www.idaraghufran.org

قضائے حاجت (یعنی پیشاب، پاخانہ سے فراغت) کے بعد پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، جس سے پانی کے ذریعہ استنجاء کا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ومستحب ہونا ثابت ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ اِن احادیث وروایات کے ساتھ اُن گزشتہ احادیث وروایات کو بھی جمع کرلیا جائے، جن میں پانی سے استنجاء کا ذکر پایا جاتا ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں جو سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول کے ضمن میں یہ ذکر ہے کہ وہ حضرات ڈھیلے کے استعمال کے بعد پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف فرمائی، تو اس روایت کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

---

[1] ففی هذا أن الطهارة التي أحب الله عز وجل أهلها عليها فی هذه الآية الطهارة بالماء (احكام القرآن للطحاوی، ج ا ص ۱۳۰، كتاب الطهارات، تاويل قول الله تعالىٰ ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين)

فالأظهر أن يكون قوله ويحب المتطهرين مدحا لمن تطهر بالماء للصلاة وقال تعالى فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين وروى أنه مدحهم لأنهم كانوا يستنجون بالماء (احكام القرآن جصاص، ج ۲ ص ۳۹، سورة البقرة، رقم الآية ۲۲۳)

ولا خلاف أن قوله تعالى (يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين) نزلت فی أهل قباء لاستنجائهم بالماء ،وذكر فيه أبو داود حديثا مسندا ذكرناه فی (التمهيد)

وروت معاذة العدوية عن عائشة قالت (مرن أزواجكن أن يغسلوا أثر الغائط والبول بالماء فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعله والماء عند فقهاء الأمصار أطهر وأطيب وكلهم يجيز الاستنجاء بالأحجار على ما مضى فی هذا الكتاب عنهم والحمد لله (الاستذكار لابی عمر القرطبی، ج ا ص ۱۴۲، ۱۴۳، باب العمل فی الوضوء)

ثم الغسل وحده أفضل من التنقية بالحجر ونحوه، لإزالة النجاسة بالكلية، ولما فی الصحيحين عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل الخلاء فأحمل ۔ أنا وغلام نحوی ۔ إداوة من ماء وعنزة، فيستنجی بالماء .وفی سنن أبی داود :عن أبی هريرة رضی الله عنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتى الخلاء أتيته بماء فی تور أو ركوة، فاستنجی، ثم مسح يده على الأرض، ثم آتيه بإناء آخر فيتوضأ.

ومما يدل على مواظبته عليه الصلاة والسلام الموجبة لكونه سنة، ما رواه ابن ماجه عن عائشة قالت : ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من غائط قط إلا مس ماء (شرح النقاية، ج ا ص ۷۳ ا ،احكام الاستنجاء)

چنانچہ بعض حضرات نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]
اور بعض حضرات نے اس روایت کو شدید ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ [2]
اور علمی تعصب سے بالاتر ہو کر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے اس ایک ضعیف

---

[1] حدثنا عبد الله بن شبيب، ثنا أحمد بن محمد بن عبد العزيز،قال :وجدت فى كتاب أبى، عن الزهرى، عن عبيد الله بن عبد الله، عن ابن عباس، قال :نزلت هذه الآية فى أهل قباء :(فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين)فسألهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا :إنا نتبع الحجارة الماء .
قال البزار :لا نعلم رواه عن الزهرى إلا محمد بن عبد العزيز، ولا عنه إلا ابنه(كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۲۴۷،باب الجمع بين الماء والحجر)
قال الهيثمى: رواه البزار، وفيه محمد بن عبد العزيز بن عمر الزهرى، ضعفه البخارى والنسائى وغيرهما، وهو الذى أشار بجلد مالك(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۰۵۳،باب الجمع بين الماء والحجر)

[2] قال الصنعانى:
وأما ما أخرجه البزار بلفظ إنا نتبع الحجارة الماء فضعيف جدًا لا أصل له عند أهل الحديث(فتح الغفار الجامع لاحكام سنة نبينا المختار،للصنعانى، ج ۱ ص ۶۳، باب ماجاء فى الاستنجاء بالماء)
وقال المغلطائى:
وقد يدلّ على الجمع حديث أورده البزار فى مسنده من رواية محمد بن عبد العزيز الزهرى، وهو ضعيف لا يحتج به(شرح ابنِ ماجه لمغلطائى، ج ۱ ص ۱۲۵،باب الاستبراء بعد البول)
وقال العسقلانى:
ومحمد بن عبد العزيز ضعفه أبو حاتم، فقال :ليس له ولا لأخويه عمران وعبد الله، حديث مستقيم، وعبد الله بن شبيب، ضعيف أيضا.
وقد روى الحاكم من حديث مجاهد، عن ابن عباس أصل هذا الحديث، وليس فيه إلا ذكر الاستنجاء بالماء حسب، ولهذا قال النووى فى شرح المهذب :المعروف فى طرق الحديث أنهم كانوا يستنجون بالماء ، وليس فيها أنهم كانوا يجمعون بين الماء والأحجار، وتبعه ابن الرفعة فقال :لا يوجد هذا فى كتب الحديث، وكذا قال المحب الطبرى نحوه، ورواية البزار واردة عليهم وإن كانت ضعيفة.
وفى الباب عن أبى هريرة، رواه أبو داود والترمذى وابن ماجه بسند ضعيف، وليس فيه ذكر إتباع الأحجار الماء ، بل لفظه :وكانوا يستنجون بالماء(التلخيص الحبير فى تخريج أحاديث الرافعى الكبير، ج ۱ ص ۱۹۹، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء)

www.idaraghufran.org

یا شدید ضعیف روایت میں ان احادیث وروایات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ جن میں سورہ توبہ کی آیت کے شانِ نزول کے ضمن میں پانی سے استنجاء کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ گزرا، اگرچہ متعدد اہلِ علم حضرات نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کی سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول سے متعلق اس ایک روایت کو بنیاد بنا کر یہ عقیدہ بنا لینا یا یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن مجید کی سورہ توبہ میں مذکور تعریف پہلے ڈھیلے سے اور اس کے بعد پانی سے استنجاء کے مسنون یا مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور پھر اولاً ڈھیلے اور پھر پانی کے استعمال پر اصرار کرنا اور زور دینا اور ہر شخص کے حق میں اس عمل کو مسنون قرار دینا ہمیں راجح بلکہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] قال ابن كثير:

وقد ورد فى الحديث المروى من طرق فى السنن وغيرها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لأهل قباء :قد أثنى الله عليكم فى الطهور فماذا تصنعون؟ فقالوا نستنجى بالماء .وقد قال الحافظ أبو بكر البزار :حدثنا عبد الله بن شبيب، حدثنا أحمد بن عبد العزيز قال :وجدته فى كتاب أبى عن الزهرى عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس قال نزلت هذه الآية فى أهل قباء فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين فسألهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا إنا نتبع الحجارة بالماء رواه البزار، ثم قال :تفرد به محمد بن عبد العزيز عن الزهرى ولم يرو عنه سوى ابنه.(قلت) وإنما ذكرته بهذا اللفظ لأنه مشهور بين الفقهاء ولم يعرفه كثير من المحدثين المتأخرين أو كلهم، والله أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج۴ص۱۹۰، سورة التوبة، رقم الآية ۱۰۹)

وقال الالبانى:

قلت :الجمع بين الماء والحجارة فى الاستنجاء لم يصح عنه صلى الله عليه وسلم فأخشى أن يكون القول بالجمع من الغلو فى الدين لأن هديه صلى الله عليه وسلم الاكتفاء بأحدهما "وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها ...وأما حديث جمع أهل قباء بين الماء والحجارة ونزول قوله تعالى فيهم :(فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا) فضعيف الإسناد لا يحتج به ضعفه النووى والحافظ وغيرهما وأصل الحديث عند أبى داود وغيره من حديث أبى هريرة دون ذكر الحجارة ولذلك أورده أبو داود فى "باب الاستنجاء بالماء "وله شواهد كثيرة ليس فى شىء منها ذكر الحجارة وقد بينت ذلك فى "صحيح سنن أبى داود "رقم ۳۴ (تمام المنة فى التعليق على فقه السنة ،ج ۱ ص ۶۵، القاعدة الخامسة عشرة، ومن قضاء الحاجة)

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک موقوف اثر میں براز (یعنی پاخانہ) سے فارغ ہوکر ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ عبدالملک بن عمیر سے روایت ہے کہ:

**قَالَ عَلِيٌّ : إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَبْعَرُونَ بَعْرًا ، وَإِنَّكُمْ تَثْلِطُونَ ثَلْطًا ، فَأَتْبِعُوا الْحِجَارَةَ بِالْمَاء** (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: حضرت علی نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ (براز یعنی پاخانہ) مینگنی کی طرح (خشک) کیا کرتے تھے، اور تم گوبر کی طرح (پتلا) کرتے ہو، تو تم ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کیا کرو (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کی سند کو بعض نے حسن اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

اور بعض اہلِ علم حضرات نے اس طرح کی روایت کی نسبت حضرت حسن بصری کی طرف بھی

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۴۵ ، کتاب الطھارۃ،بابمن کان یقول إذا خرج من الغائط فلیستنج بالماء .

[2] قال الشیخ تقی الدین فی الإمام بعد ذکر ما تقدم :قال ابن أبی حاتم :قال أبی :ثلاثۃ إخوۃ ضعفاء :محمد بن عبد العزیز ھذا، وعبد اللہ بن عبد العزیز، وعمران بن عبد العزیز، ولیس لھم حدیث مستقیم.

قال الشیخ :وروی أبو الحسن الصفار فی مسندہ من حدیث زائدۃ، عن عبد الملک بن عمیر قال: قال علی بن أبی طالب :إنھم کانوا یبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا، فأتبعوا الحجارۃ بالماء .

قال :ورواہ الإسماعیلی أیضا فی جمعہ لحدیث مسعر.

قلت :وأخرج ھذا البیھقی من جھۃ الصفار ثم قال :تابعہ مسعر عن عبد الملک، ورواہ عبد الرزاق من حدیث الثوری، عن عبد الملک .وسئل عنہ الدارقطنی فقال :اختلف فیہ، فقیل کما مر، وقیل: عن زائدۃ، عن عبد الملک، عن کردوس، عن علی .وقیل :عن جریر، عن عبد الملک، عن رجل عن علی .وقیل :عن السدی، عن عبد خیر .ولا یثبت فی ھذا عبد خیر .ثم ساقہ من حدیث سفیان، عن عبد الملک، عن علی (البدرالمنیر لابن الملقن، ج۲، ص۳۷۵، و۳۷۶، الحدیث التاسع والعشرون)

وأما ما أخرجہ البیھقی ۱/۱۰۶ من طریق عبد الملک بن عمر قال :قال علی بن أبی طالب :إنھم کانوا یبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا فأتبعوا الحجارۃ الماء .فھو مع أنہ موقوف فلا یصح لأنہ منقطع بین عبد الملک بن عمر وعلی فإنہ لیس لہ روایۃ عنہ ثم ھو مدلس ولم یصرح بالسماع منہ (حاشیۃ تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ ،ج۱ ص۶۵، القاعۃ الخامسۃ عشرۃ، ومن قضاء الحاجۃ)

Idara Ghufran

کی ہے، مگر ہمیں اس روایت کا کتبِ حدیث میں باسند طریقہ پر کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت پر اگر غور کیا جائے، تو اس میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں، ایک تو یہ کہ اس میں براز (یعنی پاخانہ) کا ذکر ہے، نہ کہ بول (یعنی پیشاب) کا، دوسرے اس روایت میں براز (یعنی پاخانہ) کے خشک اور تر ہونے کی علت پر حکم کا دارومدار رکھا گیا ہے، یعنی ڈھیلے کے بعد پانی کے استعمال کا حکم ان لوگوں کو دیا گیا ہے، جن کا براز پتلا ہو، اور براز کے پتلا ہونے کی صورت میں اس کے مخرج سے تجاوز کرنے کا امکان غالب ہوتا ہے، اور اس صورت میں فقہائے کرام نے بھی ڈھیلے پر اکتفاء نہ کرنے اور پانی سے استنجاء کا حکم فرمایا ہے۔

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں نہ تو پیشاب کے بعد مذکورہ استنجاء پر دلالت پائی جاتی، بلکہ براز کے بعد استنجاء پر دلالت پائی جاتی ہے، اور نہ ہی صراحتاً براز کے بعد اس صورت میں مذکورہ استنجاء پر دلالت پائی جاتی کہ جس میں براز مخرج سے متجاوز نہ ہوا ہو۔

اور ان دونوں باتوں کے ساتھ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس روایت کا مطلب یہ ہو کہ تم ڈھیلے کے استعمال پر اکتفاء نہ کرو، بلکہ پانی سے استنجاء وطہارت حاصل کرو، کیونکہ پانی میں طہارت کی تاثیر زیادہ پائی جاتی ہے، اور پانی کا استنجاء اس وقت بھی معتبر وکافی ہوتا ہے، جبکہ نجاست مخرج سے تجاوز کر چکی ہو، جبکہ ڈھیلے کا استعمال صرف ایک صورت میں ہی کافی ہوسکتا ہے، یعنی جبکہ براز مخرج سے متجاوز نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت سے پیشاب سے فراغت پا کر پہلے ڈھیلے اور اس کے بعد پانی سے استنجاء کا حکم ثابت نہیں ہوتا، اور براز سے فراغت پا کر بھی بہر صورت مذکورہ طریقہ پر استنجاء کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ مخصوص صورت میں ڈھیلے پر اکتفاء نہ کرنے اور پانی سے استنجاء کا ثبوت ہوتا ہے، یعنی جبکہ نجاست مخرج سے متجاوز ہو۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ تنقیہ وصفائی زیادہ حاصل ہونے کی وجہ سے ڈھیلے اور اس کے بعد

پانی سے استنجاء ادب میں داخل ہے، جس کی تعبیر بعض حضرات نے افضل ہونے اور بعض حضرات نے مستحب ہونے سے کی ہے، بشرطیکہ اس میں بے جا غلو و اصرار اور تشدد نہ ہو۔

اور بعض حضرات نے پانی کے استعمال سے پہلے ڈھیلے کے استعمال کی وجہ یہ قرار دی ہے، تاکہ ڈھیلے وغیرہ سے صفائی ہونے کے بعد ہاتھ نجاست لگنے سے محفوظ رہے۔

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس موقوف اور بعض حضرات کے نزدیک ضعیف روایت میں سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول کی طرف نسبت نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر ڈھیلے اور پانی کے اجتماع کو سنت یا مستحب قرار دیا جائے۔ [1]

اور بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ عرب میں قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے کے استعمال کا عام رواج تھا، اس لئے اہلِ قباء کا پانی سے استنجاء کرنا بھی ڈھیلے کو استعمال کرنے کے بعد ہوا کرتا ہوگا۔ [2]

---

[1] قال الإمام رحمه الله : ذهب عامة أهل العلم من أصحاب النبى ( صلى الله عليه وسلم ) ومن بعدهم إلى أنه لو اقتصر على المسح بالحجر فى الغائط والبول ، ولم يغسل ذلك المحل بالماء : أنه يجوز إذا أنقى بالحجر أثر الغائط والبول ، غير أن الاختيار أن يغسل بالماء ، لأنه أنقى ، والأفضل أن يغسله بعد استعمال الحجر.

قال رحمه الله: وإنما يجوز الاقتصار على الحجر إذا لم ينتشر الخارج انتشارا متفاحشا خارجا عن العادة ، فإن تفاحش ، وجب الغسل بالماء (شرح السنة للبغوى، ج ا ص ۳۹۰، ۳۹۱، باب الاستنجاء بالماء)

ومن ذهب إلى الجمع بينها وبن الأحجار ، جاء بأتم الأمور من التنزه عن مباشرة القذر بيده (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء من التبرز)

[2] تنبيه: اعلم أن الشيخ محيى الدين النووى -رحمه الله- قال فى شرح المهذب عند قول الشيخ أبى إسحاق والأفضل أن يجمع بين الماء والحجر؛ لأن الله -تعالى- أثنى على أهل قباء، فقال سبحانه :(فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين) فسألهم النبى -صلى الله عليه وسلم-: ما طهوركم؟ فقالوا :نتبع الحجارة الماء :هكذا يقوله أصحابنا وغيرهم فى كتب الفقه والتفسير .قال :وليس له أصل فى كتب الحديث .قال :وكذا قال الشيخ أبو حامد فى التعليق :إن أصحابنا رووه .قال :و (لا) أعرفه.

قال النووى :والمعروف من طرق الحديث أنهم كانوا يستنجون بالماء ، وليس فيها أنهم كانوا يجمعون بين الماء والأحجار، ثم ذكر من الأحاديث التى قدمناها حديث أبى هريرة وعويم وأبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مگر بعض حضرات نے اس استدلال سے بھی اختلاف کیا ہے، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے صرف پانی سے استنجاء کرنا بہت سی احادیث وروایات سے ثابت اور فقہائے کرام کے نزدیک سنت ومستحب عمل ہے، اور اس کے مقابلہ میں ڈھیلے سے استنجاء کے ثبوت سے اس کا صرف جائز ہونا (نہ کہ سنت وافضل ہونا) ثابت ہوتا ہے۔

اور ڈھیلے کے استعمال کی وجہ دفعِ حرج وغیرہ بھی ہوسکتی ہے، جس کا تفصیلاً پہلے ذکر گزرا۔

لہٰذا اہلِ قباء کے بارے میں صریح اور کثیر احادیث کے پیشِ نظر یہی راجح ہے کہ وہ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے کے بجائے پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں توصیف وتعریف فرمائی۔

وہ الگ بات ہے کہ اگر کوئی تکلف وغلو کئے بغیر ڈھیلے اور پھر پانی سے استنجاء کرے، تو اس کو تنقیہ وصفائی زیادہ حاصل ہونے یا ہاتھ کے نجاست سے ملوث ہونے سے حفاظت کی وجہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أيوب، ثم قال :فإذا علم أنه ليس (له أصل) من جهة الرواية، فيمكن تصحيحه من جهة الاستنباط؛ لأن الاستنجاء بالحجر كان معلوما عندهم وأما الاستنجاء بالماء فهو الذى انفردوا به ولهذا ذكر، ولم يذكر الحجر؛ لأنه مشترك بينهم وبين غيرهم، ولكونه معلوما؛ فإن المقصود بيان فضلهم الذى أثنى الله عليهم بسببه.

قال : يؤيد هذا قولهم : إذا خرج أحدنا من الغائط (أحب) أن يستنجى بالماء فهذا يدل على أن استنجاء هم بالماء كان بعد خروجهم من الخلاء ، والعادة جارية بأنه لا يخرج من الخلاء إلا بعد (المسح) بماء أو حجر.

وهكذا يستحب أن يستنجى بالحجر فى موضع قضاء الحاجة ويؤخر الماء إلى أن ينتقل إلى موضع آخر .هذا آخر كلام النووى .وكذا قال فى غيره من كتبه أن الذى اشتهر فى كتب الفقه والتفسير من جمع أهل قباء بين الماء والأحجار باطل لا يعرف .(وتبعه) الشيخ نجم الدين بن الرفعة فى المطلب فقال :لا يوجد هذا فى كتب الحديث.

وقد تيسر -بحمد الله ومنه -إخراج الطريقة التى أنكرها، وادعى عدم أصالتها فى كتب الحديث وأنها لا (تلقى) فى كتب الفقه والتفسير، ولعله قلد فى ذلك الشيخ أبا حامد فى قولته المتقدمة، لكن أبو حامد لم ينف وجوده، وإنما نفى معرفته، ولا يلزم من نفى المعرفة نفى الوجود، وقريب مما ذكره النووى قول الحافظ محب الدين الطبرى فى شرحه للتنبيه :كذا رواه الفقهاء ، والمشهور فى كتب الحديث المشهورة خلافه(البدرالمنير، ج۲ ص ۳۸۴،۳۸۵، باب الاستنجاء، الحديث التاسع والعشرون)

ادب یا افضل و مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱

۱ فإن قيل :فما الفرق بين اللفظين حتى احتيج إلى ترجيح أحدهما على الآخر؟
فالجواب :هو أن اللفظ المرجوح فإن فيه القيد المذكور وهو بظاهره يدل على أنهم كانوا يستنجون بالماء بعد استنجائهم بالحجارة، ذلك لأنه من غير الجائز أن يمدحوا ويثنى الله عليهم لوفرض أنهم كانوا يقومون قبل الاستنجاء بها، هذا بعيد جدا، فإذن الحديث بهذا اللفظ دليل على استحباب الجمع بين الماء والحجارة فى الاستنجاء فهو حينئذ يمكن اعتباره شاهدا لحديث ابن عباس الذى أخرجه البزار بلفظ :فقالوا " :إنا نتبع الحجراة بالماء ."
وهو ضعيف الإسناد كما صرح به الحافظ فى "التلخيص "و "البلوغ "وبينه الزيلعى فى "نصب الراية(۱/۲۱۸) بل هو منكر عندى لمخالفته لجميع طرق الحديث بذكر الحجارة فيه، بل بالغ النووى فقال فى "الخلاصة "كما نقله الزيلعى :وأما ما اشتهر فى كتب التفسير والفقه من جمعهم بين الأحجار والماء فباطل لا يعرف، وذكر معنى هذا فى "المجموع "أيضا، ولكنه استنبط معناه من لفظ الحديث هذا، فقال بعد أن ذكره بلفظيه مع حديث أبى هريرة وعويمر بن ساعدة:
فهذا الذى ذكرته من طرق الحديث هو المعروف فى كتب الحديث أنهم كانوا يستنجون بالماء ، وليس فيها ذكر الجمع بين الماء والأحجار، وأما قول المصنف:
قالوا :نتبع الحجارة الماء ، فكذا يقوله أصحابنا وغيرهم فى كتب الفقه والتفسير فليس له أصل فى كتب الحديث، وكذا قال الشيخ أبو حامد فى التعليق :إن أصحابنا رووه، قال :ولا أعرفه، فإذا عرف أنه ليس له أصل من جهة الرواية، فيمكن تصحيحه من جهة الاستنباط، لأن الاستنجاء بالحجر كان معلوما عندهم يفعله جميعهم، وأما الاستنجاء بالماء فهو الذى انفردوا به، فلهذا ذكر ولم يذكر الحجر لأنه مشترك بينهم وبين غيرهم، ولكونه معلوما فإن المقصود بيان فضلهم الذى أثنى الله عليهم بسببه، ويؤيد هذا قولهم :إذا خرج أحدنا من الغائط أحب أن يستنجى بالماء ، فهذا يدل على أن استنجاء هم بالماء كان بعد خروجهم من الخلاء ، والعادة جارية بأنه لا يخرج من الخلاء إلا بعد التمسح بماء أوحجر .وهكذا المستحب أن يستنجى بالحجر فى موضع قضاء الحاجة، ويؤخر الماء إلى أن ينتقل إلى موضع آخر، والله أعلم ."
وجوابنا عن هذا الاستنباط أنه غير مسلم، وبيانه من وجهين:
الأول :أن أى حكم شرعى يستنبط من نص شرعى، فلابد لهذا أن يكون ثابت الإسناد، وقد بينت فيما سبق أن هذا النص ضعيف الإسناد منكر المتن، فلا يصح حينئذ الاستنباط منه.
الآخر :هب أن النص المشار إليه ثابت الإسناد، فالاستنباط المذكور لا نسلم بصحته، لأن الحجارة لم تذكر فيه ولوإشارة، وأخذ ذلك من مجرد ثناء الله تعالى عليهم بضميمة أن الاستنجاء بها كان معروفا لديهم غير لازم، لأن الثناء المشار إليه يتحقق ويصدق عليهم بأى شىء فاضل تفرد به الأنصار دون غيرهم، وإذا كان من المسلم حينئذ فضلا أنهم كانوا يفعلون ذلك الذى لا يفعله بل ولا يعرفه غيرهم إلا أهل الكتاب، ومنهم تلقاه الأنصار كما فى بعض الروايات الثابتة.
فإن قيل :ما ذكرته الآن ينافى ما تقدم من قولك :إن الحديث يدل بظاهره على الجمع المذكور.فأقول :نعم، ولكن هذا الظاهر ليس هناك ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

مگر اہلِ قباء کے متعلق صریح اور کثیر احادیث کے مقابلہ میں اس طرح کی قید لگانا اور اس کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ما يلزمنا الجمود عنده، لأنه لم يجر العمل به من النبى صلى الله عليه وسلم ولا من أحد من الصحابة، ألا ترى إلى قول النووى فى آخر كلامه السابق:

وهكذا المستحب أن يستنجى بالحجر فى موضع قضاء الحاجة، ويؤخر الماء إلى أن ينتقل إلى موضع آخر . فهل يستطيع أحد أن يدعى أن النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه كانوا يفعلون ذلك؟ وحينئذ فلابد من تأويل النص المذكور بما لا يتنافى مع ما هو المعروف من الاستنجاء بالماء فى مكان قضاء الحاجة، وذلك بأن نفسر قولهم -إن صح " :-إذا خرج من الغائط أى أراد الخروج، ومثل هذا التفسير معروف فى كثير من الأحاديث، مثل حديث أنس قال " :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل الخلاء قال :اللهم إنى أعوذ بك من الخبث والخبائث "، وقد اتفقوا على أن المعنى :كان إذا أراد دخول الخلاء ، ومثله قول الله تبارك وتعالى " :فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله "، أى أردت قراء ة القرآن، ونحو ذلك كثير.

وخلاصة القول: أن الحديث بهذا اللفظ ضعيف الإسناد منكر المتن، وقد ترتب عليه استنباط حكم نقطع بأنه لم يكن عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أصحابه، ألا وهو الاستنجاء بالحجارة أولا، ثم بالماء فى مكان آخر، بل الراجح عندى أنه لا يشرع الجمع بينهما ولو فى المكان الأول، لأنه لم ينقل أيضا عنه صلى الله عليه وسلم، ولما فيه من التكلف، فبأيهما استنجى حصلت السنة، فإن تيسر الأمران معا بلا كلفة فلا مانع من ذلك لما فيه من تنزيه اليد عن الرائحة الكريهة. والله أعلم.

تنبيه : إن الذى دفعنى إلى تحرير القول فى هذا الحديث هو أننى رأيت بعض من ألف فى شرح الترمذى من حنفية الهند نقل كلام النووى فى الاستنباط المذكور وذكر أنه صحح إسناد الحديث، وأقر كل ذلك فأحببت أن أبين حقيقة الأمر، عسى أن ينتفع به من قد يقف عليه، ثم رأيته ذكر كلاما آخر عقب الحديث فيه أشياء تستحق التنبيه عليه، فرأيت من الواجب بيان ذلك أيضا، قال (۱/۱۳۳)ثم إن أحاديث الجمع قد أخرجها الهيثمى فى "زوائده "بأسانيد فيها كلام للمحدثين، وبوب عليها (باب الجمع بين الماء والحجارة) ، وأخرج فيه حديث ابن ساعدة وابن عباس وابن سلام وغيرهم، وفيها الجمع، وليس فيها رواية لم يتكلم فيها، ومع هذا ليس فيها حديث صريح غير حديث ابن عباس، وأجود ما يحكى فى الباب أثر على بن أبى طالب :إن من كان قبلكم كانوا يبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا، فأتبعوا الحجارة الماء ، أخرجه ابن أبى شيبة فى "مصنفه "وعبد الرزاق فى "مصنفه "والبيهقى فى "سننه "بطرق عديدة، وهو أثر جيد كما يقول الإمام الزيلعى فى "نصب الراية "وكذا أخرجه البيهقى رواية عن عائشة من طريق قتادة فى الباب.

قلت :وفى هذا الكلام تدليسات عجيبة وبعض أوهام فاحشة:

أولا :يسمى الأحاديث المشار إليها وقد تقدمت بـ "أحاديث الجمع "مع أنها ليست كذلك إلا على استنباط النووى الواهى، فهو يقلده فى ذلك ويبالغ حتى سماها بهذه التسمية المغلوطة، ولا يقتصر على هذا، بل يؤكد ذلك بقوله :وفيها الجمع، ثم لكى لا يمكن المخالف من نقده يعود فيقول :ومع هذا ليس فيها حديث صريح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

وجہ سے ڈھیلے اور پانی کے جمع کرنے کے عمل کو مسنون قرار دینا اور اس میں بے جا تکلف وغلو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ غير حديث ابن عباس يعني صريحا في الجمع.

ثانيا :ثم يزعم أن تلك الأحاديث التي فيها الجمع !ليس فيها حديث صريح في الجمع !بوب الهيثمي عليها "باب الجمع بين الماء والحجارة "، وهذا خلاف الواقع فإنه إنما بوب عليها بقوله : "باب الاستنجاء بالماء "انظر الجزء الأول ص٢١٢من "مجمع الزوائد "، وإنما بوب الهيثمي بما ذكر الحنفي لحديث ابن عباس وحده الذى تفرد بروايته البزار وسبق أن ضعفناه نقلا عن الحافظ، وقال الهيثمي نفسه عقبه :رواه البزار وفيه محمد بن عبد العزيز بن عمر الزهرى ضعفه البخارى والنسائى وغيرهما، وهو الذى أشار بجلد مالك.

ثالثا :قوله :(بطرق عديدة) . فيه تدليس خبيث، فإنه لا يروى إلا من طريق واحدة، هي طريق عبد الملك بن عمير عن على، وإنما له طرق عديدة عن عبد الملك هذا، وشتان بين الأمرين، فإنه على قوله لاشك فى ثبوت هذا الأثر عن على وجودته، لطرقه المزعومة، وأما على ما هو الواقع من طريقه الوحيدة، فالثبوت محتمل وإن كان الراجح عندنا خلافه، وبيانه فيما يأتى:

رابعا :قوله :وهو أثر جيد، أقول :بل هو غير جيد، وإن كان صرح بذلك الزيلعى، فإنه معلول بالانقطاع بين على وعبد الملك، وبالاختلاط وذلك أن عبد الملك هذا، وإن كان من رجال الشيخين، فقد تكلم فيه من قبل حفظه، وذكروا له رؤية لعلى رضى الله عنه، ولم يذكروا له سماعا، ثم هو على ذلك مدلس، وصفه به ابن حبان، ولذا أورده الذهبى فى "الضعفاء "فقال:قال أحمد: مضطرب الحديث، وقال ابن معين :مختلط وقال أبو حاتم :ليس بحافظ ووثقه جماعة، وقال الحافظ فى "التقريب :"ثقة فقيه، تغير حفظه، وربما دلس.

قلت: فإن كان قد حفظه، فلم يسمعه من على، فإنه ذكره بصيغة تشعر بذلك، فإنه قال فى جميع الطرق عنه :قال :قال على..، ومن المعلوم أن المدلس إذا لم يصرح بالتحديث فلا يحتج بحديثه، فمن أين تأتى الجودة إذن لهذا الأثر؟

خامسا: قوله عقب أثر على المذكور: وكذا أخرجه البيهقى رواية عن عائشة من طريق قتادة فى الباب .

قلت :وهذا تدليس آخر فإن حديث قتادة فى الباب عند البيهقى (١٠٦/١)عن معاذة عن عائشة أنها قالت ":مرن أزواجكن أن يغسلوا عنهم أثر الغائط والبول، فإنى أستحييهم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله ."ثم رواه من طريق أخرى نحوه بلفظ " :فأمرتهن أن يستنجين بالماء " وهو مخرج فى "الإرواء (٤٢)

فأنت ترى أنه ليس فيه ذكر للحجارة إطلاقا، فكيف جاز له أن يجعله مثل أثر على فى الجمع بين الماء والحجارة؟ لا يقال :لعله اغتر بإيراد البيهقى له فى "باب الجمع فى الاستنجاء بين المسح بالأحجار والغسل بالماء "، لأننا نقول :إن ذلك خطأ أوتساهل من البيهقى لا يجوز لمن يدعى التحقيق انتصارا لمذهبه أن يقلد من أخطأ مثل هذا الخطأ البين، لا سيما إذا كان مخالفا له فى المذاهب، وخاصة إذا نبه على ذلك من كان موافقا له فى المذهب، ألا وهو الشيخ ابن التركمانى، فإنه تعقب البيهقى لإيراده فى هذا الباب حديث عتبة المتقدم وحديث عائشة هذا، فقال فى كل منهما :ليس فى الحديث ذكر المسح بالأحجار فهو غير مطابق للباب(سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانى، تحت رقم الحديث ١٠٣١)

سے کام لینا درست نہیں، اور اسی طرح اگر کسی کو پانی میسر نہ ہو، یا پانی کے استعمال کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ستر کا کھلنا لازم آتا ہو، تو پھر ڈھیلے وغیرہ پر بھی اکتفاء کر لینا جائز ہے، اور یہاں بھی پانی کے استعمال پر بے جا اصرار کرنا درست نہیں، جبکہ نجاست مخرج سے دائیں بائیں نہ پھیلی ہو۔

خلاصہ یہ کہ پانی سے استنجاء کرنے سے پہلے ڈھیلے کے استعمال کو بہر صورت سنت قرار دینا، جس کی خلاف ورزی مکروہ کہلاتی ہے، دلائل کی رُو سے راجح معلوم نہیں ہوا۔ [1]

کیونکہ احادیث وروایات سے کثرت کے ساتھ پانی سے استنجاء کرنا اور اس پر اکتفاء کرنا ثابت ہے، اور اسی طرح بعض اوقات ڈھیلے پر اکتفاء کرنا بھی ثابت ہے۔

---

[1] ملحوظ رہے کہ متعدد مشائخِ حنفیہ نے ڈھیلے کے استعمال کے بعد پانی کے استعمال کو ادب قرار دیا ہے، اور اس کے سنت ہونے کی نفی کی ہے، پھر بعض مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں ادب میں داخل تھا، اور آج کے زمانہ میں سنت میں داخل ہے، جبکہ بعض حنفیہ نے مطلقاً سنت ہونے کے قول کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی پر فتویٰ کا ذکر کیا ہے۔

مگر ہمارے نزدیک ڈھیلے اور پانی کے اجتماع کا ادب ہونا ہی راجح ہے، قطع نظر اس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اجتماع کا قصداً لحاظ ہوتا تھا یا نہیں؟

البتہ اگر یہ تاویل کی جائے کہ سنت قرار دینے والوں کی مراد یہ ہے کہ اگر ڈھیلے سے استنجاء کیا ہو، تو اس کے بعد پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے، نہ یہ کہ پانی استعمال کرنے سے پہلے بہر صورت ڈھیلے کا استعمال مسنون ہے، تو ایک حد تک درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

والاستنجاء بالماء أفضل إن أمكنه ذلك من غير كشف العورة، وإن لم يمكنه ذلك إلا بكشف العورة يستنجي بالأحجار، ولا يستنجي بالماء ، وإتباع الماء الأحجار أدب وليس بسنّة؛ لأن النبي عليه السلام فعله مرة وتركه مرة.

من مشايخنا من قال :هذا كان أدباً في زمن النبي عليه السلام وأصحابه، أما في زماننا فهو سنّة، واستدل هذا القائل بما روى عن الحسن البصري رضي الله عنه أنه سئل عن هذا فقال :هو سنّة، فقيل له :كيف يكون سنّة وقد تركه رسول الله عليه السلام مرة وفعل مرة، وكذلك خيار الصحابة، فقال الحسن :إنهم كانوا يبعرون بعراً وأنتم تثلطون ثلطاً، ولا خلاف لأحد في الأفضلية، فإتباع الماء الأحجار أفضل بلا خلاف (المحيط البرهاني، ج ا ص ۴۳، الفصل الاول في الوضوء)

(قوله :وغسله بالماء أفضل) يعني بعد الحجارة واختلف فيه فقيل مستحب، وقيل سنة في زماننا، وقيل سنة على الإطلاق وهو الصحيح وعليه الفتوى (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۴۰، حكم الاستنجاء)

پس ڈھیلے اور اس کے بعد پانی کے استعمال کا تنقیہ وصفائی زیادہ حاصل ہونے کی وجہ سے ادب میں سے ہونا راجح ہے، جس کی تعبیر بعض حضرات نے افضل اور بعض نے مستحب ہونے سے کی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ صاحبِ شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ نے پانی کے بعد ڈھیلے کے استعمال یا پانی اور ڈھیلے کے اجتماع کے ادب ہونے کا ذکر کیا ہے، اور موجودہ زمانے میں اس کے سنت ہونے کے قول کو لفظِ ''قیل'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مگر اس ادب کی بناء اہلِ قباء کے عمل کو قرار دینے سے ہمیں اختلاف ہے، بلکہ اس کی بناء تنقیہ وغیرہ کا زیادہ حاصل ہونا ہے، اور اگر کسی نے خود سے ڈھیلا استعمال کیا ہو، تو نماز پڑھنے سے پہلے پانی سے استنجاء کے مسنون ہونے (نہ کہ پانی کے استعمال سے پہلے بہر صورت ڈھیلے کے استعمال کے مسنون ہونے) کی تاویل سے ہمیں بھی اتفاق ہوسکتا ہے، جیسا کہ گزرا۔

(وغسله) بعد الحجر أدب(شرح الوقاية، ج٢ص ١٨٨ ، فصل الاستنجاء)

ثم هو أدب وقيل هو سنة فى زماننا ويستعمل الماء إلى أن يقع فى غالب ظنه أنه قد طهر ولا يقدر بالمرات إلا إذا كان موسوسا فيقدر بالثلاث فى حقه وقيل بالسبع "ولو جاوزت النجاسة مخرجها لم يجز فيه إلا الماء "(الهداية فى شرح المبتدى، ج ا ص ٣٩، فصل فى الاستنجاء)

وما عن أنس -رضى الله عنه -كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يدخل الخلاء فأحمل أنا وغلام نحوى إداوة من ماء وعنزة فيستنجى بالماء متفق عليه ظاهر فى المواظبة بالماء ، ومقتضاه كراهة تركه، وكذا ما روى ابن ماجه عن عائشة قالت ما رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم - خرج من غائط قط إلا مس ماء ولكن لا يخفى أن هذا مشترك الدلالة بين كون المس قبل الخروج أو بعده، والمراد أنه -عليه الصلاة والسلام -ما فرغ من قضاء الحاجة إلا توضأ بيانا لملازمته الوضوء والمطلوب يتم بالحديث الأول(فتح القدير، ج ا ص ٢١٢، ٢١٣، فصل فى الاستنجاء)

(قوله وقيل هو) أى استعمال الماء سنة فى زماننا، قاله الحسن البصرى، فقيل له إن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كانوا يتركونه، فقال :إنهم كانوا يبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا.

ورواه البيهقى فى سننه عن على -رضى الله عنه -قال :إن من كان قبلكم كانوا يبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا فأتبعوا الحجارة الماء ، هذا والنظر إلى ما تقدم أول الفصل من حديث أنس وعائشة -رضى الله عنهما -يفيد أن الاستنجاء بالماء سنة مؤكدة فى كل زمان لإفادته المواظبة، وإنما يستنجى بالماء إذا وجد مكانا يستر فيه نفسه ولو كان على شط نهر ليس فيه سترة لو استنجى بالماء قالوا يفسق، وكثيرا ما يفعله عوام المصلين فى الميضأة فضلا عن شاطء النيل(فتح القدير، ج ا ص ٢١٥، فصل فى الاستنجاء)

وإذا استنجى زالت الكراهة لأن الاستنجاء بالأحجار أقيم مقام الغسل بالماء شرعا للضرورة إذ الإنسان قد لا يجد سترة، أو مكانا خاليا للغسل، وكشف العورة حرام فأقيم الاستنجاء مقام الغسل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ہم نے جو کچھ ماقبل میں تحریر کیا، وہ اللہ اور اپنے درمیان امانت و دیانت کے طور پر ذمہ داری سمجھتے ہوئے بغیر کسی لومۃ لائم کے تحریر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## پانی یا ڈھیلے سے استنجاء کا حکم

مذکورہ اور اس جیسے دوسرے دلائل کی روشنی میں چاروں فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیشاب، پاخانہ سے فراغت کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت و مستحب عمل ہے۔ [1]

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فتزول به الكراهة كما تزول بالغسل وقد روى عن ابن مسعود -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يستنجى بالأحجار ، ولا يظن به أداء الصلاة مع الكراهة(بدائع الصنائع، ج ١ ص ١٨، فصل سنن الوضوء)

ثم غسله) أى غسل المحل بعد تنظيفه بنحو الحجر (أدب) أى مستحب......وقيل :هو سنة فى زماننا لما روى البيهقى فى سننه وابن أبى شيبة فى مصنفه عن على بن أبى طالب رضى الله عنه قال : من كان قبلكم كانوا يبعرون بعرا، وأنتم تثلطون ثلطا، فأتبعوا الحجارة الماء .

ثم الغسل وحده أفضل من التنقية بالحجر ونحوه، لإزالة النجاسة بالكلية، ولما فى الصحيحين عن أنس قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل الخلاء فأحمل ـ أنا وغلام نحوى ـ إداوة من ماء وعنزة، فيستنجى بالماء .وفى سنن أبى داود :عن أبى هريرة رضى الله عنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتى الخلاء أتيته بماء فى تور أو ركوة، فاستنجى، ثم مسح يده على الأرض، ثم آتيه بإناء آخر فيتوضأ. ومما يدل على مواظبته عليه الصلاة والسلام الموجبة لكونه سنة، ما رواه ابن ماجه عن عائشة قالت :ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من غائط قط إلا مس ماء (شرح النقاية، ج ١ ص ٧٣ ١ ،احكام الاستنجاء)

[1] الاستنجاء بالماء :يستحب باتفاق المذاهب الأربعة الاستنجاء بالماء .وقد ورد عن بعض الصحابة والتابعين إنكار الاستنجاء به، ولعل ذلك لأنه مطعوم . والحجة لإجزاء استعمال الماء ما روى أنس بن مالك قال :كان النبى صلى الله عليه وسلم يدخل الخلاء ، فأحمل أنا وغلام نحوى إداوة من ماء وعنزة، فيستنجى بالماء متفق عليه. وعن عائشة أنها قالت :مرن أزواجكن أن يستطيبوا بالماء فإنى أستحييهم، وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعله. وقد حمل المالكية ما ورد عن السلف من إنكار استعمال الماء بأنه فى حق من أوجب استعمال الماء .وحمل صاحب كفاية الطالب ما ورد عن سعيد بن المسيب من قوله :وهل يفعل ذلك إلا النساء ؟ على أنه من واجبهن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤، ص ١١٨، وص ١١٩، مادة "استنجاء")

ومما يدل على مواظبته عليه الصلاة والسلام الموجبة لكونه سنة، ما رواه ابن ماجه عن عائشة قالت :ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من غائط قط إلا مس ماء (شرح النقاية، ج ١ ص ٧٣ ١ ،احكام الاستنجاء)

اور ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کرنے کے مقابلہ میں پانی سے استنجاء کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، کیونکہ ڈھیلے وغیرہ کے مقابلہ میں نجاست کو دُور کرنے کے سلسلہ میں پانی زیادہ تاثیر رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں دیگر نجاستوں کے پاک کرنے میں پانی کے مقابلہ میں یا پانی سے پہلے مٹی کے استعمال کی اہمیت بیان نہیں کی گئی، چنانچہ نجاستِ حکمیہ مثلاً وضو اور غسل میں اور اسی طرح نجاستِ حقیقیہ مثلاً ناپاک چیز (زمین، کپڑے، جوتے وغیرہ) میں کہیں بھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ پانی سے پہلے مٹی کا استعمال کیا جائے، یا پانی کے موجود ہوتے ہوئے اس کے بجائے مٹی سے پاکی حاصل کی جائے۔

وہ الگ بات ہے کہ اگر کوئی استنجاء کرتے وقت ڈھیلے وغیرہ کے بعد پانی سے استنجاء کرے، اور اس میں تکلف وغلو سے کام نہ لے، تو فقہائے کرام کے نزدیک یہ مزید فضیلت وادب کا باعث ہے، جیسا کہ تفصیلاً گزرا۔ [1]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر کوئی پیشاب، پاخانہ کے بعد پانی سے بالکل استنجاء نہ کرے، اور وہ ڈھیلے وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کرے، تو کیا اس سے بھی طہارت حاصل

---

[1] أفضلية الغسل بالماء على الاستجمار :إن غسل المحل بالماء أفضل من الاستجمار، لأنه أبلغ فى الإنقاء ، ولإزالته عين النجاسة وأثرها.

وفى رواية عن أحمد :الأحجار أفضل، ذكرها صاحب الفروع .وإذا جمع بينهما بأن استجمر ثم غسل كان أفضل من الكل بالاتفاق.

وبين النووى وجه الأفضلية بقوله :تقديم الأحجار لتقل مباشرة النجاسة واستعمال الماء ، فلو استعمل الماء أولا لم يستعمل الحجارة بعده، لأنه لا فائدة فيه .وعند الحنابلة الترتيب بتقديم الاستجمار على الغسل مستحب، وإن قدم الماء وأتبعه الحجارة كره، لقول عائشة :مرن أزواجكن أن يتبعوا الحجارة الماء فإنى أستحييهم، وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعله .وعند الحنفية قيل :الغسل بالماء سنة، وقيل :الجمع سنة فى زماننا .وقيل :سنة على الإطلاق، وهو الصحيح وعليه الفتوى كما فى البحر الرائق.

هذا وقد احتج الخرشى وغيره على أفضلية الجمع بين الماء والحجر بأن أهل قباء كانوا يجمعون بينهما، فمدحهم الله تعالى بقوله :(إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين) وحقق النووى أن الرواية الصحيحة فى ذلک ليس فيها أنهم كانوا يجمعون بينهما، وإنما فيها أنهم يستنجون بالماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۱۱۹، مادة "استنجاء")

ہوجاتی ہے یا نہیں؟

تو اس سلسلہ میں بعض فقہائے کرام کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف ڈھیلے وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کرنے سے بھی پاکی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔

لیکن بہت سے فقہائے کرام کا کہنا یہ ہے کہ ڈھیلے وغیرہ سے نجاست دُور نہیں ہوتی، بلکہ خشک ہوجاتی ہے، اور اس کے بعد نجاست کے مزید پھیلنے اور کپڑے وغیرہ پر لگنے سے حفاظت ہوجاتی ہے، اور شریعت کی طرف سے ڈھیلے وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کو حرج وتنگی اور نجاست کے کم ہونے کی وجہ سے نماز درست ہونے کے لئے معاف وجائز قرار دے دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] الاستجمار هل هو مطهر للمحل؟اختلف الفقهاء فى هذا على قولين:الأول: أن المحل يصير طاهرا بالاستجمار، وهو قول عند كل من الحنفية والمالكية والحنابلة.قال ابن الهمام: والذى يدل على اعتبار الشرع طهارته أنه صلى الله عليه وسلم نهى أن يستنجى بروث أو عظم، وقال: إنهما لا يطهران فعلم أن ما أطلق الاستنجاء به يطهر، إذ لو لم يطهر لم يطلق الاستنجاء به لهذه العلة.

وكذلك قال الدسوقى المالكى: يكون المحل طاهرا لرفع الحكم والعين عنه.

والقول الثانى :وهو القول الآخر لكل من الحنفية والمالكية، وقول المتأخرين من الحنابلة :أن المحل يكون نجسا معفوا عنه للمشقة .قال ابن نجيم :ظاهر ما فى الزيلعى أن المحل لا يطهر بالحجر .وفى كشاف القناع للحنابلة :أثر الاستجمار نجس يعفى عن يسيره فى محله للمشقة.

وفى المغنى :وعليه لو عرق كان عرقه نجسا.

وجمهور الفقهاء على أن الرطوبة إذا أصابت المحل بعد الاستجمار يعفى عنها.

قال ابن نجيم من الحنفية :بناء على القول بأن المحل بعد الاستجمار نجس معفو عنه، يتفرع عليه أنه يتنجس السبيل بإصابة الماء .وفيه الخلاف المعروف فى مسألة الأرض إذا جفت بعد التنجس ثم أصابها الماء، وقد اختاروا فى الجميع عدم عود النجاسة، فليكن كذلك هنا .ثم نقل عن ابن الهمام قوله :أجمع المتأخرون -أى من الحنفية -على أنه لا ينجس المحل بالعرق، حتى لو سال العرق منه، وأصاب الثوب والبدن أكثر من قدر الدرهم لا يمنع (أى لا يمنع صحة الصلاة).

ونقل القرافى عن صاحب الطراز وابن رشد :يعفى عنه لعموم البلوى .قال :وقد عفى عن ذيل المرأة تصيبه النجاسة، مع إمكان شيله، فهذا أولى، ولأن الصحابة رضى الله عنهم كانوا يستجمرون ويعرقون.

والقول الآخر :قاله الشافعية، وابن القصار من المالكية :لا ينجس إن لم تتعد الرطوبة محل الاستجمار، وينجس إن تعدت النجاسة محل العفو (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۱۲۰، وص ۱۲۱، مادة ”استنجاء“)

www.idaraghufran.org

کیونکہ احادیث وروایات سے ڈھیلے سے استنجاء اور اس پر اکتفاء کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ؎

؎ عن عروة، عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا ذهب أحدكم إلى الغائط، فليذهب معه بثلاثة أحجار يستطيب بهن، فإنها تجزء عنه (ابو داؤد، رقم الحديث ۴۰)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لجهالة مسلم بن قرط، فقد تفرد بالرواية عنه أبو حازم، وهو سلمة بن دينار (حاشية ابوداؤد)

عن عروة، عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا ذهب أحدكم إلى الغائط، فليذهب معه بثلاثة أحجار فليستطب بها؛ فإنها تجزى عنه(نسائی، رقم الحديث ۴۴)

عن الزهرى، قال :أخبرنى أبو إدريس، أنه سمع أبا هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :من توضأ فليستنثر، ومن استجمر فليوتر(بخارى، رقم الحديث ۱۶۱)

أخبرنى أبو الزبير، أنه سمع جابر بن عبد الله، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا استجمر أحدكم فليوتر(مسلم، رقم الحديث ۲۳۹"۲۴")

عن إبراهيم ، قال :كان الأسود ، وعبد الرحمن بن يزيد يدخلان الخلاء ، فيستنجيان بأحجار ، ولا يزيدان عليها ، ولا يمسان ماء (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ۱۶۴۷ ،باب من كان لا يستنجى بالماء ويجتزء بالحجارة)

عن يزيد مولى سلمة ؛ أن سلمة كان لا يستنجى بالماء (ايضاً، رقم الحديث ۱۶۵۷)

عن إبراهيم قال :كان علقمة والأسود ، أو عبد الرحمن بن يزيد ، لا يزيدان على ثلاثة أحجار(ايضاً، رقم الحديث ۱۶۵۸)

عن جعفر ، عن نافع ، قال :كان ابن عمر لا يستنجى بالماء ، كنت آتيه بحجارة من الحرة ، فإذا امتلأت خرجت بها وطرحتها ، ثم أدخلت مكأنها(ايضاً، رقم الحديث ۱۶۵۹)

وقد تقدم القول على معنى قوله فليوتر فى الكلام على حديث بن مسعود واستدل بعض من نفى وجوب الاستنجاء بهذا الحديث للإتيان فيه بحرف الشرط ولا دلالة فيه وإنما مقتضاه التخيير بين الاستنجاء بالماء أو بالأحجار والله أعلم(فتح البارى لابنِ حجر، ج ۱ ص ۲۶۳، باب الاستنثار)

فيه جواز استنجاء بالأحجار وفيه الرد على من أنكر ذلک كما بيناه مستقصى(عمدة القارى للعينى، ج ۲ ص ۳۰۰، باب الاستنجاء بالحجارة)

وكان يستجمر بالأحجار وترا ويجمر ثيابه وترا انتهى وفيه إجزاء الاستنجاء بالحجر أى وما فى معناه ولم يخالف فيه من يعتد به لكن الأفضل الماء (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۲۴)

قوله :(وألا يستنجى أحدنا بأقل من ثلاثة أحجار يعنى :إذا لم يستعمل الماء ؛ لأن الماء إذا وجد فاستعماله هو الأصل، لكن إذا لم يوجد ماء فإنه يستنجى بالحجارة أو غيرها مما يقوم مقامها من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہ ڈھیلے وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کا حکم اس وقت ہے جبکہ نجاست اپنے مخرج (یعنی پیشاب، پاخانہ خارج ہونے والے مقام) سے دائیں، بائیں نہ پھیلی ہو۔

اور اگر نجاست اپنے مخرج (یعنی پیشاب، پاخانہ خارج ہونے والے مقام) سے دائیں، بائیں پھیل گئی، اور متجاوز ہوگئی ہو، تو پھر نماز پڑھنے کے لئے ڈھیلے وغیرہ پر اکتفاء کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ پانی وغیرہ سے استنجاء کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ [۱]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأشياء التي ليس فيها شيء محذور بأن يستعمل حجارة أو مناديل أو ورقاً ليس فيه كتابة، وكذلك لا يستعمل الأشياء المحترمة كالأطعمة أو ما إلى ذلك(شرح سنن ابى داود للعباد، ج۵، ص۳، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة)

والاستنجاء بثلاثة أحجار واجب عند الشافعي وإن حصل النقاء بأقل، وعند أبي حنيفة النقاء متعين لا العدد اهـ .لقوله -صلى الله عليه وسلم :-( من استجمر فليوتر ) من فعل فقد أحسن ومن لا فلا حرج فالأمر للاستحباب والنهي للتنزيه (مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۳۷۴، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء)

[۱] اور اکثر فقہائے کرام (یعنی حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ) کے نزدیک اگر پاخانہ اپنے مخرج سے بڑھ جائے، اور پیشاب حشفہ کو گھیر لے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر پھیلاؤ میں ایک درہم (یا ہتھیلی کے گہراؤ) سے زیادہ تجاوز کر جائے، تو یہ مخرج سے متجاوِز ہونے میں داخل ہے، پھر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مخرج سے متجاوز ہونے والی مقدار کا (نہ کہ پوری مقدار کا) پانی سے ازالہ یا پانی وغیرہ سے استنجاء ضروری ہے، البتہ مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک مخرج سمیت پوری مقدار کا پانی وغیرہ سے ازالہ ضروری ہے۔

المواضع التي لا يجزء فيها الاستجمار:

أ -النجاسة الواردة على المخرج من خارجه:

إن كان النجس طارئا على المحل من خارج أجزأ فيه الاستجمار في المشهور عند الحنفية.

وصرح الشافعية والحنابلة بأن الحجر لا يجزء فيه، بل لا بد من غسله بالماء .وهو قول آخر للحنفية .ومثله عند الشافعية، ما لو طرأ على المحل المتنجس بالخارج طاهر رطب، أو يختلط بالخارج كالتراب .ومثله ما لو استجمر بحجر مبتل، لأن بلل الحجر يتنجس بنجاسة المحل ثم ينجسه.

وكذا لو انتقلت النجاسة عن المحل الذي أصابته عند الخروج، فلا بد عندهم من غسل المحل في كل تلك الصور.

ب -ما انتشر من النجاسة وجاوز المخرج:

اتفقت المذاهب الأربعة على أن الخارج إن جاوز المخرج وانتشر كثيرا لا يجزء فيه الاستجمار،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

## وضو سے پہلے دوبارہ یا خروجِ ریح پر استنجاء کرنا

بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر پانی سے استنجاء کر لیتے ہیں، پھر جب بعد میں نماز پڑھنے کے لئے وضو کرتے ہیں، تو وضو سے پہلے دوبارہ پانی سے خالی استنجاء کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس کو بہت ضروری خیال کرتے ہیں، حالانکہ اس وقت ان کو پیشاب پاخانے کا تقاضا نہیں ہوتا۔

گزشتہ تفصیل سے ان لوگوں کے طرزِ عمل کی غلطی بھی واضح ہوگئی، کیونکہ پیشاب پاخانہ کرنے کے بعد جب ایک مرتبہ پانی سے استنجاء کر لیا جائے، تو اس کے بعد دوبارہ پانی سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں، اور اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، البتہ اگر کسی نے پیشاب پاخانہ کے بعد صرف ڈھیلے وغیرہ کا استعمال کیا ہو، اور پانی سے استنجاء نہ کیا ہو، تو اس صورت میں پانی سے استنجاء کرنے کا ثبوت ملتا ہے، مگر یہاں بحث اس صورت میں ہے، جبکہ پیشاب پاخانہ کے بعد پانی سے استنجاء کر لیا جائے کہ اس کے بعد دوبارہ پانی سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

اور اگر ریح خارج ہونے کی وجہ سے دوبارہ استنجاء کیا جائے، تو اس سلسلہ میں سمجھ لینا چاہئے کہ ریح کے خارج ہونے پر شریعت سے استنجاء ثابت نہیں، اور اسی وجہ سے ریح خارج ہونے پر

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بل لا بد من غسله .ووجه ذلک أن الاستجمار رخصة لعموم البلوى، فتختص بما تعم به البلوى، ويبقى الزائد على الأصل فى إزالة النجاسة بالغسل.

لكنهم اختلفوا فى تحديد الكثير، فذهب المالكية والحنابلة والشافعية إلى أن الكثير من الغائط هو ما جاوز المخرج، وانتهى إلى الألية، والكثير من البول ما عم الحشفة.

وانفرد المالكية فى حال الكثرة بأنه يجب غسل الكل لا الزائد وحده.

وذهب الحنفية إلى أن الكثير هو ما زاد عن قدر الدرهم، مع اقتصار الوجوب على الزائد عند أبى حنيفة وأبى يوسف، خلافا لمحمد، حيث وافق المالكية فى وجوب غسل الكل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۱۲۱، مادة "استنجاء")

www.idaraghufran.org

استنجاء کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ اور بعض نے بدعت اور حرام قرار دیا ہے۔ [1]

## استنجاء کے بعد قطرہ برآمد ہونے کے وسوسہ کا مستحب علاج

بعض احادیث وروایات میں استنجاء کے بعد پیشاب گاہ کے مقام پر پانی کی چھینٹیں مارنے کا ذکر آیا ہے، جن کی اسناد پر بعض حضرات نے اگرچہ کلام کیا ہے۔

لیکن ایک تو یہ احادیث وروایات مختلف سندوں سے مروی ہیں، دوسرے ان احادیث سے استحباب کے درجہ کا عمل ثابت ہوسکتا ہے، اور فقہائے کرام نے بھی اس عمل کو مستحب ہی قرار دیا ہے۔

اور بہت سے محدثین نے اس عمل کی یہ وجہ بیان کی ہے تاکہ بعد میں پیشاب کے قطروں کے وسوسوں سے حفاظت رہے، اور جب پیشاب کے قطروں کا وسوسہ آئے تو پانی کی چھینٹوں سے یہ سمجھ لے کہ یہ تو پانی ہے۔

چنانچہ حضرت سفیان بن حکم یا حکم بن سفیان سے روایت ہے کہ:

---

[1] الريح:

لا استنجاء من الريح. صرح بذلک فقهاء المذاهب الأربعة .فقال الحنفية :هو بدعة، وهذا يقتضى أنه عندهم محرم، ومثله ما قاله القليوبى من الشافعية، بل يحرم، لأنه عبادة فاسدة.

ويكره عند المالكية والشافعية .قال الدسوقى :لقول النبى صلى الله عليه وسلم :ليس منا من استنجى من ريح والنهى للكراهة .وقال صاحب نهاية المحتاج من الشافعية :لا يجب ولا يستحب الاستنجاء من الريح ولو كان المحل رطبا .وقال ابن حجر المكى :يكره من الريح إلا إن خرجت والمحل رطب.

والذى عبر به الحنابلة :أنه لا يجب منها، ومقتضى استدلالهم الآتى الكراهة على الأقل.

قال صاحب المغنى :للحديث من استنجى من ريح فليس منا رواه الطبرانى فى معجمه الصغير.

وعن زيد بن أسلم فى قوله تعالى :(إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم) . الآية إذا قمتم من النوم .ولم يأمر بغيره، يعنى فلو كان واجبا لأمر به، لأن النوم مظنة خروج الريح، فدل على أنه لا يجب، ولأن الوجوب من الشرع، ولم يرد بالاستنجاء هاهنا نص، ولا هو فى معنى المنصوص عليه، لأن الاستنجاء شرع لإزالة النجاسة، ولا نجاسة هاهنا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۱۱۸، مادة ”استنجاء“)

www.idaraghufran.org

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَيَنْتَضِحُ

(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۶۰۸، کتاب الطهارة) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے، تو وضو کرتے، اور (شرم گاہ کے مقام پر) پانی چھڑکتے (حاکم)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس طرح کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۲

اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ وُضُوْئِهٖ أَخَذَ حَفْنَةً مِّنْ مَاءٍ فَرَشَّ بِهَا نَحْوَ الْفَرْجِ، قَالَ : فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُشُّ بَعْدَ وُضُوْئِهٖ (مسند احمد) ۳

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر (وحی لے کر) نازل ہوئے اور اُن کو وضو کی تعلیم دی، تو وضو

---

۱ قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرطهما، وإنما تركاه للشك فيه، وليس ذلك مما يوهنه .وقد رواه جماعة، عن منصور، عن مجاهد، عن الحكم بن سفيان، وقد تابع ابن أبى نجيح منصور بن المعتمر على روايته أيضا بالشك.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما.

۲ عن مجاهد، عن رجل، من ثقيف، عن أبيه قال :رأيت النبى صلى الله عليه وسلم، بال ثم نضح فرجه (معرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۸۷۷)

عن مجاهد، عن رجل يقال له الحكم أو أبو الحكم، من ثقيف، عن أبيه، أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم "توضأ ثم أخذ حفنة من ماء فانتضح بها. وكذلك رواه وهيب، عن منصور، ورواه أبو عوانة، وروح بن القاسم، وجرير بن عبد الحميد، عن منصور، عن مجاهد، عن الحكم بن سفيان مسندا ولم يذكروا أباه .قال أبو عيسى: سألت محمدا يعنى ابن إسماعيل البخارى عن هذا الحديث، فقال :الصحيح ما روى شعبة، ووهيب، وقالا :عن أبيه وربما قال ابن عيينة فى هذا الحديث :عن أبيه، قال الإمام أحمد :رواه ابن عيينة، عن منصور فمرة ذكر فيه أباه، ومرة لم يذكره (سنن البيهقى، رقم الحديث ۷۵۳)

۳ رقم الحديث ۲۱۷۷۱، باب حديث أسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ.

Idara Ghufran

سے فارغ ہونے کے بعد پانی کا ایک چلّو لیا اور شرمگاہ کی طرف اُس کو چھڑک دیا، حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وضو کے بعد پانی کے چھینٹیں مار لیا کرتے تھے (مسند احمد)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَاهُ فِي أَوَّلِ مَا أُوحِيَ إِلَيْهِ، فَعَلَّمَهُ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوءِ، أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَاءٍ، فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ** (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدائے وحی کے دور میں نازل ہوئے، تو آپ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی، پھر جب وضو سے فارغ ہو گئے تو پانی کا چلّو بھرا، پھر اس کو شرمگاہ کی طرف چھڑک دیا (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ١٧٤٨٠، حديث زيد بن حارثة.
رواه أحمد وفيه رشدين بن سعد وثقه هيثم بن خارجة وأحمد بن حنبل فى رواية وضعفه آخرون كذا فى مجمع الزوائد (تحفة الاحوذى، ج ١ ص ١٤٠، باب فى النضح بعد الوضوء)
قلت :وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين غير ابن لهيعة، فهو ضعيف لسوء حفظه، لكن تابعه رشدين عند أحمد وابنه (٥/٢٠٣)
والدارقطنى وهو ابن سعد وهو فى الضعف مثل ابن لهيعة، فأحدهما يقوى الآخر .لاسيما وله شاهد من حديث أبى هريرة مرفوعا بلفظ:
"جاء نى جبريل، فقال :يا محمد إذا توضأت فانتضخ ."
أخرجه ابن ماجه( ١/١٧٣ )مختصرا والترمذى( ١/ ٧١)
وهذا لفظه وقال: حديث غريب وسمعت محمدا يقول :الحسن بن على الهاشمى منكر الحديث ."
وفى "التقريب "أنه ضعيف.
وله شواهد أخرى فى النضح من فعله صلى الله عليه وسلم، خرجت بعضها فى "صحيح أبى داود "( ١٥٩ ) (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٨٤١)
فالحديث الفعلى حسن بمجموع الطريقين عن عقيل، واختلاف ابن لهيعة وابن سعد فى إسناده لا يضر لأنه على كل حال مسند، فإن أسامة بن زيد صحابى كأبيه . وأما الحديث القولى فمنكر .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الضعيفة، رقم الحديث ١٣١٢)

www.idaraghufran.org

اس حدیث کو سند کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

**تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَنَضَحَ فَرْجَہٗ** (ابنِ ماجہ) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر (اپنی شرم گاہ کے مقام پر) پانی چھڑکا (ابنِ ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ : جَاءَ نِیْ جِبْرِیْلُ، فَقَالَ : یَامُحَمَّدُ، إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ** (سنن الترمذی) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل تشریف لائے، پھر انہوں نے (قولی طور پر یا عملاً دکھلا کر) فرمایا کہ اے محمد! جب آپ وضو کر چکیں تو (شرمگاہ کے مقام پر) پانی کے چھینٹیں مارلیں (ترمذی)

ابنِ ماجہ نے بھی اس حدیث کو کچھ مختصر الفاظ میں روایت کیا ہے۔ [4]

اس حدیث کی سند کو امام ترمذی نے غریب وضعیف قرار دیا ہے، لیکن بعض حضرات نے فرمایا

---

[1] عن عروة، عن أسامة بن زيد، عن أبيه زيد بن حارثة :أن جبريل نزل على النبى صلى الله عليه وسلم فى أول ما أوحى إليه، فعلمه الوضوء ، فلما فرغ النبى صلى الله عليه وسلم أخذ بيده، فانتضح به فرجه.لم يرو هذا الحديث عن الليث إلا سعيد بن شرحبيل، والمشهور من حديث ابن لهيعة (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٣٩٠١)

[2] رقم الحديث ٤٦٤، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فى النضح بعد الوضوء .

[3] رقم الحديث ٥٠،ابواب الطهارة، باب ماجاء فى النضح بعد الوضوء.

قال الترمذى:هذا حديث غريب .وسمعت محمدا، يقول :الحسن بن على الهاشمى منكر الحديث،وفى الباب عن أبى الحكم بن سفيان، وابن عباس، وزيد بن حارثة، وأبى سعيد .وقال بعضهم سفيان بن الحكم، أو الحكم بن سفيان، واضطربوا فى هذا الحديث.

[4] عن ابى هريرة ، قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:اذا توضأت فانتضح (ابنِ ماجه، رقم الحديث ٤٦٣)

www.idaraghufran.org

کہ اس کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، اور فضیلت واستحباب کی حد تک اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ [1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ، أَوِ الْفِطْرَةُ، اَلْمَضْمَضَةُ، وَالِاسْتِنْشَاقُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَالسِّوَاكُ، وَتَقْلِيْمُ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَالِاخْتِتَانُ، وَالِانْتِضَاحُ (مسند احمد) [2]

---

[1] (وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(جاء ني جبريل فقال :يا محمد!) فيه إشارة إلى أن النهي عن النداء باسمه مخصوص بالإنسان (إذا توضأت) أي فرغت من الوضوء (فانتضح) أي فرش الماء على الفرج أو السروال (رواه الترمذي، وقال هذا حديث غريب) أي :تفرد به راويه (وسمعت محمدا يعني :البخاري يقول) أي محمد (الحسن بن علي الهاشمي الراوي) : بسكون الياء راوي هذا الحديث الذي تفرد به (منكر الحديث) : المنكر ما تفرد به من ليس ثقة ولا ضابطا هو الصواب قاله الطيبي، ومع ذلك فهو لم يشتد ضعفه لتعدد طرقه السابقة فيكون حجة في فضائل الأعمال(مرقاة المفاتيح، ج ا ص ٣٩٠، باب آداب الخلاء)

(إذا توضأت) بتاء الخطاب أي فرغت من وضوئک (فانتضح) أي رش الماء ندبا على فرجک وما يليه من الإزار حتى إذا أحسست ببلل فقدر أنه بقية الماء لئلا يشوش الشيطان فكرک ويتسلط عليک بالوسواس قال الغزالي :وبه يعرف أن الوسوسة تدل على قلة الفقه وقيل أراد بالنضح صب الماء على العضو ولا يقتصر على مسحه حكاه المنذر وفيه ما فيه.

(هـ عن أبي هريرة) قال مغلطاي في شرح ابن ماجه سأل الترمذي عنه البخاري فقال الحسن بن علي الهاشمي أي أحد رجاله منكر الحديث وقال ابن حبان هذا حديث باطل وقال العقيلي لا يتابع عليه الهاشمي وقال الدارقطني له مناكير وعبد الحق سنده ضعيف فرمز المؤلف لحسنه غير صواب نعم قال مغلطاي له إسناد عند غير ابن ماجه صالح فلعل المؤلف أراد أنه حسن لشواهده(فيض القدير للمناوي،رقم الحديث ٥٤٠)

قلت والحق أن المراد بالانتضاح في هذا الحديث هو الرش على الفرج بعد الوضوء كما يدل عليه ألفاظ أكثر الأحاديث الواردة في هذا الباب(تحفة الاحوذي، ج ا ص ١٣٩، باب في النضح بعدالوضوء)

[2] رقم الحديث ١٨٣٢٧، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٥٤.

في حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

وقال الالباني: قلت: حديث حسن (صحيح ابی داؤد ،تحت رقم الحديث ٤٤، باب السواک من الفطرة)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چیزوں کا تعلق فطرت سے ہے، یا یہ چیزیں فطرت ہیں، ایک تو کلی کرنا، دوسرے ناک میں پانی ڈالنا، تیسرے مونچھوں کو کاٹنا، چوتھے مسواک کرنا، پانچویں ناخن کاٹنا، چھٹے جسم کے مخصوص حصوں پر جمے ہوئے میل کو دھونا، ساتویں بغلوں کے بال اکھاڑنا، آٹھویں زیرِ ناف بال مونڈنا، نویں ختنہ کرنا، دسویں پانی چھڑکنا (مسند احمد، ابوداؤد)

بہت سے محدثین نے اس حدیث میں پانی چھڑکنے سے مراد وضو یا استنجاء کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنا مراد لیا ہے، جس کی تائید گزشتہ احادیث سے ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] عن عمار بن ياسر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الفطرة المضمضة، والاستنشاق ، والسواك ، وقص الشارب ، ونتف الإبط ، وغسل البراجم ، وتقليم الأظفار ، والانتضاح بالماء ، والختان (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۲۰۶۰)

قال الجمهور الانتضاح نضح الفرج بماء قليل بعد الوضوء لينفى عنه الوسواس وقيل هو الاستنجاء بالماء وذكر بن الأثير أنه روى انتقاص الماء بالفاء والصاد المهملة وقال فى فصل الفاء قيل الصواب أنه بالفاء قال والمراد نضحه على الذكر من قولهم لنضح الدم القليل نفصه وجمعها نفص وهذا الذى نقله شاذ والصواب ما سبق والله أعلم (شرح النووى على مسلم، ج۳ص ۱۵۰، باب خصال الفطرة)

قوله " :والانتضاح "وهو رش الماء على الفرج بعد الوضوء ، لينفى عنه الوسواس، وقيل :هو الاستنجاء بالماء (شرح ابى داؤد للعينى، ج ا ص ۱۷۳، باب السواک من الفطرة)

قوله (والانتضاح) أى هو نضح الفرج بشىء من الماء كما تقدم (حاشية السندى على سنن ابنِ ماجه، ج ا ص ۱۲۷، باب الفطرة)

والانتضاح :نضح الفرج بماء قليل بعد الوضوء لينفى عنه الوسواس (نيل الاوطار للشوكانى، ج ا ص ۱۴۴، باب الختان)

وأما الانتضاح فهو رش الماء واختلف فى موضع استحبابه فحكى النووى عن الجمهور أنه نضح الفرج بماء قليل بعد الوضوء لدفع الوسواس.

ويدل له ما رواه أبو داود وابن ماجه، واللفظ له من حديث الحكم بن سفيان الثقفى أنه رأى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -توضأ ثم أخذ كفا من ماء فنضح به فرجه .

ولابن ماجه من حديث زيد بن حارثة قال قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-علمنى جبريل الوضوء وأمرنى أن أنضح تحت ثوبى مما يخرج من البول بعد الوضوء فقوله بعد الوضوء متعلق بأنضح لا بقوله يخرج؛ لأنه لو خرج البول بعد الوضوء لوجبت إعادة الوضوء ولابن ماجه أيضا من حديث أبى هريرة إذا توضأت فانتضح وله من حديث جابر توضأ رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فنضح فرجه وقيل :إن الانتضاح المذكور ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بعض تابعین کے آثار سے بھی قطرہ برآمد ہونے کا شک ہونے کی صورت میں پانی چھڑکنے کے عمل کی تائید ہوتی ہے۔ ۱

مذکورہ احادیث وروایات کے پیشِ نظر اکثر فقہائے کرام نے فرمایا کہ پانی سے استنجاء یا وضو کرنے کے بعد اپنی شرمگاہ (شلوار وغیرہ) پر پانی کے چھینٹے مار لینا، خاص طور پر جسے قطرے برآمد ہونے کے وسوسے آتے ہوں، مستحب ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هو أن ينضح ثوبه بالماء بعد الفراغ من الاستنجاء لدفع الوسواس أيضا حتى إذا توهم نجاسة بلل فى ثوبه أو بدنه أحال به على الماء الذى نضح به ويدل له ما رواه أبو داود من رواية رجل من ثقيف عن أبيه قال رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بال ثم نضح فرجه ، والأول أصح ويحتمل أن يراد بالنضح هنا غسل البول فيكون المراد الاستنجاء فإن النضح يطلق ويراد به الغسل أيضا والله أعلم، وقد حكاه النووى فى شرح مسلم قولان (طرح التثريب فى شرح التقريب لأبى الفضل العراقى، ج ٢، ص ٨٥، وص ٨٦، فائدة من خصال الفطرة الانتضاح)

۱ أخبرنا مالك أخبرنا الصلت بن زبيد أنه سأل سليمان بن يسار عن بلل يجده فقال :انضح ما تحت ثوبك واله عنه. قال محمد: وبهذا نأخذ إذا كثر ذلك من الإنسان وأدخل الشيطان عليه فى الشك وهو قول أبى حنيفة رحمه الله (مؤطا امام محمد، رقم الحديث ۴۴، باب الوضوء من المذى)

۲ الانتضاح وقطع الوسوسة :ذكر الحنفية والشافعية والحنابلة :أنه إذا فرغ من الاستنجاء بالماء استحب له أن ينضح فرجه أو سراويله بشىء من الماء ، قطعا للوسواس، حتى إذا شك حمل البلل على ذلك النضح، ما لم يتيقن خلافه.

وهذا ذكره الحنفية أنه يفعل ذلك إن كان الشيطان يريبه كثيرا.

ومن ظن خروج شىء بعد الاستنجاء فقد قال أحمد بن حنبل :لا تلتفت حتى تتيقن، واله عنه فإنه من الشيطان، فإنه يذهب إن شاء الله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ١٢٥ ، مادة استنجاء )

ج- -الانتضاح بعد الاستنجاء من أجل قطع الوسواس:

ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يستحب لمن استنجى بالماء أن ينضح فرجه وسراويله قطعا للوسواس ، ولما روى أبو هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :جاء نى جبريل فقال :يا محمد إذا توضأت فانضح.

وصرح الحنفية بأن من يعرض له الشيطان كثيرا لا يلتفت إليه، بل ينضح فرجه أو سراويله بماء حتى إذا شك حمل البلل على ذلك النضح ما لم يتيقن خلافه . وعن أحمد :لا ينضح

قال الإمام أحمد فيمن ظن خروج شىء من البول بعد الاستنجاء :لا تلتفت إليه، حتى تتيقن، واله عنه، فإنه من الشيطان، فإنه يذهب إن شاء الله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص ١٥٥ ،مادة وسوسة)

مذکورہ بالا تمام باتوں کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ قطروں کے برآمد ہونے کے وسوسوں کی وجہ سے دیر تک استنجاء کرتے رہنے اور عضوتناسل کو مَلتے رہنے کے عمل کی وجہ سے حقیقت میں قطرے برآمد ہونا شروع ہوجاتے ہیں، کیونکہ جب کوئی شخص قطروں کی آمد کا تصور وارادہ کرتا رہتا ہے، اور عضو کو دباتا رہتا ہے، تو خود یہ عمل مستقل قطرے برآمد ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت (حکیم الامت رحمہ اللہ کے خلیفہ) خواجہ (عزیزالحسن مجذوب) صاحب نے (حضرت حکیم الامت سے) عرض کیا کہ مجھے استنجے میں بڑے وسوسے آتے ہیں بہت دیر میں بمشکل تمام خشک ہوتا ہے، مَلنے سے کچھ نہ کچھ نکلتا ہی رہتا ہے، فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کیجئے، معمولی طور سے استنجاء کر کے دھو لینا چاہیئے، عوارفُ المعارف میں لکھا ہے کہ اس کا حال تھن کا سا ہے کہ جب تک مَلتے رہیں کچھ نہ کچھ نکلتا رہتا ہے، اگر یونہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی نہیں، حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ بعد کو قطرہ نکل آتا ہے، فرمایا کہ کچھ خیال نہ کیجئے، چاہے بعد کو نمازوں کا اعادہ کر لیجئے گا، لیکن جب تک بہ تکلف جبر کر کے وسوسے کے خلاف نہ کیجئے گا، یہ مرض نہ جائے گا، اس کی وجہ سے تو آپ بڑی تکلیف میں ہیں، حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ رطوبت (تری) کی وجہ سے ایک وقت کے وضو میں دوسرے وقت کے وضو کے لئے شک پڑجاتا ہے، اس کی وجہ سے رومال بھی دھونا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ نہ وضو کیجئے نہ رومال دھویا کیجئے، چند روز بہ تکلف بے التفاتی (بے توجہی) کرنے سے وسوسے جاتے رہیں گے (کمالاتِ اشرفیہ ص ۳۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے قطرہ کے وسوسے اور وہم پر عمل کرنے سے یہ نفسیاتی بیماری بن جاتی ہے، اور پھر حقیقت میں قطرے آنا شروع ہوجاتے ہیں، لہٰذا ان سے بے توجہی

اختیار کرنی چاہیئے، اور مسنون و مستحب اعمال کو اختیار کرنا چاہیئے۔

## خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ قضائے حاجت (یعنی پیشاب، پاخانہ) کے بعد پانی سے استنجاء کرنا بلکہ اس پر اکتفاء کرنا سنت و مستحب عمل ہے، جو احادیث و روایات سے ثابت اور اللہ کا پسندیدہ و محبوب عمل ہے، اور ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ نجاست (یعنی پیشاب، پاخانہ کی غلاظت) اپنے مخرج سے اردگرد نہ پھیلی ہو۔

اور پہلے ڈھیلا اور اس کے بعد پانی سے استنجاء کرنا بعض صورتوں میں تنقیہ اور صفائی کے زیادہ حاصل ہونے کی وجہ سے ادب و مستحب درجہ کا عمل ہے، لیکن اس میں غلو کرنا، یا اس کو اپنے درجہ سے بڑھانا اور اس پر بہرصورت مُصِر رہنا درست نہیں۔

اور اگر کسی کو پیشاب کے بعد قطرہ وغیرہ برآمد ہونے کے وسوسے آتے ہوں، تو اسے ان وسوسوں کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے، اور اس طرح کے وسوسوں کا احادیث میں یہ علاج بتلایا گیا ہے کہ وضو کرنے کے بعد پیشاب گاہ کے مقام پر پانی کے چھینٹیں مارلے، اور جب قطرہ خارج ہونے کا وسوسہ آئے، تو یہ سمجھے کہ یہ پیشاب کے قطرہ کے بجائے پاک پانی کے مارے ہوئے چھینٹوں کا اثر ہے۔

اور اس طرزِ عمل کے بجائے ڈھیلے یا ٹشو پیپر وغیرہ کے استعمال میں غلو و مبالغہ کرنے اور دیر تک اس عمل میں مشغول رہنے میں مذکورہ شرعی و نفسیاتی خرابیوں کے بجائے، ایک خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مثانہ اور پیشاب گاہ کی روک، پکڑ اور قوتِ ارادیہ کمزور پڑ جاتی ہے، اور پھر حقیقت میں قطروں کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے، جس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، تاآنکہ اس طرف سے بے توجہی اختیار نہ کی جائے، اور وسوسوں کو اہمیت نہ دی جائے، اور ان کے تقاضے و داعیہ پر عمل کرنے کو ترک نہ کیا جائے۔

اور بعض اوقات گندے ڈھیلوں اور ردی کاغذ اور میٹیریل سے تیار شدہ ٹشو پیپر کے استعمال سے بالخصوص جبکہ کثرت اور غلو کے ساتھ استعمال ہو، مختلف بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

استنجاء کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اعتدال پر رہتے ہوئے ایک مرتبہ اطمینان سے پیشاب و پاخانہ سے فراغت حاصل کر لی جائے اور ذہن پر بتکلف زور ڈالنے اور زور لگا لگا کر پیشاب کے قطروں کو خارج کرنے کے بجائے ذہن کو بوجھ سے فارغ کر کے بقدر ضرورت پانی کے استعمال پر اکتفاء کیا جائے، اور اگر کسی کو وسوسے آتے ہوں، تو اسے شرمگاہ پر بقدرِ ضرورت تین مرتبہ پانی بہانے پر اور اگر لوٹے وغیرہ سے مسلسل پانی ڈالا جا رہا ہو، تو اتنا پانی ڈالنے پر اکتفاء کرنا چاہئے کہ تین مرتبہ شرمگاہ سے پانی گزر جانے یا نجاست دور ہو جانے کا گمان ہو جائے۔ [1]

---

[1] (والغسل) بالماء إلى أن يقع فی قلبه أنه طهر ما لم یکن موسوسا فیقدر بثلاث کما مر (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۳۳۸، فصل فی الاستنجاء)

حتی یغلب علی ظنه الطهارة، ولا یقدر ذلک بعدد؛ لأن النجاسة غیر مرئية إلا لقطع الوسوسة فیقدر بالثلاث، وقیل بالسبع (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۶۶، باب الانجاس)

ویستعمل الماء إلى أن یقع فی غالب ظنه أنه قد طهر، ولا یقدر بالمرات إلا إذا کان موسوسا فیقدر بالثلاث فی حقه، وقیل بالسبع (الهداية، ج ۱ ص ۳۹، فصل فی الاستنجاء)

(ویستعمل الماء إلى أن یقع فی غالب ظنه أنه قد طهر) ش :أی یستعمل المستنجی الماء إلى وقوع غلبة ظنه أن الموضع قد طهر، وأشار بهذا إلى أن العدد فیه لیس بشرط، ونبه علیه أیضاً بقوله :م: (ولا یقدر بالمرات) ش :أی ولا یقدر استعمال الماء بالعدد، بل الاعتبار غلبة الظن م :(إلا إذ کان) ش :أی المستنجی م :(موسوسا) ش :بکسر السین علی صیغة الفاعل لأنه هو الذی یلقی الوسوسة فی خلده، والوسوسة حدیث النفس .وقال الأترازی :ولا یقال بالفتح .قلت :لا مانع من ذلک، لأن صاحب "الکافی" قال :الوسوسة ( ... ) الذی یری فی المرأة کإیقاع الشیطان شیئاً فی قلب المؤمن فهی وسوسة فتأمل، وتجد للفتح باباً، والشیطان الذی یوسوس فی هذا الحالة یسمی ولهان م :(فیقدر بالثلاث فی حقه) ش :أی فی حق الموسوس وذلک کما فی غیر الرؤية.

م :(وقیل بالسبع) ش :وقیل یقدر فی حقه سبع مرات اعتباراً بالحدیث الذی ورد فی ولوغ الکلب، کذا قاله الأترازی والأکمل أیضاً .قلت :أصحابنا ما اعتبروا السبع هناک فکیف یعتبرونه هاهنا (البناية شرح الهداية، ج ۱ ص ۷۵۶، ۷۵۷، فصل فی الاستنجاء)

Idara Ghufran

ملحوظ رہے کہ اگر واقعتاً کسی کو استنجاء کرنے کے بعد پیشاب کا قطرہ برآمد ہوجائے، اور وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے، تو حنفیہ کے نزدیک ہتھیلی کے گہراؤ سے کم پھیلاؤ کی صورت میں معاف ہے، اور اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست ہے۔

اور بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ زیرِ ناف بال کاٹنے کے بعد دوبارہ استنجاء کرنا ضروری ہوجاتا ہے، یا زیرِ ناف بال کاٹے ہوئے اگر چالیس دن سے زیادہ کا عرصہ گزر جائے، تو پھر استنجاء وطہارت درست نہیں ہوتی۔

یہ دونوں باتیں غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

## مسجد کے قریب بیتُ الخلاء میں استنجاء کا حکم

آخر میں عرض ہے کہ آج کل آبادی کی کثرت اور جگہ کی تنگی اور لوگوں کی معاشرتی زندگی میں خاطر خواہ تبدیلی آجانے کے باعث بہت سی مساجد کے قریب اور متصل بیتُ الخلاء اور استنجاء خانہ بنالیا جاتا ہے، جس کے جواز اور عدمِ جواز اور استعمال کے بارے میں مختلف باتیں سننے میں آتی ہیں، اور بعض لوگ اس سلسلہ میں اتنا تکلف اور غلو کرتے ہیں کہ وہ اس طرح کے بیت الخلاؤں کو ضرورت کے وقت بھی استعمال نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مسجد کے احترام اور آداب کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بلا شبہ اگر ممکن ہو تو بیتُ الخلاء اور استنجاء خانہ مسجد کی نماز پڑھے جانے والی مخصوص جگہ کی حدود سے ہٹ کر اس طرح بنانا چاہئے کہ مسجد کی نماز پڑھے جانے والی مخصوص جگہ اس کی بدبو وغیرہ سے کلی طور پر محفوظ رہے، لیکن اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل ہو، تو پھر مسجد کے قریب اور متصل اس طرح سے بیتُ الخلاء اور استنجاء خانہ بنانے کی بھی گنجائش ہے کہ ممکنہ حد تک مسجد کی نماز پڑھنے والی جگہ، اس کی بدبو اور غلاظت سے محفوظ رہے، مثلاً مسجد کی حدود سے باہر کھڑکی وغیرہ کھول کر اس کی بدبو کے خارج ہونے کا انتظام کیا

جائے اور بدبو خارج کرنے کے لئے کوئی پنکھا (ایگزاسٹ) وغیرہ لگا دیا جائے، اور مسجد کی نماز پڑھنے والی مخصوص جگہ کی طرف سے دیوار وغیرہ حائل کر دی جائے، اور مزید براں اس طرح کے بیتُ الخلاء اور استنجاء خانہ کو صاف ستھرا رکھنے کا بھی اہتمام کیا جائے، اور استعمال کے بعد پانی وغیرہ ڈال کر غلاظت ونجاست کو بہا دیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ پیشاب، پاخانہ کے بعد جب پانی بہا دیا جاتا ہے، تو آج کل کے فلش سسٹم میں نجاست وہاں سے خارج ہو جاتی ہے، اور باہر نالی یا گٹر (Getter) وغیرہ میں پہنچ جاتی ہے، جبکہ پہلے زمانہ میں قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اس طرح کی سہولیات نہیں تھیں، اور غلاظت ونجاست عموماً وہاں ہی ٹھہری رہتی تھی، اور جب تک اسے وہاں سے ہٹایا نہیں جاتا تھا، اس وقت تک وہ وہاں باقی رہ کر بدبو، تعفن اور حشرات مکھی، مچھر وغیرہ کی بھنبھناہٹ کا سبب بنتی تھی۔

لہٰذا اس زمانہ کے بیتُ الخلاء کے نظام پر موجودہ دور کے بیتُ الخلاء کو کلی انداز میں قیاس کرنا اور اس سلسلہ میں زیادہ سختی وتشدد کرنا درست نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے وضو یا غسل والی ایسی جگہ پیشاب کرنے کو جائز اور غیر مکروہ قرار دیا ہے، جہاں سے نجاست بہہ جاتی ہو، یا پانی بہا کر نجاست کو بہا دیا جائے۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ نجاست بہہ جانے کے بعد وہ جگہ تخفیف اختیار کر لیتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] كره الحنفية والشافعية والحنابلة أن يبول الإنسان فى موضع يتوضأ هو أو غيره أو يغتسل فيه، لما ورد عن رجل من الصحابة أنه قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمتشط أحدنا كل يوم أو يبول فى مغتسله.ويضيف الشافعية :أن محل الكراهة إذا لم يكن ثم منفذ ينفذ فيه البول والماء.

وفى كشاف القناع للحنابلة :أن موضع الكراهة أن يكون الموضع غير مقير أو مبلط، قال :فإن بال فى المستحم المقير أو المبلط أو المجصص، ثم أرسل عليه الماء قبل اغتساله فيه -قال الإمام أحمد :إن صب عليه الماء وجرى فى البالوعة -فلا بأس، لـلأمن من التلويث، ومثله الوضوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵ص۱۵، مادة ”قضاء“)

(فصل نمبر۱۲)

# وضو کرنے سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگوں کو وضو کرنے میں مختلف وسوسے آتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں عضو دھونے سے رہ گیا، یا فلاں عضو پوری طرح نہیں دُھلا، یا یہ کہ ابھی فلاں عضو پوری طرح تر نہیں ہوا، اور اس طرح کے وسوسوں کی وجہ سے وہ لوگ بہت سا پانی استعمال کرتے ہیں، ایک ایک عضو کو کئی کئی مرتبہ دھوتے ہیں، یا پھر کئی کئی مرتبہ وضو کرتے ہیں، اور بعض اوقات تنگ پڑ کر وضو اور نماز وغیرہ سب کو ہی خیر باد کہہ دیتے ہیں۔

ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل شریعت کے خلاف ہے، اور ان لوگوں کو اس سلسلہ میں شریعت کی ہدایات اور خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مُد پانی سے وضو کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد (پانی) سے وضو کیا کرتے تھے (مسلم)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۲۵ ''۵۱'' كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء فى غسل الجنابة.

[2] عن عائشة: أَنَّ النبيَّ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يَغتَسِلُ بالصَّاعِ، ويتوضأُ بالمُدِّ (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۹۲، باب ما يجزء من الماء فى الوضوء)

فى حاشية سنن ابى داؤد: إسناده صحيح.

عن جابر، قال: كان النبيُّ -صلى الله عليه وسلم- يَغتَسِلُ بالصَّاعِ ويتوضَّأُ بالمُدِّ (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۹۳، باب ما يجزء من الماء فى الوضوء)

فى حاشية سنن ابى داؤد: حديث صحيح.

ایک مُد ایک سیر سے کچھ کم وبیش ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے غسل کے بیان میں آتی ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مقدار پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔
اگرچہ اتنی مقدار پانی سے وضو کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بوقتِ ضرورت اس سے زیادہ مقدار کا استعمال کرنا بھی جائز ہے، لیکن پانی کی غیر ضروری اور فالتو مقدار کا استعمال کرنا منع ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [۱]

پھر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کی کم مقدار میں وضو کرنا ثابت ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے اعضاء کو ایک ایک یا دو دو یا زیادہ سے زیادہ تین تین مرتبہ دھونا ثابت ہے، اس سے زیادہ مرتبہ دھونا ثابت نہیں ہے، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونے کا ثبوت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً (بخاری) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا (بخاری)

---

[۱] عن أبي ريحانة، عن سفينة :أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد، ويغتسل بالصاع، وفي الباب عن عائشة، وجابر، وأنس بن مالك، حديث سفينة حديث حسن صحيح، وأبو ريحانة اسمه عبد الله بن مطر، وهكذا رأى بعض أهل العلم الوضوء بالمد، والغسل بالصاع، وقال الشافعي، وأحمد، وإسحاق :ليس معنى هذا الحديث على التوقيت أنه لا يجوز أكثر منه، ولا أقل منه وهو قدر ما يكفي(سنن الترمذي، رقم الحديث ۵۶)

اتفق الفقهاء على أن ما يجزء في الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار معين،ونقل ابن عابدين الإجماع على ذلك وقال :إن ما ورد في الحديث :أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع ليس بتقدير لازم، بل هو بيان أدنى القدر المسنون، حتى إن من أسبغ بدون ذلك أجزأه، وإن لم يكفه زاد عليه، لأن طباع الناس وأحوالهم مختلفة.

واتفقوا كذلك على أن الإسراف في استعمال الماء مكروه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۱۷۹،۱۸۹، مادة "اسراف")

[۲] رقم الحديث ۱۵۷،كتاب الوضوء، باب الوضوء مرة مرة.

www.idaraghufran.org

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۹) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً (مسند البزار) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا (بزار)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء فرمایا۔
جس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو کے اعضاء کو صرف ایک ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء کیا جائے، تو بھی جائز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

## اعضائے وضو کو دو دو مرتبہ دھونے کا ثبوت

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ (بخاری) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مرتبہ وضو کیا (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ۲۳۸۵، ج۶ ص۳۶۸، مسند عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهما.
قال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الأوسط وزاد " :ثم قام فصلى "وفيه مندل بن على، ضعفه أحمد وابن المديني وابن معين في رواية، ووثقه في أخرى(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۱۷۹، باب ماجاء في الوضوء)

[3] رقم الحديث ۱۵۸، كتاب الوضوء، باب :الوضوء مرتين مرتين.

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مرتبہ وضو کیا (ابوداؤد)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو دو دو مرتبہ دھونے پر اکتفاء فرمایا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو کے اعضاء کو صرف دو دو مرتبہ دھونے پر اکتفاء کیا جائے، تو بھی جائز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

## اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ دھونے کا ثبوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۲۵، ترمذی، رقم الحديث ۴۴) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین تین مرتبہ وضو کیا کرتے تھے (مسند احمد، ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول وضو کے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونے کا تھا۔

اور حضرت عبدِ خیر سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا (مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۹) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۳۶، كتاب الطهارة، باب الوضوء مرّتين.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره.

[2] قال الترمذی: وفی الباب عن عثمان، وعائشة، والربيع، وابن عمر، وأبی أمامة، وأبی رافع، وعبد الله بن عمرو، ومعاوية، وأبی هريرة، وجابر، وعبد الله بن زيد، وأبی، حديث علی أحسن شیء فی هذا الباب وأصح .والعمل على هذا عند عامة أهل العلم :أن الوضوء يجزء مرة مرة، ومرتين أفضل، وأفضله ثلاث، وليس بعده شیء .وقال ابن المبارک :لا آمن إذا زاد فی الوضوء على الثلاث أن يأثم، وقال أحمد، وإسحاق :لا يزيد على الثلاث إلا رجل مبتلى.
وفی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح.

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یہ ہے، پھر آپ نے تین تین مرتبہ وضو کیا (یعنی وضو کے اعضاء کو دھویا) (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا بھی ثابت ہے۔

حضرت ثابت بن ابی صفیہ ثمالی سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ، قُلْتُ لَهُ : حُدِّثْتَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً؟ قَالَ : نَعَمْ . قُلْتُ : وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَثَلَاثًا ثَلَاثًا؟ قَالَ: نَعَمْ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: میں نے ابو جعفر سے سوال کیا، میں نے ان سے کہا کہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بے شک، میں نے کہا اور دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ بھی وضو کیا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بے شک (ابنِ ماجہ)

اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ، زَادَ الْقَعْنَبِيُّ فِيْ حَدِيْثِهٖ: وَمَرَّتَيْنِ وَمَرَّةً (المعجم الكبير للطبراني) [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۱۰، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الوضوء مرة مرة.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره.

[2] رقم الحديث ۹۳۷، ج ۱ ص ۳۱۷، المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۹۰۷، سنن الدارقطني، رقم الحديث ۲۶۴.
قال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الأوسط، وله في الكبير :رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -توضأ ثلاثا ثلاثا، ومرتين مرتين، ومرة مرة .ورجالهما رجال الصحيح(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۱۷۵، باب ماجاء في الوضوء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تین مرتبہ وضو کرتے ہوئے دیکھا، قعنبی کی حدیث میں یہ زیادتی بھی ہے، اور دو دو مرتبہ اور ایک ایک مرتبہ وضو کرتے ہوئے بھی دیکھا (طبرانی، دار قطنی)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا، اور بعض اوقات ایک ایک مرتبہ دھونے پر بھی اکتفاء فرمایا، اور بعض اوقات دو دو مرتبہ دھونے پر بھی اکتفاء فرمایا، لہٰذا تینوں طرح سے وضو کرنا درست ہوجاتا ہے، اور ہر حال میں وضو کے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا ضروری نہیں ہوتا۔

البتہ تین تین مرتبہ وضو کے اعضاء کو دھونے کی فضیلت زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت حمران سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ، فَغَسَلَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَقَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، سَقَطَتْ خَطَايَاهُ يَعْنِي مِنْ وَجْهِهِ وَيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَرَأْسِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۴۹۳) [1]

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقاعد (نامی مقام) میں وضو کیا، پھر (وضو کے اعضاء کو) تین تین مرتبہ دھویا، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا (اور وضو

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الالبانی: کان یتوضأ واحدة واحدة وثنتین ثنتین وثلاثا ثلاثا، کل ذلک یفعل ."

قال الهیثمی (۱/ ۲۳۳) رواه الطبرانی فی "الکبیر "عن معاذ بن جبل وفیه محمد بن سعید المصلوب وهو ضعیف ."قلت :بل هو کذاب لکن الحدیث قد جاء من طریق أخرى عن أبی رافع قال " :رأیت رسول الله صلى الله علیه وسلم توضأ ثلاثا ثلاثا ومرتین مرتین ومرة مرة ."أخرجه الطبرانی أیضا فی "الکبیر (۱/ ۷ /۳۱ /۹۳۷) "وإسناده صحیح ورجاله رجال الصحیح کما قال الهیثمی .وله شاهد من حدیث ابن عمر، وجاء مفرقا فی أحادیث، فراجع لها "إرواء الغلیل (سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم الحدیث ۲۱۲۲)

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

کے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا) پھر نماز کے لئے کھڑا ہوا، تو اس کے چہرے اور ہاتھوں اور پاؤں اور سر سے گناہ جھڑ جاتے ہیں (مسند احمد)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَقَالَ: بِهٰذَا أَمَرَنِىْ رَبِّىْ عَزَّ وَجَلَّ (المعجم الصغير للطبرانى) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تین مرتبہ وضو کرتے ہوئے دیکھا، اور فرمایا کہ اسی طرح میرے رب عزوجل نے مجھے حکم فرمایا ہے (طبرانی)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ وضو کے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھونے پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، اور دو دو مرتبہ دھونے پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، اور تین تین مرتبہ دھونا بھی جائز بلکہ زیادہ ثواب وفضیلت کا باعث ہے۔

## تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کی بُرائی

لیکن تین مرتبہ سے زیادہ وضو کے اعضاء کو دھونا فضیلت کا باعث نہیں۔

بلکہ احادیث میں تین مرتبہ سے زائد وضو کے اعضاء دھونے کو بُرا فعل، زیادتی اور ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ أَعْرَابِىٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوْءِ ؟ فَأَرَاهُ ثَلَاثًا، ثَلَاثًا قَالَ : هٰذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ، وَتَعَدّٰى، وَظَلَمَ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۶۸۴) [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۶، ج ۱ ص ۶۴، باب الالف.

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط والصغير والبزار باختصار، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۱۱۷۳، باب ماجاء فى الوضوء)

[2] فى حاشية مسند احمد: صحيح، وهذا إسناد حسن.

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، جو وضو کے بارے میں سوال کر رہا تھا، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین مرتبہ وضو کے اعضاء دھو کر دِکھلائے، اور فرمایا کہ یہ وضو ہے، پس جس نے اس پر زیادتی کی، تو اس نے بُرا کام کیا، اور زیادتی کی اور ظلم کیا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا بُرا کام، زیادتی اور ظلم، ان سب میں داخل ہے۔

## زائد پانی کے استعمال اور اسراف کی بُرائی

اسی وجہ سے قیامت کے قریب پاکی میں زیادتی اور غلو کرنے والی قوم کے پیدا ہونے اور اس کی برائی کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ (سنن ابی داؤد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت

---

[1] عن مجاهد، عن ابن عباس، أن أعرابيا أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، كيف الوضوء ؟ فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوضوء فغسل يده اليمنى ثلاثا، ثم أدخل يده فى الإناء ، ثم مضمض واستنشق ثلاثا ثلاثا، ثم مسح برأسه وظاهر أذنيه مع رأسه، ثم غسل رجليه ثلاثا ، ثم قال: هكذا الوضوء فمن زاد على هذا فقد تعدى وظلم(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١١٠٩١، ج ١١ ص ٧٥)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، وله فى الصحيح حديث غير هذا، وفيه سويد بن عبد العزيز، ضعفه أحمد ويحيى وجماعة، ووثقه دحيم(مجمع الزوائد، رقم الحديث ١١٧٦، باب ماجاء فى الوضوء)

[2] رقم الحديث ٩٦، كتاب الطهارة، باب الاسراف فى الماء.

www.idaraghufran.org

میں عنقریب ایسی قوم ہوگی، جو پاکی اور دعاء میں حد سے تجاوز (اور غلو) اختیار کرے گی (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طہارت اور وضو وغیرہ میں غلو اور زیادتی کرنا بُرا ہے، جس میں وضو کے اعضاء کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اور ضرورت سے زائد پانی کا استعمال کرنا دونوں داخل ہیں، اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو میں اسراف کی ممانعت بھی منقول ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ، وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: مَا هٰذَا السَّرَفُ فَقَالَ: أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ، قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهَرٍ جَارٍ (ابنِ ماجه) [1]

---

[1] رقم الحديث ۴۲۵، كتاب الطهارة، باب ما جاء فى القصد فى الوضوء وكراهية التعدى فيه، واللفظ لهٗ، مسند احمدرقم الحديث ۷۰۶۵،شعب الايمان للبيهقى حديث نمبر ۳۳۲۵.

قال الالبانى: قلت :وهذا إسناد حسن؛ حيى بن عبدالله مختلف فيه، وهو عندى أنه وسط حسن الحديث، وقد حسّن له الترمذى، وصحح له ابن حبان والحاكم والذهبى وغيرهم،، وحسنت أنا - بدورى -فيما مضى عدة أحاديث، فانظر مثلا "المشكاة(۵۹۳۱)" و"الصحيحة(۱۰۰۳)" و(۴۳۰۱)وغيرهما، وقال فيه ابن عدى(۲/۲۵۱)وأرجو أنه لا بأس به إذا روى عنه ثقة."

قلت :وهذا الشرط بدهى، ويبدو -لأول وهلة -أنه هنا غير متوفر، لسوء حفظ ابن لهيعة الذى عرف به، وإن كان صدوقا فى نفسه، وهذا هو الذى كان حملنى -تبعا لغيرى -على تضعيف الحديث من أجله فى "إرواء الغليل(۱/۱۷۱/۱۴۰) "قديما، وفى غيره إحالة عليه.ثم بدا لى ما غير وجهة نظرى فى رواية قتيبة بن سعيد عن ابن لهيعة، وأن روايته عنه ملحقة فى الصحة برواية العبادلة عنه، استفدت ذلك من ترجمة الحافظ الذهبى لقتيبة فى "سير أعلام النبلاء "، وقد نقلت ذلك تحت الحديث المتقدم(۲۸۴۳) فلا داعى لتكراره .وبناء على أن هذا الحديث من رواية قتيبة عن ابن لهيعة، فقد رجعت عن تضعيف الحديث به إلى تحسينه، راجيا من الله أن يغفر لى خطئى وعمدى، وكل ذلك عندى، وأن يزيدنى علما وهدى.وهناك أثر ذكره البيهقى (۱/۱۹۷)عن هلال بن يساف قال" :كان يقال :فى كل شىء إسراف، حتى الطهور؛ وإن كان على شاطىء النهر ."وهلال هذا ثقة تابعى، فكأنه يشير إلى هذا الحديث، وإلى أنه كان مشهورا بين السلف، والله أعلم (السلسلة الصحيحة ، تحت رقم الحديث ۳۲۹۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے اور حضرت سعد اس وقت وضو کر رہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا کہ یہ کیا فضول خرچی ہے؟ اس پر حضرت سعد نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بے شک (وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے) اگرچہ تم کسی بہتے ہوئے دریا پر ہی ہو

(ابنِ ماجہ، مسند احمد)

غور کرنے کی بات ہے کہ جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہے اسے پانی کی کمی کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا، کیونکہ پانی دریا ہی میں واپس جاتا رہتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال و خرچ کرنے کا پابند فرما دیا۔

کیونکہ اوّل تو ایک شخص کو جب پانی فضول بہانے کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ پانی کی کمی کے موقع پر بھی فضول خرچی سے باز نہیں آ سکتا، جبل گردد، جِبلّت نہ گردد۔

دوسرے جب کسی قوم یا فرد کا مزاج اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے کھٹک استعمال کرنے کا بن جائے تو اس کے لئے بہتے ہوئے دریا بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

بعض اور روایات میں بھی وضو میں اسراف اور فضول خرچی کو ناپسند کیا گیا ہے، جن میں سے بعض کی اسناد پر محدثین کا کلام ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن المصفی الحمصی، حدثنا بقیة، عن محمد بن الفضل، عن أبیه، عن سالم عن ابن عمر، قال :رأی رسول الله -صلی الله علیه وسلم -رجلا یتوضأ، فقال: لا تسرف، لا تسرف(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدث ۴۲۴)

فی حاشیة سنن ابنِ ماجه:إسناده تالف، آفته محمد بن الفضل -وهو ابن عطیة العبدی -فقد کذبوه .

حدثنا ابن فضیل ، عن حصین ، عن هلال بن یساف ، قال :کان یقال :من الوضوء إسراف ، ولو کنت علی شاطء نهر(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۷۲۳، باب من کان یکره الإسراف فی الوضوء )

حدثنا یزید ، قال :أخبرنا العوام ، عمن أخبره عن أبی الدرداء ، قال :اقصد فی الوضوء، ولو کنت علی شاطیء نهر(ایضاً، رقم الحدیث ۷۳۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ ایک حدیث میں جو یہ مضمون آیا ہے کہ وضو کا ایک شیطان ہے اسے ”وَلَھَــــــانُ“ کہا جاتا ہے، لہٰذا تم پانی کے بارے میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے بچو۔

تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ وضو کے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ، یا دو دو مرتبہ دھونے پر اکتفاء کرنا جائز ہے، اور تین تین مرتبہ دھونا سنت ومستحب ہے، اور تین مرتبہ سے زیادہ دھونا مکروہ اور بُرا ہے، بشرطیکہ وہ پانی اپنی ملکیت والا یا مباح ہو، جیسا کہ عام دریا کا پانی، اور تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کو سنت اور زیادہ ثواب کا باعث بھی نہ سمجھا جائے۔

اور اگر تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کو سنت یا زیادہ ثواب کا باعث سمجھا جائے، تو پھر بدعت اور گناہ ہے۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا أبو الأحوص ، عن أبى حمزة ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، قال :قال عبد الله : الماء على أثر الماء يجزء ، وليس بعد الثلاث شىء(ایضاً، رقم الحديث ٧٣٦)

عن العوام بن حوشب، عمن حدثه قال :قال أبو الدرداء :اقتصد فى الوضوء،وإن كنت على شاطء نهر(الطهور للقاسم بن سلام، رقم الحديث ١٢٠)

أخبرنا دعلج، أنبا ابن زيد الصائغ، ثنا سعيد، ثنا إسماعيل بن عياش، عن يحيى بن أبى عمرو السيبانى، عن أبى سلام، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :قد يكون فى الوضوء إسراف، وفى كل شىء إسراف(امالی ابنِ بشران، رقم الحديث ١٥٦)

[1] عن أبى بن كعب، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال " :إن للوضوء شيطانا، يقال له :الولهان، فاتقوا وسواس الماء "، وفى الباب عن عبد الله بن عمرو، وعبد الله بن مغفل، حديث أبى بن كعب حديث غريب، وليس إسناده بالقوى والصحيح عند أهل الحديث، لأنا لا نعلم أحدا أسنده غير خارجة، وقد روى هذا الحديث من غير وجه، عن الحسن قوله :ولا يصح فى هذا الباب عن النبى صلى الله عليه وسلم شىء وخارجة ليس بالقوى عند أصحابنا، وضعفه ابن المبارك (ترمذی، رقم الحديث ٥٧)

حديث :ان للوضوء شيطانا يقال له :الولهان ، فاتقوه .رواه خارجة بن مصعب :عن يونس بن عبيد ، عن الحسن ، عن عتى السعدى ، عن أبى بن كعب .وخارجة متروك الحديث ، ولم يروه عن يونس غيره (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسى، تحت رقم الحديث ١٩٩٣)

اور اگر وہ پانی وقف شُدہ ہو، جیسا کہ مدارس ومساجد کا پانی ہوتا ہے، تو پھر اس صورت میں تین مرتبہ سے زیادہ وضو کے اعضاء کو دھونا گناہ ہے۔

اور اسی طرح ضرورت سے زائد پانی کا استعمال کرنا بھی بُرا ہے۔ [1]

## اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھونے کے بعد شک کا اعتبار نہیں

وضو کے اعضاء کو تین مرتبہ تک دھونے کا تو سنت سے ثبوت ملتا ہے، اس سے زیادہ مرتبہ دھونے کا ثبوت نہیں ملتا، اس لئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ وضو کے اعضاء کو تین مرتبہ

---

[1] صرح الحنفية والشافعية والحنابلة :أن تكرار غسل الأعضاء إلى ثلاث مسنون .جاء فى المغنى أن الوضوء مرة أو مرتين يجزء، والثلاث أفضل والمشهور فى مذهب مالك أن الغسلة الثانية والثالثة فضيلتان وعلى ذلك فغسل الأعضاء ثلاث مرات لا يعتبر إسرافا، بل هو سنة أو مندوب .أما الزيادة على الثلاث الموعبة فمكروه عند الجمهور :الحنفية والشافعية والحنابلة، وهو الراجح فى مذهب المالكية، لأنها من السرف فى الماء ، والقول الثانى للمالكية أنها تمنع.
والكراهة فيما إذا كان الماء مملوكا أو مباحا، أما الماء الموقوف على من يتطهر به -ومنه ماء المدارس -فإن الزيادة فيه على الثلاث حرام عند الجميع، لكونها غير مأذون بها، لأنه إنما يوقف ويساق لمن يتوضأ الوضوء الشرعى، ولم يقصد إباحتها لغير ذلك..
واستدلوا على كراهة الزيادة على الثلاث بحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلا أتاه صلى الله عليه وسلم فقال :يا رسول الله كيف الطهور؟ فدعا بماء فى إناء فغسل كفيه ثلاثا، ثم غسل وجهه ثلاثا، ثم غسل ذراعيه ثلاثا، ثم مسح برأسه، وأدخل أصبعيه السباحتين فى أذنيه، ومسح بإبهاميه على ظاهر أذنيه، وبالسباحتى ن باطن أذنيه، ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا، ثم قال : هكذا الوضوء ، فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم أو ظلم وأساء .
وقد ذكر بعض الفقهاء أن الوعيد فى الحديث لمن زاد أو نقص مع عدم اعتقاد الثلاث سنة، أما إذا زاد -مع اعتقاد سنية الثلاث -لطمأنينة القلب عند الشك، أو بنية وضوء آخر فلا بأس به، فإن الوضوء على الوضوء نور على نور، وقد أمر بترك ما يريبه إلى ما لا يريبه، ولهذا جاء فى ابن عابدين نقلا عن البدائع :إذا زاد أو نقص، واعتقد أن الثلاث سنة، لا يلحقه الوعيد .ثم بين أن المنفى فى هذه الحالة إنما هو الكراهة التحريمية، فتبقى الكراهة التنزيهية.
وقيد الشافعية، وبعض الحنفية، أفضلية الوضوء على الوضوء بألا يكون فى مجلس واحد، أو كان قد صلى بالضوء الأول صلاة، وإلا يكره التكرار ويعتبر إسرافا، وقال القليوبى :الوجه الحرمة .أما لو كرره ثالثا أو رابعا بغير أن تتخللہ صلاة فيعتبر إسرافا محضا عند الجميع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۱۷۸، ۱۷۹، مادة "اسراف")

www.idaraghufran.org

دھونے کے بعد شک اور وسوسہ کا اعتبار نہیں۔ [1]

بعض لوگوں کو وسوسوں کی وجہ سے تین مرتبہ وضو کے اعضاء دھونے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا، اور وہ کئی کئی مرتبہ وضو کے اعضاء کو دھوتے ہیں۔

ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اعضاء کو دھونے پر خود بھی اکتفا فرمایا اور اس سے زیادہ کو پسند نہیں فرمایا، البتہ اس سے کم یعنی ایک یا دو مرتبہ پر بھی بعض اوقات اکتفاء فرمایا، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ وافضل، تقویٰ ونورانیت اور احتیاط والا وضو اور کس کا ہوسکتا ہے؟

لہٰذا شیطان جو تقویٰ اور احتیاط کو بہانہ بنا کر تین مرتبہ سے زیادہ دھلوانے کی دعوت دے رہا ہے، اس میں کیسے تقویٰ اور احتیاط ہوسکتی ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نبی ﷺ اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے میں تقویٰ اور احتیاط ہوا کرتی ہے، نہ کہ شریعت اور دین کے طریقہ کے علاوہ میں، پھر اگر وہ طریقہ شیطان کا بتلایا ہوا ہو تو اس میں کیسے خیر ہوسکتی ہے؟

اور اگر اتنا ہی تقویٰ واحتیاط کرنی ہے تو پھر اپنے ان کاموں پر غور کرنا چاہئے جو بالکل شریعت کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً غیبت، بدزبانی وغیرہ، کیا ان سے بچنا تقویٰ میں داخل نہیں اور سارا تقویٰ یہاں وضو کے معاملہ میں سنت کے خلاف کرنے اور زندگی کا قیمتی وقت اور پانی کو ضائع کرنے میں ہی نظر آتا ہے۔

کچھ تو سمجھ سے کام لینا چاہئے اور اپنے وسوسوں کو حقیقت وشریعت کے سامنے رکھ کر غور کرنا چاہئے۔

---

[1] الشک بعد التثلیث لا وجه له، وإن وقع بعده فلا نهایة له وهو الوسوسة، ولهذا أخذ ابن المبارک بظاهره فقال :لا آمن إذا زاد علی الثلاث أن یأثم .وقال أحمد وإسحاق :لا یزید علیها إلا مبتلی أی بالجنون لمظنة أنه بالزیادة یحتاط لدینه .قال ابن حجر :ولقد شاهدنا من الموسوسین من یغسل یده فوق المئین، وهو مع ذلک یعتقد أن حدثه هو الیقین(مرقاة المفاتیح، ج۲، ص۶۱۴، کتاب الطهارة، باب سنن الوضوء)

www.idaraghufran.org

# کسی عضو کو دھونے، نہ دھونے میں شک کا حکم

اگر وضو کے کسی عضو کو دھونے، نہ دھونے میں شک ہوا، کہ مثلاً فلاں عضو دھویا ہے یا نہیں دھویا، چمڑے کے موزوں پر مسح کیا یا نہیں کیا؟ تو اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ شک ہوا، تو اس کا اعتبار نہیں، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے وضو کے دوران اس عضو کو دھولیا تھا، اور مکمل وضو کرلیا تھا۔

اور اگر وضو کرنے کے دوران اس طرح کا شک ہوا، تو اگر اس طرح کا شک اتفاق سے ہوا، تو اس عضو کو دھونے کا حکم ہوگا، اور اگر اس طرح کا شک کثرت سے پیش آتا ہے، تو پھر اس شک کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اس کو وسوسہ اور وہم قرار دیا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اس عضو کو دھولیا ہے۔ [1]

---

[1] وكذلك الوضوء إذا قام عنه عن تمام في نفسه ثم عرض له شك في مسح الرأس وغيره لم يلتفت إلى شيء من ذلك (الاصل للشيباني، ج٣، ص١٦٣، كتاب الاستحسان)

قال (ومن شك في بعض وضوئه، وهو أول ما شك غسل الموضع الذي شك فيه) لأن غسله لا يريبه، ولأنه على يقين من الحدث في ذلك الموضع، وفي شك من غسله.

ولم يرد بهذا اللفظ أنه لم يصبه قط مثل هذا إنما مراده أن الشك في مثله لم يصر عادة له حتى قال بعد ذلك فإن كان يعرض له ذلك كثيرا لم يلتفت إليه؛ لأنه من الوساوس، والسبيل في الوساوس قطعها، وترك الالتفات إليها؛ لأنه لو اشتغل بها لم يتفرغ لأداء الصلاة فكلما قام إليها يبتلى بمثل هذا الشك (المبسوط للسرخسي، ج١، ص٨٦، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل)

(نوع في الشك) شك في خلال الوضوء في غسل بعض أعضائه وذلك أول ما عرض غسل ذلك الموضع وإن كان يعرض كثيراً لم يلتفت كما إذا عرض بعد الوضوء في غسل بعض أعضائه (الفتاوىٰ البزازية، ج١، ص٦، كتاب الطهارة)

( ومن شك في خلاف الوضوء في غسل بعض أعضائه ) هل غسله أم لا فعدم غسله كان متيقنا فلا يزول بالشك ( فعليه غسل ما شك ) فيه ( وإن شك ) في ذلك ( بعد تمام الوضوء فلا يلتفت) إلى الشك ولا يلزمه غسل ما شك فيه ( ما لم يتيقن ) بعدم غسله لأن التمام قرينة ترجح غسله (منية المصلي، ج١، ص٨٤، كتاب الطهارة)

ولو شك في بعض وضوئه، وهو أول ما شك غسل الموضع الذي شك فيه، لأنه على يقين من الحدث في ذلك الموضع، وفي شك من غسله.والمراد من قوله أول ما شك أن الشك في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بعض لوگوں کو وضو کرنے کے دوران مختلف اعضاء کو دھوتے وقت کثرت سے یہ وسوسے آتے ہیں کہ فلاں عضو دھونے سے رہ گیا ہے، یا ابھی اس عضو کو پوری طرح نہیں دھویا جا سکا، اس کے نتیجہ میں یہ لوگ بے تحاشا پانی بہاتے ہیں اور بار بار اعضاء کو دھوتے ہیں، اور جب اگلے عضو پر پہنچتے ہیں تو پھر اس سے پہلے عضو کے بارے میں وسوسہ آنے لگتا ہے کہ شاید وہ دھلنے سے رہ گیا ہے، اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے، اس صورت میں وقت اور پانی کی بربادی کے علاوہ غیر معمولی پریشانی اور دقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات اس ادھیڑ بن میں لگ کر جماعت کی نماز جاتی رہتی ہے، یا قضا ہو جاتی ہے، یا پھر مکروہ وقت میں داخل ہو جاتی ہے اور جب بار بار ایسا کرتے رہنے سے معاملہ کچھ آگے بڑھ جاتا اور شدت اختیار کر لیتا ہے تو پھر صحت بھی متأثر ہونی شروع ہو جاتی ہے، جو کہ شریعت کے خلاف طرزِ عمل ہے۔

بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ وضو کے لئے وسوسوں کی خاطر بہت سا پانی بہانے میں چار مکروہ باتیں جمع ہو جاتی ہیں، پہلی پانی کا بے جا ضیاع، دوسری وقت کی بربادی، جس کی قیمت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، تیسری شریعت پر زیادتی واضافہ کرنا، کیونکہ شریعت نے تھوڑے پانی کے استعمال پر اکتفا کرنے کی تعلیم دی تھی، مگر اس نے اس پر قناعت نہ کی اور اس کو کافی نہیں سمجھا، اور چوتھی شریعت نے وضو میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کو سنت اور اس سے زیادہ کو غیر سنت فرمایا تھا، اور یہ وسوسوں کی وجہ سے اس سنت پر اطمینان نہ کر سکا، جس کی وجہ سے یا تو نماز کا افضل وقت فوت ہو جاتا ہے یا جماعت نکل جاتی ہے، یا قضاء ہی ہو جاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مثله لم يصر عادة له؛ لا أنه لم يبتل به قط، وإن كان يعرض له ذلك كثيرا لم يلتفت إليه، لأن ذلك وسوسة، والسبيل فى الوسوسة قطعها؛ لأنه لو اشتغل بذلك لأدى إلى أن يتفرع لأداء الصلاة، وهذا لا يجوز (بدائع الصنائع، ج ١، ص ٣٣، كتاب الطهارة، فصل بيان ما ينقض الوضوء)

[1] ومنهم من يلبس عليه بكثرة استعمال الماء وذلك يجمع أربعة أشياء مكروهة الإسراف فى الماء وتضييع العمر القيم فيما ليس بواجب ولا مندوب والتعاطى على الشريعة إذا لم يقنع بما قنعت به من استعمال الماء القليل والدخول فيما نهت عنه من الزيادة على الثلاث وربما أطال الوضوء ففات وقت الصلاة أو فات أوله وهو الفضيلة أو فاتته الجماعة(تلبيس ابليس، ص ١٢٢، الباب الثامن، ذكر تلبيسه عليهم فى الوضوء)

www.idaraghufran.org

لہٰذا وضو سے متعلق اس طرح کے آنے والے وسوسوں کی طرف توجہ نہ کی جائے اور وضو کے دوران وضو کے عمل کی طرف اپنی توجہ اور دھیان رکھا جائے اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق وضو کیا جائے، اور بس۔

اس کے بعد اگر شیطان وسوسہ ڈالے اور کہے کہ وضو نہیں ہوا، فلاں کمی رہ گئی تو اس کی بات نہ مانی جائے اور اپنے عمل میں آگے بڑھا جائے، اس طرح کرتے رہنے سے شیطان اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو پاتا، اور مؤمن بندہ تنگی و پریشانی اور گناہ سے محفوظ ہو کر اپنی عبادت کی انجام دہی میں کامیاب قرار پاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

’’اکثر لوگ خطوط میں وساوس (یعنی وسوسوں) کی شکایت لکھتے ہیں، میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ اختیار سے آتے ہیں یا بدون (یعنی بغیر) اختیار اور اُن کو بُرا سمجھتے ہو یا اچھا؟

وہ لکھتے ہیں بدون (یعنی بغیر) اختیار کے آتے ہیں اور ہم ان کو بُرا سمجھتے ہیں، میں لکھ دیتا ہوں کہ بس بے فکر رہو۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کے بعد یہ وسوسہ ہوا کہ تُو (چمڑوں کے) موزوں کا مسح کرنا بھول گیا، حضرت نے دوبارہ مسح کرلیا، اگلے وقت پھر وہی وسوسہ (ہوا) اب ایک بلا پیچھے لگ گئی، اس پر حضرت فرماتے تھے کہ ایک بار عین مصلے پر (نماز پڑھتے ہوئے) وہی وسوسہ ہوا، خیال ہوا کہ یقیناً یہ شیطانی وسوسہ ہے، آج اس پر عمل نہ کرنا چاہئے، شیطان سے مکالمہ (اور بحث ومباحثہ) شروع ہو گیا۔

وہ کہتا ہے کہ مسح نہیں ہوا کرلو، مولانا فرماتے ہیں کہ:

’’نہیں ہوا نہ سہی‘‘

(شیطان) کہتا ہے کہ ’’جب مسح نہیں ہوا تو وضو نہ ہوا‘‘

مولانا کہتے ہیں وضو نہ ہوا نہ سہی۔

کہتا ہے کہ جب وضو نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی، مولانا کہتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی نہ سہی۔

کہتا ہے کہ گنہگار رہو گے۔

مولانا کہتے ہیں کہ میں آپ کی خیر خواہی سے باز آیا، جہاں اور بہت سے گناہ ہوتے ہیں ایک یہ بھی سہی۔

بس تر کی (بحث) ختم پھر (اس کے بعد) کبھی وہ وسوسہ نہ آیا، تو ایسی صورت میں یہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ رکعت کی تعداد میں نماز پڑھتے ہوئے (شیطان وسوسہ ڈال کر) گڑبڑ کر دیتا ہے، اُس کی طرف التفات (وتوجہ) نہ کرنا چاہئے، ورنہ ہمیشہ کے لئے ایک مرض لگ جائے گا ................. اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم کا قصہ بیان فرمایا کہ اس کو اس قدر وہم تھا کہ غسل خانہ میں پاجامہ اتار کر استنجا پاک کیا کرتا تھا، حضرت اس سے مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ

سگ بہ دریائے ہفتگانہ بشوئے چوں کہ تر شد پلید تر باشد

(یعنی کتے کو تو سات سمندروں میں بھی نہلا دے تو وہ جتنا بھی تر ہوگا اتنا زیادہ پلید ہوگا)

(الافاضات الیومیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ و ۳۱۲)

## وضو کے لئے بیٹھنے، مگر وضو کرنے میں شک کا حکم

اگر کوئی شخص یہ تو جانتا ہے کہ وہ وضو کرنے کے لئے بیٹھا تھا، اور اس کے پاس وضو کا پانی بھی تھا، لیکن اسے یہ شک ہو گیا کہ اس نے وضو کیا تھا یا نہیں کیا تھا، اور وہ وضو کیے بغیر اُٹھ گیا تھا؟ تو ایسی صورت میں اس کا وضو کرنا قرار دیا جائے گا، اور اس کو دوبارہ وضو کرنے کا حکم نہیں دیا

جائے گا، تا آنکہ یہ وضو نہ ٹوٹ جائے۔ [1]

## وضو ہونے نہ ہونے میں شک کا حکم

اگر کسی کو اپنا وضو ہونے نہ ہونے میں شک ہو، تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وضو کرنے کا تو یقین ہے، لیکن وضو کرنے کے بعد وضو ٹوٹنے میں شک ہے، تو اس کو باوضو قرار دیا جائے گا۔

اور اگر اس کے برعکس اس کو وضو ٹوٹنے کا تو یقین ہے، لیکن اس کے بعد وضو کرنے میں شک ہے، تو اس صورت میں اس کو بے وضو قرار دیا جائے گا۔

کیونکہ یقین کا درجہ شک سے زیادہ اور مضبوط ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] وكذلك المحدث إذا علم أنه جلس للوضوء، ومعه الماء، وشك فى أنه توضأ، أو قام قبل أن يتوضأ، فلا وضوء عليه لأن الظاهر أنه لا يقوم ما لم يتوضأ (بدائع الصنائع، ج ا، ص ۳۳، كتاب الطهارة، فصل بيان ما ينقض الوضوء)

لو جلس للوضوء ومعه ماء ثم قام وشك أنه قام قبل التوضى أوبعده لا يتوضأ لأن أخذ الماء والجلوس دليل الوضوء غالباً (الفتاوىٰ البزازية، ج ا، ص ٦، كتاب الطهارة)

وكذا من علم أنه قعد للوضوء وشك هل توضأ أم لا فهو هلة وضوء (منية المصلى، ج ا، ص ۸۴، كتاب الطهارة)

[2] والشاك فى الحدث على وضوئه وفى الوضوء على حدثه (الفتاوىٰ البزازية، ج ا، ص ٦، كتاب الطهارة)

الشك فى الطهارة: أجمع الفقهاء على أن من تيقن الحدث وشك فى الطهارة يجب عليه الوضوء، وإعادة الصلاة إن صلى لأن الذمة مشغولة فلا تبرأ إلا بيقين، فإن تيقن الطهارة وشك فى الحدث فلا وضوء عليه عند جمهور الفقهاء لأن الوضوء لا ينقض بالشك عندهم لحديث عبد الله بن زيد قال: شكى إلى النبى صلى الله عليه وسلم الرجل يخيل إليه أنه يجد الشىء فى الصلاة؟ فقال -صلى الله عليه وسلم :- لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا

وقال المالكية -فى المشهور من المذهب :- من تيقن الطهارة ثم شك فى الحدث فعليه الوضوء وجوبا -وقيل: استحبابا- لما تقرر من أن الشك فى أحد المتقابلين يوجب الشك فى الآخر، إلا أن يكون مستنكحا، وعلى هذا يحمل الحديث.

وذكر الفقهاء فى هذا الباب أيضا أن من تيقن الطهارة والحدث معا وشك فى السابق منهما فعليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# وضو کے دوران گھنی ڈاڑھی کو دھونے میں غلو

جن لوگوں کی ڈاڑھی گھنی نہیں ہوتی، بلکہ ہلکی وخفیف ہوتی ہے، اور ڈاڑھی کے نیچے چہرہ کی کھال نظر آ رہی ہوتی ہے، ان کو تو وضو کے دوران چہرہ کی کھال تک پانی پہنچانا دشوار نہیں ہوتا، لیکن اگر گھنی ڈاڑھی ہو، تو پھر نیچے کھال تک پانی پہنچانا دشوار ہوتا ہے۔

بعض لوگ جن کی ڈاڑھی گھنی ہوتی ہے، وہ وضو کے دوران ڈاڑھی کے پورے بال دھونے اور بالوں کی جڑوں اور کھال تک پانی پہنچانے میں بڑا غلو کرتے ہیں، اور وسوسوں کی وجہ سے اس میں کافی وقت اور پانی خرچ کرتے ہیں۔

اور اسی طرح ٹھوڑی کے نیچے گردن تک تمام بالوں کے دھونے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اگر کسی کی ڈاڑھی اس قدر گھنی ہو کہ دیکھنے والے مخاطب کو اس کے نیچے کی کھال نظر نہ آتی ہو تو بالوں کے نیچے چھپی ہوئی چہرے کی کھال کو دھونا اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن يعمل بضد ما قبلهما :فإن كان قبل ذلك محدثا فهو الآن متطهر؛ لأنه تيقن الطهارة بعد ذلك الحدث وشك في انتقاضها، حيث لا يدرى هل الحدث الثانى قبلها أو بعدها؟ ، وإن كان متطهرا وكان يعتاد التجديد فهو الآن محدث لأنه متيقن حدثا بعد تلك الطهارة وشك فى زواله حيث لا يدرى هل الطهارة الثانية متأخرة عنه أم لا؟ .

قال ابن عبد البر :مذهب الثورى وأبى حنيفة وأصحابه والأوزاعى والشافعي ومن سلك سبيله البناء على الأصل حدثا كان أو طهارة، وهو قول أحمد بن حنبل، وإسحاق وأبى ثور والطبرى، وقال مالك :إن عرض له ذلك كثيرا فهو على وضوئه، وأجمع العلماء أن من أيقن بالحدث وشك فى الوضوء فإن شكه لا يفيد فائدة وأن عليه الوضوء فرضا وهذا يدل على أن الشك عندهم ملغى، وأن العمل عندهم على اليقين، وهذا أصل كبير فى الفقه فتدبره وقف عليه .

ومن هذا القبيل ما جاء عن الفقهاء من أن المرأة إذا رأت دم الحيض ولم تدر وقت حصوله فإن حكمها حكم من رأى منيا فى ثوبه ولم يعلم وقت حصوله، أى عليها أن تغتسل وتعيد الصلاة من آخر نومة، وهذا أقل الأقوال تعقيدا وأكثرها وضوحا .وضابطه ما قاله ابن قدامة من أن حكم الحيض المشكوك فيه كحكم الحيض المتيقن فى ترك العبادات والمراد بالشك -فى هذا الموضع - مطلق التردد -كما سبق فى مفهومه عند الفقهاء سواء أكان على السواء أم كان أحد طرفيه أرجح(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ص ۱۹۲،۱۹۳، مادة "شك" )

www.idaraghufran.org

ضروری نہیں ہے، بلکہ بالوں کو اوپر کی سطح سے دھو لینا ہی نیچے کی کھال اور اس کے ساتھ ملی ہوئی بالوں کی جڑوں کے دھونے کے قائم مقام ہے۔

اور یہ حکم ان بالوں کا ہے جو چہرے کی حد کے اندر ہوں، اور جو چہرے کی حد سے باہر مثلاً ٹھوڑی سے نیچے گلے کی طرف ہوں، ان کا دھونا ضروری نہیں، کیونکہ وہ چہرے کی حد سے باہر ہیں۔ [1]

---

[1] غسل اللحية في الوضوء :تتفق المذاهب الأربعة على أنه يجب في الوضوء غسل بشرة الوجه من شعر اللحية إن كان خفيفا تظهر البشرة من تحته، فيغسل البشرة ويغسل اللحية ظاهرا وباطنا، والمراد بظهور البشرة ظهورها في مجلس المخاطبة، ووجه الوجوب أن الله تعالى فرض في الوضوء غسل الوجه، والوجه من المواجهة، والمواجهة تحصل في اللحية ذات الشعر الخفيف ببشرة الوجه وبالشعر الذي عليها.

وهذا الاتفاق إنما هو فيما كان من الشعر في حيز دائرة الوجه، دون المسترسل من اللحية تحت الذقن طولا، ودون الخارج عن حد الوجه عرضا، فإن في هذا خلافا يأتي بيانه .

أما اللحية الكثيفة فتتفق الأقوال المعتمدة في المذاهب الأربعة على أنه لا يجب في الوضوء غسل باطنها ولا إيصال الماء إلى البشرة ومنابت الشعر، لعدم حصول المواجهة به لأنه لا يرى في مجلس المخاطبة، فلا يكون من الوجه المأمور بغسله، وفي نيل المآرب :لو اجتزأ بغسل باطنها عن غسل ظاهرها لم يجزئه، ولأن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ غرفة من ماء فغسل بها وجهه قالوا: والغرفة لا تكفي لغسل الوجه وظاهر اللحية الكثيفة وباطنها، وفي هذه الحال ينتقل حكم ما تحت اللحية إليها عند الجمهور، فيجب غسل ظاهر ما في حد الوجه منها.

ولا يسن غسل باطن اللحية الكثيفة على ما صرح به الحنفية والحنابلة لما فيه من العسر، على ما قال ابن قدامة من الحنابلة، ورجح صاحب الإنصاف من الحنابلة أن غسل باطنها مكروه وتبعه صاحب الإقناع.

وفي رواية عن أبي حنيفة ورواية عن أحمد :لا يغسل اللحية الكثيفة في الوضوء ولا يغسل ما تحتها أيضا، لأن الله تعالى إنما أمر بغسل الوجه، والوجه اسم للبشرة التي تحصل بها المواجهة، والشعر ليس ببشرة، وما تحته من البشرة لا تحصل به المواجهة.

وقد نقل ابن عابدين أن الرواية الأولى هي المذهب الصحيح المفتى به، وما عداها مرجوع عنه، كما أن ابن قدامة ضعف رواية عدم الغسل عن أحمد وأولها .ونقل ابن قدامة عن عطاء وأبي ثور أنه يجب غسل البشرة وباطن اللحية الكثيفة -كغير الكثيفة -في الوضوء كما في الغسل، لأن الله تعالى أمر بغسل الوجه، وهو حقيقة في البشرة، وتدخل اللحية تبعا، ونقل القرافي قولا مثل هذا للمالكية .قال :لأن الخطاب متناول له بالأصالة، ولغيره بالرخصة، والأصل عدمها.

وعلى القول الأول، وهو قول الأكثرين، يكون غسل ظاهر اللحية -على ما نص عليه الحنفية على الأصح عندهم -بإمرار الماء على ظاهرها، وقال المالكية :المراد بغسل ظاهرها إمرار اليد عليها بالماء وتحريكها به لأن الشعر يدفع بعضه عن بعض، فإذا حركه حصل الاستيعاب، قالوا :وهذا التحريك خلاف التخليل(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٣٥،ص ٢٢٨ ،مادة" لحية ")

ڈاڑھی کے جو بال چہرہ کی حد سے باہر اُگے ہوئے ہوں (مثلاً ٹھوڑی کے نیچے حلق کی طرف، اور چہرے کی چوڑائی کی طرف سے کانوں کی حد سے پیچھے اوپر سر کی طرف کے بال ڈاڑھی کے بال شمار نہ ہوں گے، بلکہ سر کے بال شمار ہوں گے) تو حنفیہ کے نزدیک وضو کے دوران نہ تو ان بالوں کا دھونا فرض ہے، اور نہ ان کا مسح کرنا فرض ہے، اور نہ ہی ان کا خلال کرنا فرض ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ وضو کے دوران آنے والے وسوسوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا چاہئے، اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق وضو کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے، اور وسوسوں کی خاطر غیر ضروری پانی بہانے، وقت خرچ کرنے اور اپنے آپ کو پریشانی اور کُڑھن میں مبتلا کرنے سے بچنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ما استرسل من اللحية أو خرج عن حد الوجه:

اختلف الفقهاء فی غسل ما خرج عن حد الفرض من اللحية فی الوضوء فذهب الحنفية والمالكية فی قول والشافعية فی قول، وهو رواية عن أحمد، إلى أنه لا يجب غسله ولا مسحه ولا تخليله، لأنه ليس من الوجه، لأنه شعر خارج عن محل الفرض، فأشبه ما نزل من شعر الرأس عن الرأس، لا يجب مسحه مع مسح الرأس.

ثم قد قال الحنفية :إن غسل هذا الشعر المسترسل من اللحية مسنون.

وذهب المالكية فی قول ذكره القرافی والشافعية فی المعتمد، وهو ظاهر مذهب أحمد الذی عليه أصحابه، إلى وجوب غسل ظاهر اللحية الكثيفة كلها مما هو نابت فی محل الفرض سواء حاذى محل الفرض أو جاوزه، قال الشافعية :وإنما يجب غسل ما جاوز محل الفرض بالتبع، وقال الحنابلة :لأن اللحية تشارك الوجه فی معنى التوجه والمواجهة، بخلاف ما نزل من شعر الرأس عنه، فإنه لا يشارك الرأس فی الترؤس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص ۲۲۹، مادة" لحية")

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۱۳)

# غسل کرنے سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگ وضو کے علاوہ غسل کے معاملہ میں بھی وساوس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں، اور اس طرح کے وسوسوں کی خاطر بہت سا پانی بلکہ بعض تو پانی کی پوری ٹنکیاں بہا دیتے ہیں، اوراس کے باوجود بھی تسلی نہیں ہوتی، جب ٹنکی خالی ہوجاتی ہے تو غسل خانے سے ہی بجلی کا موٹر چلوا کر دوبارہ ٹنکی بھروا کر پھر غسل کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

بعض لوگوں کو ایک مرتبہ غسل سے تسلی نہیں ہوتی، تو وہ دوبارہ اور سہ بارہ غسل کرتے ہیں۔

یہ سب وہم کی باتیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں پر چلتے رہنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ غسل کا معاملہ بھی وضو کی طرح ہے کہ جس طرح وضو کے اعضاء کو ایک ایک یا دو دو مرتبہ دھونا جائز اور تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اسی طرح غسل میں بھی پورے جسم کو ایک یا دو مرتبہ دھونا جائز ہے، اور تین مرتبہ دھونا یعنی تین مرتبہ جسم پر پانی بہانا سنت ہے۔

کیونکہ نماز کے لئے وضو فرض ہے، اور غسل بھی زیادہ سے زیادہ بعض صورتوں میں فرض ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل میں پانی کی کم مقدار کا استعمال کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوجعفر سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِی جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَتَانِی ابْنُ عَمِّکَ یُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِیَّةِ. قَالَ: کَیْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟ فَقُلْتُ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَکُفٍّ وَیُفِیضُهَا عَلٰی رَأْسِهٖ،

ثُمَّ يُفِيضُ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ فَقَالَ لِي الْحَسَنُ إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ، فَقُلْتُ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا

(بخاری) [۱]

ترجمہ: مجھ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس آپ کے چچا زاد بھائی، حسن بن محمد بن حنفیہ کا سوال لے کر آئے کہ جنابت کا غسل کس طرح ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین چلو لیا کرتے تھے، اور انہیں اپنے سر پر بہا لیا کرتے تھے، اور پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہا لیتے تھے، تو مجھے حسن (بن محمد بن حنفیہ) نے کہا کہ میں ایسا آدمی ہوں کہ جس کے بال زیادہ ہیں، میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے زیادہ بالوں والے تھے (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ، فَأَخَذَ بِكَفِّهٖ، فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسَطِ رَأْسِهٖ (بخاری) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے تھے، تو کوئی چیز (گھڑا پتیلا وغیرہ) اونٹنی کا دودھ نکالے جانے والے برتن کی طرح کا منگاتے تھے، پھر اپنے ہاتھ سے پانی لیتے تھے، پھر ابتداء میں اپنے سر کے دائیں طرف پانی ڈالتے تھے، پھر بائیں طرف ڈالتے تھے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کے درمیان میں پانی ڈالتے تھے (بخاری)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ

---

[۱] رقم الحديث ٢٥٦، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثا.

[۲] رقم الحديث ٢٥٨، كتاب الغسل، باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل.

Idara Ghufran

فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ . ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ . ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَ هٗ لِلصَّلَاةِ . ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهٗ فِيْ أُصُوْلِ الشَّعْرِ . حَتّٰى إِذَا رَأٰى أَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ حَفَنَ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ . ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ (مسلم) ؎۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو ابتداء میں اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ کو دھوتے تھے، پھر نماز والے وضو کی طرح وضو فرماتے تھے، پھر پانی لے کر اپنی انگلیوں کو بالوں کی جڑوں میں ڈالتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ دیکھتے کہ بال تر ہو گئے ہیں، تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے تھے، پھر اپنے پورے جسم پر پانی ڈالتے پھر اپنے دونوں پاؤں دھوتے (مسلم)

اس طرح کی حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ ؎۲

مذکورہ احادیث سے غسل کا مسنون اور آسان و مختصر طریقہ معلوم ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ، أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ، بِالصَّاعِ إِلٰى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ (بخاری) ؎۳

---

؎۱ رقم الحديث ۶ ۳۱ "۳۵" كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة.

؎۲ عن ابن عباس، قال :حدثتنى خالتى ميمونة، قالت : أدنيت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غسله من الجنابة، فغسل كفيه مرتين أو ثلاثا، ثم أدخل يده فى الإناء ، ثم أفرغ به على فرجه، وغسله بشماله، ثم ضرب بشماله الأرض، فدلكها دلكا شديدا، ثم توضأ وضوء ه للصلاة، ثم أفرغ على رأسه ثلاث حفنات ملء كفه، ثم غسل سائر جسده، ثم تنحى عن مقامه ذلک، فغسل رجليه، ثم أتيته بالمنديل فرده (مسلم، رقم الحديث ۷ ۳۱ "۳۷")

؎۳ رقم الحديث ۲۰۱ ، كتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُدوں تک (کی مقدار میں پانی) سے غسل کیا کرتے تھے، اور ایک مُد (کی مقدار میں پانی) سے وضو کیا کرتے تھے (بخاری)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۱؎

اور بعض روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صاع سے کچھ زیادہ مقدار پانی سے غسل کرنا ثابت ہے۔ ۲؎

مُد اور صاع عرب میں اُس زمانے میں ناپنے کے پیمانے تھے، ایک صاع میں چار مُد ہوتے تھے، تو ایک مُد صاع کا چوتھائی حصہ ہوا۔ ۳؎

---

۱؎ عن عبد الله بن عبد الله بن جبر، قال :سمعت أنسا، يقول : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل بخمس مكاكيک ويتوضأ بمكوک (مسلم، رقم الحديث ۳۲۵"۵۰")

عن سفينة -قال أبو بكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم -قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل بالصاع ويتطهر بالمد (مسلم، رقم الحديث ۳۲۶"۵۳"، باب قدر ماء الوضوء والغسل)

حدثني أبو بكر بن حفص، قال :سمعت أبا سلمة، يقول :دخلت أنا وأخو عائشة على عائشة، فسألها أخوها عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم :فدعت بإناء نحوا من صاع، فاغتسلت، وأفاضت على رأسها، وبيننا وبينها حجاب (بخارى، رقم الحديث ۲۵۱، باب الغسل بالصاع ونحوه)

عن أبي إسحاق، قال :حدثنا أبو جعفر، أنه كان عند جابر بن عبد الله هو وأبوه وعنده قوم فسألوه عن الغسل، فقال :يكفيک صاع، فقال رجل :ما يكفيني، فقال جابر :كان يكفي من هو أوفى منک شعرا، وخير منک (بخارى، رقم الحديث ۲۵۲، باب الغسل بالصاع ونحوه)

۲؎ عن عائشة رضى الله عنها قالت :كنت أغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد، وهو قدر الفرق (سنن النسائى، رقم الحديث ۲۳۱، كتاب الطهارة، باب ذكر الدلالة على أنه لا وقت فى ذلک)

۳؎ قلت: وأجمعوا على أن الصاع أربعة أمداد (شرح النقاية، ج۲، ص۱۷۲، فصل صدقة الفطر)

اور صاع کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، کہ وہ کتنے وزن کا ہوتا ہے؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**بہت سے علمائے کرام کے نزدیک ہمارے مروّجہ وزن کے لحاظ سے ایک صاع ساڑھے تین**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع، آٹھ عراقی رِطلوں کے برابر ہوتا ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ایک صاع، پانچ رِطلوں اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔

البتہ بعض حضرات نے اس اختلاف کی بناء بغدادی اور مدنی رِطلوں میں فرق ہونے کو قرار دیا ہے، اور اس کو لفظی اختلاف بتلایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والفرق، بفتح الفاء والراء ، وقال ابو زيد :بفتح الراء وسكونها، وقال النووى :الفتح أفصح، وزعم الباجي أنه الصواب، وليس كما قال، بل هما لغتان .وقال ابن الاثير :الفرق، بالتحريك :يسع ستة عشر رطلا، وهو ثلاثة أصوع .وقيل :الفرق خمسة أقساط، وكل قسط نصف صاع .وأما الفرق، بالسكون، فمائة وعشرون رطلا، وقال أبو داود :سمعت أحمد بن حنبل يقول :الفرق ستة عشر رطلا، والمكوك إناء يسع المد، معروف عندهم .وقال ابن الأثير :المكوك :المد، وقيل: الصاع، والأول أشبه، لأنه جاء في الحديث مفسرا بالمد .وقال أيضا :المكوك اسم للمكيال، ويختلف مقداره باختلاف اصطلاح الناس عليه في البلاد، ويجمع على مكاكي بإبدال الياء بالكاف الاخيرة، ويجيء أيضا على مكاكيك.

الحكم الثاني :أنه صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد، وهو رطلان عند أبي حنيفة .وعند الشافعي :رطل وثلث بالعراقي، وقد ذكرناه، وأما الصاع :فعند أبي يوسف خمسة أرطال وثلث رطل عراقية، وبه قال مالك والشافعي وأحمد .وقال ابو حنيفة ومحمد :الصاع ثمانية أرطال (عمدة القارى للعينى، ج۳ص ۹۶، باب الوضوء بالمد)

مطلب في تحرير الصاع والمد والرطل(قوله :وهو ثمانية أرطال) أى بالبغدادى، وهى صاع عراقى، وهو أربعة أمداد، كل مد رطلان، وبه أخذ أبو حنيفة .والصاع الحجازى خمسة أرطال وثلث، وبه أخذ الصاحبان والأئمة الثلاثة، فالمد حينئذ رطل وثلث، والرطل مائة وثلاثون درهما وقيل مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم وتمامه فى الحلية .قلت :والصاع العراقى نحو نصف مد دمشقى، فإذا توضأ واغتسل به فقد حصل السنة(ردالمحتار، ج ۱ ص ۱۵۸، كتاب الطهارة، سنن الغسل، مطلب فى تحرير الصاع )

مطلب في تحرير الصاع والمد والمن والرطل(قوله وهو أى الصاع إلخ) اعلم أن الصاع أربعة أمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالإستار أربعون والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف بالمثاقيل قيل أربعة ونصف كذا فى شرح درر البحار فالمد والمن سواء كل منهما ربع صاع مائة وثلاثون درهما، وفى الزيلعي والفتح :اختلف فى الصاع فقال الطرفان ثمانية أرطال بالعراقى وقال الثانى خمسة أرطال وثلث، قيل لا خلاف؛ لأن الثانى قدره برطل المدينة؛ لأنه ثلاثون إستارا والعراقى عشرون وإذا قابلت ثمانية بالعراقى بخمسة وثلث بالمدينى وجدتهما سواء وهذا هو الأشبه؛ لأن محمدا لم يذكر خلاف أبى يوسف ولو كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سیر (یعنی تین کلو اور دو سو چھیاسٹھ گرام) کا ہوتا ہے، اور بعض علماء کے نزدیک ایک صاع ساڑھے چار سیر (یعنی چار کلو دو سو گرام) کا ہوتا ہے،، اس حساب سے ایک مُد کا وزن بہت سے علماء کے نزدیک ایک سیر سے کچھ کم اور بعض کے نزدیک ایک سیر سے کچھ زیادہ ہوا۔

(اس مسئلہ کی تفصیل ہماری دوسری کتاب ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' میں صدقۂ فطر کی مقدار کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

اور محدثینِ عظام وفقہائے کرام کے نزدیک اگرچہ سب کو ایک صاع کی مقدار پانی سے غسل کرنا ضروری نہیں، بلکہ ضرورت کی وجہ سے اس سے زیادہ مقدار پانی سے بھی غسل کرنا جائز ہے، جس سے غسل کی ضرورت پوری ہوجائے۔ [1]

یعنی زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ پورے جسم پر پانی بہہ جائے، اس سے زیادہ پانی کا استعمال

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لذكره؛ لأنه أعرف بمذهبه اهـ وتمامه فی الفتح (ردالمحتار، ج٢ص ٣٦٥، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وقال أبو يوسف :خمسة أرطال وثلث، وبه قال الأئمة الثلاثة، ومنهم من رفع الخلاف بينهم فإن أبا يوسف لما حرره وجده خمسة وثلثا برطل أهل المدينة، وهو أكبر من رطل أهل بغداد؛ لأنه ثلاثون إستارا، والبغدادى عشرون وإذا قابلت ثمانية بالبغدادى بخمسة وثلث بالمدنى وجدتها سواء .

وهو الأشبه؛ لأن محمدا لم يذكر فى المسألة خلاف أبى يوسف ولو كان لذكره على المعتاد، وهو أعرف بمذهبه، ورده فى الينابيع بأن الصحيح أن الاختلاف بينهم ثابت بالحقيقة (البحر الرائق، ج٢ص ٢٧٤،كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

[1] وقال الشافعي وأحمد :ليس معنى الحديث على التوقيت أنه لا يجوز أكثر منه ولا أقل، بل هو قدر ما يكفى .وقال النووى :قال الشافعي وغيره من العلماء الجمع بين هذه الروايات :إنها كانت اغتسالات فى أحوال وجدفيها أكثر ما استعمله وأقله، فدل على أنه لا حد فى قدر ماء الطهارة يجب استيفاؤه .قلت :الإجماع قائم على ذلك، فالقلة والكثرة باعتبار الأشخاص والأحوال. فافهم(عمدة القارى للعينى، ج٣ص ٩٦، باب الوضوء بالمد)

وليس المراد أنه يغتسل بملاء الفرق، بدليل الحديث الآخر " :كنت أغتسل أنا ورسول الله من قدح يقال له الفرق "، وبدليل الحديث الآخر " :يغتسل بالصاع ."

واعلم أيضا أن العلماء أجمعوا على أن الماء الذى يجزء من الغسل والوضوء غير مقدر، بل يكفى فيه القليل والكثير إذا وجد شرط الغسل وهو جريان الماء على الأعضاء ؛ لأن الغسل هو الإسالة، فإذا لم يسل يصير مسحا وذا لا يجوز .وقال الشافعي :وقد يرفق بالقليل فيكفى،ويخرق بالكثير فلا يكفى، وقالت العلماء :المستحب أن لا ينقص فى الغسل عن صاع، ولا فى الوضوء عن مد، وقد ذكرنا الخلاف فى الصاع(شرح ابى داؤد للعينى، ج١ ص ٥٣٤، وص ٥٣٥، باب مقدار الماء الذى يجزئ به الغسل)

بلا ضرورت مکروہ ہے۔ [1]

بہت سے لوگ وہم اور وسوسوں کے تقاضے پورے کرنے کو دین بلکہ تقویٰ خیال کرتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں کو وضو، غسل وغیرہ میں بار بار بلاوجہ کا شک وشبہ اور وہم ہوتا ہے، اور وہ بار بار وضو، غسل وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے وضو، غسل وغیرہ کی حفاظت ہوتی ہے اور ہر قسم کے شک وشبہ سے وضو اور غسل پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہرگز بھی وسوسوں کے تقاضوں پر عمل کرنے سے کسی عمل کی حفاظت نہیں ہوتی بلکہ یہ اعمال اور کھٹائی میں پڑجاتے ہیں کیونکہ وسوسوں کی خاصیت یہ ہے کہ جب ان کے تقاضوں پر ایک مرتبہ عمل کیا جاتا ہے تو تقاضہ میں ترقی اور اضافہ ہوجاتا ہے اور جب تک وسوسوں کے تقاضوں پر عمل کیا جاتا رہے، ان تقاضوں میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، کبھی بھی اور کسی مرحلہ پر جاکر بھی تقاضہ کی تعداد عمل سے کم نہیں ہوتی، جتنا بھی عمل کیا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں وسوسوں کے تقاضہ کا مطالبہ زیادہ ہی رہتا ہے، اور وضو اور غسل وغیرہ کی حفاظت کے بجائے ان چیزوں کا ضیاع وجود میں آتا ہے۔

اگر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا جائے اور ان وسوسوں کی طرف بالکل توجہ نہ کی جائے اور ان کے بجائے اپنے آپ کو کام میں مشغول رکھا جائے تو ان سب پریشانیوں سے نجات حاصل ہوجائے، اور کسی طرح بھی ایمان وعمل میں نقصان وفساد پیدا نہ ہو اور نہ ہی

---

[1] ب -الإسراف فى الغسل :من سنن الغسل التشليث، بأن يفيض الماء على كل بدنه ثلاثا مستوعبا، والزائد على ذلك يعتبر إسرافا مكروها، ولا يقدر الماء الذى يجزء الغسل به، لأن الحاجة الشرعية تختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فما زاد على الكفاية أو بعد تيقن الواجب فهو سرف مكروه، وهذا القدر متفق عليه، أما ما ورد فى الحديث : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل بالصاع فهو بيان لأقل ما يمكن به أداء السنة عادة، وليس تقديرا لازما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۱۸۰، ۱۸۱، مادة "اسراف")

يسن التشليث فى الغسل عند الأئمة الثلاثة كالوضوء، فيغسل رأسه ثلاثا، ثم شقه الأيمن ثلاثا، ثم شقه الأيسر ثلاثا.

وذهب المالكية إلى أن التشليث مستحب فى الغسل، وإن لم تكف الثلاث زاد إلى الكفاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰ ص۱۴۵، مادة "تثليث")

www.idaraghufran.org

انسان کے معمولات وضروریات میں خلل پیدا ہو، اور زندگی بھی سکون وعافیت کے ساتھ گزرے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

## بیت الخلاء سے متصل وضو یا غسل خانہ میں وضو یا غسل کا حکم

آج کل شہروں میں جگہ کی تنگی یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے بیت الخلاء اور غسل خانہ اور وضو خانہ ایک ساتھ بنایا جاتا ہے، اور اس کو آج کل باتھ روم یا واش روم کا نام دیا جاتا ہے۔

اس طرح کے باتھ روم یا واش روم میں وضو یا غسل کرنے کے متعلق بعض لوگوں کو اشکال رہتا ہے، اور اس سلسلہ میں مختلف شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر پیشاب، پاخانہ والی مخصوص جگہ غسل اور وضو کی مخصوص جگہ سے بالکل الگ، جدا وممتاز ہو، اور ایک جگہ کی چھینٹیں دوسری جگہ نہ پڑتی ہوں، تب تو وضو اور غسل والی جگہ، بیت الخلاء سے الگ شمار ہوگی، اور وہاں وضو اور غسل کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، لیکن اگر پیشاب، پاخانہ والی مخصوص جگہ، وضو اور غسل کی مخصوص جگہ کے بہت قریب اور متصل ہو، تب بھی ضرورت کے وقت وہاں احتیاط کے ساتھ وضو اور غسل کرنا جائز ہے، تاہم پھر بھی پہلے احتیاطاً پیشاب وپاخانہ والی جگہ پر پانی بہا دینا مناسب ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] چنانچہ شافعیہ نے وضو یا غسل والی جگہ پیشاب کرنے کو اس وقت جائز قرار دیا ہے، جبکہ وہاں کوئی نالی وغیرہ ہو، جس میں پیشاب اور پانی چلا جاتا ہو، اور حنابلہ نے پکے فرش پر پیشاب وغیرہ کے بعد پانی بہا کر وضو اور غسل کو جائز قرار دیا ہے۔
اور یہ بات ظاہر ہے کہ آج کل کے بیت الخلاء عموماً پکے فرش کے ہوتے ہیں، جہاں سے پیشاب، پاخانہ گزر کر الگ ہو جاتا ہے۔
كره الحنفية والشافعية والحنابلة أن يبول الإنسان فى موضع يتوضأ هو أو غيره أو يغتسل فيه، لما ورد عن رجل من الصحابة أنه قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمتشط أحدنا كل يوم أو يبول فى مغتسله.ويضيف الشافعية :أن محل الكراهة إذا لم يكن ثم منفذ ينفذ فيه البول والماء .
وفى كشاف القناع للحنابلة :أن موضع الكراهة أن يكون الموضع غير مقير أو مبلط، قال :فإن بال فى المستحم المقير أو المبلط أو المجصص، ثم أرسل عليه الماء قبل اغتساله فيه -قال الإمام أحمد :إن صب عليه الماء وجرى فى البالوعة -فلا بأس، للأمن من التلويث، ومثله الوضوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵ص۱۵ ، مادة ”قضاء“ )

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۱۴)

# وضوٹوٹنے سے متعلق وسوسوں کا حکم

بہت سے لوگوں کو وضو ٹوٹنے کے متعلق مختلف قسم کے وسوسے آتے ہیں، مثلاً ریح خارج ہونے، یا پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے وغیرہ کے وسوسے، اور وہ اس طرح کے وسوسوں سے کافی پریشان ہوتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ جب وضو کرنے بیٹھتے ہیں تو وضو کے شروع سے ہی ریح خارج ہونے کا وسوسہ آنے لگتا ہے اور جب یہ وسوسہ اور خیال ترقی پکڑتا ہے تو پھر حقیقت میں ہی ریح خارج ہونے کا وہم ہونے لگتا ہے اور اس سے ان لوگوں کو وضو کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

اور بعض لوگوں کو وضو کرنے کے بعد وضو ٹوٹنے، خاص کر ریح خارج ہونے کے وسوسے آتے ہیں، اور وہ ان وسوسوں کی وجہ سے بار بار وضو کرتے ہیں۔

پھر بعض لوگوں کے وضو ٹوٹنے سے متعلق وسوسوں کا سلسلہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ وضو کے متعلق آنے والے وسوسوں کی وجہ سے نماز کی نیت توڑ کر دوبارہ، سہ بارہ وضو کرتے ہیں، اور جب بار بار وضو کرنے اور نماز پڑھنے سے تنگی و پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے، تو پھر بعض لوگ اس مرحلہ پر آ کر نماز ہی کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور خیال کر بیٹھتے ہیں کہ اگر اسی حال میں نماز پڑھیں تو نماز صحیح نہیں اور بار بار وضو کریں اور نماز پڑھیں تو یہ ان کی قدرت واختیار میں نہیں، لہٰذا پریشانی سے نجات کا یہی راستہ ہے کہ اس جھنجھٹ سے ہی اپنی جان چھڑالی جائے۔

اس طرح کے وسوسوں کے ڈالنے سے شیطان کا پہلا مقصد مسلمان کو غمگین کرنا، دوسرا مقصد گناہ میں مبتلا کرانا، اور تیسرا مقصد عبادت اور نیک عمل سے محروم کرانا ہوتا ہے۔

اور شیطان ان لوگوں سے اپنے ان تینوں مقاصد کو اس طرح حاصل کر لیتا ہے کہ بار بار عمل کرا کر تنگی، کڑھن اور کوفت میں مبتلا کراتا ہے، اور پانی کو ضائع کرانے اور نماز کی نیت کو توڑوانے کے گناہ میں مبتلا کراتا ہے اور بالآخر نماز یا جماعت سے محروم کرادیتا ہے یا کم از کم مکروہ وقت میں داخل کرادیتا ہے، اور بعض اوقات قضا بھی کرادیتا ہے۔

شیطان ریح وغیرہ خارج ہونے کے وہم اور وسوسوں کو نمازی کے پریشان کرنے کا ذریعہ بنالیتا ہے، آتا تو ہے ہمدرد ہو کر، لیکن مقصود ستانا، نماز سے ہٹانا اور دل بٹانا ہوتا ہے، وہ وضو توڑنے کا صرف وسوسہ ہی نہیں ڈالتا بلکہ اسی کے ساتھ وضو ٹوٹنے کا شک وشبہ پیدا کرنے کے لئے کوئی حرکت بھی کرتا ہے۔

احادیث وروایات میں اس کی تفصیل آئی ہے، جس کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

## وضوٹوٹنے میں شک وشبہ کا اعتبار نہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَبَّہَ عَلٰی أَحَدِکُمُ الشَّیْطَانُ وَھُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ، فَقَالَ: أَحْدَثْتَ، فَلْیَقُلْ فِیْ نَفْسِہٖ کَذَبْتَ، حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا بِأُذُنَیْہِ، أَوْ یَجِدَ رِیْحًا بِأَنْفِہٖ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شیطان یہ اشتباہ (وشبہ) پیدا کردے (یعنی شیطان کی طرف سے وسوسہ کھٹکے) کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تو اس کے جواب میں نمازی اپنے دل میں یہ کہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے (یعنی شیطان کی بات کو نہ مانے) یہاں تک کہ وہ اپنے کانوں سے (ریح خارج ہونے کی) آواز نہ سن لے یا اپنی ناک سے (ریح

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۳۲۰، مسند أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ.
فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح لغیرہ.

یا نجاست کی ) بُو کو محسوس نہ کر لے (مسند احمد)

حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ) سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّهُ شَكَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلُ الَّذِيْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْئَ فِيْ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَنْفَتِلُ أَوْ لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے یہ شکایت کی کہ اس کو ایسا خیال محسوس ہوتا ہے (یعنی وسوسہ آتا ہے) کہ اس کو نماز میں کوئی چیز (ریح وغیرہ خارج) ہوئی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہ (نماز سے ) نہ ہٹے، یا (وضو کرنے کے لئے ) نہ جائے یہاں تک کہ (ریح کی ) آواز نہ سن لے یا (ریح و نجاست کی ) بو محسوس نہ کر لے (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْئٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اسے شبہ (اور وسوسہ ) پیدا ہو جائے کہ کوئی چیز (ریح یا نجاست ) نکلی ہے یا نہیں تو وہ (اگر مسجد میں ہو تو وضو وغیرہ کرنے کے لئے )

---

[1] رقم الحديث ۱۳۷، كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من الشک، مسلم، رقم الحديث ۳۶۱"۹۸".

[2] رقم الحديث ۹۹"۳۶۲"، كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شک فى الحدث.

مسجد سے نہ نکلے، یہاں تک کہ (ریح کی) آواز نہ سن لے یا (ریح یا نجاست کی) بو محسوس نہ کر لے (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ حَرَكَةً فِيْ دُبُرِهٖ، فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَحْدَثَ أَوْ لَمْ يُحْدِثْ، فَلَا يَنْصَرِفْ، حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيْحًا (مسند احمد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور وہ اپنی شرمگاہ (پاخانہ کے مقام) میں حرکت محسوس کرے کہ کیا (ریح خارج ہونے سے) اس کا وضوٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا، اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو جائے (یعنی فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے) تو وہ نماز سے نہ ہٹے، یہاں تک کہ (وہ ریح کی) آواز نہ سن لے یا (ریح یا نجاست کی) بو محسوس نہ کر لے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ وضو کرنے کے بعد اگر ریح وغیرہ خارج ہونے کا وہم اور وسوسہ آئے یا شک پیدا ہو، تو اس کا اعتبار نہیں، اور جس کو اس طرح کا وسوسہ اور وہم پیدا ہوتا ہو، وہ اس وقت تک یقین نہ کرے، جب تک کہ ریح کی آواز نہ سن لے، یا بو محسوس نہ کر لے، خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو۔

مذکورہ احادیث میں شریعت کا ایک اہم قاعدہ بیان کر دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، اور یقین کا درجہ شک سے مضبوط اور بڑا ہوتا ہے۔

اسی سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کسی کو وضو کرنا تو یاد ہے، لیکن اس کے بعد وضو ٹوٹنا یاد نہیں، البتہ شک ہے، تو وضو ٹوٹنے کے شک کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اس کا وضو برقرار ہونا اور باقی رہنا سمجھا جائے گا، جیسا کہ پہلے وضو کرنے سے متعلق وسوسوں کے بیان

---

[1] رقم الحديث ۹۳۵۵، مسند ابی هريرة رضی الله عنه.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

میں گزرا۔[1]

## شیطان کا خروجِ ریح یا قطرہ کا وسوسہ ڈالنا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهِ فَقَالَ لَهُ : إِنَّكَ قَدْ أَحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ : كَذَبْتَ مَا لَمْ يَجِدْ رِيحَهُ بِأَنْفِهِ، أَوْ يَسْمَعْ صَوْتَهُ بِأُذُنِهِ (مصنف ابنِ ابی شیبة)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور اس کے پاس شیطان آ کر یہ کہے کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تو یہ (اپنے دل

---

[1] وقوله: حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا "معناه :حتى يتيقن الحدث لا أن سماع الصوت ، أو وجود الريح شرط ، فإنه قد يكون أصم لا يسمع الصوت، ويكون أخثم لا يجد الريح ، وينتقض طهره إذا تيقن الحدث (شرح السنة للبغوى، ج ١ ص ٣٥٣، ٣٥٤، باب من شك فى الحدث بنى على اليقين)

حَتَّى يسمع صَوتا أَو يجد ريحًا مَعْنَاهُ حَتَّى يعلم وجود أَحدهمَا وَلَا يشْتَرط السماع والشم بِإِجْمَاع الْمُسلمين (شرح السيوطى على مسلم، تحت رقم الحديث ٣٦١ "٩٨")

قوله حتى يسمع صوتا او يجد ريحا معناه حتى يتيقن الحدث ولم يرد به الصوت نفسه ولا الريح نفسها حسب وقد يكون أطروشا لا يسمع الصوت وأخشم لا يجد الريح ثم تنتقض طهارته إذا تيقن وقوع الحدث منه كقوله صلى الله عليه وسلم فى الطفل إذا استهل صلى عليه ومعناه أن تعلم حياته يقينا والمعنى إذا كان أوسع من الاسم كان الحكم له دون الاسم.

وفى الحديث من الفقه أن الشك لا يزحم اليقين.

وفيه دليل على أنه إذا تيقن النكاح وشك فى الطلاق كان على النكاح المتقدم إلى أن يتيقن الطلاق (معالم السنن للخطابى، ج ١ ص ٦٤، باب الوضوء من القبلة)

والمعنى :حتى يعلم وجود أحدهما، ولا يشترط السماع والشم بإجماع المسلمين، فإن الأصم لا يسمع شيئا، والأخشم الذى راحت حاسة شمه لا يشم أصلا، وهذا الحديث أصل من أصول الإسلام،وقاعدة عظيمة من قواعد الفقه، وهى أن الأشياء يحكم ببقائها على أصولها حتى يتبين خلاف ذلك، فمن ذلك مسألة الباب التى ورد فيها الحديث، وهى أن من تيقن الطهارة وشك فى الحدث، حكم ببقائه على طهارته، سواء كان فى نفس الصلاة أو خارج الصلاة(شرح ابى داوٗد للعينى، ج ١ ص ٤٠٨، باب اذا شك فى الحدث )

[2] رقم الحديث ٨٠٨٠، كتاب الصلاة، باب الرجل يرى إنه أحدث فى الصلاة.

میں) کہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے (اور اس وقت تک یقین نہ کرے) جب تک کہ خروجِ ریح کی بدبو اپنی ناک سے نہ سونگھ لے، یا خروجِ ریح کی آواز اپنے کان سے نہ سن لے (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَدَکُمْ إِذَا کَانَ فِی الصَّلَاۃِ جَاءَ الشَّیْطَانُ، فَأَبَسَ بِہٖ کَمَا یَأْبِسُ الرَّجُلُ بِدَابَّتِہٖ، فَإِذَا سَکَنَ لَہٗ، أَضْرَطَ بَیْنَ أَلْیَتَیْہِ لِیَفْتِنَہٗ عَنْ صَلَاتِہٖ، فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُکُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ، فَلَا یَنْصَرِفْ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ یَجِدَ رِیْحًا لَا یَشُکُّ فِیْہِ** (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور اسے اس طرح چمکارتا (اور تھپکی دیتا) ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو چمکارتا (اور تھپکی دیتا) ہے جب وہ اس کے قابو میں آجاتا ہے، تو وہ اس کے دونوں سرینوں کے درمیان ہوا خارج کردیتا ہے، تاکہ اسے (وضوٹوٹنے کا وسوسہ ڈال کر) نماز سے بہکا دے، اس لئے تم میں سے کوئی شخص اگر ایسی کیفیت محسوس کرے تو جب تک (ریح کی) آواز نہ سن لے یا (ریح یا نجاست کی) بدبو نہ آئے، اس وقت تک (وضو کے لئے) نہ جائے، اور وضو میں شک نہ کرے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْتِیْ أَحَدَکُمْ فَیَنْقُرُ عِنْدَ عِجَانِہٖ، فَلَا یَخْرُجَنَّ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ یَجِدَ رِیْحًا أَوْ یَفْعَلَ**

---

[1] رقم الحدیث ۸۳۶۹، مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ قوی.

www.idaraghufran.org

ذٰلِکَ مُتَعَمِّدًا (فوائد ابی محمد الفاکھی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے، پھر اس کی سرین کے قریب ٹھونگ ماردیتا ہے، تو کوئی بھی (وضو کے لئے) اس وقت تک ہرگز بھی نہ نکلے، جب تک کہ (ریح کی) آواز نہ سن لے، یا (ریح یا نجاست کی) بو محسوس نہ کرلے، یا وہ جان بوجھ کر ریح خارج نہ کردے (فوائد ابو محمد فاکہی، امالی ابنِ بشران، غریب الحدیث)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ فِيْ صَلَاتِهٖ أَنَّهٗ أَحْدَثَ، وَلَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِيْ أَحَدَكُمْ، وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهٖ حَتّٰى يَفْتَحَ مَقْعَدَتَهٗ فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهٗ أَحْدَثَ وَلَمْ يُحْدِثْ فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلَا يَنْصَرِفَنَّ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتَ ذٰلِكَ بِأُذُنِهٖ أَوْ يَجِدَ رِيْحَ ذٰلِكَ بِأَنْفِهٖ (المعجم الكبير للطبرانی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جسے نماز

---

[1] رقم الحديث ۵۹، ج ۱ ص ۲۰۷، امالی ابنِ بشران، رقم الحديث ۱۱۶، غريب الحديث لابراهيم الحربی، رقم الحديث ۶۱۱.

قال الالبانی: يأتی الشيطان أحدكم فينقر عند عجانه، فلا ينصرف حتى يسمع صوتا؛ (أو يجد ريحا) أخرجه أبو إسحاق الحربی فی "غريب الحديث ۵/۹۸/۱ : حدثنی أبو مصعب عن عبد العزيز بن محمد عن ثور عن عكرمة عن ابن عباس مرفوعا .قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله رجال الصحيح "، وأبو مصعب اسمه أحمد ابن أبی بكر الزهری المدنی (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۰۲۶)

[2] رقم الحديث ۱۱۵۵۶، ج ۱۱ ص ۲۲۲، باب العين، الطهور للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۴۱۰.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير والبزار بنحوه، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۴۸، باب فيمن كان على طهارة وشك فی الحدث)

میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے، حالانکہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے جب وہ نماز میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے مقعد (یعنی پاخانہ کے مقام) کو کھول دیتا ہے، جس سے اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ (ریح وغیرہ خارج ہونے سے) اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے، حالانکہ اس کا وضو نہیں ٹوٹا، پس جب تم میں سے کسی کو یہ احساس ہو تو وہ ہرگز (وضو کے لئے) نہ لوٹے، یہاں تک کہ اس (ریح) کی آواز اپنے کان سے نہ سن لے، یا اس کی بو اپنی ناک سے نہ سونگھ لے (طبرانی، الطہور للقاسم بن سلام)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

**إِنَّ الشَّيْطَانَ يَطِيفُ بِالْعَبْدِ لِيَقْطَعَ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ فَإِذَا أَعْيَاهُ نَفَخَ فِي دُبُرِهِ فَلَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا، وَيَأْتِيهِ فَيَعْصِرُ ذَكَرَهُ فَيُرِيهِ أَنَّهُ أُخْرِجَ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْتَيْقِنَ** (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۸۰۹۱، كتاب الصلاة، باب الرجل يرى إنه أحدث فى الصلاة)

ترجمہ: شیطان بندہ کے پاس چکر لگاتا ہے، تاکہ وہ اس کی نماز کو تڑوا دے، پھر جب وہ شیطان (اپنی کوشش سے) تھک جاتا (اور عاجز ہو جاتا) ہے، تو اس کی دُبر (یعنی ریح خارج ہونے والے مقام) میں پھونک مارتا ہے، تو نمازی (وضو کے لئے) اس وقت تک نہ نکلے، جب تک کہ (ریح کی) آواز نہ سن لے، یا (ریح یا نجاست کی) بو محسوس نہ کر لے، اور شیطان بندہ کے پاس آتا ہے، پھر اس کی پیشاب گاہ کو نچوڑ (اور دبا) دیتا ہے، تاکہ اس کو یہ محسوس کرائے کہ پیشاب گاہ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے، تو بندہ (وضو کے لئے) اس وقت تک نہ نکلے، جب تک کہ اسے پختہ یقین نہ ہو جائے (ابنِ ابی شیبہ)

اس طرح کی احادیث وروایات اور سندوں سے بھی مروی ہیں، جن میں ریح وغیرہ خارج ہونے یا پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے کے شک کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ لے

لے عن أبى سعيد الخدرى، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :إن الشيطان يأتى أحدكم وهو فى صلاته، فيأخذ شعرة من دبره، فيمدها فيرى أنه قد أحدث، فلا ينصرفن حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا (مسند احمد، رقم الحديث ١١٩١٢)

فى حاشية مسند احمد:حديث حسن.

عن قيس بن السكن، قال :قال ابن مسعود :إن الشيطان ليطيف بالرجل فى صلاته ليقطع عليه صلاته، فإذا أعياه نفخ فى دبره، فإذا أحس أحدكم من ذلک شيئا فلا ينصرفن حتى يجد ريحا أو يسمع صوتا (المعجم الكبير للطبرانى ، رقم الحديث ٩٢٣١)

عن ابن مسعود، قال :إن الشيطان ليطيف بالرجل فى الصلاة ليقطع عليه صلاته، فإذا أعيا نفخ فى دبره ليريه أنه قد أحدث، فإذا وجد من ذلک شيئا فلا ينصرفن حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا (المعجم الكبير للطبرانى ، رقم الحديث ٩٢٣٢)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٢٥٢ ، باب فيمن كان على طهارة وشک فى الحدث)

عن عبد الله ، قال :إن الشيطان يأتى أحدكم وهو فى الصلاة فيبل إحليله حتى يرى أنه قد أحدث ، وأنه يأتيه فيضرب دبره ، فيريه أنه قد أحدث ، فلا تنصرفوا حتى تجدوا ريحا ، أو تجدوا بللا (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٨٠٨٣، باب الرجل يرى إِنَّهُ أَحْدَثَ فِى الصَّلَاةَ)

عن إبراهيم التيمى ، قال :قال عبد الله :إن الشيطان يأتى أحدكم وهو فى صلاته فينقر دبره ليريه أنه قد أحدث ، فإذا فعل ذلک فلا ينصرفن أحدكم حتى يسمع صوتا ، أو يجد ريحا (ايضاً، رقم الحديث ٨٠٨٤)

عن عكرمة ، عن ابن عباس ، قال :سأله رجل فقال له :إن الشيطان يأتينى وأنا فى الصلاة فيوسوس إلى حتى يقول :إنک قد أحدثت ، فقال :لا ينصرف حتى يجد لها ريحا ، أو يسمع لها طنينا (ايضاً، رقم الحديث ٨٠٨٥)

عن سعيد بن المسيب ، أنه سمعه يقول :إن الشيطان يجرى من الإنسان مجرى الدم ، ثم ينبض عند عجانه فيخرجه ، فلا يخرج أحدكم حتى يسمع حسا ، أو يجد ريحا (ايضاً، رقم الحديث ٨٠٨٦)

عن شهر بن حوشب ، قال :إن الشيطان ليأتى أحدكم فيدخل خطمه فى دبره فيحركه ويحرک إحليله ليشر ، فلا ينصرفن حتى يسمع صوتا ، أو يجد ريحا (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث٨٠٨٨ ،باب الرجل يرى إنه أحدث فى الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث وروایات کا مطلب یہ ہے کہ ریح خارج ہونے یا پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے کے شک، وسوسہ، وہم اور شیطان کی شرارت کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ میرا وضوٹوٹ گیا اور نماز جاتی رہی، لہٰذا پھر سے وضو کر کے آؤں اور دوبارہ نماز شروع کروں، اگر ایسا کرے گا تو شیطان اپنی سازش میں کامیاب ہوجائے گا، اور نماز توڑوانے کی شرارت میں آگے بڑھتا رہے گا، جوں ہی دوبارہ وضو کر کے نماز شروع کرے گا، شیطان پھر کوئی شرارت کردے گا، لہٰذا نماز اور وضو سے فراغت ہی نہ ہوگی۔

اور جو حکم ریح خارج اور پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے میں شک اور وسوسہ کا ہے، وہی حکم ان چیزوں کا بھی ہے، جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے، مثلاً پاخانہ یا ودی یا مذی خارج ہونے کا شک ہو، کہ ان چیزوں کے شک کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریح خارج ہونے کے وسوسہ کی صورت میں فیصلہ کرنے کے لیے ایک بنیاد بتلادی کہ جب تک ریح خارج ہونے کی آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن إبراهيم ، قال : كان يقول : إن الشيطان يجرى فى الأحليل فينبض عند الدبر فيرى الرجل أنه قد أحدث ، فلا ينصرفن أحدكم حتى يسمع صوتا ، أو يجد ريحا ، أو يرى بللا (ايضاً، رقم الحديث ۸۰۸۹)

عن إبراهيم ، قال : قال أبو هريرة : إذا شك أحدكم فى البلة وهو فى الصلاة فليضع يديه على الحصى فليمسح إحداهما بالأخرى وليمض فى صلاته (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۸۰۹۲ ،باب الرجل يجد البلة وهو يصلى)

حدثنا معتمر ، أنه سمع أباه يحدث : أن زيد بن ثابت وحذيفة والحسن البصرى وعطاء لم يروا بأسا بالبلة يجدها الرجل وهو يصلى ، إلا أن عطاء قال : إلا أن تقطر ، قال : وقال سعيد بن المسيب : وإن قطر على رجلك فلا يراها ، ولا عليه إعادة ولا طهور (ايضاً، رقم الحديث ۸۰۹۳)

معتمر ، عن أبيه ، قال : حدثنى شيخ ، عن الحسن بن على : أنه سأل زيد بن ثابت عن ذلك ، فرخص فيه (ايضاً، رقم الحديث ۸۰۹۴)

عن حميد بن هلال ، قال : سئل حذيفة عن الرجل يجد البلة بعد الوضوء ، فقال : ما كنت أبالى إذا كان ذلك بعد الوضوء ذاك كان أو هذا ، وأومأ بيده إلى فيه (ايضاً، رقم الحديث ۸۰۹۵)

www.idaraghufran.org

وقت تک اپنے کو باوضو سمجھے اگر نماز میں مشغول ہے تو شک، وہم اور وسوسہ کی وجہ سے نماز کو نہ توڑے، اگر نماز سے باہر ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ وہم اور وسوسہ کی وجہ سے اپنے کو بے وضو نہ سمجھ لے، کیونکہ وسوسہ کی صورت میں فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے احادیث میں وسوسہ میں مبتلا شخص کو فیصلہ کرنے کا ایک طریقہ اور معیار بتلا دیا گیا کہ جب تک ریح کے خارج ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک وسوسہ اور شبہ کی وجہ سے خواہ مخواہ پھر سے وضو نہ کرے، احادیث میں ریح کی آواز اور بدبو کو بطورِ مثال ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر مثلاً کوئی آدمی بہرا بھی ہو اور زکام بھی ہو اور یقینی طور پر کتنی ہی ریح خارج ہوتی رہے، تب بھی اپنے کو باوضو سمجھے، اور اگر وضو توڑنے والی چیز کے پائے جانے کا یقین ہو، اور وسوسے اور وہم کو یقین کا درجہ نہ دے، تو پھر ریح وغیرہ خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ [1]

---

[1] وليس السمع أو وجدان الريح شرطا فى ذلك، بل المراد حصول اليقين، وهذا الحديث الجليل أصل من أصول الإسلام، وقاعدة جليلة من قواعد الفقه، وهو أنه دل على أن الأشياء يحكم ببقائها على أصولها حتى يتيقن خلاف ذلك، وأنه لا أثر للشك الطارء عقبها، فمن حصل له ظن أو شك بأنه أحدث وهو على يقين من طهارته لم يضره ذلك حتى يحصل له اليقين، كما أفاده قوله (حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا) فإنه علقه بحصول ما يحسه، وذكرهما تمثيل، وإلا فكذلك سائر النواقض كالمذى والودى، ويأتى حديث ابن عباس :"إن الشيطان يأتى أحدكم فينفخ فى مقعدته فيخيل إليه أنه أحدث ولم يحدث، فلا ينصرفن حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا والحديث عام لمن كان فى الصلاة أو خارجها وهو قول الجماهير(سبل السلام، ج ا ص ۹۵، كتاب الطهارة، باب نواقض الوضوء)

وهذامجاز عن تيقن الحدث لأنها سبب للعلم به فالمدار على تيقن الحدث بذالك اوبغيره ولا يشترط السماع والشم باجماع المسلمين كمافى الديباج لانه قد يكون اصم اواخشم فذكر ذالك انما هو جرى على الغالب اوخروج على سؤال وفيه ان خروج الخارج من قبل اودبر يوجب الحدث بخلاف الشك فيه وهذا اصل قاعدة عظيمة وهى ان التيقن لايرفع بالشك والمراد به مطلق التردد الشامل للظن والوهم فيعمل باليقين استصحابا له فمن تيقن الطهر وشك فى ضده اخذ بالطهر هبه فى صلاة ام لاوانما ذكر الصلاة لذكرها فى سؤال سائل فلايعتبر فى الحكم كما لايعتبر فيه كونه فى المسجد كماجاء فى رواية والكلام على القاعدة المذكورة مبسوط فى كتب الفقه وهذااصل قاعدة ان اليقين لايرفع بالشك (فيض القدير للمناوى ج٢،تحت رقم الحديث ٢٠٢٧)

کیونکہ اوّلاً تو کئی احادیث میں شک وشبہ اور اشتباہ کے الفاظ کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، دوسرے دیگر احادیث میں آواز سنے اور بدبو آنے کی قید کے بغیر بھی یقینی طور پر ریح خارج ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹ جانے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا فَسَا أحدُكُم فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَنْصَرِفْ، فَلْيَتَوضَّأْ، وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کی نماز میں بغیر آواز کے ریح خارج ہوجائے تو وہ چلا جائے، پھر وضو کرے، اور نماز کو لوٹائے (ابوداؤد، ترمذی)

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْيَجِدَ رِيْحًا مَعْنَاهُ يَعْلَمُ وُجُوْدَ اَحَدِهِمَا وَلَايُشْتَرَطُ السِّمَاعُ وَالشَّمُّ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَهٰذَاالْحَدِيْثُ اَصْلٌ مِنْ اُصُوْلِ الْاِسْلَامِ وَقَاعِدَةٌ عَظِيْمَةٌ مِنْ قَوَاعِدِ الْفِقْهِ، وَهِيَ اَنَّ الْاَشْيَاءَ يُحْكَمُ بِبَقَائِهَا عَلٰى اُصُوْلِهَا حَتّٰى يُتَيَقَّنَ خِلَافَ ذَالِكَ، وَلَايَضُرُّالشَّكُّ الطَّارِئُ عَلَيْهَا، فَمِنْ ذَالِكَ مَسْئَلَةُ الْبَابِ الَّتِيْ وَرَدَ فِيْهَا الْحَدِيْثُ وَهِيَ اَنَّ مَنْ تَيَقَّنَ الطَّهَارَةَ وَشَكَّ فِي الْحَدَثِ حُكِمَ بِبَقَائِهٖ عَلَى الطَّهَارَةِ، وَلَافَرْقَ بَيْنَ حُصُوْلِ هٰذَا الشَّكِّ فِيْ

---

[1] رقم الحديث ۲۰۵، كتاب الطهارة، باب من يحدث فى الصلاة، ترمذى، رقم الحديث ۱۱۶۴.

قال الترمذى: وفى الباب عن عمر، وخزيمة بن ثابت، وابن عباس، وأبى هريرة . حديث على بن طلق حديث حسن وسمعت محمدا يقول :لا أعرف لعلى بن طلق عن النبى صلى الله عليه وسلم غير هذا الحديث الواحد، ولا أعرف هذا الحديث من حديث طلق بن على السحيمى وكأنه رأى أن هذا رجل آخر من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم.

وفى حاشية سنن ابى داؤد: حسن لغيره.

www.idaraghufran.org

نَفْسِ الصَّلَاةِ، وَحُصُوْلِهٖ خَارِجَ الصَّلَاةِ، هٰذَا مَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ جَمَاهِيْرِ الْعُلَمَآءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ (شرح النووی علیٰ مسلم) [1]

ترجمہ: (حدیث کے ان الفاظ) ''یہاں تک کہ آواز سن لے یا بو محسوس کرلے'' کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے پائے جانے کا علم ہوجائے، اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ آواز کا سننا اور بو کا سونگھنا وضو ٹوٹنے کے لئے ضروری نہیں۔

اور دراصل یہ حدیث اسلام کے اصولوں میں سے ایک بہت اہم اصل اور فقہ کے قواعد میں سے بہت بڑا قاعدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ چیزوں کو اپنی اصل کے حکم پر برقرار رکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اصل کے خلاف کا یقین نہ ہوجائے، اور جو شک پیدا ہوا ہے اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، پس اسی میں سے یہ مذکورہ مسئلہ بھی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کو پاکی (وضو، غسل) کا یقین ہو اور (وضو، غسل) ٹوٹنے میں شک ہو تو پاکی کا حکم برقرار رہے گا، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ شک نماز کے اندر پیدا ہوا ہو یا نماز کے باہر، ہمارا اور سلف وخلف تمام جمہور علماء کا یہی مذہب ہے (شرح النووی)

## پیشاب کے راستہ سے خارج شُدہ ریح کا حکم

خروجِ ریح کے متعلق جو تفصیل اب تک ذکر کی گئی، وہ پاخانہ والے مقام سے نکلنے کے بارے میں ہے۔

جہاں تک پیشاب والے مقام (یعنی مرد کے ذَکر اور عورت کی قُبُل یا فرج) سے ریح کے خارج ہونے کا تعلق ہے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس سے قطعاً وضو نہیں ٹوٹتا، اور شافعیہ

[1] ج۴، ص ۴۹، کتاب الحیض، باب الدلیل علی ان من تیقن الطهارة ثم شک فی الحدث.

www.idaraghufran.org

کے نزدیک وضوٹوٹ جاتا ہے، بشرطیکہ وہم اور وسوسہ کے درجہ میں نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا۔[1]

## منہ سے خون نکلنے کے شک کی وجہ سے وضوٹوٹنے کا وسوسہ

بعض لوگوں کو مسوڑھوں یا منہ کے کسی حصہ سے بار بار خون نکلنے کا وہم ہوتا ہے، جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ وضوٹوٹ گیا ہے، اور وہ اس کے نتیجہ میں بار بار وضو کرتے ہیں، اور اس طرح وہ پریشان ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب کو منہ سے خون نکلنے کے بارے میں اتنا زیادہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ وضو کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں تھوک کر اس کا رنگ دیکھتے تھے کہ کہیں خون تو نہیں ہے اور اگر اس میں ذرا بھی شک محسوس ہوتا تھا تو دوبارہ وضو کو لوٹاتے تھے اور اس طرح کئی کئی مرتبہ وضو کے مراحل سے گزر کر پریشان ہوتے تھے، مگر شریعت کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اتنی مشکلات وتکلفات میں ڈالا جائے۔

اوّلاً تو وہم اور وسوسہ کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اگر خون نکلنے کا وہم اور وسوسہ آئے، تو اس کا اعتبار نہ کرے، دوسرے مسوڑھوں یا منہ کے کسی حصہ سے خون نکلے، تو حنفیہ کے نزدیک اس وقت وضوٹوٹتا ہے، جبکہ خون کی مقدار تھوک کی مقدار پر غالب اور تھوک کی مقدار سے زیادہ ہو۔

اور اگر تھوک کی مقدار، خون کی مقدار سے زیادہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا۔[2]

---

[1] واختلفوا فی الريح الخارجة من الذكر أو قبل المرأة:

فقال الحنفية فی الأصح والمالكية وهو رواية عند الحنابلة :لا تعتبر حدثا، ولا ينتقض بها الوضوء، لأنها اختلاج وليس فی الحقيقة ريحا منبعثة عن محل النجاسة، وهذا فی غير المفضاة، فإن كانت من المفضاة فصرح الحنفية أنه يندب لها الوضوء، وقيل :يجب، وقيل :لو منتنة، لأن نتنها دليل خروجها من الدبر.

وقال الشافعية وهو رواية أخرى عند الحنابلة: إن الخارجة من الذكر أو قبل المرأة حدث يوجب الوضوء، لقوله صلى الله عليه وسلم :لا وضوء إلا من صوت أو ريح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۱۲، وص۱۱۳، مادة "حدث")

[2] (وإذا اختلط الدم بالبصاق إن غلبه نقض) حكما للغالب، وكذا إذا تساويا احتياطا وإن غلب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہ حکم فقہ حنفی کے مطابق ہے۔

ورنہ پیشاب، پاخانہ والے مقام کے علاوہ جسم کے کسی بھی حصہ سے خون یا کوئی اور چیز نکلنے سے وضوٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ فقہائے کرام کے درمیان اختلافی ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کے مطابق اگر نکلنے والا خون اتنی مقدار میں ہو کہ وہ اپنی نکلنے والی جگہ سے نکل کر بہہ پڑے، جیسا کہ دانتوں اور ہونٹوں سے یا جسم کے عام اعضاء سے اتنی مقدار میں نکلنے والا خون کہ جس میں بہنے کی صلاحیت ہو، جس کی منہ سے نکلنے کی صورت میں پہچان حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ خون کی مقدار، تھوک کی مقدار پر غالب ہو، تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

اور فقہ مالکی وشافعی کے مطابق پیشاب، پاخانہ کے راستہ کے علاوہ جسم کے کسی بھی حصہ سے نکلنے والے خون یا کسی اور چیز مثلاً زخم سے خارج ہونے والے مواد سے وضونہیں ٹوٹتا، خواہ وہ کتنی مقدار میں کیوں نہ ہو، اور کتنی ہی مرتبہ کیوں نہ نکلے۔

اور فقہ حنبلی کے مطابق اگر وہ خون یا مواد بہت زیادہ مقدار میں محسوس ہو، تو وضوٹوٹتا ہے، ورنہ وضونہیں ٹوٹتا، واللہ اعلم۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البصاق لا ;لأن القليل مستهلک فی الكثير فيصير عدما(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ١٠، فصل فی نواقض الوضوء)

ولو بزق فخرج معه الدم إن كانت الغلبة للبزاق لا يكون حدثا، لأنه ما خرج بقوة نفسه.

وإن كانت الغلبة للدم يكون حدثا، لأن الغالب إذا كان هو البزاق لم يكن خارجا بقوة نفسه فلم يكن سائلا، وإن كان الغالب هو الدم كان خروجه بقوة نفسه فكان سائلا، وإن كانا سواء فالقياس أن لا يكون حدثا، وفی الاستحسان يكون حدثا وجه القياس أنهما إذا استويا احتمل أن الدم خرج بقوة نفسه، واحتمل أنه خرج بقوة البزاق، فلا يجعل حدثا بالشک، وللاستحسان وجهان أحدهما أنهما إذا استويا تعارضا فلا يمكن أن يجعل أحدهما تبعا للآخر فيعطى كل واحد منهما حكم نفسه فيعتبر خارجا بنفسه فيكون سائلا، والثانی أن الأخذ بالاحتياط عند الاشتباه واجب، وذلک فيما قلنا(بدائع الصنائع، ج ا ص ٢٦، ٢٧، فصل بيان ما ينقض الوضوء)

[1] ذهب المالكية والشافعية إلى أن الوضوء لا ينتقض بخروج شيء من غير السبيلين كدم الفصد، والحجامة، والقيء ، والرعاف، سواء قل ذلک أو كثر؛ لما روى أنس رضى الله عنه أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

خلاصہ یہ کہ وضوٹوٹنے کے متعلق پائے جانے والے وسوسوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے، اوران کواہمیت نہیں دینی چاہئے، اس قسم کے وسوسوں کا آسان علاج یہی ہے کہ ان کی طرف بالکل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النبی صلی الله علیه وسلم احتجم فصلی ولم یتوضأ ولم یزد علی غسل محاجمه.وبهذا قال عمر، وابن عباس وابن أبی أوفی، وجابر وأبو هريرة، وعائشة وسعيد بن المسيب وسالم بن عبد الله بن عمر، والقاسم بن محمد، وطاوس، وعطاء، ومكحول وربيعة، وأبو ثور .قال البغوى :وهو قول أكثر الصحابة.

ويرى الحنابلة أن الرعاف لا ينقض الوضوء إلا إذا كان فاحشا كثيرا.أما كون الكثير ينقض الوضوء، فلقوله عليه الصلاة والسلام فی حديث عائشة لفاطمة بنت أبی حبيش عن دم الاستحاضة : إنما ذلک عرق، وليست بالحيضة، فإذا أقبلت الحيضة فدعی الصلاة، وفی رواية :توضئی لكل صلاة.

ولأنه نجاسة خارجة من البدن أشبهت الخارج من السبيل .وأما كون القليل لا ينقض فلمفهوم قول ابن عباس فی الدم إذا كان فاحشا فعليه الإعادة .قال أحمد :عدة من الصحابة تكلموا فيه، وابن عمر عصر بثرة فخرج الدم فصلی ولم يتوضأ، وابن أبی أوفی عصر دملا، وذكر أحمد غيرهما، ولم يعرف لهم مخالف من الصحابة فكان إجماعا.

ويرى الحنفية القائلون بنقض الوضوء بسيلان الدم عن موضعه أن الرعاف ينقض الوضوء، وكذا لو نزل الدم من الرأس إلى ما لان من الأنف ولم يظهر على الأرنبة نقض الوضوء .وهو مذهب الثوری والأوزاعی وأحمد وإسحاق، قال الخطابی :وهو قول أكثر الفقهاء، وحكاه غيره عن عمر بن الخطاب وعلی رضی الله عنهما، وعن عطاء، وابن سيرين، وابن أبی ليلی.

واستدلوا بقول النبی صلی الله عليه وسلم الوضوء من كل دم سائل.ووجه الاستدلال أن مثل هذا التركيب يفهم منه الوجوب.

كما احتجوا بقول النبی صلی الله عليه وسلم :من أصابه قیء أو رعاف أو قلس أو مذی فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلاته وهو فی ذلک لا يتكلم.

ونقل العينی أن وجه الاستدلال بالحديث من وجوه :الأول :أنه أمر بالبناء وأدنی درجات الأمر الإباحة والجواز، ولا جواز للبناء إلا بعد الانتقاض، فدل بعبارته على البناء وعلى الانتقاض بمقتضاه .والثانی :أنه أمر بالوضوء ومطلق الأمر للوجوب .والثالث :أنه أباح الانصراف، وهو لا يباح بعد الشروع إلا به .

هذا ومن يری أن الرعاف ينقض الوضوء يعتبر الرعاف الدائم عذرا من الأعذار التی تبيح العبادة مع وجود العذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۲۶۲ الیٰ ۲۶۴، مادة "رعاف")

اختلف الفقهاء فی انتقاض الوضوء بخروج الصديد من الجرح، فعند المالكية والشافعية :لا ينتقض الوضوء بخروج الصديد من الجرح؛ لأن النجاسة التی تنقض الوضوء عندهم هی :ما خرجت من السبيلين فقط، أما ما يخرج من غير ذلک فلا ينقض الوضوء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲٦ ص۳۴۴، مادة "صديد")

www.idaraghufran.org

توجہ نہ کی جائے کیونکہ اگر ان وسوسوں کی طرف توجہ کی جائے گی تو نتیجہ پریشانی، نفسیاتی بیماری اور پھر وضو اور نماز وغیرہ کی ادائیگی سے محرومی کی شکل میں نکلے گا، جب ایک وسوسہ کے تقاضے پر عمل کیا جائے گا، تو شیطان دوسرا وسوسہ پیدا کر کے شک میں مبتلا کر دے گا، اور یہ سلسلہ برابر چلتا ہی رہے گا، بالآخر ایک نہ ایک دن تنگ آ کر انسان وضو اور نماز کو قطعاً چھوڑ ہی دے گا، اور اس سے شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ل

اس مرحلہ پر پھر یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب وضو وغیرہ کے متعلق اس طرح کے وسوسے آئیں تو ان پر عمل نہیں کرنا چاہئے، اور ان کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، کیونکہ وسوسوں پر عمل کرنے کو احادیث میں ناپسند کیا گیا ہے، اور وسوسوں پر عمل پر مؤاخذہ و پکڑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۲

اللہ تعالیٰ ہر طرح کے وسوسوں سے متأثر ہونے سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

ل والسبيل فى الوساوس قطعها وترک الإلتفات إليهالانه لو اشتغل بها يتفرغ لأداء الصلاة فكلما قام اليها يبتلى بمثل هذا الشک (المبسوط للسرخسى، ج ١، ص ٨٦، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل)

۲ عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قال النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله تجاوز لى عن أمتى ما وسوست به صدورها، ما لم تعمل أو تكلم (بخارى، رقم الحديث ٢٥٢٨، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان فى العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله)

Idara Ghufran

(فصل نمبر ۱۵)

# تیمّم اور زخم پر مسح سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگ ضرورت و مجبوری کے وقت تیمّم کر کے نماز نہیں پڑھتے، اور وسوسوں کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ تیمّم سے نماز کا ثواب مکمل حاصل نہیں ہوتا، اس لئے وہ صحت یاب ہونے یا پانی پر قدرت ہونے کے وقت تک نمازوں کو قضاء و مؤخر کر دیتے ہیں۔

اور اسی طریقہ سے اگر کسی عضو پر زخم ہو، اور اس کو دھونا مشکل ہو، تو بھی نماز چھوڑ دیتے ہیں، اور وسوسوں کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک پورے اعضاء کو نہ دھویا جائے، اس وقت تک نماز پڑھنا درست نہیں ہوتا، جبکہ بعض لوگ تیمّم یا زخم پر مسح کرنے کے بعد وسوسوں کی وجہ سے نماز میں امامت نہیں کرتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ جب امام کی طہارت و پاکی کا درجہ، تیمّم یا زخم پر مسح کرنے کی وجہ سے کمزور ہو، تو وہ ان لوگوں کی امامت نہیں کر سکتا، جن کی طہارت و پاکی کا درجہ وضو اور اعضاء کو دھونے کی وجہ سے مضبوط ہو۔

اور اس طرح کے اور بھی کئی وسوسوں کی وجہ سے کئی حضرات پریشان ہوتے ہیں، اور ان کی خاطر نمازیں تک قضاء کر دیتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل قرآن وسنت سے مطابقت نہیں رکھتا، بلکہ قرآن وسنت سے ضرورت و مجبوری کے وقت تیمّم کرنا اور اسی طریقہ سے زخم یا پٹی وغیرہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔

## قرآن مجید سے تیمّم کا ثبوت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (سورة النسآء، رقم الآية ۴۳)

ترجمہ: اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ملامست (مجامعت وغیرہ) کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ، تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، پس تم اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو، بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا مغفرت کرنے والا ہے (سورہ نساء)

اس آیت سے مرض کی وجہ سے یا پانی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وضو اور غسل کی جگہ تیمّم کرنا معلوم ہوا۔

## احادیث سے تیمّم کا ثبوت

قرآن مجید کے علاوہ احادیث سے بھی ضرورت کے وقت تیمّم کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ، فَقَالَ: يَا فُلَانُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ، قَالَ: عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ

(بخاری، رقم الحدیث ۳۴۸، کتاب التیمم، باب: التیمم ضربة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو الگ تھلگ بیٹھا ہوا دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا چیز مانع ہوگئی؟ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے جنابت (یعنی غسل کرنے کی ضرورت) لاحق ہوگئی ہے اور پانی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے مٹی

(سے تیمّم کرنا) ضروری ہے، جو کہ آپ کے لئے کافی ہے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پانی میسر نہ ہو، تو غسل کا تیمّم کرنا جائز ہے، اور اس سے غسل کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**جُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ** (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمارے لئے ساری روئے زمین مسجد (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) بنادی گئی ہے، اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے پاک (یعنی تیمّم) کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، جبکہ ہم پانی نہ پائیں (مسلم)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ جب پانی میسر نہ ہو، تو زمین سے تیمّم کرنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**اِحتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزوَةِ ذَاتِ السَّلاسِلِ فَأَشْفَقْتُ أَنْ اغتَسِلَ فَأَهْلِكَ، فتيَمَّمتُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِيْ الصُّبحَ، فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ يَا عَمْرُو، صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِيْ مَنَعَنِيْ مِنَ الْاِغْتِسَالِ،**

---

[1] رقم الحديث ۴"۵۲۲"، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا.

[2] عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۵۶۷)

عن أبى ذر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جعلت لى الأرض طهورا ومسجدا (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۴۸۹)

www.idaraghufran.org

وَقُلْتُ : إِنِّي سَمِعْتُ اللّٰهُ يَقُولُ: (وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا) فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: مجھے سردی کے زمانہ میں غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر ایک رات میں احتلام ہوگیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہوجاؤں گا، اس لیے میں نے تیمّم کرکے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھادی، بعد میں میرے ساتھیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی، میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل مت کرو اور اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور کچھ نہ کہا (یعنی ان کے اس عمل کو غلط قرار نہیں دیا) (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب سردی وغیرہ کی وجہ سے غسل کرنے کے نتیجہ میں ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، تو غسل کا تیمّم کرنا جائز ہے، اور اس تیمّم کے بعد امامت کرانا بھی جائز ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو (کا حکم رکھتی) ہے، اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے (نسائی)

---

[1] رقم الحديث ۳۳۴، كتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد، أيتيمم؟
في حاشية سنن ابی داؤد: حديث صحيح.

[2] رقم الحديث ۳۲۲، كتاب الطهارة، باب الصلوات بتيمم واحد.

www.idaraghufran.org

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ، فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ، وَقَالَ مَحْمُوْدٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ: إِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کی پاکی کا ذریعہ ہے، اگرچہ دس سال تک پانی نہ پائے، پھر اگر پانی مل جائے تو اسے اپنے جسم سے لگائے کیونکہ یہ اس کے لئے بہتر ہے، اور محمود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت پاک مٹی سے تیمّم کرنا وضو اور غسل کے قائم مقام ہے، اگرچہ ضرورت و مجبوری کی وجہ سے یہ عمل کتنا ہی عرصہ تک کیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت پاک مٹی سے تیمّم کرنا وضو یا غسل کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور ایسی صورت میں وضو یا غسل کے بدلہ میں پاک مٹی سے تیمّم کرنا ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ پانی سے وضو یا تیمّم کرنا، اگرچہ ضرورت و مجبوری کی وجہ سے کتنے ہی عرصہ تک تیمّم کیوں نہ کرنا پڑے۔

لہٰذا وسوسوں کی وجہ سے ضرورت و مجبوری کے وقت تیمّم کر کے نماز نہ پڑھنا اور نماز

---

[1] رقم الحديث ١٢٤، ابواب الطهارة، باب التيمم للجنب إذا لم يجد الماء.

قال الترمذي: وفي الباب عن أبي هريرة، وعبد الله بن عمرو، وعمران بن حصين، وهكذا روى غير واحد عن خالد الحذاء، عن أبي قلابة، عن عمرو بن بجدان، عن أبي ذر وقد روى هذا الحديث أيوب، عن أبي قلابة، عن رجل من بني عامر، عن أبي ذر، ولم يسمه، وهذا حديث حسن صحيح" وهو قول عامة الفقهاء :أن الجنب، والحائض إذا لم يجدا الماء تيمما وصليا.

ويروى عن ابن مسعود :أنه كان لا يرى التيمم للجنب، وإن لم يجد الماء، ويروى عنه أنه رجع عن قوله :فقال :يتيمم إذا لم يجد الماء وبه يقول سفيان الثوري، ومالك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.

چھوڑ دینا غلط طریقہ ہے۔ [1]

# تیمّم سے متعلق چند مسائل

اب تیمّم سے متعلق چند مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

**مسئلہ نمبر۱:**...... وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کرنا اس وقت بھی جائز ہے، جبکہ پانی میسر نہ ہو، مثلاً کوئی جنگل میں ہو، اور اس وقت بھی جائز ہے، جبکہ پانی کے استعمال پر مرض و بیماری کی وجہ سے قدرت نہ ہو، مثلاً پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہو جانے یا کسی مرض و بیماری کے پیدا ہو جانے یا پہلے سے پیدا شدہ مرض و بیماری کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک و صحت یاب ہونے کا ڈر ہو۔

اور جو مریض ایسا ہو کہ وہ خود سے نقل و حرکت پر قادر نہ ہو، اور نہ اس کو کوئی وضو کرانے والا میسر ہو، وہ بھی مریض و معذور میں داخل ہے، اور اس کو بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] ذهب عامة الفقهاء إلى أن التيمم ينوب عن الوضوء من الحدث الأصغر، وعن الغسل من الجنابة والحيض والنفاس فيصح به ما يصح بهما من صلاة فرض أو سنة وطواف وقراء ة للجنب ومس مصحف وغير ذلك مما يعلم من مصطلحي (وضوء وغسل)

وقد اختلفوا في مرجع الضمير في قوله تعالى : (فلم تجدوا ماء فتيمموا) بناء على اختلافهم في قوله تعالى : (أو لامستم النساء) فمن ذهب من العلماء إلى أن الملامسة هي الجماع .قال :إن الضمير يعود على المحدث مطلقا، سواء أكان الحدث أصغر أم أكبر أما من ذهب منهم إلى أن الملامسة بمعنى اللمس باليد قال: إن الضمير يعود على المحدث حدثا أصغر فقط، وبذلك تكون مشروعية التيمم للجنب ثابتة بالسنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۲۶۷، مادة" تيمم")

[2] ثانيا: عدم القدرة على استعمال الماء :

يجب على من وجد الماء أن يستعمله في عبادة وجبت عليه لا تصح إلا بالطهارة، ولا يجوز العدول عن ذلك إلى التيمم إلا إذا عدمت قدرته على استعمال الماء ، ويتحقق ذلك بالمرض، أو خوف المرض من البرد ونحوه، أو العجز عن استعماله.

أ -المرض:

اتفق الفقهاء على جواز التيمم للمريض إذا تيقن التلف، وكذلك عند الأكثرين إذا خاف من استعمال الماء للوضوء أو الغسل على نفسه، أو عضوه هلاكه، أو زيادة مرضه، أو تأخر برئه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر۲:**...... اگر سردی کے سبب پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان چلے جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے یا مرض و بیماری کے پیدا ہو جانے یا پہلے سے پیدا شدہ مرض و بیماری کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا ڈر ہو، تو وہ خواہ سفر میں ہو یا حضر اور شہر میں، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بہر حال تیمّم کرنا جائز ہے، یعنی کہ سردی کے سبب، تیمّم جائز ہونے کے لئے شہر سے باہر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ضرورت و مجبوری کا پایا جانا کافی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويعرف ذلک بالعادة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم عدل، واكتفى بعض الحنفية بأن يكون مستورا أى غير ظاهر الفسق، وصرح الشافعية فى الأظهر -والحنابلة زيادة على ما تقدم -خوف حدوث الشين الفاحش.

وقيده الشافعية بما يكون فى عضو ظاهر؛ لأنه يشوه الخلقة ويدوم ضرره، والمراد بالظاهر عند الشافعية ما يبدو عند المهنة غالبا كالوجه واليدين.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن المريض الذى لا يقدر على الحركة ولا يجد من يستعين به يتيمم كعادم الماء ولا يعيد.

وقال الحنفية :فإن وجد من يوضئه ولو بأجر المثل وعنده مال لا يتيمم فى ظاهر المذهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۲۵۸، مادة" تيمم")

۱؎ ب -خوف المرض من البرد ونحوه:

ذهب جمهور الفقهاء إلى جواز التيمم فى السفر والحضر (خلافا لأبى يوسف ومحمد فى الحضر) لمن خاف من استعمال الماء فى شدة البرد هلاكا، أو حدوث مرض، أو زيادته، أو بطء برء إذا لم يجد ما يسخن به الماء ، أو لم يجد أجرة الحمام، أو ما يدفئه، سواء فى الحدث الأكبر أو الأصغر؛ لإقرار النبى صلى الله عليه وسلم عمرو بن العاص رضى الله عنه على تيممه خوف البرد وصلاته بالناس إماما ولم يأمره بالإعادة.

وذهب الحنفية إلى أن جواز التيمم للبرد خاص بالجنب؛ لأن المحدث لا يجوز له التيمم للبرد فى الصحيح خلافا لبعض المشايخ إلا إذا تحقق الضرر من الوضوء فيجوز التيمم حينئذ .وذهب جمهور الفقهاء إلى أن المتيمم للبرد -على الخلاف السابق -لا يعيد صلاته.

وذهب الشافعية إلى أنه يعيد صلاته فى الأظهر إن كان مسافرا، والثانى :لا يعيد لحديث عمرو بن العاص رضى الله عنه، أما إذا تيمم المقيم للبرد فالمشهور كما قال الرافعى القطع بوجوب الإعادة، وقال النووى :إن جمهور الشافعية قطعوا به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۲۵۸، مادة"تيمم")

ففى التيمم :أجاز المالكية والشافعية والحنابلة -وهو رأى للحنفية -التيمم للحدث الأكبر والأصغر فى البرد الشديد مع وجود الماء ، إذا لم يجد ما يسخنه وخشى الضرر .وأجاز الحنفية -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

**مسئلہ نمبر۳:**...... اگر کسی شخص کو بیماری تو نہیں ہے، اور پانی بھی میسر ہے، لیکن وہ پانی کے استعمال پر قادر نہیں، مثلاً وہ کسی قید خانہ میں محبوس ہے، یا اسے پانی لانے یا پانی تک پہنچنے میں کسی جانور یا انسان کی طرف سے خطرہ لاحق ہے، تو بھی تیمّم جائز ہے۔ [۱]

**مسئلہ نمبر۴:**...... اگر کسی کے پاس پانی صرف اتنی مقدار میں ہے کہ جو اپنے یا اپنے کسی چوپائے کے کھانے پینے کی ضروریات کا ہے، اور اگر اس پانی سے وضو یا غسل کیا جائے، تو مذکورہ ضروریات متاثر ہوتی ہیں، تب بھی اس کو تیمّم کرنا جائز ہے۔ [۲]

**مسئلہ نمبر۵:**...... تیمّم اس پاک مٹی سے کرنا جائز ہے، جس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ [۳]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى المشهور -عندهم التيمم للحدث الأكبر دون الأصغر؛ لعدم تحقق الضرر فى الأصغر غالبا، لكن لو تحقق الضرر جاز فيه أيضا اتفاقا، كما قرره ابن عابدين، قال :لأن الحرج مدفوع بالنص، وهو ظاهر إطلاق المتون.

وأجاز المالكية التيمم للبرد الشديد المسبب برودة الماء ، إذا خاف الصحيح الحاضر أو المسافر خروج وقت الصلاة بطلبه الماء وتسخينه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص۵۷، مادة"برد")

[۱] ج -العجز عن استعمال الماء :

يتيمم العاجز الذى لا قدرة له على استعمال الماء ولا يعيد كالمكره، والمحبوس، والمربوط بقرب الماء ، والخائف من حيوان، أو إنسان فى السفر والحضر؛ لأنه عادم للماء حكما، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الصعيد الطيب طهور المسلم وإن لم يجد الماء عشر سنين فإذا وجد الماء فليمسه بشرته فإن ذلك خير. واستثنى الحنفية مما تقدم المكره على ترك الوضوء فإنه يتيمم ويعيد صلاته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۲۵۹، مادة" تيمم")

[۲] د -الحاجة إلى الماء :يتيمم ولا يعيد من اعتقد أو ظن أنه يحتاج الماء الذى معه ولو فى المستقبل؛ لنحو عطش إنسان معصوم الدم، أو حيوان محترم شرعا -ولو كلب صيد أو حراسة -عطشا مؤديا إلى الهلاك أو شدة الأذى، وذلك صونا للروح عن التلف، بخلاف الحربى، والمرتد، والكلب غير المأذون فيه، فإنه لا يتيمم بل يتوضأ بالماء الذى معه لعدم حرمة هؤلاء .

وسواء أكانت الحاجة للماء للشرب، أم العجن، أم الطبخ.

ومن قبيل الاحتياج للماء إزالة النجاسة غير المعفو عنها به، سواء أكانت على البدن أم الثوب، وخصها الشافعية بالبدن، فإن كانت على الثوب توضأ بالماء وصلى عريانا إن لم يجد ساترا ولا إعادة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴،ص ۲۵۹، مادة" تيمم")

[۳] البتہ جو ناپاک زمین دھوئے بغیر سورج کی دھوپ یا ہوا سے خشک ہونے سے پاک ہو جائے تو اس پر تیمّم جائز نہیں، تا آنکہ اس کو پانی سے دھو کر پاک نہ کر دیا جائے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**مسئلہ نمبر۶:** ...... پاک مٹی سے تیمّم کے جائز ہونے پر تو تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

اور جو چیزیں مٹی کی جنس سے ہیں، مثلاً سرخ، کالی یا سفید مٹی، پکی اینٹ، مٹی کا پاک برتن، پتھر، چونا، سرمہ وغیرہ، ان سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے، خواہ مٹی ہاتھ کو لگے یا نہ لگے، اور ان چیزوں پر گرد وغبار موجود ہو یا نہ ہو۔

اور اگر مٹی کے علاوہ کسی دوسری چیز مثلاً لکڑی کپڑے وغیرہ پر اتنی گرد وغبار جمی ہوئی ہے، جو ہاتھ لگانے سے اس پر لگ جائے، تو پھر اس سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال الطحاوی: ولما اختلفوا فی ذلک، ولم نجد لما اختلفوا فیه دلیلا فی الکتاب التمسناه فی سنة رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ، فوجدنا قوله (صلی الله علیه وسلم) : تمت جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا ، فلما أخبر أن الله جعل له الأرض مسجدا وطهورا، وکان المراد بالمسجد الصلاة علیها، والمراد بالطهور التیمم بها کانت کل أرض جازت الصلاة علیها جاز التیمم بها .قال ابن القصار :والدلیل علی أن المراد الأرض کلها قوله (صلی الله علیه وسلم) تمت فأیما رجل أدرکته الصلاة، فلیصل -، ولم یخص موضعا منها دون موضع، وقد یدرکه فی موضع منها من الأرض لا تراب علیه فیه رمل، أو جص کما تدرکه فی أرض علیها تراب (شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج ۱ ،ص ۴۶۶، کتاب التیمم)

إذا أصابت الأرض نجاسة، فجفت بالشمس أو النار، وذهب أثرها، وهو هنا اللون والرائحة، جازت الصلاة مکانها عند الحنفیة......کما ذهبوا إلی أنه لا یجوز التیمم به؛ لأن طهارة الصعید شرط بنص الکتاب وقال الله تعالی :(فتیمموا صعیدا طیبا)وطهارة الأرض بالجفاف ثبتت بدلیل ظنی، فلا یتحقق بها الطهارة القطعیة المطلوبة للتیمم بنص الآیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲ ص ۱۱۶ ،مادة "احراق")

[1] اتفق الفقهاء علی جواز التیمم بالصعید الطاهر، وهو شرط عند الجمهور، فرض عند المالکیة قال الله تعالی :(فتیمموا صعیدا طیبا)وقد اختلفوا فی المراد بالصعید هل هو وجه الأرض أو التراب المنبت؟ أما جواز المسح علی التراب المنبت فبالإجماع، وأما غیره مما علی وجه الأرض، فقد اختلف الفقهاء فیه، فذهب المالکیة وأبو حنیفة ومحمد إلی أن المراد بالصعید وجه الأرض، فیجوز عندهم التیمم بکل ما هو من جنس الأرض؛ لأن الصعید مشتق من الصعود وهو العلو، وهذا لا یوجب الاختصاص،وقوله علیه الصلاة والسلام :جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا، واسم الأرض یتناول جمیع أنواعها.

والطیب عندهم هو الطاهر، وهو الألیق هنا؛ لأنه شرع مطهرا، والتطهیر لا یقع إلا بالطاهر، مع أن معنی الطهارة صار مرادا بالإجماع حتی لا یجوز التیمم بالصعید النجس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مسئلہ نمبر ۷:...... تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو یا غسل جس کی بھی ضرورت ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد اختلفوا فی بعض ما یجوز به التیمم، فذهب المالکیة إلی أنه یجوز التیمم بالتراب -وهو الأفضل من غیره عند وجوده -والرمل، والحصی، والجص الذی لم یحرق بالنار، فإن أحرق أو طبخ لم یجز التیمم به.

ویجوز التیمم بالمعادن ما دامت فی مواضعها ولم تنقل من محلها إذا لم تکن من أحد النقدین -الذهب أو الفضة -أو من الجواهر کاللؤلؤ، فلا یتیمم علی المعادن من شب، وملح، وحدید، ورصاص، وقصدیر، وکحل، إن نقلت من محلها وصارت أموالا فی أیدی الناس.

ولا یجوز التیمم بالخشب والحشیش سواء أوجد غیرهما أم لا؛ لأنهما لیسا من أجزاء الأرض، وفی المسألة خلاف وتفصیل عند المالکیة.

ویجوز التیمم عندهم بالجلید وهو الثلج المجمد من الماء علی وجه الأرض أو البحر، حیث عجز عن تحلیله وتصییره ماء ؛ لأنه أشبه بجموده الحجر فالتحق بأجزاء الأرض.

وذهب أبو حنیفة ومحمد إلی أنه یجوز التیمم بکل ما کان من جنس الأرض، ثم اختلفا، فقال أبو حنیفة :یجوز التیمم بکل ما هو من جنس الأرض التزق بیده شیء أو لا؛ لأن المأمور به هو التیمم بالصعید مطلقا من غیر شرط الالتزاق، ولا یجوز تقیید المطلق إلا بدلیل.

وقال محمد :لا یجوز إلا إذا التزق بیده شیء من أجزائه، فالأصل عنده أنه لا بد من استعمال جزء من الصعید ولا یکون ذلک إلا بأن یلتزق بیده شیء منه.

فعلی قول أبی حنیفة یجوز التیمم بالجص، والنورة، والزرنیخ، والطین الأحمر، والأسود، والأبیض، والکحل، والحجر الأملس، والحائط المطین، والمجصص، والملح الجبلی دون المائی، والآجر، والخزف المتخذ من طین خالص، والأرض الندیة، والطین الرطب.

ولکن لا ینبغی أن یتیمم بالطین ما لم یخف ذهاب الوقت؛ لأن فیه تلطیخ الوجه من غیر ضرورة فیصیر بمعنی المثلة، وإن کان لو تیمم به أجزأه عندهما؛ لأن الطین من أجزاء الأرض، فإن خاف ذهاب الوقت تیمم وصلی عندهما.

ویجوز التیمم عندهما بالغبار بأن ضرب یده علی ثوب، أو لبد، أو صفة سرج، فارتفع غبار، أو کان علی الحدید، أو علی الحنطة، أو الشعیر، أو نحوها غبار، فتیمم به أجزأه فی قولهما؛ لأن الغبار وإن کان لطیفا فإنه جزء من أجزاء الأرض فیجوز التیمم به، کما یجوز بالکثیف بل أولی.

وقد روی أن عبد الله بن عمر -رضی الله عنهما -کان بالجابیة فمطروا فلم یجدوا ماء یتوضئون به، ولا صعیدا یتیممون به، فقال ابن عمر :لینفض کل واحد منکم ثوبه، أو صفة سرجه، ولیتیمم، ولیصل، ولم ینکر علیه أحد فیکون إجماعا .ولو کان المسافر فی طین وردغة لا یجد ماء ولا صعیدا ولیس فی ثوبه وسرجه غبار لطخ ثوبه أو بعض جسده بالطین فإذا جف تیمم به.

أما ما لم یکن من جنس الأرض فلا یجوز التیمم به اتفاقا عند الحنفیة .فکل ما یحترق بالنار فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوهما، أو ما ینطبع ویلین کالحدید، والصفر، والنحاس، والزجاج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس کے تیمّم کی دل میں نیت کرے، اس کے بعد مٹی پر ایک دفعہ دونوں ہاتھ رکھے، اور اپنے پورے چہرے پر پھیر لے، اور اس کے بعد دوسری دفعہ پھر ہاتھ رکھے، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک پھیر لے، بس تیمّم ہوگیا۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونحوها، فليس من جنس الأرض.

كما لا يجوز التيمم بالرماد لأنه من أجزاء الحطب فليس من أجزاء الأرض .وذهب الشافعية والحنابلة وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا يجوز التيمم إلا بتراب طاهر ذى غبار يعلق باليد غير محترق لقوله تعالى :(فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه) وهذا يقتضى أنه يمسح بجزء منه، فما لا غبار له كالصخر، لا يمسح بشىء منه .وقوله صلى الله عليه وسلم :جعل التراب لى طهورا.

فإن كان جريشا أو نديا لا يرتفع له غبار لم يكف .لأن الصعيد الطيب هو التراب المنبت، وقد سئل ابن عباس رضى الله عنهما أى الصعيد أطيب فقال :الحرث، وهو التراب الذى يصلح للنبات دون السبخة ونحوها.

وأضاف الشافعية إلى التراب الرمل الذى فيه غبار، وعن أحمد روايتان الجواز وعدمه، وعن أبى يوسف روايتان أيضا.

ولا يجوز عندهم جميعا (الشافعية وأحمد وأبو يوسف) التيمم بمعدن كنفط، وكبريت، ونورة، ولا بسحاقة خزف؛ إذ لا يسمى ذلك ترابا.

ولا بتراب مختلط بدقيق ونحوه كزعفران،وجص؛ لمنعه وصول التراب إلى العضو، ولا بطين رطب؛ لأنه ليس بتراب، ولا بتراب نجس كالوضوء باتفاق العلماء .لقوله تعالى :(فتيمموا صعيدا طيبا)

وقال الشافعية إن ما استعمل فى التيمم لا يتيمم به كالماء المستعمل .وزاد الحنابلة المغصوب ونحوه فلا يجوز التيمم به.

ويجوز المسح بالثلج عند الحنابلة على أعضاء الوضوء إذا تعذر تذويبه لقوله صلى الله عليه وسلم : إذا أمرتكم بشىء فأتوا منه ما استطعتم.ثم إذا جرى الماء على الأعضاء بالمس لم يعد الصلاة لوجود الغسل وإن كان خفيفا، وإن لم يسل أعاد صلاته؛ لأنه صلى بدون طهارة كاملة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴،ص ۲۶۰ الیٰ ۲۶۲، مادة"تيمم")

[1] اختلف الفقهاء فى كيفية التيمم:

أ -فذهب الحنفية والشافعية إلى أن التيمم ضربتان :ضربة للوجه وضربة لليدين لقوله صلى الله عليه وسلم :التيمم ضربتان :ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين.

ب -وذهب المالكية والحنابلة إلى أن التيمم الواجب ضربة واحدة؛ لحديث عمار أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى التيمم :إنما كان يكفيك ضربة واحدة للوجه واليدين واليد إذا أطلقت لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# زخم یا پٹی پر مسح کا جواز

جس طرح ضرورت ومجبوری کے وقت تیمّم کرنا جائز ہے، اسی طرح ضرورت ومجبوری کے وقت کسی عضوکو دھونے کے بجائے اس پر پانی سے بھیگا ہوا ہاتھ یا انگلیاں پھیر کر مسح کرنا یا بندھی ہوئی پٹی پر بھیگے ہوئے ہاتھ یا انگلیوں سے مسح کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

اور بدن کے کسی حصہ پر مسح کے جائز ہونے کے لئے وہی اعذار معتبر ہیں، جو تیمّم جائز ہونے کے لئے معتبر ہیں، مثلاً اس عضوکو دھونے سے اس کے ضائع ہونے یا مرض پیدا ہونے یا مرض کے بڑھ جانے یا مرض کے دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو، تو ان صورتوں میں اس عضو یا اس پر بندھی ہوئی پٹی، پلستر وغیرہ پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ وضو کرتے ہوئے ایسا کیا جائے یا غسل کرتے ہوئے۔ [2]

# تیمّم یا زخم پر مسح کرنے والے کی امامت

جس شخص نے ضرورت ومجبوری کے وقت تیمّم کیا ہو، یا کسی عضو پر مسح کیا ہو، اس کو ان لوگوں کی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یدخل فیھا الذراع کما فی الید المقطوعة فی السرقة .والأکمل عنھم ضربتان وإلی المرفقین کالحنفیة والشافعیة.وصورته -عندھم جمیعا -فی مسح الیدین بالضربة الثانیة :أن یمر الید الیسری علی الید الیمنی من فوق الکف إلی المرفق، ثم باطن المرفق إلی الکوع (الرسغ) ، ثم یمر الیمنی علی الیسری کذلک . والمقصود من التیمم إیصال التراب إلی الوجه والیدین، فبأی صورة حصل استیعاب العضوین بالمسح أجزأہ تیممه .سواء احتاج إلی ضربتین أو أکثر، وعلی ھذا اتفق الفقھاء (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۱۴،ص ۲۶۲،۲۶۳، مادة" تیمم")

[1] اتفق الفقھاء علی مشروعیة المسح علی الجبائر فی حالة العذر نیابة عن الغسل أو المسح الأصلی فی الوضوء أو الغسل أو التیمم (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۰۷، مادة "جبیرة")

[2] ذھب الحنفیة والمالکیة إلی أن الواجب فی حق الجریح الذی یتضرر من غسل جراحته، أن یمسح علی عین الجراحة إذا کان المسح علیھا لا یضرہ، وإلا وجب علیه أن یمسح علی الجبیرة. وخوف الضرر المجیز للمسح ھو الخوف المجیز للتیمم .علی تفصیل ینظر فی (جبیرة (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۳۷، مادة "جراح")

نماز میں امامت کرنا جائز ہے کہ جنہوں نے تیمّم کے بجائے وضو کر رکھا ہو، اور مسح کے بجائے اعضاء کو دھویا ہوا ہو۔ [1]

خلاصہ یہ کہ تیمّم اور مسح سے متعلق بھی وسوسوں میں مبتلا ہونا درست نہیں، اور اس سلسلہ میں شرعی ہدایات کو ملحوظ رکھ کر ان پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] يجوز اقتداء المتوضء بالمتيمم عند جمهور الفقهاء .(المالكية والحنابلة وأبى حنيفة وأبى يوسف) ، لما ورد فى حديث عمرو بن العاص أنه بعثه النبى صلى الله عليه وسلم أميرا على سرية، فأجنب، وصلى بأصحابه بالتيمم لخوف البرد، وعلم النبى صلى الله عليه وسلم فلم يأمرهم بالإعادة.

واستدل الحنفية للجواز كذلك على أصلهم بأن التيمم يرفع الحدث مطلقا من كل وجه، ما بقى شرطه، وهو العجز عن استعمال الماء ، ولهذا تجوز الفرائض المتعددة بتيمم واحد عندهم.

وكره المالكية اقتداء المتوضء بالمتيمم، كما أن الحنابلة صرحوا بأن إمامة المتوضء أولى من إمامة المتيمم، لأن التيمم لا يرفع الحدث، بل يستباح به الصلاة للضرورة.

وقال الشافعية : لا يجوز الاقتداء بمن تلزمه الإعادة كمتيمم بمتيمم، ولو كان المقتدى مثله، أما المتيمم الذى لا إعادة عليه فيجوز اقتداء المتوضء به، لأنه قد أتى عن طهارته ببدل مغن عن الإعادة.

وقال محمد بن الحسن من الحنفية :لا يصح اقتداء المتوضء بالمتيمم مطلقا فى غير صلاة الجنازة، للزوم بناء القوى على الضعيف .

اقتداء الغاسل بالماسح:اتفق الفقهاء على جواز اقتداء غاسل بماسح على خف أو جبيرة، لأن الخف مانع سراية الحدث إلى القدم، وما حل بالخف يرفعه المسح، فهو باق على كونه غاسلا، كما علله الحنفية، ولأن صلاته مغنية عن الإعادة لارتفاع حدثه، لأن المسح يرفع الحدث كما وجهه الآخرون (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ص، ۳۱، ۳۲، مادة ” اقتداء“ )

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۱۶)

# نماز سے متعلق وسوسوں کا حکم

بہت سے لوگوں کو نماز میں مختلف قسم کے وسوسے آتے ہیں، اور وہ ان وسوسوں کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، بعض اوقات نماز سے متعلق وسوسوں کا معاملہ اتنا بڑھ جاتا ہے، کہ بعض لوگ تنگ آ کر نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور اگر چھوڑتے نہیں تو نماز یا اس کے کسی رکن کو کئی کئی مرتبہ ادا کر کے خود بھی پریشان ہوتے ہیں، اور نماز کو بھی مکروہ یا فاسد کرتے ہیں، اور بعض اوقات دوسرے لوگوں کی بھی تکلیف وایذاء کا باعث بنتے ہیں۔

اس لئے وسوسوں کے باب میں نماز کا پہلو بھی بڑا اہم ہے، اور اس سلسلہ میں شرعی ہدایات کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

## شیطان کا نماز میں وسوسے ڈال کر بھول پیدا کرنا

شیطان، نمازی کو مختلف قسم کے وسوسے ڈالتا ہے، اور دنیا کی مختلف چیزوں میں ذہن کو مشغول کرنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ نماز کی طرف سے توجہ ہٹے، اور نماز میں بھول واقع ہو۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ، فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ، أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُوْلُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ اَنْ يَّدْرِيْ كَمْ صَلّٰى (بخاری، رقم الحدیث ۱۲۳۱)[1]

---

[1] كتاب الصلاة، باب إذا لم يدر كم صلى ثلاثا أو أربعا، سجد سجدتين وهو جالس.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے، تو شیطان ریح خارج کرتا ہوا بھاگ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اذان کی آواز نہیں سنتا، پھر جب اذان ختم ہوجاتی ہے، تو واپس لوٹ آتا ہے، پھر جب اقامت ہوتی ہے، تو بھاگتا ہے اور جب اقامت پوری ہوجاتی ہے، تو لوٹ آتا ہے، اور آدمی (یعنی نمازی) کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر اور فلاں کام یاد کر، اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نمازی کو یہ یاد نہیں رہتا کہ (اس نے) کتنی رکعتیں پڑھی ہیں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان، نمازی کو مختلف چیزوں کا وسوسہ ڈال کر نماز کی رکعتوں کی تعداد وغیرہ میں بھول پیدا کرادیتا ہے۔

کئی احادیث میں شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا علاج وحل بھی آیا ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

## نماز کی قرائت وغیرہ میں شیطانی وسوسہ اور اس کا علاج

بعض احادیث میں شیطان کے نماز اور قرائت وغیرہ میں وسوسہ ڈالنے کا ذکر کرنے کے بعد شیطان کے وسوسہ کے علاج کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ صَلَاتِيْ وَقِرَاءَ تِيْ فَقَالَ: إِنَّ ذٰلِکَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خَنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَنْ يَّسَارِکَ قَالَ: فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ عَنِّيْ (مستدرک حاکم) [1]

---

[1] رقم الحديث ۷۵۱۴، ج۴ص ۲۴۴، كتاب الطب، مسلم، رقم الحديث ۲۲۰۳ ”۶۸“
قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ شیطان میرے اور میری نماز اور میری قراءت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے (اور وہ مجھ کو وسوسہ ڈالتا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جس کو خَـنْـزَب کہا جاتا ہے، سو جب تم ایسی صورتِ حال محسوس کرو (جس کا تم نے ذکر کیا ہے) تو تم اللہ کے ذریعہ اس سے پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دو (یعنی تھُو تھُو کردو) میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے مجھ سے (شیطان اور اُس کے وسوسہ کو) دُور فرمادیا (حاکم، مسلم)

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّـهُ: شَكٰى إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَسْوَسَةَ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ: خَنْزَبٌ، فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ مِنْهُ شَيْئًا فَلْيَتْفُلْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٨٣٦٨، ج٩ ص ٥٣)

ترجمہ: انہوں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں وسوسہ کی شکایت کی، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جس کو خَنْزَبْ کہا جاتا ہے، سو جب تم میں سے کوئی نماز میں شیطان کی طرف سے وسوسہ پائے، تو اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے، اور اللہ کے ذریعہ اس سے پناہ طلب کرے (طبرانی)

شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنے اور مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے، اس کے پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، یا نماز کے بعد پڑھ لے، اور بائیں طرف تین مرتبہ تھُتکارنے کا مطلب یہ ہے کہ بائیں طرف کو اشارہ کرکے بغیر آواز کے آہستہ سے تین مرتبہ تھوتھو کردے، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بائیں طرف تین مرتبہ تھتکارے۔

اس طریقہ کو اختیار کرنے کی برکت سے شیطان وسوسہ ڈال کر اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہوجائے گا۔ [1]

## شیطان کا نماز میں وضو ٹوٹنے کا وسوسہ ڈالنا

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان، نماز میں وضو ٹوٹنے کا بھی وسوسہ ڈالتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَبَّہَ عَلٰی أَحَدِکُمُ الشَّیْطَانُ وَہُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ، فَقَالَ: أَحْدَثْتَ، فَلْیَقُلْ فِیْ نَفْسِہٖ کَذَبْتَ، حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا بِأُذُنَیْہِ، أَوْ یَجِدَ رِیْحًا بِأَنْفِہٖ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے شیطان شبہ پیدا کرے، اور یہ کہے کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تو یہ (نماز پڑھنے والا) اپنے دل میں کہے کہ تو نے جھوٹ بولا، یہاں تک کہ اپنے کانوں سے (ریح کی) آواز سُن لے، یا اپنی ناک سے (ریح کی) بدبو محسوس کرلے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے شیطان وضو ٹوٹنے کا بھی وسوسہ ڈال دیتا ہے، جس پر عمل نہیں کرنا چاہئے، جب تک یقین نہ ہوجائے، اور مذکورہ حدیث میں یقین کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ جب تک اپنے کانوں سے ریح خارج ہونے کی آواز یا اپنی ناک سے بدبو نہ سونگھ

---

[1] ولیتفل ثلاث مرات غیر متوالیات، ویمکن حمل التفل والتعوذ علی ما بعد الصلاۃ (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱ ص ۱۴۲، کتاب الایمان، باب فی الوسوسۃ)

وفی الحدیث أن التفل فی الصلاۃ للضرورۃ لا یفسدھا (مرعاۃ المفاتیح، ج ۱ ص ۱۵۶، کتاب الایمان، باب فی الوسوسۃ)

[2] رقم الحدیث ۱۱۳۲۰.

فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح لغیرہ.

لے، جس کی تفصیل پہلے وضو سے متعلق وسوسوں کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اور جس طرح شیطان، نماز میں ریح خارج ہونے کی صورت میں وسوسہ ڈال سکتا ہے، اسی طرح دوسری صورتوں میں بھی وضوٹوٹنے کا وسوسہ ڈال سکتا ہے، مثلاً پیشاب کا قطرہ خارج ہونے کا وسوسہ، اس کی طرف بھی توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔

## نماز میں آنے والے وسوسوں پر کان نہ دھرے جائیں

گزشتہ حدیث سے اُصولی انداز میں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جس طرح نماز میں وضوٹوٹنے سے متعلق آنے والے وسوسوں پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح وضوٹوٹنے کے علاوہ کسی اور بات میں وسوسہ آئے، تو اس پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا، بعض دوسری روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، فَقَالَ لَهُ:

اِنِّیُ لَاَهِمُ فِیُ صَلَاتِیُ فَیَکْثُرُ ذٰلِکَ عَلَیَّ ،فَقَالَ الْقَاسِمُ اَمْضِ فِیُ صَلَاتِکَ فَاِنَّهُ لَنُ یَّذْهَبَ عَنْکَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَأَنْتَ تَقُوْلُ مَاأَتْمَمْتُ صَلَاتِیُ (مؤطاالامام مالک) لے

ترجمہ: ایک آدمی نے قاسم بن محمد سے یہ سوال کیا کہ مجھے نماز میں بہت وہم ہوتا ہے؟ (مثلاً یہ چیز رہ گئی یا فلاں عمل چھوٹ گیا وغیرہ، وغیرہ) قاسم بن محمد نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم نماز پڑھتے چلے جاؤ اور اس وقت تک یہ کیفیت نہیں جائے گی جب تک تم ایسا نہ کرو کہ نماز سے فارغ ہوکر (شیطان سے) یوں نہ کہہ دو کہ ہاں میری نماز مکمل نہیں ہوئی (مؤطاامام مالک)

---

لے رقم الحدیث ٢٣٢، کتاب النداء للصلاة ،باب العمل فی السهو.

مطلب یہ ہے کہ نماز میں وضوٹوٹنے، قرائت نہ کرنے، یا کسی اور چیز کے متعلق وسوسہ آئے، اور شیطان یہ کہے کہ آپ کا فلاں عمل رہ گیا، اور آپ کی نماز نہیں ہوئی، تو شیطان کی بات نہیں ماننی چاہئے، اور اس کی ایسے انداز میں تکذیب کر دینی چاہئے، کہ جس کے بعد اسے وسوسہ ڈالنے کی جرأت ہی نہ ہو، یہ وسوسوں کا انتہائی عمدہ علاج ہے۔ [۱]

اور مذکورہ روایت کا مضمون، ان احادیث کے مطابق ہے، جن میں آنے والے وسوسوں کو ان پر عمل نہ کرنے سے پہلے معاف قرار دیا گیا ہے، اور شیطان کے وسوسہ کو مان لینا، دراصل وسوسہ پر عمل کر لینا ہے۔ [۲]

# توجہ وخشوع والی نماز کی فضیلت

گزشتہ احادیث سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ نماز کے اندر شیطان، مختلف قسم کے وسوسے

---

[۱] (حتى تنصرف) أى :تفرغ من الصلاة (وأنت تقول) : للشيطان صدقت (ما أتممت صلاتى) :لكن ما أقبل قولك، ولا أتمها إرغاما لك، ونقضا لما أردته منى، وهذا أصل عظيم لدفع الوساوس، وقمع هواجس الشيطان فى سائر الطاعات (مرقاة المفاتيح، ج ا ص۱۴۷، كتاب الايمان، باب فى الوسوسة)

قال أبو عمر هذا عندى فيمن يغلب عليه أنه يعتريه ذلك مع إتمام صلاته وأن تلك الوسوسة قد علم من نفسه فيها أنها تعتريه وقد أكمل ما عليه من العمل فى الأغلب وأنه لا ينفك منها والأغلب عنده أنها وسوسة تنوبه مع حاله تلك ولم يكن يعرف من نفسه قبل أن يعتريه ذلك إلا الإتمام والله أعلم.

وأما من كان الأغلب عليه أنه لم يكمل صلاته فالحكم فيه أن يبنى على يقينه فإن اعتراه ذلك فيما يبنى لها أيضا عنه على ما جاء عن القاسم وغيره ويدلك على أن حديث هذا الباب غير حديث البناء على اليقين أن أبا سعيد الخدرى هو الذى روى فيمن لم يدر أثلاثا صلى أم أربعا أن يصلى ركعة وهو على البناء على اليقين فى أصل فرضه ألا يخرج عنه إلا بيقين.

وقد ذكرنا فى الباب قبل هذا عند ذكر حديث مالك عن زيد بن أسلم فى البناء على اليقين من قال من العلماء بالتحرى فى معنى هذا الحديث أيضا فأغنى ذلك عن ذكره ها هنا (الاستذكار للقرطبى، ج۲، ص۴، كتاب السهو، باب العمل فى السهو)

[۲] عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قال النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله تجاوزلى عن أمتى ما وسوست به صدورها، ما لم تعمل أو تكلم (بخارى، رقم الحديث ۲۵۲۸، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان فى العتاقة)

ڈالتا ہے، اوران وسوسوں پر عمل نہیں کرنا چاہئے، اور اُن پر کان نہیں دھرنا چاہئے۔

البتہ اپنے اختیار سے وسوسوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اور خود کوشش یہ کرنی چاہئے کہ نماز میں دل سے متوجہ رہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يُقْبِلُ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا، اور اچھی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، جن میں اپنے دل اور چہرے کے ساتھ متوجہ رہا، تو اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی (نسائی)

اس حدیث سے اچھی طرح وضو کرنے کے بعد دو رکعتیں دل اور چہرہ کی توجہ کے ساتھ پڑھنے کی یہ فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کی وجہ سے جنت کا انعام حاصل ہوتا ہے۔

اپنے دل اور چہرہ کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رہنے کا مطلب محدثین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اپنے باطن یعنی دل کے ساتھ ساتھ اپنے ظاہر سے بھی متوجہ رہا، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے چہرہ، نظر اور ہاتھ پاؤں کو اِدھر اُدھر متوجہ نہیں کیا، اور ان کو سنت و مستحب طریقہ پر نماز میں مشغول و پابند رکھا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٥١، كتاب الطهارة، باب ثواب من أحسن الوضوء ثم صلى ركعتين، سنن أبي داود، رقم الحديث ٩٠٦، باب كراهية الوسوسة وحديث النفس في الصلاة.

في حاشية ابي داؤد: حديث قوى.

[2] (وعن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- (ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوءه) : أغرب ابن حجر وقال: أي بأن يأتي بواجباته ويحتمل مكملاته اهـ. فإن إحسان الوضوء بعد التوضؤ لا يحتمل غير المكملات مع أن في لفظه الإحسان دلالة عليه وإشارة إليه (ثم يقوم) : أي: حقيقة أو حكما سيما إذا كان يعذر فإطلاقه جرى على الغالب لا أنه قيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ صَلّٰى غَيْرَ سَاهٍ وَلَا لَاهٍ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَقَالَ يَحْيٰى، مَرَّةً: غُفِرَ مَا كَانَ قَبْلَهَا مِنْ سَيِّئَةٍ** (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا، اور اچھی طرح (یعنی سنت کے مطابق) وضو کیا، پھر غفلت اور لاپرواہی کے بغیر (توجہ، اخلاص اور خشوع کے ساتھ) نماز پڑھی، تو اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور حضرت یحییٰ راوی نے ایک روایت میں یہ فرمایا کہ اس کی گزشتہ برائی (وخطا) معاف کردی جائے گی (مسند احمد)

اس حدیث سے اچھی طرح وضو کرکے غفلت ولاپرواہی سے بچ کر توجہ کے ساتھ دو رکعت پڑھنے کی یہ فضیلت معلوم ہوئی کہ گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

اور یہ فضیلت اس صورت میں حاصل ہوجاتی ہے، جبکہ خود اپنے اختیار سے دل کو نماز اور اس کے اذکار وافعال کی طرف متوجہ رکھے، اور غیر اختیاری طور پر شیطان کی طرف سے جو وساوس آتے رہیں، وہ اس کے خلاف نہیں۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

احترازی، وثم للترقی (فیصلی رکعتین، مقبل علیهما) : أی :علی الرکعتین (بقلبه) : أی :باطنه (ووجهه) : أی ظاهره أو ذاته .قال الطیبی :مقبل، وجد بالرفع فی الأصول وفی بعض النسخ مقبلا منصوبا علی الحال یعنی حال کونه متوجها، وکونه مرفوعا مشکل لأنه إما صفة لمسلم علی أن من زائدة ففیه فصل، وإما خبر مبتدأ محذوف والجملة حال، وهو أیضا بعید لعدم الواو إلا أن یجعل من قبیل فوه إلی فی، والأولی أنه فاعل تنازع فیه الفعلان من باب التجرید مبالغة اهـ .والأظهر أنه صفة مسلم ولیس الفصل أجنبیا (إلا وجبت له الجنة) أی :إنه تعالی یدخل الجنة بفضله بحیث لا یخالف وعده ألبتة کمن وجب علیه شیء(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۱، ۳۴۹، کتاب الطهارة)

[1] رقم الحدیث ۱۷۴۴۸ ،واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۲۱.
فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره.

www.idaraghufran.org

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ لَمْ يُحَدِّثْ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ** جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھ لے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور اپنے جی سے باتیں نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا، اس سے حضورِ قلب (یعنی دل حاضر ہونے) کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ نماز پر دل سے متوجہ ہو، یعنی ہر رکن کے ادا کرنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، پھر ہر رکن کو نماز کے قاعدہ پر ادا کرے، بتلایئے تو یہ کیا مشکل کام ہے، اگر کسی کو خطرات و وساوس آتے رہیں، تو یہ حضورِ قلب (یعنی دل حاضر ہونے) کے منافی (وخلاف) نہیں، پس اتنا ضروری ہے کہ خود وساوس نہ لاوے اور جو آتے ہوں ان کی طرف التفات (وتوجہ) نہ کرے، دیکھئے کس قدر تو آسان، مگر ہم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا (خطبات حکیم الامت جلد ۳۰ صفحہ ۵۸۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دو رکعتیں پڑھے اور ان کی صفت یہ ہو کہ **مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ** یعنی ان دونوں رکعتوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو، اب دیکھ لیجئے کہ رکعتوں کی کیا حقیقت ہے، رکعت نام ہے قیام، قراءت رکوع وسجود کا۔ بس حاصل (نتیجہ اور خلاصہ) **مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا** (یعنی رکعتوں کی طرف دل سے متوجہ ہونے) کا یہ ہوا کہ **مُقْبِلاً عَلَى الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ** (قرأت ورکوع وسجود پر متوجہ ہو) پس عبادت کے اجزائے خارجہ (خارجی حصوں) اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونا مامور بہ اور مطلوب ہوا (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا) اور یہی توجہ الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ) ہے، اس لئے کہ موصل الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی) ہے، پس اس کو توجہ الی غیر الحق (یعنی غیر

اللہ کی طرف توجہ کرنا) نہیں کہیں گے، اور جن کی چشمِ غیرت (یعنی غیرت وحیاء کی آنکھ) حق تعالیٰ نے کھول دی ہے، ان کے لئے تو ہر شے موصل الی الحق (یعنی ہر چیز ہی حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی) ہے، کسی نے (حق تعالیٰ کی شان میں) خوب کہا ہے۔ ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست　　　　یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے (جہان میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے اس میں آپ ہی کی قدرت اور دوسری صفات کا نظارہ ہوتا ہے) ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے، غیر کا وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے (بصائر حکیم الامت، ص ۳۱۶)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (أبوداوٗد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی سنت کے مطابق) وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، جن میں سہو (وغفلت) کو اختیار نہیں کیا، تو اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جائیں گے (ابوداؤد)

سہو کو اختیار نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو کسی چیز میں اس طرح مشغول نہیں کیا، جس سے نماز کے ارکان، افعال اور اقوال میں سہو اور غفلت واقع ہوگئی۔

اور عموماً سہو دنیا کی چیزوں کی طرف مشغول ہونے سے واقع ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۹۰۵، كتاب الصلاة، باب كراهية الوسوسة وحديث النفس فى الصلاة، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۰۵۴.

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

وفى حاشية ابى داوٗد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن فى المتابعات والشواهد.

[2] قوله " :لا يسهو "أعم من أن يكون السهو فى الأركان أو الأقوال أو الأفعال؛ والسهو لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض احادیث میں اس طرح کی فضیلت اپنے آپ سے باتیں نہ کرنے کی صورت میں آئی ہے۔

چنانچہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام، حضرت حمران رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: دَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِی هٰذَا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِی هٰذَا ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (مسلم) [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يكون إلا من اشتغال القلب بأمور الدنيا، فإذا انقطع عن تعلقات الدنيا، وتوجه بكليته إلى الله، غفر له ما تقدم من ذنبه ما خلا الكبائر وحقوق العباد(شرح ابی داؤد للعینی، ج۴ص۱۲۷، کتاب الصلاة، باب :كراهة الوسوسة وحديث النفس فی الصلاة)

(وعن زيد بن خالد الجهنی) : هو من جهينة، نزل الكوفة ومات بها، روى عنه عطاء بن يسار وغيره، قاله الطيبی (قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صلى سجدتين ") : قال الطيبی : غلبت السجدة على سائر الأركان كما غلبت الركعة عليها (لا يسهو) : أی :لا يغفل (فيهما) : قال الطيبی :أن يكون حاضر القلب أو يعبد الله كأنه يراه (غفر الله له ما تقدم من ذنبه) : قيد بالصغائر، وإن كان ظاهره شمول الكبائر (رواه أحمد) : قال ميرک ورواه أبو داود بلفظ " :من توضأ فأحسن وضوءه ثم صلى ركعتين لا يسهو بينهما غفر له ما تقدم من ذنبه "اهـ .وقوله :بينهما أی: فيما بين أفعال الركعتين ;ليوافق قوله فيهما .والله تعالى أعلم(مرقاة المفاتيح، ج۲ص۵۱۴، ۵۱۵، کتاب الصلاة)

[1] رقم الحديث ۲۲۶ "۳"كتاب الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله،واللفظ لهٗ،بخاری، رقم الحديث ۱۹۳۴.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگایا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو (گٹوں تک) تین مرتبہ دھویا، پھر کلی کی، اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ کو اسی طرح (کہنی تک تین مرتبہ) دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دائیں پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں پاؤں کو اسی طرح (ٹخنوں تک تین مرتبہ) دھویا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، جن میں اپنے آپ سے کوئی بات نہیں کی، تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے (مسلم، بخاری)

مذکورہ حدیث سے اختیاری وسوسوں سے بچ کر نماز پڑھنے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی، کہ اس طرح کی دو رکعت پڑھنے سے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور اہلِ علم حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور اِن دو رکعتوں میں اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے معاملات کی طرف اپنے ارادہ اور قصد سے توجہ نہیں کی، اور خشوع واخلاص اور دل کے استحضار کے ساتھ نماز پڑھی، جس میں دکھلاوا اور ریاء کاری وغیرہ شامل نہیں تھی۔

اور اگر کوئی دنیا کا خیال آ گیا، اور پھر اس نے اُس سے توجہ ہٹالی، تو یہ خشوع کے خلاف نہیں ہے۔

کیونکہ اس حدیث میں اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرنے کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اپنے قصد وارادہ والا عمل ہے، جس میں انسان باختیارِ خود اپنے آپ سے بات کرتا ہے۔ [1]

---

[1] (ثم قال) : أی :النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -حین فرغ من وضوئه ( من توضأ نحو وضوئی هذا ) أی جامعا لفرائضه وسننه (ثم یصلی رکعتین) : فیه استحباب رکعتین عقیب کل وضوء ولو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر کوئی بات آخرت سے متعلق ذہن میں آئی، مثلاً تلاوت کئے جانے والے قرآن مجید کے معانی اور اذکار اور دعاؤں کی کیفیت وغیرہ کی طرف توجہ ہوگئی، تو یہ خشوع کے خلاف نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى فريضة حصلت له هذه الفضيلة كما تحصل تحية المسجد بذلك (لا يحدث نفسه) : أى: لا يكلمها (فيهما بشىء ) من أمور الدنيا وما لا يتعلق بالصلاة، ولو عرض له حديث فأعرض عنه عفى له ذلك وحصلت له الفضيلة لأنه تعالى عفا عن هذه الأمة الخواطر التى تعرض ولا تستقر كذا قاله الطيبى .وقيل :أى بشىء غير ما يتعلق بما هو فيه من صلاته وإن تعلق بالآخرة وقيل بشىء من أمور الدنيا لأن عمر رضى الله تعالى عنه كان يجهز الجيش وهو فى الصلاة يعنى يكون قلبه حاضرا وقيل :معناه إخلاص الصلاة لله يعنى لا تكون صلاته للرياء والطمع (غفر له) : بصيغة المجهول (ما تقدم من ذنبه) : أى :من الصغائر، ويفهم منه أن الغفران مرتب على الوضوء مع الصلاة .ومن الحديث المتقدم ترتبه على مجرد الوضوء لمزيد فضله .قال ابن الملك .وفيه أن للصلاة مزية على الوضوء دون العكس كما هو ظاهر مقرر، فإنه وسيلة وشرط لها، ويمكن أن يقال كل منهما مكفر أو الوضوء المجرد مكفر لذنوب أعضاء الوضوء ، ومع الصلاة مكفر لذنوب جميع الأعضاء ، أو الوضوء مكفر للذنوب الظاهرة، ومع الصلاة مكفر للذنوب الظاهرة والباطنة والله أعلم(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۳۴۸، كتاب الطهارة)

۱؎ قوله " :لا يحدث فيهما نفسه المعنى :لا يحدث بشىء فى أمور الدنيا، وما لا يتعلق بالصلاة، ولو عرض له حديث فأعرض عنه،فبمجرد إعراضه عنه عفى له ذلك، وجعلت له هذه الفضيلة؛ لأن هذا ليس من فعله، وقد عفى لهذه الأمة عن الخواطر التى تعرض ولا تستقر.

وقال القاضى عياض :يريد بحديث النفس الحديث المجتلب والمكتسب،وأما ما يقع فى الخاطر غالبا فليس هو المراد، وقوله " :لا يحدث نفسه "إشارة إلى أن ذلك الحديث مما يكتسب لإضافته إليه .وقال بعضهم :هذا الذى يكون من غير قصد يرجى أن تقبل معه الصلاة، ويكون دون صلاة من لم يحدث نفسه بشىء ؛ لأن النبى -عليه السلام -ضمن الغفران لمراعى ذلك؛ لأنه قل من تسلم صلاته من حديث النفس، وإنما حصلت له هذه المرتبة لمجاهدة نفسه من خطرات الشياطين، ونفيها عنه، ومحافظته عليها، حتى لم يشتغل عنها طرفة عين، وسلم من الشيطان باجتهاده، وتفريغه قلبه، ولو حدث نفسه فيما يتعلق بأمور الآخرة، كالفكر فى معانى المتلو من القرآن العزيز،والمذكور من الدعوات والأذكار أو فى أمر محمود أو مندوب إليه لا يضر ذلك، وقد ورد عن عمر -رضى الله عنه -أنه (قال :إنى) لأجهز الجيش وأنا فى الصلاة "، أو كما قال.

قوله " :غفر الله له ما تقدم من ذنبه "الغفر والغفران :الستر، ومنه المغفر لأنه يستر الرأس .وقال ابن الأثير " :أصل الغفر :التغطية،والمغفرة :إلباس الله تعالى العفو للمذنبين (شرح ابى داوٗد للعينى، ج ۱ ص ۲۸۷،باب فى صفة وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم)

یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مذکورہ احادیث وروایات میں اپنے اختیار سے وساوس سے بچنے اور سہو وغفلت اختیار نہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، مگر وسوسوں وغیرہ پر کوئی حکم نہیں لگایا گیا، کہ وہ گناہ ہیں، یا نہیں؟ لہٰذا وہ اس بحث سے خارج ہیں۔

اور اختیاری وسوسہ پر مؤاخذہ وعدمِ مؤاخذہ کی بحث ہم نے الگ مقام پر ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔ [1]

## نماز میں خیر کا ارادہ وتفکُّر مُضِر نہیں

البتہ نماز میں کسی چیز کا یاد آجانا یا کسی خیر کے کام کو انجام دینے کا ارادہ کرنا یا کسی خیر کے کام اور

---

[1] اعلم أن الوسوسة ضرورية، واختيارية:
فالضرورية :ما يجرى فى الصدر من الخواطر ابتداء ، ولا يقدر الإنسان على دفعه، فهو معفو عن جميع الأمم،قال الله تعالىٰ :لايكلف الله نفسا الا وسعها.
والاختيارية :هى التى تجرى فى القلب، وتستمر، وهو يقصد ان يعمل به، ويتلذذ منه كما يجرى فى قلبه حب امرأة، ويدوم عليه، ويقصد الوصول إليها، وما أشبه ذلك من المعاصى، فهذا النوع عفا الله عن هذه الأمة خاصة تشريفا وتكريما لنبينا -عليه الصلاة والسلام -، وأمته، وإليه ينظر قوله تعالى : ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا.
وأما العقائد الفاسدة، ومساوء الأخلاق، وما ينضم إلى ذلك فإنها بمعزل عن الدخول فى جملة ما وسوست به الصدور (شرح الطيبى، ج٢ ص ٥١٦، كتاب الإيمان،باب فى الوسوسة، الفصل الاول، مطبوعة: مكتبة نزار المصطفىٰ الباز، المكة المكرمة، الرياض)
فالصواب ما قاله الطيبى من أن الوسوسة ضرورية، واختيارية، فالضرورية :ما يجرى فى الصدور من الخواطر ابتداء ، ولا يقدر الإنسان على دفعه، فهو معفو عن جميع الأمم، والاختيارية :هى التى تجرى فى القلب، وتستمر، وهو يقصد، ويعمل به، ويتلذذ منه كما يجرى فى قلبه حب امرأة، ويدوم عليه، ويقصد الوصول إليها، وما أشبه ذلك من المعاصى، فهذا النوع عفا الله عن هذه الأمة خاصة تعظيما، وتكريما لنبينا -عليه الصلاة والسلام -، وأمته، وإليه ينظر قوله تعالى :(ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا)وأما العقائد الفاسدة، ومساوء الأخلاق، وما ينضم إلى ذلك فإنها بمعزل عن الدخول فى جملة ما وسوست به الصدور اهـ.
وهو كلام حسن .ولهذا قيده النبى -صلى الله عليه وسلم -بقوله :(ما لم تعمل، أو تتكلم) إشارة إلى أن وسوسة الأعمال، والأقوال معفوة قبل ارتكابها، وأما الوسوسة التى لا تعلق لها بالعمل، والكلام من الأخلاق، والعقائد فهى ذنوب بالاستقرار (مرقاة المفاتيح، ج١ ص١٣٥، ١٣٦، كتاب الإيمان،باب فى الوسوسة)

بات کو سوچنا نماز کے خشوع کے خلاف اور مضر نہیں، بشرطیکہ نماز کے ارکان وافعال ٹھیک طرح ادا ہوتے رہیں، اور ان میں خلل اور نماز میں سہو واقع نہ ہو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيْعًا دَخَلَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَاٰى مَا فِيْ وُجُوْهِ الْقَوْمِ مِنْ تَعَجُّبِهِمْ لِسُرْعَتِهٖ، فَقَالَ: ذَكَرْتُ وَأَنَا فِى الصَّلَاةِ تِبْرًا عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يُّمْسِيَ أَوْ يَبِيْتَ عِنْدَنَا فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا، تو جلدی سے کھڑے ہوئے اور اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے گئے پھر واپس آئے، تو آپ نے لوگوں کے چہرے میں جلد تشریف لے جانے کی وجہ سے تعجب کے اثرات دیکھے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نماز میں تھا، تو مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونا ہے میں نے برا سمجھا کہ اس کی موجودگی میں شام ہو یا رات گزرے، تو میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی خیر کا ارادہ کرنا اور فکر کرنا اور سوچنا نقصان دہ نہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٢٢١، كتاب الصلاة، باب يفكر الرجل الشىء فى الصلاة.

[2] التفكر فى الصلاة فى أمر لا يتعلق بالصلاة لا يفسدها ولا ينقص من كمالها وأن إنشاء العزم فى أثناء الصلاة على الأمور الجائزة لا يضر (فتح البارى لابنِ حجر، ج٢ص٣٣٧، قوله باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم)

ذكر ما يستفاد منه :فيه :إباحة التخطى رقاب الناس من أجل الضرورة التى لا غنى للناس عنها، كرعاف وحرقة بول أو غائط وما أشبه ذلك .وفيه :السرعة للحاجة المهمة .وفيه :أن التفكر فى الصلاة فى أمر لا يتعلق بها لا يفسدها ولا ينقص من كمالها (عمدة القارى للعينى، ج٦ص١٦٢، باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم)

ويؤخذ منه أن عروض الذكر فى الصلاة فى أجنبى عنها من وجوه الخير، وإنشاء العزم فى أثنائها على الأمور المحمودة، لا يفسدها، ولا يقدح فى كمالها (ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّيْ لَأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهٖ** (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز میں قیام کرتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ اس کو لمبا کروں، مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں تخفیف کردیتا ہوں، اس بات کو برا سمجھ کر کہ اس کی ماں پر سختی کروں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّيْ لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ** (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو اس کو طول دینا چاہتا ہوں مگر بچہ کا رونا سن کر اپنی نماز میں تخفیف کردیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی کو محسوس کرتا ہوں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج۲ص۱۴۴،باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم)

(ذكرت) بصيغة الفاعل (وأنا في الصلاة تبرا) بكسر فسكون الذهب لم يصف ولم يضرب (عندنا فكرهت أن يبيت عندنا فأمرت بقسمته) قبل المساء وفي رواية فقسمته وفيه أن التفكر في الصلاة فيما لا يتعلق بها لا يفسدها ولا ينقص كمالها وأن إنشاء العزم في أثنائها على ما يجوز لا يضر وإطلاق الفعل على الأمر وحل الاستنابة مع التمكن من المباشرة (فيض القدير للمناوى، رقم الحديث ۴۳۳۳، حرف الذال)

[1] رقم الحديث ۷۰۷، كتاب الصلاة، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبى.

[2] رقم الحديث ۷۰۹، كتاب الصلاة، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبى.

Idara Ghufran

مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً، وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے کسی امام کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کا رونا سُن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہوجائے گی نماز کو ہلکا کردیتے تھے (بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ مَعَ أُمِّهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ الْخَفِيفَةِ، أَوْ بِالسُّورَةِ الْقَصِيرَةِ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کسی بچے کی اپنی ماں کے ساتھ رونے کی آواز سنتے تو چھوٹی سورت پڑھتے تھے (مسلم)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں مقتدیوں کے لئے خیر کی رعایت اور خیر کی طرف توجہ کرنا نماز کے خشوع کے خلاف نہیں، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماں اور بچے کی خاطر نماز میں تخفیف کو گوارا نہ فرماتے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۷۰۸، كتاب الصلاة، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبى.

[2] رقم الحديث ۴۷۰" ۱۹۱ "كتاب الصلاة، باب تخيف الصلاة لبكاء الصبى.

[3] قوله (فأتجوز) أى أتخفف فى القراء ة (لوجد أمه) على فقد حضورها الجماعة ويحتمل أن هذا إذا كان عالما بحضور الأم فإنها إذا سمعت بكاء الولد وهى فى الصلاة يشتد عليها التطويل وربما يؤخذ منه أن الإمام يجوز له مراعاة من دخل المسجد بالتطويل ليدرك الركعة كما أن له أن يخفف لأجلهم ولا يسمى مثله رياء بل هو إعانة على الخير أو تخليص عن الشر (حاشية السندى على سنن ابنِ ماجه، ج ا ص ۳۱۲، باب الإمام يخفف الصلاة إذا حدث أمر)

فإذا جاز التخفيف والتجوز فى الصلاة لمثل ما فى هذا الحديث فكذلك يجوز ويجب من أجل الضعيف والكبير وذى الحاجة فكيف وقد ورد فيه النص الثابت والحمد لله (التمهيد لابنِ عبدالبر، ج ۱۹ ص ۱۰، حرف العين، حديث ثان واربعون لابى الزناد)

اور اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نماز میں استغراق اور اس طرح منہمک ہوجانا مقصود نہیں کہ دائیں بائیں کا کچھ پتہ ہی نہ رہے، جیسا کہ بعض خشک مزاج اور کم علم حضرات سمجھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خشوع نماز کی روح ہے، اس کے حاصل کرنے کے لئے مشائخ نے بہت سے طریقے اور اعمال لکھے ہیں، تجربہ شاہد (وگواہ) ہے کہ اس کی کوشش میں زیادہ کھپ جانے سے تکان، پھر اکتاہٹ پیدا ہوجاتی ہے، اس لیے اس میں اعتدال (اور میانہ روی) چاہئے اور اس کی حد یہ ہے کہ جو الفاظ نماز میں زبان سے ادا کرتا ہے وہ محض (اور صرف) یاد سے پڑھتا نہ چلا جائے، بلکہ ایک ایک لفظ پر اس طرح دھیان لگائے جیسے کچا حافظ قرآن کے الفاظ کو سوچ سوچ کر نکالتا ہے اور اس میں بھی اگر کسی وقت غفلت ہوجائے تو اس کی قلق (وپریشانی) اور آئندہ کی فکر چھوڑ کر فوراً اسی طریقہ پر آجائے کہ جو الفاظ زبان سے ادا کر رہا ہے، اس پر دھیان لگادے، نماز میں استغراق (یعنی گُم ہوجانے) کی کیفیت مطلوب نہیں (یعنی شریعت کی طرف سے نماز میں گُم ہوجانے کی حالت کا مطالبہ نہیں) کہ اس کو اور کسی چیز کی خبر ہی نہ رہے، استغراق اور چیز ہے، خشوع اور چیز۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں استغراق نہیں ہوتا تھا، اس پر وہ حدیث شاہد (وگواہ) ہے جس میں فرمایا ہے کہ جماعتِ نماز کے وقت اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر فرمادیتے تھے کہ بچے کی ماں اس کے رونے سے نماز میں پریشان ہوگی۔

اگر استغراق کی کیفیت ہوتی تو بچے کے رونے کی آواز کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ استغراق ایک غیر اختیاری حالت ہے اس میں ترقی نہیں ہوتی، ترقی اُن ہی اعمال میں ہوتی ہے جو اپنے اختیار سے کئے

Idara Ghufran

جاویں۔ خشوع بھی ایک اختیاری عمل ہے وہی مطلوب (اور شریعت کا حکم) ہے

(مجالس حکیم الامت لمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ: إِنِّیْ لَأَحْسِبُ جِزْيَةَ الْبَحْرَيْنِ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ (مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۸۰۳۳، كتاب الصلاة، باب فی حديث النفس فی الصلاة)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نماز میں ہونے کی حالت میں بحرین کے جزیہ (یعنی غیر مسلموں سے معاہدہ کے تحت لئے جانے والے ٹیکس) کا حساب لگا لیتا ہوں (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ: إِنِّیْ لَأُجَهِّزُ جُيُوْشِیْ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ (مصنف ابن ابی شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نماز میں ہونے کی حالت میں اپنے لشکروں کو تیار کر لیتا ہوں (ابن ابی شیبہ)

دل و دماغ میں کسی سوچ اور فکر کا ہونا نماز اور غیر نماز میں ایک لازم چیز ہے، جس سے بچنا ممکن نہیں، اس لئے نماز میں اگر کوئی سوچ و فکر آخرت اور دین سے متعلق ہو، تو اس میں حرج نہیں، جب تک کہ نماز کے ارکان و اعمال میں خلل واقع نہ ہو، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں گزرا کہ وہ نماز میں جزیہ کا حساب اور لشکروں کی تیاری کر لیتے تھے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۰۳۴، كتاب الصلاة، باب فی حديث النفس فی الصلاة.

[2] قال المهلب: الفكر فی الصلاة أمر غالب لا يمكن الاحتراز من جميعه، لما جعل الله للشيطان من السبيل إلى تذكيرنا ما يسهينا به عن صلاتنا، وخير ما يستعمل به الفكر فی الصلاة ما هو فيه من مناجاة ربه، ثم بعده الفكر فی إقامة حدود الله، كالفكر فی تفريق الصدقة كما فعل النبی، (صلى الله عليه وسلم) أو فی تجييش جيش الله، عز وجل، على أعدائه المشركين كما قال عمر (شرح صحيح البخاری لابنِ بطال، ج۳ص ۲۰۹، باب يفكر الرجل الشیء فی الصلاة)

التفكر فی الصلاة فی أمر لا يتعلق بالصلاة لا يفسدها ولا ينقص من كمالها وأن إنشاء العزم فی أثناء الصلاة على الأمور الجائزة لا يضر (فتح الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۳۳۷، قوله باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم)

www.idaraghufran.org

البتہ اگر نماز کے کسی رکن وعمل میں خلل واقع ہوجائے، تو سجدہ سہو یا نماز کا اعادہ جو کچھ بھی لازم ہو، اس کا حکم ہوگا۔ [1]

[1] عن إبراهيم ، عن همام ، قال :صلى عمر المغرب فلم يقرأ فيها ، فلما انصرف ، قالوا له :يا أمير المؤمنين ، إنك لم تقرأ ، فقال :إني حدثت نفسي وأنا في الصلاة بعير وجهتها من المدينة ، فلم أزل أجهزها حتى دخلت الشام ، قال :ثم أعاد الصلاة والقراءة(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۴۰۳۴،باب من كان يقول :إذا نسى القراءة أعاد،تعظيم قدرالصلاة للمروزى، رقم الحديث ۱۰۳۶)

عن الشعبى عن زياد بن عياض الأشعرى أن عمر صلى بهم المغرب فلم يقرأ شيئا فقال له أبو موسى يا أمير المؤمنين ما قرأت شيئا فأقبل على عبد الرحمن بن عوف فقال ما يقول قال صدق فأمر مؤذنه فأقام ولم يؤذن فلما فرغ من صلاته قال لا صلاة ليست فيها قراءة إنما شغلنى عن الصلاة عير جهزتها إلى الشام فجعلت أفكر فى أحلاسها وأقتابها (مسائل الامام احمد رواية ابنه ابى الفضل صالح، رقم الرواية ۷۵۷)

قال المهلب التفكر أمر غالب لا يمكن الاحتراز منه فى الصلاة ولا فى غيرها لما جعل الله للشيطان من السبيل على الإنسان ولكن يفترق الحال فى ذلك فإن كان فى أمر الآخرة والدين كان أخف مما يكون فى أمر الدنيا.

قوله وقال عمر إنى لأجهز جيشى وأنا فى الصلاة وصله بن أبى شيبة بإسناد صحيح عن أبى عثمان النهدى عنه بهذا سواء قال بن التين إنما هذا فيما يقل فيه التفكر كأن يقول أجهز فلانا أقدم فلانا أخرج من العدد كذا وكذا فيأتى على ما يريد فى أقل شىء من الفكرة فأما أن يتابع التفكر ويكثر حتى لا يدرى كم صلى فهذا اللاهى فى صلاته فيجب عليه الإعادة انتهى وليس هذا الإطلاق على وجهه وقد جاء عن عمر ما يأباه فروى بن أبى شيبة من طريق عروة بن الزبير قال قال عمر إنى لأحسب جزية البحرين وأنا فى الصلاة وروى صالح بن أحمد حنبل فى كتاب المسائل عن أبيه من طريق همام بن الحارث أن عمر صلى المغرب فلم يقرأ فلما انصرف قالوا يا أمير المؤمنين إنك لم تقرأ فقال إنى حدثت نفسى وأنا فى الصلاة بعير جهزتها من المدينة حتى دخلت الشام ثم أعاد وأعاد القراءة ومن طريق عياض الأشعرى قال صلى عمر المغرب فلم يقرأ فقال له أبو موسى إنك لم تقرأ فأقبل على عبد الرحمن بن عوف فقال صدق فأعاد فلما فرغ قال لا صلاة ليست فيها قراءة إنما شغلنى عير جهزتها إلى الشام فجعلت أتفكر فيها وهذا يدل على أنه إنما أعاد لترك القراءة لا لكونه كان مستغرقا فى الفكرة ويؤيده ما روى الطحاوى من طريق ضمضم بن جوس عن عبد الرحمن بن حنظلة بن الراهب إن عمر صلى المغرب فلم يقرأ فى الركعة الأولى فلما كانت الثانية قرأ بفاتحة الكتاب مرتين فلما فرغ وسلم سجد سجدتى السهو ورجال هذه الآثار ثقات وهى محمولة على أحوال مختلفة والأخير كأنه مذهب لعمر ولهذه المسألة التفات إلى مسألة الخشوع فى الصلاة وقد تقدم البحث فيه فى مكانه (فتح البارى لابن حجر، ج۳، ص ۹۰، قوله باب تفكر الرجل الشىء فى الصلاة)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

میں یہ نہیں کہتا کہ (نماز میں) خیالات بالکل نہ آویں گے، اگر آویں گے تو ایسے آویں گے جیسے بہتے دریا میں تنکے اور بُلبُلے ہوتے ہیں کہ اِدھر آیا اور اُدھر گیا، اِدھر اُٹھا اُدھر بجھا وہ جمنے نہ پاویں گے، اور یہی مطلوب ہے، خیالات کا انقطاعِ کلی مطلوب نہیں (یعنی وسوسوں کے بالکل ختم ہو جانے کا شریعت نے حکم نہیں دیا) وساوس وخطرات بلاقصد تو مرتے دم تک بھی آویں تو خوف کی چیز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

**اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِہٖ اَنْفُسُھَا.**

(اللہ تعالیٰ میری امت سے ان خیالات کے گناہ کو درگزر فرماتے ہیں جو اُن کے دل پر خود وارد ہوں بلاقصد کے)

مگر یہ وہی خیالات ہیں جو خود آویں باقی خیالات کا لانا اور قصداً جمع کرنا یہ

**اِنْ تُبْدُوْ امَافِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ.**

(اگر تم ظاہر کرو اپنے دل کی باتیں یا ان کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ ان کا محاسبہ کریں گے تم سے)

میں داخل ہے، اس پر مؤاخذہ (وگناہ) ہوگا، مثلاً غناء (یعنی موسیقی اور گانے) کا سننا ایک تو بے اختیار ہے کہ خواہ مخواہ کان میں آواز آرہی ہے، مگر یہ قصداً اس طرف توجہ نہیں کرتا یہ تو معاف ہے اور ایک اس کی طرف التفات (وتوجہ) کرنا، کان لگانا، اس سے مزے لینا یہ حرام ہے، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ:

**"اَلتَّلَذُّذُ بِھَا کُفْرٌ"**

(موسیقی سے مزے لینا کفر ہے)

یہ بہت سخت کلمہ ہے جو زجراً (وتنبیہاً) استعمال کیا گیا ہے (اگرچہ حقیقت میں کفر

www.idaraghufran.org

نہ ہو)

اسی طرح کسی عورت یا اَمرَد (وبے ریش لڑکے) کی طرف بلا ارادہ کے خیال پہنچ جاوے، یہ معاف ہے، ایک یہ کہ اس کی صورت کو سوچ سوچ کر یاد کرے یا اس سے تلذذ (اورلذت حاصل) کرے یہ گناہ ہے، اس سے بحث نہیں کہ کس درجہ کا گناہ ہے، اور نہ اس کی ضرورت ہے (دواء الغفلۃ ص ۱۹)

خلاصہ یہ کہ نماز میں وسوسوں کا آنا خشوع کے خلاف نہیں، البتہ اپنے اختیار سے وساوس کو لانا خشوع کے خلاف ہے، جس سے نماز کی فضیلت وقبولیت میں کمی آجاتی ہے، اور اگر نماز میں کوئی خیر کی بات سوچی جائے، یا کسی خیر کے کام کا ارادہ کیا جائے، لیکن نماز کے کسی رکن اور عمل میں خلل واقع نہ ہو، تو یہ نقصان دہ اور خشوع کے خلاف نہیں۔

## نماز کی رکعتوں میں شک ہوجانے کی صورت میں حکم

اگر نماز کی رکعتوں میں شک پیدا ہو، اور پتہ نہ چلے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ اور یہ وسوسہ کے درجہ کی چیز نہ ہو، بلکہ حقیقت میں شک ہو، تو احادیث میں اس کا عمدہ حل بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ، فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا، فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ، وَإِنْ كَانَ صَلّٰى إِتْمَامًا لِّأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ** (مسلم) [1]

---

[1] رقم الحديث ۵۷۱ "۸۸" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۸۳۰.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخاري.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہوجائے، اور وہ یہ نہ جان سکے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، مثلاً تین پڑھی ہیں یا چار؟ تو اسے چاہیئے کہ وہ شک کو پھینک دے اور یقینی پہلو پر عمل کرے (یعنی شک والی کم تعداد کے پہلو کو اختیار کرلے، اور مزید رکعت ملالے) پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو (سہو کے) سجدے کرے، پس اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہوں، تو ان دو سجدوں کے ساتھ اس کی چھ رکعات ہوجائیں گی اور اگر پوری چار رکعات پڑھی ہوں، تو یہ دو سجدے شیطان کے لئے ذلت کا سبب بن جائیں گے (مسلم، مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيُلْقِ الشَّكَّ، وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، فَإِذَا اسْتَيْقَنَ التَّمَامَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهٗ تَامَّةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ نَافِلَةً وَالسَّجْدَتَانِ، وَإِنْ كَانَتْ نَاقِصَةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ تَمَامًا لِصَلَاتِهٖ، وَكَانَتِ السَّجْدَتَانِ مُرْغِمَتَيِ الشَّيْطَانِ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہوجائے، تو وہ شک کو پھینک دے اور یقینی پہلو پر عمل کرے، پس جب نماز پوری ہونے کا یقین ہوجائے، تو دو (سہو کے) سجدے کرے، پھر اگر اس کی نماز پوری ہوگئی تھی، تو یہ (اضافی) رکعت نفل بن جائے گی، اور دو سجدے ہوجائیں

---

[1] رقم الحديث ١٠٢٤، كتاب الصلاة، باب إذا شك فى الثنتين والثلاث، من قال: يلقى الشك.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوى من أجل ابن عجلان -وهو محمد- فهو صدوق لا بأس به، لكنه متابع (حاشية سنن ابى داوٗد)

www.idaraghufran.org

گے، اور اگر اس کی نماز ناقص تھی، تو یہ (ایک مزید پڑھی گئی) رکعت اس کی نماز کو پورا کرنے والی بن جائے گی، اور یہ دو سجدے شیطان کے لئے ذلت کا سبب بن جائیں گے (ابوداؤد)

بعض دوسری احادیث میں شک کو پھینکنے اور یقین پر عمل کرنے کی تفصیل بھی آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلّٰى أَوْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَبْنِ عَلٰى وَاحِدَةٍ، فَإِنْ لَّمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلّٰى أَوْ ثَلَاثًا فَلْيَبْنِ عَلٰى ثِنْتَيْنِ، فَإِنْ لَّمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلّٰى أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَبْنِ عَلٰى ثَلَاثٍ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ (ترمذی)[1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کسی کو اپنی نماز میں شک ہوجائے، پس اسے معلوم نہ ہوسکے، کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے، یا دو پڑھی ہیں، تو وہ ایک رکعت سمجھے، اور اگر یہ نہ معلوم ہوسکے، کہ اس نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، یا تین رکعتیں پڑھی ہیں، تو وہ دو رکعتیں سمجھے، اور اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں پڑھی ہیں، تو وہ تین رکعتیں سمجھے، اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے بھی (سہو کے) کرے (ترمذی)

اور ابنِ ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ میں ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الثِّنْتَيْنِ وَالْوَاحِدَةِ، فَلْيَجْعَلْهَا وَاحِدَةً، وَإِذَا شَكَّ فِي الثِّنْتَيْنِ

---

[1] رقم الحديث ۳۹۸، ابواب الصلاة، باب فيمن يشك فى الزيادة والنقصان.
قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، وقد روى هذا الحديث عن عبد الرحمن بن عوف، من غير هذا الوجه، رواه الزهرى، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، عن ابن عباس، عن عبد الرحمن بن عوف، عن النبى صلى الله عليه وسلم.

وَالثَّلاثِ فَلْيَجْعَلْهَا ثِنْتَيْنِ، وَإِذَا شَكَّ فِي الثَّلاثِ وَالْأَرْبَعِ فَلْيَجْعَلْهَا ثَلاثًا، ثُمَّ لِيُتِمَّ مَا بَقِيَ مِنْ صَلَاتِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ (ابن ماجه) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کو دو اور ایک (رکعت) میں شک ہو تو اس کو ایک قرار دے اور جب دو اور تین (رکعت) میں شک ہو تو ان کو دو قرار دے اور جب تین اور چار (رکعت) میں شک ہو تو ان کو تین قرار دے، پھر اپنی باقی نماز پوری کرے، تاکہ وہم زیادہ پڑھنے کا ہی رہے (کم پڑھنے کا نہ رہے) پھر دو سجدے (سہو کے) کرلے، بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے (ابن ماجہ)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی رکعتوں میں شک ہوجانے کی صورت میں یقینی پہلو کو اختیار کرنا چاہئے، اور آخر میں سجدہ سہو کرنا چاہئے۔

مثلاً ایک یا دو میں شک کی صورت میں یہ سمجھے کہ میں نے ایک رکعت پڑھی ہے، اور دو یا تین میں شک کی صورت میں یہ سمجھے کہ میں نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، اور تین یا چار میں شک کی صورت میں یہ سمجھے کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں، اور اس کے مطابق عمل کرے، کیونکہ کم والا پہلو یقینی درجہ کا ہے، اور پھر سلام پھیرنے کے وقت سہو کے دو سجدے کرلے۔

اور کیونکہ یہ احتمال باقی رہا کہ ممکن ہے کہ حقیقت میں ایک رکعت زیادہ ہوئی ہو، اس لیے ہر اُس رکعت پر قعدہ بھی کرنا چاہیے جس میں قعدۂ اخیرہ ہونے کا شک ہو۔

سہو کے دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہوں گے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۲۰۹، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن شك فى صلاته فرجع إلى اليقين، مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ۸۳۹.

فى حاشية ابن ماجه: حسن لغيره.

وفى حاشية مسند ابى يعلىٰ: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

شیطان آیا تھا غفلت ڈالنے کے لئے، لیکن اس کی حرکت کی وجہ سے مومن بندے کو مزید دو سجدوں کی توفیق ہوگئی، شیطان کو یہ گوارا نہیں ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی زیادہ عبادت کریں، اور خاص طور پر زیادہ سجدے کریں، اور اسی سجدہ کے انکار کی وجہ سے شیطان ذلیل وخوار ہوا، اس لئے شیطان کو سجدہ کی عبادت کرنے والے سے بہت چڑ ہے، اس لئے وہ آئندہ اس طرح کی جرأت کرنے سے ڈرے گا۔

اور مذکورہ بالا طریقہ پر تو شک کی صورت میں عمل کیا جاتا ہے، اور اگر کسی پہلو پر زیادہ رجحان ہو، مثلاً دو یا ایک رکعت پڑھنے میں ایک رکعت پڑھنے کی طرف زیادہ دل کا میلان اور رُجحان ہے، تو بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی مذکورہ طریقہ پر عمل کیا جائے گا، یعنی کم والے پہلو کو اختیار کر کے ایک مزید رکعت پڑھی جائے گی، اور آخر میں سجدہ سہو بھی کیا جائے گا، کیونکہ یہاں بھی یقینی پہلو کم رکعت والا ہی ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کسی کو اس طرح کا معاملہ پہلی دفعہ کے بعد پیش آیا ہو، تو غور کر کے جس پہلو کی طرف رُجحان زیادہ ہو، یعنی جتنی رکعت پڑھنے کا غالب گمان ہو، اس پر عمل کرنے کا

---

[1] إذا شك المصلى فى صلاته فلم يدر كم صلى أثلاثا أم أربعا، أو شك فى سجدة فلم يدر أسجدها أم لا، فإن الجمهور (المالكية والشافعية ورواية للحنابلة) ذهبوا إلى أنه يبنى على اليقين وهو الأقل، ويأتى بما شك فيه ويسجد للسهو .ودليلهم حديث أبى سعيد الخدرى -رضى الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا سها أحدكم فى صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة، فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على ثنتين، فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم.ولحديث إذا شك أحدكم فى صلاته فليلق الشك، وليبن على اليقين، فإذا استيقن التمام سجد سجدتين، فإن كانت صلاته تامة كانت الركعة نافلة والسجدتان، وإن كانت ناقصة كانت الركعة تماما لصلاته، وكانت السجدتان مرغمتى الشيطان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص ۲۳۵ الیٰ ۲۳۷، مادة " سجود السهو " )

واختلف فى المراد بالتحرى فقال الشافعية هو البناء على اليقين لا على الأغلب لأن الصلاة فى الذمة بيقين فلا تسقط إلا بيقين وقال بن حزم التحرى فى حديث بن مسعود يفسره حديث أبى سعيد يعنى الذى أخرجه مسلم بلفظ وإذا لم يدر أصلى ثلاثا أو أربعا فليطرح الشك وليبن على ما استيقن وروى سفيان فى جامعه عن عبد الله بن دينار عن بن عمر قال إذا شك أحدكم فى صلاته فليتوخ حتى يعلم أنه قد أتم انتهى(فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ ص ۹۵، قوله باب إذا صلى خمسا)

حکم ہے، خواہ وہ تعداد کم ہو یا زیادہ، کیونکہ بعض احادیث میں غالب گمان پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔ [1]

اور مذکورہ حکم اس وقت ہے جبکہ نماز ختم کرنے سے پہلے رکعت کی تعداد میں شک پیدا ہو، اور اگر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد اس طرح کا شک ہو، تو پھر اس کو اہمیت نہیں دی جائے گی، اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اپنی نماز کو درست اور صحیح سمجھا جائے گا۔ [2]

---

[1] اور اگر پہلی مرتبہ اس طرح کا قضیہ پیش آیا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔

(قوله وإن شک أنه کم صلى أول مرة استأنف وإن کثر تحرى وإلا أخذ بالأقل) لقوله -علیه الصلاة والسلام -إذا شک أحدکم فی صلاته فلیستقبل بحمله على ما إذا کان أول شک عرض له توفيقا بينه وبين ما فی الصحيح مرفوعا إذا شک أحدکم فليتحر الصواب فليتم عليه بحمله على ما إذا کان الشک يعرض له کثيرا وبين ما رواه الترمذی مرفوعا إذا سها أحدکم فی صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة وإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على ثنتين فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث وليسجد سجدتين قبل أن يسلم وصححه بحمله على ما إذا لم يکن له ظن فإنه يبنی على الأقل ويساعد هذا الجمع المعنى وهو أنه قادر على إسقاط ما عليه دون حرج لأن الحرج بإلزام الاستقبال إنما يلزم عند کثرة عروض الشک له (البحر الرائق، ج۲، ص۱۱۷، باب سجود السهو)

قال -رحمه الله -(وإن کثر تحرى) أی إن کثر شکه تحرى وأخذ بأکبر رأيه لقوله -عليه الصلاة والسلام -من شک فی صلاته فليتحر الصواب والتحری طلب الأحرى ولأنه يحرج بالإعادة فی کل مرة لا سيما إذا کان موسوسا فلا يجب عليه دفعا للحرج فتعين التحری قال -رحمه الله -(وإلا أخذ بالأقل) أی إن لم يکن له رأی بنى على الأقل لقوله -عليه الصلاة والسلام -من شک فی صلاته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا بنى على الأقل؛ ولأن فی الإعادة حرجا على ما ذکرنا وقد انعدم الترجيح بالرأی فتعين البناء على اليقين حتى تبرأ ذمته بيقين ويقعد فی کل موضع يتوهم أنه آخر صلاته کی لا تبطل صلاته بترک القعدة، مثاله لو شک أنه صلى ثلاثا أم أربعا قعد قدر التشهد لاحتمال أنه صلى أربعا فيتم بالقعود ثم زاد رکعة أخرى لاحتمال أنه صلى ثلاثا، ولو شک أنه صلى رکعة أو رکعتين أو ثلاثا أو أربعا أو لم يصل شيئا قعد قدر التشهد لاحتمال أنه صلى أربعا، ثم صلى أربع رکعات يقعد فی کل رکعة منهن مقدار التشهد لما ذکرنا من الاحتمال (تبيين الحقائق، ج۱، ص۱۹۹، کتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[2] إذا شک بعد الفراغ من الصلاة أو غيرها من العبادات فی ترک رکن منها، فإنه لا يلتفت إلى الشک، وإن کان الأصل عدم الإتيان به وعدم براءة الذمة، لکن الظاهر من فعل المکلفين للعبادات: أن تقع على وجه الکمال، فيرجح هذا الظاهر على الأصل (الموسوعة الفقهية الکويتية، ج۱۲، ص۱۹۵، مادة "تعارض")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# وسوسوں کی خاطر بآ وازِ بلند یا مکرر الفاظ کی قرائت کرنا

بعض لوگ وسوسوں کی وجہ سے نماز میں بلند آواز سے تکبیرِ تحریمہ کہتے ہیں یا قرائت کرتے ہیں اور تسبیحات واذکار پڑھتے ہیں، اور بعض اوقات ایک ایک لفظ کو زور لگا لگا کر بار بار دوہراتے ہیں، جس سے دوسرے اور خاص کر برابر اور قریب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے لوگوں کو اپنی نماز اور عبادت کو ادا کرنے میں خلل آتا ہے، اور احادیث میں اس طرح بلند آواز سے قرائت وذکر کر کے دوسرے کو خلل ڈالنے وایذاء پہنچانے کی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِالْقِرَاءَةِ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ لَهُ، فَكَشَفَ السُّتُوْرَ، وَقَالَ : إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَلَا يَرْفَعَنَّ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ أَوْ قَالَ: فِي الصَّلَاةِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا، پھر (اسی دوران

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما إذا وقع الشک بعد الفراغ من الصلاة بأن شک بعد السلام فی ذوات المثنی أنه صلی واحدة أو شک فی ذوات الأربع بعد السلام أنه صلی ثلاثاً أو أربعاً، أو فی ذوات الثلاث شک بعد الصلاة أنه صلی ثلاثاً أو ثنتين، فهذا عندنا علی أنه أتم الصلاة حملاً لأمره علی الصلاح، وهو الخروج عن الصلاة فی أولته ولو شک بعد ما فرغ من التشهد فی القعدة الأخيرة علی نحو ما بينا، فكذلک الجواب عمل علی أنه أتم صلاته هكذا روی عن محمد رحمه الله (المحيط البرهانی، ج ۱، ص ۵۲۴، وص ۵۲۵، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر فی مسائل الشک)

منها فلو شک بعد الفراغ منها أنه صلی ثلاثا أو أربعا لا شیء عليه ويجعل كأنه صلی أربعا حملا لأمره علی الصلاح كذا فی المحيط والمراد بالفراغ منها الفراغ من أركانها سواء كان قبل السلام أو بعده كذا فی الخلاصة (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۱۷، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[1] رقم الحديث ۱۱۸۹۶؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۱۳۳۲.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

آپ نے) لوگوں کو جہراً قرائت کرتے ہوئے سُنا اور آپ اپنے خیمے میں تھے، تو آپ نے (خیمہ کے) پردے کو ہٹایا، اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے مناجی (وسرگوشی کرنے والا) ہے، تو تم میں سے بعض بعض کو ہرگز بھی (بلند آواز کرکے) ایذاء نہ پہنچائیں، اور تم میں سے بعض بعض پر بآوازِ بلند قرائت ہرگز نہ کریں، یا یہ فرمایا کہ نماز میں (بآوازِ بلند قرائت نہ کریں) (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ وَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: أَمَا إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلْيَعْلَمْ أَحَدُكُمْ مَا يُنَاجِي رَبَّهُ، وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ

(مسند احمد، رقم الحديث ۴۹۲۸) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے دوران خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اپنے رب سے مناجات (وسرگوشی) کرتا ہے، اس لئے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اپنے رب سے مناجات (وسرگوشی) کر رہے ہو؟ اور تم نماز میں ایک دوسرے سے اونچی قرائت نہ کیا کرو (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرائت وذکر کرنے والا اپنے رب سے مناجات وخطاب کرتا ہے، جس کو سنانے کے لئے آواز کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا بلند آواز کرکے دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل ڈالنا بے جا عمل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح

قَبْلَ الْعَتَمَةِ وَبَعْدَهَا، يُغَلِّطُ أَصْحَابَهُ فِي الصَّلَاةِ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی قرآن کو بلند آواز سے پڑھے، عشاء سے پہلے یا اس کے بعد، کہ وہ اپنے ساتھیوں کو نماز میں مغالطہ ڈالے (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ نماز میں اتنی آواز سے قرائت کرنا اور اذکار کا پڑھنا منع ہے، کہ دوسروں کو تکلیف پہنچے، اور دوسروں کی عبادت میں خلل آئے۔

لیکن وسوسوں میں مبتلاء بعض لوگ نماز کی قرائت اور اس کے اذکار وکلمات کے سلسلہ میں بے جا غلو اور تکلف سے کام لے کر اپنی نماز کو سنت کے طریقے سے ہٹا دیتے ہیں، اور بعض مکروہ یا فاسد بھی کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک ایک ایک لفظ، حرف یا کلمہ کو بار بار دہرانے کا عمل اس خیال سے کرتے ہیں کہ شاید پہلے الفاظ ادا نہ ہوئے ہوں یا ان کو صحیح مخرج سے ادا نہیں کیا جاسکا ہو، اور اسی وجہ سے بعض اوقات وہ اپنی آواز کو اتنا بلند کرتے ہیں کہ ساتھ والے لوگوں کو نماز ادا کرنا دوبھر ہوجاتا ہے۔

یہ سب غلو والی باتیں اور وسوسہ اور وہم کی اتباع ہے۔

سیدھا سادہ طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ توجہ کے ساتھ اذکار وکلمات ادا کئے جائیں اور شیطان کے بہکاوے میں آکر بار بار اس عمل کو نہ دہرایا جائے، اور اپنے ذہن سے اس خوف وڈر کو نکال دیا جائے کہ مجھ سے الفاظ وکلمات اور حروف صحیح ادا نہیں ہوئے، ورنہ آج اگر پہلی دفعہ کی ادائیگی میں وسوسہ آرہا ہے، آگے چل کر دوسری اور پھر تیسری مرتبہ میں بھی تسلی نہیں ہوگی، اور یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہے گا، جس کے بعد بعض اوقات تنگ آکر نماز ہی کو چھوڑنے کی نوبت آسکتی ہے، اور شیطان اپنے سب مقاصد میں کامیاب ہوسکتا ہے، کبھی نماز سنت

---

[1] رقم الحديث ۸۱۷ .
فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره .

کے خلاف کروا کر، کبھی مکروہ، کبھی ضائع اور کبھی بالکل ہی محروم کروا کر۔

پس اس قسم کے وساوس سے نجات کا راستہ یہی ہے کہ انہیں بارِ خاطر میں نہ لایا جائے اور زبان سے ادا کئے جانے والے کلمات واذکار کی طرف توجہ واستحضار رکھا جائے اور صرف اپنے کانوں تک سرسری آواز پہنچتے رہنے کو کافی سمجھا جائے، اور آواز بلند کر کے قریب والوں کی نماز وعبادت میں خلل کا باعث نہ بنا جائے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وسوسوں کے پیروکاروں کو اس سے کم آواز میں یا اذکار و کلمات کو صرف ایک مرتبہ پڑھنے میں تسلی واطمینان نہیں ہوتا، تو اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح کے اطمینان وتسلی کا شریعت نے حکم نہیں دیا، لہٰذا اس کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔

اور وسوسوں کی وجہ سے نماز کو بے جا لمبا کرنا اور اپنے آپ کو بے جا تکلیف ومشقت میں ڈالنا بھی شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔

چنانچہ حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا فِي الْمَسْجِدِ يُطِيْلُ الصَّلَاةَ فَأَتَاهُ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ ثُمَّ قَالَ : إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ رَضِيَ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيُسْرَ وَكَرِهَ لَهَا الْعُسْرَ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَإِنَّ هٰذَا أَخَذَ بِالْعُسْرِ وَتَرَكَ الْيُسْرَ وَنَشَلَهُ نَشْلًا فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ (مسند الحارث) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی مسجد میں بہت لمبی نماز پڑھتا ہے، تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پھر اس کے مونڈھے کو پکڑا، پھر فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لئے یُسر (یعنی سہولت وآسانی) کو پسند کرتا ہے، اور اس امت کے لئے عُسر (وتنگی) کو ناپسند کرتا

---

[1] رقم الحديث ۲۳۷، كتاب الصلاة، باب النهى عن أن يتكلف من العبادة ما يثقل عليه.

ہے، یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اور اس آدمی نے (غیر معمولی لمبی نماز پڑھ کر) عُسر (وتنگی) کو اختیار کیا ہے، اور یُسر (یعنی سہولت وآسانی) کو چھوڑ دیا ہے، جس نے اس کو کمزور کر دیا، پس اس کے بعد اس شخص کو (اس طرح مسجد میں لمبی نماز پڑھتے ہوئے) نہیں دیکھا گیا (مسند الحارث)

## قبلہ کے رُخ اور سمت کے غلط ہونے کے متعلق وسوسہ

بعض لوگوں کو قبلہ کے رُخ کی تعیین میں مختلف طرح کے وسوسے آتے ہیں، اور جہاں نماز پڑھنے میں ذرا سا قبلہ کے رُخ کے دائیں، بائیں ہونے کا شبہ پڑ جائے، تو وہ بڑے پریشان ہوتے ہیں، اور بعض اوقات مساجد میں قبلہ کے رُخ کو متعین کرنے میں بھی بال کی کھال نکالتے ہیں، اور سو فیصدی قبلہ کے رُخ کی تعیین کو ضروری سمجھتے ہیں، اور اس غرض کے لئے بعض اوقات مختلف آلات کو بھی استعمال کرتے ہیں، اور اگر مسجد کے رُخ میں تھوڑا بہت فرق ظاہر ہو جائے، تو اس مسجد کے قبلہ کے رُخ کو غلط قرار دیتے ہیں، اور بعض اوقات اس کی خاطر مساجد کی قیمتی تعمیرات کو بھی منہدم کر دیتے ہیں۔

اور اسی طرح اگر کسی جگہ قبلہ کا رُخ معلوم نہ ہو، مثلاً سفر میں ہوں تو بھی پریشان ہوتے ہیں، جبکہ بعض لوگ قبلہ کے صحیح رُخ کی تعیین نہ ہونے کے وسوسہ کی بنیاد پر سفر یا جنگل وغیرہ میں نماز ہی نہیں پڑھتے، حالانکہ قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے مسئلہ میں شریعت نے بہت آسان طریقہ بتلا دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ (سنن الترمذی) [1]

---

[1] رقم الحديث ۳۴۲، ورقم الحديث ۳۴۴، ابواب الصلاة، باب ماجاء ان مابين المشرق والمغرب قبلة.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے (ترمذی)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ إِلَّا عِنْدَ الْبَيْتِ(أخبار مكة للفاكهي) [2]

ترجمہ: مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے، سوائے بیت اللہ کے قریب کے (اخبارِ مکہ)

قبلہ کی طرف رخ کرنا، جس کا ہر مسلمان کو سفر اور حضر میں دنیا کے تمام اطراف سے دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے وقت حکم ہے، اس کا شریعت نے نہایت آسان طریقہ تجویز فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں بیتُ اللہ کے قریب اور حاضر شخص کے لئے تو عین بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اور بیت اللہ سے دور اور غائب شخص کے لئے بیت اللہ کی جہت کی طرف رُخ کرنا کافی ہے، عین بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں۔

---

[1] قال الترمذي:هذا حديث حسن صحيح،وإنما قيل عبد الله بن جعفر المخرمي لأنه من ولد المسور بن مخرمة، وقد روى عن غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم :ما بين المشرق والمغرب قبلة، منهم عمر بن الخطاب، وعلى بن أبي طالب، وابن عباس وقال ابن عمر : إذا جعلت المغرب عن يمينك، والمشرق عن يسارك فما بينهما قبلة، إذا استقبلت القبلة، وقال ابن المبارك :ما بين المشرق والمغرب قبلة، هذا لأهل المشرق، واختار عبد الله بن المبارك التياسر لأهل مروٍ(سنن الترمذي،تحت رقم الحديث ۳۴۴،باب ماجاء ان مابين المشرق والمغرب قبلة)

عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال :ما بين المشرق والمغرب قبلة (مستدرک حاکم،رقم الحديث ۷۴۱)

قال الحاكم: .هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فإن شعيب بن أيوب ثقة وقد أسنده .ورواه محمد بن عبد الرحمن بن محبر وهو ثقة، عن نافع، عن ابن عمر رضى الله عنهما مسندا.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

قلت :فالحديث بهذه الطرق صحيح ,والله أعلم(إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل،ج ۱ ص ۳۲۶، تحت رقم الحديث ۲۹۲)

[2] رقم الحديث ۲۹۱،ج ۱۸۶.

www.idaraghufran.org

بیتُ اللہ سے دور والے لوگوں کے لئے بیتُ اللہ کی ہر ایک جہت وسمت (یعنی پوری مغرب، مشرق، شمال یا جنوب) کو ہی اللہ تعالیٰ نے قبلہ کا حکم دے دیا ہے، چنانچہ جو لوگ ہندو پاکستان میں ہیں، ان کے لئے مغرب کی پوری جہت وسمت قبلہ کا حکم رکھتی ہے۔ [1]

اور اگر کسی کو قبلہ کا رُخ معلوم نہ ہو، اور نہ ہی کوئی بتانے والا ہو، اور نہ ہی کسی علامت، مثلاً سورج کے غروب ہونے کی سمت اور مساجد کی محراب وغیرہ کو دیکھ کر پتہ چلایا جاسکے، تو اپنی طرف سے غور وفکر کرکے جس طرف دل قبلہ ہونے کی گواہی دے، اس طرف رُخ کرکے نماز پڑھ لینا درست ہے۔

چنانچہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ الْقِبْلَةُ، فَصَلّٰى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلٰى حِيَالِهٖ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ (فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ)** (سنن ترمذی) [2]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اندھیری رات کے سفر میں تھے، تو ہمیں قبلہ کا رخ معلوم نہیں ہوا، تو ہم میں سے ہر شخص نے اپنے گمان کے مطابق (قبلہ رخ کا اندازہ کرکے) نماز پڑھ لی، پھر جب صبح ہوئی، تو ہم نے اس کا نبی

---

[1] اور امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے۔

وأما غير المعاين للكعبة ففرضه عند الجمهور (غير الشافعية) إصابة جهة الكعبة، لقوله صلّى الله عليه وسلم :ما بين المشرق والمغرب قبلة وظاهره أن جميع ما بينهما قبلة، ولأنه لو كان الفرض إصابة عين الكعبة، لما صحت صلاة أهل الصف الطويل على خط مستو، ولا صلاة اثنين متباعدين يستقبلان قبلة واحدة، فإنه لا يجوز أن يتوجه إلى الكعبة مع طول الصف إلا بقدرها .وهذا هو الأرجح لدى(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی،شروط صحة الصلاة،الشرط الخامس۔ استقبال القبلة)

[2] رقم الحديث ۳۴۵،ابواب الصلاة، باب ما جاء فى الرجل يصلى لغير القبلة فى الغيم، واللفظ لهٗ، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۰۲۰.

www.idaraghufran.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:

”فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ“

”پس تم جس طرف بھی رخ کرلو، اسی طرف اللہ کی توجہ ہے“ (ترمذی)

اگر چہ مذکورہ حدیث کی سند پر بعض محدثین کو کلام ہے، لیکن کیونکہ یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، جس کی وجہ سے حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہے، اور اس سے استدلال بلاشبہ درست ہے، بالخصوص جبکہ بہت سے فقہائے کرام اس پر عمل کے بھی قائل ہیں۔ [1]

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ جب اندھیرے یا سفر وغیرہ میں

---

[1] وقال الترمذی: هذا حديث ليس إسناده بذاك. قلت: وعلته عاصم هذا فإنه سيىء الحفظ , وبقية رجاله عند الطيالسى ثقات رجال مسلم عدا أشعث بن سعيد السمان وقد تابعه عنده عمرو بن قيس وهو الملائى احتج به مسلم.

وللحديث شاهد من حديث جابر قال " :كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسير أو سرية فأصابنا غيم فتحرينا ,واختلفنا فى القبلة ,فصلى كل رجل منا على حدة ,فجعل أحدنا يخطر بين يديه لنعلم أمكنتنا ,فلما أصبحنا نظرناه ,فإذا نحن قد صلينا على غير القبلة , فذكرنا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فقال :قد أجزأت صلاتكم ."أخرجه الدارقطنى والحاكم (۲۰٦/۱) والبيهقى (۱۰/۲) من طريق محمد بن سالم عن عطاء عنه .وقال الحاكم: "هذا حديث محتج برواته كلهم غير محمد بن سالم فإنى لا أعرفه بعدالة ولا جرح , "وتعقبه الذهبى بقوله ": هو أبو سهل واه ."

قلت :وضعفه الدارقطنى والبيهقى كما يأتى ,وقد توبع ,فرواه الدارقطنى والبيهقى من طريق أحمد بن عبيد الله بن الحسن العنبرى قال :وجدت فى كتاب أبى :حدثنا عبد الملك بن أبى سليمان العرزمى عن عطاء به نحوه .وعبد الملك هذا ثقة من رجال مسلم لكن أحمد بن عبيد الله العنبرى ليس بالمشهور .قال الذهبى :قال ابن القطان :مجهول.قال الحافظ فى "اللسان " :"وذكره ابن حبان فى "الثقات "فقال :روى عن ابن عتبة وعنه ابن الباغندى ,لم تثبت عدالته وابن القطان تبع ابن حزم فى إطلاق التجهيل على من لا يطلعون على حاله ,وهذا الرجل بصرى شهير ,وهو ولد عبيد الله القاضى المشهور ."وأعله البيهقى بما فيه من الوجادة ,وليس بشىء كما بينته فى تخريج "صفة الصلاة . "وللحديث متابعة أخرى، فرواه البيهقى عن محمد بن عبيد الله العرزمى عن عطاء به نحوه وقال " :تفرد به محمد بن سالم ومحمد بن عبيد الله العرزمى عن عطاء وهما ضعيفان ."وكذا قال الدارقطنى.وبالجملة فالحديث بهذا الشاهد مع طرقه الثلاث عن عطاء يرقى إلى درجة الحسن إن شاء الله تعالى(ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۲۹۱)

www.idaraghufran.org

قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو، نہ تو کسی علامت سے (مثلاً مساجد کا رخ دیکھ کر) پتہ چل سکے اور نہ قبلہ کا رخ بتانے والے کسی معتبر شخص کے ذریعہ سے قبلہ کے رُخ کا پتہ چل سکے، تو ایسی صورت میں تحرّی اور غور وفکر کر کے اپنے گمان کے مطابق جس طرف قبلہ کی دل گواہی دے، اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ بعد میں معلوم بھی ہو جائے کہ نماز غیر قبلہ کی طرف پڑھی گئی ہے۔ [1]

## نماز کی نیت کرنے اور نماز میں ناپاک جگہ کپڑا لگنے کا وسوسہ

بعض وسوسوں کے پیروکاروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نماز کی نیت کے زبان سے الفاظ ادا کرنے میں غیر معمولی تکلف سے کام لیتے ہیں، بار بار نیت کے الفاظ زبان سے دہراتے ہیں، اور لمبے چوڑے الفاظ زبان سے کہتے کہتے کافی وقت خرچ کر دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں امام کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ شروع کرنے کی شرکت سے بھی محروم رہتے ہیں، حالانکہ پہلے سے مسجد میں آ کر صفِ اول میں بیٹھ جاتے ہیں، مگر وساوس کے چکروں میں اُلجھ کر اپنے آپ کو پہلے آنے کے مقصد سے محروم رکھتے ہیں، اور بعض اوقات وسوسہ کی وجہ سے بلند آواز سے

---

[1] وقد ذهب أكثر أهل العلم إلى هذا قالوا :إذا صلى فى الغيم لغير القبلة ثم استبان له بعد ما صلى أنه صلى لغير القبلة فإن صلاته جائزة، وبه يقول سفيان الثورى، وابن المبارك، وأحمد، وإسحاق "(سنن الترمذى، تحت رقم الحديث ٣٤٥)

من شك فى جهة الكعبة فعليه أن يسأل عنها العالمين بها من أهل المكان إن وجدوا وإلا فعليه بالتحرى والاجتهاد لما رواه عامر بن ربيعة -رضى الله تعالى عنه -قال :كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى سفر فى ليلة مظلمة فلم ندر أين القبلة، فصلى كل رجل منا على حياله فلما أصبحنا ذكرنا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فنزل (فأينما تولوا فثم وجه الله) . وقبلة المتحرى -كما ورد عن على بن أبى طالب رضى الله عنه -هى جهة قصده .والصلاة الواحدة لجهة القصد هذه تجزء المصلى وتسقط عنه الطلب لعجزه، ويرى ابن عبد الحكم أن الأفضل له أن يصلى لكل جهة من الجهات الأربع أخذا بالأحوط، وذلك إذا كان شكه دائرا بينها أما إذا انحصر شكه فى ثلاث جهات فقط مثلا فإن الرابعة لا يصلى إليها، وقد اختار اللخمى ما فضله ابن عبد الحكم، ولكن المعتمد الأول عند جمهور المالكية وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ ص ١٩٣ ، مادة "شک")

www.idaraghufran.org

نیت کے الفاظ کہہ کر دوسروں کی نماز میں بھی خلل کا باعث بنتے ہیں اور بعضوں کو یہاں تک بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ نماز شروع کرنے کے بعد نیت توڑ کر دوبارہ نیت کے الفاظ زبان سے دہراتے ہیں، اور پہلی نیت کو کافی نہیں سمجھتے۔

ان وسوسوں کے پجاریوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا کوئی ضروری نہیں، اور نیت دل کا عمل ہے، جب دل میں یہ استحضار ہو کہ وہ فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہے، تو نماز درست ہونے کے لئے یہ نیت کافی ہے۔ [1]

اور اسی وجہ سے اگر کسی کی دل میں نیت صحیح ہو لیکن الفاظ زبان سے غلط ادا ہو جائیں تب بھی حرج نہیں، البتہ اگر کوئی اپنی نیت کے استحضار کو تازہ کرنے اور توجہ کو دوسری چیزوں کی طرف سے ہٹانے کے لئے زبان سے بھی الفاظ ادا کرلے اور اس کو ضروری و لازم نہ سمجھے تو جائز اور بعض حالات میں مستحب قرار دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] ذهب الحنفية والشافعية والحنابلة وهو قول مالك وأكثر فقهاء المالكية إلى أن محل النية من المكلف القلب فى كل موضع؛ لأنه محل العقل والعلم والميل والنفرة والاعتقاد، ولأن حقيقتها القصد، ومحل القصد القلب، ولأنها من عمل القلب.

واستدلوا بقول الله عز وجل :(وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ) والإخلاص عمل القلب، وهو محض النية، وذلك بأن يقصد بعمله أنه لله تعالى وحده ، وقول الله تعالى :(أفلم يسيروا فى الأرض فتكون لهم قلوب (يعقلون بها ) ، وقوله سبحانه :(ما كذب الفؤاد ما رأى ) ، وقوله عز وجل :(أولئك كتب فى قلوبهم الإيمان ) ، وقوله جل جلاله :(ختم الله على قلوبهم ) ولم يضف الله شيئا من هذه الأمور إلى الدماغ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۶۵، وص۶۶، مادة "نية")

[2] يترتب على رأى الجمهور بأن محل النية القلب، أمران:
الأول :لا يكفى اللفظ باللسان دون القلب، فلو اختلف اللسان والقلب فالعبرة بما فى القلب، فلو نوى بقلبه الظهر وبلسانه العصر، أو بقلبه الحج وبلسانه العمرة أو عكسه، صح له ما فى القلب.
قال الدردير :إن خالف لفظه نيته فالعبرة النية بالقلب لا اللفظ، إن وقع سهوا، وأما عمدا فمتلاعب تبطل صلاته.الثانى :أنه لا يشترط مع نية القلب التلفظ فى جميع العبادات.ثم إن الفقهاء اختلفوا فى الحكم التكليفى للتلفظ بالنية :فذهب الحنفية فى المختار والشافعية والحنابلة فى المذهب إلى أن التلفظ بالنية فى العبادات سنة ليوافق اللسان القلب.وذهب بعض الحنفية وبعض الحنابلة إلى أن التلفظ بالنية مكروه.وقال المالكية بجواز التلفظ بالنية فى العبادات، والأولى تركه، إلا الموسوس فيستحب له التلفظ ليذهب عنه اللبس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۶۷، مادة "نية")

لیکن اس وقت بھی ضروری ہے کہ مختصر نیت پر اکتفاء کیا جائے اور آہستہ آواز میں الفاظ ادا کئے جائیں۔

لہٰذا وسوسوں کی پیروی کرتے ہوئے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے میں غلو اور ان کو لمبا کرنے اور بار بار دھرانے اور بعض اوقات وسوسوں کی خاطر نماز تک توڑ دینے کا جو طرز عمل ہے وہ قابلِ اصلاح ہے اور یہ کوئی نیکی والا عمل نہیں، بلکہ غلو پر مبنی ہے، جس کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، اور نہ ہی ان پریشانیوں اور تنگیوں کا انسان کو مکلّف کرتی ہے، اور جب اس طرزِ عمل میں کوئی ثواب نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ثواب سے محرومی اور بعض صورتوں میں گناہ ہے تو اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اور شریعتِ مطہرہ کے صحیح، صاف اور سہل نظام کو اپنانا چاہئے، ورنہ اس کا نتیجہ بے جا تنگی، دماغ میں خلل اور خبط اور پریشانیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

بعض لوگوں کو نماز پڑھتے وقت وسوسہ آتا ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے یا قعدہ میں ان کے لباس یا چادر کا کوئی حصہ جانماز سے نیچے یا فرش پر لگ گیا ہے، اور ممکن ہے کہ وہ جگہ ناپاک ہو۔

حالانکہ اولاً تو اس جگہ کا ناپاک ہونا ضروری نہیں، دوسرے اس طرح ناپاک جگہ پر کپڑا پڑنے سے نماز میں خلل نہیں آتا، بلکہ اگر کسی ایسے کپڑے پر نماز پڑھی جائے، جس کا وہ حصہ ناپاک ہے، جو قیام اور قعدہ وسجدہ والی جگہ سے ہٹ کر ہے، تب بھی نماز درست ہوجاتی ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] ولو صلى على مكان طاهر إلا أنه إذا سجد تقع ثيابه على أرض نجسة جازت صلاته بالطريق الأولى؛ لأن قيامه على مكان طاهر ولو صلى على بساط وعلى طرف منه نجاسة فالأصح أنه يجوز كبيرا كان أو صغيرا؛ لأنه بمنزلة الأرض فلا يصير مستعملا للنجاسة وهو بالطريق الأولى؛ لأن النجاسة إذا كانت لا تمنع فى موضع الركبتين واليدين فههنا أولى(البحرالرائق، ج ۱ ص ۲۸۲، كتاب الصلاة ،باب شروط الصلاة )

IdaraGhufran

(فصل نمبر ۱۷)

# طلاق و بیوی کے حرام ہونے سے متعلق وسوسوں کا حکم

بعض لوگوں کو طلاق کا وہم ہو جانے کے وسوسے آتے ہیں، جس سے وہ بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں، اور بار بار اہلِ علم حضرات سے طلاق کا حکم معلوم کرکے خود بھی اذیت اُٹھاتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اذیت و تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات کسی اور طرح سے نکاح ختم ہو جانے اور بیوی کے حرام ہو جانے کے متعلق وسوسے آتے ہیں، اور وہ پریشان رہتے ہیں کہ کہیں ان کا نکاح تو ختم نہیں ہو گیا، اور بیوی تو حرام نہیں ہو گئی، وغیرہ وغیرہ۔

## ابلیس کا زوجین میں تفریق کی کوشش کرنا

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ شیطان زوجین کے درمیان اختلاف اور پھوٹ ڈلوانے اور ناراضگی و نااتفاقی پیدا کرانے کی بڑی کوشش کرتا ہے، اور اس پر بہت خوش ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ میاں بیوی کے دلوں میں ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے، کہ جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے دُور ہوں، اور باہم ناچاقی و نااتفاقی پیدا ہو۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ إِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُوْلُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ ثُمَّ يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ، قَالَ: فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ: نِعْمَ أَنْتَ قَالَ

الْأَعْمَشُ: أُرَاهُ قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے، پس اس کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے وہی مقرب ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں ان میں بڑا ہو، ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس اس طرح کیا تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے کوئی (بڑا کام) سرانجام نہیں دیا، پھر ان میں سے ایک (اور) آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے (فلاں آدمی) کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی، شیطان اسے اپنے قریب کر کے کہتا ہے کہ ہاں! تو ہے (جس نے بڑا کام کیا ہے) اعمش راوی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ شیطان اسے (خوش ہوکر) اپنے سے چمٹا لیتا ہے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان انسان کے دل میں اس طرح کے وسوسے ڈالنے پر بڑا خوش ہوتا ہے، جن کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائیگی اور علیٰحدگی پیدا ہو جائے، اس لئے ان وسوسوں پر ہرگز عمل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ان وسوسوں کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔

## طلاق کے تلفظ سے پہلے طلاق نہ ہونے کا حکم

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو طلاق کا وسوسہ آئے، تو اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ طلاق کے وسوسہ یا وہم سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے حقیقتاً طلاق کے الفاظ ادا نہ کیے جائیں، جس طرح سے کہ نکاح بھی اس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک زبان سے ایجاب وقبول نہ کرلیا جائے، پس جب کسی کے ساتھ نکاح کا خیال یا وسوسہ آنے سے نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح بیوی کے متعلق طلاق کا خیال یا وسوسہ آنے سے طلاق بھی نہیں ہوتی۔

---

[1] رقم الحديث ۲۸۱۳ ”۶۷“ كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنة الناس وأن مع كل إنسان قرينا.

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:**

**إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ** (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے دل کے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ وہ عمل یا گفتگو نہ کریں (بخاری)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عمل کا تعلق زبان سے ہو، جیسا کہ نکاح وطلاق، تو جب تک زبان سے الفاظ ادا نہ کئے جائیں، اس وقت تک اس عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

پس اگر شوہر کو بیوی کے متعلق طلاق دینے کا یہ وسوسہ آئے کہ اس نے طلاق دیدی ہے، یا وہ طلاق دیدے گا، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۲۵۲۸، كتاب العتق، باب الخطإ والنسيان فى العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله.

[۲] الأحكام المتعلقة بالوسوسة:

أولا :الوسوسة بمعنى حديث النفس:

حديث النفس أقوى من الهاجس والخاطر، وأقوى منه الهم والعزم.

وحكم هذا النوع وما كان أضعف منه أنه مرفوع عن هذه الأمة، فلا إثم فيه إن لم يقترن به عمل أو قول، كمن حدث نفسه أن يسرق أو يخون.

ولو حدث نفسه أنه يطلق زوجته، أو ينذر لله تعالى شيئا، ولم ينطق بذلك، لم يقع طلاقه، ولم يصح نذره؛ لقول النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله تجاوز لأمتى عما وسوست -أو حدثت -به أنفسها ما لم تعمل به أو تكلم.

وقال قتادة بعد أن روى الحديث :إذا طلق فى نفسه فليس بشىء .

وقال عقبة بن عامر :لا يجوز طلاق الموسوس.

وعلق ابن حجر على هذا القول شارحا له :أى لا يقع طلاقه؛ لأن الوسوسة حديث النفس، ولا مؤاخذة بما يقع فى النفس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص۱۴۸، مادة وسوسة)

Idara Ghufran

# ابلیس کا طلاق کے بعد نکاح پر اظہارِ افسوس

تیسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض کسی نے حقیقت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، تو شریعت نے جو حکم دیا ہے، اس عمل کو اختیار کرنا چاہئے، مثلاً اگر ایسی طلاق دی ہو کہ جس میں رجوع ہوسکتا ہو، تو رجوع کرنا چاہئے، اور تجدیدِ نکاح ہوسکتا ہو، تو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

بعض احادیث سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، کہ طلاق کے بعد رجوع یا تجدیدِ نکاح سے شیطان کو مایوسی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے ایک طرح سے اس کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے، اور میاں بیوی کے تعلقات بحال ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ إِبْلِيسُ بَثَّ جُنُودَهُ، فَيَقُولُ: مَنْ أَضَلَّ الْيَوْمَ مُسْلِمًا أَلْبَسْتُهُ التَّاجَ، قَالَ: فَيَخْرُجُ هٰذَا، فَيَقُولُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، فَيَقُولُ: أَوْشَكَ أَنْ يَّتَزَوَّجَ، وَيَجِيءُ هٰذَا فَيَقُولُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى عَقَّ وَالِدَيْهِ، فَيَقُولُ: أَوْشَكَ أَنْ يَّبَرَّ، وَيَجِيءُ هٰذَا، فَيَقُولُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى أَشْرَكَ فَيَقُولُ: أَنْتَ أَنْتَ، وَيَجِيءُ، فَيَقُولُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى زَنٰى فَيَقُولُ: أَنْتَ أَنْتَ، وَيَجِيءُ هٰذَا، فَيَقُولُ: لَمْ أَزَلْ بِهِ حَتّٰى قَتَلَ فَيَقُولُ: أَنْتَ أَنْتَ، وَيُلْبِسُهُ التَّاجَ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابلیس صبح کرتا ہے، تو اپنے لشکر کو (مختلف اطراف میں) پھیلا دیتا ہے، پھر (لشکر کے واپس آنے کے بعد) کہتا ہے کہ جس نے آج مسلمان کو گمراہ کیا، اس کو میں تاج پہناؤں گا، پھر لشکر میں سے

---

[1] رقم الحديث ٦١٨٩، كتاب التاريخ، باب بدء الخلق.
فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح.

ایک ابلیس نکل کر کہتا ہے کہ میں برابر کوشش میں لگا رہا، یہاں تک کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تو ابلیس کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ شخص (دوبارہ) نکاح کر لے، پھر لشکر میں سے ایک اور ابلیس آتا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ میں برابر کوشش میں لگا رہا، یہاں تک اُس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی، تو ابلیس کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ والدین کا فرمانبردار ہو جائے، پھر لشکر میں سے ایک اور ابلیس آتا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ میں برابر کوشش میں لگا رہا، یہاں تک کہ وہ شرک میں مبتلا ہو گیا، تو ابلیس کہتا ہے کہ تُو نے بڑا اچھا کام کیا، پھر لشکر میں سے ایک اور ابلیس آتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں برابر کوشش میں لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے زنا کر لیا، تو ابلیس کہتا ہے کہ تُو نے بھی بڑا اچھا کام کیا، پھر لشکر میں سے ایک اور ابلیس آتا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ میں برابر کوشش میں لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے قتل کر دیا، تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے تو بڑا ہی اچھا کام کیا، اور پھر ابلیس اس کو (شاباشی و اعزازی کا) تاج پہناتا ہے (ابنِ حبان)

پس اگر بالفرض ایسی طلاق دیدی جائے، جس کے بعد رجوع کا حق ہوتا ہے، تو رجوع کر کے اپنے معاملات کو درست کرنا چاہئے، اور اگر تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہو تو تجدیدِ نکاح کرنا چاہئے، جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب وقبول کر لیں، اور باہمی رضامندی سے کچھ مہر بھی رکھ لیں۔

بہرحال جن لوگوں کو اپنی بیوی کے متعلق طلاق کے وسوسے آتے ہیں، اور وہ ان سے بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں، کبھی محسوس ہوتا ہے کہ زبان سے طلاق کا لفظ نکل گیا ہے، حالانکہ زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہیں کیے ہوتے، مگر پھر بھی شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ زبان سے طلاق کے الفاظ نکل گئے ہیں۔

کبھی کوئی دوسری بات کرتے وقت بیوی کی طرف ذہن چلا جاتا ہے اور وسوسہ آتا ہے کہ اس

لفظ سے تو طلاق ہو جاتی ہے اور بیوی کا ذہن میں تصور آنے سے نیت بیوی کی ہو گئی ہے، اس لیے بیوی کو طلاق ہو گئی ہے۔

بعض دفعہ کوئی اور لفظ زبان سے انسان کہتا ہے، مگر شیطان یہ سُجھاتا ہے کہ طلاق ہو گئی ہے کیونکہ طلاق کے الفاظ ہی زبان سے نکلے ہیں۔

کبھی قرآن مجید کی تلاوت یا کوئی اور ذکر اذکار کرتے ہوئے ان کے معانی کی طرف توجہ ہونے سے بیوی کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے، اور وسوسہ آتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق ہو گئی ہے، کبھی بیٹھے بیٹھے محسوس ہوتا ہے کہ اب زبان تالو کو لگ گئی ہے، اور طاء نکل گیا ہے، اور اب دانتوں سے لگ گئی ہے اور لام ادا ہو گیا ہے، اور اب قاف ادا ہو گیا ہے اور اس طرح پورا جملہ ''طلاق'' کا بن گیا ہے اور بیوی کا تصور ہونے سے اس کو طلاق ہو گئی ہے۔

اور بھی نہ جانے کس کس طرح سے طلاق کے وسوسے تنگ کرتے ہیں، اور جب یہ سلسلہ ترقی کرتا ہے تو پھر ہر وقت ہی، ہر بات اور ہر کام میں بیوی کو طلاق دینے کے وسوسے آنے لگتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں بعض لوگ بیوی سے بھی کنارہ کشی کر لیتے ہیں کہ کہیں حرام کاری میں مبتلا نہ ہو جائیں، یا کم از کم بیوی کے ساتھ تعلقات میں خوشگواری قائم نہیں رہتی۔

کبھی وسوسہ آتا ہے کہ فلاں کفریہ الفاظ زبان سے نکل گئے ہیں اور ان الفاظ سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور جب اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو نکاح بھی متأثر ہو جاتا ہے، اور بھی اس طرح کے مختلف وسوسے آتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر وقت دل و دماغ پر ایک وزن اور بوجھ رہتا ہے، کسی چیز میں دل نہیں لگتا، کھانے پینے سے بھی دل گھبراتا ہے، اور صحت خراب ہونے لگتی ہے۔

بعض اوقات خیال اور نفس میں اثر ہونے کی وجہ سے خواب بھی اسی قسم کے پریشان کُن آنے لگتے ہیں، جس سے وسوسوں میں مزید ترقی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس طرح کی تمام چیزیں بے بنیاد اور بے حقیقت ہوتی ہیں، اور سارا معاملہ شیطانی ہوتا ہے،

جس کا مقصد مؤمن کو غمگین و پریشان کرنا ہوتا ہے، یا پھر میاں بیوی کے تعلقات میں بدمزگی پیدا کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے شیطان بہت زیادہ محنت اور جد و جہد کرتا ہے۔

ان لوگوں کو بلا وجہ اس طرح بیٹھ کر سوچنے اور اُدھیڑ بُن کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

بعض اوقات شوہر کے علاوہ اس کی بیوی کو بھی اپنے شوہر کی طرف سے مشکوک و مشتبہ الفاظ سننے سے طلاق واقع ہونے کا وھم ہونے لگتا ہے، مثلاً شوہر نے کسی کام سے فارغ ہونے کا لفظ بولا، اس سے عورت یہ سمجھ لیتی ہے کہ اس کے شوہر نے یہ لفظ اس کو طلاق دینے کے لئے بولا ہے، جبکہ وہ لفظ کسی اور کام سے فارغ ہونے کے لئے بولتا ہے، وغیرہ۔

یاد رکھیے کہ طلاق ایک اختیاری عمل ہے، جو خود بخود نہیں ہوا کرتی، جس طرح نکاح کا ایجاب وقبول اپنے اختیار سے ہوتا ہے، اسی طرح طلاق کا بھی معاملہ ہے، اور اسی طرح طلاق کے الفاظ بھی مخصوص ہوا کرتے ہیں، ہر ایک لفظ کے بولنے سے طلاق نہیں ہو جایا کرتی۔

ایسے موقع پر اگر انسان اپنی توجہ اس وسوسے سے نہ ہٹائے تو بڑی تنگی اور پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور بار بار اس کو یہ وسوسہ تنگ کرتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ زبان سے الفاظ ادا کرنا انسان کے اختیار میں ہے اور بغیر اختیار کے خود بخود زبان سے الفاظ ادا نہیں ہوا کرتے۔

اس لیے اس طرح کے وسوسوں کو ہرگز بھی اہمیت نہیں دینی چاہیے؛ اور اپنے کام میں لگنا چاہیے۔

اور عمدہ اور آسان حل یہی ہے کہ جب طلاق کے متعلق وسوسہ اور خیال آئے تو اس کو اہمیت نہ دی جائے اور اپنے آپ کو کسی اچھے کام میں مشغول رکھا جائے، اور وسوسوں اور خیالوں میں آنے والے طلاق کے وہم کے متعلق بار بار شرعی مسئلہ بھی معلوم نہ کیا جائے، کیونکہ یہ بھی وسوسوں کو اہمیت دینے والی بات ہے، جس سے وسوسوں میں ترقی ہوتی ہے۔

# طلاق دینے میں شک پیدا ہونے کا شرعی حکم

اگر کسی شخص کا کسی عورت سے شرعی اُصولوں کے مطابق نکاح ہوا ہو، اور پھر اسے یہ شک ہو کہ اُس نے اس کو طلاق دی ہے، یا نہیں دی ہے؟ تب بھی فقہائے کرام نے فرمایا کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ نکاح کا ثابت ہونا یقینی ہے، اور طلاق کے ہونے کے میں شک ہے، اور یقین کے درجہ کو شک کے درجہ پر ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس شخص کو بار بار طلاق کے وسوسے آتے ہوں اور طلاق کے الفاظ زبان سے نکلنے کا شبہ پیدا ہوتا ہو، اسے اس پر یقین نہیں کرنا چاہئے، جب تک کہ زبان سے الفاظ ادا کرنے کا پختہ یقین نہ ہو۔ [1]

---

[1] پھر اگر اصل طلاق کے بجائے طلاق کی تعداد میں شک ہو، مثلاً اس نے دو طلاقیں دی ہیں، یا تین طلاقیں دی ہیں، تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شک کی دونوں حالتوں میں سے یقینی حالت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، جو کہ کم عدد والی حالت ہے۔ اور اگر طلاق کی صفت کے بارے میں شک ہے، مثلاً اس نے طلاقِ رجعی دی ہے، یا بائن دی ہے، تو اس صورت میں یقینی حالت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، جو کہ رجعی ہونے کی حالت ہے۔

شک الزوج فی الطلاق لا یخلو من ثلاث حالات:

الحالة الأولی :أن یکون الشک فی وقوع أصل التطلیق، أی شک هل طلقها أم لا؟ فلا یقع الطلاق فی هذه الحالة بإجماع الأمة، واستدلوا لذلک بأن النکاح ثابت بیقین فلا یزول بالشک لقوله تعالی :(ولا تقف ما لیس لک به علم.

الحالة الثانیة :أن یقع الشک فی عدد الطلاق -مع تحقق وقوعه -هل طلقها واحدة أو اثنتین أو ثلاثا؟ لم تحل له -عند المالکیة، والخرقی من الحنابلة وبعض الشافعیة -إلا بعد زوج آخر لاحتمال کونه ثلاثا .عملا بقوله علیه الصلاة والسلام :دع ما یریبک إلی ما لا یریبک ویحکم بالأقل عند أبی حنیفة والشافعی وأحمد، فإذا راجعها حلت له علی رأی هؤلاء .

الحالة الثالثة :أن یقع الشک فی صفة الطلاق کأن یتردد مثلا فی کونها بائنة أو رجعیة، وفی هذه الحالة یحکم بالرجعیة لأنها أضعف الطلاقین فکان متیقنا بها .

وذکر الکاسانی -فی هذا المعنی -أن الرجل لو قال لزوجته :أنت طالق أقبح طلاق فهو رجعی عند أبی یوسف لأن قوله :أقبح طلاق یحتمل القبح الشرعی وهو الکراهیة الشرعیة، ویحتمل القبح الطبیعی وهو الکراهیة الطبیعیة، والمراد بها أن یطلقها فی وقت یکره الطلاق فیه طبعا، فلا تثبت البینونة فیه بالشک، وهو بائن عند محمد بن الحسن الشیبانی لأن المطلق قد وصف الطلاق بالقبح، والطلاق القبیح هو الطلاق المنهی عنه، وهو البائن، ولذلک یقع بائنا(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۶ص ۱۹۹،۲۰۰، مادة "شک")

اور اگر کوئی وسوسوں کا مریض، جنون اور پاگل پَن کی حد تک پہنچ چکا ہو، تو پھر اس کے زبان سے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ [1]

## بعض اور چیزوں کی وجہ سے نکاح ختم ہونے کا وسوسہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بیوی کے پستان سے دودھ منہ میں چلا گیا، تو اس سے بیوی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ شوہر کی دودھ کے رشتہ سے ماں بن جاتی ہے۔

حالانکہ اس طرح بیوی حرام نہیں ہوتی، اگرچہ اپنے قصد واختیار سے بیوی کا دودھ حلق میں لے جانا گناہ میں داخل ہے، جس سے توبہ کرنی چاہئے، لیکن جہاں تک کسی عورت کا دودھ پینے سے اس کے دودھ کے رشتہ سے ماں بننے کا تعلق ہے، تو یہ رشتہ اسی وقت قائم ہوتا ہے، جبکہ کوئی بچہ، بچپن کی حالت میں یعنی پیدائش کے بعد دو سال کی عمر کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پیے، اس کے بعد دودھ پینے سے مذکورہ رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

البتہ بعض فقہاء کے نزدیک دو سال کی عمر کے بجائے ڈھائی سال کی عمر تک دودھ پینے سے یہ رشتہ قائم ہوتا ہے، اس کے بعد قائم نہیں ہوتا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ عام طور پر شوہر کی عمر ڈھائی سال سے زیادہ ہی ہوا کرتی ہے۔ [2]

---

[1] ان الوسوسة من احاديث النفس فاذاتجاوز اللهؐعن عبده ماحدثت به نفسه يدخل فيه طلاق الموسوس انه لايقع (عمدة القارى شرح البخارى ،باب الطلاق فى الاغلاق تحت حديث رقم ٩٦٢٥)

أ -طلاق الموسوس : نقل ابن عابدين عن الليث :فى مسألة طلاق الموسوس أنه لا يجوز طلاق الموسوس، قال :يعنى المغلوب فى عقله ونقل ابن القيم :إن المطلق إن كان زائل العقل بجنون أو إغماء أو وسوسة لا يقع طلاقه، قال :وهذا المخلص مجمع عليه بين علمـاء الأمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٣،ص١٥٧ ،مادة وسوسة)

[2] اختلف الفقهاء فى تحديد مدة الرضاع المؤثر فى تحريم النكاح وثبوت المحرمية المفيدة لجواز النظر والخلوة فقال الشافعية والحنابلة والصاحبان :أبو يوسف، ومحمد :يشترط ألا يبلغ المرتضع حولين، فمتى بلغ حولين فلا أثر لارتضاعه. لخبر :لا رضاع إلا ما فتق الأمعاء ، وكان قبل حولين.وقال المالكية :لا يضر زيادة شهرين.وقال أبو حنيفة :هو حولان، ونصف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٨ ، ص٢٥٦ ، وص٢٥٧ ، مادة ”حول“)

اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کرلی جائے، یا آگے کے راستہ کے بجائے پیچھے کے غلط راستہ سے صحبت کرلی جائے، تو اس سے بھی بیوی حرام ہوجاتی ہے، یا نکاح ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

مگر ان لوگوں کا یہ سمجھنا بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ مذکورہ حرکات سخت اور کبیرہ گناہ میں تو داخل ہیں، جن سے توبہ کا حکم ہے، لیکن ان حرکات سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اِلا یہ کہ کوئی شخص خدانخواستہ ان حرکات کو اپنے عقیدہ کے اعتبار سے حلال سمجھے، جو کہ ایک مسلمان سے بعید ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیطان، بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان جدائیگی پیدا کرنے کے وسوسے ڈال کر مؤمن کو پریشان کرتا ہے، اور طلاق یا حرمت قائم ہونے کے وسوسے پیدا کرتا ہے، جن کی طرف مؤمن بندہ کو توجہ نہیں کرنی چاہئے، اور اپنے آپ کو اس طرح کے وسوسوں میں نہیں ڈالنا چاہئے، اور اس طرف سے ذہن کو خالی کرکے زوجین والے خوشگوار تعلقات قائم رکھنا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(فصل نمبر ۱۸)

# خواب کی وجہ سے وسوسوں کا حکم

بعض لوگوں کو کوئی مخصوص، مکروہ و ناپسندیدہ خواب نظر آنے کی وجہ سے وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں، حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے خوابوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس طرح کے خواب نفس و شیطان کی جانب سے ہوتے ہیں، جن سے مؤمن بندہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : اَلرُّؤْيَا عَلٰى ثَلَاثَةِ مَنَازِلَ : فَمِنْهَا مَا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ، وَمِنْهَا مَا يَكُوْنُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ، وَمِنْهَا رُؤْيَا مِنَ اللّٰهِ

(السنن الکبریٰ للنسائی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے، اُن میں سے ایک تو وہ ہوتا ہے، کہ جس میں آدمی اپنے نفس سے بات کرتا ہے (یعنی نفسیاتی و خیالاتی خواب ہوتا ہے) تو یہ کوئی چیز نہیں ہے، اور اُن میں سے دوسرا وہ ہوتا ہے، جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تو یہ خواب ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، اور اُن میں سے تیسرا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے (نسائی)

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب مجموعی طور پر تین طرح کا ہوتا ہے، ایک خواب نیک، اچھا اور سچا ہوتا ہے، جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کو

---

[1] رقم الحديث ١٠٦٧٩، كتاب عمل اليوم والليلة، باب ما يفعل إذا رأى في منامه الشىء يعجبه، عمل اليوم والليلة للنسائى، رقم الحديث ٩٠٩.

رحمانی خواب کہا جاتا ہے، اس خواب میں مومن بندہ کو خوش کیا جاتا ہے، اور کوئی سبق و ہدایت دی جاتی ہے، اس خواب کو رحمانی اور مبشرات میں سے کہا گیا ہے، اور اس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

اور دوسرا خواب مکروہ، بُرا اور جھوٹا ہوتا ہے، جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کو شیطانی خواب کہا جاتا ہے، اس خواب میں انسان، مکروہ، خوف و گھبراہٹ اور غم پیدا کرنے والی چیزیں دیکھتا ہے، اس خواب سے شیطان کا مقصد مومن کو غمگین کرنا اور خوف میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔

اور تیسرا خواب نفسیاتی اور خیالاتی ہوتا ہے، جو نفس اور خیال کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کو نفسیاتی اور خیالاتی خواب کہا جاتا ہے، یہ خواب انسان کے خیالات اور سوچوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس کا دماغ جو کچھ سوچ و فکر کر رہا ہوتا ہے، یا اس کے شعور میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہوتی ہے، ویسا ہی اس کو خواب نظر آ جاتا ہے۔

اس نفسیاتی و خیالاتی خواب میں انسان کی طبیعت اور مزاج کو بھی دخل ہوتا ہے۔

اور بعض اوقات شیطانی اور نفسانی خواب ایک سے زیادہ مرتبہ اور بار بار بھی نظر آ جایا کرتا ہے، خواہ اس وجہ سے کہ شیطان مؤمن بندہ کو غمگین اور پریشان کرنا چاہتا ہو، یا اس وجہ سے کہ خواب دیکھنے والے کے ذہن میں کسی خواب کا تصور بیٹھ جانے اور متأثر ہو جانے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر بار بار نظر آئے، یا اس وجہ سے کہ ایک مدت تک مزاج اور طبیعت میں کسی خاص کیفیت کا غلبہ ہو۔

اور کوئی خواب بھی مذکورہ تین قسموں سے باہر نہیں ہوتا، البتہ بعض خواب ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان میں انہی تین قسموں میں سے ایک سے زیادہ قسموں کی ملاوٹ ہو جائے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ، وَالْحُلُمُ

مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلُمًا يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لاَ تَضُرُّهُ (بخاری)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک صالح خواب، اللہ کی جانب سے ہے، اور پریشان کُن خواب شیطان کی طرف سے ہے، پس جو شخص خواب میں مکروہ وناپسندیدہ چیز دیکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے (یعنی تھوتھو کردے) اور شیطان سے تعوذ کرے (یعنی اعوذ باللہ پڑھے) تو یہ خواب اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (بخاری)

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَإِذَا رَأٰى أَحَدُكُمُ الشَّيْءَ يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِذَا اسْتَيْقَظَ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا. فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۶۰۵۹، كتاب الرؤيا)[2]

ترجمہ: پس جب تم میں سے کوئی شخص (خواب میں) مکروہ وناپسندیدہ (مثلاً ڈراؤنی) چیز دیکھے، تو اسے چاہئے کہ جب وہ بیدار ہو تو اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے (یعنی تھوتھو کردے) اور اللہ کے ذریعہ اس کے شر سے پناہ طلب کرے (یعنی اعوذ باللہ پڑھے) تو بلاشبہ وہ خواب ان شاء اللہ اس کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (ابنِ حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ برا ومکروہ یا ناپسندیدہ خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور ایسا خواب نظر آنے کے بعد بیدار ہونے پر بائیں طرف تھتکار دینا چاہئے، اور تین مرتبہ تھتکارے، تو بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ طلب کرنی چاہئے، مثلاً ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھنی چاہئے۔

---

[1] رقم الحديث ۳۲۹۲، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده.

[2] فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين

www.idaraghufran.org

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِذَا رَأٰى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا، فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلَاثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثًا، وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مکروہ وناپسندیدہ خواب دیکھے، تو اسے چاہئے کہ اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے (یعنی تھوتھو کردے) اور اللہ کے ذریعہ سے شیطان سے تین مرتبہ پناہ چاہے (یعنی تین مرتبہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے) اور جس کروٹ پر پہلے تھا، اس کروٹ کو بدل دے (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بُرا، مکروہ وناپسندیدہ خواب نظر آنے کے بعد بیدار ہونے پر بائیں طرف تین مرتبہ تھتکارنا اور تین مرتبہ اعوذ باللہ پڑھنا بہتر ہے، اور عذر نہ ہو، تو کروٹ بدل لینا بھی مناسب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِنْ رَأٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ، فَلَا يَقُصَّهُ عَلٰى أَحَدٍ، وَلْيَقُمْ يُصَلِّيْ (ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: اور اگر (خواب میں) کوئی مکروہ وناپسندیدہ چیز دیکھے، تو اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے، بلکہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے (ابنِ ماجہ، مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برا خواب نظر آنے کے بعد بیدار ہونے پر گزشتہ احادیث میں مذکور چیزوں کے ساتھ ساتھ دفعِ شر اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت وپناہ طلب کرنے کے لئے اگر حسبِ توفیق نماز بھی پڑھ لے، تو اور زیادہ بہتر ہے۔

---

[1] رقم الحديث ٢٢٦٢ "٥" كتاب الرؤيا.

[2] رقم الحديث ٣٩٠٦، كتاب تعبير الرؤيا، باب الرؤيا ثلاث، مسند احمد، رقم الحديث ٩١٢٩.

في حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، هوذة صدوق لا بأس به، وباقي رجال الإسناد ثقات من رجال الشيخين.

مذکورہ مسنون اعمال کو اختیار کرنے کی برکت سے بُرے سے بُرے اور مکروہ وناپسندیدہ خواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی ضرر ونقصان نہیں پہنچے گا۔

پھر اگر بُرا اومکروہ خواب نظر آنے کے فوراً بعد آنکھ کھل جائے، تو ان مذکورہ مسنون اعمال کو اسی وقت اختیار کرنا مناسب ہے، اور اگر تاخیر سے آنکھ کھلے، تو پھر آنکھ کھلنے پر ان مسنون اعمال کو اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ بعض احادیث میں بیدار ہونے کے بعد ان اعمال کو اختیار کرنے کی وضاحت پائی جاتی ہے، اور اگر آنکھ کھلنے پر برا خواب یاد نہ آئے، بلکہ تاخیر سے یاد آئے، تو اسی وقت ان مسنون اعمال یا ان میں سے بعض اعمال (مثلاً اعوذ باللہ اور نماز پڑھنے) کو اختیار کرنا ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ہو جائے گا۔

اور اگر مذکورہ مسنون اعمال میں سے بعض اعمال فی الحال اختیار کرے، اور بعض اعمال بعد میں اختیار کرے، تو اس کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔

لہٰذا بُرا اومکروہ اور ناپسندیدہ خواب نظر آنے پر کسی قسم کے وسوسوں میں مبتلا ہوکر پریشان نہیں ہونا چاہئے، اور اس کے بجائے مسنون اعمال کو اختیار کرنا چاہئے۔

بعض لوگ بُرا خواب دیکھ کر اُس کے مطابق واقعہ ہونے کا گمان کرتے ہیں، اور اس سے بُری تعبیر لیتے ہیں، جس کے بعد بعض اوقات خواب اور تعبیر کے مطابق واقعہ ہو جایا کرتا ہے، جس سے بعض لوگ اپنے آپ کو یا ایسا خواب دیکھنے والے کو بزرگ اور مقبول سمجھ بیٹھتے ہیں۔

حالانکہ احادیث میں بُرے اور مکروہ خواب کو دوسرے کو سُنانے کے ساتھ ساتھ بُری تعبیر کی بھی ممانعت آئی ہے، اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ خواب تعبیر سے پہلے معلَّق رہتا ہے، اور تعبیر کے بعد اس کے مطابق واقع ہو جایا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الرُّؤْيَا تَقَعُ عَلٰى مَا تُعَبَّرُ، وَمَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ رَجُلٍ رَفَعَ رِجْلَهٗ فَهُوَ يَنْتَظِرُ مَتٰى يَضَعُهَا، فَإِذَا رَأٰى

أَحَدُكُمْ رُؤْيَا فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا نَاصِحًا أَوْ عَالِمًا (مستدرک حاکم) لے

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب کی جیسی تعبیر لی جائے، اس کے مطابق واقع ہو جاتا ہے، اور اس خواب کی مثال، اس آدمی کی طرح ہے، جو اپنا پاؤں اٹھاتا ہے، پھر وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کو کب رکھے گا (یعنی خواب تعبیر لینے تک معلق ہوتا ہے) پس جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے، تو اس کو صرف اپنے خیر خواہ (یعنی ہمدرد) یا عالم سے ہی بیان کرے (حاکم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِذَا عَبَرْتُمْ لِلْمُسْلِمِ الرُّؤْيَا فَاعْبُرُوهَا عَلَى الْخَيْرِ، فَإِنَّ الرُّؤْيَا تَكُونُ عَلٰى مَا يُعَبِّرُهَا صَاحِبُهَا (سنن الدارمی) ۲

ترجمہ: جب تم کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر دو، تو اس کی خیر والی (اور اچھی) تعبیر دو، کیونکہ خواب اس کے مطابق (واقع) ہوتا ہے، جیسی اس خواب دیکھنے والے کو تعبیر دی جائے (دارمی)

اور جب بُرے خواب پر اس کے مطابق گمان کر لینے اور تعبیر لے لینے کی ممانعت ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کے مطابق واقعہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، تو اس طرح کسی کے خواب کا حقیقت کے مطابق ہو جانا اس کے بزرگ اور مقبول ہونے کی نشانی نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

لے رقم الحدیث ۸۱۷۷، کتاب تعبیر الرؤیا.
قال الحاکم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح.

۲ رقم الحدیث ۲۲۰۹، کتاب الرؤیا، باب فی القمص، والبئر، واللبن، والعسل، والسمن، والتمر، وغیر ذلک فی النوم.
قال ابن حجر: سنده حسن (فتح الباری، ج ۱۲ ص ۴۳۲، قوله باب من لم یر الرؤیا لأول عابر إذا لم یصب)

(خاتمہ بالخیر)

# وسوسوں کے ضَرَر سے حفاظت کا طریقہ

اگرچہ گذشتہ مضمون میں ہر نوعیت کے وساوس کے ضمن میں وسوسوں کے ضَرَر سے حفاظت پر بحث ہو چکی ہے، اور تفصیل کے ساتھ یہ بھی گزر چکا ہے کہ وسوسوں کا آنا کوئی بیماری نہیں کہ جس کے علاج کی ضرورت ہو، لیکن بعض اوقات وسوسوں کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے، یا ان کی وجہ سے انسان بہت آگے پہنچ جاتا ہے، اس لئے آخر میں وسوسوں سے متعلق کچھ ایسی اُصولی ہدایات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جن پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں وسوسوں کے ضَرَر سے حفاظت اور پریشانیوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

اس لئے اب قرآن وسنت سے ماخوذ چند ایسی اُصولی ہدایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## وسوسوں کے آنے پر تعوذ پڑھنا اور تھتکارنا

قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر شیطان سے تعوذ یعنی اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت جو کہ عظیم عبادت ہے، اس کے شروع میں بھی ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھنے کا حکم ہے، اور خاص طور پر شیطانی وسوسوں کے وقت اعوذ باللہ پڑھنے اور مزید براں تھتکارنے کا حکم ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (سورہ مؤمنون آیت نمبر۹۷)

ترجمہ: آپ کہیے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے (سورہ مؤمنون)

جہاں خود اس دعا کا پڑھنا شیطان کے وسوسوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا

Idara Ghufran

کہ تعوذ یا اعوذ باللہ سے شیطانی وسوسوں سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَأْتِی الشَّیْطَانُ أَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ کَذَا، مَنْ خَلَقَ کَذَا، حَتّٰی یَقُوْلَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ؟ فَإِذَا بَلَغَہٗ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ** (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور فلاں کو کس نے؟ حتیٰ کہ یہ کہتا ہے کہ (بتاؤ) تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنا (یعنی اعوذ باللہ پڑھنا) اور رُک جانا چاہیے (اور سوال وجواب کے سلسلہ کو آگے نہیں بڑھانا چاہیے) (بخاری)

اللہ سے پناہ مانگنے کے بعد جو یہ فرمایا گیا کہ رُک جانا چاہیے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کے شیطانی وسوسوں پر مشتمل سوالات وجوابات کی طرف سے بے توجہی اختیار کرلینی چاہیے۔

چنانچہ ایک روایت کے آخر میں اس طرح کے شیطانی وساوس کے جواب میں فرمایا گیا کہ:

**فَقُوْلُوْا اَللّٰہُ اَحَدٌ، اَللّٰہُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ، ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَّسَارِہٖ ثَلَاثًا وَلْیَسْتَعِذْ مِنَ الشَّیْطٰنِ** (ابو داؤد) [2]

ترجمہ: تو تم یوں کہو کہ: اَللّٰہُ اَحَدٌ، اَللّٰہُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ. اس کے بعد تین مرتبہ اپنی بائیں طرف تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے (ابو داؤد)

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۷۶، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ.

[2] رقم الحدیث ۴۷۲۲، کتاب السنۃ، باب فی الجھمیۃ.
فی حاشیۃ ابی داؤد: حدیث صحیح.

www.idaraghufran.org

بائیں طرف تھتکارنے اور ایک کے بجائے تین مرتبہ تھتکارنے سے مراد یہ ہے کہ ان وسوسوں کو کوئی اہمیت نہ دے، اور انہیں مہمل اور فضول چیز سمجھ کر نظر انداز کردے، اور عمل سے بھی اگر بائیں طرف تین مرتبہ تھوتھو کردے، تو اور اچھا ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ صَلَاتِيْ وَقِرَاءَتِيْ فَقَالَ: إِنَّ ذٰلِكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خَنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَنْ يَسَارِكَ قَالَ: فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ عَنِّيْ** (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ شیطان میرے اور میری نماز اور میری قراءت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے (اور وہ مجھ کو وسوسہ ڈالتا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جس کو خَنْزَبْ کہا جاتا ہے، سو جب تم ایسی صورتِ حال محسوس کرو (جس کا تم نے ذکر کیا ہے) تو تم اللہ کے ذریعہ اس سے پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دو (یعنی تُھو تُھو کردو) میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے مجھ سے (شیطان اور اُس کے وسوسہ کو) دُور فرمادیا (حاکم، مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ دور کرنے کا یہ علاج بتایا کہ وسوسے آئیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے، اور یہ سب کچھ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہے۔

تھتکارنے کا مطلب یہ ہے کہ وسوسوں کو کوئی اہمیت نہ دے، اور ان سے اعراض کرلے، تاکہ شیطان جب دیکھے کہ اس کی بات نہیں مانی جارہی اور اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی

---

[1] رقم الحدیث ۷۵۱۴، ج۴ص ۲۴۴، کتاب الطب، مسلم، رقم الحدیث ۲۲۰۳ "۶۸"
قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ. وقال الذھبی فی التلخیص: صحیح.

www.idaraghufran.org

جا رہی تو وہ بھاگ جائے۔ [1]

تعوذ پڑھنے کے بعد تین مرتبہ بائیں طرف تھتکارنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان وسوسوں کی طرف سے توجہ ہٹالے، اور یہ بھی نہ سوچے کہ کیا وسوسے آرہے ہیں اور کیا نہیں؟ اور وسوسے ختم ہوگئے ہیں، یا اب بھی آرہے ہیں؟ اور اچھے وسوسے ہیں یا بُرے ہیں؟ اور بُرے ہیں تو کس درجے کے برے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ؟

ان سب چیزوں سے اپنے دل ودماغ کو فارغ کرلے، کیونکہ وسوسوں کی آمد سے کوئی مومن بری نہیں، اس لئے وسوسوں کا آنا کوئی بیماری نہیں کہ جس کے علاج کی فکر کرنے کی ضرورت ہو۔

اور جب وسوسوں کی طرف سے بے توجہی اختیار کرلی جائے گی، تو ان پر عمل کرنے کی بھی نوبت نہیں آسکے گی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> محقّق (اور ماہرِ فن) جو علاج کرتا ہے وہ بہت معمولی ہوتا ہے، بہت لمبا چوڑا نسخہ نہیں لکھتا، مثلاً وساوس کا خلجان ہوا، غیر محقق تو کوئی وظیفہ بتلادے گا اور اس سے یہ مرض اور بڑھے (یعنی جڑ پکڑے) گا، محقق صرف یہ کہے گا کہ وساوس کا آنا مضر (ونقصان دہ) نہیں ہے، اس لئے کچھ خیال (اور پرواہ) نہ کرو، اگر آتے ہیں تو آنے دو، دیکھئے دو کلموں میں علاج ہوگیا، اس لئے کہ یہ شخص علت (اور بنیاد) سمجھ گیا وہ (بنیاد) یہ ہے کہ یہ (شخص) اپنے نزدیک وساوس اور خطرات کو منافی اس

[1] وهو عبارة عن كراهة الشيئ والنفورعنه كمن يجد جيفة والتكرار مراغمة للشيطان وتبعيد له لينفر منه ويعلم انه لايطيعه فيه (مرقاة المفاتيح ج ا ص ۳۳۵،باب فى الوسوسة )

(ثم ليتفل) : بسكون اللام الأولى، ويكسر، وبضم الفاء ، ويكسر أى :ليبصق أحدكم، أو هذا الرجل يعنى الموسوس (عن يساره) : كرامة لليمين، وقيل اللمة الشيطانية عن يسار القلب، والرحمانية عن يمينه (ثلاثا) أى :ليلق البزاق من الفم ثلاث مرات، وهو عبارة عن كراهة الشىء ، والنفور عنه كمن يجد جيفة، والتكرار مراغمة للشيطان، وتبعيد له لينفر منه، ويعلم أنه لا يطيعه فيه، ويكره الكلام المذكور منه (وليستعذ) : ضبط بالوجهين (بالله من الشيطان الرجيم) : والاستعاذة طلب المعاونة على دفع الشيطان(مرقاة المفاتيح،ج ا ص ۱۴۵ ، كتاب الايمان، باب فى الوسوسة)

طریق کے (یعنی دین کے راستہ کے خلاف) سمجھ رہا ہے، اس لئے اس کے غم میں گُھلا جاتا ہے، اس (محقق) نے اس کی بیخ (اور جڑ) ہی کو قطع (وختم) کر دیا کہ کچھ پروا نہیں، یہ کسی حال میں مرض نہیں، فوراً سکون ہو جائے گا اور خطرات قطع (یعنی وساوس دُور) ہو جائیں گے، حقیقت میں محقق کا وجود حق تعالیٰ کی بڑی بھاری نعمت ہے (خطباتِ حکیم الامت ج ۲۹ ص ۱۳۳، بعنوان اصلاحِ باطن، وعظ اسباب الفضائل)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ:

بہترین علاج وساوس کا یہی ہے کہ ان کی زیادہ پروا نہ کرے اور نہ ان کی طرف التفات (وتوجہ) کرے اس سے (وہ وساوس) خود بخود دفع (اور دُور) ہو جاتے ہیں (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۴۰)

مزید فرماتے ہیں کہ:

وسوسے کا علاج مختلف طریقے سے آیا ہے، ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے (کہ اعوذ باللہ پڑھ کر تین بار بائیں طرف تھتکار دیا جائے) حاصل سب کا (یعنی خلاصہ سب علاج کے طریقوں کا) توجہ الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ) وترکِ التفات الی الوسوسہ (یعنی وسوسہ کی طرف سے توجہ کو ہٹالینا) ہے اور سب طریق اسی کی تحصیل کے ذرائع ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی تعوذ باللہ، ذریعہ توجہ الی اللہ کا ہے (یعنی اعوذ باللہ پڑھنا، اللہ کی طرف توجہ کا ذریعہ ہے) اور بائیں طرف تھتکارنا، طریقہ ترکِ التفات الی الوسوسہ کا ہے (یعنی وسوسہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا ایک طریقہ ہے) (بصائرِ حکیم الامت ص ۳۳۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اپنے کام میں لگے رہیں ان وساوس کی طرف التفات (وتوجہ) ہی نہ کریں نہ جلباً نہ سلباً (یعنی نہ وسوسوں کو لانے کے اعتبار سے اور نہ ان کو بھگانے کے اعتبار

سے ) کیونکہ یہ التفات (اور توجہ کرنا) ایسا ہے جیسے بجلی کی تار کو ہاتھ لگانا کہ چاہے دفع (یعنی ہٹانے اور دور کرنے) کے واسطے ہو، چاہے اپنی طرف کھینچنے کے واسطے ہو، ہر صورت میں وہ (بجلی کا تار اور کرنٹ) پکڑ لیتا ہے اور میں کہتا ہوں وساوس کی فکر کیوں ہے؟ قلب (ودل) تو مثل ایک سڑک کے ہے اگر سڑک پر بھنگی چمار بھی چل رہے ہیں اور آپ بھی اس پر سے گذر رہے ہیں، تو آپ کا حرج ہی کیا ہے، اگر سڑک کے خالی ہونے کے انتظار میں آپ کھڑے رہیں تو کبھی بھی منزلِ مقصد تک نہ پہنچ سکیں گے (کمالاتِ اشرفیہ صفحہ ۶۲۰)

## وسوسوں کو برا سمجھنے پر خوش ہونا اور اللہ کی حمد کرنا

وسوسوں کی وجہ سے پیش آنے والی پریشانی اور ضَرر سے حفاظت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب وسوسے آئیں اور ناگوار معلوم ہوں، تو اپنی اس حالت پر خوش ہوا کرے، کیونکہ بُرے خیالات اور وسوسوں کو برا سمجھنا ایمان کی نشانی ہے، جس پر خوش ہونا چاہئے۔

اسی لئے احادیث میں وسوسوں کو بُرا سمجھنے پر اللہ کی حمد کرنے کا ذکر آیا ہے، اور بُری چیز کو بُرا سمجھنے کو ایمان کی دلیل ونشانی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْهُ اِنَّانَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَایَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِهٖ قَالَ وَقَدْوَجَدْتُّمُوْهُ قَالُوْانَعَمْ قَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (مسلم) ؎۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے دلوں میں ایسی باتیں (وسوسوں کی شکل

---

؎۱ رقم الحدیث ۱۳۲ "۲۰۹" کتاب الایمان، باب بیان الوسوسۃ فی الإیمان وما یقولہ من وجدھا، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۵۱۱۱۔

میں) آتی ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کو ہم بڑی (بُری) بات سمجھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو صریح (واضح اور صاف یا کُھلے) ایمان (کی دلیل ونشانی) ہے (مسلم، ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ بُرے وسوسوں کو بُرا سمجھنا صاف اور کُھلے ایمان کی دلیل ونشانی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَحَدَنَا یَجِدُ فِیْ نَفْسِہٖ یُعَرِّضُ بِالشَّیْءِ لَاَنْ یَّکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِہٖ فَقَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ (ابوداؤد) [۱]

ترجمہ: ایک آدمی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے دل میں ایسی باتیں محسوس کرتا ہے کہ وہ ان باتوں کو پیش کرنے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہو جائے۔

(اس کے جواب میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا (ابوداؤد، ابن حبان، بیہقی، مسند حمید)

اس طرح کی حدیث کو اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] رقم الحديث ۵۱۱۲، ابواب النوم، باب فی رد الوسوسة، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۴۷، شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۳۳۵، مسند عبد بن حميد، رقم الحديث ۷۰۱.
فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح علی شرطهما.

[۲] عن ابن عباس، أنهم قالوا: يا رسول الله إنا نحدث أنفسنا بالشیء لأن يكون أحدنا حممة أحب إليه من أن يتكلم به؟ قال: فقال أحدهما " :الحمد لله الذی لم يقدر منكم إلا علی الوسوسة " وقال: الآخر: الحمد لله الذی رد أمره إلی الوسوسة (مسند احمد، رقم الحديث ۳۱۶۱)
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط الشيخين.

معلوم ہوا کہ شیطان کے مکر کا وسوسہ تک محدود رہنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی تدبیر بڑی کمزور ہے، جس پر مؤمن بندے کو خوش ہونا اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے کتا بھونکا کرے اور التفات (اور خیال) نہ کیا جائے تو آپ چپ ہوجاتا ہے اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے تو اور زیادہ غصہ کر کے بھونکتا ہے اسی طرح وساوسِ شیطانی کی طرف التفات (وتوجہ) ہی نہ کرے، کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے اس کے سامنے وہ آموجود ہوتا ہے، وسوسے پر جو غمگین ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا۔

بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہوجانا چاہئے کہ الحمدللہ دولتِ ایمان موجود ہے، اگر آدمی میں قوتِ توکل اور اعتماد علی اللہ کی صفت ہو (یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور اعتماد کی صفت ہو) تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے (جواہرِ اشرفیہ ص ۱۱۹)

اور یہ وسوسہ گو (اگرچہ) بہت ہلکا مرض ہے مگر لوگوں نے اس کو بڑا بھاری بنالیا ہے۔ جیسے کسی کا دوڑنے (اور بھاگنے) میں سانس پھول جائے اور حکیم سے آکر کہے کہ حکیم صاحب مجھے تو دمہ کی بیماری ہوگئی ہے تو حکیم ہنستا ہے کہ احمق یہ تو تیرے دوڑنے سے عارضی حرکت پیدا ہوگئی ہے، چند منٹ میں دفع (اور دور) ہوجائے گی، یہ دمہ نہیں ہے، ایسے ہی مبتدی (یعنی ابتدائی دین پر چلنے والا) وسوسے سے ڈرتا ہے مگر محقق (یعنی حقیقت جاننے والا) کہتا ہے تم پروا نہ کرو، التفات (اور توجہ) نہ کرو اور بے التفاتی (وبے توجہی) سے بھی دفع (یعنی وسوسہ کو دور کرنے)

کا قصد (وارادہ) نہ کرو کہ یہ بھی التفات (وتوجہ) ہے، بس یوں ہی بے فکر رہو، اگر تمام عمر بھی اس میں گزر جائے کچھ پروانہ کرو، خواہ اسی حالت میں موت آ جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسوسے نہ ہوتے تو اچھا تھا، میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ"

(ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو)

(بصائر حکیم الامت ص ۳۲۶)

## غفلت اور فضول رہنے سے پرہیز کرنا

وسوسوں کی پریشانی اور ضرر سے حفاظت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو غفلت میں نہ ڈالے، اور ضروریات، خاص کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو جایا کرے۔

چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ :اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ،قَالَ:اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ ، فَإِذَا سَهَا وَغَفَلَ وَسْوَسَ ، وَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ شیطان ابنِ آدم کے دل پر براجمان ہے، پھر جب ابنِ آدم (اللہ کو) بھولتا ہے، اور غفلت اختیار کرتا

[1] رقم الحدیث ۳۵۹۱۹، کتاب الزهد، زهد الصحابة رضی الله عنهم، الزهد لابی داؤد، رقم الحدیث ۳۳۷، الاحادیث المختارة لابی عبدالله ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی، رقم الحدیث ۳۹۳، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۹۹۱.

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه.

وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

Idara Ghufran

ہے، تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے، اور جب ابنِ آدم اللہ کو یاد کرتا ہے، تو وہ ہٹ جاتا ہے (ابنِ ابی شیبہ، الزہد، حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان، غفلت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے، اور اللہ کو یاد کرنے سے بھاگ جاتا ہے۔ [1]

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خطرہ (اور وسوسہ) ہر چند (یعنی اگرچہ) مواخذے (اور گناہ) کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ وہجوم (یعنی وسوسوں کی بھرمار) طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن وملال (ورنج وغم) قلب (ودل) پر طاری ہو جاتا ہے، سو یہ امراضِ شرعیہ (یعنی شرعی بیماریوں) میں تو نہیں ہے، اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں۔

مگر امراضِ طبعیہ (یعنی طبعی بیماریوں) میں سے سخت درجہ کا مرض ہے، اس لئے اس کا علاج سہل ومجرب ومختصر عرض کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ خطرے (اور وسوسے) کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے، چونکہ یہ مسئلہ

---

[1] دفع وسوسة الشيطان: يكون دفع الوسوسة بذكر الله تعالى، كما قال تعالى :(إن الذين اتقوا إذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فإذا هم مبصرون

قال ابن كثير فى تفسير قوله تعالى :(تذكروا) أى عقاب الله وجزيل ثوابه ووعده ووعيده فتابوا وأنابوا واستعاذوا بالله ورجعوا إليه من قريب

قال الغزالى :الوسواس أصناف:

الأول :يكون من جهة التلبيس بالحق، كأن يقول :أتترك التنعم باللذات؟ فإن العمر طويل، والصبر عنها طول العمر ألمه عظيم .فإذا ذكر العبد عظيم حق الله، وعظيم ثوابه وعقابه، وقال لنفسه :الصبر عن الشهوات شديد لكن الصبر على النار أشد منه ولا بد من أحدهما، فإذا ذكر العبد وعد الله تعالى ووعيده، وجدد إيمانه ويقينه، خنس الشيطان.

الثانى :أن يكون بتحريك الشهوة إلى المعصية، ودفعها بالعلم بأنها معصية لله تعالى.

الثالث :أن تكون الوسوسة بمجرد الخواطر والفكر فى أمر غير الصلاة .فإن أقبل الإنسان على ذكر الله اندفعت، ثم تعود .ويتصور أن يجتمع الوسوسة من هذا النوع مع الذكر، كأنهما فى موضعين من القلب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص۱۵۰ ،مادة وسوسة)

بداہتِ عقل و بہ تسلیمِ حکماء و علماء ثابت (یعنی واضح عقل سے ثابت اور علماء و دانش وروں کو مسلَّم) ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے (اسی وقت وہ) دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے جب کسی بُری چیز کا خیال دل میں آوے، تو اس کے دفعیہ (یعنی دُور کرنے) کا قصد نہ کرے، نہ اس میں، اور نہ اس کے اسباب میں خوض (اور غور و جستجو) کرے (کہ کیا وسوسہ آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟) کہ اس سے (وہ اور) زیادہ لپٹتا ہے، بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کردے، اس سے وہ بُرا خیال خود بخود دفع (اور ختم) ہوجاوے گا، اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ (اور وسوسہ) ہی متخیلہ (اور خیال) سے بالکل نکل جاوے گا، علاجِ کلی (یعنی مکمل علاج) اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق (اور عام) ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط (اور ماخوذ وثابت) ہے۔

باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں جیسے تصورِ شیخ یا پاسِ انفاس یا تخیلِ اسمِ ذات (یعنی شیخ کا تصور کرنا، سانس کے ساتھ ذکر کرنا، یا اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کرنا) وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں، اور اگر خطرات (یعنی وسوسوں) سے پریشان ہوکر ضعفِ قلب (یعنی دل کی کمزوری) یا خفقان (یعنی دل کی دھڑکن کا تیز ہونا) یا نحافتِ جسم (یعنی جسم کی کمزوری) یا کسی مرض کے عروض (اور پیش آنے) کی نوبت آگئی ہو تو علاجِ مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحاتِ قلب وغذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی (دل کو طاقت دینے اور تازگی بخشنے والی، اور عمدہ غذا، اور پیش آمدہ مرض کی دواؤں) کا استعمال بھی کیا جانا ضروری ہے

(معارف حکیم الامت ص ۷۶۹ و ص ۷۷۰)

ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی، اور ہمیشہ کے لئے ایک مستقل شغل (ومشغلہ) ہو جاوے گا، بلکہ بجائے تدبیر (اور علاج) کے اس سے بے التفاتی (وبے توجہی) اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا وتضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو، انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جاوے گی، تو قلب (ودل) میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا (بصائرِ حکیم الامت ص۳۲۹)

ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

’’تم (اپنے) نفس کو مشغول کرلو قبل اس کے کہ وہ تم کو مشغول کرلے، یعنی اگر تم نے نفس کو کسی کام میں نہ لگایا تو وہ خود تمہارے لئے کوئی دہندا نکال لے گا، وہ دہندا کیا ہے؟ اولاً وساوس وخطرات پھر ثانیاً (اس کے بعد) معاصی ومنکرات (گناہ اور برائیاں) اور نفس کی یہ ادھیڑ بن اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ کچھ نہیں کرتا ورنہ کام میں لگ جانے کے بعد خطرات (اور وساوس) نہیں آتے۔ دیکھئے ایک کارڈ (اور خط) لکھتے وقت کیا حال ہوتا ہے اس وقت تک ایک بھی خطرہ (اور وسوسہ) نہیں آوے گا، تو اس کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ نفس کسی وقت بے کار نہیں رہنے پاتا اگر اس کے لئے کوئی مشغلہ نہ تجویز کیا جاوے تو وہ خود اپنے لئے کوئی شغل تجویز کرلیتا ہے، پس کارڈ (یعنی خط) لکھتے وقت چونکہ اپنے نفس کو ایک شغل میں لگا دیا ہے، اس لئے کسی اور چیز کی طرف اس کو توجہ نہیں ہوتی اور نماز وغیرہ میں جو وساوس آتے ہیں تو اکثر اس کا سبب یہی ہے کہ ہم لوگ نفس کو شغلِ

www.idaraghufran.org

صلاۃ (یعنی نماز کی مشغولی) میں نہیں لگاتے ورنہ وساوس ہر گز نہ آئیں، یا بہت کم آئیں، غرض جب یہ نفس بدون (یعنی بغیر) کسی شغل کے چھوڑا جاتا ہے تو یہ خود اپنا کوئی مشغلہ تجویز کر لیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نفس جو مشغلہ اپنے لئے خود تجویز کرے گا، وہ شر (اور بُرا) ہی ہوگا، کیونکہ نفس کا اصلی میلان شر (اور برائی) ہی کی جانب ہے (وعظ الصلاح والاصلاح ص ۴)

جو (وسوسہ) محض (اور صرف) خطرہ (اور کھٹک) کے مرتبہ میں ہو وہ منافی عظمت کے (یعنی عظمت کے خلاف) نہیں بلکہ وہ تو علامت کمالِ ایمان کی (یعنی مکمل ایمان کی نشانی) ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے وساوس آ جاتے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسے خطرات (اور وساوس) گذرتے ہیں کہ اگر ہم جل کر خاک سیاہ ہو جاویں تو اس کے تکلم کو اس سے بہت بُرا جانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَوَجَدْتُّمُوْهُ فَذَاکَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ" یعنی کیا تم ایسے خطرات کو اپنے قلوب (اور دلوں) میں پاتے ہو، یہ تو صریح ایمان ہے اور یہ فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ کَيْدَهٗ اِلَی الْوَسْوَسَةِ" یعنی اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے مکر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا اعمال اور عقائد تک اس کو دسترس نہیں ہوئی۔

اہلِ سلوک یعنی (دین کے راستہ پر چلنے اور اپنی اصلاح چاہنے والوں) کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں کہ خودکشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے، چنانچہ جو اِن میں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں، اور راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک (وطالب) اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر (ونقصان) پہنچاؤں، اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر

ہے، جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوشِ قلب (یعنی دل کے گوشے) میں بُرے بُرے وسوسہ پھونکتا ہے، سالک (وطالب) اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص (اور کمی) ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات (اور وسوسے) گذرتے ہیں، حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر (یعنی بالکل نقصان دہ) نہیں ہاں موجب (یعنی سبب) پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک (اور طالب) سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب (ودل) سے پیدا ہوتے ہیں، منشاء ان کا (یعنی ان کے پیدا ہونے کا سبب اور مقام) میرا قلب (ودل) ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشا اس کا شیطان ہے، کیونکہ وہی قلب (ودل) میں پھونکتا ہے، قلب (ودل) محض محل اور گذرگاہِ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد انشاء اللہ مطلق (اور بالکل) پریشانی نہ ہوگی، بلکہ وسوسہ کی ہی جڑ کٹ جاوے گی، کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان کرنے کے لئے ڈالتا ہے، جب وہ پریشان ہی نہ ہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے۔

(اور عملی علاج یہ ہے) کہ جب وسوسہ آوے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" پڑھے، کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعلِ شیطان ہے اور تعوذ سے بلکہ مطلق (یعنی عام) ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے، ونیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ ایک طرف ہوتی ہے تو وسوسہ کی طرف التفات (وخیال) نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسے آویں، اور دفع نہ ہوں اور بالاضطرار (یعنی غیر اختیاری طور پر) پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہوا، اس لئے رنج نہ کرے، اور جو شخص اسی فکر میں لگا رہے کہ وسوسے دفع (اور دور) ہوں اور عبادت وذکرُ اللہ میں

www.idaraghufran.org

مزا آوے جیسا کہ آج کل اکثر اہلِ سلوک (یعنی اصلاح کے طلب گاروں) کا حال ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لئے ذکر کرتا ہے، رضائے حق کے لئے نہیں کرتا ؎

بس زبون وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

(تم بالکل مغلوبِ وساوس سمجھے جاؤگے اگر محبوب کے طرب وبلا میں فرق سمجھوگے)

گر مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است

(مراد کا مزہ شیریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں)

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق (یعنی عام) ذکرُ اللہ ہے جیسا اوپر ارشارہ ہوا، سو جب وسوسہ آوے ذکرُ اللہ شروع کردے، حدیث میں ہے "اِذَا ذَکَرَ اللہَ خَنَسَ" یعنی جب مؤمن ذکرُ اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے "وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ" (یعنی جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے) اوپر اس کی عقلی لِم (اور وجہ) بھی مذکور ہوئی ہے، اور وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے سالک (یعنی دین پر چلنے والے) کا امتحان ہے کہ اس کی عبادت حظِ نفس (یعنی نفس کی لذت) کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشا کشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے؟ بعض تو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں، سو ایسا شخص عارف (اور سمجھدار) نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا، جیسا کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے حکایت نقل فرمائی ہے ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگجو

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پر داختے

(بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جب کہ وہ ایک عارف جنگ جُو پر گذرے اگر اس مدعی

Idara Ghufran

کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا)

لہٰذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہو اور کام میں لگا رہے آج کل یہ بھی اہلِ سلوک (یعنی تصوف کے شعبہ سے تعلق رکھنے والوں) کو خبط (یعنی عقل میں خلل) ہو گیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آئے اور مزہ آوے، طالبِ صادق (یعنی سچے طلب گار) کی ہرگز یہ شان نہیں، صادق (یعنی سچا طلب گار) وہی ہے مزہ آوے یا نہ آوے کلفت (وتکلیف) ہو یا راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہو (الاخلاص حصہ اول ص ۲۹ ص ۳۰)

## وساوس کی بہتات اور وہم و مالیخولیا کا طبی علاج

پہلے گذر چکا ہے کہ وساوس کی شدت اور بہتات سے وہم اور مالیخولیا بن جاتا ہے، اور وہم اور مالیخولیا کا اصل مادہ اور بنیاد بھی وسوسہ ہے، اس لئے اطباء نے وہم اور مالیخولیا کے جو اسباب بیان کئے ہیں، اُن سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اور جو علاج تجویز کیے ہیں اُن کو بھی بروئے کار لانا چاہیے۔

مالیخولیا کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے حکیم حافظ اجمل خان صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

مزاج میں سوداویت کا غلبہ اور اس کی طرف سے بے اعتنائی۔ افراطِ غم۔ بواسیر اور حیض کے خون کا بند ہو جانا۔ کثرتِ مباشرت۔ ریاضتِ جسمانی کی زیادتی۔ گرم جگہ میں مدت تک رہنا۔ نمکین، شور اور تیز چیزوں کا استعمال، ترش اشیاء کا کھانا پینا۔ تنگ اور تاریک مقام میں رہنا۔ سیاہ لباس اور سیاہ اشیاء کا پیشِ نظر رکھنا۔ کسی خلط میں احتراق ہو کر متحیل بہ سودا ہو جانا (ایضاً صفحہ ۴۷)[1]

---

[1] انسانی جسم میں موجود چار اخلاط یعنی خون، بلغم، صفراء اور سوداء میں سے جو خِلط بھی جلتی ہے، وہ جل کر سوداء کی شکل اختیار کر لیتی ہے، گویا کہ ہر خِلط فاسد ہو کر سوداء بن جاتی ہے، مگر کیونکہ اس کی یہ سوداویت طبعی نہیں ہوتی، اس لیے بیماری کا سبب بنتی ہے۔

Idara Ghufran

اطباء نے مالیخولیا کے علاج کے نفسیاتی، کیفیاتی اور مادی علاج تجویز کیے ہیں، چنانچہ اطباء کا کہنا ہے کہ:

مالیخولیا کے مریض کی مختلف حیلوں سے تسلّی اور دل جمعی کرتے رہنا چاہیے، اور اُسے غصّہ دِلا کر چڑ چڑا نہیں بنانا چاہیے اور اُس کے غلط خیالات کی صاف تردید نہیں کرنی چاہیے، اور اس کو ہر طرح کی آسائش وآرام پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور رنج وغم ،فکر وتردُّد سے آزاد رکھنا چاہیے۔

اس کو اچھے، عمدہ، ہوادار اور صاف مقام پر رکھنا چاہیے جو نہ زیادہ روشن ہو اور نہ اندھیرے والا مقام ہو۔

اور وقتاً فوقتاً اُس کو نہلانا چاہیے اور خوشبو سُنگھانی چاہیے۔

اور ایسے مریض کو نیند لانے کی تدابیر کرنی چاہئیں، اور دماغ کو تَر رکھنا چاہیے۔ [۱]

ثقیل اور بادی غذاؤں سے پرہیز کرانا چاہیے، اور تَر وٹھنڈی اور جلد ہضم ہونے والی غذائیں استعمال کرانی چاہئیں؛ پھلوں میں سیب، انگور، شہتوت، بادام وغیرہ دینا چاہیے، مریض کو قبض نہ ہونے دینا چاہیے، اور مریضہ کے ماہواری نظام کی

---

[۱] کیونکہ وہم اور مالیخولیا کے اسباب میں تنگ وتاریک غیر ہموار مقام پر رہنا بھی ہے، اور آج کل شہری زندگی میں یہ سبب کثرت سے پایا جاتا ہے، اس لئے وہم اور مالیخولیا کے مریضوں کی شہروں میں کثرت نظر آتی ہے۔

جو لوگ غیر شادی شدہ ہوتے ہیں اور بالکل الگ تھلگ وتاریک مقام پر زندگی بسر کرتے ہیں، وہ بھی اکثر وبیشتر وہم اور مالیخولیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی کسی کے ساتھ بنتی نہیں اور ان کو عموماً کسی دوسرے پر اعتماد بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

اطباء نے ترنجبین (Manna) کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کو اگر باریک پیس کر سونگھا جائے تو مالیخولیا اور وہم اور وساوس اور دماغی ریاحِ فاسدہ کے لئے بہت مفید ہوتا ہے، اور اس سے دماغ اور اس میں بھرے ہوئے وساوس وخیالات کا تنقیہ ہوتا ہے (معارف القرآن کاندھلوی ج ۱ ص ۸۶ بتغیر)

اکثر مفسرین کے نزدیک ترنجبین سے مراد وہی مَنّ ہے، جس کا قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے واقعہ میں سلویٰ کے ساتھ ذکر آیا ہے یہاں ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ وہم یا مالیخولیا میں مبتلا شخص کو شرعی احکام کا مکلف نہ سمجھنا درست نہیں، اس مسئلہ کی بحث شریعت نے اپنے مقام پر کردی ہے۔ محمد رضوان۔

اصلاح کرنی چاہیے؛ اور خون، صفراء، بلغم یا سوداء جس کے جلنے سے بھی مالیخولیا پیدا ہوا ہو، اُس کی صفائی وازالہ کرنا چاہیے، اس کے علاوہ حجامہ ( Cupping Therapy ) کرانا بھی اس بیماری میں مفید ہے (ملاحظہ ہو: بیاضِ کبیر صفحہ ۳۵، ۳۶؛ تالیف: حکیم کبیر الدین صاحب۔ وحاذق صفحہ ۴۷ و ۵۲؛ تالیف: حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب وکنز العلاج صفحہ ۹۳، وحجامہ یا سینگی کے فوائد واحکام، تالیف: بندہ محمد رضوان)

## خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

بُرائی اور مہمل چیزوں سے متعلق جو خیالات اور وساوس دل ودماغ میں آئیں، ان کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہئے، اور ان کو بھگانے اور ختم کرنے کی تدبیر کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔

اور بُرے بُرے وسوسوں کا آنا (جبکہ ان کو بُرا سمجھا جائے) ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں بلکہ ایمان کی دولت حاصل ہونے کی نشانی ہے، صحابۂ کرام کو بُرے بُرے وسوسے آنے اور ان سے نفرت کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی گواہی دی ہے۔

اور غیر اختیاری وسوسوں کا ایسا علاج ممکن نہیں کہ ان کی سرے سے آمد ہی بند ہو جائے، اور دماغ ہمیشہ کے لئے ان سے صاف ہو جائے، اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

اور ہمیشہ اپنے آپ کو مفید اور اہم کاموں میں مشغول رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، خواہ مخواہ خالی بیٹھ کر بے سروپا چیزوں کی اُدھیڑبُن میں اپنے دماغ کو مصروف نہیں کرنا چاہئے۔

www.idaraghufran.org

ہٹالے خیال اس سے کچھ دیر کو چڑھی ہے یہ ندی اُتر جائے گی

اور کسی بھی معاملہ کے منفی پہلو کو بلا وجہ متعین کر کے اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ سے اچھے پہلو کا امیدوار رہنا چاہئے۔

اور جس شخص کو پریشان کُن خیالات اور حیران کُن وساوس آتے ہوں اس کو ان کی گہرائیوں میں نہیں جانا چاہئے اور ان کے متعلق سوالات نہیں کرنا چاہئیں۔

اور اس غرض سے وظائف کرنا کہ وساوس آنا بالکل موقوف ہو جائیں، نقصان دہ ہے۔

اور وساوس سے پریشان شخص کو کُھلی فضا اور خوش کُن ماحول میں کچھ وقت گزارنا چاہئے اور رنج وغم کے ماحول سے بچنا چاہئے۔

اور اگر وہم اور وسوسوں کی بہتات ہو اور اس کی وجہ سے جسمانی کمزوری و بیماری واقع ہوگئی ہو تو اس کا کسی معتبر معالج (طبیب) سے علاج کرانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سب مومنوں کو وہم اور مالیخولیا اور تمام جسمانی وروحانی بیماریوں سے محفوظ فرمائے، اور سلامتِ فکر کے ساتھ شرعی احکام کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے، آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

مؤرخہ ۲۱/صفر المظفر / ۱۴۳۵ھ بمطابق 25 / دسمبر/ 2013ء بروز بدھ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

مندرجہ ذیل مضمون ’’طہارت اور وضو وغسل‘‘ والی کتاب میں استفادہ کرنے کے لئے محفوظ رکھا گیا۔

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# استنجاء واستبراء سے متعلق چند پہلوؤں کی تحقیق

ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ شمارہ دسمبر 2013ء - محرم ۱۴۳۵ھ میں ’’پانی یا ڈھیلے سے استنجاء کا تفصیلی حکم‘‘ کے عنوان سے جو مسئلہ شائع ہوا ہے، وہ مسئلہ دراصل ہماری ایک مفصل کتاب ’’وساوِس

Idara Ghufran

اور حقائق‘‘ طباعت: ربیع الاول ۱۴۳۵ھ۔جنوری 2014ء، کے ایک حصہ کا ایک اقتباس ہے، جو اس کتاب کے باب نمبر ۲ بعنوان’’وسوسوں کی اقسام اور اُن کے احکام‘‘ کی فصل نمبر ۱۱ میں’’استنجاء سے متعلق وسوسوں کا حکم‘‘ کے عنوان سے (صفحہ ۵۴۷ سے صفحہ ۵۹۵ تک) شائع ہوا ہے، جس میں اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور بعض متعلقہ پہلو ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۵۹۴ پر مندرجہ ذیل عبارت بھی شائع ہوئی ہے:

استنجاء کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اعتدال پر رہتے ہوئے ایک مرتبہ اطمینان سے پیشاب و پاخانہ سے فراغت حاصل کر لی جائے اور ذہن پر بتکلف زور ڈالنے اور زور لگا کر پیشاب کے قطروں کو خارج کرنے کے بجائے ذہن کو بوجھ سے فارغ کر کے بقدرِ ضرورت پانی کے استعمال پر اکتفاء کیا جائے، اور اگر کسی کو وسوسے آتے ہوں، تو اسے شرمگاہ پر بقدرِ ضرورت تین مرتبہ پانی بہانے پر اور اگر لوٹے وغیرہ سے مسلسل پانی ڈالا جارہا ہو، تو اتنا پانی ڈالنے پر اکتفاء کرنا چاہئے کہ تین مرتبہ شرمگاہ سے پانی گزر جانے یا نجاست دور ہوجانے کا گمان ہوجائے (وساوِس اور حقائق،صفحہ ۵۹۴)

اس عبارت میں اطمینان سے پیشاب و پاخانہ سے طہارت کا اطمینان ہی مراد ہے۔

ماہنامہ’’التبلیغ‘‘ کے محدود صفحات کے پیشِ نظر اس میں بعض اوقات مفصل مضمون کو مکمل طریقہ پر شائع کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

ماہنامہ’’التبلیغ‘‘میں شائع ہونے والے اس مضمون میں پانی یا ڈھیلے سے استنجاء کا مسئلہ اور اس سلسلہ میں وسوسہ کا علاج زیرِ بحث ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ استنجاء اسی وقت کیا جاتا ہے، جبکہ پیشاب یا پاخانہ سے مکمل طریقہ پر فراغت حاصل کر لی جائے، نہ یہ کہ ابھی تک پیشاب، پاخانہ کی آمد بند نہ ہو، اور استنجاء کرلیا جائے۔

اور منسلکہ تحریر میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں، وہ استنجاء سے پہلے ''استبراء'' سے متعلق ہیں

**''فھو خارج عن ماھیۃ الاستنجاء، کما سیجیئ''**

لہٰذا ماہنامہ ''التبلیغ'' میں شائع شدہ مضمون کا ان سے درحقیقت کوئی تعارض نہیں۔

پھر استبراء کے بارے میں مشائخِ حنفیہ کی آراء مختلف ہیں، بعض فرض، بعض واجب، اور بعض استحباب کے قائل ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب انقطاعِ بول و براز کا امن واطمینان حاصل ہوجائے، تو پھر کسی چیز سے استبراء فرض یا واجب نہیں، البتہ بعض صورتوں میں مندوب ہوسکتا ہے۔

اور وسوسہ، فرض، واجب، سنت بلکہ مندوب ومشکوک سے بھی کمزور درجہ کی چیز ہوتی ہے، جس کی تردید کو فرض، واجب یا مندوب کے خلاف سمجھنا درست نہیں، اور اسی موضوع کو منقح کرنے لئے ''وساوِس اور حقائق'' کے عنوان سے مفصل کتاب لکھی گئی ہے، جس میں مختلف ابواب سے متعلق وساوس اور حقائق پر فرداً فرداً اور مفصلاً بحث کی گئی ہے۔

جہاں تک خاص نوم، بائیں کروٹ پر اضطجاع، مشی، تنحنح، مسِ ذَکر، عضوِ تناسل کی تحریک وجھڑکنا وغیرہ کے ذریعہ سے استبراء حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اس بارے میں بھی صحیح وراجح یہی ہے کہ بذاتِ خود یہ چیزیں مقصود نہیں، بلکہ اہلِ علم حضرات کے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں استبراء کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں، اور اصل مقصود ہر ایک کا اپنے طریقہ پر استبراء حاصل کرنا ہے، اگر کسی کو ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اختیار کئے بغیر بھی استبراء پر امن واطمینان ہوجائے، تو اس کو ان میں سے کسی چیز پر عمل کرنا ضروری نہیں، لقول الفقھاء ''ومنھم من لایحتاج الی شیئ من ھذا'' کما سیجیئ، بلکہ اپنی طبیعت وعادت کے مطابق استبراء وطہارت کا حصول کافی ہے، کیونکہ ہر ایک اپنی حالت کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر جانتا ہے، اور اس اصول میں ''بطیئ الاستبراء'' بھی داخل ہے کہ وہ بھی

اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق استبراء وطہارت حاصل کرے گا۔

"والصحيح أن طباع الناس وعاداتهم مختلفة فمن حصل في قلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجي لأن كل أحد أعلم بحاله. كما سيجيئ"

اور اس کا گھوم پھر کر مآل وہی اطمینان ہے، جس کا ذکر گزرا۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر پاکی حاصل کرنے والا مومن استنجاء اسی وقت کیا کرتا ہے، جبکہ وہ اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق اپنے قلب میں پیشاب، پاخانہ سے طہارت کا اطمینان حاصل کرلے، جو کہ فقہائے کرام کی طرف سے تصحیح شدہ موقف کے عین موافق ہے، اور اس کے بجائے اضطجاع علی شقه الايسر ، تنحنح، نوم وغیرہ، ایسی چیزیں ہیں کہ عوام تو درکنار خواص کا بھی ان پر عمل نہیں، بلکہ علم بھی نہیں۔

لہٰذا "بطیئ الاستبراء" کے لئے روئی وغیرہ رکھنے کے طریقہ کی تخصیص بھی ہمارے نزدیک مناسب نہیں۔

بلکہ طب ومیڈیکل سائنس کے اعتبار سے ایک ہی شخص کی مختلف اوقات وادوار میں پیشاب کا اخراج کرنے والے غدود Prostate gland اور پیشاب کی نالی یعنی "مجری البول" Urethra سے پیشاب کے اخراج کی رقت وشدت اور آمد وانقطاع کی حالت اور دورانیہ وزمانہ یکساں نہیں ہوتا، غذا، مزاج واخلاط اور گرمی وسردی اور تری وخشکی کے اختلاف سے طبیعت مختلف رہتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ شرعی وطبی اعتبار سے سب کے لئے استبراء وطہارت کا یکساں طریق مقرر نہیں ہے، اور کسی ایک طریق کو ذکر کر کے سب کو اس کا مکلّف و پابند بنانا درست نہیں، بلکہ بلا ضرورت ایسے نکات عوام کے سامنے چھیڑنے سے وہ تشویش اور وسوسوں کا شکار ہوجاتے ہیں، خاص طور پر جبکہ وساوس کا موضوع زیرِ بحث ہو، اور شریعت نے وسوسوں پر عمل کرنے سے روکا ہے، اور اسی وجہ سے اس کے لئے پانی کے چھینٹے مارنے کے نسخہ کو تجویز کیا ہے، اور فقہائے کرام نے بھی اس قسم کے وساوِس سے بچنے کے لئے مذکورہ نسخہ کو ذکر کیا ہے۔

الاستبراء لغة :طلب البراء ة، وفي الاصطلاح :طلب البراء ة من الخارج بما تعارفه الإنسان من مشي أو تنحنح أو غيرهما إلى أن تنقطع المادة، فهو خارج عن ماهية الاستنجاء ، لأنه مقدمة له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۱۱۳ ، مادة "استنجاء")

الاستبراء إما أن يكون من الغائط، وإما أن يكون من البول، فإذا كان من الغائط فإنه يكفيه أن يحس من نفسه أنه لم يبق شيء في المخرج مما هو بصدد الخروج.

وأما إذا كان من البول، فهو إما من المرأة، وإما من الرجل، فأما المرأة فإنه لا استبراء عليها عند الحنفية، ولكن إذا فرغت تنتظر قليلا ثم تستنجي، وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن المرأة تستبرء بعصر عانتها.

وأما الرجل فاستبراؤه يحصل بأى أمر اعتاده دون أن يجره ذلك إلى الوسوسة .

آداب الاستبراء :

للاستبراء آداب منها :أن يطرد الوسواس عن نفسه .قال الغزالي :ولا يكثر التفكر في الاستبراء ، فيتوسوس ويشق عليه الأمر .

ومن وسائل طرد الوسواس النضح، وهو رش الماء ، واختلف في موضع النضح، فحكى النووي أنه نضح الفرج بماء قليل بعد الوضوء لدفع الوسواس.

وقيل :هو أن ينضح ثوبه بالماء ، بعد الفراغ من الاستنجاء ؛ لدفع الوسواس أيضا .

قال الغزالي :وما يحس به من بلل، فليقدر أنه بقية الماء ، فإن كان يؤذيه فليرش عليه الماء حتى يقوى في نفسه ذلك، ولا يسلط عليه الشيطان بالوسواس، وفي الخبر أنه صلى الله عليه وسلم فعله.وهذا الحديث أخرجه النسائي عن الحكم عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم :كان إذا توضأ أخذ حفنة من ماء فقال بها هكذا وفي رواية أخرى عن الحكم بن سفيان قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ونضح فرجه قال أحمد :فنضح فرجه، علق عليه السندي فقال :وقيل :نضح أي استنجى بالماء ، وعلى هذا فمعنى إذا توضأ أراد أن يتوضأ، وقيل :رش الفرج بالماء بعد الاستنجاء ليدفع به وسوسة الشيطان، وعليه الجمهور وكأنه يؤخره أحيانا إلى الفراغ من الوضوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳ص۱۶۹ ، مادة "استبراء")

(ويجب الاستبراء بالمشي أو التنحنح أو النوم) أي الاضطجاع على شقه الأيسر حتى يستقر قلبه على انقطاع العود كذا في الظهيرية (وقيل يكتفى بمسح الذكر واجتذابه ثلاث مرات) ، والصحيح أن طباع الناس وعاداتهم مختلفة فمن في قلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجي لأن كل أحد أعلم بحاله كذا في التتارخانية (دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۴۹،۵۰، كتاب الطهارة، باب تطهير الانجاس)

ويستحب الاستبراء من البول بتنحنح، أو مشي، أو مسح ذكر .ولا يبالغ فيه، لأنه يورث الوسوسة الموجبة للشبهة(شرح النقاية، ج ۱ ص ۴۷ ۱ ، كتاب الطهارة)

والمراد طلب الخ "أفاد أن السين والتاء فيه للطلب ويصح جعلهما للمبالغة وهو الأبلغ

قوله" :حتى يزول أثر البول "خصه لأن الغالب أن يتأخر أثر البول وإلا فالغائط كذلك إذ لا فرق قوله" :ولا تحتاج المرأة إلى ذلك "أى الاستبراء المذكور فى الرجل لاتساع محلها وقصره قوله " :وعصر ذكره برفق "وما قيل أنه يجذب الذكر بعنف مرة بعد أخرى فيه نظر لأنه يورث الوسواس ويضر بالذكر كما فى شرح المنكاة قوله" :فلا يقيد بشىء " قال فى المضمرات ومتى وقع فى قلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجى لأن كل أحد أعلم بحاله اهـ ولو عرض له الشيطان كثيرا لا يلتفت إليه بل ينضح فرجه وسراويله بالماء حتى إذا شك حمل البلل على ذلك النضح ما لم يتيقن خلافه كذا فى الفتح(حاشية الطحطاوى على المراقى، ج ۱ ص ۴۳، كتاب الطهارة، فصل فى الاستنجاء)

الاستبراءُ قبل الاستنجاء، وفى المشكلات:إنه فرض، وطباع الناس، وعاداتُهم مختلفة، فَمنْ حصل فى قلبه أنه صار طاهراً، جاز له أن يستنجىَ، لأن كلَّ أحد أعلمُ بحاله (الدررالمباحة للنحلاوى، ج ۱ ص ۳۲۱،الباب الخامس فى الأخلاق، والصفات الذميمة، وغوائلها)

ويجب الاستبراء والتنحنح، وقيل :يكفى بمسح الذكر واجتذابه ثلاث مرات والصحيح أن طباع الناس وعاداتهم مختلفة فمن غلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجى؛ لأن كل أحد أعلم بحاله(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ،ص۶۷، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(فروع فى الاستبراء )مطلب فى الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء (قوله :يجب الاستبراء إلخ) هو طلب البراءة من الخارج بشىء مما ذكره الشارح حتى يستيقن بزوال الأثر .وأما الاستنقاء هو طلب النقاوة :وهو أن يدلك المقعدة بالأحجار أو بالأصابع حالة الاستنجاء بالماء .وأما الاستنجاء :فهو استعمال الأحجار أو الماء ، هذا هو الأصح فى تفسير هذه الثلاثة كما فى الغزنوية .وفيها أن المرأة كالرجل إلا فى الاستبراء فإنه لا استبراء عليها، بل كما فرغت تصبر ساعة لطيفة ثم تستنجى، ومثله فى الإمداد .وعبر بالوجوب تبعا للدرر وغيرها، وبعضهم عبر بأنه فرض وبعضهم بلفظ ينبغى وعليه فهو مندوب كما صرح به بعض الشافعية، ومحله إذا أمن خروج شىء بعده فيندب ذلك مبالغة فى الاستبراء أو المراد الاستبراء بخصوص هذه الأشياء من نحو المشى والتنحنح، أما نفس الاستبراء حتى يطمئن قلبه بزوال الرشح فهو فرض وهو المراد بالوجوب، ولذا قال الشرنبلالى :يلزم الرجل الاستبراء حتى يزول أثر البول ويطمئن قلبه .وقال :عبرت باللزوم لكونه أقوى من الواجب؛ لأن هذا يفوت الجواز لفوته فلا يصح له الشروع فى الوضوء حتى يطمئن بزوال الرشح .اهـ .(قوله :أو تنحنح) لأن العروق ممتدة من الحلق إلى الذكر وبالتنحنح تتحرك وتقذف ما فى مجرى البول .اهـ .ضياء .(قوله :ويختلف إلخ) هذا هو الصحيح فمن وقع فى قلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجى؛ لأن كل أحد أعلم بحاله ضياء (ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۴۴، ۳۴۵، كتاب الطهارة، باب الانجاس، فصل الاستنجاء)

والاستبراء عموماً يختلف باختلاف الناس .والقصد أن يظن أنه لم يبق بمجرى البول شيء يخاف خروجه، فمنهم من يحصل هذا بأدنى عصر، ومنهم من يحتاج إلى تكرّره، ومنهم من يحتاج إلى تنحنح، ومنهم من لا يحتاج إلى شيء من هذا .ويكره حشو مخرج البول من الذكر بنحو قطن، وإطالة المكث في محل قضاء الحاجة، لأنه يورث وجعاً في الكبد(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحیلی، ج ۱ ص ۳۴۷، کتاب الطھارۃ، القسم الاول، الفصل الثانی)

یہ تفصیل اس سلسلہ میں منسلکہ تحریر کے پیشِ نظر عرض کردی گئی ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ کئی مشائخ اور متاخرین کی کتب میں بعض ایسے اقوال بھی درج ہیں کہ جن کی نصوص بلکہ متقدمین فقہائے کرام کے اقوال سے تائید نہیں ہوتی، علامہ شامی رحمہ اللہ کے بھی متعدد اقوال ایسے نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا شریعتِ مطہرہ کی منصوص تعلیمات کے مقابلہ میں اس طرح کے اقوال اور ان میں ذکر کردہ پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دینے اور نصوص کو نظر انداز کرنے کا طریقۂ کار کم از کم ہم اپنے لئے موزوں نہیں سمجھتے، کوئی دوسرا سمجھے اور اس پر عمل کرے، تو یہ اس کا اپنا عمل ہے۔

ایک مدت سے تجربات کے بعد ہمیں اس طریقہ میں امت کی عمومی وہمہ جہتی افادیت محسوس ہوئی کہ متعلقہ وپیش آمدہ مسئلہ میں شریعتِ مطہرہ کی منصوص تعلیمات کو مقدم رکھ کر اُمت کی رہنمائی کی جائے، اور علمی نکات اور باریکیوں یا مخصوص اصطلاحات وتعبیرات میں عوام کو مبتلا نہ کیا جائے، اور جو پہلو مفید سمجھا جائے، اس کو بقدرِ ضرورت عام فہم انداز میں بیان کرنے پر اکتفاء کیا جائے۔

اسی طریقۂ کار کے مطابق ماہنامہ ''التبلیغ'' کا مذکورہ مضمون بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان

۱۰/ربیع الآخر/۱۴۳۵ھ 11/فروری/2014ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

Idara Ghufran